شرح
مؤطا امام محمد
تصنیف
حضرت امام محمد بن حسن شیبانی
شرح
محقق اسلام مولانا علامہ محمد علی
ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸- اردو بازار لاہور

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (القرآن)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو

فقہ حنفی کے عظیم ماخذ اور حدیث شریف کے اہم ذخیرے کی شرح

شرح

موطا امام محمد

الجزء الاول

تصنیف

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

شرح

محقق اسلام مولانا علامہ محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فہرس

شرح موطاامام محمد (جلداوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائی باتیں

پیش نظر کتاب ''شرح موطا امام محمد'' میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصانیف میں سے ہے۔ والد گرامی رحمہ اللہ نے اسے سہ سے شروع کر کے سہ میں مکمل کیا۔ آپ نے اپنی موجودگی میں اس کی کتابت شروع کر وا رکھی تھی۔ مگر ابھی کتاب کی زیور طبع سے آرائش باقی تھی کہ داعی اجل پہنچ گیا اور آپ ۲۸ صفر ۱۴۱۸ھ مطابق/۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء دار فانی کو چھوڑ کر دار القرار کی طرف کوچ فرما گئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اللہ آپ کی روح مبارک کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مدارج میں سکونت عطا فرمائے۔ آمین

والد صاحب نے اس سے قبل ناموس صحابہ کرام کے دفاع اور رافضیت کی تردید میں عظیم شاہکار تحقیق کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ تحفہ جعفریہ (پانچ جلدیں) عقائد جعفریہ (چار جلدیں) فقہ جعفریہ (چار جلدیں) دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ (دو جلدیں) میزان الکتب وغیرہ ان پندرہ جلدوں پر مشتمل کتب کو دفاع ناموس صحابہ میں وہ عظیم کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔ ہر مکتب فکر کے جید علماء نے ان کتب کی تحقیق' انداز اور افادیت پر ٹھوس تعریفی تبصرے اور تقریضات لکھی ہیں۔ حتیٰ کہ خود شیعہ علماء نے تسلیم کیا کہ رد شیعیت یہ ایک علمی اور تحقیقی کام ہے اور سنجیدہ انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔

ان کتب سے فراغت کے بعد والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء امام محمد کی محققانہ اور مفصل شرح لکھنے کا پروگرام بنایا تا کہ جہاں اس کتاب کی شرح تیار ہو جائے وہاں فقہ حنفی کے جزئیات و مسائل کی قرآن و احادیث اور آثار صحابہ سے مضبوط تائید بھی سامنے آ جائے۔ حضرت والد گرامی جب کسی مسئلے کی تحقیق میں پڑتے تھے تو دنیا و مافیہا سے کٹ کر اسی کی فکر میں ڈوب جایا کرتے۔ چنانچہ اسی انداز کے مطابق انہوں نے جب اس کتاب کی شرح کا بیڑہ اٹھایا تو ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر پوری یکسوئی کے ساتھ اس کام میں لگ گئے اور دن رات ایک کر دی۔

یہ بات کسی خوف تردید کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ اس شرح میں ہر موضوع پر جس طرح تحقیق کا دریا بہایا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے مسلک اہل سنت کے جملہ عقائد اور فقہ حنفی کے جزئیات کی تحقیق میں اسے مجمع العارف کہا جائے تو بیجا نہیں۔ نماز عصر کے وقت کی ابتدا کا مسئلہ ہو یا رفع یدین عند الرکوع کی بات۔ اسی طرح فاتحہ خلف امام ہو یا معاملہ آمین بالجہر سب پر حضرت شارح علیہ الرحمہ نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ اسی طرح جتنے بھی عقائد اہل سنت زیر بحث آئے ان پر آپ کی قلم نے تحقیق کی وہ جولانیاں دکھائی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر اہل علم سر دھنتے ہیں۔ قارئین کے ہاتھوں میں شرح موطاء امام محمد کی پہلی جلد ہے جو طہارت، نماز، جنائز، زکوٰۃ، صیام اور حج یعنی عبادات سے متعلقہ ابواب پر مشتمل ہے۔ مزید تین یا چار جلدیں زیر طبع ہیں، کتابت شروع ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں یہ کتاب مکمل طور پر چھاپنے کی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے، تا کہ والد صاحب کی روح اپنے مزار پر انوار میں مسرور ہو جائے اور اہل اسلام ایک قیمتی علمی سرمائے سے بہرہ ور ہوں۔ والسلام

قاری محمد طیب غفرلہ

حالات

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ، آسمان علم وحکمت کے اس نیر تاباں کا نام ہے جس کی کتابیں دیکھ کر غیر مسلم پکار اٹھے تھے۔ اگر چھوٹے محمد (حضرت امام محمد) کے علم کا یہ حال ہے تو بڑے محمد (رسول اللہ ﷺ) کے علم کی عظمتوں کا کیا حال ہوگا؟

حضرت امام محمد رحمہ اللہ کو شیبانی اس لیے کہتے ہیں کہ قبیلہ شیبان سے ان کی نسبت ولاء ہے آپ کے والد دمشق کے قریب ایک بستی "حرستا" سے تعلق رکھتے تھے۔ جہاں سے وہ ہجرت کر کے عراق چلے آئے اور ۱۳۲ھ میں واسط شہر میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ ان کے ہاں پیدا ہوئے بعد ازاں کوفہ میں ان کی علمی نشو ونما ہوئی۔ جہاں انہوں نے امام الامہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حدیث میں آپ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے علاوہ حضرت امام مالک بن انس، حضرت سفیان ثوری، عمرو بن دینار، مسعر بن کرام، امام اوزاعی اور ربیعہ بن صالح وغیرھم سے استفادہ کیا۔

آپ عراق کے شہر رقہ میں تشریف لے گئے جہاں عباسی خلفاء میں سے ہارون الرشید بھی قیام پذیر تھا۔ اس نے آپ کی جلالت علمی سے متاثر ہوکر منصب قضاء پیش کیا جو آپ نے قبول کیا اور چند دن بعد چھوڑ دیا۔ بعد ازاں آپ بغداد چلے آئے اور حدیث وفقہ کی تعلیم دینا شروع کی اور آپ کے علم کا شہرہ اطراف واکناف مملکت اسلامیہ میں پھیل گیا مسجدِ کوفہ میں بیس برس کی عمر میں آپ نے درس حدیث وفقہ دینا شروع کیا اور زندگی بھر دیتے رہے۔ ہزاروں تشنگانِ علم آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔ جن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، موسیٰ بن سلیمان جوز جانی، ہشام بن عبیداللہ رازی اور امام ابوحفص کبیر وغیرھم جیسے جلیل القدر ائمہ دین بھی شامل ہیں۔

آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تین سال یوں استفادہ کیا کہ ہر وقت ان کے دروازے سے چپکے رہے اور احادیث نبویہ کا ایک بڑا ذخیرہ ان سے جمع کر لیا۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے والد نے تیس ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے جن میں سے پندرہ ہزار درہم میں نے عربی نحو اور شعر میں صرف کیے اور پندرہ ہزار حدیث وفقہ پر۔ الغرض مجھے جتنی رقم ترکہ میں ملی وہ میں نے ساری کی ساری علم حاصل کرنے پر خرچ کر ڈالی۔

امام ابوعبید کہتے ہیں ہم ایک بار امام محمد بن حسن شیبانی کے ساتھ بیٹھے تھے اتنے میں خلیفہ ہارون الرشید آ گیا سب لوگ اس کے لیے کھڑے ہو گئے مگر امام محمد کھڑے نہیں ہوئے بیٹھے رہے خلیفہ دوبارہ دروازے سے نکل کر واپس داخل ہوا تا کہ امام محمد کھڑے ہو جائیں اور اسے خفت نہ اٹھانی پڑے مگر آپ ٹس سے مس نہ ہوئے خلیفہ شرمندہ ہوکر پوچھنے لگا۔ جب تمام مجلس میرے لیے کھڑی ہوگئی ہے تو آپ کیوں کھڑے نہیں ہوئے؟ آپ نے فرمایا اے ہارون! ہمیں تمہارے ہی گھرانے سے حدیث ملی ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کی طرف اشارہ ہے) اور تم ہی نے ہمیں دین کی خدمت کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو کہ ہمیں دین کی خدمت سے ہٹا کر اپنی خدمت پر لگا لو؟ اور یاد رکھو رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ جو شخص یہ چاہتا

ہے کہ لوگ اس کے لیے قیام میں کھڑے رہا کریں اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔ ہارون الرشید پر اس جواب سے بڑی ہیبت سوار ہوئی اور اس نے آپ کو بہت سا مال نذرانے میں پیش کیا جو آپ نے لے لیا مگر جیسے ہی خلیفہ باہر نکلا آپ نے وہ سب تقسیم کر دیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ صرف علم ہی کے نہیں تقویٰ وتوکل کے بھی جبل شامخ تھے اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تربیت کا اثر تھا۔

مجاشع بن یوسف کہتے ہیں۔ میں مدینہ طیبہ میں امام مالک کے پاس بیٹھا تھا آپ لوگوں کو ان کے سوالات پر فتوے دے رہے تھے اتنے میں وہاں امام محمد بن حسن داخل ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر بہت مختصر تھی۔ انہوں نے سوال کیا۔ اس جنبی شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو مسجد کے سوا کہیں پانی نہ پائے؟ امام مالک نے فرمایا: مسجد میں ناپاک آدمی داخل نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے پوچھا پھر وہ کیا کرے جبکہ نماز کا ٹائم جا رہا ہو اور وہ پانی بھی دیکھ رہا ہے؟ امام مالک بار بار یہی کہے جا رہے تھے ناپاک آدمی مسجد میں نہیں جا سکتا۔ جب امام محمد نے اپنا سوال بار بار دھرایا تو امام مالک فرمانے لگے۔ آخر تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟

انہوں نے کہا: اسے تیمم کرنا چاہیے اور مسجد میں جا کر پانی باہر لانا چاہیے اور غسل کرنا چاہیے۔ امام مالک نے اس جواب کو بہت سراہا اور آپ کو اپنا قرب خاص عطا فرمایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں نے اپنی زندگی میں امام محمد سے بڑھ کر کوئی شخص فصیح اللسان نہیں دیکھا اور جب میں انہیں قرآن پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے قرآن انہی کی زبان پر اترا ہے۔

محمد بن سماعہ فرماتے ہیں امام محمد کی مسائل فقہیہ اور احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج اور تدوین وترتیب میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ گھر والوں کو اپنا ایک وکیل دے رکھا تھا اور فرما دیا تھا کہ جو کچھ مصارف ہوں اس سے لے لیا کرو اور مجھے دین کی خدمت کے لیے چھوڑ دو تمہاری گفتگو سے میں حوائج دنیا میں پھنس جاتا ہوں اور مسائل شرعیہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

ابراہیم حربی کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا یہ اس قدر باریک اور گہرے مسائل آپ کہاں سے لاتے ہیں؟ فرمایا میرے پاس امام محمد بن حسن کی کتب ہیں، انہی سے لاتا ہوں۔

الغرض حضرت امام محمد کی علمی قدر ومنزلت کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید آپ سے اس قدر متاثر تھا کہ اکثر آپ کو ساتھ رہنے پر مجبور کرتا تھا باوجودیکہ آپ اس کی صحبت کے خواہاں نہ تھے بلکہ ناخوش تھے۔ جب خلیفہ شہر "رے" گیا تو آپ کو ساتھ لے گیا۔ "رے" کے قیام ہی میں امام محمد رحمہ اللہ وصال فرما گئے۔ آپ کا سن وفات ۱۸۹ھ ہے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت ستاون (۵۷) برس تھی۔

اتفاق ہے کہ دنیائے نحو کے امام الکل امام کسائی اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ ایک دن ایک ہی جگہ فوت ہوئے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے دونوں کی تدفین کے بعد کہا: آج ہم نے لغت اور فقہ کو زمین میں دفن کیا ہے۔

اتنی قلیل عمر میں امام محمد نے اتنا وسیع اور وقیع کام کیا ہے جس کے غلغلے سے آج بھی عالم اسلام گونج رہا ہے اور ہمیشہ گونجتا رہے گا۔ آپ کی تصنیفات۔ الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، کتاب المبسوط الزیادات، اور موطاء امام محمد وغیرھم آپ کی علمی یادگاریں ہیں۔

تغمده الله بغفرانه واقامه فی اعلی مدارج جنانه وعم علیه من احسانه وصلی الله علی حبیبه سیدنا ومولانا محمد واله وصحبه اجمعین۔

محمد طیب غفرلہ ابن شیخ الحدیث علامہ محمد علی شارح کتاب

۲۸ ربیع اول ۱۴۱۸ھ ۱۴/ اگست ۱۹۹۶ء

کتب حدیث میں موطا امام محمد کا فنی مقام

موطا امام محمد رحمہ اللہ دراصل موطا امام مالک رحمہ اللہ کا دوسرا نام ہے۔ امام مالک نے حدیث رسول (ﷺ) کا جو مجموعہ تیار فرمایا اس کا نام انہوں نے موطا رکھا جو کہ باب وطی یوطی توطینة کا اسم مفعول ہے۔ جس کا معنی ایسا راستہ جس پر لوگ کثرت سے چلیں۔ گویا یہ "الصراط المستقیم" کا ترجمہ ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں نے آپ سے یہ مجموعہ سنا اور آپ کو سنایا اور آگے اسے اپنی اپنی روایت کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ ہر شاگرد کے نام سے ایک ایک موطا مشہور ہو گیا۔ جیسے موطا ابن وہب، موطا ابن القاسم، موطا معن بن عیسیٰ، موطا ابی مصعب، موطا یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اور موطا امام محمد وغیرہ۔

چنانچہ بقول امام زرقانی شارح موطا امام مالک اور بقول امام قاضی عیاض رحمہ اللہ مختلف اکناف عالم میں مشہور موطّات کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے۔ (زرقانی شرح موطاء امام مالک جلد ا مقدمہ ص ۳)

ان موطّات کا باہم کسی جگہ تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی کے اعتبار سے کچھ کچھ اختلاف بھی ہے چنانچہ بستان المحدثین میں ان اختلافات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور ہر نسخہ میں پائی جانے والی انفرادی احادیث کو واضح کیا گیا ہے۔

موطا امام مالک جو آج کل مستقل کتاب کی حیثیت سے ملتا ہے۔ یہ موطاء یحییٰ بن یحییٰ مصمودی ہے۔ یحییٰ مذکور نے جب امام مالک سے ان کے موطاء کی احادیث سنیں اور ان کا مجموعہ لے کر اندلس میں داخل ہوئے تو وہاں کے حاکم نے ان کی بہت مدارات کی اور اس کے تعاون کی وجہ سے ان کا موطاء بہت شہرت پا گیا۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس کتاب کو سرکاری طور پر تعاون مل جائے اور وہ ہو بھی عمدہ کتاب تو وہ بہت جلد مشہور اور عام ہو جاتی ہے۔ پھر یہی یحییٰ جب دربار ترکیہ میں آئے تو وہاں بھی ان کی بڑی پذیرائی ہوئی اور امیر قرطبہ نے انہیں عہدہ قضا پیش کیا جو انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس سے امیر قرطبہ ان کا مزید گرویدہ ہو گیا اور ان کے موطاء کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور کثرت شہرت کی بناء پر اسے ہی علی الاطلاق موطاء امام مالک کہا جانے لگا اور یہ شہرت خداداد چیز ہے جسے خدا چاہے دے دیتا ہے۔ جیسے قرآن کریم کی قراءات سبعہ جو قراء سبعہ سے مروی ہیں سب ہی قطعی اور حتمی ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ مگر ان قراء سبعہ میں سے امام عاصم کوفی کے شاگرد امام حفص کی روایت کو جو عالمگیر شہرت ملی ہے یہ معجزانہ حد تک محیر العقول ہے۔ آج پوری دنیا میں امام حفص کی روایت کے مطابق قرآن کریم پڑھا جا رہا ہے جبکہ دوسری محیر قراءات بھی قطعیہ ہیں۔ کچھ یہی حال موطاء یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا بھی ہے کہ اب اسی کو موطاء امام مالک کے طور پر سمجھا جا رہا ہے جبکہ دوسرے موطّات بھی اسی طرح صحیح اور مستند ہیں۔ انہی میں سے موطاء امام محمد بھی ہے۔

چنانچہ امام زرقانی فرماتے ہیں کہ موطا امام محمد کو امام مالک کے موطّات میں سے نہ شمار کرنا محض وہم اور جہالت ہے۔ بلکہ چند اعتبار سے موطا امام محمد کو موطا یحییٰ بن یحییٰ پر ترجیح حاصل ہے۔

اول: یحییٰ نے سارا موطا امام مالک سے نہ سنا چند ابواب وہ بھی ہیں جو انہوں نے امام مالک کے شاگردوں سے سنے جن میں کتاب الاعتکاف وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ امام محمد نے تمام ابواب امام مالک سے براہ راست سنے۔

دوم: یحییٰ امام مالک کے پاس ان کی زندگی کے آخری سال میں پہنچے اور تجہیز و تکفین میں بھی شامل ہوئے جبکہ امام محمد تو امام مالک کے پاس اہل سیر کے ہاں بالاتفاق تین برس تک مقیم رہے۔ صرف مقیم نہیں رہے ہر وقت ان کے ساتھ رہے دروازے سے لگے رہے۔

ظاہر کثیر الصحبۃ شخص کو قلیل الصحبۃ پر ترجیح ہے۔

سوم: یحییٰ کا موطا بہت سے مقامات پر امام مالک کے اجتہادات اور استخراج کا ذکر کرتا ہے اور تائید میں کوئی حدیث یا اثر پیش نہیں کرتا۔ جبکہ موطا امام محمد میں کوئی ترجمۃ الباب ایسا نہیں ملے گا جس میں احادیث و آثار موجود نہ ہوں۔ اس کی مزید تشریح مقدمۃ التعلیق المجد میں دیکھیں۔

الغرض جب موطا امام محمد بھی امام مالک کے موطئات میں داخل ہے تو پھر استنادی اور فنی حیثیت میں کیا شک رہ جاتا ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم امام نے یہاں تک فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے بعد زمین کے چہرے پر میں نے موطاء امام مالک سے بڑھ کر صحیح ترین کتاب نہیں دیکھی۔ دیکھئے ''تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک للسیوطی'' الزرقانی شرح موطا امام مالک وغیرھما''۔ اگرچہ امام ابن حجر اور امام سیوطی وغیرھما نے امام شافعی کے اس قول کے تحت لکھا ہے کہ یہ انہوں نے صحیح البخاری کے وجود میں آنے سے قبل فرمایا تھا۔ جب صحیح البخاری وجود میں آئی تو پھر بالاتفاق اسے ہی **اصح الکتب بعد القران** قرار دیا گیا۔ کیونکہ جو شرائط بخاری نے صحت قبول روایت کے لیے مقرر کی اور نبھائی ہیں۔ ان کا امام مالک نے التزام نہیں فرمایا۔ تفصیل کے لیے فتح الباری شرح صحیح البخاری کا مقدمہ دیکھا جائے۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ موطاء امام مالک حدیث کی قدیم ترین اور مستندترین کتاب ہے اور اس میں امام مالک کے تقویٰ و زہد کی خوشبو بھی شامل ہے۔ آپ علم و فضل اور زہد و ورع کا وہ جبل رفیع ہیں جس کی بشارت پر احادیث نبویہ میں اشارات ملتے ہیں۔ آپ جب بھی حدیث نبوی بیان کرنے بیٹھتے تو پہلے غسل کر کے عمدہ کپڑے پہنتے اور خوشبو لگاتے۔ تب کسی کو حدیث مبارک سناتے اور یہ اہتمام لب ہائے رسول اللہ ﷺ سے نکلے ہوئے کلمات کے احترام کے لیے تھا۔ اللہ ہمیں بھی ان کی اتباع عطا فرمائے۔

آمین بحرمة طه ويٰس صلى الله عليه واله وصحبه اجمعين

محمد طیب غفرلہ ابن شیخ الحدیث علامہ محمد علی شارح کتاب

۲۸ ربیع اول ۱۴۱۸ھ

۱۴ اگست ۱۹۹۶ء

✡✡✡✡✡

سوانح حیات
حضرت علامہ محمد علی رحمہ اللہ (شارح کتاب)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد.

تخلیقِ کائنات کے ساتھ ہی خالق کائنات نے جب بنی آدم کو عزت وشرافت کا تاج بخشا تو اسے پردہ عدم سے منصۂ شہود میں لا کر سطح زمین پر آباد فرمایا پھر ہر دور و ہر عہد میں دینی امور کی رشد وہدایت اور دنیوی ضروریات کی فلاح و بہود کا راستہ دکھانے کے لیے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام، عظیم المرتبت اولیاء کرام علیہم الرحمہ اور تبحر علمائے دین مبعوث ومقرر فرما تا رہا۔ ان عظیم ہستیوں نے نوع انسانی کو صراط مستقیم کی تلقین وتبلیغ فرمائی اور انہیں شرک وکفر اور گمراہی کی بھیانک تاریکیوں سے نکال کر ان کے سینوں کو نور علی نور اور معرفت خداوندی سے معمور فرمایا اور یہ حضرات متلاشیان حق کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوئے۔
چودہ سو سال ہوئے خلاق عالم نے سلسلۂ نبوت تو اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ پر ختم فرما دیا۔ جب سید کائنات ختمی مرتبت نے بظاہر دنیا سے پردہ فرما لیا تو اس وقت سے آج تک اولیاء اور علماء ہی ہیں جو پیام حق بندگان حق تک پہنچاتے رہے ہیں اور تا قیامت پہنچاتے رہیں گے۔ ان ہی عظیم محسنین امت میں سے ایک استاذ العلماء استاذی المکرم حضرت الحاج الحافظ علامہ مولانا محمد علی صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ دار العلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ بلال گنج امیر روڈ لاہور ہیں۔ آپ بیک وقت اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک تبحر عالم دین، حق گو مجاہد، شیریں لسان خطیب ایک مہربان ومشفق استاد اور اعلیٰ درجہ کے مدرس ہیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے جو ملک کے طول وعرض میں عرصہ سے مسلک اہل السنّت والجماعت کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں۔ راقم الحروف بھی ان کے گلشن کے خوشہ چینوں میں سے ایک ادنیٰ سا غلام ہے۔
حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد علی صاحب رحمہ اللہ مذہبا سنی، حنفی، بریلوی، مشربا نقشبندی ہیں، ساکنا، لاہوری ومولدا گجراتی ہیں۔
قبلہ استاذی المکرم نے کم وبیش اٹھارہ سال تک تاروال ضلع سیالکوٹ کی مرکزی جامع مسجد شاہ جماعت میں فرائض خطابت انجام دیئے۔ اس مسجد کی بنیاد حضرت امیر ملت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمہ اللہ نے رکھی تھی۔ اس مسجد میں خطابت کے دوران عوام کے اجتماع کا یہ حال ہوتا تھا کہ جامع مسجد کے وسیع ہال اور صحن کے علاوہ گلیوں، بازاروں، دکانوں اور مکانوں کی چھتوں پر عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ جب آپ اپنی تقریر میں قرآن مجید کی آیات اپنے مخصوص لہجہ میں تلاوت فرماتے تو مجمع جھوم جھوم اٹھتا تھا۔

پیدائش

استاذی المکرم مولانا الحاج محمد علی صاحب رحمہ اللہ ۱۹۳۳ء میں موضع حاجی محمد مضافات شہر لالہ موسیٰ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں آپ کے والدین کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں: ''جب میری عمر سات برس کی ہوئی

اور ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت تنگدستی کا دور دورہ تھا"۔ آپ کی والدہ محترمہ جو کہ ایک ولیہ کاملہ تھیں اور روزانہ ایک ہزار رکعت نوافل ادا کرتی تھیں، نے محسوس فرمایا کہ ہم اپنی کفالت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فیصلہ فرمایا کہ اپنے بیٹے محمد علی کو کسی دینی مدرسہ میں داخل کرایا جائے تا کہ علم دین حاصل کریں اور اسی سبب سے اللہ تعالیٰ ہمارے دن پھیر دے"۔ فلہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو چکوڑی شریف ضلع گجرات کے ایک مدرسہ میں داخل کروا دیا مگر صحیح سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے آپ چار پانچ سال تک مختلف مدارس میں گھومتے رہے اور اس عرصہ میں صرف قرآن مجید ناظرہ ہی ختم ہوا۔

بعد ازیں جب آپ گھر واپس تشریف لائے تو خیال کیا کہ اب کسی طرح والدین کی خدمت کرنی چاہیے گھر سے نکلے اور لاہور پہنچ کر ہربنس پورہ کے قریب ہوائی جہاز چھاؤنی میں ملازم ہو گئے اور اس طرح بذریعہ ملازمت کچھ عرصہ تک والدین کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند ہوئی تو آپ واپس اپنے گاؤں حاجی محمد ضلع گجرات چلے آئے۔

تعلیم وتربیت

چوں کہ والدہ محترمہ کا دلی ارادہ علم دین پڑھانے کا تھا اور آپ اکثر اوقات اس کی دعا بھی فرماتی رہتی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے دل میں علم دین کے حصول کی تڑپ اس شدت سے پیدا ہوئی کہ جب آپ خیال فرماتے کہ ساری عمر یونہی گزر جائے گی؟ تو آنکھوں سے اشکوں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ ایک دن والدہ صاحبہ سے اجازت چاہی تو انہوں نے خاموش رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے والد اور بھائی اجازت نہیں دینگے۔

اور پھر ایک دن آپ بلا کسی اطلاع کے گھر سے نکلے اور میانہ گوندل ضلع گجرات پہنچ گئے۔ وہاں ایک مسجد میں حافظ قاضی غلام مصطفیٰ صاحب پنن وال ضلع جہلم قرآن مجید حفظ کراتے تھے۔ آپ بھی ان کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے اور ایک سال میں پندرہ پارے حفظ فرمائے۔ دفعتہً ایک دن خیال آیا کہ غدر کا زمانہ ہے اور حالات مخدوش ہیں والدین کہیں یہ نہ سمجھے بیٹھے ہوں کہ ان کا بیٹا کہیں شہید ہو گیا ہے جس کی آج تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ لہٰذا آپ نے والدین کو ایک خط اپنی خیر و عافیت کے متعلق لکھا مگر اس میں اپنا پتہ درج نہ فرمایا۔ صرف یہ تحریر کیا کہ میں زندہ و سلامت ہوں اور بخیر و عافیت ہوں تلاش کی زحمت گوارہ نہ فرمائیں۔ قرآن پاک مکمل حفظ کر کے خود گھر واپس آ جاؤں گا۔

یہ خط جب پہنچا تو حقیقتاً والدین آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے والدین آخر والدین ہوتے ہیں برداشت نہ کر سکے۔ خط پر ہو بہنا ڈیو کی مہر دیکھ کر والدین وہاں پہنچ گئے اور تلاش کرتے کرتے میانہ گوندل تشریف لے آئے اور ملاقات ہوئی تو گلے لگا کر بہت روئے لہٰذا واپس گھر لے آئے۔

چند دن گھر پر گزارنے کے بعد پھر وہی اشتیاق حصول علم موجزن ہوا۔ آپ پھر بھاگے اور موضع گوہڑ مضافات منڈی بہاؤالدین پہنچے۔ وہاں آپ کو ایک نہایت ہی مہربان اور تجربہ کار استاد مل گئے جن کا اسم گرامی حافظ فتح محمد صاحب تھا۔ وہ آپ کو اپنے مدرسہ اجووال لے گئے اور بڑی محنت و جانفشانی سے قرآن مجید مکمل کرایا۔ قرآن کریم مکمل حفظ کرنے کے بعد آپ گھر تشریف لے آئے۔

میلان طبع کو دیکھتے ہوئے گھر والوں نے مزید علوم دینیہ حاصل کرنے کی اجازت دے دی اور آپ دار العلوم جامعہ محمدیہ بھکھی شریف ضلع گجرات میں داخل ہو گئے۔ دار العلوم کے شیخ الحدیث اور ناظم اعلیٰ علامۃ الدھر جامع المعقول والمنقول حضرت پیر سید جلال الدین شاہ صاحب نے بڑی شفقت فرمائی اور آپ کو حضرت مولانا علامہ بشیر احمد سرگودھوی مرحوم کے سپرد فرما دیا۔ انہوں نے آپ کو قانونچہ کیوالی، نحو میر اور شرح مائۃ عامل وغیرہ ابتدائی کتب پڑھائیں۔

تلاش مرشد کامل

دوران تعلیم مرشد کامل کی تلاش ذہن میں آئی تو اپنے استاذ مکرم حضرت علامہ مولانا حافظ محمد سعید احمد صاحب خطیب اعظم علی پور چٹھہ کی معیت میں آستانہ عالیہ حضرت کیلیا نوالہ شریف حاضر ہوئے۔ سراج السالکین قدوۃ العارفین قبلہ پیر سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری قدس سرہ العزیز واکمل واعظم خلیفۂ مجاز، سلطان العارفین، قطب زماں اعلیٰ حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب شرق پوری رحمہ اللہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "آپ حافظ قرآن ہیں" پھر جواب سے پہلے خود ہی فرما دیا: "ہاں آپ حافظ قرآن تو ہیں" پھر فرمانے لگے "آپ کس لیے آئے ہیں؟" آپ نے عرض کیا حضور اللہ اللہ سیکھنے! حاضر ہوا ہوں۔ حضرت خواجہ پیر سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ پہلے بھی ایک دفعہ یہاں آئے تھے آپ نے عرض کیا ہاں حضور حاضر ہوا تھا حضرت صاحب کے اس عارفانہ کلام کا دل پر نہایت گہرا اثر ہوا اور اصل واقعہ یہ تھا کہ جب آپ اجووال میں قرآن مجید حفظ کرر ہے تھے تو اس گاؤں کا ایک چوہدری شیر محمد راجہ آپ کو ساتھ لے کر حضرت کیلیا نوالہ شریف حاضر ہوا تھا راستہ میں دوران گفتگو چوہدری صاحب نے آپ سے پوچھا کہ حافظ صاحب: بھلا مرشد کیسا ہونا چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا جسے کم از کم اتنی خبر تو ہو کہ کوئی آنے والا عقیدت لیے آرہا ہے۔ جب وہ دونوں صاحب حاضر بارگاہ ہوئے تو جمعہ شریف کا دن تھا۔ حضرت صاحب خطبہ کے لیے ممبر پر رونق افروز ہوئے۔ آیت قرآنی، ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی الخ تلاوت فرمائی۔ دوران تقریر آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیر وہ ہوتا ہے جسے خبر ہو کہ مرید آرہا ہے۔ مگر دوستو! آزمائش اچھی بات نہیں ہوتی۔ ظنوا المؤمنین خیرا (مومنوں کے متعلق حسن ظن رکھو) حدیث پاک پڑھی اور وعظ ختم فرمایا۔ خطبہ کے اختتام پر اشارہ فرمایا کہ اسے یعنی آپ کے ساتھی کو پیچھے کر دو کیوں کہ چوہدری صاحب داڑھی مونڈے تھے۔

اگلی صبح اجازتیں ملنے لگیں۔ سب لوگ اجازتیں لے لے کر جارہے تھے سب سے آخر میں آپ کی باری آئی تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جو لوگ رہ گئے ہیں ان کو کہہ دو چلے جائیں۔ میری طبیعت خراب ہے۔ پھر کبھی آجائیں۔ اس طرح قبلہ استاذی المکرم کے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی۔ شیخ کامل یہی ہیں اور بہر صورت ان سے اکتساب فیض کرنا چاہیے لیکن حضرت قبلہ عالم نے بڑی کوشش کے بعد قبول فرمایا اور اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیا۔ پھر فرمانے لگے کہ حافظ صاحب: کوں کوں نہ کیا کرو۔ تہجد پڑھا کرو، پھر سبق یاد کیا کرو، برکت ہو گی۔ اصل بات یہ تھی کہ جن دنوں حضرت استاذی المکرم قانونچہ کیھوالی پڑھتے تھے تو رات کو اٹھ کر صرف کی گردانیں منہ بند کر کے ناک کے راستہ دہرایا کرتے تھے جس کو حضرت شیخ نے "کوں کوں" سے تعبیر فرمایا۔ یہ آپ کا کشف باطنی تھا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ نے فرمایا "حافظ صاحب! جلدی" "کھتی" "مارنا" یعنی جلدی آنا۔ آپ اگلے جمعہ تیس میل پیدل چل کر درگاہِ شیخ پر پہنچے تو حضرت شیخ نے آپ کا وظیفہ مکمل فرما دیا اور ساتھ ہی فرمایا "حافظ صاحب! اب کی بار بہت جلدی" "کھتی" "مارنا" یعنی بہت جلدی آنا۔

استاذی المکرم نے اگلے جمعہ کو حاضر ہونے کا ارادہ کیا مگر اس سے پہلے ہی حضرت شیخ کیلانی اس دار فانی سے پردہ فرما گئے۔ یہ سارا واقعہ حرف بحرف قبلہ استاذی المکرم نے خود بیان فرمایا۔

تکمیل علم

بعد ازاں استاذ گرامی حضرت مولانا علامہ محمد علی صاحب رحمہ اللہ دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہوئے اور بحر العلوم استاذ الاساتذہ جامع معقول ومنقول علامہ زمان حضرت مولانا غلام رسول رضوی فیصل آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حضرت مولانا قبلہ رضوی صاحب نے نہایت جانفشانی، کمال محنت وشفقت سے پڑھایا اور آپ نے انہیں سے درست نظامی کی تکمیل کی۔ استاذی المکرم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جتنی محنت اور محبت میرے ساتھ قبلہ مولانا علامہ غلام رسول صاحب نے فرمائی ہے اس کی شاید

ہی کہیں مثال مل سکتی ہو۔

علوم درسیہ سے فراغت کے بعد آپ نے اورنٹیل کالج لاہور سے نمایاں حیثیت سے فاضل عربی کا امتحان پاس فرمایا پھر حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی کی وساطت سے محدث اعظم پاکستان حضرت قبلہ مولانا علامہ سردار احمد صاحب قدس سرہ العزیز سے اکتساب حدیث کے بعد سند حدیث حاصل کی۔

وصال

شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی دین متین کی خدمت کی۔ مذاہب باطلہ کا رد کیا اور مسلمانوں کے عقائد پر آنچ لانے والی ہر مذموم تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بالآخر علم وفضل کا یہ آفتاب اپنی نورانی روحانی اور علمی کرنیں بکھیرتا ہوا ۲۸ صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء بروز اتوار بعد نماز مغرب غروب ہوگیا۔

آپ کے وصال پر علماء اہل سنت جس صدمے سے دوچار ہوئے اس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔ پورے ملک میں آپ کے انتقال پرملال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ جگہ جگہ آپ کے ایصال ثواب کے لیے جلسے اور محافل منعقد ہوئیں اور تعزیتی اجلاسات ہوئے جلیل القدر علماء ومشائخ نے اپنے تعزیتی پیغامات ارسال کیے اور ان میں مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات اور علمی کارناموں کو سراہا اور آپ کے وصال کو مسلک اہل سنت و جماعت اور مسلمانان عالم کے لیے عظیم حادثہ قرار دیا۔

وصال کے بعد آپ کا چہرہ سب دنیا نے دیکھا کہ وہ عام مردوں کی طرح زرد یا پھیکا نہیں پڑ گیا تھا بلکہ زندوں کے چہروں کی طرح خون سے بھرا ہوا اور سرخ نظر آرہا تھا۔ پھر جیسے جیسے تدفین کا وقت قریب آتا گیا۔ چہرے کی رونق اور سرخی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپ سوئے ہوئے ہیں ابھی اٹھ کر بیٹھ جائیں گے اور ہمیں دین کے مسائل بتلانے لگیں گے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

نشانِ مرد مومن باتو گویم
چومرگ آید تبسم برلب او ست

کسی دانا کا کہنا ہے اے انسان! جب تو دنیا میں آتا ہے تو گھر والے خوشی سے ہنس رہے ہوتے ہیں اور تو رو رہا ہوتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ دنیا سے یوں سفر کرے کہ گھر والے رو رہے ہوں اور تو مسکرا رہا ہو۔ مرشد گرامی علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کا صحیح مصداق تھے۔ آپ کا وصال نماز مغرب سے قریباً پندرہ منٹ بعد ہوا۔ آپ کے بڑے بیٹے قاری محمد طیب صاحب بتلاتے ہیں کہ آپ نے نماز مغرب سے قبل جب کہ نزع کی سختی آپ پر طاری تھی بار بار بلند آواز سے یہ دعا پڑھی۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔

آخری سانس تک آپ کے ہوش وحواس بدستور قائم رہے نماز مغرب کی اذان ہوئی تو آپ نے چارپائی پر وضو کیا اور بیٹھ کر نماز مغرب ادا کی۔ پھر سنتیں اور نوافل پڑھے پھر اوابین کے نوافل ادا کیے اور اس کے بعد لیٹ گئے اور چند ہی منٹ بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ نے نماز مغرب کے بعد وصال سے قبل کوئی گفتگو نہیں کی گویا آپ کی زبان سے آخری کلمات جو صادر ہوئے وہ نماز کی صورت میں تلاوت قرآن کریم تھی، خدائے ذوالجلال کی تسبیحات وتقدیسات تھیں اور رسول کریم ﷺ پر درود شریف تھا۔ حدیث مبارک ہے جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوا جبکہ یہاں تو مکمل نماز پڑھی گئی ہے۔ یہ امر مرشد گرامی کے جنتی اور فائز المرام ہونے کی اعلیٰ دلیل ہے۔

تصانیف

مرشد گرامی علیہ الرحمہ کی تصانیف چند ایک کے سوا آپ کی زندگی ہی میں زیور طبع سے آراستہ ہوگئی تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) تحفہ جعفریہ (۵ جلدیں) اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصا خلفاء راشدین کے محامد و مناقب قرآن کریم اور کتب شیعہ سے ثابت کیے گئے ہیں اور خلفاء راشدین پر شیعوں کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات کی شیعہ کتب کی روشنی میں نہایت محققانہ تردید کی گئی ہے۔

(۲) عقائد جعفریہ (۴ جلدیں) اس میں شیعہ فرقہ کے تمام بنیادی عقائد منجملہ تحریف قرآن امامت ـ تقیہ ـ تبرا وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور مرشد گرامی نے شیعہ کتب سے ثابت کیا ہے کہ یہ فرقہ نہایت گھناؤنے عقائد کا حامل ہے جن کا ایک عام مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا اور ثابت کیا ہے کہ شیعوں کے نزدیک رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرام تین کے سوا سب آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور یہ کہ خلفاء راشدین پر ہر نماز کے بعد معاذ اللہ لعنت کرنی چاہیے۔ مرشد گرامی نے اس کتاب میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس فرقہ کی زبان و علم سے انبیاء کی عصمت بھی محفوظ نہیں۔ ائمہ اہل بیت کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے یہ لوگ انبیاء کرام کی شدید توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک موجودہ قرآن ناقص ہے۔ پورا قرآن امام مہدی لائیں گے اور یہ کہ امام حسین اور شہدائے کربلا کی شہادت کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ وغیرہ ذالک۔

(۳) فقہ جعفریہ (۴ جلدیں) اس کتاب میں حضرت مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس وسیع تحقیق کی بنیاد اور عمیق مطالعہ کی بنیاد پر جو آپ نے شیعہ مذہب کی ریسرچ پر صرف کیا شیعہ فرقہ کی فقہ جعفریہ کے ایک ایک جزئیہ کا رد کیا ہے اور نہایت عالمانہ محققانہ انداز میں ثابت کیا ہے کہ اس فرقہ کی فقہ نہایت گھناؤنے شرمناک اور نا قابل عمل بلکہ نا قابل یقین مسائل پر مشتمل ہے۔ فقہ جعفری کی کتاب الطہارت، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز اور کتاب النکاح جس میں احکام متعہ بھی شامل ہیں۔ قابل مطالعہ ہیں۔ علاوہ ازیں شیعہ مجتہدین فقہ حنفی پر جو اعتراضات کرتے ہیں۔ مرشد گرامی نے نہایت تحقیقی انداز میں اس کتاب کے اندر ان کا قلع قمع کیا ہے۔

(٤) دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ (۲ جلد) اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپ کی ذات گرامی پر شیعوں اور شیعہ نما سنیوں کی طرف سے وارد کردہ اعتراضات والزامات کی تردید پر داد تحقیق دی گئی ہے۔ اس کتاب نے اہل سنت ہی نہیں دیگر مکاتب فکر سے بھی داد تحسین وصول کی ہے۔

(٥) میزان الکتب: یہ قریباً سات سو صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس میں ان کتب کی تحقیق کی گئی ہے جو حقیقتاً شیعہ فرقہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ مگر شیعہ علماء انہیں اہل سنت کی معتبر کتب قرار دے کر ان سے حوالہ جات پیش کرتے اور جاہل عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ اپنے موضوع پر سب سے پہلی اور شائد آخری کتاب ہے۔

(٦) نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین ﷺ (صفحات قریباً سو) اس محققانہ کتاب میں رسول کریم ﷺ کے والدین اور آپ کے نسب مبارک کے تمام آباء و امہات کے مسلمان اور اعلیٰ پایہ کے اہل ایمان ہونے پر دلائل قاہرہ پیش کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں مرشد گرامی نے سید انس و جاں مالک کوثر و تسنیم و جناں ﷺ سے محبت کا دریا بہایا ہے اور تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ عشاق رسول ﷺ کے لیے نعمت گراں مایہ ہے۔

(۷) تعارف سیدنا امیر معاویہ: قریباً سو صفحات پر مشتمل عالمانہ اور محققانہ رسالہ۔

(۸) قانونچہ رسولیہ: عربی صرف کے قواعد و قوانین کی تشریح میں لکھی جانے والی عام فہم کتاب جو درس نظامی کے مبتدی طلباء اور

مدرسین وعلماء سب کے لیے یکساں مفید ہے۔

(۹) **منکرین وجوب اللحیہ کا شرعی محاسبہ:** قریبا دو سو صفحات کی اس کتاب میں داڑھی رکھنے کے وجوب پر قاہر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور منکرین کے شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔نہایت تحقیقی کتاب ہے۔الغرض حضرت مرشد گرامی نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا۔تحقیق کا دریا بہا دیا۔

مذکورہ سب کتب چھپ چکی ہیں اور بازار میں دستیاب ہیں۔

(۱۰) **شرح موطاء امام محمد رحمہ اللہ:** اس کتاب کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے مزید تین یا چار جلدیں منتظر طباعت ہیں۔ اس کتاب پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔قارئین خود مطالعہ کر کے مصنف علیہ الرحمہ کی جلالت علمی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اہل سنت وجماعت پر اس کتاب کی صورت میں مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے احسان عظیم فرمایا ہے۔

(۱۱) **شان اہل بیت اور دشمنان اہل بیت کا محاسبہ:** یہ کتاب آپ کی زندگی کی آخری تصنیف ہے جس روز آپ کا وصال ہوا اس کی صبح کو آپ نے اس کا آخری ڈیڑھ صفحہ تحریر فرمایا۔یہ کتاب آپ نے اس لیے تحریر فرمائی کہ شیعوں کے رد اور شان صحابہ پر آپ کی مسلسل اور پے در پے تصانیف دیکھ کر خدشہ تھا کہ شاید کوئی شخص یہ نہ سوچنے لگے کہ آپ کا اہل بیت سے ربط قلبی نہیں اس لیے آپ نے فضائل اہل بیت پر یہ محققانہ اور علمی کتاب لکھ کر ثابت کیا کہ اہل سنت علماء جس طرح صحابہ کرام کے عقیدت مند ہیں۔اسی طرح غلامی اہل بیت کا بھی دم بھرتے ہیں۔فضائل اہل بیت۔واقعہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مجاہدانہ کردار اور یزید پلید کی بدکرداریوں پر جس قدر حق تحقیق اس کتاب میں ادا کیا گیا ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ان شاء اللہ یہ کتاب بھی جلد چھپ کر منظر عام پر آئے گی اور اہل اسلام کے عقائد کی پختگی کا سبب بنے گی۔

اولاد

فیاض ازلی نے حضرت مرشد برحق کو چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے تھے۔یہ صرف تعداد کی مشابہت ہے۔

آپ کے بڑے بیٹے قاری محمد طیب صاحب ہیں جو حافظ قاری اور فاضل علوم عربیہ فاضل قرأت عشرہ اور فاضل السنہ شرقیہ ہیں۔ متعدد کتب کے مصنف اور مترجم ہیں۔جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) **دلائل النبوۃ** (امام ابی نعیم) کا اردو ترجمہ وشرح۔یہ کتاب مکتبہ ضیاء القرآن کی طرف سے بڑے عمدہ پیرائے میں چھپ کر اہل علم سے داد تحسین پا رہی ہے۔صفحات چھ سو سے زائد ہیں۔

(۲) **ترجمہ الریاض النضرہ**۔عشرہ مبشرہ صحابہ کرام کے فضائل پر بڑی جامع کتاب ہے۔پہلی جلد چھپ چکی ہے۔صفحات قریبا ۹۰۰۔

(۳) **شرح الشاطبیہ**۔قرأت سبعہ پر مشہور عالم کتاب الشاطبیہ کی ضخیم شرح (زیر طبع)۔

(٤) **الدعا بعد صلوۃ الجنازہ**۔نماز جنازہ کے بعد دعا کے جواز پر محققانہ کتاب ہے۔چھپ چکی ہے صفحات دو سو سے زائد ہیں۔

(٥) **خلاصہ شیعہ مذہب**۔یہ مرشد برحق کی کتب، تحفہ جعفریہ' عقائد جعفریہ اور فقہ جعفریہ کا جامع خلاصہ ہے۔قریبا ساڑھے تین سو صفحات ہیں۔

(٦) **ترجمہ الکبائر**۔امام ابو بکر ھیثمی کی کتاب الکبائر، جو کبیرہ گناہوں کی ہولناک سزاؤں کے بیان پر مشتمل ہے' کا ترجمہ اور مختصر شرح (زیر طبع ہے) صفحات تین سو سے زائد ہیں۔

علاوہ ازیں قاری محمد طیب صاحب نے متعدد قیمتی رسائل تصنیف کیے ہیں اور مزید لکھ رہے ہیں۔ خدا انہیں اپنے والد گرامی قدر کا سچا جانشین بنائے۔ ان کی تحریر میں اپنے والد کا انداز جھلکتا نظر آتا ہے۔ کیوں نہ ہو الولد سر لا بیہ۔

قاری محمد طیب صاحب آج کل برطانیہ میں تبلیغ دین کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ خدا انہیں عمر دراز عطا کرے اور بڑھ چڑھ کر خدمت دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مرشد گرامی کے دوسرے صاحبزادے علامہ مولانا حافظ قاری صاحبزادہ رضاء المصطفیٰ مدظلہ ہیں جو اس وقت اپنے والد گرامی کے قائم کردہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور میں نظامت کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ درس نظامی کی منتہی کتب کی تدریس کر رہے ہیں۔ ایک اچھے ادیب اور مسلک کے فعال کارکن ہیں تیسرے صاحبزادے مولانا حافظ احمد رضا بھی انگلستان میں دینی تعلیم و تربیت کا کام کر رہے ہیں اور چوتھے صاحبزادے حافظ محمد رضا صاحب درس نظامی کی آخری کتب کے طالب علم ہیں اور اچھے خطیب اور ثناء خوان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

الغرض یہ مرشد گرامی کی دینی تربیت کا اثر ہے کہ آپ کی ساری اولاد خدمت دین کے لیے وقف ہو چکی ہے۔ آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بھی حافظہ قاریہ ہیں اور اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ تعلیم البنات میں بچیوں کو قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم دے رہی ہیں ان سے بڑی صاحبزادی کو بھی حضرت مرشد گرامی شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے خود درس نظامی پڑھایا اور اب وہ جامعہ تعلیم البنات میں بچیوں کو قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر اور مسائل دینیہ کی تعلیم دے رہی ہیں۔

موجودہ دور کے علماء میں ہمارے مرشد برحق مناظر اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ وصف امتیازی ہے کہ انہوں نے ساری اولاد کو علم دین سکھلایا اور انہیں علم دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ خدا آپ کی تربت پر کروڑوں کھربوں رحمتیں نازل فرمائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا عن ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله.
(مشکوٰۃ وغیرہ)

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' البتہ تین عمل منقطع نہیں ہوتے صدقہ جاریہ، علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور اچھی اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

اس حدیث کو مدنظر رکھ کر حضرت مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کردار پر غور کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ آپ نے عظیم الشان دینی درس گاہ بنا کر صدقہ جاریہ بھی اپنے پیچھے چھوڑا ہے اور تصانیف کی صورت میں ایسا علم بھی چھوڑا ہے جس سے امت محمدیہ استفادہ کرتی رہے گی اور آپ کو اپنی لحد میں ثواب ملتا رہے گا اور ساری اولاد کو دین پڑھا کر اور خدمت دین پر مقرر فرما کر ایسی نیک اولاد بھی اپنی یادگار چھوڑی ہے جو آپ کے مشن کو آگے بڑھا رہی ہے اور اپنے والد گرامی مرتبت کے درجات میں اضافہ کا سبب بن رہی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

آپ کا طریقۂ دعوت و تبلیغ

فیاض ازلی نے مرشد گرامی قدر رحمۃ اللہ علیہ کو جوہر خطابت سے بھی نواز اتھا۔ آپ اعلیٰ پایہ کے مقرر بھی تھے۔ انداز بیان اتنا میٹھا اور دلنشین تھا کہ سننے والوں پر دوران سماعت وجد کی کیفیت طاری رہتی۔ خوبصورت آواز میں جب تلاوت قرآن حکیم فرماتے تو مجمع پر بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا۔

دوران وعظ آپ کو اس چیز کا طمع نہیں ہوتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ نعرے لگیں اور شور بپا ہو جیسا کہ آج کل بہت سے خطباء و مقررین کا مطمع نظر ہوتا ہے، بلکہ آپ خود اپنے وعظ کے دوران وجد کی کیفیت میں ہوتے۔ جو کچھ بیان فرماتے اس میں خود ڈوب جاتے اور سامعین کو بھی اسی دریائے محبت میں ڈبو دیتے۔ ہزاروں گمراہوں کو آپ کے مواعظ حسنہ سے راہ ہدایت حاصل ہوئی۔ ان گنت لوگوں کے عقائد مستحکم ہوئے اور بے شمار لوگوں کا کردار سنور گیا۔ آپ وعظ کے لیے جہاں بھی گئے۔ تبلیغ دین کے جذبہ سے بارہا ایسا ہوا کہ جلسہ کے منتظمین نے میزبانی کے اخلاقی حقوق بھی ادا نہ کیے مگر آپ نے کبھی کسی سے شکایت نہ کی آپ سے جس شخص نے بھی ارادت قائم کی اور آپ کے حلقۂ متوسلین میں شامل ہوا آپ نے اس کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی۔ اگر وہ بے نماز تھا تو پکا نمازی بلکہ تہجد گذار بن گیا۔ داڑھی نہ تھی تو اس کے چہرے پر داڑھی کی صورت میں سنت رسول ﷺ کا نور جگمگانے لگا۔ اگر اس میں کوئی اخلاقی برائی تھی تو وہ دور ہو گئی۔

جو شخص بھی آپ کے پاس آ کر بیٹھتا آپ اسے دین پر عمل کی نصیحت فرماتے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والا شخص کوئی نہ کوئی اخلاقی اور علمی بات پلے باندھ کر اٹھتا۔

اگر کوئی شخص آپ سے تعویذ لینے آتا تو آپ اس سے پوچھتے کیا تم نماز پڑھتے ہو۔ کیا تمہارا رزق حلال ذریعے سے ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہوتا تو آپ اسے فرماتے اے اللہ کے بندے! تعویذ تجھے کیا فائدہ دے گا؟ تم اللہ تعالیٰ کے احکامات پورے نہیں کرتے اور اسے ناراض کر رہے ہو تو اس کا کلام تمہیں کیا فائدہ دے گا؟ خدا کو راضی کرو اس کے رسول کو راضی کرو خود ہی سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ یہ بھی یاد رہے آپ تعویذ کا مالی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ اگر کوئی دیتا بھی تو اسے سختی سے روک دیتے تھے۔ آپ کا یہ عمل ان پیشہ ور لوگوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ جنہوں نے ہر تعویذ کا الگ الگ ریٹ مقرر کر رکھا ہے اور یہ عموماً دیکھا گیا کہ جس بھی شخص کو آپ تعویذ دیتے اس پر اللہ کا فضل ہو جاتا۔

دین اسلام اور مسلک اہل سنت کے لیے آپ ایک نڈر سپاہی تھے جب کبھی کسی علاقہ کے لوگ آپ کے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے ہاں شیعہ فرقہ نے یا دیگر بد مذہبوں نے علاقہ کے اہل سنت پر یلغار کی ہے تو آپ کا جلال قابل دید ہوتا آپ فوراً مجاہدانہ انداز میں تیاری کرتے اور اس علاقہ میں پہنچ کر اپنے علمی مواعظ سے ایسا ماحول پیدا کر دیتے کہ بد مذہبی کی یلغار کرنے والے دم دبا کر بھاگ جاتے اور حق کا پرچم بلند ہو جاتا۔

آپ کے دل میں دین حق اور مسلک اہل سنت کی حمایت کا جذبہ اس قدر موجزن تھا کہ جان تک کی بھی پروانہ رکھتے تھے۔ آپ تکیہ سادھواں اندرون لاہور میں اپنے زمانہ عنفوان شباب میں خطیب و امام تھے وہاں شیعوں کا بڑا زور تھا۔ آپ بھی شیعہ مذہب کی طرف سے اٹھائے جانے والے سوالات کی تردید میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے اور خطبات جمعہ اور درس سحر میں اکثر شیعہ مذہب کی تردید پر پُر مغز تقاریر فرماتے تھے۔ ایک بار ماہ محرم میں شیعوں کے ہاں بہت بڑا جلسہ تھا۔ ایک شیعہ چوہدری آپ کے پاس آ گیا کہنے لگا چلو میرے ساتھ ہمارا بہت بڑا مولوی آیا ہوا ہے اس سے بات کرلو۔ بعد میں ہم پر الزام نہ رکھنا۔ آپ کسی خوف و خطرہ کے بغیر چند کتب اٹھا کر شیعوں کے جلسے میں چلے گئے۔ آپ کی وجہ سے بہت سے سنی عوام بھی ان کے جلسے میں پہنچ گئے۔ وہاں مولوی اسماعیل گوجروی تقریر کر رہا تھا۔ آپ بھی مجمع میں بیٹھ گئے۔ مولوی گوجروی شیعوں کا بہت بڑا مناظر بلکہ استاذ المناظرین مانا جاتا تھا۔ وہ اس وقت بیان کر رہا تھا کہ قرآن میں آتا ہے واثابھم فتحا قریبا یعنی اللہ نے مسلمانوں کو ایک فتح قریب کی جزا عطا فرمائی۔ اس سے فتح خیبر مراد ہے۔ اور خیبر مولا علی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ ان سے پہلے سنیوں کے بڑے بڑے چوہدری ابوبکر اور عمر گئے اور ناکام لوٹ آئے آخر اسے مولا علی نے فتح کیا۔

آپ کی غیرتِ دینی

حضرت مرشد گرامی نے مجمع میں بیٹھے ہوئے فوری طور پر چٹ لکھ کر مولوی اسماعیل کو بھیجی کہ اس سے قبل ساری آیت پڑھ کر سناؤ تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ صحابہ کرام کو فتح خیبر کی جزاء کس نیکی کے صلے میں دی گئی تھی؟ لوگوں کو بتاؤ کہ اس سے پہلے اللہ نے بیعت رضوان کا ذکر فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ اللہ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی' اللہ نے ان کا قلبی اخلاص دیکھ لیا۔ اللہ نے ان پر رحمت نازل فرمادی اور انہیں فتح قریب کی جزاء عطا فرمائی۔ (فتح: ۱۸)

مولوی اسماعیل گوجروی نے آپ کی چٹ کا جواب نہ دیا۔ آپ نے دوبارہ چٹ بھیجی اس نے جواب دیئے بغیر بات آگے بڑھا دی آپ نے اس چوہدری کو جو آپ کو لے کر آیا تھا اشارہ کیا کہ دیکھو میں دوبارہ تمہارے مولوی کو چٹ بھیج چکا ہوں مگر وہ جواب نہیں دے رہا۔ اس نے کہا مولانا آپ آگے سٹیج کے پاس چلیں اور خود اس سے سوال کر لیں۔ میں ذمہ دار ہوں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ مولوی اسماعیل کے سامنے سٹیج کے آگے جا کر کھڑے ہو گئے اور للکار کر کہا "مولوی صاحب میں نے دو بار چٹ بھیجی ہے مگر آپ نے جواب نہیں دیا کیا وجہ ہے؟" آگے جو گفتگو ہوئی اسے سوال و جواب کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔

مولوی اسماعیل۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں:

مرشد گرامی۔ میرا سوال یہ ہے کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اگر اس بیعت رضوان میں جس کا ذکر خدا نے قرآن میں فرمایا ہے شامل نہ تھے تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔ ورنہ ہم شیعہ کتب سے ثابت کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق بیعت رضوان میں شامل تھے اور اگر وہ شامل تھے تو خدا نے ان پر اپنی رضا کا اعلان کر دیا۔ اگر تم لوگ ان سے ناراض ہو تو خدا کی رضا کے مقابلہ میں تمہاری ناراضگی کی کیا حیثیت ہے؟

مولوی اسماعیل۔ اصل میں ابو بکر و عمر فاروق بیعت رضوان میں شامل تو تھے مگر خدا ان سے راضی نہیں ہوا اسی لیے تو اللہ نے فرمایا لقد رضی الله عن المومنین یعنی اللہ ان مومنوں سے راضی ہوا۔ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ گویا اللہ نے بتلا دیا کہ میں بیعت کرنے والوں میں سے صرف مومنوں پر راضی ہوا ہوں۔ منافقوں پر راضی نہیں ہوا۔

مرشد گرامی۔ شیعہ کتب میں یہ واقعہ بکثرت موجود ہے کہ بیعت رضوان میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا۔ پھر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: یہ میں عثمان کی طرف سے بیعت کر رہا ہوں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں تمہارے نزدیک ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی بیعت تو مومنانہ نہیں، (معاذ اللہ) منافقانہ تھی۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عثمان غنی کی طرف سے جو بیعت کی تھی کیا یہ بھی تمہارے عقیدے میں منافقانہ تھی؟ اس بارے میں کیا جواب ہے؟

آج بھی وہ سنی لوگ موجود ہیں جنہوں نے یہ گفتگو سنی تھی وہ بتاتے ہیں کہ مولوی اسماعیل سے حضرت مرشد گرامی کے اس سوال کا کچھ جواب نہ بن پڑا اور اس کا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا۔ آپ بار بار یہی سوال کرتے تھے اور وہ لاجواب ہو کر لبوں پہ زبان پھیرتا تھا۔ وہاں موجود سنی عوام نے وہ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند کیے کہ سبحان اللہ مولوی اسماعیل کی تقریر کا بھی خاتمہ ہو گیا اور عزت کا بھی۔ سنی عوام مرشد گرامی کو فاتحانہ نعروں کی گونج میں اپنی مسجد لائے کیونکہ مرشد گرامی نے شیعوں کے سب سے بڑے مناظر کو چند منٹوں میں چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

اس واقعہ سے حضرت مرشد گرامی کی ملی حمیت اور دینی غیرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو مسلک حق کی عزت اپنی جان سے بھی عزیز تھی۔

آپ کو جب بھی ایسی خبر سننے میں ملتی جس میں مسلمانوں کی بہتری اور اہل سنت کی کامیابی کا پیغام ہوتا تو آپ کی مسرت کا عالم قابل دید ہوتا آپ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اگر کوئی خبر اہل ایمان اور اہل محبت کے حق میں ابتلاء پر مشتمل سنائی دیتی تو سخت افسردہ ہو جاتے۔ دراصل وہ دین اسلام اور مسلک اہل سنت کے لیے سراپا خلوص و وفا تھے۔

آپ کا عشق رسول ﷺ

آپ بلاشبہ سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے آپ کی تقاریر کا موضوع عموماً محبت رسول ﷺ ہوتا۔ چنانچہ آپ کا یہی عشق رسول تھا جو آپ کو ہر سال کشاں کشاں شہر نبی میں لے جاتا تھا۔ آپ زندگی کے آخری قریباً پندرہ سالوں میں بلاناغہ پابندی کے ساتھ ہر سال روضۂ رسول ﷺ کی حاضری دے رہے تھے اور قریباً آخری سات آٹھ سال سے مسجد نبوی شریف میں پابندی کے ساتھ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کر رہے تھے۔ حضور سید کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والثناء کی ذات گرامی سے آپ کو دیوانگی کی حد تک محبت و عشق تھا۔ رمضان شریف میں مدینہ طیبہ کی اقامت کے دوران روزانہ روزہ کی افطاری سرکار مدینہ ﷺ کی جالی شریف کے سامنے کیا کرتے تھے اور اس افطاری میں آپ پر جو رقت اور گریہ طاری ہوتا اسے کوئی شخص لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس قدر آنسو بہاتے اور رو رو کر رحمۃ للعالمین ﷺ کے واسطے سے دعائیں فرماتے کہ دیکھنے والے بھی آنسوؤں پہ ضبط نہ کر سکتے۔ فرمایا کرتے، میں جالی شریف کے سامنے بیٹھ کر اس لیے افطاری کرتا ہوں تاکہ قبولیت کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع ہو جائیں ایک وقت افطار ہے۔ دوسرا روضۂ سرکار ہے ۔ تیسرا آب زم زم کی بہار ہے اس طرح مجھے دعا کی قبولیت کا یقین ہو جاتا ہے۔ نعت رسول مقبول ﷺ سنتے ہوئے آپ پر اکثر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ حدیث مبارک کا درس دیتے ہوئے اشکبار ہو جاتے تھے۔

اسی محبت رسول کا اثر تھا کہ مدرسہ میں سید طلباء کا بہت لحاظ فرمایا کرتے۔ اگر طلباء کے درمیان کوئی چیز تقسیم کی جاتی تو سید طلباء کو دوگنا حصہ دیا کرتے۔ فرماتے، یہ اولاد رسول ﷺ ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے دو سیّد طلباء باہم لڑ پڑے اور انہوں نے ایک دوسرے کو بہت مار الہولہان کر دیا، حضرت مرشد گرامی نے دونوں کو بلا کر فرمایا میں تمہیں کوئی سزا نہیں دیتا بس اتنا کافی ہے کہ تم مدرسہ سے چلے جاؤ۔ انہوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے سامان اٹھا کر چل دیئے۔ جب وہ مدرسہ کے دروازہ تک پہنچے تو حضرت مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے خیال آیا یہ سید زادے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں۔ آج میں انہیں مدرسہ سے نکال رہا ہوں۔ اگر آقائے دو عالم ﷺ ناراض ہو گئے اور قیامت میں مجھے فرما دیا کہ تم میری کچہری سے نکل جاؤ تو پھر مجھے کون بخشوائے گا؟ فرماتے ہیں میں فوراً دوڑ کر گیا اور انہیں واپس لے آیا اور ان سے معافی مانگی اور انہیں راضی کیا۔

۱۳۹۳ھ کی بات ہے آپ حسب معمول مسجد نبوی شریف میں معتکف تھے۔ اعتکاف سے قبل یا اس کے بعد وہاں ایک بزرگ نے اپنے گھر آپ کی دعوت کی اور دعوت کے بعد ایک پتھر پیش کیا اور بتلایا۔ آج سے چند برس قبل سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ مبارک کے اندرونی حصہ میں فرش کی مرمت ہوئی اور کچھ پتھر رسول کریم ﷺ کی قبر منور کے قریب سے دوران مرمت توڑے گئے ان پتھروں کے بعض ٹکڑے معماروں نے حسن عقیدت کے ساتھ سنبھال لیے تھے۔ ان میں سے ایک ٹکڑا میرے پاس محفوظ ہے۔ میں وہ آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم الشان نعمت کو چوم کر سینے سے لگا لیا اور وہ ٹکڑا اپنے ساتھ پاکستان لے آئے اور اسے بہت خوبصورت بکس میں سجا کر معطر و معنبر کپڑے میں لپیٹ کر رکھا۔ آپ اکثر اس کی زیارت کرتے اور رو پڑتے اور احباب کو بھی اس کی زیارت کرواتے۔ پھر جب آپ کا وصال ہوا تو وہ پتھر آپ کی قبر میں آپ کے چہرے کے قریب رکھ دیا گیا۔ افاض اللہ علیہ شابیب رحمتہ۔

حضور سرکار مدینہ مہبط وحی و سکینہ، سرور قلب و سینہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین سید المرسلین ﷺ کے ذکر مبارک پر آپ پر

عجب کیف طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کے بڑے بیٹے قاری محمد طیب صاحب بتلاتے ہیں ایک بار رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت شریف پڑھ کر لوگوں کو سحری کے لیے جگا رہے تھے۔ حضرت مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اپنے گھر میں نماز تہجد پڑھ کر مصلی پر بیٹھے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ نعت شریف کے الفاظ یہ تھے۔ ع

اٹھا دو پردہ دکھا دو جلوہ کہ نوری باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

جب رضاء المصطفیٰ صاحب اعلیٰ حضرت کے اس شعر پر پہنچے:

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے

تو آپ پر سخت گریہ طاری ہو گیا۔ آپ اتنا روئے اتنا چیخے کہ گھر والے ڈر گئے۔ کہیں ان کی صحت پر اثر نہ ہو جائے۔ بڑی دیر بعد آپ کی طبیعت سنبھلی اور گریہ ختم ہوا۔

اسی والہانہ اور دیوانہ وار عشق نبوی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو چند بار اللہ ارحم الراحمین نے اپنی رحمت کاملہ کے صدقے میں اپنے محبوب پاک صاحب لولاک سید الافلاک ﷺ کی زیارت بھی عطا فرمائی تھی انہی زیارات میں سے ایک زیارت کا واقعہ آپ نے اپنی نوٹ بک میں اپنے وصال سے دو دن قبل لکھوایا بھی تھا۔ ہوا یہ کہ آپ کے فرزند اکبر قاری محمد طیب صاحب کی کتاب ''ترجمہ دلائل النبوۃ'' چھپ کر منظر عام پر آئی تو اس کے دیباچے میں وہ واقعہ لکھا ہوا تھا جب قاری صاحب نے اپنے والد گرامی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی مگر واقعہ لکھنے والے نے صحیح واقعہ بھائی قاری رضاء المصطفیٰ صاحب سحری کے وقت مسجد کے لاؤڈ سپیکر میں نہیں سن رکھا تھا۔ اس لیے آپ نے فوری طور پر اسے نوٹ بک میں اپنے لفظوں کے ساتھ لکھوایا۔

واقعہ یہ ہے کہ مرشد گرامی فرماتے ہیں۔ میں حج کے لیے حرمین شریفین گیا۔ مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت پر حاضری ہوئی اور وہ ان کی زندگی کا آخری سال تھا۔ مولانا ضیاء الدین مدنی نے مجھے بہت بہت نوازا۔ روزانہ مسائل حج بیان کرنے کے لیے میری ڈیوٹی لگائی اور جس روز میں نے مدینہ طیبہ سے واپس آنا تھا آپ نے مجھے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔ جب میں حج سے فارغ ہو کر پاکستان آیا تو ایک دن خواب میں دیکھتا ہوں جیسے حضرت کیلیا نوالہ شریف (ضلع گوجرانوالہ) کے قرب و جوار میں ایک ندی نالہ ہے جس کے ساتھ درختوں کا ایک جھنڈ ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں اس جھنڈ کے نیچے سید المرسلین شفیع المذنبین حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ میں وہاں پہنچا اور اپنے آقا و مولا ﷺ کے جلوہ جہاں آراء و رخ **والضحی واللیل اذا سجی** سے آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ پھر آفتاب نبوت ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی اور میں نے آپ کے پیچھے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ کیلیا نوالہ شریف سے شرقپور شریف تشریف لے گئے اور سارا مجمع بھی آپ کے پیچھے شرقپور شریف آ گیا۔ مرشد گرامی فرماتے ہیں کہ وہاں میں خواب میں دیکھتا ہوں ایک دروازہ ہے جس کے سامنے دور دور تک لوگوں کا ہجوم ہے اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ میں قریب ہوا اور اندر چلا گیا۔ مجھے کسی پہرے دار نے نہیں روکا۔ اندر دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ شیر ربانی میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک ہے اور آواز آتی ہے کہ سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ بھی اسی روضے میں تشریف فرما ہیں۔ چند قدم آگے دیکھتا ہوں کہ ایک روضہ مبارک نظر آتا ہے۔ جو بہت بلند اور بے حد خوبصورت ہے اور اس پر نورانی قندیلیں نور افشاں ہیں اور آواز یہ آتی ہے یہ رسول اللہ ﷺ کا روضہ

مبارک ہے اس وقت میرے دل میں یہ تمنا آئی اے کاش میرا بیٹا قاری محمد طیب بھی آج یہاں موجود ہوتا تو اسے بھی اس کرم خاص سے حصہ وافر مل جاتا۔ فرماتے ہیں میں خواب ہی میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو میرے پیچھے قاری محمد طیب کھڑا ہے اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا مجھ پر رقت طاری تھی۔ سحری کا وقت تھا میں نے اسی وقت محمد طیب کو جگایا اور اسی رقت و گریہ کے عالم میں اسے بیعت کیا اور اسے ذکر الٰہی اور تہجد گذاری کا طریقہ تعلیم دے دیا۔

مرشد گرامی فرمایا کرتے تھے۔ خواب میں مجھے رسول اکرم ﷺ کا حضرت کیلیا نوالہ شریف کے قرب و جوار میں نظر آنا اور حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے روضے میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا جلوہ فرما محسوس ہونا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے یا ملے گا وہ اپنے مرشد کے در سے ہی ملے گا۔

دراصل آپ نے قدوۃ السالکین عمدۃ العارفین سند الکاملین حضرت خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرکار حضرت کیلیا نوالہ شریف کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور زندگی بھر آستانہ عالیہ حضرت کیلیا نوالہ شریف سے والہانہ اور دیوانہ وار محبت کا دم بھرتے رہے۔

اگرچہ قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ نے آپ کو قادری سلسلے میں اجازت عطا فرمائی تھی اور آپ نے اس سلسلے میں اپنے بیٹوں سمیت بعض دیگر احباب کو بیعت بھی کیا تھا اور اسی کی برکت سے آپ کو سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ روضہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ میں جلوہ فرما نظر آئے مگر مرشد گرامی اس خواب کا معنیٰ یہی بیان فرماتے تھے کہ مجھے قادری سلسلے کی برکت بھی اپنے مرشد ہی کے در کے واسطے سے حاصل ہوگی۔

نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے والدین سے آپ کو بے پناہ عقیدت تھی اور جن لوگوں کی تحقیق میں وہ مسلمان نہیں مشرک ہیں ان سے سخت اختلاف فرماتے اس موضوع پر آپ نے مستقل کتاب "نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین" تحریر فرمائی اور نہ صرف سرکار دوعالم ﷺ کے والدین بلکہ آپ کے نسب مبارک میں آخر تک آنے والے تمام آباء وامہات کے ایمان واسلام پر وہ تحقیق فرمائی کہ اگر امام سیوطی اس دنیا میں ہوتے تو بہت داد دیتے۔ کیونکہ امام سیوطی نے اس موضوع پر مستقل چھ رسائل تحریر فرمائے تھے اسی عقیدت ومحبت کی بناء پر آپ سعودی عرب میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ابواء شریف متعدد بار تشریف لے گئے جہاں ایک اونچے ٹیلے پر رحمت کائنات رسول شش جہات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور ہے اور وہ ایک دور دراز تک پھیلے ہوئے ریگستان میں ہے جسے عبور کر کے وہاں پہنچنا انتہائی کٹھن کام ہے مگر آپ کا عشق رسول آپ کو کشاں کشاں وہاں کئی بار لے گیا۔ آخری بار غالباً ۹۳ء میں جب آپ لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پہنچے تو راستے میں ایک جگہ سڑک بن رہی تھی وہاں سے آپ نے بہت ساری بجری اور پتھر وغیرہ حاصل کیے اور اپنے ٹرک میں لاد کر وہاں لے گئے اور حضرت سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور کے پاس ایک مضبوط فرش بنایا تا کہ اس پر آسانی سے بیٹھا جا سکے ورنہ پہلے وہاں نوکیلے پتھر تھے اور بیٹھنا مشکل تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ میں جب بھی حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی تربت پر حاضر ہوا تو یہی عرض کیا۔ اماں جی بس اتنا کرم کرو کہ اپنے بیٹے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کر دو اور فرما دو کہ یہ کالے منہ والا محمد علی میرے پاس کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی بخشش کا سامان ہو جائے اگر آپ نے سفارش کر دی تو یقیناً رحمۃ للعالمین میری شفاعت فرما دیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی سفارش ضرور کی ہوگی کیونکہ آپ کو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کی تعمیر جدید سے قبل باب السلام کی طرف ایک بازار میں واقع نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی کی قبر انور کی بھی زیارت کی تھی۔

آپ کی اتباعِ سنتِ نبوی

حضرت مرشد گرامی قدر رحمۃ اللہ علیہ سنّت مطہرہ کی بہت پابندی فرماتے تھے۔داڑھی شریف کی اہمیت ہر وقت واضح کرتے رہتے تھے۔آپ کے قائم کردہ جامعہ رسولیہ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ آج تک کسی ایسے شخص کو جو قبضہ سے کم داڑھی رکھنے والا ہو سند نہیں دی گئی۔ایک بار آپ کے تیسرے صاحبزادے حافظ احمد رضا صاحب نے داڑھی چھوٹی کروالی۔آپ نے ان سے بول کلام بند کر دیا اور فرمایا میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ اگر تم میرے جنازے میں بھی اس حالت میں آئے تو میری روح کو تکلیف ہوگی تمہاری اس حرکت سے شدت غم سے میرا کلیجہ پھٹ گیا ہے پھر جب تک حافظ احمد رضا صاحب نے داڑھی مکمل نہیں کر لی آپ نے ان سے کوئی نرمی نہیں برتی۔آپ کسی داڑھی کتراتے والے طالب علم کو مدرسہ میں داخلہ نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی طالبعلم ایسی حرکت کرتا تو اس کا داخلہ فورا ختم ہو جاتا۔آپ اپنے سٹیج پر کسی بے ریش آدمی کو تلاوت یا نعت پڑھنے کیلئے نہیں آنے دیتے تھے۔آپ اس بات کا ہر وقت لحاظ رکھتے تھے کہ آپ کا تہبند یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہونے پائے اور اگر کوئی ٹخنے ڈھانپے مصلّٰی امامت پر کھڑا ہوتا تو آپ اسے فورا ٹوک دیتے۔ایک بار ایک شخص آپ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے غصے میں آکر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اب کیا کیا جائے؟ میں پشیمان ہوں آپ اس کی بات سن کر سخت جلال میں آگئے اور اسے بہت ڈانٹا اور سخت ناگواری کا اظہار کیا پاس بیٹھے ہوئے کسی شخص نے عرض کیا آپ اسے اتنا کیوں ڈانٹ رہے تھے جبکہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے وہ حدیث نہیں پڑھی جب نبی ﷺ کے زمانے میں کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو آپ اتنے ناراض ہوئے کہ غصے سے چہرۂ اقدس سرخ ہو گیا تھا اور آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے دین کو مذاق بنالیا ہے میں تو اپنے نبی کی سنت کے مطابق اس شخص سے ناراض ہوا ہوں۔

قبلہ مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف بھی رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے مطابق ۶۳ برس ہی تھی، بلکہ اس سلسلہ میں آپ نے اپنا خواب بھی زندگی کے آخری مہینوں میں بہت لوگوں کو سنایا۔فرماتے تھے اس مرتبہ جب میں مسجد نبوی میں اعتکاف کر رہا تھا (اور یہ آپ کا آخری اعتکاف اور مدینہ منورہ کی آخری حاضری تھی) تو ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں جیسے دو فرشتے آئے ہیں۔ایک کے ہاتھ میں رجسٹر ہے۔دوسرا فرشتہ میری طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھی سے پوچھتا ہے۔مولوی صاحب کی عمر کتنی ہوگئی ہے؟ وہ جواب دیتا ہے تریسٹھ ۶۳ سال اور نبی ﷺ کی عمر بھی تریسٹھ برس ہی تھی۔یہ کہہ کر وہ دونوں فرشتے چلے گئے اور میری آنکھ کھل گئی اور یہ حقیقت ہے کہ اس خواب کے بعد حضرت مرشد گرامی کے دل کی دنیا بدل گئی تھی۔آپ مدینہ منورہ کی حاضری سے فارغ ہو کر عید الفطر کے بعد پاکستان تشریف لائے اور ہر وقت آخرت کی باتیں کرنے لگے۔قبر کا ذکر ہر وقت چھیڑ دیا کرتے۔آپ کے دل میں یہ بات راسخ ہوگئی تھی کہ اب میرا وقتِ آخرت قریب ہے چنانچہ آپ نے اپنے بڑے فرزند قاری محمد طیب کو فون کر کے انگلینڈ سے بلالیا اور اپنی تمام وصیات پوری تفصیل سے لکھوادیں۔آپ نے آخری دنوں میں اپنے پورے خاندان کو بلایا اور ہر چھوٹے بڑے شخص سے معافی مانگی اور کہا کہ مجھے خبر نہیں کب مجھے خدا اپنے پاس بلالے اس لیے اگر میں نے کسی سے کوئی زیادتی کی ہو تو مجھے معاف کر دو حتیٰ کہ مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین سے معافی مانگی' طلباء سے معافی مانگی اور چند ہی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں برسائے۔

آپ کی صلہ رحمی اور غریب پروری

قسام ازل نے آپ کو درد مند دل دیا تھا۔ضعیفوں' محتاجوں اور بے کسوں کی تکالیف کا درد اپنے سینے میں محسوس فرماتے تھے اپنے آبائی علاقہ (ضلع گجرات) سے،اپنے سسرال کے علاقہ (گوجرانوالہ) سے، یا ان علاقوں سے جہاں آپ دور طالب علمی میں زیر

تعلیم رہے یا جہاں آپ نے کچھ عرصہ خطابت فرمائی، اگر کوئی شنا سا کوئی حاجت یا مشکل لے کر آتا تو آپ اس کی حاجت برآری میں حتیٰ المقدور کوشش فرماتے۔

اگر کسی محکمہ میں کام ہوتا تو کسی نہ کسی واسطے سے اس کا معاملہ حل کروانے کی پوری کوشش فرماتے۔ اگر کوئی مریض اپنی بیماری کے سلسلے میں علاج کی خاطر لاہور آتا اور آپ سے مدد چاہتا تو آپ متعلقہ ہسپتال میں اس کے داخلے کا بندوبست کرتے۔ پھر جب تک وہ ہسپتال میں رہتا اس کے لیے تین وقت کا کھانا گھر سے بھجواتے رہتے۔ کسی طالب علم کی ڈیوٹی لگا دیتے کہ تینوں ٹائم اس مریض کو اور اس کے ساتھ کوئی اور آدمی ہو تو اس کو بھی تینوں ٹائم کھانا پہنچا آیا کرے۔

اپنے اعزہ واقرباء میں سے اگر کسی کو ضرورت مند دیکھتے تو قبل اس کے کہ وہ آپ سے سوال کرتا آپ خود اس کی مدد کر دیتے۔

اپنے پورے خاندان کی ضرورتوں پر نظر رکھتے۔ اگر کسی کو مکان بنانے کی ضرورت ہوتی تو اس کی مالی اور اخلاقی ہر طرح سے مدد کرتے اپنی طرف سے قرض دے دیتے۔ پھر اگر جی میں آتا تو بہت سا قرض معاف فرما دیتے۔

اپنے خاندان میں سے سب سے اول آپ حصول علم کے لیے لاہور آئے اور تعلیم سے فارغ ہو کر دینی ادارہ قائم کیا۔ پھر آپ کے تعاون سے آپ کے دوسرے بھائی بھی گاؤں سے لاہور آکر آباد ہوئے آپ نے ہر ایک کو کسب معاش میں اور رہائش کے مسائل میں پوری پوری مدد دی۔ حتیٰ کہ اب قریباً سارا خاندان لاہور ہی میں آباد ہے اور بلاشبہ اس میں حضرت مرشد گرامی کے تعاون اور صلہ رحمی کا بہت بڑا حصہ ہے۔

اگر آپ کا کوئی عقیدت مند محتاج ہوتا تو اس سے نذرانہ قبول نہ فرماتے بلکہ اپنی جیب سے اس کی مدد کر دیتے۔ آج کے دور میں اس سیرت وکردار اور دردمند دل کے مالک لوگ بہت کم بلکہ نایاب ہیں۔

آپ نے کئی دیندار اور محتاج لوگوں کو محض ان کی بے بسی کی وجہ سے عرصہ تک مدرسہ میں ٹھہرائے رکھا اور ان کی خدمت کرتے رہے۔

مدینہ طیبہ میں آپ ایک بار معتکف تھے اور آپ کا دستور تھا کہ کھانا کھانے کے لیے مسجد سے باہر نہیں جاتے تھے ایسے میں ایک امیر آدمی نے آکر کہا حضور میں آپ کے لیے دونوں وقت سحری وافطاری کے لیے کھانا لایا کروں گا ساتھ ہی اس کے مقابلے میں ایک بہت غریب شخص نے بھی آپ سے عرض کی کہ دونوں وقت کا کھانا میں لایا کروں گا۔ آپ نے غریب شخص کا کھانا قبول کر لیا اور امیر آدمی سے معذرت کر لی۔ محض اس لیے تا کہ غریب کے دل میں یہ بات نہ آجائے کہ میری غربت کی وجہ سے میرا کھانا پسند نہیں کیا آپ نے امیر شخص کے پرتکلف کھانے کی جگہ غریب شخص کے سادہ کھانے کو ترجیح دی دعا ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا ہی دردمند دل عطا فرمادے۔

ایک بار آپ کے سسرالی گاؤں کی ایک سیدزادی آپ کے پاس آئی۔ کہنے لگی میرا بیٹا کسی مصیبت میں گرفتار ہے اسے پولیس ناجائز طور پر پکڑ کر لے گئی ہے اور ایک ہزار روپے طلب کرتی ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے ایک ہزار روپے قرض چاہیے آپ فوراً ایک ہزار روپے لے آئے اور کہا یہ لو میری بہن ہزار روپے اور یہ میری طرف سے ہدیۂ عقیدت ہے کیونکہ آپ اولادِ رسول ہیں۔ یہ قرض نہیں ہے۔ اس سیّدزادی نے آپ کو اس قدر دعائیں دیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ اسی طرح آپ کے سسرال والے گاؤں کولوتارڑ گوجرانوالہ ہی میں ایک امیر گھرانے کی امیر وکبیر عورت فوت ہوئی۔ اس کی ایک نوکرانی تھی جس نے ساری زندگی اس کی خدمت کی تھی اور شادی تک نہ کی تھی یا اسے شادی کرنے نہیں دی گئی تھی تا کہ خدمت کا سلسلہ قائم رہے مگر مرتے دم وہ عورت نوکرانی کے لیے کوئی وصیت نہ کر گئی۔ مرشد گرامی نے اس امیر عورت کے جنازہ کے بعد اس کے ورثاء کو جمع کر کے ان سے قرآن پر عہد لیا کہ تم اس نوکرانی کو بیدخل نہیں کرو گے اور اتنا وظیفہ تاعمر دیتے رہو گے۔ چنانچہ جب تک مرشد گرامی زندہ رہے اس غریب ونادار نوکرانی کی

سرپرستی کرتے رہے۔

آپ کی عبادت وریاضت

اللہ نے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی قرار دیا ہے اور عبادات میں سب سے اہم پہلو فرائض کی تکمیل ہے۔نوافل کا درجہ اس کے بعد ہے۔مرشد گرامی فرائض کے معاملہ میں بہت عزیمت پسند اور سخت کوشش تھے۔نماز کے ساتھ آپ کو عشق کی حد تک پیار تھا۔سفر وحضر میں کبھی نماز قضا نہ ہوئی۔اگر آپ کبھی لمبے سفر پر روانہ ہوتے اور ڈر ہوتا کہ اگلی نماز قضا ہو جائے گی اور گاڑی نہیں رکے گی تو آپ آخری منزل تک کا ٹکٹ لینے کی بجائے وہاں تک کا ٹکٹ لیتے جہاں آپ اتر کر وقت پہ نماز ادا کرسکیں اس طرح آپ کا سفر اگرچہ طویل ہو جاتا اور سفر کی صعوبت وتکلیف بڑھ جاتی مگر نماز قضا ہونے سے بچ جاتی۔ایک بار بس میں سفر کر رہے تھے نماز کا وقت جارہا تھا آپ نے ڈرائیور کو بار بار کہا بس روکو میری نماز جارہی ہے مگر وہ نہ مانا۔تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک پٹرول پمپ پر رکا تا کہ ڈیزل ڈلوائے۔آپ نے اتر کر نماز پڑھنا شروع کردی۔ڈیزل ڈلوانے کے بعد بس سٹارٹ نہ ہوتی تھی جب تک آپ نے نماز مکمل نہیں کی گاڑی خراب رہی نماز سے فراغت کے کچھ دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔

جب آپ وصال کے قریب بہت ضعیف ہو گئے تھے۔اس وقت بھی آپ سخت نقاہت اور ضعف کے باوجود کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے رہے کبھی دیوار کے سہارے اور کبھی کسی شخص کے سہارے قیام فرماتے۔بسا اوقات ایسا ہوتا کہ صرف پہلی رکعت میں قیام کرسکتے اس کے بعد ہمت جواب دے جاتی تو باقی رکعات بیٹھ کر پڑھتے الغرض فقہ حنفی کے مسائل پر آپ نے تادم آخر پورا پورا عمل کیا چونکہ کتب فقہ میں لکھا ہے جو شخص صرف تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہہ سکتا ہے اسے کھڑا ہونا ضروری ہے آپ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ایام علالت میں بھی اگر آپ کی نماز باجماعت نہ ہوسکتی یعنی کسی وقت کوئی ساتھی نہ مل سکتا جو آپ کی نماز باجماعت ادا کرواسکتا تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی بہت افسوس فرماتے اور ایسا بہت ہی کم ہوا ہے کہ نماز جماعت سے رہی ہو جبکہ نماز کے قضا ہونے کا تو تصور ہی نہیں۔پندرہ بیس برس قبل کی بات ہے کہ آپ کے گلے کے قریب ٹی بی کی غدود نکل آئیں۔جن کا اپریشن ضروری تھا آپ کو نماز مغرب سے قبل اپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔اس وقت آپ کے ذہن پر نماز مغرب کا بہت زیادہ فکر سوار تھا۔جب نماز مغرب کے بعد آپ کو اپریشن تھیٹر سے باہر لایا گیا اس وقت آپ بے ہوش تھے کیونکہ اپریشن سے قبل بے ہوشی کا انجکشن دیا جاتا ہے۔آپ بے ہوشی ہی میں زیر لب بول رہے تھے۔ہائے میری نماز گئی ہائے میری نماز قضا ہوگئی اور جہاں تک ہمیں یاد ہے آپ کو نماز مغرب کے وقت ہی میں ہوش آ گئی تھی اور اپنے ہوش میں وہ نماز ادا کرلی تھی۔

حج بیت اللہ کے لیے آپ نہ جانے کتنی بار تشریف لے گئے اور تمنا ہوتی تھی کہ ہر سال تشریف لے جائیں۔

زندگی بھر آپ نے نماز تہجد کی پابندی فرمائی اور آپ کے تمام عقیدت مند اور متوسلین بھی نماز تہجد کی پابندی کرتے ہیں کیونکہ بیعت لیتے وقت آپ تہجد کی پابندی کا عہد لیتے تھے۔علاوہ ازیں آپ نماز اشراق کی بھی پابندی فرماتے تھے اور نماز مغرب کے بعد نوافل اوابین پر آپ نے زندگی بھر مداومت فرمائی۔آگے آپ کے وصال کے تذکرے میں آرہا ہے کہ آپ کے وصال سے دس منٹ قبل آپ نے نماز مغرب ادا فرمائی اور اس کے بعد سنتیں اور نوافل ادا کیے اور صلوٰۃ اوابین پڑھی اور دس منٹ بعد آپ کا وصال ہوگیا۔

آپ کا زہد وتقویٰ

آپ اپنے احباب، اولاد، اور ارادتمندوں کو ہمیشہ یہی تلقین فرماتے کہ دنیا لاشیٔ ہے اس سے یوں محبت نہ کرو کہ تمہارا دین خراب ہو جائے آپ اپنے ارادتمندوں سے اکثر فرمایا کرتے مجھے خوش کرنے کے لیے نذرانہ پیش کرنے کی بجائے اچھا عمل پیش کرو میری

اصلی خوشی اسی میں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کسی کی خدمت کرنے سے اتنا خوش نہ ہوتے جتنا کسی کے کردار کی خوبی دیکھ کر مسرور ہوتے تھے۔

ارادتمندوں سے فرمایا کرتے میرے آنے پر اعلیٰ کھانے مت پکایا کرو جو خود گھر کھاتے ہو وہی میرے لیے لایا کرو کیونکہ تم مہمان نوازی کر کے فارغ ہو جاتے ہو اور میرا ان نعمتوں کی وجہ سے حساب سخت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ واقعہ ارشاد فرماتے جب سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابتدائی دور مدنی میں بھوک کی وجہ سے مسجد نبوی کے سامنے گر جایا کرتے تھے ایک بار آپ بھوک سے نڈھال ہو کر مسجد کے دروازے پر لیٹے ہوئے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ حضرت ابو ہریرہ نے ان آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جن میں مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق سن کر آگے گزر گئے کیونکہ خود ان کے چہرے پر بھوک کے آثار تھے پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ گزرے۔ انہوں نے پھر وہی آیات تلاوت کیں مگر ان کا حال بھی حضرت ابوبکر صدیق جیسا ہی تھا وہ بھی گزر گئے۔ اتنے میں رحمت کائنات ﷺ کا گزر ہوا۔ جب آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے تو فرمایا میرے پیچھے چلو۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے فرمایا میرے پیچھے آؤ۔ آپ ان حضرات کو لے کر ایک انصاری صحابی کے باغ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس نے دور سے دیکھا تو استقبال کو دوڑا ان حضرات کو درختوں کے سائے میں بٹھایا۔ پھر تازہ کھجوریں پیش کیں اور ساتھ ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ ان حضرات نے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا اور بہت خوش ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر! اے عمر! یاد رکھو دنیوی نعمتوں کا حساب ہونے والا ہے اور جو کچھ ہم نے اس وقت کھایا ہے اس کا بھی حساب ہوگا۔

اگر کوئی مرید یا مخلص دوست دعوت میں تکلف کرتا اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتا تو اسے ناراض ہوتے۔ فرماتے فضول خرچی کیوں کرتے ہو حقیقت ہے کہ اللہ نے آپ کو ایک صحیح زاہد و متقی انسان بنایا تھا۔

آپ کے ایک نہایت گہرے عقیدت مند اور مرید خالص الاعتقاد مولوی محمد یوسف (ساکن بھگت پور شریف ضلع گوجرانوالہ) نے آپ کی عقیدت میں چند اشعار لکھے۔ جن میں انہوں نے اپنی محبت اور اپنے مرشد کی خوبی ظاہر کی تھی۔ حضرت مرشد گرامی مرتبت نے اشعار سن کر فرمایا، مولوی یوسف! میری تعریف کے اشعار نہیں میری مغفرت کی طلب کے اشعار لکھو جن کا مجھے کچھ فائدہ بھی ہو۔ تعریف کا مجھے کیا فائدہ ہے۔ سبحان اللہ کتنا پر حکمت کلام ہے؟ آج کل بہت سے پیر ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جو اپنی تعریف و توصیف اور مدح و ستائش کے قصیدے خود سنتے اور سر دھنتے ہیں۔

آپ کئی بار فرمایا کرتے دوستو! جیسا تم میرا ظاہر دیکھتے ہو اگر خدا میرا باطن بھی ایسا ہی بنا دے تو اس کے خزانے میں کیا کمی ہے؟ بلکہ ایک بار تو آپ نے یوں بھی فرمایا: خدائے ستار و رحیم نے ہمارے عیوب پر پردے ڈالے ہیں۔ اگر ہمارے پردے اٹھا دیئے جائیں تو شائد لوگ ہمیں مسلمان بھی تصور نہ کریں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ان اشعار پر آپ پر بہت رقت طاری ہوتی۔ ع

کریم اپنے کرم کا صدقہ
لئیم بے قدر کو نہ شرما

رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھنے کے بعد آپ طویل دعا کرتے اور اس میں بہت بہت روتے۔ ایسا آپ اس وقت کرتے جب کوئی پاس نہ ہوتا' البتہ گھر والے آپ کے رونے کی آواز بسا اوقات سن لیا کرتے' آپ کے بڑے صاحبزادے قاری محمد طیب صاحب بتلاتے ہیں ایک بار وہ اپنے والدین کی معیت میں حج بیت اللہ شریف کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ میں ایک مکان میں سکونت پذیر تھے کہتے ہیں ایک دفعہ پچھلی رات کا وقت تھا' میں سویا ہوا تھا' اچانک کسی کے رونے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی' لائٹ آف تھی' تھوڑی

دیر بعد محسوس ہوا کہ والد گرامی علیہ الرحمہ میرے پیروں والی جانب مصلے پر بیٹھے رو رہے اور ہچکیاں لے رہے ہیں' وہ آنسو پونچھ پونچھ کر پھینکتے ہیں جو میرے پیروں پر گرتے ہیں۔ کہتے ہیں میں دم بخود ہو کر لیٹا رہا تاکہ میرے حرکت کرنے سے یا آواز پیدا کرنے سے ان کے تضرع اور حضور قلب میں خلل نہ آجائے اور راتوں کی تنہائیوں میں اٹھ اٹھ کر رونے کے باوجود ہمیشہ اپنے گناہوں کا ذکر کیا کرتے۔ حضرت میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (کھڑی شریف) پنجابی میں خوب فرماتے ہیں۔ ع

راتیں زاری کر کر روندے نیر اکھیاں دے دھوندے
فجریں اوگن ہار کہاندے سب تھیں نیویں ہوندے

اور قرآن کریم بھی یہی بیان ارشاد فرماتا ہے:

قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (الذاریات: ۱۷۔۱۸)

اللہ کے محبوب بندے رات کا بہت قلیل حصہ سوتے ہیں اور سحری کے وقت گناہوں کا استغفار کرتے ہیں۔

آپ نے اپنے بیٹوں کی شادیاں بڑی سادگی سے کیں: چند رشتہ داروں اور احباب کو بلا کر نکاح کیا اور انہیں ماحضر پیش کر دیا اور فرمایا دنیا کی عزت اگر قبر میں ساتھ گئی تو پھر کچھ بات ہوگی ورنہ یہ بیکار ہے اس کا دنیا میں فائدہ ہے نہ آخرت میں۔

آپ تصویر کھینچوانے کے سلسلے میں بہت محتاط تھے: ایسی محافل ہی میں نہیں جاتے تھے جہاں تصویریں بنائی جا رہی ہوں' اگر کسی محفل میں آپ کی تصویر بنانے کی کوشش کی جاتی تو آپ سختی سے روک دیتے اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو چہرے پر رومال رکھ لیتے۔ پاسپورٹ بنوانے کے سوا آپ نے اپنی تصویر نہیں بنوائی: آپ فرماتے پاسپورٹ ایک مجبوری بن گئی ہے اس کے لیے بادل ناخواستہ تصویر بنواتا ہوں کیونکہ بہت سے اہل علم نے پاسپورٹ کے لیے تصویر بنانا جائز لکھا ہے ورنہ مجھے اس سے بہت نفرت ہے' یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ آپ کا دل فکر آخرت کے تصورات سے معمور تھا اور دنیوی نمود و نمائش کی آپ کو کچھ ضرورت نہ تھی' آج ہمارے مذہبی رہنماؤں میں جن میں علماء بھی شامل ہیں اور پیران عظام بھی یہ چیزیں عموماً نظر نہیں آتیں۔

آپ کا اپنے بزرگوں سے احترام

خواہ والدین ہوں' اساتذہ ہوں یا پیر و مرشد سب سے آپ کا ادب و احترام مثالی تھا۔

والدین کا ادب: آپ کے والد گرامی جناب غلام محمد صاحب: ایک پابند صوم و صلوٰۃ اور پرہیزگار آدمی تھے' غالباً ۱۹۶۲ء کے لگ بھگ ان کا وصال ہو گیا ہم نے ان کا عہد نہیں دیکھا: البتہ آپ کی والدہ ماجدہ ان کے بعد عرصہ تک اس دار فانی میں رہیں اور ۱۹۸۲ء میں ان کا وصال ہوا: ہم نے ان کا زمانہ دیکھا ہے اور حضرت مرشد گرامی کو جس طرح ان کی خدمت کرتے دیکھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اگر آپ اسباق پڑھا رہے ہوتے اور اماں جی تشریف لے آتیں تو آپ سبق چھوڑ کر ان کا استقبال کرتے اور بڑی خوشی اور نہایت ادب کے ساتھ ان کی بات سنتے اور ان کے حکم کی تعمیل فرماتے: آپ والدہ کا ہر حکم لازم العمل سمجھتے تھے ایک بار اماں جی نے آپ کو کسی ایسے رشتہ دار کے پاس جانے کے لیے کہا جس سے آپ کی ناراضگی تھی: آپ نے انکار بھی نہ کیا اور جانے میں جلدی بھی نہ کی' اماں جی نے دوبارہ کہا تو آپ ناراضگی کے باوجود اس شخص کے پاس گئے اور اماں جی کا پیغام پہنچایا' واپس آئے تو اماں جی نے بہت دعائیں دیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ میرے حکم پر اپنی مرضی کے خلاف گئے ہیں' مرشد گرامی فرماتے ہیں۔ اماں جی کی دعائیں سن کر میں بہت نادم ہوا کہ میں ان کے پہلے حکم پر وہاں کیوں نہ گیا اگر میں ایسے کرتا تو شائد آپ مجھے اس سے بھی زیادہ دعائیں دیتیں۔

جب کسی طالب علم سے کوئی کوتاہی ہو جاتی اور مرشد گرامی اس سے ناراض ہو جاتے تو ایسے میں اماں جی کی سفارش ڈھونڈتا اور

اگر وہ سفارش کر دیتیں تو مرشد گرامی کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوتے فوراً معاف کر دیتے اپنی والدہ کا یہی احترام تھا کہ آپ نے وصال سے قبل وصیت لکھوائی کہ آپ کو اماں جی کی قبر انور کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ احباب نے بہت اصرار کیا کہ مدرسہ میں آپ کا مزار ہونا چاہیے تاکہ ہر وقت قرآن کریم پڑھا جاتا رہے مگر آپ نے فرمایا نہیں! میری والدہ ولیہ کاملہ تھیں ان کے قدموں میں مجھے جو سکون مل سکتا ہے وہ کہیں اور نہیں مل سکتا چنانچہ قبرستان میانی صاحب نزد چوبرجی چوک لاہور میں آپ کی والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی فضل داد صاحب کے قدموں میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا اللہ آپ کی اور آپ کے خاندان کی قبور پر خصوصی رحمتیں نازل فرمائے اور انوار کی برسات فرمائے اور بلاشبہ آپ کی والدہ ماجدہ صحیح معنوں میں ولیہ کاملہ تھیں۔ روزانہ سات آٹھ سو تک نوافل ادا فرمایا کرتیں رات اور دن کا اکثر حصہ نوافل میں بسر فرماتیں انتہا درجہ کی سخیہ تھیں۔ غریب پروری ان کا شیوہ تھا۔ مرشد گرامی کی صلہ رحمی، سخاوت اور شفقت، دراصل والدہ ماجدہ کی تربیت کا اثر تھا: مرشد گرامی فرماتے ہیں جب ہم گاؤں میں رہتے تھے، ایک روز چاول بیچنے والا ایک شخص گلی میں صدا لگاتا ہوا گزرا: دو تین بار گزرا مگر کسی نے چاول نہ لیے غربت کا زمانہ تھا: والدہ نے اسے رکوایا اور اس سے چاول خرید لیے گھر والے پریشان ہوئے کہ چاول تو گھر میں پہلے ہی موجود ہیں جبکہ اس وقت رقم کی بہت ضرورت ہے والدہ نے کہا میں نے صرف اس لیے خریدے ہیں کہ یہ غریب شخص ہماری گلی میں سے تین بار گزرا مگر کسی نے اس سے چاول نہ خریدے مجھے خوف آیا کہیں ہم سے اللہ ناراض نہ ہو جائے، میں نے اس لیے چاول خرید لیے کہ بیچارہ دعا دے گا تو نہ جانے اللہ ہمیں اس کے عوض کتنے پیسے دے گا؟ اور واقعتاً اماں جی کا ارشاد درست ثابت ہوا اللہ نے بہت جلد وہ فقر کا دور ختم کر دیا اور خوشحالی آ گئی۔

استاد کا ادب

حضرت مرشد گرامی اپنے اساتذہ کا ادب بھی والدین ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتے تھے ہم نے دیکھا ہے کہ آپ کے اور ہمارے استاذ العلماء حضرت شیخ الحدیث والتفسیر جامع معقول و منقول علامہ غلام رسول رضوی مہتمم و بانی دار العلوم جامعہ سراجیہ فیصل آباد جب کبھی جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور میں تشریف لاتے تو مرشد گرامی ان کے استقبال کو دیوانہ وار دوڑتے اور نہایت ادب سے دست بوسی کرتے بلکہ کئی بار ایسا ہوا کہ جوتی پہننے کی بھی فرصت نہ رہی' برہنہ پا استاذ کی دست بوسی کے لیے لپکے' پھر جس قدر آپ ان کی خدمت اور آداب و اکرام بجالاتے وہ بے مثال تھا بلکہ اپنے استاذ کے گھر کا کوئی فرد بھی آ جاتا تو اس کا احترام بھی استاذ جیسا ہی کرتے۔

پیر و مرشد کا ادب

آپ نے قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین سند الکاملین حضرت خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرکار حضرت کیلیانوالہ شریف کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی جس کا تذکرہ شروع میں ہو چکا ہے' مگر ان کے وصال کے بعد آپ زندگی بھر پیر طریقت راہبر شریعت واقف اسرار حقیقت حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ کی دیوانہ وار غلامی کرتے رہے اور ان پر دل و جان نچھاور کرتے رہے بلکہ آگے ان کی اولاد کا بھی بے پناہ احترام کرتے رہے اور قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی نے آپ کو شان صحابہ کرام کے دفاع اور رد شیعیت پر لکھنے کا حکم فرمایا تو آپ قلم اٹھا کر شروع ہو گئے اور تحقیق کے دریا بہا دیئے اور اپنی ہر تصنیف کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ میں عاجز اس بڑے کام کا اہل نہیں تھا یہ مجھ سے میرے مرشد نے کام لے لیا ہے ان کی توجہ اور دعاؤں نے میری مدد کی ہے۔

اللہ ہمیں بھی اپنے بزرگوں کا ایسے ہی ادب و احترام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

آپ کے اقوال مبارکہ

کسی شخص کے اقوال اس کی شخصیت اوراس کی قلبی کیفیات کے آئینہ دار ہوتے ہیں' مرشد گرامی کے اقوال مبارکہ جو آپ دوران وعظ اکثر دھرایا کرتے یا محافل میں ارشاد فرمایا کرتے' ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) روز قیامت کوئی شخص خواہ کتنا ہی پرہیز گار اور متقی کیوں نہ ہو اپنے اعمال پر ناز کرتا ہوا جنت میں نہیں جائے گا جب تک اسے کملی والے آقا ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

(۲) نبی کریم ﷺ کی محبت عین ایمان اور جان ایمان ہے اگر یہ محبت نہیں تو سب اعمال بے کار ہیں۔

(۳) بعض لوگ نبی اکرم رسول معظم ﷺ کی زیارت حاصل کرنے کے لیے وظائف پوچھتے ہیں' دوستو! یہ نعمت محض وظائف سے نہیں ملتی اس کی شرط آپ کی سچی محبت اور اتباع ہے' جب یہ شرط پوری ہو جائے تو آپ خود ہی زیارت عطا فرما دیتے ہیں۔

(٤) لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے مسائل تعویذوں اور وظیفوں سے حل ہو جائیں جبکہ وہ احکامات الٰہیہ سے اعراض کر رہے ہیں' فرائض سے غفلت برت رہے ہیں' حلال وحرام کی تمیز مٹا رہے ہیں' ایسے میں تعویذ کیا اثر کریں گے' لوگ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرلیں مصائب خود حل ہو جائیں گے۔

(٥) اگر ساری دنیا کی نعمتیں اور مسرتیں ایک طرف رکھی جائیں اور روضۂ رسول اللہ ﷺ پر سنہری جالیوں کے سامنے ایک بار محبت سے درود شریف پڑھنا دوسری طرف رکھا جائے تو میرے نزدیک ساری دنیا کی نعمتوں سے یہ نعمت بہت اعلیٰ ہے۔

(٦) دنیا کی جھوٹی عزت اگر مرنے کے بعد قبر میں بھی کام آئی تب تو کچھ بات ہے اور اگر یہ قبر میں کام نہیں آسکتی تو پھر اسے حاصل کرنے کا کیا فائدہ؟ عزت وہ بنانی چاہیے جو اگلے جہاں میں بھی کام آئے۔

(۷) میں نے علم یا عمر میں اپنے سے کمتر آدمی سے بھی علم سیکھنے میں کبھی عار محسوس نہیں کی' مجھے جہاں سے بھی علم حاصل ہوا میں نے لے لیا۔

(۸) مجھے جب بھی کسی کا استدلال سمجھ میں آگیا تو میں نے اسے تسلیم کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا' اسے شرح صدر کے ساتھ قبول کیا ہے۔

(۹) مجھے جو کچھ بھی ملا اپنے بزرگوں' اپنے والدین ، اساتذہ اور پیرو مرشد کے ادب میں ملا ہے اور جس کو جو بھی ملتا ہے ادب ہی میں ملتا ہے۔

(۱۰) وعظ وہ وعظ ہے جسے سن کر تیری آخرت سنور جائے تجھے وقتِ آخر کلمہ نصیب ہو جائے ورنہ محض قصے سنانے اور نعرے لگوانے میں ضیاع وقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ کی انصاف پسندی

معاملات میں پورا اترنا عبادات کی تکمیل سے بھی اہم اور مشکل ہے' ایسے بہت سے لوگ دیکھنے میں آئے ہیں جو نماز روزہ کی بہت پابندی کرتے ہیں مگر حقوق العباد اور معاملات میں ان کی روش غیر منصفانہ ہوتی ہے۔' مرشد گرامی مرتبت رحمہ اللہ کو ہم نے معاملات میں شریعت محمدیہ کی کامل اتباع کرتے ہوئے دیکھا' چنانچہ اگر آپ کے بیٹوں میں سے کسی کے ساتھ کسی طالب علم کا جھگڑا ہو جاتا تو اپنے بیٹوں کی ذرہ رعایت نہ کرتے اور اگر آپ کے بیٹے کی زیادتی ثابت ہو جاتی تو سخت سزا دیتے یہی سبب ہے کہ آپ کی اولاد دیگر بہت سے علماء کی اولاد کی طرح بے راہ رو نہیں ہوئی بلکہ سب ہی دین متین کی خدمت کر رہے ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

آپ کی آبائی زمین فروخت ہوئی تو اس کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا۔ آپ کی ایک ہمشیرہ بھی حصہ دار تھیں' جبکہ بعض اختلافات کی

وجہ سے آپ کے دیگر بھائی انہیں حصہ نہیں دینا چاہتے تھے آپ نے ان کی پرزور مخالفت کی اور انہیں شرعی حکم کے مطابق حصہ دلوایا۔
اسی طرح آپ نے وصال سے چند ایام قبل اپنی وصیات لکھوائیں ان میں یہ وصیت بھی تھی کہ آپ کی بچیوں کو بھی وراثت میں سے پورا پورا حصہ دیا جائے گا۔

دار العلوم کا قیام

جامعہ نظامیہ لاہور میں جب آپ درس نظامی کی منتہی کتب پڑھ رہے تھے' آپ نے ساتھ میں مختلف اسباق کی تدریس بھی شروع کر دی اور ساتھ ہی اندرون لوہاری گیٹ لاہور محلہ پیر شیرازی کی ایک مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دے رہے تھے جامعہ نظامیہ کی انتظامیہ سے کسی اختلاف کی بناء پر آپ نے اپنی مسجد ہی میں طلباء کو درس نظامی کے اسباق پڑھانا شروع کر دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے طلباء کی کثیر تعداد وہاں جمع ہونے لگی آپ ایک نہایت محنتی مدرس تھے' طلباء آپ کے گرد پروانہ وار اکٹھا ہونے لگے' چنانچہ اسی مسجد میں ایک ادارہ کی تشکیل دے دی گئی۔ جس کا نام جامعہ رسولیہ شیرازیہ رکھا گیا' رسولیہ تو رسول کریم ﷺ کی نسبت سے اور شیرازیہ محلہ پیر شیرازی کی نسبت سے دراصل اس مسجد میں ایک بزرگ پیر شیرازی کا مزار تھا اور وہ محلہ بھی انہی کے نام پر تھا۔
کچھ ہی عرصہ میں مسجد کا دامن طلباء کی وسیع تعداد کے لیے اپنی تنگی کی شکایت کرنے لگا چنانچہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اندرون شہر سے ہٹ کر کسی کشادہ جگہ پر ادارہ قائم کیا جائے' چنانچہ بلال گنج میں موجودہ ادارہ قائم کیا گیا' جسے مرشد گرامی نے خون جگر سے سینچا شب و روز محنت کی اس کی تعمیر و ترقی میں بے پناہ جدوجہد کی۔ آج آپ کی کوششوں کے نتیجے میں تین منزلہ پرشکوہ عمارت اور اس کا بلند و بالا مینار دین کی عظمت کا اعلان کر رہا ہے۔ اس وقت جامعہ قرآن کریم حفظ و ناظرہ تجوید وقرأت درس نظامی دورہ حدیث، دورۂ تفسیر پہلی جماعت سے میٹرک تک سکول اور بچیوں کے لیے قرآن کریم حفظ و ناظرہ اور دو سالہ عالمہ فاضلہ کورس وغیرہ شعبہ جات میں دینی تعلیم دی جارہی ہے۔ ماہر اور محنتی اساتذہ دن رات تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں اور الحمد اللہ مرشد گرامی کے وصال کے بعد بھی جامعہ کا تعمیری و تعلیمی کام اپنے تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اس میں ذرہ تعطل نہیں آیا۔ قبلہ مرشد گرامی نے جامعہ کی عمارت کی تیسری منزل کی تکمیل اور مہمان خانہ کی تعمیر کا جو کام اپنی زندگی کے آخری دنوں میں شروع کیا تھا وہ تیزی سے جاری ہے۔ آپ کے فرزند اکبر قاری محمد طیب صاحب اور ان سے چھوٹے صاحبزادے مولانا رضاء المصطفیٰ پوری تندھی سے جامعہ کا انتظام و انصرام سنبھالے ہوئے ہیں' اب حضرت قبلہ مرشد گرامی کے مریدین محبین و مخلصین اور عام ہم مسلک بھائیوں کا فرض منصبی ہے کہ پہلے سے بڑھ کر جامعہ کا تعاون کریں تاکہ حضرت مرشد گرامی کا قائم کردہ جامعہ مزید ترقی کرے اور اس کے کسی کام میں تعطل نہ آئے۔

آپ کے وصال پر علماء اور دینی رسائل کے تعزیتی کلمات

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ نے پہلے صفحے پر آپ کے انتقال پر یوں اظہار تعزیت کیا

آہ! علامہ حافظ محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ممتاز عالم دین مولانا حافظ محمد علی صاحب بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور ۲۸ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴ جولائی ۹۶ء بروز اتوار بعد از نماز مغرب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کو قبرستان میانی صاحب لاہور میں ان کی والدہ ماجدہ کے قدموں میں دفن کیا گیا مرحوم بہت محنتی' بڑے مبلغ' مناظر' مدرس اور مصنف تھے۔ ۱۶ سال مسلسل حرمین شریفین حاضری دیتے رہے۔ عمر ۶۳ سال تھی، آخری دن نماز مغرب اور نوافل اوابین پڑھ کر انتقال فرمایا۔ ۱۰ اربیع الثانی ۲۵ اگست ختم چہلم شریف ہوگا۔

مرحوم آستانہ عالیہ حضرت کیلیا نوالہ شریف (گوجرانوالہ) کے نامور بزرگ شیخ طریقت پیر سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں سے تھے مرحوم کی علمی و تحقیقی تصانیف اور آپ کے صاحبزادے مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا رضاء المصطفیٰ صاحب، حافظ احمد رضا اور حافظ محمد رضا صاحب۔ آپ کی بہترین یادگار ہیں۔ آپ شیعہ مذہب اور شیعہ کتب کے بڑے ماہر محقق تھے اور اس سلسلہ میں آپ کی تصانیف تحفہ جعفریہ (۵ جلدیں) عقائد جعفریہ (۴ جلدیں) فقہ جعفریہ (۴ جلدیں) دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ (۲ جلدیں) بڑا سائز علمی و تحقیقی ذخیرہ ہیں اور اپنے بیگانوں کے لیے قابل مطالعہ ہیں۔ علاوہ ازیں نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین ﷺ میزان الکتب شرح موطاء امام محمد اور شان اہل بیت اور مسئلہ تحقیق داڑھی بھی بہت ضخیم اور اہم کتب ہیں۔

جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء (نمائندہ خصوصی)

✪✪✪✪✪

ماہنامہ فیض عالم بہاولپور نے یوں اظہار خیال کیا

ایک شمع اور بجھ گئی: فاتح رافضیت حضرت علامہ الحاج محمد علی نقشبندی بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ بلال گنج لاہور ۱۴ جولائی ۱۹۹۲ء میں وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ عشق رسول ﷺ سے عبارت تھا۔

✪✪✪✪✪

ہفت روزہ اخبار مجدد الف ثانی لاہور نے یہ لکھا

آہ! مولانا علامہ محمد علی نقشبندی بھی وصال فرما گئے۔

دنیائے سنیت کے لیے یہ المناک خبر ہے کہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے بانی و مہتمم حضرت علامہ الحاج محمد علی صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ مورخہ ۱۴ جولائی بروز اتوار کو اس دار فانی سے ہزاروں متعلقین و متوسلین و معتقدین کو داغ مفارقت دیتے ہوئے راہی ملک بقا ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

فخر المشائخ حضرت صاحب زادہ، الحاج میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی دامت برکاتہم نے آپ کے وصال پر ملال کو ملت اسلامیہ کے لیے ایک سانحہ قرار دیا۔ روحانی و جسمانی پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے فاتحہ خوانی کی اور دعائے مغفرت فرمائی۔ نیز بارگاہ رب العزت میں ان کے صاحبزادگان کے لیے مرحوم کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے خصوصی دعا کی مرحوم متعدد کتب کے مصنف بھی تھے، اس لیے ان کی تمام یادگاروں کو زندہ رکھنے کے لیے بھی دعا کی گئی اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت اور صاحبزادگان متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ (ادارہ)

✪✪✪✪✪

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حضرت علامہ مولانا محمد شمس الزمان قادری مدظلہ نے ان الفاظ میں آپ کی خدمات کو سراہا

حضرت علامہ مولانا الحاج محمد علی صاحب مہتمم جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین اور مدرس و مصنف اور سلجھے ہوئے مبلغ دین تھے۔ یقیناً اتنی صفات سے موصوف بہت کم علماء ہوتے ہیں۔ بعض مقرر ہیں مصنف نہیں بعض مصنف ہیں تو مقرر نہیں بعض مقرر اور مصنف ہیں تو مدرس نہیں۔ مگر حضرت علامہ الحاج محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ بندہ سے

ان کا تعلق جامعہ بوقت تعلیم سے تھا۔ بندہ ۱۹۵۸ء میں جامعہ نظامیہ بطور مدرس حاضر ہوا تو حضرت اس وقت زیر تعلیم تھے بندہ کے سامنے وہاں قریب ہی لوہاری دروازہ کے اندر پہلا مدرسہ قائم کیا۔ پھر بلال گنج مستقل تشریف لائے اور ایک عظیم درس گاہ کا قیام عمل میں آیا۔ مسلسل اس وقت سے تا حال رابطہ اور تعلق رہا بلکہ میری بیماری پر ہسپتال تشریف لے گئے مگر ہسپتال والوں نے اندر نہ جانے دیا جب قوت العموم میں بندہ ہسپتال سے واپس آیا تو ٹیلی فون پر خیریت دریافت فرمائی اور دعاؤں سے نوازا اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو اس صدمے کے برداشت کی توفیق عطاء فرمائے اور اپنے والد گرامی کے مشن پر قائم رہتے ہوئے خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔

الفقیر محمد شمس الزماں قادری رضوی

مہتمم غوث العلوم نیو سمن آباد لاہور/ ۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

✪✪✪✪✪

علامہ مولانا محمد مظفر اقبال رضوی صاحب خطیب اونچی جامع مسجد اندرون بھاٹی گیٹ کے الفاظ یہ تھے

مولانا مولوی قاری حافظ محمد طیب و مولانا مولوی حافظ قاری رضا المصطفیٰ سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے والد گرامی حضرت مولانا مولوی حاجی محمد علی علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال سے دلی صدمہ ہوا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کو اس صدمہ کے برداشت کی توفیق اور اس پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ سلم العلوم' ملا حسن اور حمد اللہ میں ہم سب ساتھیوں میں بڑے ساتھی تھے۔

وہ ایک سبق پر کئی گنا زیادہ وقت لیا کرتے تھے جب ہم تنگ آ کر احتجاج کرتے تو وہ بڑے نرم لہجے میں ہمیں راضی کر لیتے۔

قبلہ استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب رضوی دامت برکاتہم العالیہ ایک سبق کی کئی بار تقریر فرماتے تو حاجی محمد علی صاحب مرحوم بڑی دیانت داری سے کہہ دیتے کہ مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آیا۔ اب استاذی المکرّم کا ناراض ہونا بجا تھا۔ لیکن حاجی محمد علی بھی اپنی طبع کے ہاتھوں مجبور تھے۔ پھر ایک بار تقریر کی درخواست کرتے تو شفیق و مہربان استاد کا غصہ شفقت و مہربانی کا حسین روپ دھار لیتا۔ علم کے گوہر بکھرتے اور حاجی محمد علی انہیں آہستہ آہستہ اپنے دامن میں سمیٹ لیتے۔ حاجی صاحب نے ایک کتاب کو کئی بار پڑھا۔ شرح جامی پڑھنے کے بعد جب انہوں نے میرے والد گرامی حضرت مولانا مفتی ابو المظفر مفتی محمد غلام جان قادری رضوی علیہ الرحمہ کی علم نحو میں شہرت سنی تو ان سے شرح جامی دوبارہ شروع کر دی۔ یہاں بھی پڑھنے کا وہی انداز تھا۔ والد علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ محمد علی سمجھتا دیر سے ہے لیکن جب سمجھتا ہے تو پکا سمجھتا ہے آج مولانا محمد علی ہم میں موجود نہیں لیکن جو سلسلہ انہوں نے شروع کیا تھا الحمد للہ کہ وہ سلسلہ آپ دونوں بھائیوں کے ذریعہ جاری رہتا نظر آ رہا ہے۔

اس افرا تفری اور پیسے کی دوڑ والے دور میں اعلیٰ علمی گھرانوں میں علم کی شمعیں بجھتی جا رہی ہیں اور علم کی مسندیں خالی دکھائی دے رہی ہیں۔ زہے قسمت کہ آپ کے والد علیہ الرحمہ نے عالم بیٹے اپنے جانشین چھوڑے ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مزید علم نافع کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ مذہب مہذب اہل سنت و جماعت کی خدمت کے لیے آپ کو ہمیشہ کمربستہ رہنے کی توفیق بخشے تا کہ آپ اپنے والد مرحوم کے صحیح جانشین ثابت ہوں۔

اتفاق کی دولت بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے' بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت والد کے مشن کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد

معاون ثابت ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ان امور میں استقلال نصیب فرمائے آمین بجاہ نبی الامین الکریم علیہ الصلوۃ والتسلیم
ے این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

فقط والسلام

دعا گو محمد مظفر اقبال رضوی مصطفوی غفرلہ، ابن مفتی محمد غلام جان قادری
رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ بازار ٹھٹھی ملا خاں اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور

✪✪✪✪✪

شارح بخاری حضرت علامہ مولانا سید محمود احمد رضوی مدظلہ نے آپ کی خدمت میں یہ کلمات پیش کیے

پسران و عزیزان حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور سلام مسنون حضرت علامہ محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات کی خبر پا کر سخت و شدید صدمہ ہوا، مولیٰ تعالیٰ انہیں اپنے محبوب رسول ﷺ کے طفیل جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل کی توفیق۔ مولانا مرحوم میرے خاص احباب میں سے تھے۔ جب تشریف لاتے اور کسی مسئلہ پر گفتگو کرنی ہوتی تو ہنستے مسکراتے آتے۔ آج بھی ان کی مسکراہٹ بھرا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا' وہ جید عالم دین تھے انہوں نے تحریر و تقریر کے ذریعے دین کی بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ عزیزان کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے قائم کردہ دینی ادارے کو چلانے کی توفیق عطا فرمائے آمین' مجھے افسوس ہے کہ میں فی الحال بوجہ علالت ضعف و نقاہت ان کے جنازہ میں اور اب قل میں شریک نہیں ہو سکا' عزیزم مولوی مصطفیٰ اشرف بھی لاہور سے باہر گئے ہوئے ہیں' میں اس خط کے ذریعہ افسوس و معذرت اور تعزیت سے معذرت کرتا ہوں۔ والسلام

سید محمد محمود رضوی غفرلہ

✪✪✪✪✪

حضرت علامہ مولانا علی احمد سندیلوی مدظلہ نے آپ کو یوں خراج عقیدت پیش کیا

بخدمت اقدس حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے والد گرامی قدر مناظر اسلام شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مولانا حاجی محمد علی رحمہ اللہ تعالی کی وفات حسرت آیات کا سن کر از حد صدمہ ہوا' انا للہ و انا الیہ راجعون حضرت نے فرق باطلہ رافضیت، خارجیت، ناصبیت وغیرہ کے خلاف تدریس اور مدرسہ کی ذمہ داریوں کے باوجود جو جہاد بالقلم کیا اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی' اس کے ساتھ احیائے سنت اور قطع بدعت میں بھی ہر تن مصروف رہے اور اپنے پیچھے جسمانی روحانی نیک اولاد مدرسہ، مسجد اور کثیر تالیفات باقیات الصالحات جو بطور صدقہ جاریہ چھوڑ گئے ہیں ان کا ثواب انہیں قیامت تک پہنچتا رہے گا۔

وفات سے تھوڑی دیر قبل انہوں نے زندگی کی آخری نماز' نماز مغرب بلکہ نوافل اوابین بھی ادا کیے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے گذشتہ اعمال مقبول ہوئے اور وہ دینی خدمات بخلوص دل انجام دیتے رہے ہیں اور کیوں نہ ہو علمائے حق کا طبقہ وہ گروہ ہے کہ ''اولئک القوم لا یشقی جلیسھم یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا''۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے آثار کو قائم و دائم رکھے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ احقر آپ کے جملہ پس ماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش

کرتا ہے خواہ وہ نسبی ہوں یا علمی یا روحانی' رحمہ اللہ تعالی علیہ وایانا رحمۃ واسعۃ امین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وازواجہ اجمعین والسلام علیکم۔

خادم العلماء والمسلمین
علی احمد سندیلوی غفرلہ

۞۞۞۞۞

۱ - کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

نمازوں کا بیان

۱ - بَابُ وُقُوْتِ الصَّلٰوۃِ

۱ - قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ اَخْبَرَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ زِیَادٍ مَوْلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلٰی اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهُ سَاَلَهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ اَنَا اُخْبِرُکَ صَلِّ الظُّهْرَ اِذَا کَانَ ظِلُّکَ مِثْلَکَ وَالْعَصْرَ اِذَا کَانَ ظِلُّکَ مِثْلَیْکَ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ مَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ ثُلُثِ اللَّیْلِ فَاِنْ نِمْتَ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ فَلَا نَامَتْ عَیْنَاکَ وَصَلِّ الصُّبْحَ بِغَلَسٍ.

نمازوں کے اوقات کا باب

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ ہمیں مالک بن انس نے یزید بن زیاد سے خبر دی۔ جو بنی ہاشم کا غلام تھا۔ وہ عبداللہ بن رافع سے جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول کریم ﷺ کا آزاد کردہ غلام تھا اور عبداللہ بن رافع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس (عبداللہ بن رافع) نے ابو ہریرہ سے نمازوں کے اوقات کے متعلق پوچھا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھا کر جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھا کر جب تیرا سایہ تجھ سے دوگنا بڑا ہو جائے۔ اور مغرب غروب آفتاب کے بعد اور عشاء تیرے اور تہائی رات کے درمیان وقت میں پڑھا کر اور اگر تو آدھی رات تک (نماز عشاء پڑھے بغیر) سوتا رہا۔ تو تیری آنکھیں نہیں سونی چاہئیں۔ اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھا کر۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِیْ وَقْتِ الْعَصْرِ وَکَانَ یَرَی الْاِسْفَارَ بِالْفَجْرِ وَاَمَّا فِیْ قَوْلِنَا فَاِنَّا نَقُوْلُ اِذَا زَادَ الظِّلُّ عَلَی الْمِثْلِ فَصَارَ مِثْلَ الشَّیْءِ وَزِیَادَةً مِنْ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ وَاَمَّا اَبُوْ حَنِیْفَةَ فَاِنَّهُ قَالَ لَا یَدْخُلُ وَقْتُ الْعَصْرِ حَتّٰی یَصِیْرَ الظِّلُّ مِثْلَیْهِ.

امام محمد نے کہا: امام ابوحنیفہ کا نماز عصر کے وقت کے بارے میں یہی قول ہے (حدیث میں ذکر ہوا) اور صبح کی نماز کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ وہ خوب روشنی میں پڑھنی چاہیے لیکن ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جب کسی چیز کا سایہ اس کی مثل سے زیادہ ہو گیا اور سورج کے ڈھلنے کے بعد مذکورہ سایہ شیء کی مثل اور کچھ زیادہ ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز عصر کا وقت شیء کے دو مثل سایہ ہو جانے پر شروع ہوتا ہے۔

۲ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنِی ابْنُ الشِّهَابِ الزُّهْرِیُّ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِیْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یُصَلِّی الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِیْ حُجْرَتِهَا قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ.

مالک بن انس نے ابن شہاب زہری عن عروہ سے بیان کیا کہ مجھے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور ﷺ نماز عصر ایسے وقت ادا فرمایا کرتے تھے کہ سورج ان کے حجرے میں ہوتا تھا (یعنی ابھی دھوپ میرے حجرے میں ہی ہوتی تھی) اور دیواروں پر نہیں چڑھی ہوتی تھی۔

٣۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ قَالَ اَخْبَرَنِی ابْنُ الشِّهَابِ الزُّهْرِیُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّهٗ قَالَ کُنَّا نُصَلِّی الْعَصْرَ ثُمَّ یَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلٰی قُبَاءٍ فَیَأْتِیْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ۔

امام مالک نے ابن شہاب زہری کے واسطہ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ انہوں نے کہا: ہم نماز عصر ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ادائیگی کے بعد اگر کوئی قباء کی طرف جاتا تو اس کے قباء پہنچنے تک سورج بلند ہوتا۔

٤۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کُنَّا نُصَلِّی الْعَصْرَ ثُمَّ یَخْرُجُ الْاِنْسَانُ اِلٰی بَنِیْ عَمْرِو ابْنِ عَوْفٍ فَیَجِدُهُمْ یُصَلُّوْنَ الْعَصْرَ۔

امام مالک نے بواسطہ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ جناب انس بن مالک سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا: ہم نماز عصر ادا کرتے تھے پھر کوئی شخص بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جاتا تو وہ ان کو نماز عصر پڑھتے پاتا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ تَاخِیْرُ الْعَصْرِ اَفْضَلُ عِنْدَنَا مِنْ تَعْجِیْلِهَا اِذَا صَلَّیْتَهَا وَالشَّمْسُ بَیْضَاءُ نَقِیَّةٌ لَمْ تَدْخُلْهَا صُفْرَةٌ وَبِذٰلِکَ جَاءَتْ عَامَّةُ الْاٰثَارِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ اِنَّمَا سُمِّیَتِ الْعَصْرُ لِاَنَّهَا تُعْصَرُ وَتُؤَخَّرُ۔

امام محمد کہتے ہیں کہ نماز عصر کو جلدی پڑھنے کی بجائے تاخیر سے ادا کرنا ہمارے نزدیک افضل ہے۔ جب تو نماز عصر پڑھنا چاہے تو ایسے وقت میں پڑھ کہ سورج صاف اور سفید ہو، اور اس میں زردی نہ داخل ہوئی ہو۔ اسی وقت کے متعلق عام آثار آئے ہیں۔ اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے بعض فقہاء کرام نے کہا کہ عصر کو اس لیے عصر کا نام دیا گیا کہ یہ ٹھہر کر پڑھی جاتی ہے اور اس کے آخری حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔

شرح حدیث نمبر ١

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جناب عبد اللہ بن رافع کو اوقات صلوٰۃ کے استفسار میں ارشاد فرمایا کہ نماز ظہر اپنا سایہ ایک مثل ہونے پر پڑھنی چاہیے۔ نماز ظہر کا وقت اگرچہ سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت ادائیگی درست ہے لیکن عند الاحناف مستحب یہ ہے کہ اسے ایسے وقت ادا کیا جائے جس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ نے ابن رافع کو ارشاد فرمایا۔ نماز ظہر کا وقت اپنا سایہ دوگنا (اصلی سایہ چھوڑ کر) ہونے تک باقی رہتا ہے اور پھر اس کے فوراً بعد احناف کے ہاں نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اسی دومثل سایہ ہونے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب ابن رافع کو نماز عصر ادا کرنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ نماز عصر کا یہ وقت ابتدائی اور اول وقت ہے، تو جس طرح نماز ظہر میں ایک مثل پر ادائیگی عند الاحناف مستحب تھی اسی طرح نماز عصر میں تعجیل کی بجائے تاخیر مستحب ہے۔ لیکن تاخیر اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ سورج کی سپیدی ختم ہو کر زردی آنا شروع ہو جائے۔ زردی آنے تک نماز عصر مؤخر کرنا مکروہ ہوگا۔ مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد شروع ہونے پر تمام کا اتفاق ہے۔ اور جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء کا وقت رات کے تہائی حصہ تک فرمایا تو یہ مستحب وقت ہے۔ (اور ایسے نمازی کے لیے جو اتنی تاخیر سے ادا کرنے والا ہو) نماز عشاء کا اول وقت وہ ہے جب آسمان کے کنارے اندھیرے میں ڈوب جائیں، اسی وقت سے شروع ہو کر نماز صبح کے وقت تک عشاء کا وقت ہے، اور نماز صبح کو اندھیرے میں ادا کرنے کا حکم جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابن رافع کو دیا۔ احناف کے نزدیک صبح کو روشن کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک ذکر فرما کر نماز عصر کے وقت شروع ہونے میں اپنے اور امام ابوحنیفہ کے درمیان اختلاف کو بیان کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ بیان کیا کہ جب کسی چیز کا (اصلی سایہ چھوڑ کر) سایہ دو مثل ہو جائے۔ تو یہ وقت نماز عصر کا ابتدائی اور نماز ظہر کا آخری وقت ہے پھر اپنا (امام محمد، ابو یوسف) مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہمارے نزدیک جب کسی چیز کا اصلی سایہ چھوڑ کر ایک مثل سے سایہ بڑھنا شروع ہو جائے۔ تو اب نماز ظہر کا وقت ختم اور نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

نوٹ: امام محمد (اور امام ابو یوسف) کے مسلک کو غیر مقلد بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کیونکہ اس سے وہ اپنی تائید پاتے ہیں اور پھر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک پر اعتراضات اور جرح کر کے اسے ناقص اور خلاف حدیث ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر اعتراضات اور جرح کر کے اسے ناقص اور خلاف حدیث ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تائید میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی امامت کرانے والی احادیث پیش کرتے ہیں۔ جس سے وہ اپنا مسلک صحیح اور مطابقتِ حدیث ثابت کرتے ہیں اور احناف کو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک اور ابوحنیفہ کے شاگردوں (امام محمد وابو یوسف) کا مسلک ایک ہی ہے۔ اس لیے ہم پہلے حدیث امامتِ جبریل ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر اس پر تحقیق عرض کریں گے۔

حدیث امامتِ جبریل

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اتانی جبریل عند البیت مرتین فصلی بی الظهر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراک وصلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثله وصلی بی المغرب حین افطر الصائم وصلی بی العشاء حین غاب الشفق وصلی بی الفجر حین حرم الطعام والشراب علی الصائم فلما کان الغد صلی بی الظهر حین کان ظله مثله وصلی بی العصر حین کان ظله مثلیه وصلی بی المغرب حین افطر الصائم وصلی بی العشاء الی ثلث اللیل وصلی بی الفجر فاسفر ثم التفت الی فقال یامحمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت مابین هذین الوقتین۔

(مشکوۃ شریف ص ۵۹ فصل دوئم باب المواقیت رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے پاس بیت اللہ میں جبرئیل دو مرتبہ آئے۔ پہلی مرتبہ نماز ظہر سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی پڑھائی۔ اس وقت سایہ تسمہ کی مقدار تھا۔ نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جاتا ہے، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، اور عشاء شفق کے غروب ہونے کے بعد پڑھائی، اور صبح اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرے دن جبرئیل امین دوبارہ تشریف لائے اور ظہر کی نماز ایک مثل سایہ ہونے پر پڑھائی۔ عصر کی نماز دو مثل ہونے اور مغرب روزہ دار کے افطار کرنے کے وقت پڑھائی۔ اور عشاء رات کے تہائی وقت گزرنے پر پڑھائی اور صبح خوب روشن کر کے پڑھائی۔ پھر میری طرف التفا فرمایا۔ اور کہا اے محمد! ﷺ یہ آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے اوقات ہیں اور ان اوقات کے درمیان درمیان ہر نماز کا وقت ہے۔

مذکورہ حدیث سے غیر مقلدین کے استدلال کے جوابات

جیسا کہ ظاہر ہے کہ پہلے دن حضرت جبرئیل نے نماز عصر اس وقت پڑھائی جبکہ سایہ ایک مثل تھا۔ اس سے غیر مقلد یہ دلیل

پکڑتے ہیں کہ نماز ظہر کا آخری وقت ایک مثل سایہ تک ہے۔اس کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ احناف کے نزدیک نماز ظہر کا آخری وقت اصل سایہ چھوڑ کر دو مثل سایہ ہونے تک باقی رہتا ہے اور پھر نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک حدیث امامت جبرئیل کے خلاف ہے اور ہم غیر مقلدوں کا مسلک ان کے موافق و مطابق ہے۔لہٰذا درست ہے۔

جواب اول: یہ ایک مسلمہ اور متفق علیہ ضابطہ ہے کہ ایک نماز کے وقت کے ختم ہونے کے بعد اگلی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے یعنی ایک وقت دو نمازوں کی ادائیگی کا وقت نہیں ہوسکتا۔اس کی تصریح حدیث صحیح میں یوں موجود ہے۔

عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله ﷺ قال وقت الظهر اذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم تحضر العصر ووقت العصر مالم تصفر الشمس. (مسلم شریف ج۱ص۲۲۳)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور آدمی کا اپنے قد کی لمبائی کی مقدار سایہ ہوتا ہو اور یہ وقت عصر کے وقت آنے تک رہتا ہے۔اور عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب تک وقت ظہر ختم نہیں ہوتا اس وقت تک نماز عصر کا وقت ہرگز نہیں ہوگا۔اب امامت جبرئیل والی حدیث میں نماز عصر پہلے دن کی اور نماز ظہر دوسرے دن کی ان دونوں کے وقت کو دیکھیں تو بالکل ایک ہی وقت ہے کہ پہلے دن اس میں عصر پڑھائی گئی اور دوسرے دن اسی وقت ظہر پڑھائی جارہی ہے۔اور ایسا ہونا مذکورہ ضابطہ کے خلاف ہے۔جس ضابطہ کی تصریح حدیث صحیح میں موجود ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث جبرئیل قابل عمل نہیں ہے۔

جواب دوم: ''موطا امام محمد'' کی مذکورہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جناب ابن رافع کو نماز ظہر ایسے وقت ادا کرنے کو کہا جبکہ سایہ ایک مثل ہو چکا ہو۔حدیث مذکورہ پر کسی غیر مقلد کو کوئی اعتراض نہیں۔تو پھر اس حدیث کے خلاف ایک مثل پر نماز عصر کا وقت شروع کرنے اور ظہر کا وقت ختم ہونے پر مولوی عطاء اللہ وغیرہ اہلحدیث کا زور دینا کس بناء پر ہے؟ خود عطاء اللہ غیر مقلد نے اس حدیث پر کوئی جرح نہیں کی لہٰذا معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کا مسلک عقل و نقل کے موافق نہیں۔

جواب سوم: امامتِ جبرئیل والی حدیث میں نمازوں کا وقت اول و آخر دونوں دنوں کی ادائیگی کے پیش نظر متفقہ ہونا ناممکن ہے کیونکہ دوسرے دن کی نماز عصر جبرئیل امین نے دو مثل ہونے پر پڑھائی۔اور یہ نماز عصر کا آخری وقت ہوا۔حالانکہ غیر مقلد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نماز عصر کا آخری وقت سورج غروب ہونے تک ہے۔دو مثل گزرنے کے بعد وقت عصر میں کراہت بھی نہیں بلکہ کراہت زردی آجانے پر ہے۔نماز عصر کے وقت یعنی غروب آفتاب تک پر سب کا اتفاق کیوں نہ ہو کیونکہ یہ وقت خود احادیث صحیحہ میں حضور ﷺ کا مقرر فرمودہ ہے۔حوالہ ملاحظہ ہو۔

عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر.

(صحیح مسلم ج۱ص۲۲۱ باب اوقات الصلوٰۃ الخمس مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی رکعت پالی۔اس نے تحقیق نماز پالی۔اور جس نے غروب آفتاب سے قبل نماز عصر کی ایک رکعت پڑھ لی۔اس نے بالتحقیق نماز عصر پالی۔

عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرك من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك ومن ادرك الفجر ركعة قبل ان تطلع الشمس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے قبل پالی اس نے نماز عصر پالی اور جس نے طلوع

فقدادرک. (صحیح مسلم ج ۱ص۲۲۱باب اوقات الصلوٰۃ) آفتاب سے قبل صبح ایک رکعت پالی اس نے نماز صبح پالی۔

مسلم شریف کی مذکورہ احادیث مقدسہ بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس موضوع پر مختلف اسناد کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ بہر حال ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دو مثل سایہ ہونے پر نماز عصر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اب جبکہ حدیث امامت جبرئیل میں نماز عصر کا وہ وقت جو دوسرے دن نماز پڑھنے کے لیے مقرر کیا گیا اور اس سے آگے کا وقت مذکور نہیں۔ تمام مذاہب کے پیروں نے یہ فتویٰ نہیں دیا۔ کہ نماز عصر کا وقت اسی مقدار پر ختم ہوگیا، لہٰذا اسی طرح دوسری صریح احادیث کے پیش نظر ایک مثل سایہ ہوجانے پر نماز ظہر کا وقت ختم ہونے پر کیسے فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ مندرجہ ذیل حدیث پیش خدمت ہے۔

عن عبد الله بن عمرو ان النبی ﷺ قال وقت صلوة الظهر اذا زالت الشمس و كان ظل الرجل كطوله مالم يحضر وقت العصر ووقت العصر مالم تصفر الشمس.

(نصب الرایہ ج ۱ص۲۳۲ کتاب الصلوٰۃ)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے جبکہ آدمی کا سایہ لمبا اس کے اپنے قدم کے برابر لمبا ہوتا جائے۔ اور یہ وقت عصر کے وقت آنے تک باقی رہتا ہے۔ اور عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نماز ظہر کا وقت بالاتفاق سورج ڈھلنے کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے لیکن ایک مثل سایہ ہونے پر اس کی ادائیگی مستحب ہے اور یہ وقت، نماز عصر کا وقت شروع ہونے تک باقی رہتا ہے۔ گویا ایک مثل سایہ ہوجانے پر ابھی نماز ظہر کا وقت ہی موجود ہے۔ اسی وقت نماز عصر کی ادائیگی قبل از وقت ہوگی۔ اور اسی طرح دو مثل سایہ ہونے پر نماز عصر کا وقت ختم نہیں ہوجاتا بلکہ کامل وقت سورج کے زرد ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اور سورج کا زرد پڑنا دو مثل سایہ ہونے کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ امامت جبرئیل کی حدیث سے ایک مثل سایہ ہونے پر نماز ظہر کا آخری وقت اور نماز عصر کا ابتدائی وقت ثابت کرنے سے بہت سی مرفوع اور مستند احادیث کا انکار یا ان کی مخالفت لازم آئے گی۔

جواب چہارم: سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی نماز ظہر کا وقت شروع ہوجانا متفق علیہ اور یقینی امر ہے اور ایک مثل سایہ ہونے پر ظہر کے وقت کا اختتام ظنی اور غیر یقینی ہے اور یہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ ظن وشک سے یقین زائل نہیں ہوسکتا بلکہ یقین، یقین سے ہی اٹھ سکتا ہے۔ لہٰذا ایک مثل سایہ ہونے پر بھی ظہر کا وقت ہونا جب پہلے سے یقینی چلا آرہا ہے تو اب کسی ظنی دلیل سے اس کا اختتام نہیں ہوسکتا۔

جواب پنجم: نماز ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کی احادیث بکثرت اور طرق کثیرہ سے مروی ہیں۔ دو عدد روایات ملاحظہ ہوں۔

عن ابی ذر اذن مؤذن رسول الله ﷺ بالظهر فقال النبی ﷺ ابرد ابرد اوقال انتظر انتظر وقال ان شدة الحرمن فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوة قال ابو ذرحتى راينا فى التلول.

(مسلم شریف ج ۱ص۲۲۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے مؤذن نے اذان ظہر دی۔ تو آپ نے فرمایا: ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر یا فرمایا: انتظار کر، انتظار کر اور فرمایا: گرمی کی شدت دوزخ کے بخارات میں سے ہے لہٰذا جب گرمی میں شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرکے پڑھا کرو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ نماز ظہر کے لیے ٹھنڈا کرنے میں اتنی تاخیر ہوتی تھی کہ ہم ٹیلوں کا سایہ دیکھا کرتے تھے۔

عن ابی ذر ان رسول الله ﷺ كان فى سفر ومعه بلال فاراد ان يقيم فقال ابرد ثم اراد ان يقيم فقال رسول الله ﷺ ابرد فى الظهر قال

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے اور آپ کے ساتھ بلال بھی تھے۔ (اذان کے بعد) بلال نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے

حتی راینا فی التلول ثم اقام فصلی فقال رسول الله ﷺ ان شدۃ الحر من فیح جھنم فابردوا عن الصلوۃ. (سنن الترمذی ج ا ص ۲۳)

فرمایا ظہر ٹھنڈا کرو، پھر اقامت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کر نماز ظہر کو بلال کہتے ہیں کہ ہم نے جب ٹیلوں کا سایہ دیکھا تو پھر اقامت ہوئی اور حضور نے نماز پڑھائی۔ پھر فرمایا بے شک گرمی کی شدت جہنم کے بخارات میں سے ہے لہٰذا نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔

گرمی کے موسم میں حضور ﷺ نے بذات خود نماز ظہر کو ٹیلوں کے سایہ ہونے تک مؤخر کیا اور اس کی حکمت بھی بیان فرمائی۔ اور امت کو بھی یہی تعلیم دی۔ ٹیلوں کا سایہ بہت تاخیر سے نظر آتا ہے۔ اسی لیے امام نووی نے مسلم شریف کے ان الفاظ کی تشریح وتفسیر یوں کی ہے۔

قولہ حتی راینا فئی التلول انہ اخر تاخیرا کثیرا حتی صار لتلول فیء والتلول منبطحۃ غیر منتصبۃ ولا یصیر لھا فئی فی العادۃ الا بعد زوال الشمس بکثیر. (مسلم شریف ج ا ص ۲۲۴)

راینا فئی التلول کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے نماز ظہر کو بہت زیادہ مؤخر کر کے ادا فرمایا۔ اتنا مؤخر کہ ٹیلوں کے سائے نمودار ہو چکے تھے اور ٹیلے ریت وغیرہ کے ڈھیر ہوتے ہیں۔ جو زمین پر پھیلے ہوتے ہیں ان کی بلندی نہیں ہوتی اور عادتاً ان کا سایہ زوال شمس کے بہت دیر بعد ظاہر ہوتا ہے۔

قارئین کرام! حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ نماز ظہر کو گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھو اور اس پر عمل کرنے کا معاملہ خود صحابہ کرام نے ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ ٹیلوں کا سایہ نظر آ جاتا تھا۔ اور ٹیلوں کا سایہ نظر آنا زوال شمس کے بہت بعد بلکہ ایک مثل سایہ (ان اشیاء کا جو طول وقامت والی ہوں) کے گزر جانے کے بعد محقق ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ گرمیوں میں ظہر ایک مثل سایہ بڑھنے پر یا اس کے بعد ادا کرتے تھے اور ایسا ہی کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ پھر جب سرزمین حجاز میں گرمیوں کے موسم میں سایہ کا معاملہ دیکھا جائے تو ایک مثل سایہ ہونے تک گرمی کی شدت نہیں ٹوٹتی۔ اسی بات کو "صاحب عنایہ" نے یوں بیان کیا ہے۔

ما روی ابو سعید ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم ای ادخلوا الصلوۃ فی البرد یعنی صلوھا اذا سکنت شدۃ الحر وقولہ من فیح جھنم ای شدۃ حرھا واشد الحر فی دیارھم کان فی ھذا الوقت یعنی اذا صار ظل کل شیء مثلہ.

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے جو "ابردوا بالظھر الخ" روایت بیان فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ظہر کو گرمی کی شدت کم ہو جانے پر ادا کرو۔ "فیح جھنم" سے مراد دوزخ کی گرمی کی شدت ہے۔ ان شہروں میں گرمی کی شدت اس وقت ہوتی ہے جب کسی چیز کا سایہ اس کی مثل ہوتا ہے۔

(عنایہ فی شرح ھدایہ، ج ا ص ۱۵۳ کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مصر)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک مثل سایہ ہونے پر موسم گرما میں گرمی کی شدت بدستور موجود ہوتی ہے اور ایسے میں حضور ﷺ نے نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا اور پڑھنے کا حکم دیا۔ جس سے پتہ چلا کہ ایک مثل سایہ ہو جانے کے بعد بھی نماز ظہر کا وقت باقی رہتا ہے کیونکہ گرمیوں یا سردیوں میں اوقات نماز تبدیل نہیں ہوتے۔ اس صریح اور صحیح حدیث کی تائید، اہل لغت، فقہہ اور اہل حدیث حضرات نے کی جس سے ثابت ہوا کہ ایک مثل سایہ کے بعد نماز عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا۔

جواب ششم: امامت جبریل والی حدیث اور ظہر کی گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے حکم والی حدیث دونوں صحیح اور مرفوع احادیث ہیں اور نماز ظہر کے آخری وقت اور نماز عصر کے ابتدائی وقت میں ان دونوں کے درمیان تعارض ہے۔ تعارض کو ختم کرنے کا

ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیا جائے۔ اگر اس طریقہ پر دونوں احادیث کو ہم دیکھتے ہیں تو یہ بات واضح ہے کہ امامت جبرئیل کا واقعہ مکی زندگی کا واقعہ ہے۔ جب نماز کی فرضیت اتری تھی اور ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اور پڑھنے کا حکم دینا بہت بعد یعنی مدینہ منورہ کا واقعہ ہے لہٰذا دونوں احادیث میں تقدیم وتاخیر زمانی کا پایا جانا متفق علیہ ہے۔ اس لیے امامت جبرئیل والی حدیث کے لیے ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے حکم والی حدیث کو ناسخ مانا جائے گا۔ اسی وجہ کو محقق علی الاطلاق ابن الہمام نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

قولہ واذا تعارضت الاثار یعنی حدیث الامامۃ وھذا الحدیث وھذا مخالف لحدیث جبرئیل ناسخ لما خالفہ فیہ لتحقیق تقدم امامۃ جبرئیل.

(فتح القدیر علی الھدایہ ج ا ص ۱۵۳ کتاب الصلوٰۃ)

جب آثار متعارض ہو جائیں یعنی حدیث امامت جبرئیل اور یہ حدیث (ابردوا بالظھر والی موخر الذکر حدیث) حدیث جبرئیل کے مخالف ہے، اور جس قدر اختلاف ہے اس کے لیے ناسخ ہے کیونکہ امامت جبرئیل کا واقعہ بہت پہلے کا واقعہ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگرچہ دونوں احادیث مرتبہ ومقام کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں لیکن تعارض کو ختم کرنے کا ایک ضابطہ یہ ہے کہ جو پہلے کا واقعہ ہو اسے پچھلا واقعہ منسوخ کر دیتا ہے لہٰذا امامت جبرئیل والی حدیث منسوخ اور ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے حکم والی حدیث اس کی اسی قدر میں ناسخ ہے جس میں تعارض ہے۔ اب امامت جبرئیل والی حدیث سے استدلال درست نہ رہا کیونکہ وہ منسوخ ہے۔

جواب ہفتم: دو مثل سایہ بڑھنے پر نماز عصر پڑھنا حضور ﷺ کی عادت کریمہ تھی۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ نے ایک حدیث پاک میں حضور ﷺ کی عادت کریمہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ نماز عصر آپ ایسے وقت ادا فرمایا کرتے تھے جب سورج میں تیز کرنیں ختم ہو کر وہ صاف ہو جاتا۔ یعنی سورج کے زرد پڑنے سے قبل ادا کر لیا کرتے تھے اور یہی وقت نماز عصر کی ادائیگی کے لیے احناف کے نزدیک مستحب ہے۔

وقال القرطبی خالف الناس کلھم ابا حنیفۃ فیما قالہ حتی اصحابہ (قلت) اذا کان استدلال ابی حنیفۃ بالحدیث فما یضرہ مخالفۃ الناس لہ ویؤیدہ ماقالہ ابوحنیفۃ حدیث علی بن شیبان قال (قدمنا علی رسول اللہ ﷺ المدینۃ فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء نقیۃ) رواہ ابو داود وابن ماجہ وھذا یدل علی انہ کان یصلی العصر عند صیرورۃ ظل کل شیء مثلیہ وھو حجۃ علی خصمہ.

(عمدۃ القاری الجزء الخامس ص ۲۳ بیان وقت العصر)

قرطبی نے کہا کہ ابوحنیفہ کے قول میں تمام لوگوں نے حتیٰ کہ ان کے اصحاب نے بھی ان کی مخالفت کی۔ میں کہتا ہوں کہ جب حضرت امام ابوحنیفہ کا استدلال حدیث پاک کے ساتھ ہو تو پھر لوگوں کی مخالفت کرنے سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو علی بن شیبان سے مروی ہے کہتے ہیں ہم حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ نماز عصر کو اس وقت تک مؤخر فرمایا کرتے تھے جب سورج سفید اور ستھرا ہو جاتا تھا۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نماز عصر اس وقت ادا فرماتے تھے جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جاتا تھا اور یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے مخالفین پر حجت ہے۔

مذکورہ روایت سے دو اعتراضات کا جواب شافی مل جاتا ہے۔

غیر مقلدوں کے اعتراضات

(۱) امام اعظم کا نماز عصر کے ابتدائی وقت کے متعلق مسلک اتنا مجروح ہے کہ ان کے شاگردوں نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔
(۲) امام اعظم نے بالآخر امام محمد اور ابو یوسف کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اپنا سابقہ نظریہ چھوڑ دیا تھا۔

یہی دو اعتراضات غیر مقلدوں نے بڑھا چڑھا کر بیان کیے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک جب حدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کے مجروح ہونے کا کیا معنی؟ آخر امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان اہل حدیثوں کو نظر نہ آیا۔ ''اذا صح الحدیث فھو مذھبی جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے''۔ صحیح حدیث کے مطابق مذہب ہوتے ہوئے اس بات کی پرواہ تک نہ کی' کہ کون اسے تسلیم کرتا ہے اور کون نہیں؟ اس سے غیر مقلدوں کا یہ کہنا بھی باطل ہو گیا کہ آپ نے صاحبین کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ آخر حدیث صحیح کو چھوڑ کر کسی کے اجتہاد و رائے کی طرف رجوع کر لیا تھا کیسے گوارا ہے؟ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک نفیس ضابطہ بیان کیا۔ وہ یہ کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ کر صاحبین کے قول پر عمل کرنا دو وجہ سے جائز بنتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ کا استدلال کسی حدیث سے نہ کیا گیا ہو۔ اور دوسرا یہ کہ آپ کی طرف سے اپنے قول سے رجوع صراحۃً ثابت ہو۔ ان دونوں کے عدم موجودگی میں آپ کے کسی قول سے آپ کا رجوع ثابت کرنا نری جہالت ہے۔

مذکورہ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ نماز عصر سورج کے صاف ہونے پر ادا فرمایا کرتے تھے یعنی تاخیر سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس سے حدیث جبرئیل کا منسوخ ہونا بھی معلوم ہو گیا کیونکہ اس میں نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ تک مذکور ہے لہٰذا اسی خاص قدر میں یہ حدیث، حدیث جبرئیل کی ناسخ ہو گی اور منسوخ حصہ سے استدلال ہرگز ہرگز درست نہیں ہوتا۔

نوٹ: فقہ حنفی کے مطابق نماز عصر کے وقت کی تقسیم یوں ہے۔ نماز عصر کے از ابتدا تا انتہاء مکمل وقت کو تین حصوں میں تقسیم کریں۔ دوسرے حصہ میں ادا کرنا مستحب ہے۔ فرض کریں کہ کل وقت ڈیڑھ گھنٹہ ہے اس کے تین حصے آدھ آدھ گھنٹہ کے ہوئے گویا دو مثل سایہ بڑھنے کے آدھ گھنٹہ بعد نماز عصر پڑھنا افضل ہے اور جب سورج زرد ہونے لگے اس وقت سے غروب آفتاب تک ادائیگی مکروہ ہے اور یہ تقریباً بیس منٹ کا وقت ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں جہاں حضور ﷺ کا سورج صاف ہونے تک نماز عصر کو مؤخر کرنا مذکور ہے۔ اس سے بھی یہی استحبابی ادائیگی اخذ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور حدیث میں اس کی صراحت ان الفاظ سے بھی آئی ہے۔

عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ ﷺ کان یأمر بتا خیر ھذہ الصلوۃ یعنی العصر۔
(دارقطنی ج ۱ص ۲۵۱ باب ذکر بیان المواقیت)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کو تاخیر سے ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اسی دارقطنی کے صفحہ ۲۵۶ پر یوں تحریر ہے۔ **کان عبد اللہ یؤخر العصر** یعنی حضرت عبد اللہ بن رافع نماز عصر ٹھہر کر ادا فرمایا کرتے تھے۔

جواب ہشتم: عبد اللہ بن رافع نماز عصر کی اذان دینے والے کو ملامت کیا کرتے تھے۔

حدثنا عبد الواحد بن نافع قال دخلت مسجد المدینۃ فاذن موذن بالعصر قال وشیخ جالس فلامہ وقال ان ابی اخبرنی ان رسول اللہ ﷺ کان یامر بتا خیر ھذہ الصلوۃ قال فسالت عنہ فقالوا ھذا عبد اللہ بن رافع بن خدیج۔

عبد الواحد بن نافع نے ہمیں حدیث سنائی کہ میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی مسجد میں گیا تو ایک مؤذن نے عصر کے لیے اذان دی کہتے ہیں کہ ایک بزرگ وہاں بیٹھے تھے تو انہوں نے مؤذن کو ملامت کیا۔ اور کہا: کہ مجھے میرے باپ نے یہ خبر دی ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز عصر کے لیے تاخیر کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(دار قطنی ج اص ۲۵۱)

عبدالواحد بن نافع کہتے ہیں کہ میں نے وہاں موجود لوگوں سے اس بزرگ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ عبداللہ بن رافع بن خدیج ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ نے خود بھی اور صحابہ کرام کو بھی یہی بار بار حکم ارشاد فرمایا کہ نماز عصر تاخیر سے پڑھا کرو۔ تو یہ تاخیر وقت مکروہ شروع ہونے سے پہلے تھی اس لیے جو یہ کہتا ہے کہ دو مثل سایہ ہو جانے کے بعد نماز عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس کا یہ کہنا بلا دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی احادیث رسول کے خلاف ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث جبرئیل اس قدر میں منسوخ ہے۔

جواب نہم: ''موطا امام محمد'' کی آخری حدیث کے تحت خود امام محمد اور ابو یوسف وغیرہ کا مسلک امام محمد نے یوں ذکر فرمایا کہ ''تاخیر العصر افضل عندنا من تعجیلھا نماز عصر ٹھہر کر پڑھنا ہمارے نزدیک جلدی پڑھنے سے افضل ہے''۔ یعنی سورج زرد پڑنے سے کچھ پہلے نماز عصر ادا کرنا بہتر ہے اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ اکثر آثار اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور پھر عقلی دلیل یہ ارشاد فرمائی کہ لفظ ''عصر'' کا معنی ہی تاخیر کرنا ہے۔ دلیل نقلی و عقلی سے امام محمد نے یہ ثابت کیا کہ نماز عصر کو دو مثل سایہ ہونے کے بعد اور وقت مکروہ شروع ہونے سے پہلے ادا کرنا افضل ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ دو مثل سایہ ہونے پر نماز عصر کا وقت ختم نہ ہونا خود امام محمد وغیرہ کا مسلک بھی ہے اور اس سے بھی حدیث جبرئیل کا نسخ ثابت ہو گیا۔

جواب دہم: نماز عصر کا وقت سایہ اصلی کو چھوڑ کر دو مثل سایہ ہونے پر شروع ہونا حدیث مسند و مرفوع سے ثابت ہے۔

عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ قال انما اجلكم في اجل من خلامن الامم مابين صلوة العصر الى مغرب الشمس وانما مثلكم ومثل اليهود والنصارى لرجل استعمل عمالا فقال من يعمل لي نصف النهار على قيراط قيراط فعملت اليهود الى نصف النهار على قيراط قيراط قال من يعمل لي من نصف النهار الى صلاة العصر على قيراط على قيراط فعملت النصارى من نصف النهار الى صلوة العصر على قيراط على قيراط ثم قال من يعمل لي من صلوة العصر الى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين الا فانتم الذين يعملون من صلوة العصر الى مغرب الشمس الالكم اجر مرتين فغضبت اليهود والنصارى فقالوا نحن اكثر عملا واقل عطاء قال الله تعالى فهل ظلمتكم من حقكم شيئا قالوا لا قال الله تعالى فانه فضل اعطيه من شئت.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا بے شک تمہارا وقت گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ نماز عصر سے غروب شمس تک تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی کہاوت ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے کئی کارندے معاوضہ کے طور پر لیے اور کہا جو دوپہر تک میرا کام کرے گا اسے ایک ایک قیراط معاوضہ ملے گا تو یہ سن کر یہودیوں نے ایک قیراط بدلے دوپہر تک کام کیا پھر اس نے کہا: جو دوپہر سے نماز عصر تک کام کرے گا اسے بھی ایک ایک قیراط معاوضہ ملے گا تو یہ سن کر نصاریٰ نے نماز عصر تک کام کیا اور ایک ایک قیراط پایا پھر اس نے کہا: جو میرا کام نماز عصر سے غروب آفتاب تک کرے گا اسے دو قیراط ملیں گے سنتے ہو تم (اے میری امت!) وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے مغرب تک کام کرنے والے ہو۔ سنتے ہو تمہارے لیے دوگنا (دو قیراط) معاوضہ ہے۔ اس پر یہود و نصاریٰ کو غصہ آیا اور کہنے لگے: ہم کام کریں زیادہ اور معاوضہ پائیں تھوڑا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ ظلماً روک رکھا ہے؟ کہنے لگے نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ فضل و کرم ہے میں جسے چاہتا ہوں

عطا کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ شریف ص ۵۸۳ ثواب ہذہ الامۃ)

مذکورہ حدیث سے نماز عصر کا وقت نماز ظہر سے کم ہونا واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے یہ اعتراض کیا کہ عصر سے مغرب تک کام کرنے کا وقت بہ نسبت ظہر تا عصر کم ہے۔ اب نماز عصر کا مکمل وقت دونوں طریقوں سے سامنے رکھیں۔ ایک یہ کہ سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر ایک مثل سایہ ہونے تک نماز ظہر کا وقت لیا جائے۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سے پونے دو گھنٹے تک بنتا ہے اور ایک مثل سے سورج غروب ہونے تک تقریباً پونے چار گھنٹے وقت بچتا ہے۔ اگر نماز عصر کا وقت ایک مثل سایہ ہونے پر شروع ہوتا اور غروب آفتاب تک رہتا تو یہود و نصاریٰ کو مذکورہ اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہاں اگر نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے دو مثل سایہ ہونے تک لیا جائے اور نماز عصر کا دو مثل سایہ ہونے کے بعد سے غروب آفتاب تک لیا جائے تو پھر عصر کا وقت کم ہو جاتا ہے لہٰذا اس صحیح، مسند اور مرفوع حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نماز عصر کے وقت کے بارے میں مسلک احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ.

وضاحت حدیث نمبر ۲

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی ادائیگی کو بیان فرماتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ نماز عصر ادا فرما لیتے تھے اور ابھی تک میرے حجرہ میں دھوپ موجود ہوتی اور سایہ دیواروں پر چڑھا نہیں ہوتا تھا۔ اس سے غیر مقلدین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نماز عصر کا وقت ایک مثل سایہ ہونے کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ مولوی عطاء اللہ نے بھی اس کی تشریح میں یہ لکھا ''اس حدیث سے صاف طور پر آنحضرت ﷺ کا نماز عصر جلد پڑھنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ حجرے میں دھوپ اس وقت رہتی ہے، جب سورج بلند رہے ورنہ جب آفتاب جھکے تو دھوپ دیواروں پر چڑھ جائے گی''۔

لیکن مولوی عطاء اللہ پر تو ایک مثل سایہ کا جنون سوار ہے، وہ کیا جانے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ کیسا تھا؟ اس نے شائد اپنے مدارس و مساجد پر قیاس کر لیا ہو گا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے حجرہ مقدسہ کی دیواریں بہت اونچی نہ تھیں۔ بلکہ عام آدمی کے قد سے کچھ بڑی تھیں۔ جب کسی مکان کی دیواریں چھوٹی ہوں تو سورج کی روشنی ان میں دو مثل سایہ بلکہ اس کے بعد تک رہتی ہے۔ یہی بات مولوی عبدالحی لکھنوی نے اس حدیث کے تحت امام طحاوی کی عبارت نقل کر کے کہی جس کا ترجمہ یہ ہے ''اس میں نماز عصر کے جلدی ادا کرنے پر کوئی دلالت نہیں، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ آپ کا حجرہ شریفہ چھوٹی دیواروں پر مشتمل ہو اور سورج کی شعاعیں اس سے غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے ختم ہوتی ہوں لہٰذا اگر یہ بات ہو گی تو مذکورہ حدیث نماز عصر کو تاخیر کے ساتھ پڑھنے پر دلالت کرے گی، لہٰذا احتمال کے پیش نظر غیر مقلدین کا استدلال برمحل نہ رہا اور محض چیخ و پکار ہی ہو گی' اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔

وضاحت حدیث نمبر ۳

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ''نماز عصر ادا کرنے کے بعد اگر کوئی قباء جانے والا ہوتا تو وہاں سورج بلند ہوتے ہوئے پہنچ جاتا، اس سے بھی غیر مقلد یہی مطلب نکالتے ہیں۔ ایک مثل سایہ کے بعد نماز عصر ادا کی جائے۔ قباء مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ گویا تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک مثل سایہ کے بعد نماز عصر ادا کی جائے اور پھر سورج بلند ہوتے ہوئے تین میل طے ہو جائیں۔ یہ عجیب استدلال ہے۔

قارئین کرام! مدینہ منورہ سے قباء شریف تک کا فاصلہ طے کرنے کے لیے پون یا ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے جبکہ عام آدمی پیدل یہ

سفر طے کرے۔ ایک گھنٹہ سفر طے کرنے میں لگا اور پون گھنٹہ سورج غروب ہونے میں باقی بچا مجموعی طور پر نماز عصر سے غروب آفتاب کا وقت پونے دو گھنٹے بنا۔ پونے دو گھنٹے غروب آفتاب سے قبل سایہ کو دیکھیں۔ کیا وہ ایک مثل ہوگا؟ حالانکہ ایک مثل سایہ کے بعد غروب آفتاب تک کا وقت تقریباً پونے چار گھنٹے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام بھی نماز عصر ۲ مثل سایہ ہو جانے کے بعد ادا کرتے تھے اس لیے غیر مقلدین کا استدلال محض ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ سفر طے کرنے والا کس طرح طے کرتا تھا؟ آیا پیدل چل کر یا کسی گھوڑے اونٹ پر سوار ہو کر اگر پیدل چلنے کا معاملہ ہو تو اس کے بارے میں تحقیق لکھی جا چکی ہے اور اگر سوار ہو کر تھا تو پھر وقت نصف رہ جائے گا۔ یعنی غروب آفتاب سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل۔ اس دوسرے احتمال کی طرف موطا امام مالک میں ارشاد ملتا ہے، الفاظ یہ ہیں۔ "قد رما یسیرا لراکب فرسخین او ثلثه اندازہ دو فرسخ یا تین فرسخ ایک سوار کے چلنے کے اعتبار سے"۔ قارئین کرام! ہماری ان گزارشات سے آپ کو بخوبی علم ہو گیا ہوگا کہ غیر مقلدین کا اس حدیث پاک سے ایک مثل سایہ ہونے پر نماز عصر کا وقت شروع ہونے پر استدلال کس قدر کمزور بلکہ سینہ زوری ہے۔

وضاحت حدیث نمبر ٤

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے اگر کوئی نماز عصر پڑھ کر بنی عوف کے محلہ میں جاتا تو وہاں کے لوگ نماز عصر ابھی ادا کر رہے ہوتے، اس سے بھی غیر مقلدین نے اپنا اختراعی مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی اور مزے کی بات یہ ہے کہ خود مولوی عطاء اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ محلہ بنی عوف تقریباً (۲) میل کے فاصلہ پر واقع ہے تو جب قباء تک کا فاصلہ جو تین میل ہے اس سے ایک مثل سایہ ہونے پر نماز عصر پڑھنا درست نہ ہوا تو دو میل کی مسافت کے لیے یہ استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ بہرحال مذکورہ حدیث سے غیر مقلدین کا استدلال و استنباط نہایت کمزور بلکہ سرے سے ہی غلط ہے اور مسلک امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض

بعض غیر مقلدوں کا کہنا ہے کہ خود امام ابو حنیفہ کا یہ مسلک بھی ہے کہ نماز ظہر کا وقت ایک مثل سایہ ہونے پر ختم ہو جاتا ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اس کی تائید میں درمختار کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی جاتی ہے۔

(ووقت الظهر من زواله) ای میل ذکاء عن کبد السماء (الی بلوغ الظل مثلیه) وعنه مثله وهو قولهما وزفر والائمة الثلاثة قال الامام الطحاوی وبه ناخذ وفی غرر الاذکار وهو ماخوذ به وفی البرهان وهو الاظهر لبیان جبرئیل وهو نص فی الباب وفی الفیض وعلیه عمل الناس الیوم وبه یفتی. (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۳۵۹ کتاب الصلوٰۃ مطلب فی تعبدہ علیہ السلام)

اور ظہر کا وقت سورج کی ٹکیہ کا وسط آسمان سے جانب مغرب میلان کرنے سے کسی چیز کے دو مثل سایہ ہونے تک ہے، اور امام اعظم سے ایک مثل تک بھی آیا ہے اور یہی صاحبین، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ امام طحاوی نے کہا: ہم اسے ہی لیتے ہیں۔ غرر الاذکار میں ہے کہ یہی مسلک قابل اخذ ہے برہان میں ہے کہ یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس وقت کا بیان حضرت جبرئیل سے موجود ہے اور وہ اس بارے میں نص ہے۔ فیض میں ہے کہ اسی مسلک پر لوگوں کا عمل ان دنوں ہے اور اسی پر فتویٰ بھی دیا گیا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک مثل سایہ ہونے پر نماز ظہر کا وقت ہونا اصل ہے اور اسی پر فتویٰ اور لوگوں کا عمل ہے۔ اور حدیث جبرئیل اسی پر نص ہے لہٰذا دو مثل سایہ پر نماز ظہر کا وقت ختم ہونا قول مرجوح ہے۔ جس پر عمل جائز نہیں۔

جواب: ایک مثل سایہ ہو جانے پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ یہ امام اعظم کا مسلک و مذہب ہے؟ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کوئی

غیر مقلد ہم احناف کی کسی کتاب سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذکورہ مسلک ثابت نہیں کر سکتا۔ درمختار کی مذکورہ عبارت میں آپ کا قول مرجوح ذکر کیا گیا ہے۔ قول راجح ہے کہ ظہر دو مثل سایہ ہونے تک ادا کرنی جائز ہے۔ صاحب درمختار کی مذکورہ عبارت میں آپ کا قول مرجوح کو اظہر قرار دینا اور اس کی دلیل حدیث جبرئیل پیش کرنا۔ ہم اس دلیل پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ جب مذکورہ حدیث جبرئیل منسوخ ہونے کی بنا پر قابل استدلال نہیں تو جو دعویٰ اس کے سہارے کیا جائے گا اس میں دو اظہر ہونا کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ رہا یہ کہ ''فیض'' کے حوالہ سے صاحب درمختار نے عوام کا اسی پر عمل ہونا لکھا ہے تو یہ بات مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ دنیائے اسلام میں جہاں کہیں حنفی رہتے ہیں۔ کہیں بھی ایک مثل سایہ ہونے پر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ رہا یہ کہ یہی قول مفتیٰ بہ ہے تو یہ بھی غیر صحیح ہے۔ اس کی کتب فقہ سے تائید لیجئے۔

و اما اخره ففيه روايتان عن ابى حنيفة الاولى رواها محمد عنه مافى الكتاب والثانية رواية الحسن اذا صارظل كل شىء مثله سوى الفىء وهو قولهما والاولى قول ابى حنيفة قال فى البدائع انها مذكورة فى الاصل و هو الصحيح فى النهاية انها ظاهر الرواية عن ابى حنيفة وفى غاية البيان وبها اخذ ابو حنيفه وهو المشهور عنه وفى المحيط والصحيح قول ابى حنيفة وفى الينابيع وهو الصحيح عن ابى حنيفة وفى تصحيح القدورى للعلامة قاسم ان برهان الشريعة المحبوبى اختاره وعول عليه النسفى ووافقه صدر الشريعة ورجع دليله وفى غياثيه وهو المختار وفى شرح المجمع للمصنف انه مذهب ابى حنيفة واختاره اصحاب المتون وارتضاه الشارحون فثبت انه مذهب ابى حنيفة فقول الطحاوى اصحاب المتون وارتضاه الشارحون فثبت انه مذهب ابى حنيفة فقول الطحاوى وبقولهما ناخذ لايدل على انه المذهب مع ما ذكرناه وما ذكره الكركى فى الفيض من انه يفتى بقولهما فى العصر والعشاء مسلم فى العشاء فقط على مافيه ايضا كما سنذ كره لهما امامة جبرئيل فى اليوم الاول وفى هذا الوقت وله قوله عليه الصلوة والسلام بردوا بالظهر فان شدة الحرمن فيح جهنم واشد الحرفى ديارهم كان فى هذاالوقت

(ظہر کے اول وقت میں سب متفق ہیں) لیکن آخری وقت میں امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں۔ پہلی جسے امام محمد نے اپنی کتاب میں ذکر کیا اور دوسری وہ جسے امام حسن نے آپ سے روایت کیا کہ جب کسی چیز کا اصلی سایہ چھوڑ کر ایک مثل سایہ ہو جائے تو نماز ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اور یہی صاحبین کا قول ہے اور پہلا امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ بدائع میں ہے یہی اصل میں مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔ نہایہ میں اسے ہی امام ابوحنیفہ سے ظاہر روایت کہا گیا ہے۔ غایۃ البیان میں ہے کہ اسی پر ابوحنیفہ کا عمل تھا اور یہی ان سے مشہور ہے۔ محیط میں ہے کہ قول ابی حنیفہ ہی صحیح ہے۔ ینابیع میں بھی اسی کی مثل آیا، اور تصحیح القدوری میں علامہ قاسم نے کہا کہ برہان الشریعۃ محبوبی نے اسے ہی پسند فرمایا اور علامہ نسفی نے اسی کی طرف رجوع فرمایا اور صدرالشریعۃ نے اسی کی موافقت کی اور غیاثیہ میں اسی مسلک کی دلیل کو ترجیح دی گئی اور یہی مذہب مختار ہے۔ مصنف کی شرح مجمع میں ہے کہ یہی امام اعظم کا مسلک ہے اسی کو اصحاب متون نے اختیار کیا اور اسی پر شارحین نے رضا مندی کا اظہار کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہی امام اعظم کا مسلک ہے۔ پس امام طحاوی کا یہ کہنا کہ صاحبین کے قول کو ہم لیتے ہیں اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہی امام اعظم کا مذہب تھا۔ جو علامہ کرکی نے فیض میں اسے مفتی بہ کہا، اور نماز عصر وعشاء دونوں کے معاملہ میں مفتی بہ ہونے کا قول کیا تو یہ صرف عشاء میں مسلم ہے۔ صاحبین کی دلیل امامت جبرئیل پہلے اور دوسرے دن کی ہے اور امام اعظم کی دلیل حضور ﷺ کا ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا الخ قول ہے اور ان علاقوں میں گرمی کی شدت ایک مثل سایہ پر ہوتی ہے۔ لہٰذا

واذا تعارضت الاٰثار لاینتفی الوقت بالشک. جب آثار باہم متعارض ہوگئے تو شک کے ساتھ وقت کا ختم ہونا درست نہ ہوگا۔
(بحرالرائق ج ا ص ۲۴۵ کتاب الصلوٰۃ وقت ظہر)

صاحب بحرالرائق نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک صحیح پر بہت سے مشاہیر فقہاء احناف اوران کی تصانیف سے حوالہ جات پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ نماز ظہر کا وقت ایک مثل سایہ ہونے پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ سایہ اصلی کے سوادو مثل سایہ ہونے پر ختم ہوتا ہے اسی مسلک صحیحہ اور ظاہر الروایہ کو مزید تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے وقت عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے۔ اگرچہ بعض کتب فتاوی وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی اور فیض کرکی اور در مختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قول امام ہی احوط واضح اور از روئے دلیل راجح ہے عموماً متون مذہب قول امام پر جزم کہتے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اسے مرضی اور مختار رکھا۔ اور اکابر ائمہ ترجیح وانتقاء بلکہ جمہور پیشوایان مذہب نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام سرخسی نے محیط میں فرمایا۔ **ھو الصحیح** یعنی یہ ہی صحیح ہے۔ امام اجل قاضی خان نے اسی کو تقدیم دی ہے اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں۔ جو **اظھر من حیث الداریۃ** اور **اشھر من حیث الروایۃ ھو کمانص علیہ فی خطبۃ الخانیۃ** اور وہی قول معتمد ہوتا ہے **کما فی الخطاوی والشامی** یونہی امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔

امام اجل برہان الدین صاحب ہدایہ نے اور امام جلیل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اس کی دلیل مرجح رکھی۔ امام جلیل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ امام صدر الشریعہ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین یعنی مصنفین، برہان فیض اور درمختاران اکابرین میں سے ایک کی بھی جلالت شان کو نہیں پہنچتے جو صاحب فتاوی غیاثیہ اور جواہر اخلاطی نے فرمایا وہی مختار ہے۔ علامہ قاسم نے قدوری کی تصحیح میں اس کی تحقیق کی۔ امام سمعانی نے خزانۃ المفتیین میں اسی پر اقتصار فرمایا۔ قول خلاف کا نام بھی نہ لیا۔ امام محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی۔ ملتقی الابحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو ارجح ہو جیسا کہ خطبہ میں ذکر کیا گیا اور وہی مختار للفتوٰی ہوتا ہے۔ **کما فی شرحہ مجمع الانھر مراقی الفلاح** میں ہے ''**وھو الصحیح وعلیہ جمل المشائخ والمتون** یہ ہی صحیح ہے اسی پر جمہور مشائخ اور متون مذہب ہیں'' ''طحطاوی علی المراقی'' میں ہے کہ جمہور ائمہ مذہب نے اسی کی تصحیح فرمائی ہے۔ نقایہ میں روایت خلاف کی تضعیف فرمائی اور شرح المجمع للمصنف میں ہے۔ ''**انہ المذھب واختارہ اصحاب المتون وارتضاہ الشارحون** مذہب یہی ہے اور اسی کو اصحاب متون نے اختیار فرمایا اور اسی کو شارحین نے مرضی اور پسندیدہ رکھا''۔ ینابیع و عالمگیری میں ہے۔ ''**ھو الصحیح** ''یعنی یہی صحیح ہے۔ جامع الرموز میں اسی کو مفتی بہ بتایا اور سراج المنیر میں ہے۔ ''**علی قولہ الفتوی** یعنی امام کے قول پر ہی فتوٰی ہے''۔ بحرالرائق اور پھر درالمختار میں ہے قول امام سے عدول کی اجازت نہیں۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۲ ص ۱۸۸۔۱۸۹ مطبوعہ میرٹھ ہند)

خلاصہ عبارت

سایہ اصلی کو چھوڑ کر دو مثل سایہ کسی چیز کا ہو جائے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق نماز ظہر کا وقت ختم اور نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہی قول مشہور اور ظاہر الروایۃ ہے۔ اس کے خلاف قول مرجوح اور بعض متاخرین کی تحقیق ہے۔ جس پر فتوٰی نہیں ہے۔ درمختار کی عبارت سے معترض نے دھوکہ دینے کی کوشش کی حالانکہ اس کی شرح درالمختار میں اسی مقام پر ایک ضابطہ بیان کر کے مذکورہ قول کو قول مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف فتوٰی اور صاحبین کے قول کے موافق فتوٰی دو شرطوں کی موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ کی دلیل کمزور ہو اور دوسری یہ کہ وہ تعامل کے خلاف ہو۔ یہاں

دونوں شرطیں مفقود ہیں لہٰذا امام اعظم کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے غیر معتبر اور خلاف حقیقت ہے۔ جہاں تک دلیل بلکہ دلائل کا تعلق ہے وہ ہم عرض کر چکے ہیں اور جہاں تک تعامل اور لوگوں کا اس پر عمل کرنے کا معاملہ ہے تو غیر مقلد اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ احناف کا عمل کس پر ہے؟ بہر صورت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اختتام ظہر اور ابتدائے عصر کا وقت جو ذکر فرمایا وہی معتبر اور مفتی بہ ہے۔

۲- بَابُ اِبْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ

ابتدائے وضو

۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ بْنِ اَبِىْ حَسَنِ الْمَازِنِىُّ عَنْ اَبِيْهِ يَحْيٰى اَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ اَبَا حَسَنٍ يَسْاَلُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ زَيْدِ ابْنِ عَاصِمٍ وَ كَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تُرِيَنِىْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ مِنْ مُقَدَّمِ رَاْسِهٖ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ مِنْهُ بَدَاَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

(موطا امام محمد ص ۴۶۔۴۷)

امام مالک نے عبداللہ بن یحییٰ المازنی سے وہ اپنے باپ یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دادا ابوحسن سے سنا کہ انہوں نے عبد اللہ بن زید ابن عاصم صحابی رسول خدا ﷺ سے پوچھا: کیا آپ ہمیں حضور ﷺ کا وضو فرمانا دکھا سکتے ہیں؟ عبد اللہ بن زید نے کہا: ہاں ضرور۔ پھر انہوں نے وضو کے لیے پانی کا برتن منگوایا۔ اس سے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دو مرتبہ انہیں دھویا پھر کلی کر کے منہ کو تین مرتبہ دھویا پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھویا پھر سر کے اگلے حصے سے مسح کرتے ہوئے سر کے پچھلے حصہ تک ہاتھ پھیر کر وہیں پر ختم کر دیا۔ جہاں سے ابتدا فرمائی تھی پھر پاؤں کو دھویا۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں بازو کہنی تک صرف دو دفعہ دھونے ہی کافی ہیں اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ یہاں یہ بات قابل یاد دہانی ہے کہ احناف کا مسلک اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ہر عضو کا ایک مرتبہ پوری طرح دھونا مطلوب و مامور بہ ہے۔ اس سے نفس وضو ہو جائے گا لہٰذا ایک کی بجائے اگر دو دفعہ دھویا گیا تو بطریقہ اولیٰ جواز وضو ثابت ہو جائے گا لیکن وضو میں اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ ہر عضو کو تین تین بار دھویا جائے اور یہ بات حدیث مسند اور مرفوع سے ثابت ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ صحیح البخاری درج ذیل مفہوم سے روایت کیا ہے۔

حضور ﷺ سے جناب عثمان روایت کرتے ہیں فرمایا کہ جو کوئی مسلمان فرضی نماز کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس کے پچھلے گناہوں کا یہ کفارہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کیا ہو اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔ انہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے وضو فرمایا ہاتھوں پر تین بار پانی بہا کر پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا پھر تین بار چہرہ دھو کر دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار پھر بایاں اسی طرح تین بار دھویا پھر سر کا مسح کرنے کے بعد دونوں پاؤں تین تین بار دھوئے۔ اس طرح جب وضو کر چکے تو فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ اسی طرح وضو کیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: جس نے میرے وضو کی طرح وضو کیا اور پھر دو نفل پڑھے۔ اس طرح کہ اپنے دل میں کچھ خیالات و باتیں نہ لائے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حدیث مذکور میں دھوئے جانے والے ہر عضو کو تین تین بار دھونا بالتصریح ثابت ہے کیونکہ صحابی نے تین تین بار دھو کر اسے حضور ﷺ کا وضو بتایا۔ بعض احادیث میں یوں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تین تین بار اعضائے وضو دھونا میرا اور پہلے انبیاء کرام کا وضو ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶)

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا حَسَنٌ وَالْوُضُوْءُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا اَفْضَلُ وَالْاِثْنَانِ يُجْزِيَانِ وَالْوَاحِدَةُ اِذَا اَسْبَغَتْ تَجْزِئُ اَيْضًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ اعضائے وضو کو تین تین بار دھونا حسن وافضل ہے اور دو دو مرتبہ وضو سے بھی وضو ہو جاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ کا دھونا ایسا کہ کوئی جگہ خشک نہ رہنے پائے یہ بھی جائز ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس کی توضیح مذکورہ بالا حدیث میں گزر چکی ہے۔

٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلِ الْمَاءَ فِيْ اَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَسْتَنْثِرْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں حضرت ابو ہریرہ سے ابوالزناد عن عبد الرحمٰن سے روایت ملی کہا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرنے لگے تو اسے اپنی ناک میں پانی ڈالنا چاہیے پھر ناک کو صاف کرے۔

٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ اَبِيْ اِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ.

امام مالک نے خبر دی ہمیں زہری سے اور انہوں نے ادریس خولانی سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ حضور ﷺ سے بیان فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو وضو کرے اسے ناک بھی صاف کرنی چاہیے۔ اور جو بول و براز کے بعد ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق تعداد کا خیال رکھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَنْبَغِيْ لِلْمُتَوَضِّئِ اَنْ يَّتَمَضْمَضَ وَيَسْتَنْثِرَ وَيَنْبَغِيْ لَهٗ اَيْضًا اَنْ يَّسْتَجْمِرَ وَالْاِسْتِجْمَارُ الْاِسْتِنْجَاءُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ (مذکورہ بالا حدیث پر ہمارا عمل ہے) وضو کرنے والے کو کلی کرنی اور ناک صاف کرنے چاہیے اور اسے ڈھیلوں کا استعمال کرنا چاہیے اور ڈھیلوں کا استعمال استنجاء ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

وضو کرنے والے کے لیے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور اسے صاف کرنا سنت ہے، اور استنجاء بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ "استنجا" بول و براز کے بعد مخرج کی صفائی کو کہتے ہیں۔ اصل مقصد صفائی ہے کہ جس پر جواز نماز کا حکم لگایا جاسکے۔ استنجاء کے دو طریقے مشہور و متعارف ہیں۔ ایک ڈھیلے اور یا پانی استعمال کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور دوسرا پانی اور ڈھیلے دونوں یکے بعد دیگرے استعمال کر لیے جائیں۔ ان میں سے ہر ایک طریقہ درست ہے لیکن افضل و بہتر یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے استعمال کر کے مخرج سے عین نجاست کو دور کر دیا جائے پھر پانی سے اسے دھو کر خوب صفائی حاصل کر لی جائے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ اصل مقصد صفائی ہے لہٰذا صرف ڈھیلے یا صرف پانی استعمال کرنا بھی درست ہے۔ ڈھیلوں کے استعمال کی صورت میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ مخرج پر ایک درہم یا اس سے زائد گندگی و نجاست باقی نہ رہنے پائے ورنہ مطلوبہ صفائی حاصل نہ ہونے کی بناء پر وضو اور نماز نہ ہوں گے اسی لیے اکیلے ڈھیلوں کے استعمال کی نسبت صرف پانی کا استعمال اولیٰ ہے کیونکہ اس سے عین نجاست بھی دور ہو جاتی ہے اور جگہ کی صفائی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈھیلوں کے استعمال سے صرف عین نجاست تو دور ہو جائے گی مخرج نجاست کی صفائی نہیں ہوگی۔ پانی سے استنجاء کرنا جبکہ ڈھیلوں سے صفائی ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ سیدنا سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ بن مسیب رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی یہی ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا واجب نہیں ہے۔ حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ جب کوئی پاخانہ کے لیے جائے اور تین پتھروں سے صفائی کرے تو وہ کافی ہے۔ ڈھیلوں کے بعد پانی یا ویسے ہی پانی سے استنجاء کرنا اس روایت

کی بنا پر افضل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انصار کی طہارت کا ذکر فرمایا:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ (التوبۃ:۱۰۸)

اس (مسجد قباء) میں پاکیزگی سے محبت کرنے والے لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے انصار سے اس طہارت کی بابت پوچھا عرض کرنے لگے ہم نماز کے لیے وضو جنابت کے لیے غسل اور بول و براز کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ یہی ہے۔ (پانی سے استنجاء کرنا) آخر میں امام محمد نے کہا کہ ہمارا اس پر عمل ہے یعنی وضو میں کلی کرنا، ناک صاف کرنا وغیرہ ہم بھی اس کو سنت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ڈھیلے سے استنجاء کرنا بھی اولیٰ ہے اور یہی قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔

۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرُ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَى الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا كَانَ يَعْمَدُ وَاِنَّهٗ تُكْتَبُ لَهٗ بِاِحْدٰى خُطْوَتَيْهِ حَسَنَةٌ وَّتُمْحٰى عَنْهُ بِالْاُخْرٰى سَيِّئَةٌ فَاِنْ سَمِعَ اَحَدُكُمُ الْاِقَامَةَ فَلَا يَسْعَ فَاِنَّ اَعْظَمَكُمْ اَجْرًا اَبْعَدُكُمْ دَارًا قَالُوْا لِمَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ مِنْ اَجْلِ كَثْرَةِ خُطٰى۔

ہمیں امام مالک نے انہیں نعیم بن عبد اللہ مجمر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی فرماتے ہیں کہ جو اچھی طرح وضو کر کے پھر قصداً نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے وہ قصد تک نماز میں ہی شمار ہوتا ہے، اور بے شک اس کے لیے ہر ایک قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر ایک برائی (گناہ) ختم کی جاتی ہے پھر اگر تم میں سے کوئی اقامت سنے تو جلدی نہ کرے (یعنی دوڑے نہیں) بے شک تم میں سے اجر و ثواب میں بڑھا ہوا وہ ہے جس کا گھر مسجد سے زیادہ دور ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ! ایسا کیوں؟ فرمایا: زیادہ قدم چلنے کی وجہ سے۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ گھر سے باہر باوضو نکل کر مسجد کی طرف قصداً جانے والا حکماً نماز میں ہوتا ہے یعنی اس کا وقت عبادت پروردگار میں بسر ہو رہا ہوتا ہے اور راستے میں ہر قدم پر ایک نیکی کا حصول اور دوسرے پر ایک گناہ کی معافی مرحمت ہوتی ہے لیکن مسجد کی طرف آتے ہوئے یا مسجد میں پہنچ کر دوڑنا ثواب میں اضافہ کی بجائے کمی کر دیتا ہے کیونکہ یہ وقار اور کرامت کے خلاف ہے اور مسجد کی حرمت کے بھی خلاف ہے۔

٣- بَابُ غَسْلِ الْيَدَيْنِ فِي الْوُضُوْءِ

وضو میں دونوں ہاتھوں کا دھونا

۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَّوْمِهٖ فَلْيَغْسِلْ يَدَهٗ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهَا فِيْ وَضُوْئِهٖ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ۔

ہمیں امام مالک نے انہیں ابو الزناد نے انہیں اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو پانی والے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھولے کیونکہ اسے کیا معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کہاں پڑتے رہے؟

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا حَسَنٌ وَهٰكَذَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّفْعَلَ وَلَيْسَ مِنَ الْاَمْرِ الْوَاجِبِ الَّذِيْ اِنْ تَرَكَهٗ تَارِكٌ اَثِمَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

امام محمد کہتے ہیں یہ حسن ہے اور ایسے ہی کرنا چاہیے۔ یہ حکم احکام واجبہ میں سے نہیں کہ اگر کسی نے نہ کیا تو اس پر گناہ ٹھہرا اور یہی قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے بعد اٹھ کر ہاتھ دھوئے بغیر پاک پانی میں ہاتھ نہیں ڈالنے چاہئیں۔ اس کی حکمت یہ

بیان فرمائی گئی کہ سونے والے کو اس بات کا علم نہیں کہ اس کے ہاتھ حالت نیند میں پاک رہے یا ناپاک ہو گئے۔ حضور ﷺ کا اٹھنے والے کے لیے مذکورہ حکم "واجب" کے زمرہ میں نہیں آتا بلکہ ایسا کرنا سنت کے درجہ میں رہے گا۔ یاد رہے کہ وضو میں بالاتفاق "واجب" نہیں۔ بلکہ یا تو فرائض ہیں یا سنن و مستحبات و مباحات دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ کچھ لوگوں کا جو یہ نظریہ ہے کہ گناہ صرف واجب یا فرض کے ترک پر ہوتا ہے (سنت پر نہیں ہوتا) یہ درست نہیں۔ سنت مؤکدہ کا تارک گناہ کا مستحق ہوتا ہے۔ صاحب تلویح نے ترک سنت کو قریب الحرام کہا ہے اور اس کی تائید میں بخاری و مسلم کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے۔ "من رغب عن سنتی فلیس منی" "جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں ہے"۔ اسی طرح طبرانی وغیرہ میں مذکور ایک اور حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے چھ آدمیوں پر لعنت کی۔ ان میں ایک "تارک سنت" بیان کیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث پاک بھی اس کی مؤید ہے جس میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان کل قیامت کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی ہے اسے پانچ نمازوں پر مداوت کرنی چاہیے۔ آخر میں آپ نے فرمایا: اگر تم نے اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنی شروع کر دیں جیسا کہ تارک جماعت کرتا ہے تو تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دیا اور اگر ترک سنت پایا گیا تو تم گمراہ ہو گئے۔ (مذکورہ احادیث مولوی عبدالحی نے اسی جگہ موطا امام محمد کے حاشیہ پر لکھیں) بہرحال معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی سنت کا ترک گناہ کو لازم کرتا ہے تو تم سے کسی نے بطریق تخفیف یا استہزاء ایسا کیا وہ گمراہ اور بے دین ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اذان کی بحث میں اسی لیے فرمایا: "جو شخص اذان کے وقت اذان سننے کی بجائے دنیوی باتوں میں مشغول رہتا ہے خطرہ ہے کہ بوقت مرگ اسے کلمہ شریف نصیب نہ ہو"۔

موطا امام محمد کی مذکورہ حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قلیل پانی میں ہاتھ دھوئے بغیر ڈالنا اسے مستعمل کر دیتا ہے۔ قلیل چاہے لوٹے وغیرہ چھوٹے برتن میں ہو یا دہ در دہ سے کم کسی جگہ ہو۔ سب کا حکم ایک ہی ہے لہٰذا جب کوئی شخص کسی پانی کو طہارت کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے تو اس میں ہاتھ ڈالے بغیر کسی طریقہ سے ہاتھ دھو لے پھر ہاتھوں سے وہ پانی بقیہ اعضاء کی طہارت کے لیے استعمال کرے کیونکہ ہاتھ بلکہ انگلی اور اس کا ایک پورا پانی میں تر ہو جانے سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور مستعمل پانی خود تو پاک رہتا ہے۔ (بشرطیکہ ہاتھ وغیرہ اس میں پڑنے والی چیز نجس نہ ہو) لیکن اس سے کوئی ناپاک چیز پاک نہیں ہو سکتی۔ حدیث پاک میں "نیند سے اٹھنے" یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ مذکورہ مسئلہ سب کے لیے ہے خواہ وہ جاگ رہا تھا یا سو گیا تھا۔ بہرحال وضو سے پہلے ہاتھوں کا دھونا سنت ہے۔ برتن کے پانی سے وضو کرنا ہو تب بھی اور آج کل کے دور میں ٹوٹی یا نلکے سے وضو کرنا ہو تب بھی یہ سنت ہے۔

٤- بَابُ الْوُضُوْءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ
استنجاء میں وضو کرنا

١٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ طَحْلَاءَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَبَاهُ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءً لِمَا تَحْتَ اِزَارِهٖ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن محمد بن طحلاء سے انہوں نے عثمان بن عبدالرحمٰن سے خبر دی کہ ان کے باپ نے بتایا کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ استنجاء پانی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ بِالْمَاءِ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ غَيْرِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور پانی سے استنجاء کرنا بہ نسبت اور کے ہمارے نزدیک محبوب تر ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

حدیث مذکور کی تشریح و وضاحت گزر چکی ہے۔ مختصر یہ کہ پانی سے استنجاء کرنے میں چونکہ دوسرے طریقوں سے زیادہ صفائی و

پاکیزگی حاصل ہوتی ہے لہٰذا یہ افضل ہے یہی امام اعظم کا مسلک ہے۔

۵- بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ

مرد کا اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگانا' اس سے وضوٹوٹنا

۱۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنْتُ اُمْسِكُ الْمُصْحَفَ عَلٰى سَعْدٍ فَاحْتَكَكْتُ فَقَالَ لَعَلَّكَ مَسَسْتَ ذَكَرَكَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ قُمْ فَتَوَضَّأْ قَالَ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص نے مصعب بن سعد سے بتایا، کہا کہ میں حضرت سعد کے لیے قرآن کریم اٹھائے رکھتا تھا میں نے کھجلی کی فرمانے لگے شاید تو نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا ہے میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ فرمانے لگے اٹھو اور وضو کرو۔ میں اٹھا اور وضو کر کے واپس آ گیا۔

۱۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ يَغْتَسِلُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ لَهٗ اَمَا يُجْزِيْكَ الْغُسْلُ مِنَ الْوُضُوْءِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنِّيْ اَحْيَانًا اَمَسُّ ذَكَرِيْ فَاَتَوَضَّأُ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ وہ غسل کرنے کے بعد وضو بھی کیا کرتے تھے۔ سالم نے پوچھا۔ کیا غسل آپ کے لیے کافی نہیں ہوتا حضرت عبداللہ نے فرمایا: ہاں کفایت تو کرتا ہے لیکن میں بعض دفعہ اپنی شرمگاہ کو چھو لیتا ہوں۔ (جس کی وجہ سے) مجھے پھر وضو کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا وُضُوْءَ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَفِيْ ذٰلِكَ اٰثَارٌ كَثِيْرَةٌ.

امام محمد نے فرمایا ذکر کو ہاتھ لگانے میں وضو نہیں ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مذکورہ دونوں آثار یہ ثابت کرتے ہیں کہ اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اس طریقہ سے وضوٹوٹنے کے غیر مقلد نہایت شدومد کے ساتھ قائل ہیں اور امام محمد کی مذکورہ دونوں روایات کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ان دونوں آثار میں سے اول الذکر کہ جس میں مصعب بن سعد نے کھجلی کی اور ان کے والد نے فرمایا: جاؤ تمہارا وضوٹوٹ گیا ہے جس پر انہوں نے وضو کیا۔

اس اثر کے چند جوابات ملاحظہ ہوں۔

(۱) مصعب بن سعد ہی سے ایک روایت جو ان کے والد جناب سعد سے ہے۔ مذکورہ اثر کے بالکل خلاف بھی منقول ہے۔ (ملاحظہ ہو)

عن مصعب بن سعد قال كنت اخذ على ابى المصحف فاحتككت فاصبت فرجى قال اصبت فرجک قلت نعم احتككت فقال اغمس يدک فى التراب ولم يامرنى ان اتوضأ.

(طحاوی ج اص ۷۷ بات مس الفرج)

مصعب بن سعد کہتے ہیں میں اپنے والد صاحب کے لیے قرآن کریم پکڑا کرتا تھا تو ایک دفعہ میں کھجلی کرتے ہوئے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگا بیٹھا۔ پوچھنے لگے: تم نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا ہے؟ میں نے عرض کیا جی حضور! میں نے کھجلی کی ہے۔ فرمانے لگے: مٹی میں اپنا ہاتھ مل لو۔ آپ نے مجھے وضو کرنے کا حکم نہ دیا۔

قارئین کرام! ایک ہی شخص اپنے بارے میں دو مختلف بلکہ متضاد باتیں ذکر کرتا ہو تو مشہور ضابطے۔ "اذا تعارضا تساقطا" کے تحت کوئی بھی قبول نہیں ہوتا۔ اگر اس اختلاف کو ختم کرنا ہو تو تطبیق کی یہ صورت نکلے گی کہ حضرت سعد کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے بعد اسی ہاتھ سے قرآن کریم پکڑنا بے ادبی ہے اور کراہت ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں یا تو مٹی مل کر کراہت کو دور کر لیا جائے یا پھر پانی سے دھو لیا جائے لہٰذا جہاں وضو کرنے کا حکم تھا اس سے مراد صرف ہاتھ دھونا ہو گا شرعی وضو مراد نہیں ہے۔ یعنی مس ذکر کی صورت میں۔

(۲) طحاوی میں اسی جگہ یہ بھی مرقوم ہے کہ حضرت سعد نے اپنے بیٹے کو فرمایا: ''اغسل یدک اپنا ہاتھ دھولے''۔اس حکم کے پیش نظر تعارض ختم ہو جاتا ہے اور وضو کا حکم جو پہلے اثر میں تھا اس کی تفسیر خود راوی سے منقول ہوگئی۔معلوم ہوا کہ جس طرح روٹی کھانے سے قبل ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔اسی طرح ''مس ذکر'' کے بعد بھی صرف ہاتھ دھونا ہی مراد ہے۔شرعی وضو مقصود نہیں۔

(۳) طحاوی میں خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ روایت موجود ہے۔قد روی عن سعد انه لا وضوء فی ذالک۔بے شک جناب سعد سے مروی ہے کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے پر وضو کرنا کوئی ضروری نہیں۔

(٤) طحاوی شریف میں خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ روایت موجود ہے۔سئل سعد عن مس الذکر فقال ان کان نجسا فاقطعه لاباس به۔جناب سعد سے پوچھا گیا کیا شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ فرمایا: اگر وہ ناپاک ہے تو اسے کاٹ پھینکو اس سے کوئی وضو نہیں ٹوٹتا۔

امام طحاوی مذکورہ روایات ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ جب جناب سعد سے مروی روایات سامنے آتی ہیں تو ان سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔امام طحاوی نے یہ بھی فرمایا کہ اس صورت میں وضو ٹوٹنے کا قول صرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ملتا ہے۔ان کے سوا کسی صحابی سے ہمیں ایسا کوئی قول وفتویٰ نہیں ملتا بلکہ تمام صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر کی مخالفت کی ہے۔

اعتراض

مذکورہ حدیث موطا کے تحت غیر مقلد مولوی عطاء اللہ نے ایک روایت لکھی کہ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مروان بن حکم کے ہاں گیا اور ہم نے وضو توڑنے والی اشیاء کا نام لیا۔مروان نے کہا: شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے بھی وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے۔میں نے کہا: اسے میں نہیں جانتا۔مروان نے کہا: مجھے بسرہ بنت صفوان نے خبر دی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: جب کوئی اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کر لیا کرے۔یہ روایت ذکر کرنے کے بعد عطاء اللہ غیر مقلد نے کہا کہ اسے کثیر محدثین نے روایت کیا ہے۔اس لیے اس کے مقابلہ میں نہ ٹوٹنے والی حدیث کو پیش کرنا درست نہیں کیونکہ وضو ٹوٹنے والی یہ حدیث سب سے صحیح اور متواتر ہے۔

جواب اول: خود مولوی عطاء اللہ غیر مقلد روایت مذکورہ کو نقل کرتے وقت یہ ذکر کر رہا ہے۔مروان کے بیان کرنے پر جناب عروہ بن زبیر ایسے جلیل القدر مذکورہ روایت کی سماعت کا انکار کر رہے ہیں۔اسی واقعہ میں جناب عروہ کے متعلق یوں بھی آیا ہے۔''فکان عروة لم یرفع بحدیثهار أسا۔مروان سے مذکورہ حدیث سن کر حضرت عروہ نے سر تک نہ اٹھایا۔(بلکہ گہری سوچ میں پڑے رہے)'' بہر حال حضرت عروہ سے عدم سماعت کا قول کیا ہو یا سرنگوں رہے ہوں۔ان کا حدیث مذکور کے وقت یہ رویّہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث کی روایت میں کچھ خامی تھی لہٰذا اسے سب سے زیادہ صحیح اور متواتر کہنا درست نہیں بلکہ ایسی حدیث کو متواتر کہنا بے علمی اور جہالت پر مبنی ہے۔

جواب دوم: حضرت ربیعہ جو ثقہ تابعین کرام میں سے ہیں، جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں وہ بسرہ بن صفوان کی مذکورہ روایت کی تردید فرما رہے تھے بلکہ امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے ان سے صریح تردید بھی ان الفاظ سے ذکر کی ہے۔

اخبرنی زید عن ربیعة انه قال لو وضعت یدی فی دم او حیضة مانقض وضوی فمس الذکر ایسر ام لدم ام الحیضة.

مجھے زید بن ربیعہ نے خبر دی انہوں نے کہا: کہ اگر میں اپنا ہاتھ خون یا حیض میں رکھ دوں تو بھی میرا وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا شرمگاہ کو ہاتھ لگانا زیادہ کراہت رکھتا ہے یا خون یا حیض میں ہاتھ رکھنا؟

(طحاوی ج اص ۱۷ مطبوعہ بیروت، باب مس الفرج)

کان الربیعة یقول لهم ویحکم مثل هذا یاخذ به احد ونعمل بحدیث بسرة والله لو ان بسرة شهدت علی هذه النعل لما اجزت شهادتها. انما قوام الدین الصلوة وانما قوام الصلوة الطهور.

(طحاوی ج۱ص۷۱)

ربیعہ لوگوں سے کہا کرتے تم پر افسوس کیا کوئی اس قسم کی روایت پر عمل کرتا ہے؟ اور کیا ہم بسرہ کی روایت کردہ حدیث پر عمل کریں؟ خدا کی قسم! اگر بسرہ اس جوتی پر گواہی دے تو میں اس کی گواہی جائز نہیں قرار دوں گا کیونکہ دین کا ستون نماز ہے اور نماز کا ستون طہارت ہے، اور صحابہ میں سے کسی نے ستون کو سوائے بسرہ کے قائم نہیں کیا۔

جواب سوم: بسرہ بنت صفوان کی مروی حدیث مجروح کے مقابلہ میں امام طحاوی نے ایک صحیح الاسناد حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے۔

حدثنا ملازم عن عبد الله بن بدر عن قیس بن طلق عن النبی ﷺ انه ساله رجل قال یا نبی الله ماتری فی مس الذکر ذکره بعد ماتوضا فقال النبی ﷺ هل هو الا بضعة منک اومضغة منک فهذا حدیث ملازم حدیث صحیح مستقیم الاسناد غیر مضطرب فی اسناده ولا فی متنه فهو اولی عندنا مما روینا اولا.

(طحاوی شریف ج۱ص۷۶مطبوعہ بیروت)

ہمیں ملازم نے عبداللہ بن بدر انہوں نے قیس بن طلق سے انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ سے کسی شخص نے وضو کرنے کے بعد شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بھی تو تیرے جسم کا ایک ٹکڑا یا گوشت کا ایک حصہ ہے۔ ملازم کی یہ حدیث صحیح اور سند کے اعتبار سے بالکل درست ہے۔ اس کی اسناد میں کوئی اضطراب نہیں اور نہ ہی اس کے متن میں کوئی قابل اعتراض بات ہے لہٰذا یہ روایت ہم احناف کے نزدیک پہلی روایت سے بہتر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مولوی عطاء اللہ غیر مقلد کا حدیث بسرہ بنت صفوان کو صحیح بلکہ متواتر کہنا قطعاً درست نہیں بلکہ اس کے خلاف احادیث سند و متن کے اعتبار سے غیر مجروح موجود ہیں اس لیے مجروح حدیث، حدیث صحیح کا معارض نہیں ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو واجب نہ ہونے پر چند قوی آثار

۱۳- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَيُّوْبُ بْنُ عُتْبَةَ التَّيْمِيُّ قَاضِي الْيَمَامَةِ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ مَسَّ ذَكَرَهُ اَيَتَوَضَّأُ قَالَ هَلْ هُوَ اِلَّا بُضْعَةٌ مِنْ جَسَدِكَ.

ہمیں ایوب بن عتبہ التیمی قاضی یمامہ نے قیس بن طلق سے خبر دی کہ ان کے باپ نے انہیں یہ حدیث بتائی کہ ایک مرد نے حضور ﷺ سے ایک ایسے مرد کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی شرمگاہ کو چھوا تھا کیا وہ وضو کرے؟ آپ نے فرمایا: وہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے۔

۱۴- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا طَلْحَةُ بْنُ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ اَخْبَرَنَا عَطَاءُ بْنُ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ وَاَنْتَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ مَا اُبَالِيْ مَسَسْتُهُ اَوْ مَسَسْتُ اَنْفِيْ.

ہمیں طلحہ بن عمرو نے انہیں عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس سے خبر دی کہ آپ نے حالت نماز میں شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے بارے میں فرمایا: میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ شرمگاہ کو چھوؤں یا اپنی ناک کو۔

١٥ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنَا صَالِحٌ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَيْسَ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ وُضُوْءٌ.

ہمیں خبر دی ابراہیم بن محمد مدنی نے اس کو خبر دی توامہ کے مولیٰ نے ابن عباس سے انہوں نے فرمایا: مس ذکر میں وضو نہیں ہے۔

١٦ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنَا الْحَارِثُ بْنُ اَبِيْ ذُبَابٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ لَيْسَ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ وُضُوْءٌ.

ہمیں ابراہیم بن محمد مدنی نے انہوں نے حارث بن ابی ذباب سے خبر دی کہ انہوں نے جناب سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے دوبارہ وضو نہیں کرنا پڑتا۔

١٧ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الْعَوَّامِ الْبَصْرِيُّ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ عَطَاءَ بْنَ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ رَجُلٌ مَسَّ فَرْجَهٗ بَعْدَ مَا تَوَضَّأَ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ اِنْ كُنْتَ تَسْتَنْجِسُهٗ فَاقْطَعْهُ قَالَ عَطَاءُ بْنُ اَبِيْ رَبَاحٍ هٰذَا وَاللّٰهِ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ.

ہمیں ابوالعوام بصری نے بتایا کہ ایک مرد نے جناب عطاء بن ابی رباح سے پوچھا: اے ابومحمد! ایک شخص نے وضو کرنے کے بعد اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا۔ (کیا اس کو وضو دوبارہ کرنا چاہیے؟) موجودہ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا بے شک حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے اگر تو اسے (شرمگاہ کو) پلید سمجھتا ہے تو کاٹ پھینک۔ یہ سن کر عطاء بن ابی رباح کہنے لگے۔ خدا کی قسم! یہ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہی ہے۔

١٨ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ قَالَ مَا اُبَالِيْ مَسَسْتُهٗ اَوْ طَرْفَ اَنْفِيْ.

ابوحنیفہ نے حماد انہوں نے جناب نخعی اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ سے بیان کیا کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے میں اگر شرمگاہ کو ہاتھ لگالوں یا ناک کے کنارے کو دونوں میرے نزدیک ایک حکم رکھتے ہیں۔

١٩ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ اِنْ كَانَ نَجِسًا فَاقْطَعْهُ.

امام محمد نے کہا ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم سے کہ بے شک ابن مسعود سے سوال کیا گیا وضو کے متعلق مس ذکر کے بعد فرمایا اگر نجس ہے تو اس کو کاٹ دے۔

٢٠ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحِلٌّ الضَّبِّيُّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اِنَّمَا هُوَ بُضْعَةٌ مِّنْكَ.

امام محمد نے فرمایا: ہمیں محل الضبی نے ابراہیم سے نماز میں مس ذکر کے متعلق خبر دی۔ فرمایا: وہ تیرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

٢١ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ الْحَنَفِيُّ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ عَنْ اَبِيْ قَيْسٍ عَنْ اَرْقَمَ بْنِ شُرَحْبِيْلَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اِنِّيْ اَحُكُّ جَسَدِيْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَاَمَسُّ ذَكَرِيْ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ بُضْعَةٌ مِّنْكَ.

ہمیں سلام بن سلیم حنفی نے منصور بن معتمر سے انہوں نے ابوقیس انہوں نے ارقم بن شرحبیل سے خبر دی کہ میں نے عبداللہ بن مسعود سے پوچھا: دوران نماز میں اپنے جسم کو کھجلاتا ہوں تو کیا میں شرمگاہ کو ہاتھ لگا سکتا ہوں؟ فرمایا: وہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے۔

٢٢ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ عَنِ السَّدُوْسِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَاَلْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ عَنِ الرَّجُلِ مَسَّ ذَكَرَهٗ فَقَالَ

ہمیں سلام بن سلیم نے منصور بن معتمر سے انہوں نے سدوسی اور انہوں نے براء بن قیس سے خبر دی کہ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان سے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگانے والے کے بارے

إِنَّمَا هُوَ كَمَسِّهِ رَأْسَهُ.

میں پوچھا تو فرمایا: وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے اپنے سر کو ہاتھ لگالیا۔

٢٣- قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ النَّخْعِيِّ قَالَ كُنْتُ فِيْ مَجْلِسٍ فِيْهِ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَذُكِرَ مَسُّ الذَّكَرِ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِّنْكَ وَإِنَّ لِكَفِّكَ لَمَوْضِعًا غَيْرَهُ.

ہمیں مسعر بن کدام نے عمیر بن سعد نخعی سے خبر دی کہ میں ایک مجلس میں تھا جس میں حضرت عمار بن یاسر بھی موجود تھے۔ کسی نے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کی بات چھیڑ دی تو آپ نے فرمایا: وہ تیرا ہی ایک ٹکڑا ہے اور بے شک تیری ہتھیلی کا اس کے سوا بھی موضع ہے۔

٢٤- قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيْطٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ فِيْ مَسِّ الذَّكَرِ مِثْلُ أَنْفِكَ.

ہمیں مسعر بن کدام نے ایاد بن لقیط سے انہوں نے براء بن قیس سے خبر دی کہ حذیفہ بن الیمان نے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے متعلق فرمایا: وہ یوں ہی ہے جیسے تو اپنی ناک کو چھولے۔

٢٥- قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ حَدَّثَنَا قَابُوْسُ عَنْ أَبِيْ ظَبْيَانَ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا أُبَالِيْ إِيَّاهُ مَسَسْتُ أَوْ أَنْفِيْ أَوْ أُذُنِيْ.

ہمیں مسعر بن کدام نے خبر دی کہ ہمیں قابوس نے ابوظبیان اور انہوں نے علی ابن ابی طالب سے حدیث بیان کی فرمایا: میں اس میں کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگاؤں یا اپنی ناک یا کان کو چھوؤں۔

٢٦- قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُوْ كُدَيْنَةَ يَحْيَى بْنُ الْمُهَلَّبِ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَبِيْ قَيْسٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَرْوَانَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ إِنِّيْ مَسَسْتُ ذَكَرِيْ وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ أَفَلَا قَطَعْتَهُ ثُمَّ قَالَ وَهَلْ ذَكَرُكَ إِلَّا كَسَائِرِ جَسَدِكَ.

ہمیں ابو کدینہ یحییٰ بن مہلب نے ابو اسحاق شیبانی سے انہوں نے ابوقیس عبدالرحمٰن بن ثروان سے انہوں نے علقمہ اور انہوں نے قیس سے خبر دی کہ ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے دوران نماز اپنی شرمگاہ کو چھولیا ہے، فرمایا: تو پھر تو نے اسے کاٹ کیوں نہ پھینکا؟ پھر فرمایا تیری شرمگاہ بھی تو تیرے باقی جسم کی طرح ہے۔

٢٧- قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ الْمُهَلَّبِ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ أَيَحِلُّ لِيْ أَنْ أَمَسَّ ذَكَرِيْ وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ إِنْ عَلِمْتَ أَنَّ مِنْكَ بَضْعَةً نَجِسَةً فَاقْطَعْهَا.

ہمیں خبر دی یحییٰ بن مہلب نے انہیں اسماعیل بن ابی خالد نے انہیں خبر دی قیس بن ابی حازم نے کہ ایک شخص سعد بن ابی وقاص کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں حالت نماز میں اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگاؤں؟ فرمایا: اگر تو اپنے جسم کے کسی حصہ کو ناپاک سمجھتا ہے تو اسے کاٹ پھینک۔

٢٨- قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ حَرِيْزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِّنْكَ.

ہمیں اسماعیل بن عیاش نے خبر دی انہیں حریز بن عثمان نے انہیں حبیب بن عبید نے اور انہیں ابو درداء نے بیان کیا کہ جناب ابو درداء سے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ تیرا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

ذکر شدہ آثار ان جلیل القدر فقہائے کرام صحابہ اور تابعین حضرات کے ہیں جن کی فقاہت و عدالت مسلم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، علی المرتضیٰ، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان، سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم سبھی شرمگاہ کو

ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹنے کے قائل و معتقد نہیں۔ ان حضرات کے بارے میں یہ بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کی مخالفت کرنے والے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں۔ اور جس روایت میں وضو کرنے کا کہا گیا ہے اس سے مراد وضو شرعی نہیں بلکہ لغوی ہے جس سے مراد ہاتھ دھونا ہے۔

٦ - بَابُ الْوُضُوْءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

آگ سے تبدیل شدہ چیز سے وضو کرنے کا بیان

٢٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ رَأَيْتُ اَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ اَكَلَ لَحْمًا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ہمیں امام مالک نے وہب بن کیسان سے ایک روایت سنائی کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ کو کہتے سنا کہ میں نے ابوبکر صدیق کو دیکھا کہ انہوں نے گوشت کھایا پھر وضو کیے بغیر نماز پڑھ لی۔

٣٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَكَلَ جَنْبَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى، وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم انہوں نے عطاء بن یسار اور انہوں نے ابن عباس سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کا پہلو (پکا ہوا) کھایا پھر وضو کیے بغیر نماز ادا کی۔

٣١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيْعَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ تَعَشّٰى مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ہمیں امام مالک نے انہیں محمد بن منکدر نے اور انہیں محمد بن ابراہیم نے ربیعہ سے اور انہوں نے عبد اللہ سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور وضو کیے بغیر نماز ادا کر لی۔

٣٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ ضَمْرَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الْمَازِنِيُّ عَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَكَلَ لَحْمًا وَخُبْزًا فَتَمَضْمَضَ وَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ مَسَحَهُمَا بِوَجْهِهٖ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے ضمرہ بن سعید مازنی نے ابان بن عثمان سے خبر دی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گوشت اور روٹی کھائی پھر کلی کی اور ہاتھ دھو کر انہیں منہ پر پھیرا پھر وضو کیے بغیر نماز ادا کی۔

٣٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ الْعَدَوِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يُصِيْبُ الطَّعَامَ قَدْ مَسَّتْهُ النَّارُ اَيَتَوَضَّأُ مِنْهُ قَالَ قَدْ رَاَيْتُ اَبِيْ يَفْعَلُ ذَالِكَ ثُمَّ لَا يَتَوَضَّأُ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے خبر دی، انہوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ عدوی سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا کہ اس نے وضو کر کے پھر ایسا کھانا کھایا جسے آگ نے چھوا تھا کیا وہ دوبارہ وضو کرے؟ فرمانے لگے میں نے اپنے والد گرامی کو بارہا دیکھا وہ اس طرح کرنے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

٣٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلٰى بَنِيْ حَارِثَةَ اَنَّ سُوَيْدَ بْنَ نُعْمَانَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّوْا الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ لَهُمْ بِالْمَاءِ فَاَكَلَ

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے بشیر بن یسار مولیٰ بنی حارثہ سے خبر دی کہ سوید بن نعمان نے بتایا کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ خیبر کے سال نکلے یہاں تک کہ جب لوگ خیبر کے نزدیک مقام صہباء پر پہنچے تو انہوں نے نماز عصر ادا کی پھر حضور ﷺ نے توشہ طلب فرمایا آپ کو ستو پیش کیے گئے۔ آپ نے انہیں پانی میں گھولنے کا حکم دیا پھر حضور ﷺ اور

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ہم نے وہ کھائے پھر آپ نے نماز مغرب پڑھنے سے قبل کلی فرمائی ہم نے بھی کلی کی اور وضو کیے بغیر نماز ادا کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا وُضُوْءَ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ وَلَا مِمَّا دَخَلَ اِنَّمَا الْوُضُوْءُ مِمَّا خَرَجَ مِنَ الْحَدَثِ فَاَمَّا مَا دَخَلَ مِنَ الطَّعَامِ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ اَوْلَمْ تَمَسَّهُ فَلَا وُضُوْءَ فِيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے۔ جس چیز کو آگ نے چھوا ہو یا جو چیز جسم کے اندر داخل ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ وضو جسم سے ناپاک چیز نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔ بہرحال جو کھانا آگ سے پکا کر کھایا جائے یا آگ سے نہ پکایا گیا ہو ان دونوں کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا آگ سے پکنے والی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹنے والی حدیث کے بعد پانچ عدد قوی آثار کا ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ حدیث ان کے نزدیک یا تو منسوخ ہے اگر اس میں وضو سے مراد شرعی وضو ہو یا اگر لغوی وضو یعنی صرف ہاتھ دھونا مراد ہے تو یہی ان کا مسلک ہے اسی لیے فرمایا کہ ہم سب کا مع امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم یہی مسلک ہے کہ ایسی اشیاء کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جو آگ سے پکائی گئی ہو۔

اعتراض

مذکورہ آثار کے ذکر کے بعد مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے ''فائدہ'' کے تحت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث (جو صحیح مسلم میں ہے) لکھی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے بکری کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو کرے۔ اس نے پھر پوچھا کہ اونٹ کا پکا ہوا گوشت کھا کر کیا وضو کرنا چاہیے آپ نے فرمایا۔ ہاں کرو۔ یہ حدیث لکھ کر ثابت کیا کہ اونٹ کا پکا ہوا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی مذہب امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحیٰی ابن یحیٰی، ابن منذر اور ابن خذیمہ کا ہے۔ اس استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عطاء اللہ اسی مسلک کو صحیح سمجھتا ہے یعنی عام نہ سہی صرف اونٹ کا پکا ہوا گوشت ناقض وضو ہے۔

جواب: حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں اختلاف ضرور ہے لیکن جمہور صحابہ کرام، تابعین بلکہ خصوصاً خلفائے راشدین اس بات کے قائل ہیں کہ آگ سے پکی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور ﷺ کا عمل شریف اس کی تائید کرتا ہے لہٰذا آگ سے پکی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم جن روایات میں ہے وہ یا تو ابتداء اسلام کی روایات ہونے کی وجہ سے منسوخ ہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ابتدائی دور اسلام میں لوگ صفائی کا زیادہ اہتمام نہ کرتے ہوں پھر جب اہتمام کرنے لگے تو وضو کا حکم واپس لے لیا گیا یا یہ کہ وضو سے مراد شرعی نہیں بلکہ لغوی مراد ہو۔ جس سے صرف منہ ہاتھ دھونا مراد ہو۔ اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات میں سے بھی ہوتی ہے۔

پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا پوچھنے والوں کو حضور ﷺ کا تنبیہ فرمانا

عن المغیرة بن شعبة ان رسول الله ﷺ اکل طعاما ثم اقیمت الصلوة فقام وقد کان توضا قبل ذالک فاتیته بماء لیتوضا منه فانتهرنی وقال وراءک فساءنی والله ذالک ثم صلی فشکوت ذالک الی عمر فقال یا نبی الله ان المغیرة قد شک علیه انتهارک ایاه وخشی ان یکون فی

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا پھر نماز کے لیے اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز کے لیے قیام فرمایا۔ آپ کھانا کھانے سے قبل وضو فرما چکے تھے۔ میں آپ کی خدمت عالیہ میں وضو کے لیے پانی لایا تو آپ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا تیرے بعد بھی لوگ آئیں گے مجھے اس سے پریشانی ہوئی آپ نے نماز ادا فرمائی میں نے حضرت عمر

نفسک علیه شیء فقال النبی ﷺ لیس علیه فی نفسی الا خیر ولکن اتانی بماء لاتوضا وانما اکلت طعاما ولوفعلت فعل الناس ذالک بعدی.
رواه احمد والطبرانی فی الکبیرورجاله ثقات.
(مجمع الزوائد ج ا ص ۲۵۱ باب ترک الوضوء مما مست النار)

کے پاس پریشانی کا اظہار کیا تو انہوں نے جناب رحمۃ للعالمین ﷺ سے عرض کیا یا نبی اللہ! مغیرہ آپ کے جھڑکنے سے پریشان دکھائی دیتا ہے اور خطرہ محسوس کرتا ہے کہ آپ کے قلب انور میں اس کے بارے میں کچھ غصہ وغیرہ نہ ہو سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمایا: میرے دل میں اس کے متعلق محض بھلائی ہی ہے۔ بات یہ ہوئی کہ وہ کھانے کے بعد میرے لیے پانی لایا تاکہ میں اس سے وضو کروں اگر میں اس وقت وضو کر لیتا تو میرے بعد لوگوں کو ایسا کرنا پڑتا (جس سے وہ تکلیف میں پڑ جاتے)۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آپ کے کھانا تناول فرمانے کے بعد وضو کے لیے پانی حاضر کرنا اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ ایسا پہلے ہوتا رہا۔ یعنی کھانے کے بعد حضور ﷺ نے وضو فرمایا ہوگا جس کی وجہ سے سابقہ عادت کے پیش نظر حضرت مغیرہ نے ایسا کیا لیکن اب کے حضور ﷺ نے اس سے جھڑک دیا۔ گویا پہلا عمل یا حکم آپ نے منسوخ کر دیا اور ساتھ ہی امت کی آسانی کی طرف اشارہ فرما دیا لہٰذا معلوم ہوا کہ جن احادیث میں آگ سے پکی اشیاء کھانے کے بعد وضو کرنے کا مسئلہ آتا ہے وہ زمانہ کے اعتبار سے پہلے کی روایات ہیں لہٰذا وہ بعد کی روایات سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ اگر اس استدلال پر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت مغیرہ کی روایت کردہ حدیث کا زمانہ مؤخر ہونے پر کوئی صراحت نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ مقدم ہو اور وضو کرنے کا حکم بعد میں آیا ہو تو ہم اس بارے میں ایک واضح اور صریح حدیث پیش کیے دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

عن جابر قال کان اخرالامرین من رسول الله ﷺ ترک الوضوء مما غیرت النار.
(ابوداؤد شریف ج ا ص ۲۵ باب فی ترک الوضوء مما مست النار)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا آخری عمل و امر یہ ہے کہ آگ سے پکی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (آپ نے آگ سے پکی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا ترک کر دیا تھا)۔

اشکال

مسلم شریف میں ہی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث جو پہلے بھی گزر چکی ہے۔ جس میں بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے پر آپ نے کچھ نہ فرمایا لیکن اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کو کہا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے پکی چیز (اونٹ کا گوشت) کھانے کے بعد آپ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔

جواب: اونٹ کا پکا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا "امر استحبابی" ہے اس کے سنت یا واجب ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ حقیقت الامر یہی ہے کہ آگ سے پکی ہر چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ وضو کا حکم جن روایات میں ہے وہ اول الامر کی روایات ہیں لہٰذا آخر الامر روایات نے انہیں منسوخ کر دیا نیز اونٹ کے گوشت والی مذکورہ حدیث کا آخری حصہ دیکھیں جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو یہ منع بمعنی حرام نہیں ہے کیونکہ گندگی کے علاوہ اونٹ سے نمازی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ جس کے پیش نظر احتیاطاً منع کیا گیا تو جس طرح یہ نہی تحریمی نہیں اسی طرح پہلا امر "امر وجوبی" نہیں ہے۔

حاصل کلام

ہر وہ چیز جسے آگ سے پکایا گیا ہو اور اس کا کھانا جائز ہو اس کے کھانے سے پہلے کیا گیا وضو نہیں ٹوٹتا یعنی یہ ناقض وضو نہیں ہے اور جن روایات میں وضو کرنے کا مسئلہ ملتا ہے وہ یا تو منسوخ یا صرف ہاتھ دھونے اور کلی کرنے پر محمول ہیں۔ حاصل کلام کے طور پر اگر علامہ نووی کی عبارت درج کر دوں تو بہت بہتر ہو گا۔

حضور ﷺ کے قول "آگ سے پکی چیز کھانے کے بعد وضو کرو" میں علماء کا اختلاف ہے۔ سلف و خلف کے جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ ان اشیاء کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا یہی مذہب ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، ابو درداء، ابن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جابر بن سمرہ، زید بن ثابت، ابو موسیٰ، ابو ہریرہ، ابی بن کعب، ابو طلحہ عمرو بن ربیعہ، ابو امامہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا ہے یہ تمام بزرگ صحابی رسول ہیں۔ یہی مذہب جمہور تابعین کرام کا بھی ہے یہی مسلک امام ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ ابن یحییٰ، ابو ثور اور ابو خیثمہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ جمہور نے ان احادیث سے حجت پکڑی جن میں آگ سے پکی چیز کے کھانے کے بعد وضو نہ کرنے کا حکم ہے۔ امام مسلم نے یہاں وہ احادیث ذکر کی ہیں ان کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی موجود ہیں اور اس حدیث پاک کے جس میں وضو کرنے کا معاملہ ہے جمہور نے دو جوابات دیئے ہیں ایک یہ کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے یہ منسوخ ثابت ہوتی ہے جس میں حضرت جابر نے حضور ﷺ کا اس بارے میں آخری عمل شریف ذکر فرمایا ہے اس حدیث کو جو صحیح ہے ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اس کی اسناد صحیح ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وضو سے مراد منہ دھونا اور دونوں ہاتھ دھونا ہیں پھر یہ اختلاف جو ہم نے ذکر کیا یہ صدر اول میں تھا اس کے بعد تمام علماء نے اس بات پر اجماع فرمالیا کہ آگ سے پکی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ص ۱۵۶)

٧- بَابُ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ يَتَوَضَّأَنِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

ایک برتن سے مرد و عورت کا وضو کرنا

٣٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّؤُنَ جَمِيْعًا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ.

ہمیں امام مالک نے نافع انہوں نے ابن عمر سے روایت بیان کی کہ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں مرد و زن سبھی ایک ہی برتن میں وضو کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَاْسَ بِاَنْ تَتَوَضَّأَ الْمَرْاَةُ وَتَغْتَسِلَ مَعَ الرَّجُلِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ اِنْ بَدَاَتْ قَبْلَهُ اَوْ بَدَاَ قَبْلَهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت، مرد کے ساتھ ایک برتن سے وضو کرے یا غسل کرے یہ عام ہے چاہے پہلے عورت شروع کرے یا مرد اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ایک برتن سے مرد و عورت کا وضو کرنا یا غسل کرنا حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی معمول بہ تھا اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

اشکال

عن ميمونة عن النبی ﷺ قال لا يتوضا بفضل غسلها من الجنابة . رواه احمد ورجاله رجال صحيح . (مجمع الزوائد ج ۱ص ۲۷۳)

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا عورت کے غسل جنابت کے بعد بچے پانی سے وضو نہ کیا جائے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے غسل جنابت سے بچے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں نیز اس پانی سے مرد غسل نہیں کر سکتا۔

جواب: حضور ﷺ نے عورت کے غسل جنابت سے بچے پانی کے ساتھ وضو کرنے سے جو منع فرمایا وہ کراہت تنزیہہ کے ضمن میں آتا ہے یعنی ایسا کرنا مرد کے لیے بہتر نہیں ہے اگر کرے گا تو نفس جواز کی بناء پر درست ہوگا' ملاحظہ ہو۔

وهو ممكن ان تحمل احاديث النهي على ماتساقط من الاعضاء والجواز على مابقي من الماء وبذالك جمع الخطابي او يحمل النهي على التنزيهي جمعا بين الادلة والله اعلم.

(فتح الباری ج۱ص۳۰۰)

ممکن ہے کہ نہی کی احادیث کو اس پانی پر محمول کیا جائے جو بوقت غسل اعضاء سے گرا (اور اکٹھا ہوگیا) اور جواز کا معاملہ اس پانی کے لیے ہو جو استعمال سے بچ گیا۔ خطابی نے ان دونوں روایتوں کو اسی طرح جمع کیا۔ یا یہ بھی احتمال ہے کہ نہی کو کراہت تنزیہہ پر محمول کیا جائے تاکہ دلائل میں جمع وتطبیق ہو جائے۔

نوٹ: مرد وعورت کا ایک پانی سے غسل کرنا یا وضو کرنا اس کے جواز کے لیے ایک روایت تو موطا امام محمد کی گزر چکی ہے کچھ روایات درج ذیل ہیں۔

عن ابن عباس ان امراة من ازواج النبي ﷺ اغتسلت من جنابة فتوضا النبي ﷺ بفضلها فذكرت ذالك له فقال ان الماء لا ينجسه شيء رواه احمد ورجاله ثقات.

ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ایک زوجہ نے غسل جنابت فرمایا پھر اس سے بچے پانی سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا۔ زوجہ مقدسہ نے عرض کیا کہ میں نے اس میں سے غسل جنابت کے لیے پانی لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی اور اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

وله عند البزار عن النبي ﷺ انه اراد ان يتوضا فقالت له امراة من نسائه اني توضئت من هذا فتوضا منه فقال ان الماء لاينجسه شيء ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد ج۱ص۲۱۳)

ابن عباس ہی حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جب وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی ایک بیوی بولیں کہ اس پانی سے میں نے وضو کیا ہے۔ آپ نے اس سے وضو کر کے فرمایا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

ان عائشة والنبي ﷺ كانا يغتسلان من اناء واحد يغترف قبلها وتغترف قبله.

(ایک اور حدیث پاک میں جناب عروہ بیان کرتے ہیں۔ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں) سیدہ عائشہ اور حضور ﷺ ایک ہی برتن کے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے کبھی سیدہ عائشہ پہلے چلو بھرتیں اور کبھی حضور ﷺ ہاتھ سے پہلے پانی اٹھاتے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مرد وعورت ایک پانی سے وضو اور غسل کرلیں تو درست اور جائز ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

٨ - بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الرُّعَافِ

نکسیر سے وضو کا حکم

٣٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا رَعُفَ رَجَعَ فَتَوَضَّأَ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰى عَلٰى مَاصَلّٰى.

ہمیں امام مالک نے نافع انہوں نے ابن عمر سے خبر دی کہ ابن عمر کو جب نکسیر پھوٹتی تو نماز چھوڑ کر وضو کرنے چلے جاتے' کسی سے گفتگو نہ کرتے پھر وضو کر کے واپس آکر وہیں سے نماز شروع کرتے جہاں سے چھوڑی ہوتی۔

٣٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ انہیں یزید بن عبداللہ بن قسیط

قُسَيْطٍ اَنَّهٗ رَاٰى سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ رَعُفَ وَهُوَ يُصَلِّىْ فَاَتٰى حُجْرَةَ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَاُتِىَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰى عَلٰى مَا قَدْ صَلّٰى.

نے بتایا کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہیں نکسیر پھوٹی اور وہ نماز میں مصروف تھے تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف آئے، آپ کو وضو کے لیے پانی بھرا برتن دیا گیا جس سے آپ نے وضو کیا اور واپس آ کر اسی نماز پر بنا کی جو پڑھ چکے تھے۔

۳۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الَّذِىْ يَرْعُفُ فَيَكْثُرُ عَلَيْهِ الدَّمُ كَيْفَ يُصَلِّىْ قَالَ يُوْمِئُ اِيْمَاءً بِرَاْسِهٖ فِى الصَّلٰوةِ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے خبر دی کہ جناب سعید بن مسیب سے پوچھا گیا۔ وہ شخص نماز کیسے پڑھے جس کی نکسیر بکثرت پھوٹ رہی ہو؟ فرمایا: سر کا اشارہ کر کے نماز ادا کرے۔

۳۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُجَبَّرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ رَاٰى سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يُدْخِلُ اِصْبَعَهٗ فِىْ اَنْفِهٖ اَوْ اِصْبَعَيْهِ ثُمَّ يُخْرِجُهَا وَفِيْهَا شَىْءٌ مِّنْ دَمٍ فَيَفْتِلُهٗ ثُمَّ يُصَلِّىْ وَلَا يَتَوَضَّاُ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن مجبر بن عبدالرحمٰن بن عمر بن خطاب سے خبر دی کہ انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ اپنی ناک میں ایک یا دو انگلیاں پھیرتے ہیں۔ جب انگلی باہر نکالی تو اس پر کچھ خون لگا تھا آپ نے وضو کیے بغیر نماز ادا کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَّبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ فَاَمَّا الرُّعَافُ فَاِنَّ مَالِكَ بْنَ اَنَسٍ كَانَ لَا يَاْخُذُ بِذَالِكَ وَيَرٰى اِذَا رَعُفَ الرَّجُلُ فِىْ صَلٰوتِهٖ اَنْ يَّغْسِلَ الدَّمَ وَيَسْتَقْبِلَ الصَّلٰوةَ فَاَمَّا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ بِمَا رَوٰى مَالِكٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ يَنْصَرِفُ فَيَتَوَضَّاُ ثُمَّ يَبْنِىْ عَلٰى مَا صَلّٰى اِنْ لَّمْ يَتَكَلَّمْ وَهُوَ قَوْلُنَا وَاَمَّا اِذَا كَثُرَ الرُّعَافُ عَلَى الرَّجُلِ فَكَانَ اِنْ اَوْمَاَ بِرَاْسِهٖ اِيْمَاءً لَمْ يَرْعُفْ وَاِنْ سَجَدَ رَعُفَ اَوْمَاَ بِرَاْسِهٖ اِيْمَاءً وَّ اَجْزَاَهٗ وَاِنْ كَانَ يَرْعُفُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ سَجَدَ وَاَمَّا اِذَا اَدْخَلَ الرَّجُلُ اِصْبَعَهٗ فِىْ اَنْفِهٖ فَاَخْرَجَ عَلَيْهَا شَيْئًا مِّنْ دَمٍ فَهٰذَا لَا وُضُوْءَ فِيْهِ لِاَنَّهٗ غَيْرُ سَائِلٍ وَّلَا قَاطِرٍ وَاِنَّمَا الْوُضُوْءُ فِى الدَّمِ مِمَّا سَالَ اَوْ قَطَرَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں ان تمام روایات پر ہمارا عمل ہے۔ نکسیر کے بارے میں امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ جب کسی آدمی کو دوران نماز نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ خون کو پونچھ دے اور منہ قبلہ کی طرف کیے رکھے اور نماز دوبارہ پڑھ لے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک وہ روایت ہے جو امام مالک نے ابن عمر اور سعید بن مسیب سے روایت فرمائی۔ وہ یہ کہ یہ دونوں حضرات نکسیر پھوٹنے پر نماز چھوڑ کر وضو کرنے تشریف لے گئے پھر واپس آ کر اسی پہلی نماز پر بنا کی لیکن اس دوران گفتگو نہ ہوئی ہو۔ یہی ہمارا بھی قول ہے اور اگر نکسیر بکثرت پھوٹ پڑے تو اگر نماز میں سر زمین پر رکھ کر سجدہ کرتا ہے تو نکسیر بدستور چلتی ہے اور اگر اشارہ کرے تو بند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں سجدہ کے لیے سر سے اشارہ ہی کرے یہ اس کے لیے جائز ہے اور اگر دونوں حالتوں میں نکسیر نہیں تھمتی تو پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی نے اپنی ناک میں انگلی ڈالی پھر باہر نکالنے پر اس پر کچھ خون لگا نظر آیا تو اس صورت میں وضو کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ انگلی پر لگا یہ خون نہ تو بہنے کے اور نہ ہی قطرے والا ہے۔ وضو کا حکم اس خون میں ہے جو بہنے والا یا قطرے والا ہو اور یہی امام

اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے چار ایسے آثار ذکر کیے جس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ نکسیر کے پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی کو امام محمد نے اپنا مسلک فرمایا۔ مذکورہ آثار سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) دوران نماز نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن نماز نہیں ٹوتی۔ اگر نکسیر پھوٹنے والا وضو کر کے واپس آیا اور اس دوران گفتگو نہ کی تو پہلی نماز پر ہی بنا کر سکتا ہے۔

(۲) نکسیر کی کثرت والے شخص کو اگر سجدہ کرنے سے نکسیر پھوٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو سجدہ ہی کرے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر سجدہ کی بجائے اشارہ کرے گا۔

(۳) کسی نے اگر ناک میں انگلی پھیری اور اس پر کچھ خون لگا نظر آیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ خون بہنے والا ہے نمبر تین (۳) کی وجہ احناف یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جب دو آزمائشیں درپیش ہوں تو ان میں سے کم تر کو اختیار کیا جانا چاہیے۔ بکثرت نکسیر پھوٹنے والے شخص کو جب سجدہ کرتے وقت اس میں خطرہ ہو کہ اگر سجدہ کروں گا تو خون بہہ نکلے گا تو اب وہ دو پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ایک یہ کہ اگر سجدہ کرتا ہے تو خون بہنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جس سے نماز کا جاری رکھنا ناممکن ہے اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو نماز کا ایک اہم رکن چھوٹ رہا ہے اب ان میں سے کم تر یہ ہوئی کہ سجدہ کے لیے اشارہ کرے اس طرح نماز بھی جاری رکھی جا سکے گی وضو بھی نہیں ٹوٹے گا اور کپڑوں اور جگہ کی طہارت بھی باقی رہے گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آثار پر ہمارا عمل ہے لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نکسیر پھوٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ نکسیر والے کو ناک صاف کر کے پھر سے نماز پڑھنی چاہیے۔ انہی سے ایک اور روایت جو عبداللہ بن عمر اور سعید بن مسیب سے ہے اس میں نکسیر پھوٹنے والے کے لیے دوبارہ وضو کر کے بغیر کلام کیے وہیں سے نماز شروع کرنی جائز ہے جہاں سے چھوڑ کر وضو کرنے گیا تھا لہٰذا دوران نماز اگر نکسیر پھوٹے تو ناقض وضو ہے اور اگر اس میں بہنے کی صفت موجود نہ ہو تو وضو کی ضرورت نہیں۔

اشکال

غیر مقلدین کا جہاں بہت سے مسائل میں احناف کے ساتھ اختلاف ہے ان میں سے ایک یہ بھی مسئلہ زیر بحث ہے یعنی ان کے نزدیک خون اگر چہ سر سے بہہ کر پاؤں تک پہنچ جائے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مذکورہ احادیث و آثار کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ ان میں مذکورہ وضو سے مراد وضو شرعی نہیں بلکہ عرفی یا لغوی ہے جس سے مراد صرف ہاتھ دھونا ہے۔ ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے۔

عن عبد الملک بن مهران عن ابن عباس ان رجلا قال یا رسول الله انی کلما توضأت سال فقال رسول الله ﷺ اذا توضئت فسال من قرنک الی قدمک فلا وضوء علیک.

(سنن دار قطنی ج اص ۱۵۹)

حضرت ابن عباس سے عبدالملک بن مہران روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں جب بھی وضو کر لیتا ہوں تو خون بہہ نکلتا ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جب تو وضو کر چکے پھر خون تیرے سر سے بہہ کر قدموں تک بھی آ جائے تو بھی تجھ پر کوئی وضو نہیں۔

جواب اول: ہمیں تسلیم کہ مذکورہ حدیث دار قطنی میں موجود ہے لیکن خود دار قطنی کی اس حدیث کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں جو رائے حدیث کے آخر میں لکھی ہے وہ بیان نہیں کی جاتی کیونکہ اس میں غیر مقلدین کا رد موجود ہے۔ امام دار قطنی کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مہران ضعیف ہے لہٰذا ضعف کی وجہ سے حدیث درجہ صحت سے گر گئی لہٰذا اس سے استدلال مضبوط نہیں ہو سکتا اور مزید لکھا لا

یصح۔

جواب دوم: اس حدیث ضعیف کے مقابلہ میں قوی آثار موجود ہیں جن کی اسناد اور متن میں کوئی جرح نہیں ہوئی جن میں چند درج ذیل ہیں۔

عن ابن عمر رضی الله عنه قال اذا رعف الرجل فی الصلوة اوزرعة القیء اووجد مذیا فانه ینصرف فلیتوضا ثم یرجع فیتم مابقی علی مامضی مالم یتکلم. رواه عبد الرزاق فی مصنفه واسناده صحیح. (آثار السنن ج۱ص۳۵باب نواقض الوضو)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب کسی کو دوران نماز نکسیر پھوٹے یا قے آجائے یا مذی پائے تو اسے وضو کر کے وہیں سے نماز پڑھ لینی چاہیے جہاں سے چھوڑی تھی لیکن یہ اس وقت جب اس نے اس دوران کوئی کلام نہ کیا ہو۔

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا قاء احدکم اورعف وهو فی الصلوة او احدث فلینصرف فلیتوضا ثم لیجیی فلیبن علی مامضی رواه دار قطنی اسناده حسن. (التلخیص الحبیر ج۱ص۱۰۶باب شروط الصلوٰۃ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی دوران نماز قے کرے یا اس کی نکسیر پھوٹے یا بے وضو ہو جائے تو نماز کو وہیں ترک کر کے وضو کرنے چلا جائے پھر آکر پہلی نماز پر بنا کرے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہیں۔

وفی جوهر النقی قال ابن ابی شیبة حدثنا علی ابن مسهر عن سعید هو ابن ابی عروبة عن قتادة عن خلاص عن علی رضی الله عنه قال اذا رعف الرجل فی صلوته اوقاء فلیتوضا ولا یتکلم ولیبن علی صلوته رجال هذا السند علی شرط الصحیح. (اعلاء السنن ج۱ص۸۲۔۸۳باب نقض الوضو)

جوہر النقی میں ہے۔ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ علی ابن مسہر نے سعید انہوں نے قتادہ انہوں نے خلاص اور انہوں نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا فرمایا جب کسی شخص کو دوران نماز نکسیر پھوٹ پڑے یا قے آجائے تو اسے گفتگو کیے بغیر وضو کرنا چاہیے اور پھر پہلی نماز پر ہی بنا کرے۔

عن ابراهیم قال اذا سال الدم نقض الوضوء وضوئه. عن عبد العزیز بن عبید الله قال سمعت الشعبی یقول الوضوء واجب من کل دم قاطر قال وسمعت الحکم یقول من دم سائل.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۱۳۷اذا سال الدم اوقطر)

ابراہیم سے ہے کہ جب خون بہہ نکلے تو وضو کو توڑ دیتا ہے۔ عبدالعزیز بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے شعبی کو کہتے سنا وضو کرنا ایسے خون (کے سبب) سے جو قطرے والا ہو واجب ہے اور میں نے حکم سے سنا کہ بہنے والے خون (کے سبب) سے وضو واجب ہے۔

دو عدد آثار مذکورہ اور ایک حدیث پاک جن کی اسناد صحیح ہیں، سے ثابت ہوا کہ نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس ناقض وضو کے ساتھ ان نواقض کا بھی ایک ہی جگہ ذکر ہے۔ جنہیں غیر مقلد بھی ناقض تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایسے اکابر صحابہ کرام نے بھی نکسیر کو نقض وضو میں مذی اور ریح کے برابر شمار فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ جس طرح مذی اور خروج ریح نواقض وضو ہیں اسی طرح نکسیر پھوٹنا بھی ناقض وضو ہے۔

جواب سوم: بعض ضعیف احادیث سے نکسیر کا ناقض وضو ہونا ثابت بالتصریح ہے اور مسلمہ قانون کہ حدیث ضعیف اگر مختلف اسناد سے مروی ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے، کے پیش نظر جب مذکورہ آثار صحیحہ اور حدیث نے اس کی تائید کر دی تو اس کے ناقض وضو نہ

ہونے کا ضعف بھی ختم ہو گیا لہٰذا اس پر عمل درست ثابت ہوا۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اذا رعف احدکم فی صلوته فلینصرف فلیغسل عنه الدم ثم لیعد وضوءه ویستقبل صلوته.

(دار قطنی ج ا ص ۱۵۲ باب فی الوضوء من الخارج من البدن)

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جب دوران نماز تم میں سے کسی کی نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ نماز چھوڑ کر ناک سے خون کو دھوئے پھر وضو کا اعادہ کر کے نماز کو از سر نو پڑھے۔

عن سلیمان قال رانی نبی ﷺ سال من انفی دما فقال احدث وضوء قال المحاملی احدث لما حدث وضوءه.

(دار قطنی ج ا ص ۱۵۶ باب الوضو)

سلیمان کہتے ہیں کہ میری ناک سے خون نکلا اور اسے رسول کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: وضو دوبارہ بناؤ۔ محاملی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ''احدث وضوء'' فرمانا اس لیے تھا کہ نکسیر سے وضوٹوٹ چکا تھا۔

ان ضعیف احادیث سے صراحتہ نکسیر کو ناقض وضو کہا گیا ہے یہ موضوع نہیں۔ جب ان احادیث کی تائید مذکورہ صحیح الاسناد آثار بھی کرتے ہیں تو پھر ان کا ضعف ختم ہو گیا اور نکسیر پھوٹنے سے وضوٹوٹنا ثابت ہو گیا۔

اعتراض

جب خون اور پیشاب تم احناف کے نزدیک نجس ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ خون میں بہنے کی شرط اور پیشاب میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی؟ تمہیں چاہیے کہ جس طرح پیشاب کے نکلنے سے وضوٹوٹنے کا قول کرتے ہو اسی طرح خون کے نکلنے سے بھی یہ قول کرنا چاہیے چاہے وہ بہنے والا ہو یا نہ ہو؟

جواب: اولاً غیر مقلدین کو اس قسم کے اعتراض زیب نہیں دیتے کیونکہ یہ قیاس سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ قیاس کے قائل نہیں ہیں۔ اور تسلیم کی صورت میں جواب یہ ہے کہ خون کے ساتھ مسنوح (بہنے والا) کی قید قرآن کریم نے لگائی ہے۔ اسی طرح یہ قید احادیث مبارکہ میں بھی موجود ہے لہٰذا اس قید کی وجہ سے ہم اس خون کو ناقض وضو کہیں گے جس میں ''بہنے'' کی صفت پائی جائے اور وہی نجس بھی کہلائے گا۔

جواب چہارم: خون استحاضہ سے وضو کا ٹوٹنا متفق علیہ ہے اور یہ بھی بہنے والا خون ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جو ارشاد فرمایا کہ بہنے والے خون سے وضوٹوٹ جاتا ہے یہ تمام بہنے والے خون کو شامل ہے۔ استحاضہ کا ناقض وضوء ہونا درج ذیل حدیث میں موجود ہے۔

عن عروة عن عائشة قالت جاء ت فاطمة ابنة ابی جیش الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله انی امرأة استحاض فلا اطهر افادع الصلوة قال لا انما ذالک عرق ولیست بالحیضة اجتنبی الصلوة ایام حیضک ثم اغتسلی وتوضئ لکل صلوة ثم صلی وان قطر الدم علی الحصیر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۲۶ المستحاضة کیف تصنع)

عروہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت ابی جیش، حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میں استحاضہ کی مریضہ ہوں اور پاک نہیں ہو سکتی کیا میں نماز پڑھنا چھوڑ دوں؟ فرمایا نہیں استحاضہ تو ایک رگ کا خون ہوتا ہے اور حیض نہیں ہوتا نماز سے دوران حیض اجتناب کر اور استحاضہ کے دوران ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کر پھر اس سے نماز پڑھ لیا کر اگر چہ خون کا قطرہ چٹائی پر کیوں نہ گر پڑے۔

۹- بَابُ الْغَسْلِ مِنْ بَوْلِ الصَّبِيِّ

بچے کے پیشاب سے کپڑا وغیرہ دھونا

٤٠- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اُمِّ قَیْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا جَاءَتْ بِابْنٍ لَّهَا صَغِیْرٍ لَّمْ یَاْکُلِ الطَّعَامَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَوَضَعَهُ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ حُجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَ عَلَیْهِ وَلَمْ یَغْسِلْهُ۔

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے انہوں نے ام قیس بنت محصن سے بیان کیا کہ وہ اپنا چھوٹا بیٹا لیے حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں جو ابھی کھانا نہیں تھا تو حضور ﷺ نے اسے اپنی گود میں لے لیا اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگوا کر کپڑے پر چھینٹے ڈالے اور دھویا نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ جَاءَتْ رُخْصَةٌ فِیْ بَوْلِ الْغُلَامِ اِذَا کَانَ لَمْ یَاْکُلِ الطَّعَامَ وَاَمَرَ بِغَسْلِ بَوْلِ الْجَارِیَةِ وَغَسْلُهُمَا جَمِیْعًا اَحَبُّ اِلَیْنَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔

امام محمد کہتے ہیں کھانا نہ کھانے والے لڑکے کے پیشاب میں رخصت آئی ہے اور بچی کے پیشاب والے کپڑے کا دھونا آیا ہے۔ ہمارے احناف کے نزدیک ان دونوں کے پیشاب والا کپڑا دھونا پسندیدہ امر ہے اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٤١- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِصَبِیٍّ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهُ اِیَّاهُ۔

ہمیں امام مالک نے انہیں ہشام بن عروہ نے اور انہیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک بچہ حضور ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوا کر اس پر ڈال دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ نُتْبِعُهُ اِیَّاهُ غَسْلًا حَتّٰی نُنَقِّیَهُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ایسے پر ہمارا عمل ہے ہم اس پیشاب والے کپڑے پر پانی ڈالتے ہیں تاکہ دھل کر وہ صاف ستھرا ہو جائے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لڑکا یا لڑکی جب دودھ پینے کی عمر میں ہوں اور ابھی انہوں نے کھانا شروع نہ کیا ہو تو ان کے پیشاب میں اختلاف ہے۔ بعض لڑکے کے پیشاب کو نجس نہیں کہتے اور تمام لڑکی کے پیشاب کو نجس کہتے ہیں لڑکی کے پیشاب والا کپڑا دھونا ضروری ہے اور لڑکے کے پیشاب والے کپڑا دھونے کی غرض سے پانی بہانا چاہیے۔ یہ مسلک احناف کا ہے احناف کے نزدیک دودھ پینے والے میں مذکر و مؤنث کا کوئی امتیاز نہیں دونوں کا پیشاب نجس ہے۔

اعتراض

احناف کا مذکورہ نظریہ صریح حدیث کے خلاف ہے جسے مصنف ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو۔

عن لبابة ابنة الحارث قالت بال الحسین ابن علی علی حجر النبی ﷺ فقلت یا رسول الله اعطنی ثوبک والبس ثوبا غیره فقال انما ینضح من بول الذکر ویغسل من بول الانثی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۰)

لبابہ بنت الحارث کہتی ہیں کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے حضور ﷺ کی گود میں پیشاب کیا تو میں نے عرض کیا حضور! اپنا کپڑا اتار کر مجھے دیجئے اور کوئی دوسرا کپڑا زیب تن فرما لیجئے فرمایا: لڑکے کا پیشاب گرنے پر صرف چھینٹے دینا کافی ہے اور لڑکی کے پیشاب والے کپڑے کو دھویا جاتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں فرق ہے دونوں کا حکم ایک نہیں اس لیے احناف کا مسلک غلط ہے۔

جواب اول: مختلف احادیث میں بچے کے پیشاب والے کپڑے کے بارے میں نضح، صب اور اتباع الماء کے الفاظ ملتے

ہیں۔جن کا بالترتیب معنی پانی گرانا، پانی بہانا اور پانی کا پیشاب سے تر شدہ جگہ پر پیچھے پیچھے بہانا ہے۔ ان الفاظ سے مراد غسل (دھونا) ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث میں صراحۃً موجود ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها ان النبی ﷺ اوتی بصبی بال علیه فاتبعه الماء فلم یغسله .

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو ایک بچہ پکڑایا گیا تو اس نے آپ پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے اس کے پیچھے پانی بہایا پھر نہ دھویا۔

عن ابی لیلی قال کنا عند النبی ﷺ جلوسا فجاء الحسین بن علی یحبو جلس علی صدره وبال علیه قال فابتدرناه ونأخذه وقال النبی ﷺ ابنی ابنی ثم دعا بماء فصبه علیه .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۲۰ کتاب الطہارت)

ابو لیلیٰ سے مروی کہ ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے تھے کہ حسین بن علی گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے آئے اور حضور کے سینہ اقدس پر بیٹھ گئے اور پیشاب کر دیا۔ ہم انہیں پکڑنے کے لیے لپکے آپ نے فرمایا: میرا بیٹا ہے میرا بیٹا ہے پھر آپ نے پانی منگوایا اور اس پر انڈیل دیا۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يوتى بصبيان فيدعولهم اتى بصبي مرة فبال عليه فقال صبوا عليه الماء صبا.

(طحاوی شریف ج ا ص ۹۳ مطبوعہ بیروت)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے ہاں لوگ بچے لاتے تاکہ آپ ان کے حق میں دعا فرمائیں۔ ایک مرتبہ ایک بچے نے آپ پر پیشاب کر دیا تو فرمایا: اس پر پانی اچھی طرح انڈیل دو۔

عن هشام بن عروة فقال فيه فدعا بماء فنضحه عليه وقال مالك و ابو معاوية وعبدة بن هشام بن عروة فدعابماء فصب عليه فدل ذالك ان النضح عندهم الصب.

(طحاوی شریف ج ا ص ۹۳ بول الغلام والجاریہ)

ہشام بن عروہ نے اس بارے میں کہا پس آپ نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا، اور امام مالک، ابو معاویہ اور عبدہ بن ہشام بن عروہ نے کہا: کہ آپ نے پانی منگوا کر اس پر انڈیل دیا لہٰذا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ چھینٹے مارنا ان کے نزدیک انڈیلنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

دودھ پیتے بچے بچی کے متعلق جبکہ وہ کپڑے پر پیشاب کر دے تو اس بارے میں اگرچہ بہت سی دیگر کتب احادیث میں احادیث وارد ہیں۔ ہم نے صرف چند کو اس لیے ذکر کیا تاکہ ان میں مذکور لفظ "نضح" کا معنی واضح ہو سکے لہٰذا جس لفظ سے غیر مقلدین بچے کے پیشاب والے کپڑے کو دھونے کی بجائے صرف چھینٹے مار دینے کو کافی سمجھتے ہے اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ اہل عرب کے نزدیک مذکورہ لفظ "صب" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور صب کا معنی پانی بہانا ہے، تو ثابت ہوا کہ اہل عرب کے نزدیک آلود کپڑے کا ایک ہی حکم ہے اور یہ کہ دونوں کا پیشاب نجس ہے۔

جواب دوم: یہ بات ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے کہ کپڑے کو چھینٹوں کے ذریعہ دھویا نہیں جا سکتا بلکہ پہلے سے زیادہ گیلا ہو جاتا ہے۔ جب کسی کپڑے پر پیشاب گرا اور اس پر پانی کے چھینٹے دیئے گئے تو اب چھینٹوں کے بعد کپڑے کا تر حصہ بڑھ جائے گا اور پانی سے پیشاب کا اثر زائل ہونے کی بجائے پھیل جائے گا اس سے بہتر تھا کہ چھینٹے ہی نہ مارے جاتے لیکن حضور ﷺ نے لڑکے کے پیشاب والے کپڑے پر "نضح" کیا اور اسی کا حکم دیا، اور لڑکی کے لیے دھونے کا ارشاد فرمایا۔ بات دراصل یہ ہے کہ لڑکے کے پیشاب کا مخرج بہ نسبت لڑکی کے تنگ اور لڑکی کا فراخ ہوتا ہے اس لیے وہ تنگی مخرج کی بنا پر سارے کپڑے پر نہیں گرتا اور یہ فراخی مخرج کی بنا پر وہیں پھیل جاتا ہے۔ اس فرق کی بنا پر ایک میں تخفیف رکھی گئی اور دوسرے میں نہیں لیکن دونوں کی نجاست میں فرق نہیں ہے

یعنی لڑکے کے پیشاب والے کپڑے کو ہلکا دھونا چاہیے اور لڑکی کے پیشاب والے کپڑے کو اچھی طرح دھونا چاہیے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ لڑکا عام طور پر باپ کے ساتھ مجالس میں جاتا ہے، اور اس کے پیشاب کا معاملہ بکثرت واقع ہوتا ہے لہٰذا کثرت کے پیش نظر اس میں حکم لڑکی کی بہ نسبت خفیف رکھا گیا ہے۔

جواب سوم: لفظ "نضح" کے معنی میں جو لوگ "چھڑکنے" پر اصرار کرتے ہیں اور پھر اس سے لڑکے کے پیشاب والے کپڑے پر صرف چھینٹے دینے کو کافی سمجھتے ہیں ان کے لیے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں یہی لفظ صراحۃً مذکور ہے اور اس کے معنی یہ نہیں بلکہ "دھونا" متفقہ طور پر کیا جاتا ہے لہٰذا یہ اصرار ایک حدیث صریح کا انکار بن جائے گا۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت سالت امراة رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ ارایت احدنا اذا اصاب ثوبها الدم من الحیضة کیف تصنع قال رسول الله ﷺ اذا اصاب ثوب احدکن من الحیضة فلتقوصه ثم لتنضح بماء ثم لتصل فیه. متفق علیه.

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۵ الفصل الاول باب تطہیر النجاسات)

اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم عورتوں میں سے کوئی اپنے کپڑے پر حیض کا خون لگا دیکھے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے کھرچنا چاہیے۔ پھر پانی کے ساتھ نضح کرنا چاہیے پھر اس میں نماز پڑھ لینی چاہیے۔

وعن ام الفضل قالت لما ولد الحسین قلت یا رسول الله ﷺ اعطنیه او ادفعه الی فلا کفله او ارضعه بلبنی ففعل فاتیته به فوضعه علی صدره فبال علیه فاصاب ازاره فقلت له یا رسول الله اعطنی ازارک اغسله قال انما یصب علی بول الغلام ویغسل بول الجاریة. رواه الطحاوی واسناده حسن.

(آثار السنن ج ا ص ۱۸ باب ماجاء فی بول الصبی)

ام فضل کہتی ہیں کہ جب حسین بن علی پیدا ہوئے تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ یہ بچہ مجھے دے دیں میں اس کی کفالت کروں گی یا اپنا دودھ پلاؤں گی۔ آپ نے ایسا کر دیا پھر میں ایک دفعہ حسین کو حضور کے پاس لائی۔ آپ نے اسے اپنے سینے پر بٹھالیا تو اس نے آپ پر پیشاب کر دیا جو آپ کی چادر (تہبند) کو گیلا کر گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنا تہبند دیجئے تاکہ میں دھو لاؤں فرمایا لڑکے کے پیشاب والے کپڑے پر "صب" کیا جاتا ہے اور لڑکی کے پیشاب والے کپڑے کو دھویا جاتا ہے۔ اسے طحاوی شریف نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہیں۔

فقد رواه الطبرانی فی الاوسط من حدیث ام سلمة باسناد حسن قالت بال الحسن او الحسین علی بطن رسول الله ﷺ فترکه حتی قضی بوله ثم دعا بماء فصب علیه.

(فتح الباری ج ا ص ۳۲۶ باب بول الصبیان)

طبرانی نے اوسط میں روایت کی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں امام حسین یا حسن نے حضور ﷺ کے شکم اطہر پر پیشاب کر دیا تو آپ نے انہیں پیشاب سے مکمل فراغت کا موقعہ بہم فرمایا پھر پانی منگوا کر اس پر بہا دیا۔

مذکورہ دونوں احادیث جن کی اسناد صحیح ہیں، سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے لڑکے کے پیشاب والے کپڑے پر چھینٹے نہیں ڈالے بلکہ ان پر پانی گرایا اور یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ کا

مسلک احادیث صحیح الاسناد اور آثار صحیح الاسناد سے ثابت ہے۔

١٠ - بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الْمَذِيْ

٤٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ مَعْمَرٍ التَّيْمِيِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَمَرَهٗ اَنْ يَّسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ اِذَا اَدْنٰى مِنْ اَهْلِهٖ فَخَرَجَ مِنْهُ الْمَذْيُ مَاذَا عَلَيْهِ فَاِنَّ عِنْدِيْ اِبْنَتَهٗ وَاَنَا اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْاَلَهٗ فَقَالَ الْمِقْدَادُ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْضِحْ فَرْجَهٗ وَلْيَتَوَضَّاْ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ.

٤٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنِّيْ لَاَجِدُهٗ يَتَحَدَّرُ مِنِّيْ مِثْلَ الْخُرَيْزَةِ فَاِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ ذَالِكَ فَلْيَغْسِلْ فَرْجَهٗ وَلْيَتَوَضَّاْ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْمَذْيِ وَيَتَوَضَّاُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

٤٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الصَّلْتُ بْنُ زُبَيْدٍ اَنَّهٗ سَاَلَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ عَنِ الْبَلَلِ يَجِدُهٗ فَقَالَ اِنْضِحْ مَاتَحْتَ ثَوْبِكَ بِالْمَاءِ وَالْهَ عَنْهُ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا كَثُرَ ذَالِكَ مِنَ الْاِنْسَانِ وَاَدْخَلَ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ فِيْهِ الشَّكَّ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

١١ - بَابُ الْوُضُوْءِ مِمَّا يَشْرَبُ مِنْهُ السِّبَاعُ وَتَلِغُ فِيْهِ

٤٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ

مذی کی وجہ سے وضو کا ہونا

ہمیں امام مالک نے انہیں سالم ابوالنضر نے انہیں سلیمان بن یسار اور انہوں نے مقداد بن اسود سے خبر دی کہ ایک مرتبہ حضرت علی بن ابی طالب نے حکم دیا کہ تم حضور ﷺ سے پوچھو جب آدمی اپنی بیوی کے قریب جائے اور مذی نکل آئے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ میں (علی المرتضیٰ) بوجہ اس کے کہ میرے ہاں حضور کی صاحبزادی ہے یہ پوچھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مقداد کہتے ہیں میں نے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مذی پائے تو اسے اپنی شرمگاہ دھو لینی چاہیے اور نماز والا وضو کر لینا چاہیے۔

ہمیں امام مالک نے انہیں زید بن اسلم نے انہیں ان کے والد نے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے مذی اس طرح نکلتی تھی جیسے موتی یا بلور کا دانہ ہو لہٰذا جب تم میں سے کوئی اسے پائے تو اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور نماز والا وضو کرے۔

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے کہ مذی کی جگہ کو دھویا جائے گا اور نماز والا وضو کیا جائے گا اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

ہمیں امام مالک نے انہیں صلت بن زبید نے خبر دی انہوں نے سلیمان بن یسار سے موجود تری (مذی) کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اپنی چادر (تہبند) کے نیچے (یعنی شرمگاہ) پر پانی چھڑک کر مطمئن ہو جا۔

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے جب انسان کو یہ عارضہ بکثرت لاحق ہو اور شیطان اسے شک میں ڈالے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

اس پانی سے وضو کرنے کے بیان میں کہ جس سے درندے نے پیا ہو اور منہ ڈالا ہو

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے محمد بن

مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبِ بْنِ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ فِيْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا.

ابراھیم التیمی سے انہوں نے یحییٰ بن عبد الرحمٰن سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کچھ سواروں کے ہمراہ چلے جن میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے چلتے چلتے ایک حوض پر پہنچے تو عمرو بن العاص نے حوض کے مالک سے پوچھا کیا تمہارے اس حوض پر درندے آتے ہیں؟ اس پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بول پڑے اور حوض والے سے فرمانے لگے۔ ہمیں اس بارے میں خبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کبھی ہم (یعنی انسان) پہلے حوض پر آ جاتے ہیں اور کبھی ہم سے پہلے وہ آ جاتے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا كَانَ الْحَوْضُ عَظِيْمًا اِنْ حُرِّكَتْ مِنْهُ نَاحِيَةٌ لَمْ تَتَحَرَّكْ بِهِ النَّاحِيَةُ الْاُخْرٰى لَمْ يُفْسِدْ ذٰلِكَ الْمَاءَ مَا وَلَغَ فِيْهِ مِنْ سَبُعٍ وَلَا مَا وَقَعَ فِيْهِ مِنْ قَذَرٍ اِلَّا اَنْ يَغْلِبَ عَلٰى رِيْحٍ اَوْ طَعْمٍ فَاِذَا كَانَ حَوْضًا صَغِيْرًا اِنْ حُرِّكَتْ مِنْهُ نَاحِيَةٌ تَحَرَّكَتِ النَّاحِيَةُ الْاُخْرٰى فَوَلَغَ فِيْهِ السِّبَاعُ اَوْ وَقَعَ فِيْهِ الْقَذَرُ لَا يُتَوَضَّأُ مِنْهُ اَلَا يُرٰى اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ اَنْ يُخْبِرَهُ وَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام محمد فرماتے ہیں جب حوض اتنا بڑا ہو کہ اس کی ایک طرف (یا کنارہ) کو حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت میں نہ آتی ہو تو وہ پانی کسی درندے کے منہ ڈالنے یا گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا اور ہاں اگر اس کی بدبو اور ذائقہ تبدیل ہو جائے تو پھر ناپاک ہو گیا اور اگر حوض چھوٹا ہو کہ اس کی ایک طرف کی حرکت سے دوسری طرف بھی حرکت میں آ جائے۔ پھر ایسے حوض میں کوئی درندہ منہ ڈال دے یا گندگی گر جائے تو اس سے وضو نہیں کیا جائے گا (کیونکہ وہ ناپاک ہو جاتا ہے)۔ کیا دیکھتے نہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حوض کے مالک کو عمرو بن العاص کی بات کا جواب دینا اچھا نہ جانا اور اس سے منع کر دیا۔ یہ تمام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوض کے مالک کو جناب عمرو بن العاص کے سوال کا جواب دینے سے روک دینا اس کی وجہ یہ تھی کہ پانی اصل میں پاک ہوتا ہے جب تک اس کے ناپاک ہونے کی دلیل نہیں ملتی۔ اس کی طہارت قائم رہتی ہے۔ یہی احناف کا مسلک ہے۔ بعض لوگ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ پانی زیادہ ہو یا دو مٹکوں تک ہو اس کو کوئی ناپاک چیز، نجس نہیں کر سکتی۔ حدیث مذکور اس خیال و استدلال کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ اس مفہوم کے پیش نظر حضرت عمر بن الخطاب کا منع کرنا درست نہ ہوتا اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح و توضیح میں حوض کبیر اور حوض صغیر کے احکام بیان فرمائے۔ مختصر یہ کہ حوض کبیر (جس کی حد فقہاء کرام نے دہ دردہ ہاتھ بیان فرمائی) میں نجاست پڑنے سے پانی اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کی بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہو جائے۔ ہاں حوض صغیر فقط نجاست گرنے سے ہی ناپاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض

حدیث پاک میں دو مٹکے پانی کو نجاست پڑنے پر پاک ہی کہا گیا ہے یہ مسلک احناف کے خلاف ہے؟ حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

حدثنا المغيرة بن سقلاب عن محمد بن

مغیرہ بن سقلاب نے ہمیں محمد بن اسحاق سے انہوں نے نافع

اسحاق عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا كان الماء قلتين لم ينجسه شیء.

اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب پانی دو مٹکے ہو تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔

(الکامل فی الضعفاء الرجال ج۲ص۲۳۵۸)

جواب اول: حدیث مذکور مجروح ہے اس کے راوی مغیرہ بن سقلاب کو کتب اسماء الرجال میں منکر الحدیث لکھا گیا ہے بلکہ اسے روایت حدیث میں نا قابل اعتبار تک کہا گیا ہے الکامل فی الضعفاء الرجال میں ہی اس کے راوی کے بارے میں یوں مذکور ہے۔

"مغيرة بن سقلاب الحرانی منكر الحديث ابا بشر".

سمعت ابا عروة يقول سمعت محمد بن يحيى بن كثير يقول سمعت ابا جعفر بن نفيل يقول وذكر المغيرة بن سقلاب فقال لم يكن مؤتمنا على حديث رسول الله ﷺ.

میں نے ابوعروہ سے کہتے سنا انہوں نے محمد بن یحیٰی بن کثیر سے اور انہوں نے ابوجعفر بن نفیل سے مغیرہ بن سقلاب کے ذکر پر کہتے سنا کہ وہ حضور ﷺ کی حدیث پر قابل اعتبار نہیں تھا۔

(الکامل فی الضعفاء الرجال ج۶ص۲۳۵۷)

وروى ابن عدى من حديث ابن عمر اذا بلغ الماء قلتين من قلال هجر لم ينجسه شیء وفی اسناده المغيرة بن سقلاب وهو منكر الحديث قال النفيلی لم يكن مؤتمنا على الحديث وقال ابن عدی لايتابع.

ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے مروی حدیث بیان کی "جب پانی دو مٹکے ہو جائے تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی" اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن سقلاب ہے جو منکر الحدیث ہے۔ نفیلی نے کہا: مغیرہ بن سقلاب حدیث کے بارے میں قابل اعتبار نہیں اور ابن عدی نے کہا، کہ اس کی بات نہیں مانی جاتی۔

(دارقطنی ج۱ص۲۴، لسان المیزان ج۶ص۷۸ کتاب الطہارۃ)

لہٰذا معلوم ہوا کہ دو مٹکوں والی حدیث کی سند میں اضطراب ہے اور جرح بھی ہے اگر چہ اس کے اور بھی طرق روایت ہیں لیکن مضطرب اور مجروح ہونے کی وجہ سے قابل استدلال وحجت نہیں ہے۔

جواب دوم: جس طرح مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے مضطرب ہے اسی طرح متن کے اعتبار سے بھی مضطرب ہے اس کے متن کے اضطراب کے بارے میں دارقطنی میں مفصل تذکرہ ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر چند روایات پر اکتفا کر رہے ہیں۔

عن مجاهد عن ابن عباس اذا كان الماء قلتين فصاعدا لم ينجسه شیء.

حضرت ابن عباس سے جناب مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جب پانی دو مٹکے اور اس سے زائد ہو تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

(دارقطنی ج۱ص۲۵ کتاب الطہارۃ)

عن عاصم بن المنذربن الزبير قال دخلت مع عبيد الله بن عبد الله بن عمر بستانا فيه مقراة ماء فيه جلد بعير ميت فتوضا منه فقلت له اتوضا منه وفيه جلد بعير ميت؟ فحدثنی عن ابيه عن النبی ﷺ قال اذا بلغ الماء قلتين او ثلاثا لم ينجسه

عاصم بن منذر بن زبیر کہتے ہیں کہ میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر کے ساتھ ایک باغ میں گیا جس میں پانی کا ایک حوض تھا اور اس میں مرے ہوئے اونٹ کا چمڑا پڑا ہوا تھا۔ عبید اللہ بن عبد اللہ نے اس کے پانی سے وضو کیا تو میں نے پوچھا: آپ نے اس پانی سے وضو کیا حالانکہ اس میں مرے ہوئے اونٹ کا چمڑا پڑا ہوا ہے؟

شیء. (دار قطنی ج ا ص ۲۲)

تو انہوں نے اپنے والد سے مجھے ایک حدیث سنائی وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب پانی دو یا تین مٹکے ہو تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی۔

عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ اذا بلغ الماء اربعين قلة فانه لايحمل الخبث. (دار قطنی ج ا ص ۳۶)

جابر بن عبد اللہ سے محمد بن منکدر نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب پانی چالیس مٹکوں تک پہنچ جائے تو وہ گندہ (ناپاک) نہیں ہوتا۔

واما الاضطراب من جهة المتن ففي بعضها قلتين وفي بعضها باسناد صحيح قلتين اوثلثا وفي رواية موقوفة صحيحة اربعين قلة وكذالك في رواية مرفوعة اربعين قلة لكنها لا يخلو من ضعف.

(آثار السنن ج ا ص ۴)

متن کے اعتبار سے مذکورہ حدیث میں اضطراب یوں ہے کہ بعض میں دو مٹکے بعض میں صحیح اسناد کے ساتھ دو یا تین مٹکے اور ایک صحیح موقوف روایت میں چالیس مٹکے اور اسی طرح ایک مرفوع روایت میں بھی چالیس مٹکے آیا ہے لیکن یہ ضعف سے خالی نہیں ہے۔

تو معلوم ہوا کہ حدیث قلتین میں سند کی طرح متن میں بھی اضطراب ہے جس کی وجہ سے مقام حجت میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

جواب سوم: روایت مذکورہ باعتبار معنی بھی مضطرب ہے ملاحظہ ہو۔

واما الاضطراب من جهة المعنى فالقلة مشتركة بين رأس الرجل والجرة والقرية وغير ذالك لم يثبت مقدارها قال الطحاوى ان هاتين القلتين لم يبين لنا فى هذه الاثار ما مقدارهما فقد يجوز ان يكون مقدار هما قلتين من قلال هجر كما ذكر تم ويحتمل ان تكون قلتين اريد بهما قلة الرجل وهى قامته فاريد اذا كان الماء قلتين اى قامتين لم يحمل نجسا لكثرته ولانه يكون ذالك فى معن الانهار. فخلاصة الكلام ان الحديث مضطرب والاضطراب يورث الضعف ومع ذالك لم يبين مقدار القلتين ولم يثبت تحديد هما.

(آثار السنن ج ا ص ۵-۶)

معنیٰ کے اعتبار سے اضطراب یوں کہ لفظ قلۃ آدمی کا سر، گھڑے اور بستی وغیرہ میں مشترک ہے جس کی مقدار کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ امام طحاوی کہتے ہیں ان دونوں قلہ جات کا مذکورہ آثار میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کی مقدار کیا ہے؟ یہ بات جائز ہے کہ ان سے مراد ہجر کے قلہ جات ہوں جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے اور احتمال یہ بھی ہے کہ ان سے مراد قلۃ الرجل یعنی آدمی کا سر ہو تو اس احتمال کے پیش نظر معنی یہ ہوگا کہ جب پانی دو آدمیوں کے قد کے برابر ہو تو وہ کثیر ہونے کی وجہ سے نجس نہیں ہوسکتا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ دو آدمیوں کے قد کے برابر سے مراد "نہر" کا پانی ہو لہٰذا خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حدیث مذکورہ مضطرب ہے اور اضطراب کی وجہ سے اس میں ضعف آگیا اور اس کے ساتھ ساتھ نہ تو حدیث مذکور میں دو قلتین کی مقدار بیان کی گئی اور نہ ہی ان کی حد بندی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! جو حدیث تین اعتبار سے مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ غیر واضح اور غیر مبین ہو اس سے استدلال کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

جواب چہارم: اس حدیث قلتین کے مقابلہ میں ایسی احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کی دو قلتین میں نجاست پڑنے سے اس کے ناپاک ہو جانے کی تصریح موجود ہے۔

دو قلہ جات پانی میں نجاست پڑنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے

عن عطاء ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فامر ابن الزبیر فنزح ماء ھا فجعل الماء لا ینقطع فنظر فاذا عین تجری من قبل الاسود فقال ابن الزبیر حسبکم. (الطحاوی شریف ج ا ص ۱۷)

جناب عطاء بیان کرتے ہیں کہ ایک حبشی زمزم کے کنوئیں میں گر کر مر گیا تو اس پر جناب ابن زبیر نے فرمایا کہ تمام پانی نکالا جائے لیکن پانی ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ دیکھا تو حجر اسود کی طرف سے چشمہ جاری تھا۔ اس پر ابن زبیر نے فرمایا: چھوڑ دو۔

اثر مذکور سے ثابت ہوا کہ دو قلے پانی یا اس سے زیادہ میں ناپاکی متصور ہے۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر نے حبشی کے گرنے پر زمزم کے کنوئیں کو نجس قرار دے کر اس کا پانی نکالنے کا ارشاد فرمایا اور یہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اگر وہ پانی ناپاک نہ ہوتا تو اسے نکالنے کا حکم ارشاد فرمانا کیا معنی رکھتا ہے حالانکہ کنوئیں کا پانی دو قلے کہاں چالیس پچاس قلوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور جب سارے پانی کی مقدار اندازا نکالنے پر پتہ چلا کہ زمین سے چشمہ کی صورت میں پانی لگا تار نکل رہا ہے تو آپ نے فرمایا: اب چھوڑ دو اس کی طہارت ہو گئی۔

حدثنا محمد بن حمید بن الھشام الرعینی قال حدثنا علی بن معبد قال حدثنا موسی بن اعین عن عطار عن میسرۃ وذاذان عن علی رضی اللہ عنہ قال اذا سقطت الفارۃ او الدابۃ فی البیر فانزحھا متی یغلبک الماء. (طحاوی ج ا ص ۱۷ فی الطہارۃ)

حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوہا یا کوئی اور چار پایہ گر کر مر جائے تو تمام پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تجھ پر غالب آ جائے۔

اس اثر سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک کنواں بھی نجس ہو جاتا ہے حالانکہ کنوئیں کا پانی عام طور پر دو قلوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے لہٰذا دو قلوں کے نجس نہ ہونے کا معاملہ درست نہیں۔

کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے

حدثنا عبد الرحمن الاعرج قال سمعت ابا ھریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل منہ. (طحاوی شریف ج ا ص ۱۵ صحیح البخاری ص ۱۵)

ہمیں عبد الرحمٰن اعرج نے حدیث سنائی کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہرگز ہرگز کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے جو بہتا نہ ہو اور پھر اسی سے نہاتا ہو۔

عن ابن الزبیر عن جابر عن النبی ﷺ انہ نھی ان یبال فی الماء الراکد ثم یتوضأ منہ. (طحاوی شریف ج ا ص ۱۵)

عبداللہ بن زبیر، حضرت جابر اور وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا پھر اس سے وضو کرنے سے بھی۔

مذکورہ دونوں حدیثیں کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع پر صراحت کرتی ہیں اور یہ منع اسی لیے ہے کہ پیشاب پڑنے سے وہ پانی نجس ہو جاتا ہے اس میں ''قلتین'' کی کوئی قید نہیں تو معلوم ہوا کہ جو پانی بھی کھڑا ہو چاہے وہ دو مٹکے کے برابر ہو وہ نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔

پانی والے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فليرقه ثم ليغسله سبع مرات. رواه مسلم والنسائی والدار قطنی وقال اسناده حسن رواته کلهم ثقات.

(دار قطنی ج ۱ ص ۶۳ باب ولوغ الکلب فی الاناء)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس پانی کو گرا دینا چاہیے پھر اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔

حسن الاسناد اور ثقہ راویوں سے ذکر کردہ اوپر والی حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی برتن کے پانی میں کتا منہ ڈال دے تو پانی ناپاک ہونے کے ساتھ ساتھ برتن کو بھی سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا کیونکہ پانی ناپاک ہو جانے کی صورت میں اس برتن کے ساتھ لگنے کی وجہ سے برتن میں بھی ناپاکی اثر کر گئی۔ حضور ﷺ نے برتن چھوٹا بڑا ہونے کی کوئی قید نہ لگا کر یہ بتا دیا کہ کھڑا پانی چاہے دو مٹکے کے برابر ہو اس میں نجاست پڑنے یا ملنے سے وہ نجس ہو جاتا ہے، یہ حکم "مـاء راکد" کا ہے یعنی کھڑا رہنے والے پانی کا حکم ہے اور اگر پانی میں بہاؤ ہو تو وہ مخصوص حالت میں ناپاک ہوتا ہے' ملاحظہ ہو۔

قال ابو جعفر فلما خص رسول الله ﷺ الماء الراکد الذی لایجری دون الماء الجاری علمنا بذالک انه انما فصل ذالک لانه النجاسته تداخل الماء الذی لایجری ولا تداخل فی الماء الجاری.

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۵)

ابو جعفر (طحاوی) نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے ناپاک ہونا ایسے پانی کے ساتھ خاص کر دیا جو کھڑا ہوا اور بہتا نہ ہو تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ نے کھڑے اور جاری میں امتیاز اس لیے فرمایا کیونکہ کھڑے اور نہ بہنے والے پانی میں جب گندگی گرتی ہے تو وہ اس میں گھل جاتی ہے اور پانی میں مل جاتی ہے لیکن بہنے والے پانی میں گھل مل جانا نہیں ہوتا۔

جواب پنجم: قلتین کی حدیث جنگلی تالابوں کے بارے میں ہے کیونکہ وہ برائے نام گہرے ہوتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے تو ان کا پانی پھیل جاتا ہے گہرائی نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پانی دو قلہ جات ہو سکتا ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ابن عمر قال سئل رسول الله ﷺ عن الماء يکون بارض الفلات وما ينوبه من السباع والدواب فقال اذا کان الماء قلتين لم يحمل الخبث.

(ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۴۴)

ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے جنگل کے پانی کے متعلق پوچھا گیا کہ اس میں سے درندے اور چوپائے گزرتے ہوں تو آپ نے فرمایا: جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ پلید نہیں ہوتا۔

پہلے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ دو (۲) مٹکے پانی نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ اگر اس مضمون کی حدیث کا ثابت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے مراد وہ پانی ہوگا۔ جو سطح زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ اسی کی تائید ترمذی کے لفظ کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ وهو يسئل عن الماء يکون فی الفلات من الارض وما ينوبه من السباع والدواب قال اذا کان الماء قلتين لم يحمل الخبث.

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱ باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء مطبوعہ امین کمپنی دہلی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کسی نے آپ سے دریافت کیا جنگل کے پانی کے بارے میں پاک و ناپاک ہونے کے متعلق کیا حکم ہے جس میں سے درندے اور چوپائے گزرتے ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: اگر دو مٹکے برابر ہو تو وہ خبث کو نہیں اٹھاتا۔

خلاصۂ جواب یہ ہوا کہ دو مٹکے پانی ناپاک نہ ہونے والی حدیث سے مراد جنگلات میں سطح زمین پر پھیلا ہوا پانی مراد ہے اور دو مٹکوں کا پانی پھیل کر دس گز مربع کی مقدار اختیار کر لیتا ہے اور اس مقدار طول وعرض کا پانی احناف کے نزدیک حوض کبیر کے حکم میں ہے جو ناپاک نہیں ہوتا اس کی دوسری طرف وضو کرنا جائز ہے۔

حوض کبیر کی تعریف وتحدید اور اس کے پانی کے ناپاک نہ ہونے کی وجہ

ایسا پانی جو کھڑا ہو اور اس کا رقبہ سو مربع ہاتھ ہو اور گہرائی اتنی کہ چلو بھرنے سے زمین نظر نہ آئے' حوض کبیر کہلاتا ہے اور ''دہ دردہ'' بھی یہی پانی ہے۔ یہ پانی نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں پانی ملنے کی بہ نسبت حرکت جلد سرایت کرتی ہے یعنی اگر حوض کے ایک کنارے کے پانی میں پانی ڈالا جائے تو وہ بھی پانی میں مل کر پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح کنارے کے پانی کو ہاتھ یا کسی اور چیز سے حرکت دی جائے تو وہ بھی ادھر ادھر پھیلنی شروع ہو جاتی ہے لیکن دونوں میں سے حرکت کی سرایت زیادہ ہے اس لیے حوض کبیر کی طہارت وعدم طہارت میں حرکت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک کنارے کے پانی کو حرکت دینے سے دوسرے کے کنارے کا پانی بھی متحرک ہو جائے تو یہ اور اثر رکھتا ہے، اور اگر دوسرا کنارہ متحرک نہ ہو تو دوسرا حکم ہوگا۔ اب اگر کسی نے حوض کبیر کے ایک کنارے کے پانی میں پیشاب کر دیا یا نجاست ڈال دی تو دوسرے کنارے کے پانی سے وضوء یا غسل کرنا درست ہے کیونکہ اس کنارے کی نجاست دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ پائی اور یہ حوض جاری پانی کے حکم میں اسی وجہ سے ہے کیونکہ جاری پانی میں نجاست گرنے سے ایک جگہ پر قائم نہیں رہتی بلکہ بہاؤ کی طرف چلی جاتی ہے اور چونکہ پیچھے سے پاک پانی بھی اس میں لحہ بہ لحہ مل رہا ہے لہٰذا اس نجاست کی سرایت بہت کمزور بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوگئی۔ ہاں اگر حوض کبیر میں اس قدر گندگی جمع ہو جائے کہ جس سے اس کی بو، رنگ اور مزہ تبدیل ہو جائے تو پھر اس سے طہارت کا حصول درست نہیں ہے۔ فقہائے کرام احناف نے ''دہ دردہ'' حوض کے پانی کی مقدار نہیں بلکہ اس کے رقبہ کا لحاظ کیا ہے دیکھئے کہ کنواں چونکہ دہ دردہ رقبہ کے لحاظ سے نہیں اگرچہ اس کا پانی دہ دردہ حوض سے بھی بڑھ کر مقدار میں ہو۔ گندگی گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے اسی سے قلتین کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے یعنی قلتین سے مقدار میں کہیں بڑھ کر کنوئیں کا پانی ہوتا ہے اور اس کو پیشاب وغیرہ گرنے سے سبھی ناپاک تسلیم کرتے ہیں۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

اگر حوض نیچے دہ دردہ اور اوپر کم ہے تو جب تک پانی نیچا دہ دردہ کی جگہ تک ہے نہ نجاست سے ناپاک ہوگا اور نہ وضو وغسل سے مستعمل اور اگر پورا بھر دیا جہاں بالائی سطح دہ دردہ سے کم ہے تو مستعمل ہو جائے گا اور نجاست سے ناپاک بھی یعنی اوپر کا حصہ جہاں تک وہ دہ دردہ سے کم ہے نیچے کا حصہ پاک رہے گا یہی اصح ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۲۹۰)

اعتراض

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ کان یتوضاء من بیر بضاعۃ فقیل یا رسول اللہ انہ یلقی فیہ الجیف والمحائض فقال ان الماء لاینجس. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۱)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیر بضاعہ سے وضو کرتے تھے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس میں مردار اور حیض لگے کپڑے ڈالے جاتے ہیں۔ فرمایا: پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

عن ابی سعید الخدری قال قیل یا رسول اللہ ﷺ انہ یستقی لک من بیر بضاعۃ وھی بیر یطرح فیھا عذرۃ الناس ومحائض النساء ولحم

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! بیر بضاعہ سے آپ کے لیے پانی لایا جاتا ہے حالانکہ اس کنوئیں میں لوگ گندگی پھینکتے ہیں' عورتیں حیض

الکلاب وقال ان الماء طھور لا ینجس شیء.
(طحاوی شریف ج ۱ص ۱۱)

لگے کپڑے ڈالتی ہیں اور کتے کا گوشت پھینکا جاتا ہے۔فرمایا: بے شک پانی پاک ہے کوئی چیز اسے نجس نہیں کر سکتی۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر پانی دوقلہ جات یا اس سے زیادہ ہو تو کسی گندگی کے پڑنے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا لہٰذا وہ دردہ کی تحدید درست نہیں۔

جواب اول : مذکورہ دونوں احادیث ان لوگوں کے بھی خلاف ہیں جو دو مٹکے پانی میں گندگی گرنے سے اسے پاک ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک گندگی گرنے سے دو قلے پانی اس وقت تک پاک رہتا ہے جب اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہو، اور اگر یہ اوصاف تبدیل ہو جائیں تو پھر وہ نجس ہو جائے گا۔اب ان مذکورہ دونوں احادیث میں اس بات کا قطعاً تذکرہ نہیں کہ رنگ، بو اور ذائقہ بدلا یا نہیں اور مشاہدہ یہ ہے کہ جس قدر گندگیاں بیر بضاعہ میں ڈالی جانی مروی ہیں۔ان سے اس کنوئیں کے تینوں اوصاف یقیناً تبدیل ہو جاتے ہیں۔دیکھئے اگر کسی کنوئیں میں ایک کتا یا بلی گر کر مر جائے تو دو چار دن کے بعد اس سے اس قدر بو پھیلے گی کہ قریب کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا اور یہاں کوڑا کرکٹ گندگیاں عورتوں کے حیض سے بھرے کپڑے اور مرے ہوئے کتے پھینکے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اسے استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کی کوئی صفت تبدیل نہیں ہو رہی لہٰذا معلوم ہوا کہ بیر بضاعہ کا پانی جاری پانی تھا جس میں گری گندگی جمع نہیں ہوتی تھی۔مکہ معظمہ کے کنوئیں نہر زبیدہ پر اور مدینہ منورہ کے نہر زرقا پر بنائے گئے ہیں اسی طرح بیر بضاعہ بھی تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ بیر بضاعہ جاری پانی تھا اور جاری پانی میں گندگی گرنے سے پانی ان تین اوصاف کے ظاہر نہ ہونے تک پاک رہتا ہے بیر بضاعہ کے متعلق جاری پانی ہونے کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

ان بیر بضاعة کانت طریقا للماء الی البساتین وکان الماء لا یستقر فیھا فکان حکم ماء ھا کحکم ماء النھر. (طحاوی شریف ج ۱ص ۱۲ فی الطھارۃ)

''بیر بضاعہ'' باغات کی طرف جانے والے پانی کا راستہ تھا اور پانی اس میں ٹھہرتا نہ تھا لہٰذا اس کے پانی کا حکم نہر کے پانی جیسا ہے۔

قارئین کرام! طحاوی شریف کے حوالہ سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ بیر بضاعہ کا پانی جاری تھا۔نیز اگر سرکار دو عالم ﷺ کی طہارت و نظافت کو پیش نظر رکھیں تو پھر بھی یہی بات سامنے آئے گی کہ آپ گندے پانی کو ہرگز استعمال نہ فرماتے تھے۔اگر بیر بضاعہ کا پانی ٹھہرا ہوا پانی ہوتا تو لازماً گندہ ہوتا اور حضور ﷺ کی نظافت اور طہارت کے شایان شان اس کا استعمال نہ ہوتا۔

جواب دوم : بیر بضاعہ کی حدیث کو اگر اپنے ظاہر پر محمول رکھیں تو دیگر بہت سی احادیث صحیحہ کی مخالفت لازم آئے گی۔چند اوراق پیچھے ہم زمزم کے کنوئیں میں حبشی کا گرنا اور مرنا اور اس کے متعلق صحابہ کرام کا عمل تحریر کر چکے ہیں تو ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے یہ کیونکر ممکن کہ بیر بضاعہ میں اس قدر گندگی پڑنے کے باوجود صحابہ کرام اسے پاک ہی سمجھیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۲ - بَابُ الْوُضُوْءِ بِمَاءِ الْبَحْرِ
سمندر کے پانی سے وضو کرنے کا حکم

٤٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ مَسْلَمَةَ بْنِ الْاَزْرَقِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاءُهٗ

ہمیں امام مالک نے صفوان بن سلیم سے انہوں نے سعید بن سلمٰی بن ازرق سے انہوں نے مغیرہ بن ابی بردہ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا (کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا) ہم سمندروں کے سفر پر ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ قلیل مقدار میں پانی لے کر جاتے ہیں۔اگر اس سے وضو کریں تو پیاسے ہو جائیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا

اَلْحَلَالُ مَیْتَتُہٗ.

کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا پانی پاک اور اس کا میتہ یعنی مچھلی حلال ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ مَاءُ الْبَحْرِ طَھُوْرٌ کَغَیْرِہٖ مِنَ الْمِیَاہِ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ سمندر کا پانی دیگر پانیوں کی طرح پاک ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور عام فقہاء کا قول ہے۔

حدیث بالا میں دو باتوں کا ذکر ہوا ایک سمندر کے پانی کی طہارت اور دوسرا اس کا میتہ حلال ہونا اول الذکر مسئلہ میں سب فقہاء متفق ہیں سمندر کا پانی خواہ میٹھا ہو یا نمکین یا کسی اور رنگ و ذائقہ والا ہو وہ پاک ہے لیکن اس کے میتہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ مچھلی کے سوا تمام دیگر سمندر حیات حلال نہیں ہیں۔ اس مسلک کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے۔ '' اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ الخ تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے''۔ اس آیت میں مذکور طعام سے مراد وہ مچھلی کہ جسے دریا باہر پھینکے نہ وہ جو مر کر تیرنے لگے۔ یہی مسلک ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب وغیرہ صحابہ کرام کا ہے۔

قال اللہ تعالی (اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ) روی عن ابن عباس وزید بن ثابت وسعید بن جبیر وسعید ابن المسیب وقتادۃ والسدی ومجاھد قالوا صیدہ ماصید طریا بالشباک ونحوھا فاما قولہ (وطعامہ) فقدروی عن ابی بکر وعمر وابن عباس وقتادۃ قالوا ماقذفہ میتا.

''اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ'' قول باری تعالیٰ کے بارے میں ابن عباس، زید بن ثابت سعید بن جبیر اور سعید بن میتب' قتادہ سدی اور مجاہد کہتے ہیں کہ ''صید'' سے مراد وہ شکار جو جال وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا جائے اور ''طعامہ'' کے بارے میں ابوبکر صدیق' عمر بن الخطاب اور ابن عباس و قتادہ سے مروی کہ انہوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ مچھلی جسے سمندر کا پانی باہر پھینک دے۔

(احکام القران ص ۴۷۸ جزء ثانی باب صید البحر)

تو معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک وہی ہے جو اجلہ صحابہ کرام' تابعین اور مفسرین حضرات کا تھا اور ان سب کا ماخذ قرآن کریم ہے۔

۱۳- بَابُ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ

موزوں پر مسح کا حکم

۴۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِھَابٍ الزُّھْرِیُّ عَنْ عَبَّادِبْنِ زِیَادٍ مِنْ وُلْدِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ ذَھَبَ لِحَاجَتِہٖ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکٍ قَالَ فَذَھَبْتُ مَعَہٗ بِمَاءٍ قَالَ فَجَاءَ النَّبِیُّ ﷺ فَسَکَبْتُ عَلَیْہِ قَالَ فَغَسَلَ وَجْھَہٗ ثُمَّ ذَھَبَ یُخْرِجُ یَدَیْہِ فَلَمْ یَسْتَطِعْ مِنْ ضِیْقِ کُمَّیْ جُبَّتِہٖ فَاَخْرَجَھُمَا مِنْ تَحْتِ جُبَّتِہٖ فَغَسَلَ یَدَیْہِ وَمَسَحَ بِرَأْسِہٖ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ یَؤُمُّھُمْ قَدْ صَلّٰی بِھِمْ سَجْدَۃً فَصَلّٰی مَعَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثُمَّ صَلَّی الرَّکْعَۃَ الَّتِیْ بَقِیَتْ فَفَزِعَ النَّاسُ لَہٗ

ہمیں امام مالک نے انہیں ابن شہاب زہری نے مغیرہ بن شعبہ کی نسل کے ایک مرد عباد بن زیاد سے خبر دی کہ حضور ﷺ غزوہ تبوک میں قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے میں پانی لیے آپ کے ساتھ ہو لیا حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے منہ دھویا پھر بازو دھونے کے لیے جبہ سے باہر نکالنے لگے لیکن جبہ کی آستین تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے اس پر آپ نے جبہ کے نیچے سے دونوں بازو نکال کر دھوئے اور سر انور کا مسح کیا اور موزوں پر مسح فرمایا پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور عبدالرحمٰن بن عوف امامت کر رہے تھے انہیں ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ ان

ثُمَّ قَالَ لَهُمْ قَدْ اَحْسَنْتُمْ.

کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت ادا فرمائی پھر بقیہ رکعت ادا فرمائی لوگ حیران ہوئے اور آپ کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا (یعنی وقت پر نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے)۔

٤٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رُقَيْشٍ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَتٰى قُبَاءَ فَبَالَ ثُمَّ اُوْتِيَ بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثُمَّ صَلّٰى.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں سعید بن عبدالرحمٰن بن رقیش نے بتایا کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا وہ قباء آئے پیشاب کیا پھر انہیں پانی دیا گیا تو اس سے وضو کیا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کر کے پھر موزوں پر مسح کیا اس کے بعد نماز ادا کی۔

٤٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَدِمَ الْكُوْفَةَ عَلٰى سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَهُوَ اَمِيْرُهَا فَرَاٰهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَهُوَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَاَنْكَرَ ذَالِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ سَلْ اَبَاكَ اِذَا قَدِمْتَ عَلَيْهِ فَنَسِيَ عَبْدُ اللّٰهِ اَنْ يَّسْاَلَهٗ حَتّٰى قَدِمَ سَعْدٌ فَقَالَ اَسَئَلْتَ اَبَاكَ فَقَالَ لَا فَسَاَلَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا اَدْخَلْتَ رِجْلَيْكَ فِي الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ فَامْسَحْ عَلَيْهِمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاِنْ جَاءَ اَحَدُنَا مِنَ الْغَائِطِ قَالَ وَاِنْ جَاءَ اَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ.

ہمیں امام مالک نے انہیں نافع اور عبداللہ بن دینار نے بتایا کہ عبداللہ بن عمر کوفہ کے امیر جناب سعد بن ابی وقاص کے پاس آئے تو عبداللہ نے انہیں موزوں پر مسح کرتے دیکھا اور اسے اچھا نہ جانا۔ جناب سعد نے فرمایا جب تم اپنے والد کے ہاں جاؤ تو ان سے یہ مسئلہ دریافت کرنا لیکن عبداللہ کو پوچھنا یاد نہ رہا پھر جب جناب سعد بن ابی وقاص مدینہ منورہ آئے تو آپ نے فرمایا: کیا فلاں مسئلہ تم نے اپنے ابا جان سے پوچھا تھا؟ کہنے لگے یاد نہیں آ رہا تھا پھر جناب عبداللہ نے ان سے دریافت کیا تو فرمایا: جب تو اپنے پاؤں موزوں میں داخل کرے اور وہ اس وقت پاک ہوں تو ان پر مسح کر لیا کر عبداللہ نے پوچھا: اگر ہم میں سے کوئی بول و براز سے فارغ ہو کر آئے؟ (تب بھی وہ مسح کرے) فرمایا: ہاں۔ اگرچہ تم میں سے کوئی بول و براز سے فارغ ہو کر آئے۔

٥٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ بَالَ بِالسُّوْقِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ دُعِيَ لِجَنَازَةٍ حِيْنَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلّٰى. اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ رَاٰى اَبَاهُ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظُهُوْرِهِمَا لَا يَمْسَحُ عَلٰى بُطُوْنِهِمَا قَالَ ثُمَّ يَرْفَعُ الْعِمَامَةَ فَيَمْسَحُ بِرَاْسِهٖ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر نے بازار میں (کسی مناسب جگہ پر) پیشاب کیا۔ پھر وضو کرتے وقت ہاتھ اور منہ دھو کر سر کا مسح کیا۔ پھر ایک جنازہ بوقت دخول مسجد لایا گیا تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے تو آپ نے موزوں پر مسح کر کے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہمیں امام مالک نے انہیں ہشام بن عروہ نے انہیں ان کے باپ نے خبر دی کہ انہوں نے اپنے والد کو موزوں کی پشت پر نہ کہ پیٹ پر مسح کرتے دیکھا پھر انہوں نے عمامہ اتار کر سر کا مسح کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ

امام محمد کہتے ہیں کہ ان تمام روایات پر ہمارا عمل ہے اور یہی

حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَنَرَى الْمَسْحَ لِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا لِلْمُسَافِرِ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ لَايَمْسَحُ الْمُقِيْمُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَعَامَّةُ هٰذِهِ الْاٰثَارِ الَّتِيْ رَوٰى مَالِكٌ فِي الْمَسْحِ اِنَّمَا هِيَ فِي الْمُقِيْمِ ثُمَّ قَالَ لَا يَمْسَحُ الْمُقِيْمُ عَلَى الْخُفَّيْنِ .

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ مقیم کے لیے مدت مسح ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات ہے اور امام مالک بن انس کہتے ہیں کہ مقیم کے لیے موزوں پر مسح کرنا درست نہیں ہے اور یہ تمام روایات جو امام مالک نے موزوں پر مسح کرنے کی بیان فرمائیں یہ مقیم کے لیے مسح کو ثابت کرتی ہیں پھر (امام مالک) نے فرمایا: کہ مقیم موزوں پر مسح نہیں کر سکتا۔

مذکورہ روایات سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہوا۔ اس مسئلہ میں چند باتیں تشریح طلب ہیں ہم ان کی بقدر ضرورت تشریح کر دیتے ہیں۔ (۱) موزہ کی تعریف (۲) موزہ پر مسح کا طریقہ (۳) مدت مسح (٤) نواقض مسح۔

(۱) ہر وہ چمڑے کی بنی ہوئی چیز یا جس کا صرف نچلا حصہ چمڑے کا ہو اور باقی حصہ کسی دبیز چیز کا بنا ہوا ہو یا جرابیں دبیز کپڑے کی' کہ جو بغیر تسمہ پاؤں پر چپکی رہیں' یہ تمام موزہ کے حکم میں شامل ہیں۔

(۲) اگر دایاں ہاتھ ہو اور اس کی انگلیاں بھی موجود اور قابل استعمال ہوں تو تین انگلیاں دائیں موزے کی پشت پر اور اسی طرح بائیں ہاتھ کی تین انگلیں بائیں موزے کی پشت پر پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے پنڈلی کی طرف لے کر ڈالتے ہوئے کھینچے کہ موزہ کی تین انگلیوں کی مقدار جگہ پر مسح ہو جائے اور سنت یہ ہے کہ دونوں طرف کے موزہ پر ہاتھ کی انگلیاں پنڈلی تک پہنچیں اور انگلیاں پھیرتے وقت گیلی ہونا ضروری ہے۔

(۳) مسافر حالت سفر میں تین دن رات تک مسلسل مسح کرے گا اور مقیم ایک دن رات۔ یہ مدت موزہ پہننے کے بعد اس وقت سے شروع ہو گی جب پہلی مرتبہ مسح کی ضرورت پڑے گی اور یہ بھی ضروری ہے کہ موزہ پہنتے وقت پاؤں پہلے سے پاک ہوں۔ مسافر اگر اپنی مدت مسح مکمل کرنے سے پہلے مقیم ہو گیا تو وہ مقیم کی مدت تک مسح کرے گا اگر ابھی اتنا مسح نہ کیا ہو ورنہ موزہ اتار کر پاؤں دھونے پڑیں گے۔ اسی طرح مقیم اگر مسافر ہو جائے تو وہ مسافر کی مدت مسح مکمل کرے گا جس میں بحالت اقامت گزری مدت بھی شمار ہو گی۔

(٤) جن صورتوں میں اور جن چیزوں میں وضو ٹوٹتا ہے وہ مسح کو بھی توڑ دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں مدت مسح مکمل ہونے پر بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں موزہ اتار کر پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا جائے اور وضو پہلے سے ہونے کی صورت میں دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن مدت مسح ختم ہونے پر بہتر یہ ہے کہ مکمل وضو کر لیا جائے۔ مدت مسح کے دوران اگر ایک پاؤں کا موزہ اتر گیا یا اترا نہیں مگر پاؤں کا اکثر حصہ کھل گیا۔ پاؤں اس مسئلہ میں ٹخنوں سے نیچے شمار ہوتے ہیں اس کا حکم بھی وہی ہے کہ مسح ٹوٹ جائے گا اور اوپر مذکورہ طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

نوٹ: موزہ دراصل حدث کو پاؤں کی طرف سرایت کرنے سے روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدت مسح میں بول و براز سے پیدا حدث پاؤں تک نہیں پہنچتا صرف موزوں پر مسح کرنے سے پاؤں کی طہارت حاصل ہو جاتی ہے ہاں اگر حدث اکبر ہوا یعنی غسل فرض ہو گیا تو اب موزہ اتار کر پاؤں کو بھی دوسرے تمام اعضاء کی طرح دھونا ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ موزوں پر مسح کا ثبوت احادیث صحیحہ کثیرہ سے ہے بلکہ اس کی مثبتہ روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں لہٰذا اس کا منکر بددین اور گمراہ کہلائے گا۔

١٤- بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخِمَارِ

دوپٹے اور پگڑی پر مسح کرنا

۵۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ بَلَغَنِیْ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْعِمَامَةِ فَقَالَ لَا حَتّٰی يُمَسَّ الشَّعْرَ الْمَاءُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے جابر بن عبداللہ سے یہ بات پہنچی انہیں پگڑی پر مسح کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب تک پانی سر کے بالوں سے نہیں لگے گا (کام نہیں بنے گا)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

۵۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ قَالَ رَاَيْتُ صَفِيَّةَ ابْنَةَ اَبِیْ عُبَيْدَةَ تَتَوَضَّأُ وَتَنْزَعُ خِمَارَهَا ثُمَّ تَمْسَحُ بِرَاْسِهَا قَالَ نَافِعٌ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ صَغِيْرٌ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ میں نے صفیہ بنت ابی عبیدہ کو وضو کرتے دیکھا انہوں نے سر سے دوپٹہ اتار کر سر کا مسح کیا میں ان دنوں بہت چھوٹا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يُمْسَحُ عَلَى الْخِمَارِ وَلَا الْعِمَامَةِ بَلَغَنَا اَنَّ الْمَسْحَ عَلَى الْعِمَامَةِ كَانَ فَتُرِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ دوپٹہ اور پگڑی پر مسح نہیں کیا جائے گا۔ ہمیں یہ بھی بات پہنچی کہ پگڑی پر مسح کرنا پہلے جائز تھا پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ہمارے عامہ فقہاء کا ہے۔

پگڑی پر مسح کرنے کے متعلق احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی نے پگڑی پر مسح کیا اور ہاتھوں کی تری سر کے بالوں تک نہ پہنچی تو اس کا وضو نہ ہونے کی وجہ سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوگی۔ اگر پگڑی اتنی باریک تھی کہ اس پر گیلا ہاتھ پھیرنے سے سر کے بال گیلے ہوگئے تو یہ دراصل سر پر مسح کرنا ہے پگڑی پر نہیں اور اسی کی تائید امام محمد کی روایت کردہ جابر بن عبداللہ والی روایت کرتی ہیں اور اسی کی مزید توثیق صفیہ بنت ابی عبیدہ کا فعل و عمل کرتا ہے۔

یاد رہے کہ مسح سر کے بارے میں مختلف احادیث میں مسح علی الناصیہ، مسح علی العمامہ وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں اور پگڑی پر مسح کے مجوزین ایسی احادیث کو پیش کر کے اپنا نظریہ صحیح ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث درج ذیل ہے۔

عن المغيرة بن شعبة في حديث طويل في وضوء النبي فيه مسح بناصية وعلى العمامة وعلى خفيه.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۴ باب المسح علی الخفین)

مغیرہ بن شعبہ ایک طویل حدیث میں حضور ﷺ کا وضو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے پیشانی کا مسح کیا اور پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا (گویا آپ نے دوران وضو پیشانی پر پگڑی پر اور موزوں پر تین مسح جات کیے لہٰذا پگڑی پر مسح کرنا ثابت ہے)۔

جواب اول: جن احادیث میں ناصیہ پر مسح کرنا مذکور ہے ان میں ناصیہ سے مقدار ناصیہ مراد ہے۔ یعنی چار انگل کے برابر سر کا مسح کرنا اور ان احادیث میں پگڑی پر مسح بطور مجاز ہے یعنی سر پر مسح کرنے کو پگڑی پر مسح کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ چٹائی یا دری وغیرہ پر بیٹھنے والے کو زمین پر بیٹھنے والا کہا جاتا ہے حالانکہ وہ زمین پر نہیں بلکہ درحقیقت چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔

جواب دوم: احادیث صریحہ صحیحہ میں پگڑی پر مسح کرنے کی مخالفت موجود ہے ملاحظہ ہو۔

عن انس بن مالک رضی الله عنه قال رأيت رسول الله ﷺ يتوضا وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة ومسح مقدم رأسه

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو وضو کرتے دیکھا آپ اس وقت قطری پگڑی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے پگڑی کے نیچے ہاتھ داخل فرما کر اپنے سر انور

ولم ينقض العمامة. (ابوداؤد ج اص ۲ باب المسح علی العمامۃ)

اخبرنا مسلم عن ابن جريج عن عطاء ان رسول الله ﷺ توضا فحسر عمامة ومسح مقدم رأسه اوقال ناصيته بالماء.

(بیہقی شریف ج اص ۶۱ باب ایجاب المسح بالرأس)

کے اگلے حصہ کا مسح فرمایا اور پگڑی بندھی کی بندھی ہی رہی۔

ہمیں مسلم نے ابن جریج انہوں نے عطاء سے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ نے وضو فرمایا: پس عمامہ کو اٹھایا اور سر کے اگلے حصے یا پیشانی کا پانی کے ساتھ مسح فرمایا۔

۱۵ - بَابُ الْاِغْتِسَالِ مِنَ الْجَنَابَةِ

جنابت کے بعد غسل کا حکم

۵۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ اَفْرَغَ عَلٰى يَدِهِ الْيُمْنٰى فَغَسَلَهَا ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهٗ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَنَضَحَ فِىْ عَيْنَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ الْيُسْرٰى ثُمَّ غَسَلَ رَأْسَهٗ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَاَفَاضَ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب غسل جنابت کیا کرتے تو پہلے اپنے داہنے ہاتھ پر پانی ڈال کر اسے دھوتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے اور کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور چہرہ دھوتے اور آنکھوں میں پانی کا چھینٹا مارتے پھر دایاں پھر بایاں بازو دھو کر سر کو دھوتے پھر پورے جسم پر پانی بہا کر اسے دھوتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ اِلَّا النَّضْحَ فِى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَى النَّاسِ فِى الْجَنَابَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكِ بْنِ اَنَسٍ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں ان تمام باتوں پر ہمارا عمل ہے۔ صرف آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارنا ان میں سے ہمارے عمل میں داخل نہیں کیونکہ جنابت میں یہ بات لوگوں پر کوئی واجب نہیں ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس اور عام فقہاء کا قول ہے۔

مذکورہ اثر سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے ضروری معمولات بیان کرتے ہیں۔ آپ نے مذکورہ اثر میں سے صرف آنکھوں میں چھینٹے مارنے کے وجوب کا استثنا فرمایا۔ آنکھوں میں چھینٹے مارنے سے مراد آنکھوں کے کونوں میں پانی لگانا ہے اور یہ بات مستحبات میں سے ہے۔ اثر مذکور کے پیش نظر ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ جنابت کے متعلق تھوڑی سی تفصیل پیش کر دی جائے۔ سب سے پہلے غسل واجب کرنے والی اشیاء کا تذکرہ کرتے ہیں۔

غسل کو فرض کرنے والی اشیاء

(۱) منی: جب شہوت کے ساتھ منی اپنی جگہ سے جدا ہو تو اس کے نکلنے پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ منی کا آلہ تناسل سے نکلتے وقت شہوت کے ساتھ ہونا کوئی ضروری نہیں لہٰذا اگر بغیر شہوت کے منی اپنی جگہ سے چل کر نکلے تو غسل لازم نہیں جیسا کہ بوجھ اٹھانے سے یا گرنے سے کسی کی منی نکل آئی اور اگر اپنے مقام سے چلنا بوجہ شہوت ہوا لیکن آلہ تناسل سے نکلتے وقت شہوت نہ تھی تو بھی غسل واجب ہو گیا اگر ایسی منی کا کچھ حصہ غسل کے بعد نکلا تو غسل بیکار بلکہ دوبارہ غسل فرض ہو گا مثلاً خروج منی کے بعد پیشاب کیے بغیر یا چلے پھرے بغیر فوراً کسی نے غسل کر لیا اور بعد غسل رکی ہوئی منی نکل آئی تو دوبارہ غسل کرنا لازم ہو جائے گا۔ اگر پیشاب کر لیا یا چل پھر کر پھر غسل کرنے کے بعد منی نکلی تو یہ ناقض وضو تو ہو گی دوبارہ غسل اس سے واجب نہ ہو گا کیونکہ پہلی صورت میں نکلنے والی منی اسی منی کا حصہ تھی جو شہوت سے چلی تھی اور دوسری صورت میں ایسا نہ تھا۔

(۲) احتلام: کوئی شخص سو کر اٹھا اور اپنے جسم، کپڑے یا بستر وغیرہ پر منی پائی تو غسل واجب اگر چہ احتلام ہونا یاد نہ رہا ہو اور اگر

احتلام ہونا یا د لیکن منی موجود نہیں تو غسل واجب نہ ہوگا۔ مرد و عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) مرد کے آلہ تناسل کی سپاری کا محل شہوت میں چھپ جانا: کسی بالغ مرد کا حشفہ (شرمگاہ کا اگلا حصہ جسے سپاری کہا جاتا ہے) عورت کے قبل یا دبر میں چھپ گیا تو غسل واجب ہو جائے گا انزال ہونا کوئی شرط نہیں ہے اگر نابالغ ہو تو غسل واجب نہیں۔ بہرحال بالغ پر بہرصورت حشفہ غائب ہونے پر غسل کرنا لازم ہے۔

(٤) مرد نے بغیر شہوت کے اور بغیر سخت ہونے آلہ تناسل کے عورت کی فرج میں اپنی انگلی کے دباؤ سے داخل کر دیا تو چاہے منی خارج ہو یا نہ ہو غسل واجب ہو جائے گا کیونکہ مرد کا حشفہ جب عورت کی فرج میں داخل ہو جائے تو مطلقاً غسل فرض ہو جاتا ہے چاہے شہوت آئے یا نہ آئے منی خارج ہو یا نہ خارج ہو۔

١٦ - بَابُ الرَّجُلِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ

رات جس آدمی کو جنابت ہو جائے اس کے بارے میں احادیث

٥٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَكَرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ وَنَمْ.

ہمیں امام مالک نے انہیں عبداللہ بن دینار نے ابن عمر سے روایت بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا کہ مجھے رات کو جنابت ہو جاتی ہے۔ فرمایا: وضو کر لیا کرو اور اپنی شرمگاہ کو پانی سے دھو کر سو جایا کرو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَاِنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ وَلَمْ يَغْسِلْ ذَكَرَهُ حَتّٰى يَنَامَ فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ اَيْضًا.

امام محمد کہتے ہیں اگر ایسا شخص وضو نہ کرے اور نہ ہی شرمگاہ کو دھوئے بلکہ ویسے ہی سو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ السَّبِيْعِيِّ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيْبُ مِنْ اَهْلِهِ ثُمَّ يَنَامُ وَلَا يَمَسُّ مَاءً فَاِنِ اسْتَيْقَظَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَ اغْتَسَلَ.

امام محمد بیان کرتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ابو اسحاق السبیعی سے انہوں نے اسود بن یزید سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات اپنی کسی بیوی سے ہم بستری کرتے اور پھر پانی کو چھوئے بغیر سو جاتے۔ اگر رات کے آخری حصہ میں پھر اٹھ کر ہم بستری کرتے تو اس کے بعد غسل فرمایا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا الْحَدِيْثُ اَرْفَقُ بِالنَّاسِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اس آخری حدیث کا عمل لوگوں کے لیے بہت آسان ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

احناف کا مذکورہ مسئلہ میں یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص رات اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس کے لیے فوری طور پر غسل کرنا فرض نہیں ہے بلکہ صبح اٹھ کر غسل کرے تو درست ہے۔ ہاں اگر کسی نے سونے سے قبل وضو کر لیا یا دوبارہ جماع کرنے سے پہلے اور پہلی مرتبہ جماع کرنے کے بعد درمیان میں وضو کر لیتا ہے تو بہت بہتر یعنی مستحب ہے لیکن بعض ظاہر ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جماع کے بعد اور دوسری مرتبہ جماع کرنے سے قبل درمیان میں وضو کرنا واجب ہے لیکن ان کا یہ نظریہ و مسلک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس حدیث پاک کے خلاف ہے جو ابھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی گئی اور امام محمد نے بھی یہی کہا کہ اگر کوئی شخص دوبارہ جماع کرنے سے قبل وضو نہیں کرتا اور سو جاتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ امام محمد کے اس ارشاد سے مراد مطلقاً جواز ہے ورنہ استحباب کے یہ معانی نہیں کیونکہ افضل یہی ہے کہ دوبارہ جماع کرنے سے قبل وضو کر لیا جائے اور شرمگاہ کو دھو لیا جائے۔

فرضی غسل کے فرائض

فرضی غسل میں احناف کے نزدیک تین فرض ہیں۔

(۱) کلی کرنا: اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ منہ کے ہر پرزے گوشت اور ہونٹ سے حلق کی جڑ تک ہر جگہ پانی بہہ جائے اور خوب ڈھل جائے لہٰذا جو لوگ فرضی غسل میں کلی کرتے وقت تھوڑا سا پانی منہ میں ڈال کر پھینک دیتے ہیں اور زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک نہیں پہنچاتے وہ احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے غسل کا ایک فرض نامکمل چھوڑ دیتے ہیں جس سے طہارت نہیں ہوتی اور ایسی ادھوری طہارت کے بعد پڑھی گئی نماز بیکار ہو جاتی ہے۔ اس لیے بڑی احتیاط سے داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہ میں اور دانتوں کی جڑ اور کھڑکیوں میں، زبان کی ہر کروٹ میں حلق کے کنارے تک پانی بہانا چاہیے۔ اگر دانتوں کے درمیان خلا یا داڑھوں کی دراڑوں میں کوئی ایسی چیز پھنسی ہوئی ہو جو پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے تو اسے دور کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اس کے دور کرنے اور چھوڑانے میں ضرر نہ ہو جیسا کہ بکثرت پان کھانے سے دانتوں کی جڑوں میں جما ہوا چونا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے چھیلنے سے دانتوں یا مسوڑوں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا یہ معاف ہے۔

(۲) ناک میں پانی ڈالنا: دونوں نتھوں کی جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک پانی پہنچا کر دھونا ضروری ہے اس کے لیے ناک میں پانی ڈالتے وقت سونگھنے کے انداز میں پانی کو نرم بانسے تک چڑھایا جائے۔ اگر اس حصہ میں بال برابر جگہ ایسی رہ گئی جس پر پانی نہ پھرا تو غسل نہ ہوگا لہٰذا ناک میں جمی رینٹھ کا چھڑانا بہت ضروری ہے۔ عورت کے لیے اگر ناک میں بلاق کا سوراخ اگر بند نہیں تو اس میں پانی پہنچانا بھی ضروری ہے۔ بڑی احتیاط سے اس میں حرکت کے ذریعہ پانی گزارا جائے۔ اگر سوراخ بند ہو گیا تو پھر معافی ہے۔

(۳) تمام ظاہر بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانا: یعنی سر کے بالوں سے پاؤں کے تلووں تک جسم کے ایک ایک پرزے ایک ایک رونگٹے پر پانی بہانا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ پانی ڈال کر جسم کو ہاتھ سے تیل کی طرح مل لینا کفایت نہ کرے گا کیونکہ یہ دھونا یا پانی بہانا نہیں کہلاتا بلکہ ملنا ہے۔ جسم کے ان حصوں پر پانی بہانا جو گوشت کی فراوانی یا ڈھلکنے کی وجہ سے تہہ میں چھپ جاتے ہیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

جنبی کو کیا کیا کرنا جائز ہے؟

(۱) حالت جنابت میں کھانا پینا اگرچہ جائز ہے لیکن اس کے لیے وضو کر لینا افضل ہے چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کا یہی معمول شریف تھا۔

(۲) مصافحہ کرنا درست ہے۔ حضور ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بحالت جنابت ملاقات ہوئی حضور ﷺ ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے۔ ابو ہریرہ وہاں سے غسل کرنے چلے گئے۔ واپسی پر حضور نے پوچھا تو ماجرا بیان کر دیا اس پر آپ نے فرمایا مومن نجس نہیں ہوتا۔ (بحوالہ مشکوۃ شریف باب مخالطۃ الجنب)

(۳) جنبی کے ساتھ لیٹنا درست ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ غسل جنابت فرمانے کے بعد میرے پاس آ کر لیٹ جاتے تھے تاکہ جسم میں حرارت آ جائے اور میں ابھی جنبی ہی ہوتی تھی۔

(۴) جنبی کا پسینہ لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا ہاں اگر پسینہ کسی نجاست کے ساتھ لگ کر تر کر گیا ہو تو پھر نجاست کی وجہ سے ناپاکی آ جائے گی۔

(۵) جنبی اگر غسل جنابت سے قبل کھا پی کر روزہ رکھے اور بعد طلوع صبح صادق غسل کرے تو روزہ میں کوئی خرابی نہیں پڑتی۔

(٦) حالت جنابت میں ذکر اللہ جائز ہے۔

حالت جنابت میں کیا کرنا ناجائز ہے؟

(١) مسجد میں داخل ہونا (٢) کعبہ کا طواف کرنا (٣) قرآن پاک کو چھونا اگر چہ غلاف کے ساتھ ہی ہو
(٤) قرآن کریم مطلقاً پڑھنا (٥) کسی آیت کا لکھنا (٦) نماز پڑھنا

١٧ - بَابُ الْاِغْتِسَالِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن غسل کرنا

٥٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

ہمیں امام مالک نے انہیں جناب نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (نماز) جمعہ کے لیے آئے تو اسے غسل کر کے آنا چاہیے۔

٥٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ. اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِيْدًا لِّلْمُسْلِمِيْنَ فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ.

ہمیں امام مالک نے انہیں صفوان بن سلیم نے عطاء بن یسار سے اور انہیں جناب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔ ہمیں مالک نے امام زہری سے انہوں نے سباق سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت مسلمین! یہ جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے عید بنایا ہے پس غسل کر لیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اس کے لگانے میں کوئی نقصان نہیں اور اس دن تمہارے لیے مسواک کرنا ضروری ہے۔

٥٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِى الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ كَغُسْلِ الْجَنَابَةِ.

ہمیں امام مالک نے مقبری اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ فرمایا: جمعہ کے دن نہانا ہر بالغ پر لازم ہے جیسا غسل جنابت۔

٥٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِىْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَرُوْحُ اِلَى الْجُمُعَةِ اِلَّا اغْتَسَلَ.

ہمیں امام مالک نے نافع اور انہیں ابن عمر نے خبر دی کہ وہ جمعہ پڑھنے بغیر غسل کیے نہیں جاتے۔

٥٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِى الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَخْطُبُ النَّاسَ فَقَالَ اَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنْقَلَبْتُ مِنَ السُّوْقِ فَسَمِعْتُ النِّدَاءَ فَمَا زِدْتُّ عَلٰى اَنْ تَوَضَّاْتُ ثُمَّ اَقْبَلْتُ قَالَ عُمَرُ وَالْوُضُوْءُ اَيْضًا وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ بِالْغُسْلِ.

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہوں نے سالم بن عبد اللہ اور انہوں نے اپنے والد سے خبر دی کہ حضور ﷺ کے اصحاب سے ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں آیا۔ اس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے فرمایا: یہ تمہارے آنے کا کونسا وقت ہے؟ کہنے لگا میں بازار لوٹا تو اذان سن کر وضو کر کے سیدھا یہاں آ گیا فرمایا دوسرا قصور یہ کہ صرف وضو کر کے آ گئے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْغُسْلُ اَفْضَلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ وَفِيْ هٰذَا اٰثَارٌ كَثِيْرَةٌ.

امام محمد کہتے ہیں جمعہ کے دن غسل کرنا افضل ہے واجب نہیں ہے اس کی تائید میں بہت سے آثار آئے ہیں۔

٦٠- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ صَبِيْحٍ عَنْ سَعِيْدِ الرَّقَاشِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَعَنِ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ كِلَاهُمَا يَرْفَعُهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں ربیع بن صبیح نے سعید رقاشی سے انہوں نے انس بن مالک سے اور حسن بصری سے خبر دی۔ دونوں حضرات اس روایت کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے بہتر اور عمدہ کیا اور جس نے غسل کیا تو یہ افضل ہے۔

٦١- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ ابْنِ صَالِحٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ قَالَ سَاَلْتُهُ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْغُسْلِ مِنَ الْحِجَامَةِ وَالْغُسْلِ فِى الْعِيْدَيْنِ قَالَ اِنِ اغْتَسَلْتَ فَحَسَنٌ وَاِنْ تَرَكْتَ فَلَيْسَ عَلَيْكَ فَقُلْتُ لَهُ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ رَاحَ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِنَ الْاُمُوْرِ الْوَاجِبَةِ وَاِنَّمَا هُوَ كَقَوْلِهِ وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ فَمَنْ اَشْهَدَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ تَرَكَ فَلَيْسَ عَلَيْهِ وَكَقَوْلِهِ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ فَمَنِ انْتَشَرَ فَلَا بَأْسَ وَمَنْ جَلَسَ فَلَا بَأْسَ قَالَ حَمَّادٌ وَلَقَدْ رَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيَّ يَاْتِى الْعِيْدَيْنِ وَمَا يَغْتَسِلُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابان بن صالح نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے بیان کیا کہ میں نے ان سے جمعہ کے دن حجامت کے بعد اور عیدین کے لیے غسل کرنے کے بارے میں پوچھا: کہنے لگے اگر تو غسل کرے تو بہتر اور اگر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے میں نے عرض کیا' کیا حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو جمعہ پڑھنے جائے اسے غسل کرنا چاہیے؟ فرمایا: ہاں لیکن یہ حکم وجوبی نہیں ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے آپس میں لین دین کے وقت گواہ بنا لیا کرو لہٰذا جو گواہ بنالیتا ہے اچھا کرتا ہے اور جو نہیں بناتا اسے کوئی حرج نہیں، اور اس قول باری کی طرح ہے جب تم نماز جمعہ ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ لہٰذا جو پھیل جاتا ہے وہ بھی درست اور جو بیٹھا رہتا ہے اس پر کوئی حرج نہیں۔ میں نے جناب ابراہیم نخعی کو دیکھا کہ عیدین کے لیے تشریف لے جاتے اور غسل نہ کیا ہوتا تھا۔

٦٢- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ اَبَانَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ اَيِ الْجُمُعَةِ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ لَهُ بَعْضُ اَصْحَابِهِ اَلَا تَغْتَسِلُ قَالَ اَلْيَوْمُ يَوْمٌ بَارِدٌ فَتَوَضَّأَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں محمد ابن ابان نے ابن جریج انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ ہمیں عبداللہ بن ابی رباح سے بیان کیا کہ ہم عبداللہ بن عباس کے پاس بیٹھے تھے تو نماز کا وقت ہو گیا انہوں نے پانی منگوا کر وضو کیا اس پر کسی ساتھی نے کہا کیا آپ غسل نہیں کریں گے؟ فرمایا آج سردی ہے لہٰذا آپ نے وضو پر ہی اکتفا فرمایا۔

٦٣- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَلَامُ بْنُ سُلَيْمٍ الْحَنَفِيُّ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَلْقَمَةُ بْنُ قَيْسٍ اِذَا سَافَرَ لَمْ يُصَلِّ الضُّحٰى وَلَمْ يَغْتَسِلْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں سلام بن سلیم حنفی نے منصور سے انہوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ جناب علقمہ بن قیس نے دوران سفر نماز چاشت نہیں پڑھی اور نہ ہی جمعہ کے لیے غسل کیا۔

٦٤- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَعْدَ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوری نے انہیں منصور نے اور انہیں مجاہد نے خبر دی کہ جس شخص نے طلوع فجر کے بعد جمعہ کے دن

طُلُوْعِ الْفَجْرِ اَجْزَاَہُ اللّٰہُ عَنْ غُسْلِ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ.

غسل کیا اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن کا غسل کرنا اس کے لیے کافی فرمادے گا۔

٦٥- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ عَوَّامٍ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ عَمْرَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّاسُ عُمَّالُ اَنْفُسِھِمْ فَکَانُوْا یَرُوْحُوْنَ اِلَی الْجُمُعَۃِ بِھَیْئَتِھِمْ فَکَانَ یُقَالُ لَھُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ لَکَانَ حَسَنًا.

ہمیں عباد بن عوام انہیں یحییٰ بن سعید نے عمرہ اور انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی فرماتی ہیں: لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہوتے پھر اسی دوران انہی کپڑوں میں بغیر غسل کیے جمعہ پڑھنے آجاتے تو انہیں کہا گیا: اگر تم غسل کر لیا کرو تو بہتر ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کچھ احادیث ایسی ذکر فرمائیں جن میں جمعہ کے دن غسل کا وجوب اور لزوم موجود ہے اور کچھ دوسری ایسی کہ جن میں اس کو بہتر افضل اور اچھا کہا گیا ہے۔ ان کے بعد امام محمد نے احناف کا مسلک ذکر کیا کہ بروز جمعہ غسل کرنا بہت بہتر ہے لیکن واجب و فرض نہیں جس کی تائید انہوں نے قرآن کریم کی دو آیات میں موجود صیغہ امر سے کی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جمعہ کا غسل ابتدائے اسلام میں واجب تھا کیونکہ ان دنوں مسجد نبوی بہت چھوٹی تھی اور صحابہ کرام مالی اعتبار سے آسودہ حال نہ تھے اس لیے وہ محنت مزدوری کے کپڑوں میں ہی نماز جمعہ پڑھنے آجایا کرتے۔ جب مسجد کی توسیع ہوئی اور مال غنیمت وغیرہ سے صحابہ کرام آسودہ حال ہو گئے تو اس وجوب کو استحباب میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس پس منظر کو مشکوٰۃ شریف میں یوں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ عراقی لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آکر پوچھنے لگے کیا جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے؟ فرمایا نہیں ہاں ایسا کرنا بہتر اور زیادہ صفائی کا حامل ہے اور جس نے غسل نہ کیا اس نے کسی واجب کا ترک نہیں کیا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ غسل کیونکر شروع ہوا؟ لوگ محنتی تھے اونی کپڑے پہنتے تھے اپنی پشتوں پر کام کیا کرتے تھے اور مسجد بہت تنگ اور نیچی چھت والی تھی وہ تو صرف ایک چھپری تھی حضور ﷺ ایک گرم دن میں باہر تشریف لائے۔ لوگ انہی اونی کپڑوں میں پسینہ میں شرابور تھے اور ان سے اٹھنے والی بدبو سے کچھ لوگوں کو اذیت ہوئی تو جب حضور ﷺ نے یہ بدبو ملاحظہ فرمائی تو فرمایا لوگو! جب جمعہ کا دن آئے تو تم غسل کر لیا کرو اور تیل و خوشبو جو ملے لگا لیا کرو۔ ابن عباس کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے آسودہ حالی عطاء فرمائی صحابہ کرام نے اونی کپڑے ترک کر دیئے اور کچھ کام کاج بھی کم ہو گیا، مسجد بھی وسیع ہو گئی اب وہ بدبو جس سے بعض کو اذیت ہوتی تھی ختم ہو گئی (جس کے بعد غسل کا وجوب بھی استحباب میں تبدیل ہو گیا)۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ باب الغسل المسنون)

١٨- بَابُ الْاِغْتِسَالِ یَوْمَ الْعِیْدَیْنِ

عیدین کے دن غسل کرنے کا بیان

٦٦- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یَغْتَسِلُ قَبْلَ اَنْ یَّغْدُوَ اِلَی الْعِیْدِ.

ہمیں امام مالک نے انہیں نافع نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عید کے دن لوگوں کے عید پڑھنے جانے سے قبل غسل فرمایا کرتے تھے۔

٦٧- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَغْتَسِلُ یَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ یَّغْدُوَ.

ہمیں امام مالک نے نافع اور انہوں نے ابن عمر سے خبر دی کہ وہ عید الفطر کے دن عید کی نماز کو جانے سے قبل غسل فرمایا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْغُسْلُ یَوْمَ الْعِیْدِ حَسَنٌ وَلَیْسَ بِوَاجِبٍ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ عید کے دن غسل کرنا بہتر ہے، واجب نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

عید کے دن غسل کے وجوب کا کوئی قائل نہیں ہے چونکہ خوشی کا دن ہے اور بکثرت لوگ نماز عید پڑھنے آتے ہیں لہٰذا نمازی کی

صفائی و نظافت جتنی ہو سکے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے خود تو اس دن غسل کیا لیکن حکم نہیں دیا۔

١٩ - بَابُ التَّيَمُّمِ بِالصَّعِيْدِ

مٹی سے تیمم کرنے کا حکم

٦٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّهٗ اَقْبَلَ هُوَ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مِنَ الْجُرُفِ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالْمِرْبَدِ نَزَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَتَيَمَّمَ صَعِيْدًا طَيِّبًا فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى.

ہمیں امام مالک نے انہیں نافع نے خبر دی کہ وہ اور عبد اللہ بن عمر جرف سے مقام مربد پر پہنچے تو عبد اللہ بن عمر سواری سے اترے اور پاکیزہ مٹی سے تیمم کیا اپنے چہروں اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا پھر نماز ادا کی۔

٦٩ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَعْضِ الْاَسْفَارِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ اِنْقَطَعَ عِقْدِيْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى اِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَاْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِيْ وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا رَاْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى فَخِذِيْ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَتَيَمَّمْنَا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ مَاهِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ وَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ.

ہمیں امام مالک نے انہیں عبد الرحمٰن بن قاسم نے وہ اپنے باپ سے اور وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر تھے چلتے چلتے ہم جب مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار گر کر ٹوٹ گیا تو حضور ﷺ اور دوسرے لوگ اس کی تلاش میں چل پڑے اس جگہ پانی نہیں تھا اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی تھا لوگ ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کیا تم نہیں جانتے کہ عائشہ نے کیا کیا؟ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ہم لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا جہاں پانی نہیں ملتا اور نہ ہمارے پاس پانی ہے۔ فرماتی ہیں یہ سن کر ابو بکر میرے پاس تشریف لائے اس وقت حضور ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے ابو بکر نے مجھ سے کہا: تو نے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے جہاں نہ ان کے پاس اور نہ اس جگہ پر پانی موجود ہے ابو بکر میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کوکیں مارتے میں اس حالت میں صرف اس وجہ سے حرکت نہ کر سکتی تھی کہ میری گود میں سرکار دو عالم ﷺ آرام فرما رہے تھے یہاں تک کہ ہمیں صبح ہو گئی اور کوئی پانی نہ مل سکا سو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی جس کے بعد لوگوں نے اور ہم نے تیمم کیا اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابی بکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں (بلکہ اس سے قبل کئی مرتبہ تمہاری وجہ سے ہمیں برکات عطا ہوئیں) سیدہ عائشہ فرماتی ہیں جب ہم چلنے لگے تو جس اونٹ پر میں سوار تھی میرا ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَ التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِّلْيَدَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اسی روایت پر ہمارا عمل ہے۔ تیمم کے لیے دو دفعہ ہاتھ زمین پر مارنا ہیں پہلی دفعہ مار کر چہرہ پر مسح کرنا اور دوسری مرتبہ ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کرنا ہے اور یہی امام ابو حنیفہ

رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

ان آثار و روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے طہارت کا خاص طریقہ ''تیمم''، جو برکت ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان کی اور خاص ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی لیے حضرت اسید بن حضیر نے آل ابی بکر کی برکات کا برملا اعلان فرمایا مذکورہ واقعہ تیمم کے ضمن میں کچھ لوگوں کے عجیب وغریب اعتراضات ہیں اور وہ بھی سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدسہ کے علم وکمال پر کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو عائشہ صدیقہ کے ہار کا قطعاً علم نہ تھا ورنہ وہ بتا دیتے کہ کہاں پڑا ہے اور لوگوں کو پریشان نہ ہونا پڑتا۔ ان عقل کے اندھوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نہ جاننا اور نہ بتانا دونوں میں بہت فرق ہے لوگوں نے رسول کریم ﷺ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: چاند کے بڑھے گھٹنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نہ بتایا بلکہ اس کے فوائد بیان فرما دیئے تو کیا نہ بتانے پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہی نہ تھا۔ حضور ﷺ کے نہ بتانے کا راز آیت تیمم کے نزول کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس کے ساتھ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت تا قیامت ظاہر ہونی تھی تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صدقہ میں نعمت تیمم ہمیں عطا فرمائی۔ آیت تیمم کے نزول کے اس سبب سے رافضی لوگوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے کیونکہ اس کے شان نزول میں حضرت ابو بکر صدیق کی محبت رسول اور سیدہ عائشہ کی جانثاری سامنے آتی ہے اور حضور ﷺ کا اپنی زوجہ عائشہ صدیقہ کی گود میں سر رکھ کر سونا ان کے عظیم اعتماد کی نشاندہی کرتا ہے لہٰذا ان حضرات پر لعنت کرنے والا خود ملعون ہے اور بارگاہ رسالت سے مردود ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

تیمّم کی شرائط

(۱) جب پانی نہ ملے (یعنی ایک میل کے فاصلہ تک پانی دستیاب نہ ہو)۔

(۲) پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ (مثلاً بیماری، دشمن کا خوف یا کنوئیں سے پانی نکالنے کا آلہ دستیاب نہ ہونا) پانی ٹھنڈا ہے کہ اس کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہونے کا یا مرض میں اضافہ کا خطرہ ہے۔

(۳) وضو کرتا ہے تو پیاسا رہ کر تڑپ جانے کا خطرہ ہے یا آٹا وغیرہ گوندھنے کے لیے پانی نہ رہے گا اور بھوک سے بلک جانے کا خطرہ درپیش ہو ان صورتوں میں تیمم کرنا، حصول طہارت کے لیے مفید ہوتا ہے۔

تیمّم کا طریقہ

دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھ کر کسی ایسی چیز پر جو جنس زمین سے ہو ایک دفعہ مار کر اٹھا لے اور اگر زیادہ غبار لگ جائے تو جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس دفعہ مارنے کے ساتھ اپنے منہ کا مسح کیا جائے گا پھر اسی طرح دوسری دفعہ جنس زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے گا۔

چند ضروری مسائل

(۱) نماز کا وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ اگر وضو کرتا ہے تو وقت ختم ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں فوراً تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر اعادہ کرے گا۔

(۲) مردے کو اگر غسل نہ دے سکیں خواہ اس وجہ سے کہ نامحرم ہونے کی وجہ سے اس کے بدن پر ہاتھ لگانا حرام ہے یا پانی ہی نہیں تو اسے تیمم کرایا جائے گا۔

(۳) نماز جنازہ اور عیدین اگر جاتی نظر آئیں تو فوراً تیمم کر کے ان میں شامل ہو جائے اسی طرح نماز جنازہ کے دوران اگر بے وضو

ہوگیا تو بھی تیمم کرے گا۔

(٤) بے وضو اور جنبی کے لیے تیمم ایک ہی طرح کا ہوتا ہے اور دونوں کے لیے ایک ہی تیمم کفایت کرتا ہے۔

(٥) ہاتھ میں اگر انگوٹھی یا چھلا وغیرہ ہو تو تیمم میں اسے حرکت دینا ضروری ہے ورنہ تیمم نہیں ہوگا۔

(٦) مسجد میں سوتے ہوئے جسم ناپاک ہوگیا تو اسی کپڑے پر تیمم کرکے فوراً مسجد سے نکل جانا چاہیے۔

٢٠- بَابُ الرَّجُلِ يُصِيْبُ مِنْ اِمْرَأَتِهٖ اَوْيُبَاشِرُهَا وَهِيَ حَائِضٌ

مرد دوران حیض عورت سے مباشرت یا قریب جاتا ہے تو اس کے بارے میں احادیث

٧٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلٰى عَائِشَةَ يَسْاَلُهَا هَلْ يُبَاشِرُ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَتْ لِتَشُدَّ اِزَارَهَا عَلٰى اَسْفَلِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا اِنْ شَاءَ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے کسی کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ ان سے پوچھا جائے کیا مرد اپنی بیوی کے ساتھ حالت حیض میں مباشرت کرسکتا ہے؟ فرمانے لگیں عورت اپنے ازار بند کو ناف کے نیچے سے باندھ لے۔ پھر اگر مرد مباشرت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَابَاْسَ بِذَالِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

٧١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِي الثِّقَةُ عِنْدِيْ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهُمَا سُئِلَا عَنِ الْحَائِضِ هَلْ يُصِيْبُهَا زَوْجُهَا اِذَا رَاَتِ الطُّهْرَ قَبْلَ اَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَا لَا حَتّٰى تَغْتَسِلَ.

ہمیں امام مالک نے فرمایا کہ ہمیں ایک معتبر اور ثقہ راوی نے خبر دی کہ سالم بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار دونوں سے پوچھا گیا کیا آدمی اپنی بیوی سے جماع کرسکتا ہے جبکہ اس کا حیض آکر ختم ہو گیا ہو لیکن ابھی غسل نہ کیا ہو؟ دونوں نے فرمایا نہیں غسل کرنے سے قبل ایسا نہ کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا تُبَاشَرُ حَائِضٌ عِنْدَنَا حَتّٰى تَحِلَّ لَهَا الصَّلٰوةُ اَوْتَجِبَ عَلَيْهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ حیض والی عورت کے ساتھ اس وقت تک جماع کرنا درست نہیں جب تک اس کے لیے نماز حلال نہ ہو جائے یا اس پر نماز واجب نہ ہو جائے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

٧٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ اِمْرَاَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ تَشُدُّ عَلَيْهَا اِزَارَهَا ثُمَّ شَاْنُكَ بِاَعْلَاهَا.

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے خبر دی کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا: میرے لیے میری بیوی کے ساتھ حالت حیض میں کیا کرنا حلال ہے؟ فرمایا: وہ حیض والی جگہ پر ازار باندھ لے پھر اس کے اوپر کی جگہ کو تو استعمال کرسکتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَدْ جَاءَ مَا هُوَ اَرْخَصُ مِنْ هٰذَا عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَجْتَنِبُ شِعَارَ الدَّمِ وَلَهٗ مَا سِوٰى ذَالِكَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے اور اس سے بھی زیادہ رخصت والی حدیث آئی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ خون آنے والی جگہ سے اجتناب کرے اور اس

کے علاوہ ہر جگہ کا استعمال جائز ہے۔

مذکورہ احادیث و روایات میں لفظ مباشرت استعمال ہوا اس کے معنی اگرچہ جماع کرنا بھی آتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد جسم کو بلا حجاب جسم سے ملانا ہے۔ بوس و کنار اور سینہ سے لگانا سبھی اس میں داخل ہیں۔ حالت حیض میں جماع حرام ہے ہاں حیض والی عورت سے جماع کے علاوہ دل بہلانے کے طریقے درست ہیں اور اسی معنی پر وہ روایت محمول ہے جس میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ روزہ کی حالت میں حضور ﷺ میرے ساتھ مباشرت فرمایا کرتے تھے۔ اس سے جماع مراد لینا اور پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی رافضیوں کا شیوہ ہے اگر غور کیا جائے تو اس میں سرکار دو عالم ﷺ پر بھی بہتان ہے یہ لوگ ازلی بدبخت ہیں ایمان سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

حالت حیض کے بارے میں چند ضروری مسائل

حالت حیض میں اپنی عورت سے جماع کرنا حرام اور اس کی حلت کا قائل دائرہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ وہ نص قطعی "فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ" کا منکر ہے اور اگر غلبہ شہوت کی وجہ سے جماع کر بیٹھا تو ایسے پر توبہ فرض ہے۔ اس غلطی کے ازالہ کا ایک استحبابی طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر ابتدائی ایام حیض میں یہ غلطی ہوئی جبکہ خون حیض اپنی اصلی حالت میں یعنی سرخ تھا تو ایک دینار یا اس کے برابر صدقہ کرے ورنہ نصف دینار خیرات کر دے۔ یاد رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ حیض والی جگہ کو چھوڑ کر جہاں چاہے مباشرت کر سکتا ہے یہ نفس جواز کے لیے ہے لیکن احتیاط یہ کہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک اجتناب کرے جبکہ وہ بالکل برہنہ ہو اور اگر اتنے حصہ پر کپڑا لپٹا ہوا ہے تو بقیہ حصہ سے دل لگی درست ہے۔ دوران حیض عورت روٹی پکا سکتی ہے، بچوں کو کھلا سکتی ہے بلکہ خاوند اور وہ دونوں مل کر کھانا کھائیں تو بہت اچھا ہے اس سے نفرت کرنا درست نہیں۔ ان تمام دل لگی کی باتوں میں یہ شرط پیش نظر رہے کہ کہیں ان کے بعد جماع کے لیے تیار ہو کر یہ نہ گزرے۔ اگر یہ خطرہ ہو تو پھر مذکورہ مباشرت سے احتراز ضروری ہے۔ کم از کم مدت حیض تین دن رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن رات ہے۔ اگر اکثر مدت آ کر خون رک گیا تو غسل حیض سے قبل مرد اس سے جماع کر سکتا ہے اور اگر کم مدت آ کر ختم ہوا تو پھر غسل کر لینے کے بعد یا نماز کا وقت گزرنے کے بعد جماع کرنے کی اجازت ہے۔ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ دس دن حیض آ کر غسل سے قبل احناف جماع کو جائز کر رہے ہیں حالانکہ حدیث پاک میں "حتی تغتسل" کے الفاظ اس کی اجازت نہیں دیتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کے لیے "حَتّٰى يَطْهُرْنَ" کا لفظ مذکور ہے "یطھرن" طہارت اور تطہیر دونوں سے سے مشتق کر کے پڑھا گیا ہے۔ اول الذکر کا معنی پاک ہونا اور دوسرے کا خوب پاک ہونا ہے لہٰذا طہارت خفیفہ یہ ہوئی دس دن مکمل خون آنے کے بعد عورت خون سے نکل آئی اور طہارت شدیدہ یہ کہ وہ غسل کر کے دونوں میں سے پہلی مرتبہ قرأت پر عمل کرتے ہوئے احناف نے دس دن مکمل حیض کے بعد غسل کرنے سے قبل جماع کی اجازت دی لہٰذا یہ حدیث پاک کے خلاف نہیں ہے۔

۲۱- بَابُ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ هَلْ يَجِبُ الْغُسْلُ

جب مرد و عورت کی شرمگاہیں بلا حجاب مل جائیں تو کیا غسل واجب ہو جاتا ہے؟

۷۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَائِشَةَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ إِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ہمیں امام مالک نے انہیں زہری نے سعید بن مسیب سے خبر دی کہ حضرت عمر، عثمان اور عائشہ رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے جب مرد و عورت کی شرمگاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہے۔

٧٤- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ مَا یُوْجِبُ الْغُسْلَ فَقَالَتْ اَتَدْرِیْ مَا مَثَلُکَ یَا اَبَا سَلَمَۃَ مَثَلُ الْفَرُّوْجِ یَسْمَعُ الدِّیْکَۃَ تَصْرُخُ فَیَصْرُخُ مَعَھَا اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ہمیں امام مالک نے انہیں ابوالنضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ نے انہیں ابوسلمٰی بن عبدالرحمٰن نے خبر دی انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا غسل واجب کرنے والی کیا چیزیں ہیں؟ فرماتی ہیں اے ابوسلمٰی! کیا تم اپنی مثال جانتے ہو؟ تمہاری مثال مرغی کے چوزوں جیسی ہے وہ مرغی کو چیختا سنتے ہیں تو اس کے ساتھ چیخنا شروع کر دیتے ہیں جب مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے گزر جائے تو یقیناً غسل واجب ہو گیا۔

٧٥- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ کَعْبٍ مَوْلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّ مَحْمُوْدَ ابْنَ لَبِیْدٍ سَاَلَ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الرَّجُلِ یُصِیْبُ اَھْلَہٗ ثُمَّ یُکْسِلُ فَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ یَغْتَسِلُ فَقَالَ لَہٗ مَحْمُوْدُ بْنُ لَبِیْدٍ فَاِنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ لَایَرَی الْغُسْلَ فَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ نَزَعَ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ .

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے عبداللہ بن کعب مولیٰ عثمان بن عفان سے خبر دی کہ محمود بن لبید نے حضرت زید بن ثابت سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے (لیکن انزال سے پہلے اس سے جدا ہو جائے) تو زید بن ثابت نے فرمایا: وہ غسل کرے گا یہ سن کر محمود بن لبید نے کہا حضرت ابی بن کعب تو اس صورت میں غسل کے وجوب کے قائل نہ تھے تو زید بن ثابت نے فرمایا: انہوں نے موت سے قبل اس نظریے سے رجوع فرمالیا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِھٰذَا نَاْخُذُ اِذَا الْتَقَی الْخِتَانَانِ وَتَوَارَتِ الْحَشَفَۃُ وَجَبَ الْغُسْلُ اَنْزَلَ اَوْلَمْ یُنْزِلْ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے (کہ جب دونوں) شرمگاہیں مل جائیں اور مرد کے ذکر کی سپاری عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے' انزال ہو یا نہ ہو یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ روایات میں دونوں ختنوں کا مل جانا جو آیا ہے اس سے مراد محض دونوں شرمگاہوں کا باہم چھونا نہیں بلکہ آخری روایت کے قرینہ سے ان سے مراد مرد کے حشفہ کا عورت کی شرمگاہ میں چھپ جانا ہے احناف کا یہی مسلک ہے کہ اس صورت میں انزال ہو یا نہ ہو غسل دونوں پر واجب ہو جاتا ہے اور اگر کسی مرد کا حشفہ کٹا ہوا ہو تو پھر یہی حکم مقدار حشفہ کے چھپنے پر جاری ہوگا یہ بھی یاد رہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب ابوسلمٰی کو جو مرغی کے چوزے کے ساتھ تشبیہ دی اس سے ان کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کے بچپن اور اس کی عادات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے ابوسلمٰی! تو بچہ ہونے کی وجہ سے ایسی باتوں کو کیا سمجھے گا یا بچوں کی طرح کوئی اور جو تجھے کہتا ہے تو بھی وہی کہہ دیتا ہے' سوچتا سمجھتا نہیں اس کے بعد اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے مسئلہ کی حقیقت بیان فرما دی۔

٢٢- بَابُ الرَّجُلِ یَنَامُ هَلْ یَنْقُضُ ذَالِکَ وُضُوْءَہٗ

کیا نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

٧٦- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا زَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِذَا نَامَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ مُضْطَجِعٌ فَلْیَتَوَضَّاْ.

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چت سو جائے تو اسے وضو کرنا چاہیے۔

۷۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَنَامُ وَھُوَ قَاعِدٌ فَلَا یَتَوَضَّأُ۔

ہمیں امام مالک نے نافع انہیں ابن عمر نے خبر دی کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو جایا کرتے تھے پھر بیدار ہونے پر وضو (نہیں) کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ فِی الْوَجْھَیْنِ جَمِیْعًا نَأْخُذُ وَ ھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ۔

امام محمد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دونوں حالتوں کے قول پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

مذکورہ دونوں روایات میں دو طرح کا سونا اور ان کا حکم بیان ہوا۔ چت لیٹ کر سونے کے بعد اٹھ کر وضو کرنا پڑے گا اور بیٹھے بیٹھے سونا ناقض وضو نہیں۔ ان دونوں حالتوں کے متعلق بہت سی احادیث کتب احادیث میں ملتی ہیں۔ صحابہ کرام کا نماز کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے سو جانا حتیٰ کہ خراٹے کی آواز پیدا ہو جاتی لیکن پھر بھی وہ نیا وضو کئے بغیر نماز ادا کر لیا کرتے تھے ان جیسی احادیث سے علمائے احناف نے درج ذیل مسائل کا استنباط فرمایا۔

(۱) سو جانے سے وضو جاتا رہتا ہے بشرطیکہ دونوں سرین خوب جمے نہ ہوں اور نہ ایسی ہیأت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع ہو مثلاً اکڑوں بیٹھ کر سویا یا ایک کہنی پر تکیہ لگا کر یا بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا ہو کہ ایک یا دونوں سرین اٹھے ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں وضو جاتا رہے گا۔

(۲) سواری پر سوار ہے اور جانور کی پیٹھ ننگی اور جانور ڈھلائی کی طرف جا رہا ہو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۳) دونوں زانو پر بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا کہ دونوں سرین زمین پر جمے نہ رہیں اس صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا اس کے برخلاف نماز کی حالت میں کھڑے، رکوع میں، سجدہ میں اگر نمازی سو جائے تو وضو نہیں جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایسا سونا کہ جس سے ہوا خارج ہونے کا قوی مانع موجود ہو تو وضو قائم رہے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا۔

(٤) اونگھنے یا جھونکے لینے سے وضو نہیں جاتا ہاں اگر گر گیا اور فوراً نہ اٹھ سکا تو وضو گیا۔

(٥) بے ہوشی، دیوانگی، غشی اور حالت نشہ کے اندر پاؤں چلنے میں لڑکھڑائیں تو ان سب صورتوں میں وضو جاتا رہتا ہے۔

(٦) ان تمام نواقض وضو سے حضرات انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں ان کی نیند چاہے کسی حالت میں ہو ناقض وضو اس لیے نہیں کہ ان کی آنکھیں تو سوئی ہوئی نظر آتی ہیں لیکن ان کا دل بیدار ہوتا ہے۔

۲۳- بَابُ الْمَرْأَۃِ تَرٰی فِیْ مَنَامِھَا مَایَرَی الرَّجُلُ

نیند میں عورت کا وہ دیکھنا جو مرد دیکھتا ہے

۷۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِھَابٍ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ اَنَّ اُمَّ سُلَیْمٍ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْمَرْأَۃُ تَرٰی فِی الْمَنَامِ مِثْلَ مَایَرَی الرَّجُلُ اَتَغْتَسِلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم نَعَمْ فَلْتَغْتَسِلْ فَقَالَتْ لَھَا عَائِشَۃُ اُفٍّ لَکِ وَھَلْ تَرٰی ذٰلِکَ الْمَرْأَۃُ قَالَ فَالْتَفَتَ اِلَیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ تَرِبَتْ یَمِیْنُکِ وَمِنْ اَیْنَ یَکُوْنُ الشِّبْہُ۔

ہمیں امام مالک نے انہیں ابن شہاب زہری نے عروہ بن زبیر سے خبر دی کہ ام سلیم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر عورت کو خواب میں احتلام ہو جائے تو کیا وہ غسل کرے گی؟ فرمایا: ہاں اسے غسل کرنا لازم ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گفتگو سن کر فرمایا: اے ام سلیم! افسوس ہے تجھ پر کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو اگر عورت کو احتلام نہیں آتا تو پھر بچے میں اس کی مشابہت

کہاں سے آتی ہے؟

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عورت کے احتلام پر تعجب فرمانا بایں وجہ تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس سے نا آشنا تھیں انہیں کبھی اس سے واسطہ ہی نہ پڑا تھا رہا یہ امر کہ حضور ﷺ نے ان کے جواب میں "مشابہت" کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ کبھی ماں، کبھی باپ اور کبھی دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ ایک مرتبہ اسی مشابہت کی وجہ حضور ﷺ سے پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: مرد اور عورت کی منی میں سے جو غالب ہوگی ہونے والا بچہ اسی سے زیادہ مشابہہ ہوگا یعنی آپ کا یہ بتلانا مقصود تھا کہ عائشہ! جب مادہ منویہ عورت میں بھی پایا جاتا ہے تو پھر اس کے احتلام کو انوکھی بات کیوں سمجھتی ہو؟

٢٤- بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

استحاضہ والی عورت کے احکام

٧٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِتَنْظُرِ اللَّيَالِيَ وَالْاَيَّامَ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ فَلْتُصَلِّ.

ہمیں امام مالک نے انہیں سلیمان بن یسار نے سیدہ ام سلمہ زوجۃ النبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کو حضور ﷺ کے دور اقدس میں استحاضہ بکثرت آتا تھا اس کے بارے میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا: ہر مہینہ جتنے دن رات اسے پہلے حیض آتا تھا وہ حیض ہی شمار کرے گی اور اس کے بعد استحاضہ کا حکم ہوگا' حیض کے دنوں کی مقدار اسے نماز معاف ہے اور جب یہ دن ختم ہو جائیں تو اسے غسل کر کے خون کو کسی کپڑے وغیرہ کے ذریعہ روک کر نماز پڑھنی پڑے گی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَتَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ وَتُصَلِّيْ اِلَى الْوَقْتِ الْاٰخَرِ وَاِنْ سَالَ دَمُهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے کہ استحاضہ والی عورت ہر نماز کا وقت آنے پر وضو کرے گی اور نماز کے آخر وقت تک نماز پڑھتی رہے اگرچہ اس کا خون جاری ہو اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

٨٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سُمَيٌّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلْقَعْقَاعُ بْنُ حَكِيْمٍ وَزَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ اَرْسَلَاهُ اِلٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ يَسْاَلُهُ عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ كَيْفَ تَغْتَسِلُ فَقَالَ سَعِيْدٌ تَغْتَسِلُ مِنْ طُهْرٍ اِلٰى طُهْرٍ وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ فَاِنْ غَلَبَهَا الدَّمُ اسْتَثْفَرَتْ بِثَوْبٍ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں سمی مولی ابی بکر بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ قعقاع بن حکیم اور زید بن اسلم دونوں نے اسے جناب سعید بن مسیب کے پاس بھیجا تا کہ مستحاضہ کے بارے میں پوچھے کہ وہ کیسے غسل کرے؟ انہوں نے فرمایا: ایک طہر سے دوسرے طہر تک غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کرے پس اگر خون کا غلبہ ہو جائے تو کسی کپڑے وغیرہ کا لنگوٹ باندھ لے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ تَغْتَسِلُ اِذَا مَضَتْ اَيَّامُ اَقْرَائِهَا ثُمَّ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَتُصَلِّيْ تَاْتِيَهَا اَيَّامُ اَقْرَائِهَا فَتَدَعُ

امام محمد کہتے ہیں کہ جب مستحاضہ کے ایام حیض گزر جائیں پھر وہ ہر نماز کے لیے وضو کر کے نماز پڑھتی رہے گی یہاں تک کہ

الصَّلٰوةَ فَإِذَا مَضَتْ اِغْتَسَلَتْ غُسْلًا وَّاحِدًا ثُمَّ تَوَضَّأَتْ لِكُلِّ وَقْتِ صَلٰوةٍ وَتُصَلِّيْ حَتّٰى يَدْخُلَ الْوَقْتُ الْاٰخَرُ مَا دَامَتْ تَرَى الدَّمَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

دوبارہ ایام حیض آجائیں پھران دنوں نماز چھوڑ دے گی اور جب یہ دن گزر جائیں ایک مرتبہ غسل کرے پھر ہر نماز کے وقت میں ایک مرتبہ وضو کر کے اس نماز کے آخری وقت تک جو چاہے نماز نفلی وغیرہ پڑھتی رہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا خون لگا تار آرہا ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عام فقہاء کا قول ہے۔

٨١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَحَاضَةِ اَنْ تَغْتَسِلَ اِلَّا غُسْلًا وَّاحِدًا ثُمَّ تَتَوَضَّأُ بَعْدَ ذٰلِكَ لِلصَّلٰوةِ.

ہمیں امام مالک نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد سے خبر دی کہ متحاضہ کے لیے صرف ایک مرتبہ غسل فرض ہے پھر اس کے بعد ہر نماز کے لیے صرف وضو کرے گی۔

وہ بالغہ عورت کہ جس کے رحم سے تین دن سے کم یا دس دن سے زائد خون آئے اسے مستحاضہ کہتے ہیں۔ مستحاضہ احکام شرعیہ میں پاک عورت کے مثل ہے۔ نماز روزہ اس پر فرض ہے اس کا خاوند اگر اس دوران وطی کرنا چاہے تو جائز ہے اس کے اس عذر کے پیش نظر ادائیگی نماز کا طریقہ یہ ہوگا کہ جب کسی نماز کا وقت شروع ہو تو یہ وضو کرے اس کا یہ وضو نماز کے وقت نکلنے تک حکماً موجود ہوگا بشرطیکہ خون استحاضہ کے سوا کوئی دوسرا ناقض وضو نہ پایا جائے۔ اس وضو سے مذکورہ نماز کے وقت میں ہر وہ کام کر سکتی ہے جس کے لیے جسم کا پاک ہونا شرط ہے۔ جب وقت نکلے گا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور دوسری نماز کے وقت کے لیے پھر نئے سرے سے وضو کرنا پڑے گا۔ اس کے خون استحاضہ کے بہنے کے وقت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر خون کثرت سے آرہا ہے جس سے جسم یا کپڑے خون آلود ہونے کا خطرہ ہے تو پھر روئی یا کپڑے وغیرہ کو مخرج خون پر رکھ کر روک لیا جائے۔ بہر حال مستحاضہ کو غسل کی ضرورت نہیں صرف وضو سے ہی پاک ہو جائے گی۔

اعتراض

مستحاضہ کے لیے احناف اور دیگر ائمہ نے جو یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اسے ایام حیض گزرنے کے بعد صرف ایک مرتبہ غسل کرنا لازم ہے اس کے بعد کسی نماز کے لیے غسل کی ضرورت نہیں۔ یہ بہت سی احادیث کے خلاف ہے مثلاً فاطمہ بنت جیش نے جب استحاضہ کی شکایت حضور ﷺ سے کی تو آپ نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے بعد میں خون کو صاف کر اور نماز پڑھا کر دوسری ام حبیبہ بنت جیش کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: تو غسل کر اور نماز پڑھ۔ اس ارشاد کے بعد یہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ اسے مسلم و بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے وقت صرف وضو کافی نہیں بلکہ غسل بھی کرنا چاہیے۔

جواب: حضور ﷺ کا مستحاضہ کو غسل کا حکم دینا "امر استحبابی" ہے اور جناب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس استحباب پر عمل کیا کرتی تھیں۔ اگر یہ امر وجوبی لیا جائے تو "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کے خلاف ہوگا کیونکہ یہ بہت بڑی تکلیف کا موجب بنے گا بعض احادیث میں مستحاضہ کے لیے صرف وضو کرنا صراحۃً موجود ہے ملاحظہ ہو۔

قال النبی ﷺ المستحاضة تتوضا لکل صلوة قلت رواه ابن ماجة من حديث شريک عن ابی يقظان عن عدی بن ثابت عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ قال المستحاضة تضع الصلوة ايام

حضور ﷺ نے فرمایا: مستحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے گی میں کہتا ہوں اسے ابن ماجہ نے عن ابی الیقظان عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مستحاضہ حیض کے دنوں کی نماز چھوڑ دے پھر

اقراء ھا ثم تغتسل وتتوضأ لکل صلوۃ وتصوم وتصلی ورواہ ابو داود ولفظه والوضوء عند کل صلوۃ ورواہ ترمذی ولفظه وتتوضا عند کل صلوۃ ابن ماجه ابن الزبیر عن عائشة قال جاء ت فاطمة بنت جیش الی النبی وذکر خبرھا وقال ثم اغتسلی ثم توضئ لکل صلوۃ وصلی وزاد ابن ماجة فیه وان قطر الدم علی الحصیر.

(نصب الرایہ ج ا ص ۲۰۲ باب الحیض کتاب الطہارات مطبوعہ قاہرہ)

غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کرے اور روزے رکھے نماز پڑھے ابوداؤد کے یہ لفظ ہیں ہر نماز کے نزدیک وضو کرے۔ ترمذی نے ان الفاظ سے روایت کی ۔ ہر نماز کے نزدیک وضو کرے۔ ابن ماجہ نے ابن زبیر اور انہوں نے حضرت عائشہ سے بیان کیا کہ فاطمہ بنت جیش نامی عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور اپنا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: پھر غسل کرلیا کر اور ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کر اور نماز پڑھ لیا کر۔ ابن ماجہ نے یہ لفظ زیادہ ذکر کیے۔ اگر چہ خون استحاضہ کا قطرہ چٹائی پر ہی کیوں نہ گر پڑے۔

ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوا کہ مستحاضہ کے لیے ایام حیض مکمل ہونے پر صرف ایک مرتبہ غسل کرنا فرض ہے اس کے بعد ہر نماز کے لیے اس کے وقت میں صرف وضو کرے گی غسل کرنے کی ضرورت نہیں ۔ اس وقتی وضو سے وہ ہر ایسی عبادت کرسکتی ہے جس کے لیے جسمانی طہارت ضروری ہوتی ہے نماز کا وقت نکلنے پر مستحاضہ کا وضوٹوٹ جائے گا۔

۲۵- بَابُ الْمَرْأَةِ تَرَى الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ

عورت زرد یا مٹیالے رنگ کا خون دیکھے تو اس کا حکم

۸۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ اِلٰى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ فَتَقُوْلُ لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضِ.

ہمیں امام مالک نے انہیں علقمہ نے اپنی والدہ مولاۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی کہ عورتیں حضرت عائشہ کے پاس عورت کے زرد خون سے آلودہ روئی ڈبیہ میں رکھ کر دکھانے کے لیے بھیجتیں ۔ (ان کا مقصد یہ تھا کہ اس حالت میں عورت نماز پڑھے یا نہ پڑھے) سیدہ عائشہ فرماتیں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم سفید پانی نہ دیکھ لو۔ اس سے آپ کی مراد وہ سفید مادہ تھا جو حیض کے اختتام پر آتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا تَطْهُرُ الْمَرْاَةُ مَادَامَتْ تَرَى حُمْرَةً اَوْصُفْرَةً اَوْ كُدْرَةً حَتّٰى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ عورت جب تک سرخ، زرد یا مٹیالا خون دیکھتی ہے تو وہ پاک نہیں ہوئی حتیٰ کہ خالص سفید پانی نہ دیکھ پائے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

۸۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ عَنْ عَمَّتِهٖ عَنِ ابْنَةِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ بَلَغَهَا اَنَّ نِسَاءً كُنَّ يَدْعُوْنَ بِالْمَصَابِيْحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَيَنْظُرْنَ اِلَى الطُّهْرِ فَكَانَتْ تَعِيْبُ ذٰلِكَ عَلَيْهِنَّ وَتَقُوْلُ مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا.

ہمیں امام مالک نے انہیں عبداللہ بن ابی بکر نے انہوں نے اپنی پھوپھی اور انہوں نے زید بن ثابت کی بیٹی سے بیان کیا کہ انہیں خبر ملی کہ عورتیں رات کو چراغ جلا کر دیکھتیں کہ وہ حیض سے پاک ہوئی ہیں کہ نہیں تو وہ اسے معیوب سمجھتی تھیں اور کہتی تھیں کہ صحابہ کرام کی عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں۔

حیض کے مختلف رنگ ہوتے ہیں ۔ سرخ ، زرد ، مٹیالا ، سیاہ ، سبز اور گدلا ۔ ان میں سے ہر ایک رنگ حکم حیض رکھتا ہے ہاں اگر سفید رنگ کی رطوبت نظر آنے لگے تو یہ حیض کے اختتام کی علامت ہوگی ۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے دور کی

عورتوں کو یہی سمجھایا ان کے بعد سیدہ ام کلثوم نے ان عورتوں پر تعجب کا اظہار فرمایا جو راتوں کو اٹھ کر چراغ جلا کر حیض کے خون کو دیکھتی تھیں تعجب اس بنا پہ کہ اگر انہیں حیض سے نکلنے اور نماز شروع کرنے کی خوشی ہے تو حیض کا رنگ دیکھنا رات کی بہ نسبت دن کے وقت زیادہ واضح ہوتا ہے اور نیکی میں سبقت اگر مدنظر ہے تو حضرات صحابہ کرام کی ازواج ان سے کہیں زیادہ نیکی کا لالچ کرنے والی تھیں لیکن ان میں سے کسی کے بارے میں رات کو چراغ جلا کر دیکھنے کا واقعہ نہیں ملتا۔ بہر حال سفید رنگ کی رطوبت کے علاوہ دوسرا ہر رنگ کا خون حیض ہی شمار ہوگا۔

٢٦- بَابُ الْمَرْأَةِ تَغْتَسِلُ بَعْضَ اَعْضَاءِ الرَّجُلِ وَهِيَ حَائِضٌ

عورت کا حالت حیض میں مرد کے اعضاء دھونا

٨٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ تَغْتَسِلُ جَوَارِيهِ رِجْلَيْهِ وَيُعْطِيْنَهُ الْخُمْرَةَ وَهُنَّ حُيَّضٌ.

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ بِذَالِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیزیں حالت حیض میں ان کے پاؤں دھویا کرتی تھیں اور انہیں جائے نماز لا کر دیتی تھیں۔

امام محمد کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج و گناہ نہیں ہے اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٨٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا حَائِضٌ.

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ بِذَالِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهُ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

ہمیں امام مالک نے ہشام بن عروہ سے انہیں ان کے والد نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سر انور کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی حالانکہ میں حیض میں ہوتی تھی۔

امام محمد کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا مسلک ہے۔

٢٧- بَابُ الرَّجُلِ يَغْتَسِلُ اَوْيَتَوَضَّأُ بِسُؤْرِ الْمَرْأَةِ

مرد، عورت کے وضو سے بچے پانی سے غسل یا وضو کرے

٨٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ لَا بَأْسَ بِاَنْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْأَةِ مَالَمْ تَكُنْ جُنُبًا اَوْحَائِضًا.

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَأْسَ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْأَةِ وَ غُسْلِهَا وَسُؤْرِهَا وَاِنْ كَانَتْ جُنُبًا اَوْحَائِضًا بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَغْتَسِلُ هُوَ وَعَائِشَةُ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ يَتَنَازَعَانِ الْغُسْلَ جَمِيْعًا فَهُوَ فَضْلُ غُسْلِ الْمَرْأَةِ الْجُنُبِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے اور انہیں ابن عمر نے خبر دی کہ فرماتے ہیں مرد اگر عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ عورت جنبی یا حیض کی حالت میں نہ ہو۔

ہاں امام محمد کہتے ہیں عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اگرچہ عورت جنبی یا حیض کی حالت میں ہو اور یہی حکم اس کے جھوٹے کا بھی ہے۔ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن کے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے اور دونوں ایک دوسرے سے غسل میں سبقت چاہتے تھے تو دیکھو یہ روایت صاف بتا رہی ہے

کہ جنبی عورت کا پانی استعمال کیا گیا یہی مسلک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حالت حیض میں عورت کا جسم اگر چہ حکماً نجس کہلاتا ہے لیکن حقیقتاً نجس نہیں ہوتا اس لیے ان کے ہاتھ اگر کسی پاک چیز کو لگ جائیں (چاہے وہ خشک ہوں یا تر) تو وہ چیز پلید نہیں ہوتی۔ عبداللہ بن عمر کی کنیزوں والی روایت اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کے سرانور میں کنگھی کرنا اس کی دلیل ہے بلکہ یہاں تک وارد ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں کسی برتن سے پانی پی کر وہ برتن رسول کریم ﷺ کو دے دیتیں تو آپ بھی اسی جگہ منہ لگا کر پانی نوش فرما لیتے جہاں سے سیدہ نے پانی پیا ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ عورت حالت حیض میں ظاہر بدن کے معاملہ میں نجس نہیں ہوتی۔

اعتراض

مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر نے عورت کی حالت جنابت اور حیض کو مستثنیٰ فرمایا کہ ان دو حالتوں میں بچا پانی استعمال کرنا درست نہیں تو احناف کا مسلک اس کے بالکل خلاف ہے۔

جواب: رسول کریم ﷺ کے قول وفعل سے جب کسی صحابی کا عمل ٹکرا جائے تو عمل حضور ﷺ کے قول وفعل پر ہوتا ہے نہ کہ عمل صحابہ پر۔ حضور ﷺ کا اس بارے میں عمل توضیح کے ضمن میں ہم لکھ چکے ہیں اور ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت نہ ملی ہو ورنہ وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

۲۸- بَابُ الْوُضُوْءِ بِسُؤْرِ الْهِرَّةِ

بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا

۸۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ طَلْحَةَ اَنَّ امْرَاَتَهٗ حَمِيْدَةَ ابْنَةَ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ اَخْبَرَتْهُ عَنْ خَالَتِهَا كَبْشَةَ ابْنَةِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ بْنِ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَاقَتَادَةَ اَمَرَهَا فَسَكَبَتْ لَهٗ وَضُوْءً فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ فَشَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِىْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِىْ قَالَتْ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ.

ابوقتادہ کی بہو کبشہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے ابوقتادہ نے وضو کے لیے پانی تیار کرنے کو کہا میں لائی تو بلی نے اس میں سے پینا چاہا تو ابوقتادہ نے برتن اس کی طرف جھکا دیا اس نے پی لیا۔ کبشہ کہتی ہیں کہ میں اب دیکھتی تھی کہ کیا کرتے ہیں؟ تو ابوقتادہ نے فرمایا: اے بھتیجی کیا تمہیں تعجب ہوا؟ عرض کی ہاں فرمانے لگے: رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں کیونکہ وہ تمہارے گھر میں رات دن ادھر ادھر پھرنے والے جانوروں میں سے ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَاْسَ بِاَنْ يُّتَوَضَّاَ بِفَضْلِ سُؤْرِ الْهِرَّةِ وَغَيْرِهٖ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اگر کوئی بلی کے جھوٹے سے وضو کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں اگر اس کے علاوہ پانی مل جائے تو اس سے وضو کرنا بہتر ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

بلی کا جھوٹا پانی قابل استعمال اور پاک قرار دیا گیا ہے یہ طہارت ایک ضرورت کے تحت ہے وہ یہ کہ اگر اس قسم کے جانور یا دیگر اشیاء کہ جن کا گھروں میں آنا جانا بلا روک وٹوک ہو اور وہ خوردنی و دیگر اشیاء میں منہ مارنے کے عادی ہوں تو پھر ان کے پس خوردہ کو یا ہر اس چیز کو جسے وہ لعاب یا تھوک لگا دیں وہ ناپاک قرار دی جاتی تو بہت تنگی ہو جاتی اس لیے شریعت نے آسانی کے پیش نظر اس میں رعایت عطاء فرما دی حالانکہ قانون یہ ہے کہ جس جانور کا گوشت حرام ہے اس کا لعاب بھی نجس ہے اور بلی ایسے ہی جانوروں میں سے

ہے۔اسی بات کوایک اور حدیث میں یوں ذکر کیا گیا۔

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال یغسل الاناء اذا ولغ فیه الکلب سبع مرات او لهن واخرهن بالتراب واذا ولغت فیه الهرة غسل مرة هذا حدیث حسن صحیح . (ترمذی شریف ج ۱ص ۱۴)

حضرت ابو ہریرہ جناب رسول کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کسی برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے ۔پہلی اور آخری مرتبہ مٹی استعمال کی جائے اور جب بلی منہ ڈال دے تو اسے صرف ایک مرتبہ دھویا جائے۔

عن نافع عن ابن عمر انه قال توضوؤا من سور الحمار ولا الکلب ولا السنور .

(طحاوی شریف ج ۱ص ۲۰)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: گدھے، کتے اور بلی کے جھوٹے پانی سے وضو نہ کرو۔

فسقط حکم النجاسة للضرورة وبقی الکراهة لعدم تحامیها النجاسة لو علمت النجاسة فی فمها تنجس .

(ردالمحتار ج ۱ص ۲۳۴)

بلی کے جھوٹے پر سے حکم نجاست ضرورت کے لیے ساقط ہوا اور کراہت باقی رہے گی کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچتی اور اگر اس کے منہ میں نجاست لگی ہونے کا علم ہو جائے تو پھر جھوٹا بھی نجس کردے گی۔

مذکورہ احادیث اور فقہی روایات سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے اور یہ بوجہ ضرورت ہے۔اسی مسئلہ کو واضح کرنے کی غرض سے حضرات صحابہ کرام نے اسے پانی پلا کر باقی ماندہ پانی کو طہارت کے لیے استعمال فرمایا لہٰذا اصل کے پیش نظر اس سے بچنا چاہیے اور اسی احتیاط پر عمل کرانے کے لیے فقہاء کرام نے فرمایا: اگر کسی کے ہاتھ کو بلی چاٹنا شروع کردے تو اسے فوراً ہاتھ کھینچ لینا چاہیے اور چاٹا ہوا ہاتھ دھو کر نماز پڑھنی چاہیے ورنہ کراہت رہے گی اور وہ حدیث پاک کہ جس میں بلی کے منہ لگائے برتن کو ایک دفعہ دھونے کا ارشاد نبوی ہے وہ اسی کی طرف نشاندہی کرتی ہے لہٰذا اگر صاف و پاک پانی کے ہوتے ہوئے کوئی بلی کے جھوٹے سے وضو کرتا ہے تو وہ ترک اولیٰ ہوگا۔

۲۹- بَابُ الْاَذَانِ وَالتَّثْوِيْبِ

اذان اور اس کے بعد دوبارہ اعلان کا بیان

۸۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ .

ہمیں امام مالک نے انہیں ابن شہاب نے عطا بن یزید لیثی سے اور انہوں نے ابوسعید خدری سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے بلاوا (اذان) سنو تو تم بھی موذن کی مثل کہو۔

۸۹- قَالَ مَالِكٌ بَلَغَنَا اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ يُؤَذِّنُهُ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الْمُؤَذِّنُ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاَمَرَهُ عُمَرُ اَنْ يَّجْعَلَهَا فِيْ نِدَاءِ الصُّبْحِ .

امام مالک کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موذن کے پاس صبح کی نماز کے لیے آئے اور انہیں سوتا پایا موذن نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم ۔حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ صبح کی اذان میں زیادہ کیا کریں۔

۹۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ

ہمیں امام مالک نے انہیں ابن عمر سے نافع نے خبر دی کہ

كَانَ يُكَبِّرُ فِي النِّدَاءِ ثَلٰثًا وَيَتَشَهَّدُ ثَلٰثًا وَكَانَ اَحْيَانًا اِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ عَلٰى اِثْرِهَا حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ.

ابن عمر رضی اللہ عنہما اذان میں اللہ اکبر تین مرتبہ اور اشھدان لا الہ الا اللہ ، اشھد ان محمدا رسول اللہ تین تین بار کہتے اور کبھی حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل بھی کہتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ يَكُوْنُ ذٰلِكَ فِيْ نِدَاءِ الصُّبْحِ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ النِّدَاءِ وَلَا يَجِبُ اَنْ يُّزَادَ فِي النِّدَاءِ مَالَمْ يَكُنْ مِّنْهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ الصلوۃ خیر من النوم صبح کی اذان میں اذان کے بعد کہنا چاہیے کیونکہ اذان میں ایسا کلمہ جو اذان میں نہ ہو، زیادہ کرنا واجب نہیں ہے۔

حدیث اول میں اگرچہ اذان سننے والے کے لیے یہی ہدایت کی گئی کہ وہ وہی کلمات کہے جو مؤذن کہتا ہے لیکن کتب احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہے۔ اس وضاحت کے بعد مذکورہ اثر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کلمات اذان کے ضمن میں کچھ بحث ہے۔

مسئلہ اول: صبح کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری وساری فرمائے۔ اہل تشیع کو جب ان کی اذان کے کلمہ اشھدان علیا ولی اللہ الخ پر ہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم نے یہ الفاظ اذان میں اپنی طرف سے داخل کیے ہیں اور یہ مداخلت فی الدین ہے تو الزامی جواب کے طور پر وہ "الصلوۃ خیر من النوم" کو پیش کرتے ہیں لہٰذا اس کا تصفیہ ہونا چاہیے۔

جواب اول: روایت مذکورہ کی مکمل سند مذکور نہیں کیونکہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا لہٰذا ان کے پاس جس واسطہ سے مذکورہ روایت پہنچی وہ مفقود ہے البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت مذکورہ کی سند یوں موجود ہے۔

حدثنا ابو بکر قال حدثنا عبدة بن سلیمان عن هشام بن عروة عن رجل یقال له اسماعیل قال جاء المؤذن . (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۸ کتاب الاذان) اس سند کا اول راوی مجہول نظر آتا ہے کیونکہ "ایک مرد جس کو اسماعیل کہا جاتا ہے" کا انداز اس پر دلالت کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے ابن عبدالبر نے کہا:

لا اعلم انه روی من وجه یحتج به وتعلم صحته وان مافیه حدیث هشام بن عروة عن رجل یقال له اسماعیل لا اعرفه .

(حاشیہ عبدالحی علی الموطا ص ۸۵)

یعنی میں نہیں جانتا کہ مذکورہ روایت قابل احتجاج طریقہ اور اس کی صحت کے علم کے ساتھ ذکر کی گئی ہو کیونکہ اس میں ہشام بن عروہ راوی جس اسماعیل نامی راوی سے یہ روایت بیان کرتا ہے میں اسے نہیں جانتا۔

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کا اول راوی ہی جب غیر متعارف ہے تو اس کی روایت کا مقام ومرتبہ بھی ویسا ہی ہوگا۔

جواب دوم: تاویل اول: موطا امام محمد کی مذکورہ روایت اگر صحیح تسلیم کر لی جائے تو پھر اس کی تاویل کرنا پڑے گی وہ یہ کہ مؤذن اذان صبح سے فارغ ہوا اور جب جماعت کا وقت قریب آن پہنچا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے در دولت پر حاضر ہو کر "الصلوۃ خیر من النوم" کہنے لگا اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ الفاظ تو صبح کی اذان میں داخل کر لے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مؤذن کا طریقہ پسند آیا اور آپ نے ان الفاظ کو اذان میں داخل کرنے کا حکم دیا بات یہ نہیں بلکہ آپ کو اپنے دروازہ پر آ کر مؤذن کا مذکورہ جملہ کہنا ناگوار گزرا اور فرمایا کہ اس جملہ کا محل وقوع میرا گھر نہیں بلکہ اذان ہے لہٰذا اسے اذان میں کہا کرو۔ یہ تاویل علامہ زرقانی نے بیان کی۔

وجوابه کما نقله الزرقانی عن ابن عبد البران نداء الصبح موضع قوله لاههنا کانه کره ان یکون

اس کا جواب وہ جو امام زرقانی نے ابن عبدالبر سے نقل کیا وہ یہ ہے کہ "الصلوۃ خیر من النوم" کا موقع ومحل اذان صبح ہے یہ

نداء اخر عند باب الامیر کما احدثه الامراء والافالتثويب اشهر عند العلماء والعامة من ان يظن بعمر انه جهل ماسن رسول الله ﷺ وامر به موذنيه بلالا بالمدينة وابا محذورة بمكة .

(زرقانی شرح موطاامام مالک ج ا ص ۱۵۰ ماجاء فی النداء الصلوٰۃ)

میری اقامت گاہ نہیں گویا حضرت عمر نے امیر کے دروازہ پر دوسری اذان کہنا ناپسند فرمایا جیسا کہ امراء نے اسے کیا اور اختراع کیا ورنہ اذان و تثویب کا معاملہ تو علماء کے نزدیک مشہور ومعروف ہے اور عام لوگ بھی اسے بخوبی جانتے ہیں تو پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو حضور ﷺ کے مسنون طریقہ کا علم نہ تھا اور آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت بلال اور مکہ مکرمہ میں حضرت ابومحذورہ کو جو طریقہ اذان سکھایا تھا کیا حضرت عمر اسے نہیں جانتے تھے؟

يحتمل ان عمر قال ذالک انكارا لاستعماله لفظة من الفاظ الاذان فی غیره وقال له اجعلها فيه يعنى لا تقلها فی غیره انتهى وهو حسن متعين.

(زرقانی علی الموطاباب ماجاء فی النداءالصلوٰۃ ج ا ص ۱۵۰)

احتمال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اسی لیے فرمایا کیونکہ آپ اذان کے لفظوں میں سے کسی لفظ کو غیر اذان میں کہنا اور استعمال کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے اور موذن کو فرمایا ان الفاظ کو اذان میں ہی رکھو یعنی غیر اذان میں نہ کہو اور یہ اچھا اور متعین ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے " الصلوة خير من النوم "کو اپنے دروازہ پر کہا جانا پسند فرمایا اور ان الفاظ کو بطور تثویب کہنا مکروہ سمجھا۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ الفاظ کو بطور تثویب کہنے سے روکا گیا یہ نہیں کہ حضرت عمر نے یہ الفاظ اپنی طرف سے اذان صبح میں داخل کیے تھے لیکن اس کے برعکس اہل تشیع کی اذان میں موجود الفاظ "على ولى الله" کے متعلق خود ان کی کتب میں موجود ہے کہ ان کلمات کا اضافہ کرنے والا لعنتی اور مردود ہے۔ اس کی تفصیل "فقہ جعفریہ جلد اول باب الاذان" میں ہم نے ذکر کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

جواب سوم: اذان صبح میں "الصلوة خير من النوم" کا اضافہ حضرت عمر بن الخطاب کا نہیں بلکہ خود حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ ان الفاظ کو آپ نے اذان صبح میں کہنے کا حکم دیا ہے' ملاحظہ ہو۔

ابومحذورہ کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ جنگ حنین کے لیے تشریف لے گئے تو میں اہل مکہ کے دس آدمیوں میں سے دسواں تھا جو ان کی تلاش میں نکلا ہم نے انہیں اذان کہتے سنا اس پر ہم نے ان کا مذاق اڑایا اور از راہ تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان میں سے ایک شخص اچھی آواز والا ہے اسے بلالاؤ چنانچہ ہم سے اذان سنی گئی سب سے آخر میری باری آئی میری آواز خوبصورت تھی لہٰذا مجھے حضور ﷺ کے سامنے بٹھا دیا گیا آپ نے میری پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور تین دفعہ برکت کی دعا دی پھر فرمایا: جاؤ اور جا کر کعبہ میں اذان کہو میں نے عرض کیا: کیسے اذان دوں؟ تو آپ نے مجھے اذان سکھائی چار دفعہ الله اكبر دو دفعہ اشهدان لا اله الا الله ،دو دفعہ اشهدان محمدا رسول الله اور پھر بطور ترجیع ان الفاظ کو دوبارہ کہلوایا۔ اس کے بعد دو دفعہ حی علی الصلوة اور دو دفعہ حی علی الفلاح اور اس کے بعد دو دفعہ الصلوة خير من النوم صبح کی اذان کے لیے کہلوایا پھر آخر میں دو دفعہ الله اكبر سکھلایا۔

عن ابی محذورة ان النبی ﷺ علمه فی الاذان الاول من الصبح الصلوة خير من النوم الصلوة خير من النوم قال ابو جعفر فلما علم رسول

حضرت ابومحذورہ سے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے صبح کی اذان اول میں دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا سکھایا۔ ابوجعفر (طحاوی) کہتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابومحذورہ کو

اللہ ﷺ ذالک ابا محذورۃ کان ذالک زیادۃ علی مافی حدیث عبد اللہ بن زید ووجب استعما لھا وقد استعمل ذالک اصحاب رسول اللہ ﷺ۔ (طحاوی شریف ج ا ص ۱۳۷)

اس کی تعلیم دی تو یہ اس حدیث پر زیادہ الفاظ ہوئے جو عبد اللہ بن زید سے مروی ہیں لہٰذا اس کا استعمال واجب ہوا اور بے شک حضور ﷺ کے صحابہ نے بھی اسے استعمال کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ "الصلوۃ خیر من النوم" کے الفاظ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد واحداث بتانا قطعاً درست نہیں بلکہ حضرت محذورہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے ان کی تعلیم دی۔ حضرت صحابہ کرام نے اذان صبح میں اسے معمول بہ رکھا۔

نوٹ: حضرت ابومحذورہ کے ماتھے پر سے ہاتھ پھیرنا شروع کر کے ناف تک جب آپ پہنچے تو اس کے انوار وتجلیات کی برکت سے ابومحذورہ کو دولت ایمان نصیب ہوئی اور اسی بابرکت فعل کی وجہ سے حضرت ابومحذورہ نے زندگی بھر پیشانی کے نہ بال کٹوائے اور نہ ہی مانگ نکالی۔

"فکان ابو محذورۃ لا یجز ناصیتہ ولا یفرقہ لان رسول اللہ ﷺ مسح علیھا. (دار قطنی ج ا ص ۲۳۵ باب الاذان) معلوم ہوا کہ جب حضرات صحابہ کرام اس جگہ کو جہاں سرکار دوعالم ﷺ کے ہاتھ لگ جاتے اسے بے مثال و بے مثل سمجھتے اور اس کا ادب واحترام کرنا اپنے لیے سرمایۂ آخرت سمجھتے تھے"۔فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ دوم: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ اذان میں جو یہ مروی ہے کہ آپ تین تین مرتبہ تکبیر کہتے تھے پھر شہادتین بھی اتنی ہی مرتبہ ادا فرمایا کرتے تھے چونکہ امام محمد کی موطا میں یہ روایت آئی اس بنا پر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تکبیر و شہادتین تین تین مرتبہ کہنا جائز ہیں۔

جواب: احناف میں سے نہ کسی کا یہ قول اور نہ ہی کسی کا یہ مسلک ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہوا آپ کی مذکورہ روایت درجہ مرفوع میں نہیں اور حدیث مشہورہ کے خلاف بھی ہے کیونکہ احادیث مشہورہ میں پہلے چار دفعہ تکبیر پھر دو دو مرتبہ شہادتین کہنا موجود ہے اور یہی جمہور اہل سنت کا مسلک ہے لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مذکورہ روایت نہ کسی حنفی کا مسلک اور نہ ہی اس کے جواز پر کسی کا قول موجود ہے لہٰذا معمول بہ نہیں۔

مسئلہ سوم: روایت مذکورہ میں حی علی الفلاح کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے "حی علی خیر العمل" کہنا بھی ثابت ہے اور اہل تشیع اپنی اذان میں موجود اسی جملہ کو اہل سنت کی کتب سے ثابت کر کے اتمام حجت کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب: "حی علی خیر العمل" الفاظ مذکورہ کسی صحیح حدیث میں جزو اذان ہونا موجود نہیں اس لیے ان کا اذان میں پڑھنا درست نہیں۔

قال الشیخ وھذہ اللفظۃ لم تثبت عن النبی ﷺ فیما علم بلالا ومحذورۃ ونحن نکرہ الزیادۃ فیہ.

(بیہقی شریف ج ا ص ۴۲۵)

شیخ نے کہا کہ "حی علی خیر العمل" الفاظ اس اذان میں جو حضور ﷺ نے حضرت بلال ومحذورہ کو سکھائی نہیں ملتے اور نہ ہی ثابت ہیں ہم ان الفاظ کی اذان میں زیادتی کو کراہت سے دیکھتے ہیں۔

لہٰذا ان الفاظ کا اذان میں داخل کرنا جائز نہیں کیونکہ اذان بلال ومحذورہ میں کہیں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا۔ حضرات صحابہ کرام سے دوران اذان ان الفاظ کی ادائیگی کسی صحیح روایت میں ہرگز موجود نہیں اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کا دوران اذان

کہا جانا محل نظر ہے جیسا کہ شروع میں تین مرتبہ اللہ اکبر کہنا محل نظر ہے اس لیے مسلک جمہور کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نام سے سخت مجروح روایت کی بنا پر چھوڑنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

مسئلہ چہارم: مذکورہ روایت کے آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "الصلوۃ خیر من النوم" کو اذان صبح میں زیادہ کہنا ناپسند کیا ہے لہٰذا کوئی شیعہ کہہ سکتا ہے کہ احناف کے بہت بڑے امام نے صبح کی اذان میں ان الفاظ کا کہنا ناپسندیدہ قرار دیا۔

جواب: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ناپسندیدگی کا قول کیا۔ وہ الصلوۃ خیر من النوم اور حی علی خیر العمل کے بعد کیا ہے۔ اہل تشیع نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ اس کا تعلق الصلوۃ خیر من النوم کے ساتھ ہے حالانکہ آپ کے اس قول کا تعلق حی علی خیر العمل کے ساتھ ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ الصلوۃ خیر من النوم کا اذان میں ہونا تو حضور ﷺ سے ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام کا اس پر عمل بھی موجود ہے۔ ایسے الفاظ کو وہ ناپسند کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ ناپسندیدگی کی وجہ بیان فرمائی کہ اذان میں جو زیادتی ہے اور زیادتی حی علی خیر العمل ہے نہ کہ الصلوۃ خیر من النوم امام محمد کی مراد یہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

٣٠ - بَابُ الْمَشْيِ اِلَى الصَّلٰوةِ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

نماز کے لیے جانا اور مساجد کی فضیلت کا بیان

٩١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوْبَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا تَأْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا فَاِنَّ اَحَدَكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَا كَانَ يَعْمَدُ اِلَى الصَّلٰوةِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ انہیں علاء بن عبد الرحمٰن بن یعقوب نے اپنے والد سے حدیث سنائی انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو تم نماز کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ آرام و سکون سے آؤ پھر جو پالو وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو تم میں جو شخص نماز کے لیے قصد کر کے چل پڑتا ہے وہ نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا تَعْجَلَنَّ بِرُكُوْعٍ وَلَا افْتِتَاحٍ حَتّٰى تَصِلَ اِلَى الصَّفِّ وَتَقُوْمَ فِيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ تم رکوع و نماز کے افتتاح میں صف تک پہنچنے اور اس میں کھڑے ہونے سے پہلے ہرگز جلدی نہ کرو اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٩٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ الْاِقَامَةَ وَهُوَ بِالْبَقِيْعِ فَاَسْرَعَ الْمَشْيَ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اقامت سنی اور وہ اس وقت جنت البقیع میں تھے وہ وہاں سے جلدی جلدی چل پڑے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا لَا بَأْسَ بِهٖ مَالَمْ يَجْهَدْ نَفْسَهٗ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب تک سانس نہ پھولنے پائے۔

٩٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سُمَيٌّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا بَكْرٍ يَعْنِيْ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اَوْ رَاحَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيْدُ غَيْرَهٗ لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا اَوْ يُعَلِّمَهٗ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى بَيْتِهِ الَّذِيْ خَرَجَ مِنْهُ كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ

ہمیں امام مالک نے انہیں سُمی نے خبر دی انہوں نے ابو بکر بن عبد الرحمٰن کو کہتے سنا: جو شخص صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے تاکہ وہاں کسی کو دین کی بات سکھائے یا کسی سے سیکھے اس کے سوا اس کا کوئی دوسرا ارادہ نہ ہو پھر اپنے اس گھر میں لوٹ آئے جہاں سے گیا تھا۔

اللّٰہِ رَجَعَ غَانِمًا. تو وہ فی سبیل اللہ مجاہد کی مثل ہے جو مال غنیمت لیے واپس گھر آجائے۔

مذکورہ آثار سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔

پہلا مسئلہ: جماعت ہو رہی ہو تو آنے والے کے لیے جماعت میں شمولیت کی خاطر دوڑ بھاگ سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ سکون و اطمینان سے آئے اور نماز میں شامل ہو جائے جس قدر میسر آئے وہ پڑھ لے اور جو نہ مل سکے اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے مثلاً ظہر کی جماعت ہو رہی ہے آنے والا پچھلی دو رکعتوں میں مل گیا اب اٹھ کر جو دو رکعت ادا کرے گا یہ اس کی پہلی دو رکعت ہوں گی لہٰذا ان میں سے پہلی میں ثنا، فاتحہ اور قرآن پڑھے گا اور دوسری میں فاتحہ اور قرآن پڑھے گا اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔

دوسرا مسئلہ: جماعت میں شامل ہونے کے لیے دوڑنا چاہیے نہ تھا کیونکہ احترام مسجد کے خلاف ہونے کے ساتھ اس میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا بھی ہے ہاں بغیر مشقت میں پڑے اگر تیز قدم اٹھا کر شامل ہو جائے تو اس کی اجازت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل اس کی دلیل ہے۔

تیسرا مسئلہ: مسجد میں جانے کا مقصد علم دین سیکھنا ہونا چاہیے اور یہ مقصد لے کر آنے جانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کی مانند ہے جو جہاد کا ثواب اور مال غنیمت کا فضل ساتھ لایا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے یا سکھائے اسی کی تشریح و تفسیر کر رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ

٣١ - بَابُ الرَّجُلِ یُصَلِّیْ وَقَدْ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِی الْاِقَامَةِ

مؤذن اقامت کہنے لگے اور کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

٩٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا شَرِیْكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ نُمَیْرٍ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعَ قَوْمٌ الْاِقَامَةَ فَقَامُوْا یُصَلُّوْنَ فَخَرَجَ عَلَیْهِمُ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ اَصَلَاتَانِ مَعًا.

ہمیں امام مالک نے انہیں شریک بن عبداللہ بن ابی نمیر نے خبر دی کہ ابوسلمٰی بن عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا لوگوں نے اقامت سنی پھر وہ کھڑے ہو کر اپنی اپنی (نفلی) نماز پڑھنے لگے اتنے میں حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے پھر فرمایا: کیا دو نمازیں اکٹھی (پڑھی جا رہی ہیں)؟

قَالَ مُحَمَّدٌ یُكْرَهُ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ اَنْ یُّصَلِّیَ الرَّجُلُ تَطَوُّعًا غَیْرَ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ خَاصَّةً فَاِنَّهٗ لَا بَاْسَ بِاَنْ یُّصَلِّیَهُمَا الرَّجُلُ وَاِنْ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِی الْاِقَامَةِ وَكَذٰلِكَ یَنْبَغِیْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں جب اقامت کہی جا چکی ہو تو نفلی نماز ماسوائے دو رکعت سنت فجر پڑھنا مکروہ ہے۔ ان دو رکعتوں میں اقامت ہوتے ہوئے بھی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور چاہیے بھی اسی طرح اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

مذکورہ روایت سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جب جماعت کے لیے اقامت کہی جا چکی ہو تو پھر سنت و نوافل کی ادائیگی درست نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ اقامت ہو چکنے کے بعد صرف صبح کی دو سنتیں ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس میں بھی یہ بات پیش نظر رہے کہ سنتوں کی ادائیگی سے کہیں جماعت چھوٹ نہ جائے یہی احناف کا مسلک ہے۔

اعتراض

حضور ﷺ سے مروی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ''اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا التی اقیمت لھا (طحاوی ج۱ص۳۷۲مطبوعہ بیروت باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاۃ الفجر) جب اقامت کہی جائے تو پھر وہی نماز درست ہوگی جس کے لیے اقامت کہی گئی''۔اس سے معلوم ہوا کہ جماعت ہوتے ہوئے کوئی نفل یا سنت حتیٰ کہ صبح کی سنتیں پڑھنا درست نہیں۔احناف نے جواز کہاں سے نکالا؟

جواب: مذکورہ اعتراض میں مذکورہ حدیث پاک اگرچہ عام معلوم ہوتی ہے لیکن بہت سے آثار اس میں سے صبح کی سنتوں کی ادائیگی کو مستثنیٰ کرتے ہیں لہٰذا صبح کی سنتوں کو چھوڑ کر باقی تمام نوافل وسنن کی ادائیگی کا اس میں تذکرہ ہے، آثار ملاحظہ ہوں۔

عن ابی عثمان انصاری قال جاء عبد الله بن عباس والامام فی صلوۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلی عبد الله بن عباس رضی الله عنهما الرکعتین خلف الامام ثم دخل معهم.
(طحاوی شریف ج۱ص۳۷۵)

ابوعثمان انصاری سے کہ عبداللہ بن عباس مسجد میں ایسے وقت تشریف لائے کہ امام صبح کی نماز پڑھا رہے تھے عبداللہ بن عباس نے صبح کی دوسنتیں نہیں ادا کیں تھیں پس آپ نے امام سے ہٹ کر دورکعتیں ادا کیں پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔

عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی الله عنهما انه جاء والامام یصلی الصبح ولم یکن صلی الرکعتین قبل صلوۃ الصبح فصلاهما فی حجرۃ حفصة رضی الله عنها ثم انه صلی مع الامام .
(طحاوی ج۱ص۳۷۵)

زید بن اسلم سے کہ حضرت عبداللہ بن عمر مسجد میں تشریف لائے اس وقت امام صبح کی جماعت کرارہے تھے آپ نے ابھی صبح کی دوسنتیں ادا نہ فرمائی تھیں پس آپ نے یہ دوسنتیں حفصہ کے حجرہ میں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

عن ابی عبید اللـه عن ابی درداء انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوۃ. (طحاوی ج۱ص۳۷۵)

ابوعبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے لوگ نماز فجر کے لیے صفیں باندھ چکے تھے آپ نے دورکعت سنت فجر مسجد کے ایک کونہ میں ادا کیں پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گئے۔

آثار کثیرہ میں سے ہم نے چند پر اکتفا کیا جن سے معلوم ہوا کہ فقہاء صحابہ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور ابودرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے ثابت ہوا کہ صبح کی سنتیں، جماعت ہوتے ہوئے بھی پڑھ لینی چاہیے لیکن اس میں احتیاط یہ ہے کہ جماعت کی صفوں سے ہٹ کر کسی کونہ میں ادا کی جائیں لہٰذا احناف کا مسلک ان آثار سے ثابت اور ان کے مطابق ہے علاوہ ازیں حضور ﷺ کا صبح کی سنتوں کے بارے میں ارشاد کہ ''صبح کی سنتیں ترک نہ کرو اگرچہ تمہیں گھوڑے یا اونٹ کچل دیں'' بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ ان سنتوں کی اہمیت دوسری نفلی یا سنت نمازوں سے زیادہ ہے اسی تاکید کے پیش نظر جماعت ہوتے ہوئے صرف دوسنتوں کی ادائیگی کا ہم قول کرتے ہیں۔اگر جماعت چھوٹنے کا خطرہ ہو تو پھر یہ سنتیں بھی ترک کر کے جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے اور طلوع آفتاب کے بعد ان دوسنتوں کو ادا کر لینا چاہیے۔

عن ابی مجلز قال دخلت المسجد فی الصلوۃ الغداۃ مع ابن عمر و ابن عباس رضی الله

ابومجلز کہتے ہیں کہ میں صبح کی نماز کے لیے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور امام جماعت کرا

عنهم والامام يصلي اما ابن عمر فدخل في الصف واما ابن عباس فصلى ركعتين ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مكانه حتى طلعت الشمس فقام فركع ركعتين. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۳۷۵)

رہا تھا ابن عمر تو جماعت میں شامل ہو گئے اور ابن عباس نے دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شمولیت فرمائی پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی جگہ طلوع آفتاب تک بیٹھے رہے پھر اٹھے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

قارئین کرام! حضرت ابن عمر نے یہ سمجھا کہ اگر میں صبح کی سنتوں کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا تو جماعت جاتی رہے گی کیونکہ آپ نماز بہت آہستہ ادا کرتے تھے اس لیے آپ نے اس خطرہ کے پیش نظر سنتیں ادا کیے بغیر جماعت میں شمولیت فرمالی لیکن طلوع آفتاب کے بعد پھر انہیں ادا کر لیا لہٰذا دو مسئلے واضح طور پر معلوم ہو گئے وہ یہ کہ اگر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شمولیت ہو سکتی ہو تو سنتیں پڑھ لینی چاہئیں اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے اور سنتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھا جائے۔

۳۲ - بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صف کو سیدھا کرنے کا بیان

۹۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَأْمُرُ رِجَالًا بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ فَاِذَا جَاءُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِتَسْوِيَتِهَا كَبَّرَ بَعْدُ.

ہمیں امام مالک نے انہیں نافع نے ابن عمر سے خبر دی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کو صفیں سیدھی کرانے کا حکم دیتے پھر جب وہ آ کر بتلاتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو آپ اس کے بعد تکبیر کہتے۔

۹۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ سُهَيْلِ ابْنِ مَالِكٍ وَاَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَبِيْ عَامِرٍ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ اِذَا قَامَتِ الصَّلٰوةُ فَاعْدِلُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بِالْمَنَاكِبِ فَاِنَّ اِعْتِدَالَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يُكَبِّرُ حَتّٰى يَأْتِيَهٗ رِجَالٌ قَدْ وَكَّلَهُمْ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ فَيُخْبِرُوْنَهٗ اَنْ قَدِ اسْتَوَتْ فَيُكَبِّرُ.

ہمیں امام مالک نے ابو سہیل ابن مالک اور ابوالنضر مولیٰ عمرو بن عبید اللہ نے مالک بن ابی عامر انصاری سے خبر دی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خطبہ میں فرمایا کرتے تھے جبکہ اقامت کہی جاتی تھی لوگو! صفیں درست کرو اور کندھوں کو برابر کرلو کیونکہ صفوں کا درست ہونا تمام نماز میں سے ہے پھر اس وقت تک تکبیر نہ کہتے جب تک وہ لوگ نہ آ جاتے جو آپ نے صفوں کی درستگی کے لیے مقرر کیے ہوتے تھے وہ آ کر خبر دیتے کہ صفیں درست ہو گئی ہیں اب آپ تکبیر کہتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يَنْبَغِيْ لِلْقَوْمِ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَنْ يَّقُوْمُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ فَيَصُفُّوْا وَلْيُسَوُّوا الصُّفُوْفَ وَيُحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ فَاِذَا اَقَامَ الْمُؤَذِّنُ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ الْاِمَامُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ مسجد میں موجود نمازیوں کو چاہیے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے کھڑے ہوں اور صفیں درست کریں اور کندھوں کو برابر کریں پھر جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر کہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مذکورہ روایت سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس وقت تکبیر کہتے جب صفیں درست ہونے کی آپ کو اطلاع کر دی جاتی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ صفوں کو درست کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ آپ بھی صفوں کی درستگی کی اطلاع ملنے پر تکبیر کہتے۔

سوال: کندھے سے کندھا ملانے کی طرح کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پاؤں سے پاؤں بھی ملنا چاہیے یعنی ایک آدمی کے پاؤں کا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ ملا ہوا ہو اس ملاقات کے لیے دونوں پاؤں میں کافی فاصلہ درکار ہوتا ہے لہٰذا وہ اس فاصلے کی پرواہ نہیں

کرتے تو کیا ٹخنہ سے ٹخنہ ملانا بھی ضروری ہے؟

جواب: ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کی بات حضور ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ حضرات صحابہ کرام میں سے بعض کا عمل اس کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اس کے خلاف حدیث صریح موجود ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

ان رسول الله ﷺ قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم لم یقل عیسی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان. (ابوداؤدج اص ۹۷ باب تسویۃ الصفوف)

حضور ﷺ نے فرمایا: صفوں کو سیدھا کرو کندھوں کو برابر کرو اور درمیان کی خالی جگہ نہ چھوڑو اور اپنے بھائیوں کے لیے بازوؤں کو نرم رکھو۔ عیسیٰ نے "لینوا بایدی اخوانکم" ذکر نہیں کیا اور شیطان کے لیے رخنے نہ چھوڑو۔

ابوداؤد کی مذکورہ حدیث میں دو باتوں کا ارشاد ہے ایک یہ کہ کندھے کو کندھے کے برابر کرو اور دوسری یہ کہ رخنوں کو بند کرو۔ اب اگر کندھے سے کندھا ملایا جاتا ہے تو جسم کے بالائی حصہ کا رخنہ تو بند ہو جائے گا لیکن پاؤں کا رخنہ بڑھے گا اس رخنہ کی بندش کے بارے میں غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ رخنہ سے مراد دو نمازیوں کے درمیان والا خلا ہے اور جب ٹخنے سے ٹخنہ ملایا جاتا ہے تو رخنہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اس رخنہ کے بند ہونے سے ایک نمازی کے اپنے دونوں پاؤں کا رخنہ اور بڑھ جاتا ہے اور رخنہ جس قدر زیادہ کھلا ہوگا شیطان کے لیے اسی قدر دخل اندازی زیادہ ہوگی اس لیے شیطان کی دخل اندازی ختم کرنے کا وہی طریقہ ہے جو احناف کا مسلک ہے یعنی یہ کہ ہر نمازی اپنے دونوں پاؤں میں چار انگل تک کا فاصلہ رکھے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے کی صورت میں نمازی کے اپنے پاؤں اور دوسرے نمازی اور اپنے درمیان رخنہ دونوں کم ہوں گے۔ علامہ شامی نے اسی لیے چار انگشت کے درمیانی فاصلہ کو اقرب الی الخشوع فرمایا۔ چار انگشت کا فاصلہ احناف کی کتب کثیرہ میں موجود ہے اور یہ فاصلہ دراصل پاؤں کو طبعی عادت پر چھوڑنے کے مترادف ہے اور دونوں نمازیوں کا ایک دوسرے سے ٹخنہ ملانا بے مقصد تکلف اور خلاف طبع ہے اور رخنہ بند کرنے کے بھی منافی ہے۔ حالانکہ الفاظ حدیث "الزاق المنکب بالمنکب" بھی صف کی تعدیل اور درمیان میں خلاء کو ختم کرنے پر بطور مبالغہ مراد لیے جاسکتے ہیں جیسا کہ ابن حجر نے اسی حدیث کے تحت لکھا بھی ہے اور فقہائے اربعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ دو نمازیوں کو اپنے درمیان اتنی جگہ نہیں چھوڑنی چاہیے جس میں تیسرا آدمی کھڑا ہو سکے۔ دو پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہونا "شرح الوقایہ" اور دوسری کتب میں موجود ہے۔ امام شافعی کے مقلدین کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کا دوسرا قول ایک بالشت کا بھی ہے۔ اس کے برعکس دو نمازیوں کا ایک دوسرے سے ٹخنے ملانے کا کسی نے قول نہیں کیا اور نہ ہی کسی کتاب میں مذکور ہے اور اگر آیا بھی ہے تو اس سے مراد محاذات ہے۔

پھر سلف صالحین میں نماز باجماعت پڑھنے اور تنہا پڑھنے میں حالت قیام میں پاؤں کے درمیان دو مختلف طریقے اختیار کرنا کہیں مذکور نہیں یعنی دوران جماعت تو ان کے پاؤں کے درمیان فاصلہ زیادہ اور تنہا نماز پڑھنے میں کم ہوتا ہو لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملانا درحقیقت غیر مقلدین کی اختراع ہے اور ان کے پاس اگر اس اختراع کی کوئی دلیل ہے تو وہ فقط "الصادق" کا لفظ ہے حالانکہ الباء للالصاق کے تحت مشہور مثال "مرات بزید" میں الصادق کا معنی حقیقۃً موجود ہے لیکن ان غیر مقلدین سے کوئی پوچھے کہ متکلم کا زید سے الصادق مرور کا کیا مفہوم ہے؟ کیا زید کے پاس سے گزرنا مراد ہے یا زید کے جسم کو چھو کر گزرنا مراد ہے؟ جب یہاں الصادق سے مراد زید کے قریب سے گزرنا ہے تو قدم کا قدم سے الصاق کا معنی ایک دوسرے کے قریب ہونا ہی ہوگا۔ آپس میں جڑنا کہاں سے آ گیا؟ تو واضح ہوا کہ غیر مقلدین کی طرح اپنے پاؤں خوب پھیلا کر کھڑا ہونا خلاف طبع اور خلاف عرف ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت صحابہ کرام و تابعین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے دوران جماعت پاؤں خوب پھیلائے ہوں اور تنہا پڑھتے وقت عادت کے مطابق فاصلہ رکھا ہو اور "الزاق المنکب بالمنکب" کا مقصود دراصل صفوں کو سیدھا کرنا ہے۔ دلائل کو

چھوڑیئے عملی طور پر ٹخنے سے ٹخنہ ملانا کارے دارد کیونکہ ٹخنہ سے ٹخنہ ملنے میں دو قوی موانع موجود ہیں۔ایک پاؤں کے تلوے کا کنارہ جو کھڑا ہونے کی صورت میں ٹخنے سے کچھ آگے بڑھ جاتا ہے۔جب دو آدمی ایک دوسرے سے ٹخنہ ملانا چاہیں گے تو پہلے پاؤں کے تلوے کا کنارہ ملے گا پھر تکلف شدید کے ساتھ ٹخنہ ٹخنے سے متصل ہوگا، دوسرا مانع یہ کہ جب تک پاؤں کی وہ طرف جس میں انگوٹھا ہوتا ہے۔اسے زمین سے اٹھایا نہ جائے گا بلکہ چھنگلیا کے علاوہ چاروں انگلیوں کو بمع ایڑھی تک کے حصہ کے اٹھانا پڑے گا تب جا کر دونوں ٹخنوں کی ملاقات ہوگی یہ عمل ایک طرف نمازی کی صورت میں اور اگر دونوں طرف نمازی ہوں تو دو گنی مصیبت پھر اسی کیفیت میں پورا قیام بلا مشقت ناممکن ہے سجدہ کی حالت میں اس سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے پھر سجدہ کے بعد جب قعدہ یا جلوس ہوگا تو قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان کا فاصلہ جب تک کم نہ کیا جائے بیٹھنا دشوار، پھر بیٹھ کر اٹھانا اور قیام میں دوبارہ پاؤں کو بالا رادہ پہلے جتنا پھیلانا ان تمام تکلفات کو ہم غیر مقلدوں کی نماز میں دیکھتے ہیں لیکن وہ اپنے امتیاز کی خاطر اسے ہرگز چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور خواہ مخواہ اسے سنت کہنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔جہاں کہیں ''صف بین القدمین'' کا لفظ دیکھتے ہیں اسے اپنی عملی کیفیت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اس سے مراد قدموں کی محاذات ہے اس سے بڑھ کر ٹخنے سے ٹخنہ ملانا حضور ﷺ سے ایسا کوئی لفظ مروی نہیں جو اس کی تصریح کرتا ہو۔ابن حجر نے بھی ایسے الفاظ سے مراد تعدیل صفوف اور برابر کھڑا ہونا لیا ہے۔سلف صالحین کا دوران جماعت اور تنہا قیام ایک حالت کا ہونا اور کامل محدثین وفقہاء کی جامع آراء کے علاوہ عرف عام سبھی احناف کی تائید کرتی ہیں اس لیے غیر مقلدین خواہ مخواہ تکلف میں پڑے ہوئے ہیں۔خود بھی اور اپنے مقلدین کو بھی پریشان کیے ہوئے ہیں۔امید ہے کہ ہر غیر متعصب قاری ہماری ان گزارشات کو پڑھ کر صحیح فیصلہ کر سکے گا اور نماز ایسی عبادت کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کو غنیمت سمجھے گا۔**فاعتبروا یا اولی الابصار**

دوسرا مسئلہ: جو گزشتہ روایت سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو نمازیوں کو کھڑا ہو کر صفیں درست کرنی چاہیے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ پر پہنچے تو امام نماز شروع کردے۔

اعتراض

بعض کا کہنا ہے کہ اقامت کے وقت حی علی الفلاح پر جا کر کھڑا ہونا بدعت سیئہ ہے۔سنت یہ ہے کہ اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہی کھڑا ہو کر صفیں درست کر لی جائیں لہٰذا احناف کا مذکورہ مسلک خلاف سنت ہے۔

جواب: یاد رہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا غیر مقلدین کے ہاں تو بدعت سیئہ ہے ہی لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ کچھ حنفی المسلک بھی یہی کہتے پھرتے ہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو درست نہیں سمجھتے۔بہر حال یہ مسئلہ ایسا ہے جس کا احادیث صحیحہ میں اثبات ہے اور فقہ کی معتبر کتب میں صراحۃ موجود ہے۔مشکوٰۃ شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی بایں الفاظ موجود ہے۔''**لا تقوموا حتی ترونی** (ج ا ص ۳۴۵) مجھے دیکھے بغیر نماز کے لیے مت کھڑے ہوا کرو''۔اسی حدیث کے تحت مرقات شرح المشکوٰۃ میں ہے''**لعله** ﷺ **کان یخرج من الحجرة بعد شروع المؤذن فی الاقامة فید خل فی المحراب عند قوله حی علی الفلاح** ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ اپنے حجرہ شریفہ سے مؤذن کے اقامت شروع کردینے کے بعد باہر تشریف لاتے ہوں اور محراب میں حی علی الفلاح کے وقت داخل ہوتے ہوں''۔حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام کا اول معمول یہ تھا کہ اقامت کے شروع ہوتے ہی وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے لیکن حضور ﷺ نے جب یہ دیکھا تو انہیں منع فرما دیا اور فرمایا کہ مجھے دیکھ کر پھر کھڑے ہوا کرو۔

ملا علی قاری نے یہ احتمال بیان کیا کہ حضور ﷺ اقامت شروع ہونے کے بعد حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور محراب میں

حی علی الفلاح کہتے وقت داخل ہوتے تو جب صحابہ کرام آپ کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے ۔ اب یہ دیکھنا اقامت سے پہلے تو نہیں ہو سکتا کیونکہ اقامت شروع ہونے کے بعد آپ تشریف لایا کرتے تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ اقامت بیٹھ کر سننا حدیث سرور کائنات ﷺ کے عین مطابق ہے ۔ اسے بدعت سیئہ کہنا خود بدعت سیئہ ہے ۔ اس حدیث سرور کائنات ﷺ پر عمل کرنے والی ایسی شخصیت کا ہم ذکر کرتے ہیں جن سے بارشاد رسول مقبول ﷺ شیطان بھی بھاگتا تھا اور جن کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''ان الله ینطق علی لسان عمر . بے شک اللہ تعالیٰ عمر بن خطاب کی زبان پر بولتا ہے'' ۔

وکان عمر رضی الله عنه یقول لاتقوموا للصلوة حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوة .
(کشف الغمہ عن جمیع الامۃ صفات المؤذن ص ۸۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤذن جب تک قد قامت الصلوٰۃ نہ کہے نماز کے لیے کھڑے نہ ہوا کرو ۔

کان انس یقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوة . (نووی مع مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا ۔

لمحۂ فکریه: ہم نے تکبیر بیٹھ کر سننے پر ایک قولی حدیث اور دو عدد آثار جن میں سے ایک فقیہہ صحابہ اور دوسرا حافظ الحدیث صحابہ کا ہے ٗ پیش کیے ہیں ۔ ان کے مطالعہ کے بعد ہر قاری یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے یا سنت رسول اللہ ﷺ ہے؟ انہی روایات کے پیش نظر فقہاء کرام نے تکبیر بیٹھ کر سننے کا فتویٰ دیا ہے ۔ چند فتاویٰ ملاحظہ ہوں ۔

تکبیر (اقامت) بیٹھ کر سننے کا ثبوت کتب مشہورہ فقہیہ احناف سے

لان المقیم امر بالقیام ای ضمن قوله حی علی الفلاح فان المراد بفلاحهم المطلوب منهم حینئذ الصلوة فیبادر الیها بالقیام .
(طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۶۶ مطبوعہ مصر)

اس لیے کہ اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کے ضمن میں کھڑے ہونے کا حکم دے رہا ہے کیونکہ اس فلاح سے مراد نماز ہے لہٰذا اسے ادا کرنے کے لیے آگے بڑھ جانا چاہیے ۔

والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافا لزفر فعنده عند حی علی الصلوة ابن کمال ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتهی الیه الامام علی الاظهروان دخل من قدام قالوا حین یقع بصرهم علیه الا اذا اقام الامام بنفسه فی مسجد فلا یقف حتی یتم اقامته ظهیر یته وان خارجه قام کل صف ینتهی الیه بحر وشروع الامام فی الصلوة مذقیل قد قامت الصلوةولو اخر حتی اتمها لاباس به اجماعا .
(درمختار ج ۱ ص ۴۷۹ مطبوعہ مصر)

امام اور مقتدی کو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا چاہیے ۔ امام زفر کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا چاہیے اگر امام محراب کے نزدیک ہے اور اگر قریب نہیں تو پھر جس صف کے قریب امام پہنچے وہ کھڑی ہو جائے اور اگر امام نمازیوں کے آگے سے آیا تو پھر اس کو دیکھنے پر کھڑے ہو جائیں ہاں اگر امام خود ہی اقامت کہنے والا ہو تو پھر اقامت کے اختتام پر کھڑا ہونا چاہیے اور اگر امام مسجد سے باہر سے آئے تو جس صف کے جب قریب پہنچے تو وہ کھڑی ہو جائے اور امام قد قامت الصلوٰۃ کے کہتے وقت نماز شروع کر دے اور اگر اس کے بعد ٹھہر کر شروع کرے تو بھی بالاتفاق کوئی حرج نہیں ہے ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر اولیٰ کے شروع ہونے کے وقت امام اور مقتدی کو کھڑا رہنا چاہیے یا بیٹھ رہنا چاہیے اور بیٹھ جانے میں کیا فضیلت اور کھڑے رہنے میں کیا نقصان ہے؟ (فتاویٰ رضویہ)

جواب: امام کے لیے اس میں کوئی خاص حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں' کھڑے کھڑے تکبیر سننا مکروہ ہے یہاں تک کہ عالمگیر وغیرہ میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں آئے کہ تکبیر ہو رہی ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو اور اس میں راز مکبر کے اس قول کی مطابقت ہے کہ قد قامت الصلوۃ۔ ادھر اس نے حی علی الفلاح کہا کہ آؤ مراد پانے کو جماعت کھڑی ہوئی اس نے کہا قد قامت الصلوٰۃ جماعت قائم ہوگئی۔

(ملخص فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۴۸ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مطبوعہ میرٹھ)

احناف کی مشہور کتب سے فتاویٰ آپ نے ملاحظہ کیے۔ بہرحال یہ مسئلہ بالکل ثابت اور واضح ہے کہ مقتدی کے لیے تکبیر کھڑے ہو کر سننا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدی کھڑے ہو جائیں۔ اس کی دلیل نقلی تو حضور ﷺ کی حدیث پاک اور آثار صحابہ کبار ہیں اور دلیل عقلی یہ کہ اس وقت کھڑا ہونے والا دراصل فلاح کے حصول کے لیے اٹھ کھڑا ہوا جس کی طرف مکبر نے دعوت دی تھی اور قد قامت الصلوٰۃ کہتے وقت اس فلاح کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ فتاویٰ سے چند مسائل سامنے آئے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) اگر امام باہر سے مسجد میں آ رہا ہو تو اس کو دیکھ کر کھڑے ہونا چاہیے تا کہ ''حتی ترونی'' پر عمل ہو سکے۔

(۲) اگر کوئی نمازی مسجد میں ایسے وقت داخل ہوا کہ تکبیر شروع ہو چکی تھی تو وہیں جہاں چاہے بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر اٹھ کر صف میں شامل ہو جائے۔

(۳) اگر امام مقتدیوں کے پیچھے سے آئے تو جس صف کے پاس سے وہ گزرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور اگلی بیٹھی رہیں۔

(٤) اگر امام مسجد میں موجود ہو تو مکبر کی تکبیر پوری کرنے تک مقتدی کھڑے نہ ہوں کیونکہ اس صورت میں نہ تو حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ ہی وہ خطرہ ہے کہ اگر تکبیر ہو جائے اور امام نہ آئے تو مقتدیوں پر طول قیام بھاری ہو جائے۔

فاعتبروا یااولی الابصار

لو اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل فی المسجد فانه یقعد الی ان یقوم الامام فی مصلاة.

(بحر الرائق ج ا ص ۲۵۷)

اگر مؤذن نے اقامت کہنی شروع کر دی اور کوئی مرد مسجد میں داخل ہوا تو اسے امام کے مصلی پر کھڑے ہونے تک بیٹھا رہنا چاہیے۔

اذا اخذ المؤذن فی الاقامة واذا دخل الرجل فی المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائم فانه مکروه کما فی المضمرات القهستانی ویفهم فیه کراهیة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۶۶)

جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے کھڑے انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس سے یہ بات بھی مفہوم ہوئی کہ اقامت کے شروع کرتے وقت کسی کا کھڑا ہو جانا مکروہ ہے لوگ اس سے بے خبر ہیں۔

اذا دخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح عند علماء نا الثلاثة وهو الصحیح .

(فتاویٰ عالمگیریہ ج ا ص ۵۹ مطبوعہ مصر)

اقامت ہوتے وقت اگر کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے وہ بیٹھ جائے پھر اس وقت اٹھ کھڑا ہو جب موذن حی علی الفلاح پر پہنچے یہ ہمارے تینوں علماء (ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے) اور یہی صحیح ہے۔

غیر مقلدین کی کتب سے کھڑے ہوکر تکبیر کی تردید

قال نووی فی روایة اذا اقیمت الصلوة فلا تقوموا حتی ترونی وفی روایة ابی هریرة اقیمت الصلوة وقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول الله ﷺ وفی روایة ان الصلوة کانت تقام لرسول الله فیأخذ الناس مصافهم قبل ان یقوم النبی ﷺ مقامه وفی روایة جابر ابن سمرة رضی الله عنه کان بلال یؤذن اذا دحضت ولا یقیم حتی یخرج النبی ﷺ فاذا خرج اقام الصلوة حین یراه قال القاضی عیاض یجمع بین مختلف هذه الاحادیث بان بلالا کان یراقب خروج النبی ﷺ من حیث لا یراه غیره او الا القلیل فعند اول خروجه یقیم ولا یقوم الناس حتی یروه ثم لا یقوم مقامه حتی یعتدلوا الصفوف وقوله فی روایة ابی هریرة فیأخذ الناس مصافهم قبل خروجه لعله کان مرة او مرتین ونحوهما لبیان الجواز اولعذر ولعل قوله ﷺ لا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذالک . وذهب الاکثرون الی انهم اذاکان الامام معهم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الاقامة وعن انس انه کان یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة . واما اذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الی انهم لا یقومون حتی یروه.

(عون المعبود ج ا ص ۲۱۲)

نووی نے کہا: ایک روایت میں ہے جب اقامت کہی جائے تو مجھے دیکھے بغیر مت کھڑے ہوا کرو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اقامت کہی گئی اور ہم کھڑے ہو گئے اور حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل صفیں سیدھے کرنے لگے۔ ایک اور روایت میں ہے نماز حضور ﷺ کے آنے پر کھڑی ہوتی تھی پھر حضور ﷺ کے اپنی جگہ تشریف فرما ہونے سے قبل لوگ اپنی اپنی صف میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اذان کا وقت ہو جاتا تو اذان دے دیتے لیکن حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل اقامت نہ کہتے پھر جب آپ کو بلال دیکھ پاتے تو اقامت کہتے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ان مختلف روایات میں یوں تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسی جگہ سے سرکار دو عالم ﷺ کا بیٹھے انتظار کرتے تھے جہاں سے صرف انہیں یا چند اور صحابہ کو حضور ﷺ نظر آسکتے تھے۔ جب آپ کا شانۂ اقدس سے باہر تشریف لاتے تو آپ کے اولین قدم اٹھاتے وقت حضرت بلال اقامت کہنا شروع کر دیتے اور دیگر صحابہ کرام اس وقت کھڑے ہوتے جب وہ حضور ﷺ کو دیکھ پاتے پھر آپ امامت کے لیے اپنی جگہ پر اس وقت تک تشریف نہ لے جاتے جب تک لوگ صفیں درست نہ کر لیتے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ آیا ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل ہی صفیں بنالیا کرتے تھے یہ ہوسکتا ہے ایک آدھ مرتبہ ایسا ہوا ہوتا کہ اس طرح بیان جواز سامنے آجائے یا ایسا کسی عذر کی بنا پر ہوا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مجھے دیکھے بغیر مت کھڑے ہوا کرو۔ شاید اس کے بعد فرمایا گیا ہو اکثر فقہاء محدثین کا یہ مذہب ہے کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہی موجود ہو تو پھر نمازیوں کو اقامت سے فراغت پر کھڑا ہونا چاہیے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوا کرتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہا کرتا تھا اور

اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نمازیوں کو
امام کے دیکھے بغیر کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔

''عون المعبود'' کی مذکورہ عبارت سے تین مسئلے معلوم ہوئے

اول: تکبیر شروع ہوتے ہی نمازیوں کا کھڑے ہو جانا عمل صحابہ کرام کے خلاف ہے اور صحابہ کرام کا عمل حضور ﷺ کی حدیث پاک "لاتقوموا حتی ترونی" کے مطابق تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک کہ ''صحابہ کرام، حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل ہی صفیں باندھ لیا کرتے تھے'' اس کے صاحب عون المعبود مولوی محمد اشرف نے تین جوابات نقل کیے۔ (۱) یہ عمل ایک دو دفعہ ہی ہوا تاکہ نفس جواز کا بیان بن سکے (۲) ایسا کسی عذر کی بنا پر ہوا (۳) یہ عمل حضرات صحابہ کرام کا اس دور کا ہو جب حضور ﷺ نے "لا تقوموا حتی ترونی" ابھی ارشاد نہیں فرمایا تھا اس ارشاد کے بعد یہ عمل ختم کر دیا گیا ہو۔ ان تین عدد جوابات کو نقل اسی لیے کیا گیا تاکہ اصل مسئلہ صحیح و سالم رہے لہٰذا یہ سامنے آیا کہ اقامت کہتے وقت فوراً مقتدیوں کا کھڑے ہونا درست نہیں۔

دوم: علماء محدثین کی اکثریت کا یہ مسلک ہے کہ امام اگر مسجد میں ہی ہو تو اقامت سے فراغت پر امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہونا چاہیے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اس کے قریب قریب ہے یعنی آپ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔

سوم: اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ امام کو دیکھے بغیر کوئی نمازی اقامت کے وقت کھڑا نہ ہو۔

الحاصل: حضور ﷺ کے ارشاد گرامی، عمل صحابہ کرام، اکثر فقہاء اور محدثین اور جمہور مسلمانوں کے مسلک سے یہی ثابت ہوا کہ اقامت شروع کرتے وقت نمازیوں کو کھڑا ہو جانا درست نہیں بلکہ بیٹھ کر تکبیر سنی جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہو کر صفیں درست کی جائیں۔ اب ان تمام دلائل کو چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے والے ذرا سوچیں کہ ''اہل حدیث'' نام رکھنا کہاں تک انہیں زیب دیتا ہے؟ بہر حال یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے خواہ مخواہ اس کے خلاف جانا "من شذ شذ فی النار" کی راہ ہموار کرنا ہے۔ جاہل احناف کو بھی اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے اور اپنا طریقہ جمہور کے مطابق بنانا چاہیے۔

موطا امام محمد کی اگلی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولوی اشرف نے مزید لکھا۔

حدیث: ظہمس نے کہا: ہم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو امام نہ نکلا تو ہم میں سے بعض بیٹھ گئے (اور میں بھی بیٹھ گیا) تو مجھے اہل کوفہ کے ایک شخص نے کہا تجھے کس چیز نے بٹھایا؟ میں نے کہا ابن یزید نے کہ اس نے کہا ہے کہ (کھڑے ہو کر امام کی انتظار کرنا) ''سمود'' ہے۔

السمود کان ابن بریده کره هذ الفعل کما کرهه علی وهو موضع ترجمه قال ابن الاثیر فی النهایة فی حدیث علی انه خرج والناس ینتظرونه للصلوة قیاما فقال مالی اراکم سامدین وحکی عن ابراهیم النخعی انه قال یکون کانوا یکرهون ان ینتظروا الامام قیاما ولکن قعودا وتقولون ذالک السمود. (عون المعبود ج ۱ ص ۲۱۴)

گویا ابن بریدہ نے یہ فعل اچھا نہ جانا جیسا اس کو حضرت علی المرتضیٰ نے اچھا نہ سمجھا اور یہی ترجمۃ الباب کے مطابق مفہوم ہے۔ ابن الاثیر نے النہایہ میں کہا حضرت علی سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ تشریف لائے اور لوگوں کو کھڑے انتظار کرتے پا کر فرمایا: کیا ہو گیا میں تمہیں ''سامدین'' پاتا ہوں ابراہیم نخعی سے حکایت کی گئی۔ انہوں نے کہا: وہ لوگ امام کا کھڑے ہو کر انتظار کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے انتظار بیٹھ کر کرنا چاہیے اور اس طرح کھڑے ہو کر

انتظار کرنے کو "سمود" کہتے تھے۔

امام کے آنے کے انتظار میں کھڑا ہونا "سمود" کہلاتا ہے یعنی متکبرانہ طریقہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ بھی اسے "سمود" ہی کہتے سمجھتے تھے اور ابراہیم نخعی نے سلف صالحین کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ امام کا انتظار کھڑے ہوکر کرنا وہ مکروہ سمجھتے تھے تو معلوم ہوا کہ اقامت سے پہلے یا دوران اقامت حی علی الفلاح سے قبل کھڑا ہو جانا بالاتفاق والا جماع مکروہ ہے لہٰذا حضور ﷺ کے ارشاد، حضرت بلال کے طریقہ، عمل صحابہ اور سلف صالحین کے اقوال سے نمازیوں کے لیے "حی علی الفلاح" کے کہنے کے وقت کھڑا ہونا سنت ثابت ہوا اور اس کے خلاف بالاتفاق کراہت ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

اعتراض

ابوداؤد کی روایت میں طہمس کو جب اہل کوفہ نے کہا کہ تم کو کس نے بٹھایا؟ تو شیخ نے ابن بریدہ کو بیٹھ کر تکبیر سننے کے عمل کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے کہا کہ براء ابن عازب بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے دور میں ہم تکبیر ہونے سے پہلے صفوں کو درست کرنے کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے لہٰذا شیخ نے براء بن عازب کے حوالہ سے حضرات صحابہ کرام کا جو عمل بیان کیا وہ مذکورہ عمل کے خلاف ہے؟

جواب: اس اعتراض کا جواب غیر مقلد مولوی محمد اشرف نے یوں دیا ہے۔

لایدل علی ان قیامهم کان لانتظار النبی ﷺ بل یجوز ان یکون بعد حضوره ﷺ ولو سلم فاسناد الحدیث لا یخلو عن جهالة اذا الشیخ غیر معلوم فلا یعارض حدیث لا تقوموا حتی ترونی.

(عون المعبود ج ا ص ۲۱۳)

(مذکورہ اعتراض والی حدیث) اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ حضرات صحابہ کرام کا کھڑا ہونا حضور ﷺ کے انتظار کے لیے تھا بلکہ جائز ہے کہ یہ قیام حضور ﷺ کے تشریف لانے کے بعد ہوا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو حدیث مذکورہ کی اسناد جہالت سے خالی نہیں کیونکہ شیخ غیر معلوم ہے لہٰذا یہ مجہول حدیث **"لا تقوموا حتی ترونی"** کے معارض نہیں ہوسکتی (کیونکہ یہ مجہول الاسناد نہیں ہے)۔

لمحہ فکریہ: اقامت سے پہلے ہی کھڑا ہو جانا جس حدیث سے بیان کیا گیا وہ اس حدیث کی معارض نہیں بن سکتی جس میں حضور ﷺ نے حضرات صحابہ کرام کو فرمایا: "جب تک مجھے نہ دیکھ پاؤ مت کھڑے ہوا کرو" کیونکہ اس حدیث میں صحابہ کرام کا پہلے ہی کھڑا ہونا اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ تشریف لا چکے ہوں لیکن کسی سے مصروف گفتگو ہوں اور اگر یہ احتمال نہ بھی ہو تو پھر بھی اس حدیث کی سند میں جہالت ہے۔ بہر حال جب یہ حدیث اس حدیث کے معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو مسئلہ بہر حال خود قائم و ثابت رہا وہ یہی کہ حی علی الفلاح سے قبل نمازیوں کو کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

قال ﷺ اذا اقیمت الصلوۃ فلا تقوموا حتی ترونی ای خرجت لانه یدل علی ان المقیم شرع فی الاقامة قبل خروجه ویمکن الجمع بین الحدیثین بان بلالا کان یراقب خروج النبی ﷺ فشرع النبی ﷺ فشرع فی الاقامة عند اول رؤیته له قبل ان یراه غالب الناس ثم اذا

حضور ﷺ نے فرمایا: جب اقامت کہی جائے تو مجھے دیکھے بغیر کھڑے نہ ہوا کرو یعنی مجھے حجرہ سے نکلتے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو۔ اس لیے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقامت کہنے والا حضور ﷺ کے حجرہ اقدس سے باہر تشریف لانے سے قبل ہی اقامت کہنا شروع کر دیتا تھا اور دونوں احادیث کو جمع کرنا یعنی تطبیق ممکن ہے وہ یوں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان

راوہ قاموا ویشھد لھذا ماا خرجہ عبد الرزاق عن ابن جریج عن ابن شھاب ان الناس قاموا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر یقومون الصلوۃ فلا یاتی النبی ﷺ مقامہ حتی تعتدل الصفوف وفی صحیح مسلم وسنن ابی داود ومستخرج ابی عوانۃ انھم کانوا یعتدلون الصفوف قبل خروجہ ﷺ وفی حدیث ابی قتادۃ انھم کانوا یقومون ساعۃ تقام الصلوۃ ولولم یخرج النبی ﷺ فنھاھم عن ذالک۔

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ مصر)

کے بعد حضور ﷺ کے باہر تشریف لانے پر نظریں جمائے رکھتے تھے پھر جب آپ پر اولیں نگاہ پڑتی تو اقامت کہنا شروع کر دیتے۔ اس وقت عام لوگوں کو آپ دکھائی نہ دیتے پھر جب مسجد میں موجود تمام لوگ آپ کو تشریف لاتے دیکھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے۔ اسی کی گواہی وہ حدیث دیتی ہے جسے عبد الرزاق نے ابن جریج سے اور انہوں نے ابن شہاب زہری سے بیان کیا وہ یہ کہ لوگ اسی وقت کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ جب مؤذن اللہ اکبر کہہ کر اقامت شروع کرتا۔ یہ کھڑے تو ہو جاتے تاکہ نماز ادا کریں لیکن حضور ﷺ اپنے مقام امامت پر اس وقت تک تشریف نہ لاتے جب تک لوگ صفیں درست نہ کر لیتے۔ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور مستخرج ابی عوانہ میں ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے تشریف لانے سے قبل ہی صفوں کو درست کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوقتادہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام اسی وقت کھڑے ہو جاتے جب تکبیر شروع ہوتی اگرچہ حضور ﷺ ابھی تشریف نہ بھی لائے ہوتے تو حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

مذکورہ عبارت اس شخص کی ہے جس پر غیر مقلدین کو ناز ہے جسے عالم ربانی اور مجتہد کے خطابات دیئے گئے ہیں۔ اس نے واضح اور صریح طور پر لکھ دیا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی "لاتقوموا حتی ترونی" کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد در اقدس پہ نظریں جمائے دیکھتے رہتے جونہی انہیں حضور ﷺ تشریف لاتے نظر آتے اٹھ کر تکبیر کہنا شروع کر دیتے اور جب حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے آتے تو حضرت بلال حی علی الفلاح کے الفاظ پر پہنچ چکے ہوتے۔ ادھر حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام عین ان الفاظ کی ادائیگی کے وقت حضور ﷺ کے دیدار پر انوار سے مشرف ہو کر نماز کے لیے قیام فرماتے۔ انہی حقائق کو مدنظر رکھ کر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ قول فرمایا کہ مکبر جب حی علی الفلاح پر پہنچے تب نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہیے مزید حوالہ لیجئے۔

باب فی الصلوۃ تقام ولم یات الامام ینتظرونہ قعودا اذا اقیمت الصلوۃ ای اذا ذکرت الفاظ الاقامۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔ ومعنی الحدیث ان جماعۃ المصلین لا یقومون عند الاقامۃ الا حین یرون ان الامام قام للامامۃ۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۲۱۲)

نماز کے لیے اقامت کہی گئی ہو اور ابھی امام نہ آیا ہو تو نمازی اس کا انتظار بیٹھ کر کریں جب الفاظ اقامت کہے جائیں تو مجھے دیکھے بغیر مت کھڑے ہوا کرو۔ حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ نمازیوں کی جماعت اقامت سن کر کھڑی نہ ہو جایا کرے۔ ہاں اس وقت جب امام امامت کے لیے کھڑا ہو تو پھر کھڑے ہو جائیں۔

علامہ شوکانی اور دوسرا غیر مقلد شارح مولوی محمد اشرف دونوں حضور ﷺ کی حدیث پاک "لا تقوموا حتی ترونی" کا مطلب بیان کر کے وہی کچھ بیان کر رہے ہیں جو احناف کا مسلک ہے یعنی صرف اقامت کی آواز کان پڑنے پر نمازیوں کو کھڑا نہیں

ہونا چاہیے بلکہ جب امام امامت کے لیے کھڑا ہوتو یہ بھی کھڑے ہو جائیں اور امامت کے لیے "قد قامت الصلوۃ" کے الفاظ ادا کرتے وقت نماز کو شروع کرے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے اور اس کا خلاف، خلاف سنت ہے۔ایک مشہور غیر مقلد سید سابق کی عبارت اسی موضوع پر ملاحظہ کرلیں۔

عن جابر بن سمرة رضی الله عنه قال كان مؤذن رسول الله ﷺ يؤذن ثم يمهل فلا يقيم حتى راى رسول الله ﷺ قد خرج اقام الصلوة حين يراه رواه احمد ومسلم وابو داود والترمذی وروى ابن المنذر عن انس انه كان يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة. (فقہ السنۃ ج ا ص ۱۱۲)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کا مؤذن اذان دے کر انتظار کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو درِ اقدس سے نکلتا دیکھ لیتا پھر اقامت کہتا! اسے احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور ابن منذر نے روایت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوۃ پر پہنچتا۔

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نمازیوں کو امام کے آنے سے پہلے کھڑا ہونا منع ہے اور قد قامت الصلوۃ کے الفاظ تک پہنچنے سے پہلے کھڑا ہونا بھی منع ہے۔سید سابق بھی یہی کہہ رہا ہے کہ حضرات صحابہ کرام کا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی پر پختہ عمل تھا اور وہ حی علی الفلاح سے پہلے ہرگز کھڑے نہیں ہوتے تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ تکبیر بیٹھ کر سننا اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا صرف احناف کا مسلک ہی نہیں بلکہ حضرات صحابہ کرام اور فقہاء اربعہ، محدثین کرام اور جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔صرف اس قدر اختلاف ہے کہ کیا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا چاہیے یا قد قامت الصلوۃ پر لیکن ان پر سب کا اتفاق ہے کہ تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا مکروہ اور خلاف سنت ہے اور صفیں درست کرنے کے لیے بھی اسی وقت کھڑا ہونا افضل ہے۔

تکبیر کھڑے ہو کر سننا عمل صحابہ اور مسلک ائمہ اربعہ کے خلاف ہے

اذا اقيمت اى اذا ذكرت الفاظ الاقامة حتى ترونى اى خرجت . قال مالک فی الموطا لم اسمع فی القيام حتى تقام الصلوة بحد محدود الا انى ارى ذالک على طاقة الناس فان منهم الثقيل والخفيف وذهب الاكثرون الى انهم اذا كان الامام معهم فی المسجد لم يقوموا حتى تفرغ الا قامة وعن انس انه كان يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة . وعن ابی حنيفة يقومون اذا قال حی على الفلاح فاذا قال قد قامت الصلوة كبر الامام واما اذا لم يكن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الى انهم لا يقومون حتى يروه وخالف من ذكرنا على التفصيل الذی شرحنا وحديث الباب حجة عليهم وفيه جواز الاقامة وكان الامام فی منزله اذا تقدم اذنه يسمعها فی ذالک.

جب اقامت کے الفاظ کہے جائیں تو تم مت کھڑے ہوا کرو جب تک مجھے گھر سے نکلتا نہ دیکھ لو۔امام مالک نے موطا میں کہا ہے میں نے اقامت کہتے ہوئے کھڑے ہونے کے متعلق کوئی معین حد نہیں سنی۔ہاں میری رائے یہ ہے کہ قیام لوگوں کی طاقت کے اعتبار سے ہونا چاہیے کیونکہ نمازیوں میں سے کچھ بھارے جسم اور کچھ ہلکے جسم والے ہوتے ہیں۔اکثر کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام صاحب مسجد میں نمازیوں کے ساتھ ہی موجود ہوں تو اقامت سے فراغت پر سب کھڑے ہوں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ قد قامت الصلوۃ کے وقت کھڑے ہوا کرتے تھے۔امام ابوحنیفہ سے مروی کہ جب حی علی الفلاح کہا جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب قد قامت الصلوۃ کہا جائے تو امام نماز کے لیے تکبیر شروع کردے اور اگر امام نمازیوں کے درمیان مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امام کو دیکھے بغیر نمازی کھڑے نہ ہوں اور جس نے اختلاف کیا ہم نے اس کی تفصیل شرح میں ذکر کردی

(فتح الباری ج ۲ ص ۹۵ مطبوعہ مصر)

ہے اور باب کی حدیث ان خلاف کرنے والوں پر حجت ہے اور اس حدیث سے یہ بھی جواز نکلتا ہے کہ امام اگر اپنے گھر میں ہی ہو تو اقامت کہنا درست ہے جبکہ اس نے اسے سنا ہو اور اسے پہلے اطلاع مل چکی ہو۔

اقيمت الصلوة اى ذكرت الفاظ الا قامة و نودى بها قوله حتى ترونى اى تبصرونى . وكان انس رضى الله عنه يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة و ذهب عامة العلماء الى انه لايكبر حتى يفرغ المؤذن عن الاقامة وفى المصنف كره هشام يعنى ابن عروة ان يقوم حتى يقول المؤذن قد قامت الصلوة وعن يحيى بن وثاب اذا فرغ المؤذن كبر وكان ابراهيم يقول اذا قيل قد قامت الصلوة يكبر ومذهب الشافعى وطائفة انه يستحب ان لا يقوم حتى يفرغ المؤذن من الاقامة وهو قول ابى يوسف عن مالك رحمة الله عليه السنة فى الشروع فى الصلوة بعد الاقامة و بداية استواء الصف وقال احمد اذا قال المؤذن يقوم وقد قامت الصلوة يقوم وقال زفر اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة مرة قاموا واذا قال ثانيا افتحوا وقال ابو حنيفة ومحمد يقومون فى الصف اذا قال حى على الصلوة فاذا قامت الصلوة كبر الامام لانه امين الشرع وقد اخبر بقيامها فيجب تصديقه واذا لم يكن الامام فى المسجد فذهب الجمهور الى انهم لا يقومون حتى يروه.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ بیروت)

جب اقامت کے الفاظ کہے جائیں تو مت کھڑے ہو یہاں تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ حضرت انس اس وقت کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔ عام علماء کا مذہب ہے کہ امام کو تکبیر اس وقت کہنی چاہیے جب مؤذن اقامت سے فارغ ہو جائے۔ مصنف میں ہے کہ ہشام بن عروہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ مؤذن نے ابھی قد قامت الصلوٰۃ نہیں کہا اور لوگ کھڑے ہو گئے اور یحییٰ بن وثاب سے ہے کہ جب مؤذن فارغ ہو جائے تو تکبیر تحریمہ کہے اور ابراہیم کہا کرتے تھے جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے تو امام تکبیر کہے امام شافعی اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت سے فارغ ہو جائے تو کھڑا ہوا جائے اور یہی امام ابو یوسف کا قول ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ اقامت کے مکمل ہونے اور صفوں کو سیدھا ہونے پر تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دینی چاہیے۔ امام احمد نے کہا جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو کھڑے ہو جاؤ اور امام زفر کہتے ہیں کہ جب مؤذن پہلی بار قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے پر امام تکبیر کہہ دے اور امام ابوحنیفہ اور محمد کہتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے وقت صفوں میں کھڑے ہو جائیں۔ پھر جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام نماز شروع کر دے کیونکہ امام شرع کا امین ہے۔ ادھر نماز کے قیام کی خبر دی گئی ہے لہٰذا اس کی تصدیق واجب ہے اور اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جمہور کہتے ہیں کہ اس کے دیکھے بغیر نہ کھڑے ہوں۔

قال رسول الله ﷺ اذا اقيمت الصلوة اى ذكرت الفاظ الاقامة فلا تقوموا الى الصلوة حتى ترونى اى تبصرونى خرجت فاذا رايتمونى فقوموا وذالك لان لايطول عليهم القيام ولانه قد يعرض له ما يؤخره واختلف فى وقت القيام الى

حضور ﷺ نے فرمایا جب کلمات اقامت کہے جائیں تو جب تک تم مجھے گھر سے نکلتے نہ دیکھو کھڑے نہ ہوا کرو جب میں نظر آ جاؤں تو کھڑے ہو جایا کرو اور یہ حکم اس لیے ہے تاکہ لوگوں کو تا دیر کھڑا ہونا نہ پڑے اور اس لیے بھی کہ اس سے آپ کو کوئی وجہ تاخیر بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ قیام کس وقت کیا جائے؟ اس میں

الصلوة فقال الشافعي والجمهور عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابی یوسف وعن مالک رحمه الله اولهاوفی الموطاء یری ذالک علی طاقة الناس فان منهم الثقیل والخفیف وعن ابی حنیفة انه یقوم فی الصف عند حی علی الفلاح فاذا قال قدقامت الصلوة کبر الامام لا نه امین الشرع وقد اخبر لقیامها فیجب تصدیقه وقال احمد اذا قال حی علی الصلوة.

(ارشادالساری ج ۲ ص ۲۱ باب حتی یقوم الناس)

اختلاف کیا گیا ہے۔امام شافعی اور جمہور کہتے ہیں۔اس وقت جب اقامت مکمل ہو جائے اور یہی امام ابو یوسف کا قول ہے۔یہی امام مالک کہتے ہیں اور موطا میں انہوں نے کہا کہ یہ معاملہ لوگوں کی طاقت و حالت پر موقوف ہے کیونکہ ان میں کچھ بھاری بھرکم اور بعض ہلکے پھلکے جسم والے ہوتے ہیں۔امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے وقت صفوں کو درست کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں اور قد قامت الصلوٰۃ کہنے پر امام تکبیر تحریمہ کہے کیونکہ وہ شریعت کا امین ہے اور نماز کے قیام کی خبر مل چکی لہٰذا اس کی تصدیق واجب ہے اور امام احمد کہتے ہیں کہ حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہونا چاہیے۔

فرمود وقت که در شروع در اقامت کرده شود پس نا ایستدتا آنکه بیند مرا که از خانه برامده ام نزد حنیفه قیام نماز در وقت حی علی الصلوة است ونزد شافعی بعد از فراغ از الفاظ اقامت ونزد احمد قد قامت الصلوة ونزد امام مالك دراول اقامت۔

(تیسیر القاری ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ لکھنو)

حضور ﷺ نے فرمایا: جب اقامت شروع ہو جائے تو کوئی شخص اس وقت تک کھڑا نہ ہونے پائے جب تک وہ مجھے گھر سے باہر آتے نہ دیکھ لے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز کے لیے کھڑا ہونا حی علی الفلاح کے وقت، امام شافعی کے نزدیک اقامت کے الفاظ مکمل ہونے پر امام احمد کے نزدیک قد قامت الصلوٰۃ پر اور امام مالک کے نزدیک اقامت شروع ہونے پر کھڑا ہونا چاہیے۔

اختلف العلماء من السلف فمن بعد هم متی یقوم الناس لا صلوة ومتی یکبر الامام ومذهب الشافعی وطائفة ان یستحب ان لا یقوم احدحتی یفرغ المؤذن من الاقامة وکان ونقل قاضی العیاض عن مالک رحمة الله علیه وعامة العلماء انه یستحب ان لا یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامة وکان انس رضی الله عنه یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة وبه قال احمد رحمة الله علیه وقال ابو حنیفة رضی الله عنه ولاالکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوة فاذا قد قامت الصلوة کبرالامام وقال جمهور العلماء من السلف والخلف لا یکبرالامام حتی یفرغ المؤذن من الاقامة. (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۲۱ مطبوعہ نور محمد کراچی)

سلف اور ان کے بعدوالے علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ لوگ نماز کے لیے کس وقت کھڑے ہوں اور امام تکبیر تحریمہ کب کہے؟ امام شافعی اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک کھڑا نہ ہونا مستحب ہے۔قاضی عیاض نے امام مالک کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ وہ اور عام علماء اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جانے کو مستحب کہتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ مؤذن کے قد قامت الصلوٰۃ کہنے پر کھڑے ہوا کرتے تھے اور یہی امام احمد کا قول ہے۔امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ کا قول ہے کہ جب حی علی الصلوٰۃ کہا جائے تو صفیں درست کر لی جائیں اور قد قامت الصلوٰۃ پر امام تکبیر تحریمہ کہے۔جمہور علماء کا سلف و خلف سے یہ قول ہے کہ امام کو اس وقت تک نماز کے لیے تکبیر تحریمہ نہیں کہنی چاہیے جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے۔

وجه الجمع ان يكون بلال يرقب خروجه بحيث لا يراه غيره او يراه القليل فيقيم لا ول خروجه فيقوموا الناس فنهى ان يقوموا حتى يراه جميعهم .

(اکمال المعلم شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹۱ مطبوعہ بیروت)

جمع بین الروایات یوں ہوسکتی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کے بعد ایسی جگہ بیٹھ کر حضور ﷺ کے تشریف لانے کا انتظار کرتے ہوں جہاں وہ یا چند اور صحابہ کرام دیکھ سکتے ہوں پھر جب آپ تشریف لاتے تو اولین نظر پڑھنے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنا شروع کر دیتے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو جاتے، اس پر حضور ﷺ نے انہیں منع فرما دیا کہ جب تک سب نہ دیکھ لیں کھڑے نہ ہوا کرو۔

حضور ﷺ کے ارشاد گرامی ''لا تقوموا حتی ترونی'' کے پیش نظر پوری امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تکبیر (اقامت) شروع ہونے سے پہلے ہی کھڑا ہو جانا خلاف سنت ہے۔ اب کس وقت کھڑا ہونا چاہیے تو اس بارے میں امام مالک کی ایک روایت کو چھوڑ کر سبھی حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے میں متفق ہیں۔ اگرچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پوری اقامت کے بعد کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیتے ہیں اور دوسرا اختلاف یہ کہ امام کس وقت تکبیر تحریمہ کہے لیکن اس بارے میں بھی تمام متفق ہیں کہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت امام کو نماز شروع کر دینی چاہیے۔ اس میں جمہور سلف وخلف کا مسلک یہ ہے کہ اقامت سے مکمل فراغت پر امام نماز شروع کرے۔ اس مسئلہ میں ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل ذکر کر چکے ہیں اور مذکورہ مسئلہ کے خلاف ایک روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''عون المعبود'' وغیرہ کتب میں اس کے متعلق بحث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ بہرحال حضرات صحابہ کرام کا یہی معمول رہا کہ اقامت کھڑے ہو کر سننا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا' حوالہ ملاحظہ ہو۔

عن ابی الخالد الوالبی قال خرج علی وقد اقیمت الصلوة وهم قیام ینتظرو نه فقال مالی اراکم سامدین حدثنا جریر عن منصور عن ابراهیم قال کانوا یکرهون ان ینتظر الرجل اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة ولیس عند هم امام وکانوا یکرهون ان ینتظروا الامام قیاما وکان یقال هو السمود .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۰۵)

ابو الخالد والبی سے کہ ایک مرتبہ علی المرتضیٰ اقامت ہو چکنے پر تشریف لائے اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر ان کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں فرمایا مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں ''سموذ'' کرتے دیکھ رہا ہوں؟ ہمیں جریر نے منصور سے انہیں ابراہیم نے خبر دی کہ لوگ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی شخص مؤذن کے قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے بعد کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرے اور اسے بھی ناپسند کیا جاتا تھا کہ امام کا انتظار کھڑے ہو کر کیا جائے اور ایسا کرنے کو ''سموذ'' کہا جاتا ہے۔

عن ابن عجلان عن ابی عبید قال سمعته یقول سمعت عمر بن عبد العزیز بخناصرة یقول حین یقول المؤذن قد قامت الصلوة قوموا قد قامت الصلوة حدثنا عبد الاعلی عن هشام عن الحسن انه کره ان یقوم الامام حتی یقوم المؤذن قد قامت الصلوة . (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۰۶)

ابو عبید سے ابن عجلان بیان کرتے ہیں کہ ابو عبید نے کہا: میں نے عمر بن عبد العزیز کو مقام خناصرہ میں یہ فرماتے سنا: جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو جس میں عبد الاعلیٰ نے ہشام سے انہوں نے حسن سے بیان کیا کہ وہ مؤذن کے قد قامت الصلوٰۃ کہنے سے پہلے امام کے کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

حدثنا سفيان بن عيينة قال راى عبد الله بن ابى يزيد حسين بن على فى حوض زمزم وقد اقيمت الصلوة يشجر بين الامام وبين بعض الناس شىء ونادى المنادى قد قامت الصلوة فجعلوا يقولون له اجلس فيقول قد قامت الصلوة .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۰۶)

ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی کہ عبد اللہ بن ابی یزید نے حسین بن علی کو زمزم کے حوض پر دیکھا ادھر اقامت کہی جانے لگی لیکن امام اور کچھ لوگوں کے مابین کچھ اختلاف رونما ہو گیا۔ ایک نے بلند آواز سے کہا: نماز کھڑی ہو چکی ہے لوگ اسے کہنے لگے بیٹھ جا۔ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے گا (پھر اٹھنا اور نماز شروع کرنا)۔

ہم نے بہت سے آثار میں سے چند اس موضوع پر پیش کیے۔ ان سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ امام حسن و حسین جناب عمر بن عبد العزیز، حسن ابن زیاد وغیرہ سبھی اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ تکبیر سے پہلے ہی نمازی کھڑے ہو جائیں۔ ان تمام حضرات کا معمول یہ تھا کہ تکبیر بیٹھ کر سنتے اور قد قامت الصلوۃ پر کھڑے ہو کر نماز کی تیاری کرتے ان تمام حضرات کا عمل اسی بنا پر ہے کہ انہیں سرکار دو عالم ﷺ کی احادیث مقدسہ اس بارے میں رہنمائی کرتی تھیں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ "لا تقوموا حتی ترونی" والی حدیث میں کچھ ضعف ہے تو پھر ان جلیل القدر حضرات کے عمل سے وہ بھی دور ہو گیا۔

عن عبد الله بن ابى اوفى قال رسول الله ﷺ اذا قال بلال قد قامت الصلوة نهض فكبر . (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵ باب ما یفعل اذا اقیمت الصلوۃ)

عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوۃ کہتے تو اٹھ کر تکبیر کہتے تھے۔

اس حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے اور مسجد میں امام حاضر ہو تو یہی طریقہ سنت ہے۔ عبد اللہ ابن ابی اوفی کی روایت میں الفاظ " نهض فكبر " نہوض بیٹھا ہوا شخص کھڑا ہو تو کہا جاتا ہے اور اگر حضور ﷺ اپنے در دولت سے مسجد میں تشریف لاتے تو پھر "جاء" مذکور ہوتا۔ بہر حال یہ لفظ اس بات کا قرینہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے در دولت سے پہلے ہی تشریف لا کر مسجد میں جلوہ فرما تھے اور دوسرا قرینہ یہ کہ "فکبر" پر حرف فاء موجود ہے جو تعقیب بلا مہلت پر دلالت کرتا ہے یعنی اٹھ کر زیادہ دیر کیے بغیر جلدی سے آپ نے تکبیر تحریمہ کہی تو اگر آپ حجرہ مقدسہ سے اٹھ کر تشریف لاتے تو لازماً مسجد کے محراب میں آ کر تکبیر کہتے یہ تکبیر کہنا فوراً نہ پایا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ مسجد میں ہی تشریف فرما تھے۔ اس حدیث پاک سے یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر امام مسجد میں موجود ہو تو تکبیر کہتے وقت کوئی نہ کھڑا ہو۔ جب تک قد قامت الصلوٰۃ نہ کہا جائے نمازی یہ سن کر کھڑے ہو جائیں صفیں درست کریں اور امام نماز پڑھانے کی تیاری کرے۔ یہی احناف کا مسلک ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

۳۳ - بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ

نماز شروع کرنے کے بارے میں

۹۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ قَالَ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ.

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہوں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت بتائی کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع میں تشریف لے جاتے اور رکوع سے سر انور اٹھاتے تو بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر آپ نے رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہا پھر ربنا ولک الحمد کہا۔

۹۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا ابْتَدَاءَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرَّکُوْعِ رَفَعَھُمَا دُوْنَ ذَالِکَ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور جب رکوع کر کے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ ذرا پہلے سے کم اونچے اٹھاتے۔

مذکورہ دونوں احادیث سے دو اہم مسئلے سامنے آتے ہیں۔

(۱) رفع یدین بوقت رکوع (۲) رفع یدین کندھوں تک۔ ہم ان دنوں مسئلوں کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

رفع یدین عند الرکوع
رکوع جاتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا

اعتراض

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سرکار دو عالم ﷺ کی کیفیت ادائیگی نماز بیان کرتے ہوئے آپ کا یہ معمول بتایا کہ رکوع پر جاتے وقت بھی آپ دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل بھی یہی تھا لہٰذا جو لوگ اس رفع یدین کے مخالف ہیں وہ دراصل حضور ﷺ کی سنت کے مخالف ہیں؟

جواب: یہ حدیث اس جیسی تمام دیگر احادیث جن میں رفع یدین عند الرکوع آیا ہے وہ احناف کے نزدیک منسوخ ہیں۔ ان کے منسوخ ہونے کے چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل اول: فقہاء صحابہ کرام کا عمل اس پر نہیں ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں خود حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم نے اقتداء کی ہدایت پا گئے''۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں جن میں عمل صحابہ کی جھلک نظر آئے گی۔

حضرت علی کا عمل

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ ثم لا یعود.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶، کتاب الصلوٰۃ من کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر دوبارہ کہیں نہیں کرتے تھے۔

حضرت اسود و علقمہ کا عمل

حدثنا وکیع عن شریک عن جابر عن الاسود وعلقمۃ انھما کانا یرفعان ایدیھما اذا افتتحا ثم لا یعودان. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷ کتاب الصلوٰت)

ہمیں وکیع نے شریک سے انہوں نے جابر سے روایت کی کہ جناب اسود اور علقمہ رضی اللہ عنہما صرف تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اس کے بعد اس عمل کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل

عن مجاھد قال صلیت خلف ابن عمر رضی اللہ عنھما فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز ادا کی آپ نے دوران نماز صرف تکبیر تحریمہ کے وقت

الاولی من الصلوۃ . (طحاوی ج ۱ص ۳۲۵ باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع مطبوعہ بیروت) رفع یدین کیا۔

حضرت عمر بن خطاب کا عمل

عن ابراھیم عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه یرفع یدیه فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود قال ورایت ابراھیم وشعبی یفعلان ذالک . (طحاوی ج ۱ص ۲۲۷)

ابراہیم، اسود سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نماز شروع کرتے ہاتھ اٹھاتے دیکھا پھر اعادہ نہیں کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم اور شعبی کو یہی عمل کرتے دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا عمل

حدثنا سفیان اسنادہ بھذا قال فرفع یدیه فی اول مرۃ وقال بعضھم مرۃ واحدۃ.

جناب سفیان اسی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مسعود نے صرف پہلی مرتبہ رفع یدین کیا۔ بعض نے کہا صرف ایک مرتبہ کیا۔

عشرہ مبشرہ کا عمل

روی عن ابن عباس انه قال العشرۃ الذین شھد لھم رسول اللہ ﷺ بالجنة وما کانوا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ . (عمدۃ القاری ج ۵ص ۲۷۱ باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ مطبوعہ بیروت)

ابن عباس سے مروی ہے کہ دسوں جنتی صحابہ کہ جن کے جنتی ہونے کی گواہی رسول اللہ ﷺ نے دی وہ نماز شروع کرتے وقت ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کا عمل

عن شعبة عن ابن اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ واصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ قال وکیع ثم لا یعودون . (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۳۶)

شعبہ بیان کرتے ہیں کہ ابن اسحاق نے کہا حضرت عبداللہ بن مسعود اور علی المرتضیٰ کے اصحاب صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ وکیع کہتے ہیں پھر وہ اعادہ نہیں کرتے تھے۔

لمحۂ فکریہ: عشرہ مبشرہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کا عمل اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ان کے نزدیک رسول کریم ﷺ کا رفع یدین عندالرکوع منسوخ ہو چکا تھا۔ آپ ابتدائی دور میں یہ عمل کیا کرتے تھے لیکن بعد میں خود ہی اسے ختم فرما دیا۔ اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائی تو پھر ان جلیل القدر صحابہ کرام پر سنت کا خلاف کرنا لازم آتا ہے حالانکہ ایسا نہیں اور پھر جب ان حضرات کو حضور ﷺ کے پیچھے دوران نماز صف اول میں بلکہ آپ کے بالکل قریب کھڑا ہونا ہم تصور کریں اور انہیں حضور ﷺ کی حرکات وسکنات کا جتنا علم ہونے اور دوسروں کے لیے ایسا نہ ہونے کو پیش نظر رکھیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ ان حضرات کا عمل "رفع یدین عند الرکوع" کے نسخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں کیا

دلیل دوم: ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ سرکار دوعالم ﷺ کو جب صحابہ کرام نے دوران نماز تکبیر

تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور اس کی مؤید روایات ملتی ہیں تو پھر انہیں اعمال صحابہ سے منسوخ قرار دینا ایک قیاس ہی ہوسکتا ہے اور اگر یہ واقعی منسوخ ہے تو اس کی ناسخ احادیث ہونی چاہیں۔ اس سوال کے حل کرنے کے لیے ہم ذیل میں چند احادیث درج کررہے ہیں کہ جن میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی سے یہ بات ملتی ہے اور یہ ثبوت میسر آتا ہے کہ حضور ﷺ کو انہوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا اس کے بعد آپ نے رفع یدین نہیں کیا' ملاحظہ ہوں۔

عن البراء بن عازب ان النبی ﷺ کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ ثم لا یرفعھما حتی یفرغ.

حضرت براء بن عازب سے کہ رسول کریم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

عن علقمۃ عن عبد اللہ قال الا اریکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فلم یرفع یدیہ الا مرۃ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ نے کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز (پڑھنے کی کیفیت) نہ دکھاؤں؟ کہا کہ حضور ﷺ نے پوری نماز میں صرف ایک مرتبہ دونوں ہاتھ (تکبیر تحریمہ کے وقت) اٹھائے۔

عن عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالک الاشعری رضی اللہ عنہ جمع قومہ فقال یا معشرا الاشعریین اجتمعوا واجمعوا نساء کم وابناء کم اعلمکم صلوۃ النبی ﷺ التی کان یصلی لنا بالمدینۃ فاجتمعوا نساء ھم فابناھم فتوضا واری ھو کیف یتوضا فاحصی الوضوء الی اماکنہ حتی لما ان فاء الفئ فاء الظل وانکسر الظل قام فاذن فصف الرجال فی ادنی الصف وصف الولدان خلفھم وصف النساء خلف الولدان ثم اقام الصلوۃ فتقدم فرفع یدیہ فکبر فقرء بفاتحۃ الکتاب وسورۃ یسرھا ثم کبر فرکع فقال سبحان اللہ و بحمدہ ثلاث مرات ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ واستوی قائما ثم کبر و خر ساجدا ثم کبر فرفع رأسہ ثم کبر فسجد ثم کبرفا نتھض.

(الفتح الربانی لترتیب باب جامع صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ قاہرہ)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے جناب عبدالرحمٰن بن غنم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا: اے جماعت اشعریین! سب اکٹھے ہوجاؤ اور اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی اکٹھا کرو میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ میں ہمیں پڑھائی جانے والی نماز کی تعلیم دینا چاہتا ہوں اس پر لوگوں نے عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کیا پھر آپ نے وضو کر کے ان کو دکھایا کہ اعضائے وضو دھوتے وقت کہاں تک پانی بہانا چاہیے پھر جب دوپہر کا سایہ ڈھل گیا کھڑے ہوئے اور اذان کہی پھر آپ امام بنے اور اپنے قریب بالکل پیچھے مردوں کی صف بنوائی، ان کے پیچھے بچوں اور بچوں کے بعد عورتوں کی صفیں بنوائیں پھر اقامت ہوئی' آپ آگے بڑھے' ہاتھوں کو اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہی پھر سورہ فاتحہ اور کوئی آسان سورۃ پڑھی پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا' رکوع میں سبحان اللہ وبحمدہ تین مرتبہ کہا پھر رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہا پھر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلے گئے پھر سجدہ سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور دوسرا سجدہ کیا پھر کھڑے ہوگئے۔

جناب ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کے تمام مرد و زن کو حضور ﷺ کی جس نماز کی کیفیت بتائی اس میں آپ نے صرف ایک مرتبہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود نے بھی جو نماز پڑھ کر دکھائی اس میں بھی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا گیا لہٰذا معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی آخری نمازیں رفع یدین عندالرکوع کے بغیر تھیں۔

رفع یدین عندالرکوع کے منسوخ ہونے پر چند دلائل

دلیل اول: جن فقہاء صحابہ کرام کا ذکر ہوا یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم یہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے حالانکہ انہیں بطور خاص حضور ﷺ نے نماز میں اپنے قریب کھڑے ہونے کا حکم دے رکھا تھا۔

عن ابی مسعود الانصاری قال کان رسول الله ﷺ یقول لیلینی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم . عن قیس بن عباد قال قال لی ابی بن کعب قال لنا رسول الله کونوا فی الصف الذی یلینی قال ابو جعفر فعبد الله من اولئک الذی یقربون من النبی لیعلموا افعاله فی الصلوۃ کیف ھی لیعلموا الناس ذالک.

(طحاوی شریف ج ا ص ۲۶۶ باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع مطبوعہ بیروت)

حضرت ابومسعود انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے عاقل وبالغ آدمی میرے بالکل پاس کھڑے ہوا کریں پھران سے اس درجہ میں پھران سے کم قیس بن عباد کہتے ہیں کہ مجھے ابی بن کعب نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کہا تھا تم اس صف میں کھڑے ہوا کرو جو میرے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ ابوجعفر طحاوی کہتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنہیں سرکار دوعالم ﷺ کا دوران نماز قرب حاصل تھا۔ یہ حضرات اس لیے قریب کھڑے کیے جاتے تھے تاکہ حضور ﷺ کی نماز کے افعال کی کیفیت قریب سے دیکھ کر خود سیکھیں اور پھر لوگوں کو سکھلائیں۔

یہی اجلہ صحابہ کرام، حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ادائیگی نماز کی کیفیت بیان فرمارہے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو افعال رسول اللہ ﷺ قریب سے دیکھنے کا بار بار موقعہ میسر آیا لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین جب ان حضرات کی تعلیم وافعال سے ثابت نہیں تو لازماً یہ بات منسوخ ہو چکی ہے اور اگر رفع یدین عندالرکوع والی حدیث کو منسوخ نہ مانیں یا ان حضرات کی آنکھوں دیکھی بات کو تسلیم نہ کریں تو پھر ان کی عدالت محل نظر ہوگی اور ''اصحابی کلھم عدول'' کے ارشاد نبوی سے ہاتھ دھونا پڑے گا لہٰذا اس بڑے الزام کی بجائے یہ تسلیم کرنا بہرحال صحیح ہے کہ رفع یدین عندالرکوع والی احادیث منسوخ ہو چکی تھیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار

دلیل دوم: رفع یدین عندالرکوع کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور انہی سے منقول ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے سوا کسی دوسرے مقام پر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوۃ یرفع یدیه حتی یحازی بھما منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع ولا یرفع بین سجدتین .

(طحاوی شریف ج ا ص ۲۲۴ مطبوعہ لبنان)

عبداللہ بن عمر سے ان کے بیٹے سالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے افتتاح کے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے دیکھا اور جب آپ رکوع کا ارادہ فرماتے تو پھر ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے اور نہ ہی دوسجدوں کے درمیان ہاتھ اٹھاتے۔

عن مجاھد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے تکبیر اولیٰ کے سوا دونوں ہاتھ نہ

فھذا ابن عمر قدرای النبی ﷺ یرفع ثم قد ترک ھو الرفع بعد النبی ﷺ فلا یکون ذالک الا وقد ثبت عندہ نسخ ما قد رای النبی ﷺ فعله وقامت الحجة علیه بذالک.
(طحاوی شریف ج ا ص ۲۲۵)

یہی ابن عمر ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا پھر حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے رفع یدین چھوڑ دیا تو ان کا یہ فعل اسی صورت میں قابل قبول ہوسکتا ہے جب ان کے نزدیک رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا تھا جو حضور ﷺ سے یہ دیکھ چکے تھے لہٰذا ان پر حجت خود ان کا یہی فعل کر رہا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جس روایت میں رفع یدین عندالرکوع کا ذکر فرمایا وہ آپ نے بہت پہلے حضور ﷺ سے ملاحظہ کی ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی معقول ومعتبر روایت یا حضور ﷺ کی نماز کی عملی صورت ان کے سامنے نہ ہوتی تو ان سے یہ توقع کرنا ہرگز ممکن نہیں تھا تا کہ جانتے بوجھتے یہ فعل رسول کریم ﷺ کی مخالفت پرانجام دیتے۔
لہٰذا ثابت ہوا کہ رفع یدین عندالرکوع کا فعل حضرت عبداللہ بن عمر کے نزدیک بھی منسوخ ہو چکا تھا اور اس کی تنسیخ کی دلیل خود ان کا اپنا عمل (جو اس کے خلاف ہے) ہے۔

دلیل سوم:

ان عبد الله بن زبیر رای رجلا یرفع یدیه فی الصلوة عن الرکوع وعند رفع رأسه من الرکوع فقال له لا تفعل فان ھذا شیء فعله رسول الله ﷺ ثم ترکه. (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا: ایسا مت کرو کیونکہ یہ فعل حضور ﷺ نے اگرچہ کیا تھا لیکن اسے آخر میں آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جس پُر اعتماد طریقہ سے منع فرما رہے ہیں یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین عندالرکوع وغیرہ منسوخ ہو چکا تھا ورنہ ایک بلند مرتبہ صحابی کا حضور ﷺ پر کذب باندھنا لازم آئے گا۔ یہی جلیل القدر صحابی ہیں کہ بحوالہ ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' جب ان کو سولی پر چڑھایا گیا تو آپ کی نعش مبارک سے ایسی خوشبو پھیلی جس سے سارا مکہ معطر ہو گیا تھا۔

دلیل چہارم:

عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة.
(صحیح مسلم ج ا ص ۱۸۱ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کراچی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ ہماری نماز پڑھنے کے دوران تشریف لائے (ہم رفع یدین عندالرکوع وغیرہ کر رہے تھے) تو آپ نے فرمایا: کیا ہو گیا میں تمہیں اس طرح ہاتھ اٹھاتے دیکھ رہا ہوں جس طرح مشکی گھوڑے دم ہلاتے ہیں' نماز میں سکون سے رہا کرو (یعنی رفع یدین عندالرکوع نہ کیا کرو)۔

یہ حدیث پاک بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے پہلے عمل کو تو دیکھا تھا اور اس کے مطابق نماز ادا کر رہے تھے لیکن انہیں چونکہ آپ کے آخری عمل کی خبر نہ پہنچی تھی اس لیے جب آپ ﷺ نے انہیں منسوخ شدہ کام کرتے دیکھا تو اسے گھوڑوں کے دم ہلانے سے مشابہ قرار دیا اور سکون کا حکم دیا لہٰذا اس ارشاد گرامی سے رفع یدین والی روایات کا

منسوخ ہونا خود حضور ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوگیا۔

اعتراض

مذکورہ حدیث کہ جس میں گھوڑے کی دم سے تشبیہہ دی گئی۔اس کا عمل رفع یدین عندالرکوع نہیں بلکہ صحابہ کرام کا سلام پھیرنے کے بعد ایک دوسرے کو ہاتھوں سے اشارہ کرنا تھا جس کی تصریح درج ذیل روایت میں ہے۔

عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ فسلم احدنا اشار بيده من عن يمينه ومن عن يساره فلما صلى قال ما بال احدكم يومي بيده كانها اذناب خيل شمس انما يكفي احدك اولا يكفي احدكم ان يقول هكذا واشار باصبعه يسلم على اخيه من عن يمينه ومن عن شماله.

(ابوداؤد ج ا ص ۱۴۳ باب فی السلام)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھا کرتے تھے تو ہم میں سے کوئی ایک سلام پھیرتا اور اپنے دائیں اور بائیں والے نمازیوں کو اشارہ کرتا پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھا دی تو فرمایا: تم میں سے کوئی ایک اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے گویا شریر گھوڑے کی دم ہو (یہ کیا طریقہ ہے؟) بے شک تم میں سے ایک کو کافی ہے یا نا کافی وہ یوں کہا کرے آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے ہوئے بتایا کہ اس طرح اپنے دائیں اور اپنے بائیں والے بھائی کو سلام کہہ دے۔

جواب: معترض کو مغالطہ یہ ہوا کہ چونکہ دونوں احادیث ایک ہی باب میں مذکور ہیں لہٰذا دونوں کا محل بھی ایک ہی ہونا چاہیے اس لیے رفع یدین عندالرکوع کا مسئلہ ہی یہاں کوئی نہیں تو اس بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ ایک باب میں دونوں احادیث کا ہونا اس کے لیے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ دونوں میں باب کی مناسبت کچھ نہ کچھ پائی جائے اور وہ یہاں موجود ہے یعنی دونوں ہاتھوں کا حرکت دینا ممنوع ہے۔اس بارے میں دونوں احادیث کا اشتراک ہے لیکن دونوں کا محل ایک نہیں بلکہ مختلف ہے اس کی وضاحت ہم دونوں کے درمیان فرق بیان کر کے واضح کرتے ہیں۔

فرق اول: جس حدیث میں سلام کے وقت رفع یدین کی ممانعت ہے اس کے یہ الفاظ ہیں **كنا اذا صلينا خلف الخ.** اور جس میں رفع یدین عندالرکوع کا ذکر ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **مالي اراكم رافعي ايديكم كانها اذ ناب خيل** ۔اب دونوں مختلف الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک حالت اور محل یہ تھا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے یعنی حضور ﷺ بنفس نفیس موجود تھے اور امامت فرما رہے تھے اس حالت اور محل میں رفع یدین عندالسلام کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ گھوڑوں کی دم کی طرح کیا کر رہے ہو اور دوسری حالت اور محل وہ کہ صحابہ کرام نماز پڑھ رہے تھے لیکن حضور ﷺ ان میں بنفس نفیس تشریف فرما نہ تھے بلکہ ان کی نماز پڑھنے کے دوران آپ تشریف لائے اور انہیں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو یہ رفع یدین عندالرکوع تھا جسے آپ نے گھوڑے کے دم ہلانے سے تشبیہہ دے کر ممانعت فرمادی۔

فرق دوم: سلام والی حدیث میں **اذا سلمنا قلنا بايدينا السلام** کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ہم دوران نماز اپنے دائیں اور بائیں موجود بھائیوں سے سلام کرتے تھے اور نماز میں رفع یدین والی حدیث میں **مالي اراكم اسكنوا في الصلوة** کے الفاظ ہیں جس میں آپ نے دوران نماز سکون سے کام لینے کی تاکید فرمائی۔

فرق سوم: سلام والی حدیث میں **اذا سلم احدكم** اور نماز میں رفع یدین والی حدیث میں **اسكنوا في الصلوة** یعنی سلام کے وقت ہاتھوں کو حرکت دینے سے منع کرنے والی حدیث کے الفاظ صریح حالت سلام میں ایسا کرنے سے روکنا بتا رہی ہے اور نماز میں رفع یدین سے روکنے والی حدیث سکون و اطمینان سے نماز پڑھنے کا حکم دے رہی ہے۔ان مذکورہ تین طرح کے فرق کے پیش نظر یہ

بات بالکل واضح ہے کہ دونوں احادیث کا محل علیحدہ علیحدہ ہے۔ علاوہ ازیں اگر چہ ابوداؤد میں یہ دونوں احادیث باب السلام میں ذکر کی گئی ہیں جن سے معترض کو شبہ پڑ گیا لیکن احادیث کی دوسری کتب مثلاً صحیح مسلم دیکھیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس میں رفع یدین والی حدیث کو "باب امر بالسکون فی الصلوٰۃ" میں ذکر کیا گیا اس لیے صاف ظاہر کہ اس حدیث رفع یدین کا تعلق نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا ہاتھوں کو اٹھانے سے ہے جس سے آپ نے منع فرمادیا اور دوسری حدیث کو اس باب میں بایں وجہ ذکر کیا کہ دوران نماز ہاتھوں سے ایک دوسرے کو سلام کرنا، سکون واطمینان کے خلاف ہے لہٰذا اس سے بھی اجتناب کرتے ہوئے سکون وطمانیت سے نماز ادا کرنی چاہیے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ رفع یدین کے قائل اور اس سے روکنے والے دونوں طرف کے اقوال اور احادیث ہم نے تفصیل سے عرض کر دیئے۔ جس سے صاف ظاہر کہ حضور ﷺ ابتداءً یہ عمل کرتے تھے اور حضرات صحابہ کرام بھی اس پر کاربند تھے لیکن انتہاءً آپ نے اسے ترک کر دیا اور ترک نہ کرنے والوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور حضرات صحابہ کرام نے بھی آپ کا آخری عمل لوگوں کو بتایا اور خود رفع یدین کے راوی ابن عمر نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوا کہ رفع یدین عندالرکوع منسوخ ہو چکا ہے اور اسے حضور ﷺ نے منسوخ فرمادیا اس لیے اب اس پر عمل کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

مسئلہ دوم: موطا امام محمد میں مذکورہ احادیث میں دوسرا مسئلہ یہ کہ حضور ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے یہی غیر مقلد اپنائے ہوئے ہیں اور احناف کے ہاں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا سنت کہا گیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک اس حدیث کے خلاف ہے؟

جواب: بات اگر اتنی ہوتی کہ اس قسم کی روایات کے علاوہ مسلک احناف کی تائید میں کوئی ایک حدیث بھی نہ ہوتی تو معترض کی بات درست ہو سکتی تھی لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ بہت سی احادیث کتب میں سند صحیح کے ساتھ ایسی بھی مروی ہیں جو احناف کے مسلک کا اصول قرار پاتی ہیں اس لیے اگر ان کے ہوتے ہوئے ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ تمہارا عمل خلاف سنت ہے تو پھر ان دوسری ہی احادیث کو فقط سامنے رکھ کر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا عمل احادیث کے خلاف ہے لیکن یہ الزامی جواب دینے کی بجائے ہم حقائق کی طرف آتے ہیں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایات میں سے چند ذیل میں ہم بیان کر رہے ہیں انہیں غور سے دیکھیے۔

عن براء بن عازب قال کان النبی ﷺ اذا کبر لافتتاح الصلوۃ رفع یدیه حتی یکون ابهاماه قریبا من شحمتی اذنیه ثم لا یعود.

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۲۲۴ باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود مطبوعہ بیروت)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے تھے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کرتے تھے کہ آپ کے ہاتھ دونوں کانوں کی لو کے قریب ہو جاتے تھے پھر نماز میں اس کا اعادہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

عن وائل بن حجر انه رای النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلوۃ فکبر حیال اذنیه.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳)

وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز میں داخل ہوتے وقت ہاتھوں کو کانوں کے بالمقابل اٹھاتے دیکھا پھر تکبیر کہی۔

اما حدیث انس فرواه الحاکم فی المستدرک والدارقطنی ثم بیهقی فی سننهما من حدیث العلی بن اسماعیل العطار حدثنا حفص بن

حضرت انس کی حدیث کو حاکم نے مستدرک میں، دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں حدیث العلی بن اسماعیل العطار سے بیان کیا۔ ہمیں حفص بن غیاث نے عاصم الاحول سے انہوں نے

غیاث عن عاصم الاحول عن انس قال رایت رسول اللہ ﷺ کبر فحاذ بابھامیہ اذ نیہ .

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۱۱ باب صفۃ الصلوٰۃ)

حضرت انس سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے انگوٹھوں (ہاتھوں) کو کانوں کے برابر اٹھاتے دیکھا۔

نوٹ: مذکورہ حدیث کے لیے چند اور کتب احادیث کی نشاندہی ملاحظہ ہو۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد چہارم ص ۳۰۳ دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۰ مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۲۶، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۳۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۶۶، اور طبرانی شریف وغیرہ۔

ان بکثرت احادیث میں یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند فرمایا لہٰذا اس عمل کو خلاف سنت نہیں بلکہ موافق ومطابق سنت ماننا پڑے گا۔ رہا یہ معاملہ کہ امام محمد نے موطا میں جو ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے یا موطا کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں ایسی احادیث موجود ہیں تو ان میں مخالفت نظر آتی ہے لیکن اس بظاہر مخالفت کو ختم کیا گیا ہے یعنی ان احادیث میں تطبیق دی گئی ہے' ملاحظہ ہو۔

لان طرف الکف مع الرسغ یحاذی المنکب او یقاربہ والکف نفسہ یحاذی الاذن والید تقال علی الکف الی اعلاھا فالذی نص علی محاذات الابھامین بالشحمتین وفق فی التحقیق بین الروایتین فوجب اعتبارہ .

(اعلان السنن ج ۲ ص ۱۵۵، ابواب صفۃ الصلوٰۃ باب افتراض التحریمۃ وسنتھا مطبوعہ ادارۃ القران کراچی)

اس لیے کہ ہتھیلی کی طرف کندھے کے برابر یا قریب ہوتی ہے اور خود ہتھیلی کانوں کے برابر ہو اور لفظ "ید" ہتھیلی اور اس کے آخر حصہ تک بولا جاتا ہے اور وہ الفاظ حدیث جن میں دونوں انگوٹھوں کا کانوں کی لو کے برابر آنا مذکور ہے۔ وہ دونوں قسم کی روایات میں تحقیق کی توفیق مرحمت فرماتے ہیں لہٰذا اس کا اعتبار انتہائی ضروری ہے۔

اس تطبیق کا ماحصل یہ ہے کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا اور کانوں کی لو تک ہاتھ بلند کرنا دونوں پر بیک وقت عمل ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ کلائی کا آخری حصہ جو ہتھیلی کا شروع مقام ہے وہ کندھوں کے برابر ہے اور ہاتھ کا آخری حصہ یعنی انگوٹھا اور انگلیاں کان کی لو تک برابر ہو جائیں۔ اب بیک وقت ہاتھ کندھوں تک اور کانوں کی لو تک بلند ہوں گے کیونکہ ہتھیلی کی طرف زیریں اور طرف بالا دونوں پر لفظ "ید" کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ اب یہ تو کہا جائے گا کہ احناف نے دونوں طرح کی احادیث پر عمل کیا لیکن جن کے ہاتھوں کا بلائی حصہ صرف کندھے تک پہنچتا ہے ان کو یہ الزام دینا درست ہے کہ تم نے ان احادیث پر عمل نہیں کیا جن میں کانوں کی لو تک ہاتھ بلند کرنا مروی ہے۔

۹۹- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا وَھْبُ ابْنُ کَیْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ کَانَ یُعَلِّمُھُمُ التَّکْبِیْرَ فِی الصَّلٰوۃِ اَمَرَنَا اَنْ نُّکَبِّرَ کُلَّمَا خَفَضْنَا وَرَفَعْنَا.

ہمیں امام مالک نے انہیں وہب بن کیسان نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے حدیث بیان کی کہ وہ انہیں نماز میں تکبیر کہنا سکھاتے تھے انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جب نیچے جائیں تب بھی تکبیر کہیں اور اٹھیں تو پھر بھی تکبیر کہیں۔

۱۰۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنِی ابْنُ شِھَابِ الزُّھْرِیُّ عَنْ عَلِیِّ بْنِ حُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُکَبِّرُ کُلَّمَا خَفَضَ وَکُلَّمَا رَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تِلْکَ صَلَاتُہٗ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب زہری سے انہوں نے حضرت علی بن حسین بن ابن ابی طالب سے روایت بیان کی۔ انہوں نے فرمایا: کہ حضور ﷺ جب نیچے جاتے اور جب اوپر اٹھتے تو تکبیر ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی نماز کی یہی کیفیت

اس وقت تک رہی جب آپ اللہ عزوجل سے مل گئے (انتقال فرما گئے)۔

۱۰۱ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّیْ بِهِمْ فَكَبَّرَ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ ثُمَّ اِذَا انْصَرَفَ قَالَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَشْبَهُكُمْ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمیں امام مالک نے انہیں ابن شہاب نے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف سے خبر دی کہ انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے اور جب نیچے جاتے تب بھی تکبیر کہتے اور جب اٹھتے تب بھی تکبیر کہتے پھر جب نماز سے فارغ ہوتے تو کہتے خدا کی قسم! میں تم میں سے ازروئے نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہوں۔

۱۰۲ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنِیْ نُعَيْمٌ الْمُجْمِرُ وَ اَبُوْ جَعْفَرِ الْقَارِیُّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّیْ بِهِمْ فَكَبَّرَ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَكَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِيْنَ يُكَبِّرُ وَيَفْتَحُ الصَّلٰوةَ.

ہمیں امام مالک نے نعیم مجمر اور ابوجعفر قاری سے خبر دی کہ حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھایا کرتے تھے پھر جب نیچے جاتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ ابوجعفر کہتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو بلند کرتے جب نماز شروع کرتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلسُّنَّةُ اَنْ يُّكَبِّرَ الرَّجُلُ فِیْ صَلَاتِهٖ كُلَّمَا خَفَضَ وَكُلَّمَا رَفَعَ وَاِذَا انْحَطَّ لِلسُّجُوْدِ كَبَّرَ وَاِذَا انْحَطَّ لِلسُّجُوْدِ الثَّانِیْ كَبَّرَ فَاَمَّا رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ يَرْفَعُ الْيَدَيْنِ حَذْوَ الْاُذُنَيْنِ فِیْ اِبْتِدَاءِ الصَّلٰوةِ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ بَعْدَ ذٰلِکَ وَهٰذَا كُلُّهٗ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَفِیْ ذٰلِکَ اٰثَارٌ كَثِيْرَةٌ.

امام محمد کہتے ہیں سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی نماز میں جب نیچے جائے اور جب اوپر اٹھے تو تکبیر کہے اور جب سجدہ کے لیے جھکے تکبیر کہے اور جب دوبارہ سجدہ کے لیے جھکے پھر بھی تکبیر کہے لیکن رفع یدین نماز میں دونوں کانوں تک ابتدا میں صرف ایک مرتبہ کرے پھر بقیہ نماز میں ہاتھ نہ اٹھائے اور یہ تمام مسائل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک ہیں اور اس کی تائید میں بہت سے آثار موجود ہیں۔

نماز میں قیام سے رکوع' رکوع سے سجدہ' سجدہ سے اٹھنا پھر سجدہ کرنا اس اٹھنے بیٹھنے میں جو تکبیرات کہی جاتی ہیں ان سب کا دارومدار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر موقوف ہے اپنی عقل کو دخل نہیں اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام لوگوں کو نماز پڑھ کر بتایا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں مقام پر فلاں لفظ کہا فلاں جگہ پر دوسرا لفظ کہا۔ ان تکبیرات پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۰۳ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ الْجَرْمِیِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَفَعَ يَدَيْهِ فِی التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ وَلَمْ يَرْفَعْهُمَا فِيْمَا سِوٰى ذٰلِکَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابان بن صالح نے عاصم بن کلیب جرمی سے خبر دی کہ ہمارے باپ نے علی ابن ابی طالب کو تکبیر اولیٰ میں نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا اس کے سوا انہوں نے ہاتھ نہ اٹھائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ لَا تَرْفَعْ يَدَيْکَ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى.

امام محمد کہتے ہیں کہ ابراہیم النخعی نے فرمایا کہ تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں کسی مقام پر ہاتھ نہ باندھیں۔

۱۰۴ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا

ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے انہیں حصین بن عبدالرحمٰن نے

حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ قَالَ عَمْرٌو حَدَّثَنِيْ عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ ابْنِ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَاٰهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا كَبَّرَ وَاِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ مَا اَدْرِيْ لَعَلَّهُ لَمْ يَرَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ اِلَّا ذَالِكَ الْيَوْمَ فَحَفِظَ هٰذَا مِنْهُ وَلَمْ يَحْفَظْهُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَصْحَابُهُ مَا سَمِعْتُهُ مِنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اِنَّمَا كَانُوْا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ يُكَبِّرُوْنَ.

خبر دی کہ میں اور عمرو بن مرہ ایک مرتبہ ابراہیم نخعی کے ہاں گئے تو عمرو نے کہا مجھے علقمہ بن وائل حضرمی نے اپنے باپ سے یہ روایت سنائی کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع کیا اور اٹھے (تب بھی ہاتھ اٹھائے) ابراہیم نخعی یہ سن کر بولے میں نہیں جانتا شاید اس نے حضور ﷺ کو صرف اسی دن نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کا عمل شریف ذہن نشین کر لیا۔ ابن مسعود اور ان کے اصحاب نے ان پر عمل نہیں رکھا' میں نے ان میں سے کسی سے یہ بات نہیں سنی وہ تو صرف نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے اصحاب کے بارے میں رفع یدین کے مؤید غیر مقلد یہ کہا کرتے ہیں کہ دیکھو: ابن مسعود کے نسیان پر خود ابراہیم نخعی گواہ ہیں یعنی ان کے نزدیک علقمہ وائل کے والد نے تو رفع یدین کرنا یاد رکھا اور اس کی روایت کر دی لہٰذا کہا جاتا ہے کہ ابن مسعود نے جو رفع یدین کے خلاف کہا یا کیا وہ حجت نہیں کیونکہ انہیں نسیان کی عادت تھی حالانکہ جناب ابراہیم نخعی کے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ وہ تعجب کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ علقمہ بن وائل کے باپ نے شاید ایک مرتبہ حضور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا اور جو دیکھا اسے پلے باندھ لیا لیکن عمرو بن مرہ عجیب آدمی ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو ایک مرتبہ نماز پڑھتے دیکھا اس کی بات کو اتنی اہمیت دے رہا ہے حالانکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کو سفر و حضر میں ہزاروں مرتبہ حضور ﷺ کی اقتدا میں نمازیں پڑھنا میسر آئیں تو ان جیسے عظیم فقہاء کو یاد نہ رہا یعنی علقمہ بن وائل کی اپنے باپ سے روایت رفع یدین ان حضرات کی روایات اور ان کے عمل کے مقابلہ میں نہیں کی جا سکتی۔

عن مغيرة قال قلت لابراهيم حديث وائل انه راى النبى ﷺ يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع فقال ان كان وائل راه مرة يفعل ذالك فقد راه عبد الله خمسين مرة لا يفعل ذالك. (طحاوی ج اص ۲۲۴ باب التکبیر للرکوع)

مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی سے پوچھا کہ وائل کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو تکبیر تحریمہ اور رکوع جاتے پھر سر اٹھاتے رفع یدین کرتے دیکھا تو انہوں نے کہا: وائل نے آپ کو ایک مرتبہ ایسے کرتے دیکھا ہوگا اور یقیناً عبداللہ بن مسعود نے پچاس مرتبہ آپ کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

نوٹ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ جن کے بارے میں غیر مقلد محض اپنے مطلب کی خاطر بھول جانے کا عادی کہتے اور لکھتے ہیں یہ اعتراض بلکہ الزام ان احادیث صریحہ صحیحہ کے خلاف ہے کہ جن میں سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ابن مسعود کو علم کی گٹھ فرمایا۔ ہم اس الزام کی تفصیلی بحث میں نہیں جانا چاہتے۔ صرف حضور ﷺ کا ان کے بارے میں مذکورہ ارشاد جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا' ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی ہوتا تو میں اس سے ضرور کسب فیض کرتا۔ یہ تمام دولت علم انہیں سرکار دو عالم ﷺ کے در اقدس سے حاصل ہوئی اس میں خرابی اور نسیان کا الزام اپنی خود جہالت کا اقرار ہے۔

۱۰۵- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ حَكِيْمٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِذَاءَ اُذُنَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةِ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَرْفَعْهُمَا فِيْمَا سِوٰى ذَالِكَ.

ہمیں محمد بن ابان صالح نے عبدالعزیز بن حکیم سے خبر دی کہ میں نے ابن عمر کو دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے دیکھا اور وہ بھی نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اس کے سوا انہوں نے دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

۱۰۶- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النَّهْشَلِيُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ الْجَرْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ اَنَّ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلَى الَّتِيْ يَفْتَتِحُ بِهَا الصَّلٰوةَ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ.

ہمیں ابوبکر بن عبداللہ نہشلی نے عاصم بن کلیب جرمی سے انہوں نے اپنے والد سے خبر دی ان کے والد حضرت علی المرتضیٰ کے اصحاب میں سے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تکبیر اولیٰ کے وقت نماز شروع کرتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے پھر اس کے بعد پوری نماز میں ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۰۷- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ.

ہمیں ثوری نے خبر دی کہ ہمیں حصین نے ابراہیم سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے خبر دی کہ وہ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے پھر پوری نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے لہٰذا ان سے رفع یدین والی روایت خود ان کے عمل سے منسوخ ہونا ثابت ہوگی۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک بلند کیا کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دونوں عمل، مسلک احناف کی تائید و توثیق کرتے ہیں ان کے عمل نے ثابت کر دیا کہ رفع یدین ایک سے زائد مرتبہ کرنا خلاف سنت ہے اور کانوں تک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا مطابق سنت ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ

ایک ضروری بحث (زیر ناف ہاتھ باندھنا)

غیر مقلد سینہ پر ہاتھ باندھتے اور اسے اپنے شعار کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں اور ان کا اس بارے میں یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہمارا طریقہ اور عمل قرآن کریم اور حدیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ کہ احناف کا طریقہ یعنی زیر ناف ہاتھ باندھنا درست نہیں اسی لیے امام محمد نے اس موضوع کو اپنی موطا میں ذکر نہیں کیا ہاں کتاب آثار میں اس کا تذکرہ ملتا ہے بہر حال یہ ہمارے اور غیر مقلدین کے درمیان ایک معرکۃ الاراء مسئلہ ہے۔ امام محمد نے موطا میں رفع یدین کی بحث کی اور ہاتھ باندھنے کا مسئلہ آثار میں ذکر کیا ہم نے مناسب سمجھا کہ یہاں اس ضروری مسئلہ کا ایک ضمنی بحث کے طور پر ذکر ہو جائے تاکہ فقہی باب کی تکمیل ہو جائے۔ اس مسئلہ کو ہم دو فصلوں میں بیان کریں گے۔ فصل اول میں زیر ناف ہاتھ باندھنے پر احادیث و آثار کے ورود اور دوسری فصل میں غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب دیا جائے گا۔

فصل اول

زیر ناف ہاتھ باندھنے پر احادیث و آثار

حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة

موسیٰ بن عمیر سے وکیع نے ہمیں حدیث سنائی انہیں علقمہ بن

بن وائل بن حجر عن ابیه قال رایت النبی ﷺ وضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة. (ج ۱ ص ۳۹۰)

وائل بن حجر نے اپنے باپ سے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا دیکھا۔

حدثنا وکیع عن ربیع عن ابی معشر عن ابراهیم قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰)

ہمیں وکیع نے ربیع سے انہیں ابو معشر نے ابراہیم سے حدیث بتائی کہ وہ (حضور ﷺ) اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر دوران نماز ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

فان قلتم اخرج ابن ابی شیبة عن وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رسول الله ﷺ وضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة وسنده جید و رواته کلهم ثقات فهذا حدیث صحیح فی الوضع تحت السرة. (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۶)

اگر تم کہو کہ ابن ابی شیبہ نے وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمہ بن وائل بن حجر عن ابیہ کی سند سے روایت بیان کی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھے دیکھا۔ اس کی سند بھی جید اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لہٰذا یہ حدیث ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے بارے میں ''صحیح'' ہے۔

یعنی عون المعبود والا یہ اعتراض خود اپنے اوپر، غیر مقلدین پر لگانا چاہتا ہے کہ تم زیر ناف ہاتھ باندھنے کے جب قائل نہیں تو پھر اس حدیث صحیح کا کیا جواب دو گے؟ اعتراض بنا کر پھر خود ہی اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلنا قال العلامة الشیخ حیات السندی فی ثبوت زیادة تحت السرة نظر بل هی غلط نشاء من السهو فانی راجعت نسخة صحیحة من المصنف فرایت فیها هذا الحدیث بهذا السند بهذه الالفاظ الا انه لیس فیها تحت السرة وذکر فیها بعد هذا الحدیث اثر النخعی ولفظه قریب من لفظ هذا الحدیث وفی اخره فی الصلوة تحت السرة فلعل بصر الکاتب زاغ من محل الی اخر فادرج لفظ الموقوف فی المرفوع.

(عون المعبود ج ۱ ص ۲۷۶)

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ علامہ شیخ حیات سندی نے کہا کہ ''تحت السرہ'' کے زائد ہونے کے ثبوت میں نظر ہے بلکہ یہ غلطی سہو سے پیدا ہوئی ہے میں نے مصنف کا صحیح نسخہ دیکھا تو میں نے اس میں حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ لکھی دیکھی لیکن اس میں سے ''تحت السرہ'' کے الفاظ نہ تھے اور مصنف نے اس حدیث کے بعد جناب نخعی کا اثر ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ اس حدیث کے الفاظ کے قریب قریب ہیں۔ اثر کے آخر میں ''فی الصلوٰۃ تحت السرہ'' کے الفاظ موجود ہیں۔ شاید کاتب کی نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا پڑنے کی وجہ سے اس نے موقوف کے الفاظ حدیث مرفوع میں درج کر دیئے ہوں۔

لمحۂ فکریہ: موطا امام محمد کا شارح مولوی اشرف غیر مقلد تسلیم کرتا ہے کہ مذکورہ مرفوع اور متصل الاسناد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہی عون المعبود میں بھی مسلّم ہے لیکن ہٹ دھرمی اور کج فہمی کا کیا علاج کیا جائے جب کوئی حیلہ بہانہ نہ چل سکا تو شیخ حیات سندی کی نابینوں کی سی روایت کا سہارا لیا اور کاتب کے سر تھوپ دیا کہ اس نے دھوکہ اور غلطی سے ''تحت السرہ'' کے آثار نخعی میں موجود لفظ کو حدیث مرفوع میں درج کر دیا۔ اس غیر مقلدانہ تحقیق کا یہ بھی جواب ہو سکتا ہے جو حقیقت کے عین مطابق ہے۔

میں کہتا ہوں اگر مذکورہ زیادتی صرف ایک نسخہ میں پائی جاتی تو ہمیں تسلیم تھا کہ عون المعبود نے جو کہا شاید کاتب کی نظر دھوکہ کھا گئی ہو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پڑھنے پر وہاں کا لفظ اس جگہ ذکر کر دیا ہو یہ درست ہے لیکن جب یہ زیادتی بہت سے مختلف نسخہ

جات میں موجود ہے تو پھر ان کے تمام کاتبین کا غلطی کرنا اور دھوکا کھا جانا بالکل تسلیم نہیں ہے کیونکہ زائد الفاظ کتب کثیرہ میں پائے جاتے ہیں اس لیے ان سب کا غلطی پر محمول کرنا نہایت مشکل ہے لہٰذا مختصراً یہی کہا جائے گا کہ صاحب عون المعبود نے اپنے غیر مقلدانہ عمل کو ثابت کرنے کے لیے کاتب پر غلطی کا الزام لگا دیا جو کہ عقلاً نقلاً مردود اور غیر صحیح ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ زائد الفاظ صحیح اور اصلی ہیں اور اس میں کاتب کی غلطی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اور علاوہ ازیں ایک اور مشہور غیر مقلد نے مذکورہ حدیث کے صحیح ہونے کی ان الفاظ سے تصدیق کی ہے۔

حدیث وائل بن حجر روی ابن ابی شیبة فی مصنفه قال حدثنا وکیع عن موسی ابن عمیر عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة قال الحافظ القاسم بن قطلو بغافی تخریج احادیث الاختیار شرح المختار هذا سند جید وقال الشیخ ابو الطیب المدنی فی شرح الترمذی هذا حدیث قوی من حیث السند وقال الشیخ عابد السندی فی طوالع الانوار رجاله ثقات قلت اسناد هذا الحدیث وان کان جیدا لکن فی ثبوت لفظ تحت السرة فی هذا الحدیث نظرا قویا. (تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی ج ۱ص ۲۱۴ باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ مطبوعہ لبنان)

حدیث وائل بن حجر کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے' لکھا ہے کہ ہمیں وکیع نے موسیٰ ابن عمیر سے اور انہیں علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے یہ روایت سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔ حافظ قاسم بن قطلو بغافی نے ''تخریج احادیث الاختیار فی شرح المختار'' میں کہا ہے کہ اس کی سند بہت عمدہ ہے اور شیخ ابو الطیب مدنی نے ترمذی کی شرح میں اسے سند کے اعتبار سے قوی حدیث کہا ہے۔ شیخ عابد سندی نے ''طوالع الانوار'' میں کہا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اگرچہ عمدہ اور جید ہے لیکن ''تحت السرہ'' کے لفظ جو اس حدیث میں ہیں ان کے ثبوت میں نظر قوی ہے۔

روایت مذکورہ کی صحت اور رواۃ کی ثقاہت عند الخصم بھی مسلم ہے اسے غیر مقلدین کے ائمہ نے بھی تسلیم کیا ہے لیکن خدا بہتر جانتا ہے کہ روایت کا ثقہ ہونا ان کے نزدیک کیا ہوتا ہے؟ اگر الفاظ حدیث مراد ہیں تو پھر ''تحت السرہ'' بھی تو اسی حدیث کے الفاظ ہیں یہ بھی ثقاہت کا حکم رکھتے ہیں اور اگر روایت کی ثقاہت یہ کہ اس کے راوی ثقہ ہوں تو وہ بھی موجود ہے پھر عون المعبود یا تحفۃ الاحوذی کا کہنا کہ میں نہیں مانتا اور ''تحت السرہ'' کے الفاظ کی موجودگی محل نظر ہے اور نظر کی نشاندہی عون المعبود والے نے حیات سندی کی زبانی جو بیان کی ہم اس کا تذکرہ کر چکے ہیں جسے اعلاء السنن میں رد کر دیا گیا لہٰذا ان حیلوں بہانوں سے نہ تو خود مطمئن ہیں اور نہ دوسرے کی تسلی کی جا سکتی ہے سو معلوم ہوا کہ ہاتھ زیر ناف باندھنا حدیث صحیح اور مرفوع سے ثابت ہے اسے بدعت کہنے والے خود ''منکر الحدیث'' کہلانے کے حق دار ہیں۔

حدثنا یزید بن هارون قال اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سالته قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهره کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۹۱)

ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی انہیں حجاج بن حسان نے خبر دی کہ میں نے ابو مجلز سے سنا یا پوچھا کہ نماز میں حالت قیام کے وقت ہاتھوں کو کیسے رکھا جائے؟ کہنے لگے دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دونوں کو ناف سے نیچے رکھا جائے۔

نوٹ: ابو مجلز کے اثر پر بھی غیر مقلدین نے ادھر ادھر کی باتیں کی ہیں لیکن اس روایت کی توثیق صاحب جوہر النقی نے بایں الفاظ کی ہے۔

ومذهب ابی مجلز الوضع اسفل السرة حكاه عنه ابو عمر فی التمهيد وجاء ذالک عنه بسند جيد قال ابن ابی شيبة فی مصنفه حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألته قلت كيف اضع قال يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلهما اسفل من السرة والحجاج هذا هو الثقفی قال احمد ليس به بأس وقال مرة ثقة وقال ابن معين صالح .

(جوہرالنقی ذیل السنن بیہقی ج ۲ ص ۳۱)

ابومجلز کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں دونوں ہاتھ ناف سے نیچے رکھے جائیں ان سے ابوعمر نے تمہید میں حکایت کی اور یہ واقعہ سند جید کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں کہا: حدثنا یزید بن ہارون الخ روایت مذکورہ میں راوی حجاج دراصل حجاج ثقفی ہے۔ امام احمد نے ان کے بارے میں کہا اس کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مرہ نے ثقہ کہا اور ابن معین نے ''صالح'' کہا ہے۔

ابومجلز کے عمل کو ثابت اور ثقہ ذرائع سے پیش کیا جارہا ہے کہ وہ نماز میں دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے تھے ان کے اس فعل کی نقل سند جید کے ساتھ ہے اور ایک راوی حجاج کہ جن پر غیر مقلدین نے جرح کر کے اسے ناقابل اعتبار بنانے کی کوشش کی اسی راوی کو امام احمد، مرہ اور ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ہاتھ زیر ناف باندھنا رسول کریم ﷺ کی سنت اور تابعین کرام کا عمل ہے۔

عن ابی جحيفة عن علی رضی الله عنه قال ان من السنة فی الصلوة وضع الكف على الكف تحت السرة . (مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۱۰، نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۳)

ابوجحیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔

واحتج صاحب الهداية على اصحابنا فی ذالک بقوله عليه السلام ان من السنة وضع اليمنى على الشمال تحت السرة قلت هذا قول علی ابن ابی طالب واسناده الى النبی ﷺ غير بصحيح انما رواه احمد فی مسنده والدار قطنی ثم البيهقی من جهته فی سننيهما من حديث ابی جحيفة عن علی رضی الله عنه انه قال من السنة وضع الكف على الكف تحت السرة وقول علی ان من السنة هذا اللفظ يدخل فی المرفوع عندهم وقال ابو عمرو فی التفصی واعلم ان الصحابی اذا اطلق اسم السنة فالمراد به سنته النبی ﷺ .

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۹ وضع الیمنٰی علی الیسرٰی فی الصلوٰۃ)

صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ میں حضور ﷺ کے اس قول سے حجت پکڑی۔ ان من السنة وضع اليمنى کہ دایاں ہاتھ بائیں پر زیر ناف رکھنا سنت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت حضرت علی ابن ابی طالب کا قول ہے اور اس کی اسناد حضور ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہے اسے امام احمد نے اپنی مسند میں دار قطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابوجحیفہ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کو یہ کہتے سنا: ان من السنة وضع الكف على الكف الخ حضرت علی المرتضیٰ کا ''من السنة'' فرمانا اس سے حدیث مرفوع بن جاتی ہے۔ ابوعمرو نے تفصی میں کہا معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی صحابی مطلقاً سنت کا نام بولتا ہے تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی ہوتی ہے۔

مذکورہ روایت مسند امام احمد میں مذکور ہے اسے دار قطنی اور بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے اور غیر مقلدین کی ''نیل الاوطار'' اور ''تحفۃ الاحوذی'' میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مسند امام احمد کے بارے میں صاحب کنز العمال کا کہنا ہے کہ اس کی ضعیف احادیث بھی حسن ہیں تو معلوم

ہوا کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا کہ آپ ہاتھ زیر ناف باندھتے تھے اور اسے آپ سنت سمجھتے تھے جب ان حضرات کے لفظ سنت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ہاتھ زیر ناف باندھنا حضور ﷺ کی سنت ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال ثلاث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع ید الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ تحت السرۃ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا کہ تین عادات، اخلاق نبوت میں سے ہیں۔ افطار میں جلدی، سحری میں تاخیر اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(جوہر النقی ج ۱ ص ۳۲ باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ)

مذکورہ روایت اگر چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن ایک طرف اگر یہ دیکھا جائے کہ آپ حافظ حدیث اور انتہائی متقی و عادل صحابی ہیں اور دوسری طرف ان کے قول میں دیکھا جائے اس قسم کی تحدید عام طور پر احادیث رسول میں ہی ہوتی ہے جس سے یہ احتمال قوی موجود ہے کہ آپ کا یہ قول دراصل حضور ﷺ کی حدیث پاک ہوگی بہرحال اس احتمال کی تقویت ضرور ہے تو معلوم ہوا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا صرف احناف کا ہی مسلک نہیں بلکہ یہ مسلک دراصل اخلاق پیغمبرانہ میں سے ایک خلق ہے اور حضور ﷺ کی سنت پاک ہے۔

قال ابن حزم روینا عن ابی ھریرۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ.

ابن حزم نے کہا کہ ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ملی کہ ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔

(جوہر النقی ج ۲ ص ۳۱ ابوداؤد بمعہ عون المعبود ج ۱ ص ۲۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی مکمل سند ابوداؤد میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ حافظ الحدیث اور قابل اعتماد ہیں جن کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ اگر آپ کسی روایت کی نسبت حضور ﷺ کی طرف نہ بھی کریں پھر بھی ان کی روایت کو حدیث رسول ہی سمجھا جائے گا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

عن محمد بن سیرین انہ کان اذا حدث عن ابی ھریرۃ فقیل لک عند النبی ﷺ فقال کل حدیث ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ وانما کان یفعل ذالک لان ابا ھریرۃ لم یکن یحدثھم الا عن النبی ﷺ فاغناہ ما اعلمھم من ذالک فی حدیث ابی داود ان یرفع کل حدیث یرویہ لھم محمد عنہ فثبت .

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۲۰ باب سور الھرۃ)

محمد بن سیرین سے ہے کہ جب وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت کرتے تو ان سے پوچھا جاتا کیا یہ انہوں نے حضور ﷺ سے بیان کیا ہے؟ ابن سیرین کہتے ہیں ابو ہریرہ کی ہر حدیث، حضور ﷺ سے ہی ہوتی ہے وہ ایسا اس لیے کہا کرتے تھے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ نے کبھی بھی اپنی طرف سے کوئی بات لوگوں کی سنائی ہی نہیں لہٰذا اس سوال سے انہیں مستغنی کر دیا۔ اس چیز نے جو سکھلایا ان کو حدیث ابوداؤد میں سے کہ وہ حدیث جسے ابو ہریرہ ان کو سناتے ہیں وہ مرفوع ہوتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض دفعہ حضور ﷺ سے متصل ہے۔

خلاصۂ حدیث : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض دفعہ کسی حدیث کے بیان کرنے میں حضور ﷺ کا تذکرہ نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود محمد بن سیرین ان کی ایسی روایت کو بھی مرفوع کہہ دیتے ہیں اس کے متعلق وضاحت فرمائی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک اگر رجال سند ثقہ ہوں تو وہ محدثین کرام کے نزدیک حکماً مرفوع ہے۔ اس قاعدہ کے پیش نظر زیر ناف ہاتھ باندھنا حدیث مرفوع سے ثابت ہے، اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے تو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ضابطہ موجود ہے کہ جب

ایک ضعیف حدیث کو مختلف طرق سے ذکر کیا گیا ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے یہاں ہم ہاتھ زیر ناف باندھنے میں ضعیف نہیں بلکہ حدیث صحیح اور مرفوع ذکر کر چکے ہیں جسے غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا ہے تو یہ حدیث ابو ہریرہ خود مرفوع نہ سہی لیکن مرفوع کی توثیق تو کرے گی۔ مختصر یہ کہ ہاتھ زیر ناف باندھنا خلاف سنت اور بدعت نہیں بلکہ موافق سنت اور خلق پیغمبری میں سے ہے خود حضور ﷺ نے ایسے کیا۔ صحابہ کرام نے بھی کیا اور روایت بھی کی اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

فصل دوم

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تائید میں غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:

حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنا سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول الله ﷺ اذا اوحین نهض الی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیه بالتکبیر ثم وضع یمینه علی یساره علی صدره.

محمد بن حجر حضرمی نے ہمیں سعید بن عبد الجبار بن وائل سے حدیث سنائی وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد کی طرف جانے لگے تھے آپ مسجد میں آکر داخل محراب ہوئے پھر دونوں ہاتھ تکبیر کے لیے اٹھائے پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۳۰ باب وضع الیدین علی الصدر الخ)

حدیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنا حضور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، زیر ناف نہیں۔

جواب: حدیث مذکورہ سخت مجروح ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن حجر حضرمی قابل اعتبار نہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

قلت محمد بن حجر بن عبد الجبار بن وائل عن عمه سعید له منا کیر قاله الذهبی وام عبد الجبارهی ام یحیی لم اعرف حالها ولا اسمها قال بیهقی ورواه مؤمل بن اسماعیل عن الثوری عن عاصم بن کلیب قلت مؤمل هذا قیل انه دفن کتبه فکان یحدث من حفظه فکثر خطاء ه کذا ذکر صاحب الکمال وفی المیزان قال البخاری منکر الحدیث قال ابو حاتم کثیر الخطاء وقال ابو ذرعة فی حدیثه خطاء کثیر.

(جوہر النقی فی ذیل بیہقی ج ۲ ص ۳۰ باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ)

میں کہتا ہوں کہ محمد بن حجر بن عبد الجبار بن وائل اپنے چچا سعید سے روایت کرتا ہے اس کی حدیث ''منا کیر'' ہیں یہ ذہبی نے کہا: عبد الجبار کی والدہ یہ یحییٰ کی والدہ ہے میں نہ اس کا حال اور نہ اس کا نام جانتا ہوں بیہقی نے کہا اور اسے مؤمل بن اسماعیل نے ثوری سے اور انہوں نے عاصم بن کلیب سے روایت کیا۔ میں کہتا ہوں یہ مؤمل اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی کتابیں دفن کر دی گئی تھیں یا اس نے خود دفن کر دی تھیں پھر یہ اپنی یادداشت کے بھروسہ پر روایت کرنے کی وجہ سے بکثرت غلطیاں کر جاتا تھا اسی طرح صاحب الکمال نے ذکر کیا اور میزان میں ہے۔ بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا۔ ابو حاتم اسے کثیر الخطاء کہتا ہے اور ابو ذرعہ نے کہا کہ اس کی حدیث میں بکثرت خطاء ہے۔

مذکورہ حدیث کا راوی محمد بن حجر، اس کی والدہ اور مؤمل بن اسماعیل تینوں ناقابل اعتبار راوی ہیں لہٰذا یہ روایت ان رواۃ پر جرح کی وجہ سے مجروح ہوئی صحیح ہرگز نہیں ہو سکتی اس لیے بطور حجت یہ حدیث پیش نہیں کی جا سکتی جبکہ ہاتھ زیر ناف باندھنے کی تائید میں جو

احادیث مذکور ہوئیں وہ مرفوع اور صحیح ہیں۔

حدثنا روح بن المسیب قال حدثنی عمرو بن مالک النکری عن ابی الجوزة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قول اللہ عزوجل فصل لربک وانحر قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ عند النحر .

روح بن مسیب نے ہمیں حدیث سنائی کہ مجھے عمرو بن مالک نے نکری سے انہوں نے ابوالجوزہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول "فصل لربک وانحر" میں "وانحر" کا معنی یہ کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھو۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۳۱ باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ)

اللہ تعالیٰ نے جب حضور ﷺ کو نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا تو حضور ﷺ اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ سینہ پر ہاتھ رکھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے اس لیے احناف کا عمل درست نہیں۔

جواب: پہلی روایت کی طرح اس روایت کے بھی دو راوی روح بن مسیب اور عمرو ابن مالک سخت مجروح ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قلت روح هذا قال ابن عدی یروی عن ثابت ویزید الرقاشی احادیث غیر محفوظات وقال ابن حبان یروی الموضوعات لا تحل الروایة عنه وقال ابن عدی عمرو النکری منکر الحدیث عن الثقات یسرق الحدیث ضعفه ابو یعلی الموصلی ذکره ابن الجوزی .

(جواہر النقی ج ۲ ص ۳۰)

میں کہتا ہوں کہ یہ راوی روح اس کے متعلق ابن عدی نے کہا کہ یہ ثابت اور یزید رقاشی سے ایسی احادیث روایت کرتا ہے جو غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ ابن حبان نے کہا یہ موضوعات کی روایت کرتا ہے اس لیے اس سے روایت کرنا درست نہیں ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ عمرو النکری ثقات منکر الحدیث ہے۔ ثقہ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حدیث چراتا ہے ابویعلی موصلی نے اسے ضعیف کہا اس کو ابن جوزی نے ذکر کیا۔

غیر مقلدین نے اپنی تائید مین سینہ پر ہاتھ باندھنا قرآن کریم سے ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن جس روایت کا سہارا لیا اس کے دو راوی سخت مجروح ہیں غیر محفوظ اور موضوع روایت کو بیان کرنے کا ان میں عیب ہے لہٰذا ایسے راویوں کی روایت سے سینہ پر ہاتھ رکھنا قطعاً درست نہیں۔ "وانحر" کا معنی وہ نہیں جو ان راویوں نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا بلکہ اس کا معنی ہے "اور قربانی کرو" یعنی آیت مذکورہ میں دو باتوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ایک نماز کا دوسرا قربانی دینے کا۔ اس آیت کے تحت مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ چونکہ اس دور میں غیر اللہ (بتوں) کی پوجا پاٹ ہوتی تھی اور ان کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: نماز بھی اپنے رب کی ادا کرو اور قربانی بھی اسی کے نام پر دو۔ ان دو احکام کو غیر مقلد ایک ہی حکم قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں یعنی نماز پڑھو اور نماز پڑھتے وقت ہاتھ سینہ پر رکھو۔ یہ اس ایک حکم کے لیے اللہ تعالیٰ نے درمیان میں حرف واؤ عاطفہ کو استعمال فرمایا جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں اختلاف وتغائر ہونا چاہیے حالانکہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ علاوہ ازیں "نحر" گلے کی جانب بالا کو کہتے ہیں۔ تو اگر نماز میں ہاتھ رکھنے کا تعین یہ لفظ کرتا ہے تو پھر غیر مقلدوں کو سینہ کی بجائے گلے کے اوپر ہاتھ باندھنے چاہیں اسی لفظ کو اونٹ ذبح کرنے پر بھی بولا جاتا ہے اور سبھی جانتے ہیں کہ اونٹ کا نحر یا ذبح کرنا کہاں سے ہوتا ہے؟ لہٰذا جہاں سے اونٹ ذبح کرتے ہیں اسی جگہ پر ان غیر مقلدوں کو نماز میں ہاتھ باندھنے چاہیں۔ احناف کے مسلک میں زیر ناف ہاتھ باندھنا صرف سنت ہے فرض وواجب نہیں ہے، اور ترمذی نے ص ۳۴

باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ مطبوعه دهلی) پر اس بارے میں یہ کلمات لکھتے ہیں۔''وا ری بعضھم ان یضعھا فوق السرۃ واری بعضھم ان یضعھما تحت السرۃ وکل ذالک واسع عندھم بعض کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے جائیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف کے نیچے باندھے جائیں اور یہ تمام گنجائش ان کے ہاں موجود ہے''۔امام ترمذی کو اگر کوئی مضبوط روایت ایسی ملتی جو سینہ پر ہاتھ باندھنے میں صریح ہوتی تو اس کا بھی تذکرہ کرتے۔امام ترمذی کو تو ایسی حدیث نہ مل سکی اور آج کل کے نام نہاد ''اہل حدیث'' اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔غیر مقلدوں کے پیشوا ابن کثیر نے بھی یہ وضاحت کردی کہ وانحر کا معنی سینہ پر ہاتھ رکھنا صحیح نہیں۔ہاں اس لفظ سے اہل تشیع پر حجت قائم کی جاسکتی ہے کیونکہ ان کے مسلک کی تفسیر مجمع البیان میں اس کا معنی سینہ پر ہاتھ باندھنا کہا گیا ہے حالانکہ اہل تشیع کہیں بھی ہاتھ باندھنے یا رکھنے کے قائل ہی نہیں ہیں۔وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قلب سلیم عطاء فرمائے اور اندھی ذہنیت سے محفوظ فرمائے۔آمین فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۴- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلٰوةِ خَلْفَ الْاِمَامِ

امام کے پیچھے نماز میں قرآن پڑھنے کا بیان

۱۰۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنِ ابْنِ اُکَیْمَةَ اللَّیْثِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَاَ مَعِیَ مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَقَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ فَانْتَهَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْمَا جَهَرَ بِهٖ مِنَ الصَّلٰوةِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذَالِکَ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے انہیں ابن اکیمہ لیثی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کی تو فرمایا: کیا میرے ساتھ تم میں سے کسی نے قرآن پڑھا ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا: میں نے یا رسول اللہ پڑھا ہے فرمایا: بے شک میں کہتا ہوں کہ کیا ہوا میرے ساتھ قرآن میں جھگڑا کیا گیا؟ اس کے بعد لوگوں نے حضور ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں قرآن پڑھنا بند کر دیا جن میں آپ اتنی بلند آواز سے پڑھتے جسے صحابہ کرام سن لیتے۔

حضور ﷺ نے نماز میں امام کے ساتھ قرأت کرنے والے کو قرآن میں جھگڑا کرنے والا فرمایا۔تو اس کے بعد حضرات صحابہ کرام نے پڑھنا بند کر کے خاموشی کو اپنا لیا۔احناف کا مسلک ہے کہ امام کی اقتداء میں کسی نماز میں قرأت مطلقاً منع ہے یعنی نہ تو قرآن کریم پڑھنا اور نہ ہی سورت فاتحہ پڑھنا درست ہے۔ابتدائے اسلام میں مقتدی کے لیے قرأت جائز تھی اور دنیوی گفتگو کی ممانعت بھی نہ تھی۔جب ''قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ'' آیت اتری تو دونوں باتیں ممنوع قرار پائیں اور پہلا عمل منسوخ ہو گیا لیکن غیر مقلد اس مسئلہ میں بھی اختلاف کرتے ہیں اور ان کا مسلک یہ ہے کہ جب تک مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی اور یہ لوگ احناف کے مسلک کی بڑی شدومد کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ہم اس اختلاف کے پیش نظر پہلے اپنے مسلک کے دلائل قرآن و احادیث صحیحہ اور آثار سے پیش کریں گے۔

امام کے پیچھے مطلقاً قرآن پڑھنا منع ہے' اس پر دلائل

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الاعراف:۲۰۴)

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں دوران نماز دنیوی گفتگو بھی ہوتی تھی اور امام کے پیچھے قرآن بھی پڑھنے کی اجازت تھی لیکن "قوموا الله قانتين" کے نزول کے بعد دونوں باتیں منسوخ ہو گئیں۔ اس بارے میں صحیح مسلم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

عن زيد بن ارقم قال كنا نتكلم في الصلوة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه في الصلوة حتى نزلت وقوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۴ باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ)

زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم دوران نماز ایک دوسرے نمازی سے عام آدمی کی سی گفتگو کر لیا کرتے تھے حتیٰ کہ آیت کریمہ "وقوموا لله قانتين" نازل ہوئی پھر ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور گفتگو سے روک دیا گیا۔

اس آیت کریمہ کے اترنے کے بعد گفتگو تو بند ہو گئی لیکن تلاوت قرآن بدستور جاری رہی کیونکہ وہ "قنوت" کے خلاف نہ تھی۔
اس کے بعد پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ واذا قرئ القران فاستمعوا الخ اس بارے میں حوالہ ملاحظہ ہو۔

وجمهور الصحابة على انه في استماع المؤتم (تفسیر مدارک ج ۲ ص ۲۲۰ برحاشیہ تفسیر خازن) زیر آیت واذا قرئ القران فاستمعوا.

جمہور صحابہ کرام اس بات پر ہیں کہ مذکور آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ مقتدی دوران نماز اپنے امام کی قرأت خاموشی سے سنے۔

عن ابن مسعود فسمع ناسا يقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما ان لكم ان تفقهوا اما ان لكم تعقلوا واذا قرا القران.

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا جب نماز مکمل کر چکے تو فرمایا: تمہارے لیے یہی ہے کہ تم سمجھنے کی کوشش کرو کہ واذا قرئ القران الخ میں کیا حکم دیا گیا ہے؟

واذا قرئ القران في الصلوة المكتوبة فاستمعوا له الى قراته و انصتوا لقرائته.

اور جب فرضی نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

ان تینوں تفاسیر نے یہی بتایا کہ اس آیت کریمہ کے اترنے سے قبل لوگ امام کے پیچھے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے پھر اس کو اتار کر انہیں خاموش رہنے اور غور سے سننے کا حکم دے کر پہلی حالت منسوخ کر دی گئی۔

اعتراض

مذکورہ آیت میں خاموش رہنے اور غور سے سننے کا حکم نماز میں پڑھے جانے والے قرآن کریم کے بارے میں نہیں بلکہ اس کا محل و مقام خطبہ جمع ہے جیسا کہ تفسیر طبری میں منقول ہے۔ (حوالہ تفسیر طبری ج ۹ ص ۱۱۲ زیر آیت واذا قرئ القران)

جواب اول: آیت مذکورہ سورۃ الاعراف کی آیت ہے اور الاعراف ان سورتوں میں سے ہے جو "مکی" ہیں اور تاریخی حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کی فرضیت "مدنی" زندگی میں ہوئی تو جب مکی زندگی میں جمعہ فرض ہی نہ ہوا تھا تو پھر اس کے خطبہ کو غور سے سننا اور خاموش رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ لہٰذا اس کا شان نزول خطبہ جمعہ کو قرار دینا درست نہیں ہے۔

جواب دوم: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آیت مذکورہ خطبہ جمعہ کے لیے ہی نازل ہوئی ہے تو پھر بھی اسے صرف خطبہ جمعہ کے ساتھ مخصوص و مقید کرنا درست نہیں کیونکہ آیت میں خطبہ جمعہ کے لیے کوئی قید یا تخصیص موجود نہیں اور قانون ہے کہ آیت میں شان نزول کے خصوص کی بجائے عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا اس میں "قرأۃ" کا حکم اپنے عموم پر رہتے ہوئے خطبہ جمعہ اور نماز میں پڑھی جانے والی آیات دونوں کو بلکہ نماز سے خارج پر بھی یہی حکم ہوگا لہٰذا خطبہ جمعہ اور نماز دونوں میں خاموشی کا حکم اس آیت سے تسلیم کر لیا

جائے تو قابل اعتراض نہیں۔صاحب تفسیر طبری نے اسی جگہ لکھا ہے۔

عن جابر عن مجاهد قال وجب الانصات في اثنتين في الصلوة ويوم الجمعة . قال ابو جعفرو اولى الاقوال في ذالك بالصواب قول من امروا باستماع القران من الصلوة اذا اقرا الامام وكان في خلفه ممن يأتم به يسمعه وفي الخطبة وانما قلنا ذالك اولى بالصواب لصحة الخبر عن رسول الله ﷺ انه قال اذا قرا الامام فانصتوا واجماع الجميع على ان من سمع خطبة الا مام ممن عليه الجمعة الاستماع والا نصات عليها مع تتابع الاخبار بالامربذ الک عن رسول الله ﷺ وانه لا وقت يجب على احد اسماع القران والانصات لسامعمعن قارئه الافي هاتين الحالتين على اختلاف في احدهما وفي حالة ان يكون خلف امام مؤتم به وقد صح الخبر عن رسول الله ﷺ بما ذكرنا من قوله اذا اقرا الامام فانصتوا فالانصات خلفه لقراته واجب على من كان به مؤتما سامعا قراته بعموم ظاهر القران والخبر عن رسول الله ﷺ . (تفسیر طبری ج۹ ص۱۱۲)

جناب مجاہد سے جابر بیان کرتے ہیں کہ دو جگہوں میں خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ایک نماز میں اور دوسرا جمعہ میں جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد دوران نماز پڑھے جانے والے قرآن کی سماعت ہے جبکہ امام کے پیچھے کچھ مقتدی ہوں اور خطبہ میں بھی یہی ہے۔ہم نے جو صواب کے زیادہ قریب اسے کہا ہے یہ اس لیے کہ حضور ﷺ سے خبر سننا ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور تمام کا اس پر اجماع ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ فرض ہے ان کے لیے خطبہ جمعہ سننا فرض ہے اور خاموش رہنا لازم ہے اس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی لگاتار بہت سی احادیث اس بارے میں موجود ہیں بے شک کسی شخص پر بجزان دو وقتوں کے خاموش رہنا اور غور سے قرآن کریم پڑھنے والے سے سننا واجب نہیں ان میں سے ایک حالت میں اختلاف ہے وہ یہ کہ امام کا مقتدی ہو۔حضور ﷺ سے خبر صحیح اس کی تائید میں آئی ہے کہ جس کا ہم نے ذکر کر دیا وہ یہ کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو لہٰذا امام کے پیچھے خاموش رہنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس کا مقتدی اور سامع ہو کیونکہ قرآن کریم کا ظاہر عموم اور حضور ﷺ کی احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

تفسیر طبری کے درج بالا اقتباس سے چند امور واضح ہوتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے مطابق خطبہ جمعہ اور نماز میں قرآن کریم پڑھتے وقت سامعین کا سننا واجب ہے۔

(۲) مذکورہ آیت سے نماز میں پڑھے جانے والے قرآن کریم کا خاموشی سے سننا خطبہ جمعہ کی طرح اجماع امت سے ثابت ہے۔

(۳) حضور ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب امام قرأۃ کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور یہ خاموشی واجب ہے۔

(٤) قرآن کریم کے عموم ظاہری پر عمل ہوتا ہے، خصوص نزول پر نہیں۔

ان امور کو مدنظر رکھ کر معترض کے اعتراض کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔طبری کی مکمل عبارت دیکھی ہوتی تو اعتراض نہ کرتا، اسی آیت کریمہ اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے عظیم فقیہہ صحابہ نے لوگوں کو امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے روکا لہٰذا ثابت ہوا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے مطلقاً قرأت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خاموشی سے کھڑے رہیں اور الفاظ قرآن سن کر ان میں غور کریں۔ **فاعتبروا يااولي الابصار**

فاتحہ خلف الامام کے منع پر چند احادیث

عن انس رضي الله عنه قال صل رسول الله

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ حضور ﷺ نے نماز

ﷺ ثم اقبل بوجهه فقال اتقرؤن والامام يقرؤ فسكتوا فسالهم ثلاثا فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا.

(طحاوی شریف ج ا ص ۲۱۸ باب القرأۃ خلف الامام)

یوں کی طرف رخ انور کیا اور فرمایا کیا تم بھی پڑھتے ہو اور امام بھی پڑھ رہا ہوتا ہے۔ لوگ چپ ہو گئے پھر آپ نے انہیں یہی بات تین مرتبہ پوچھی تو بولے: ہم بے شک ایسا ہی کرتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا: پس پھر نہ کرو۔

عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ انه صلی وكان من خلفه يقراء فجعل رجل من اصحاب النبی ﷺ ينهاه عن القراءة فی الصلوة فلما انصرف اقبل عليه الرجل فقال اتنهانی عن القراءة خلف رسول الله ﷺ فتنازعا حتی ذكر ذلك للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ من صلی خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة هكذا رواه جماعة عن ابی حنيفة موصولا ورواه عبد الله بن مبارك عنه مرسلا دون ذكر جابر وهو المحفوظ.

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۱۵۹ باب من قال لایقرأ خلف الامام الاطلاق)

حضور ﷺ سے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھائی اور آپ کے مقتدیوں میں سے ایک نے قرآن کریم پڑھنا شرع کیا تو دوسرے کسی صحابی نے اسے نماز میں قرآن پڑھنے سے روکا پھر جب نماز ہو چکی تو وہ شخص منع کرنے والے کی طرف متوجہ ہو کر بولا: کیا تم مجھے حضور ﷺ کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہو؟ دونوں نے جھگڑا کیا یہاں تک کہ اس کی اطلاع حضور ﷺ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو اس کے امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے۔ ایسے ہی ایک جماعت نے امام ابوحنیفہ سے موصولاً یہ روایت ذکر کی اور عبد اللہ بن مبارک نے مرسلاً ذکر فرمائی کیونکہ انہوں نے حضرت جابر کا ذکر نہیں کیا اور وہی محفوظ ہے۔

نوٹ: حدیث بالا کے تحت صاحب جوہر النقی رقمطراز ہیں۔

قلت فی مصنف ابن ابی شيبة حدثنا مالك ابن اسماعيل عن حسن بن صالح عن ابن زبير عن جابر عن النبی ﷺ قال كل من كان له امام فقراء ته له قراءة وهذا سند صحيح.

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ سے منقول ہے کہ ہمیں مالک بن اسماعیل نے حسن بن صالح سے انہیں ابن زبیر نے حضرت جابر سے اور وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے امام کی قرأۃ اس کی قرأۃ ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ (یعنی یہ حدیث متصل، مرفوع اور صحیح ہے)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ يصلی به فاذا كبر فكبروا واذا قراءة فانصتوا قال عبدالرحمن كان المنحرمی يقول وهو ثقة يعنی محمد ابن سعد. (دارقطنی ج ا ص ۳۲۸ باب من کان لہ امام)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام کی اقتدا کرنی چاہیے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن کریم پڑھے تم خاموش رہو۔ ابوعبد الرحمٰن نے کہا کہ منحرمی کہتا تھا کہ محمد ابن سعد ثقہ راوی ہے۔

عن عمران بن حصين قال كان رسول الله ﷺ يصلی بالناس ورجل يقرء خلفه فلما فرغ قال من ذالذی يخالجنی سورتی فنهی عن القراءة

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ حضور ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے پیچھے قرآن پڑھتا تھا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: وہ کون ہے جو میری سورت

خلف الامام .

(بیہقی شریف ج۲ص۱۶۲باب من قال لایقرء خلف الامام الاطلاق)

(تلاوت) میں مجھ سے الجھتا ہے؟ سو آپ نے امام کے پیچھے قرآن کریم پڑھنے سے روک دیا۔

عن عبد الله بن بحينة و كان من اصحاب رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ قال هل قرا احد منكم معى انفا قالوا نعم قال انى اقول مالى انازع القران فانتهى الناس عن القراءة معه حين قال ذالك . رواه احمد والطبرانى فى الكبير والاوسط ورجال احمد رجال صحيح ويأتى الكلام عليه بعد هذا الحديث . وعن عبدالله بن مسعود قال كانوا يقرؤن خلف النبى ﷺ فقال خلطتم على القران رواه احمد وابو يعلى والبزار ورجال احمد رجال صحيح .

(مجمع الزوائدج۲ص۱۰۹باب القرأة فی الصلوٰۃ)

حضور ﷺ کے ایک صحابی عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے نماز میں میرے ساتھ کبھی قرآن کی تلاوت کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا میں کہتا ہوں کیا ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت میں مجھ سے جھگڑا کیا جاتا ہے؟ پس لوگ آپ کے ساتھ قرأۃ کرنے سے رک گئے۔ جب آپ نے فرمایا۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے اوسط اور کبیر میں ذکر کیا ہے اور امام احمد کے راوی ثقہ صحیح ہیں۔ اس حدیث کے بعد اس پر گفتگو آرہی ہے۔ اور عبد اللہ بن مسعود سے ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے تو میں نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن خلط ملط کر دیا۔ اسے امام احمد، ابو یعلیٰ اور بزار نے ذکر کیا' امام احمد کے راوی صحیح ہیں۔

عن على قال قال رجل للنبى ﷺ اقرا خلف الامام او انصت قال بل انصت .

(دار قطنی ج۱ص۳۳۰)

حضرت علی المرتضیٰ سے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں؟ فرمایا: خاموش رہو۔

الحاصل: احادیث مذکورہ میں خود سرکار دوعالم ﷺ کے استفسار پر جب صحابہ کرام نے کہا کہ آپ کے پیچھے دوران نماز قرآن پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کو اس سے منع فرمادیا اور خاموشی سے سننے کی تلقین فرمائی۔ اگر یہ بات آپ کو پسند ہوتی تو آپ اسے کیوں روکتے اور اسے قرآن میں جھگڑنے سے تعبیر کیوں فرماتے؟ تو معلوم ہوا کہ قرأۃ خلف الامام سے خود حضور ﷺ نے منع کر دیا ہے۔ ہم آخر میں دار قطنی سے ایک حوالہ نقل کرتے ہیں جس میں حضور ﷺ سے نماز کی ترکیب سکھلانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہٰذا تم اس سے اختلاف مت کرو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہ کر سنو اور جب وہ و لا الضالین کہے تو تم بھی آمین کہو جب رکوع کرے رکوع کرو اور جب سمع الله لمن حمده کہے تم ربنا لک الحمد کہو اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔''

قارئین کرام! قرآن کریم کے ارشاد اذا قرئ القران فاستمعوا له کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور ﷺ کی احادیث صحیحہ کی روشنی میں اور آپ کی ترتیب نماز والی حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اور امام کے پیچھے پڑھنے کو قرآن میں جھگڑنے اور قرآن میں خلط ملط کرنے سے تعبیر فرمانا یہ تمام دلائل اس بات کو ثابت و محقق کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنا چاہیے۔ اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو؟ جائز نہیں۔ اب ان تمام دلائل سے قطع نظر کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

امام کے پیچھے نہ پڑھنے پر آثار صحابہ

قرآن کریم، احادیث صحیحہ کی روشنی میں حضرات صحابہ کرام کے ارشادات و اعمال بھی قرأۃ خلف امام کے خلاف ہیں۔ چند

آثار ملاحظہ ہوں۔

زید بن ثابت کا عمل

عن عطاء بن يسار انه اخبره انه سئل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام في شيء . (صحیح مسلم ج ۱ص ۲۱۵ باب سجود التلاوۃ)

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: امام کے ساتھ کسی چیز میں قرآن پڑھنا نہیں ہے۔

عن موسى بن سعد عن ابن زيد بن ثابت عن ابيه زيد بن ثابت قال من قرا وراء الامام فلا صلوة.
(بیہقی شریف ج ۲ص ۱۶۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۷۶)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

جابر بن عبداللہ کا عمل

قلت الصحيح ان المؤتم لا يقرأ مطلقا كما صرح به لبيهقي اولا وقال ابن ابي شيبة في المصنف حدثنا وكيع عن الضحاك بن عثمان عن عبد الله بن مقسم عن جابر قال لا يقرأ خلف الامام وهذ ايضا سند صحيح متصل على شرط مسلم .
(بیہقی ج ۲ص ۱۷۱)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ مقتدی مطلقاً نہ پڑھے جیسا کہ اس کی بیہقی نے تصریح کی۔ ابن ابی شیبہ نے کہا: ہمیں وکیع نے ضحاک بن عثمان سے انہوں نے عبداللہ بن مقسم سے اور وہ جابر سے بیان کرتے ہیں کہ فرمایا: امام کے پیچھے مقتدی نہیں پڑھے گا اور یہ سند بھی صحیح ہے' متصل ہے امام مسلم کی شرائط پر۔

عن مالك عن ابي نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة لم يقرء فيها بام القران فلم يصلى الا وراء الامام .
(موطا امام مالک ص ۶۶ باب ماجاء فی ام القرآن مطبوعہ میر محمد آرام باغ کراچی' ترمذی ج ۱ص ۴۲ باب ماجاء فی ترک القرأۃ امین کمپنی دہلی' طحاوی ج ۱ص ۲۱۸ باب القرأۃ خلف الامام مطبوعہ بیروت)

امام مالک، ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ کو یہ کہتے سنا جس نے کوئی رکعت فاتحہ کے بغیر پڑھی اس نے وہ رکعت ہی نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے۔

حضرت علی المرتضٰی کا فرمان

من قرء خلف الامام فليس صلى الفطرة
(دارقطنی ج ۱ص ۳۳۲' طحاوی ج ۱ص ۲۱۹)

جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت پر نماز نہیں پڑھی۔

من قرء خلف الامام فقد اخطاء.
(دارقطنی ج ۱ص ۳۳۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۷۶)

(حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:) جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے غلطی کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا فرمان

ان عبد الله بن عمر اذا صل احدكم خلف الامام فحسبه قرائة الامام واذا صلى وحده فليقرء

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم میں کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے

قال و کان عبد الله لایقرأ خلف الامام .

(موطاامام مالک ص ۶۸ القرأۃ خلف الامام)

اور اگر اکیلا نماز پڑھے تو پھر قرأۃ کرنی چاہیے اور جناب عبداللہ بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ کا فرمان

عن عبد الله بن مقسم انه سئل عبد الله بن عمر وزید بن ثابت وجابر بن عبد الله فقالوا لا تقرؤا خلف الامام فی شیء فی الصلوة .

(طحاوی ج ا ص ۲۱۹ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۳)

عبداللہ بن مقسم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا امام کے پیچھے دوران نماز کسی چیز میں قرأت نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان

عن ابی حمزة قال قلت لابن عباس اقرؤا الامام بین یدی فقال لا .

(طحاوی ج ا ص ۲۲۰ باب قرأۃ خلف الامام)

ابوحمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ امام کے پیچھے میں قرأت کروں؟ تو فرمایا نہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا فرمان

قال لیت الذی یقرء خلف الامام ملئی فوه ترابا. (طحاوی شریف ج ا ص ۲۱۹، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳)

عبداللہ بن مسعود نے کہا کاش وہ شخص جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں مٹی بھر دی گئی ہوتی۔

عن ابی وائل قال جاء رجل الی عبد الله فقال اقرء خلف الامام فقال له عبد الله ان فی الصلوة شغلا وسیکفیک ذالک الامام .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۶ من کرہ القرأۃ خلف الامام بیہقی ج ۲ ص ۱۶۰)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور پوچھا میں امام کے پیچھے قرأت کروں؟ تو انہوں نے فرمایا: بے شک نماز میں یہ شغل ہے اور تیرے لیے اس بارے میں تیرا امام ہی کافی ہے۔

اخرج عن علقمة بن قیس ان عبد الله بن مسعود کان لا یقرء خلف الامام فیما یجهر فیه وفیما یخافت فیه الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة ولم یقرء فی الاخرین شیئا.

علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود امام کے پیچھے جہری اور خفی کسی میں قرأت نہیں کرتے تھے نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور جب اکیلے پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب اور سورۃ پڑھتے۔ پچھلی دو رکعتوں میں کچھ بھی نہ پڑھتے۔

عن ابی نجاد عن سعد قال وددت ان الذی یقرء خلف الامام فی فیه جمرة .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۶ من کرہ قرأۃ خلف الامام)

ابونجاد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارہ رکھ دوں۔

عن موسی ابن سعد بن ابی وقاص قال ذکرلی ان سعد بن ابی وقاص قال وددت ان الذی یقرء خلف الامام فی فیه حجر.

موسیٰ بن سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارہ رکھ دوں۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳ باب وجوب القرأۃ لا امام والماموں)

حضرت عمر فاروق کا قول

قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه وددت ان الذی یقرء خلف الامام فی فیه حجر.

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں پتھر ہو۔

حضرت ابو درداء کا فرمان

عن کثیر بن مرة عن ابی الدرداء ان رجلا فقال یا رسول الله افی کل صلوة قران قال نعم فقال الرجل من الانصار وجبت قال وقال ابو درداء اری ان الامام اذا ام القوم الا قد کفاه.

(طحاوی ج ۱ ص ۲۱۶ باب قرأۃ خلف الامام (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰ (دار قطنی ج ۱ ص ۳۳۲)

کثیر بن مرہ حضرت ابو درداء سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر حضور ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا ہر رکعت نماز میں قرآن ہے؟ فرمایا ہاں پھر ایک شخص انصار میں سے بولا یہ واجب ہے تو ابو درداء نے کہا: میں نہیں دیکھتا امام کو وہ امامت کرے مگر اس کی قرأت (مقتدیوں) کو کافی ہوگی۔

حضرت علقمہ بن قیس کا فرمان

عن علقمة بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرء خلف الامام.

(موطا امام محمد ص ۱۰۰)

علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ انگارہ چبانا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کروں۔

اسود بن یزید کا فرمان

عن الاسود ابن یزید انه قال وددت ان الذی یقرء خلف الامام ملی فوه ترابا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷، طحاوی ج ۱ ص ۳۱۹)

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں مٹی بھر دی جائے۔

دس صحابہ کا فرمان

عن عبد الله بن زید بن اسلم عن ابیه قال کان عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ ینهون عن القراة خلف الامام اشد النهی. ابو بکر صدیق و عمر الفاروق وعثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وعبد الله بن مسعود وزید بن ثابت وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس رضی الله عنهم.

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳ باب وجوب القرأۃ لا امام)

عبد اللہ بن زید بن اسلم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دس صحابہ کرام امام کے پیچھے قرأت کو سخت ناپسند کرتے تھے اور شدت سے اسے منع کرتے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

حضور ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی کا فرمان

روی عبد الرزاق فی مصنفه اخبرنی موسی بن عقبة ان رسول الله ﷺ وابابکر وعمر وعثمان کانوا ینهون عن القراء ة خلف الامام.

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳)

عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں روایت لکھی کہ مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی، بے شک رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے۔

سعید بن جبیر کا فرمان

عن ابی بشر عن سعید بن جبیر قال سئلت عن القراء ة خلف الامام قال لیس خلف الامام قراة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷ باب من کرہ القرأۃ خلف الامام)

ابوبشر جناب سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے امام کے پیچھے قرأت کا پوچھا تو فرمایا: امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

سوید بن غفلہ کا فرمان

عن ولید بن قیس قال سئلت سوید ابن غفلة اقرء خلف الامام فی الظهر والعصر قال لا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷)

ولید بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے سوید بن غفلہ سے ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کا پوچھا تو فرمایا: کوئی قرأت نہیں۔

ضحاک کا فرمان

عن ابی کبران قال الضحاک ینهی عن القراة خلف الامام. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷)

کبران سے کہ ضحاک امام کے پیچھے قرأۃ سے روکا کرتے تھے۔

الحاصل: حضور ﷺ، خلفائے اربعہ اور دیگر اجلہ صحابہ کرام بھی اس بات کو درست نہیں سمجھتے تھے اور سختی سے منع کرتے تھے کہ امام کے پیچھے قرأت کی جائے۔ قرأت کرنے والے کے منہ میں انگارہ، مٹی اور پتھر ڈالنے تک کی وعید سنائی گئی۔ ان سترہ عدد آثار و روایات کے ہوتے ہوئے پھر قرأۃ خلف الامام کی رٹ لگانا کہاں تک درست ہے؟ خلاصہ یہ کہ نماز خواہ سری ہو یا جہری امام کے پیچھے قرأت کی مطلقاً اجازت نہیں۔ اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت اور دیگر آیات قرآنیہ کی قرأت سبھی شامل ہیں۔

اعتراض ۱

مذکورہ تمام احادیث و آثار ضعیف ہیں اور بعض موقوف بھی ہیں لہٰذا ضعیف و موقوف سے فاتحہ خلف الامام سے منع کرنا درست نہیں۔ ان سے استدلال بھی کمزور ہے۔

جواب اول: پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ استدلالات میں سے اول الذکر قرآن کریم کی آیت اذا قرئ القران فاستمعوا له ہم نے ذکر کی۔ یہ کوئی حدیث یا اثر نہیں کہ اسے ضعیف و موقوف کہا جائے۔ معترض کو چاہیے تھا کہ پہلے اس آیت کریمہ کے استدلال پر اعتراض کرتا حالانکہ جمہور صحابہ کرام نے اس آیت کو قرأت خلف الامام کے منع پر نازل ہونا ذکر کیا ہے۔ دوسری بات کہ مذکورہ احادیث و آثار ضعیف و موقوف ہیں یہ کہنا بہت بڑی زیادتی ہے کیونکہ ان احادیث میں سے (قرأت الامام قرأت له) وغیرہ کو صحیح اور مسند تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری احادیث کی توثیق کے بعد انہیں بھی محدثین کرام نے مسند، مرفوع اور صحیح کے درجہ میں اعتبار کیا لہٰذا ان

احادیث سے ہمارا استدلال درست ہے۔

جواب دوم: جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ مذکورہ تمام احادیث ضعیف نہیں۔ اگر معترض کا یہ کہنا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے ضعیف حدیث کبھی موضوع نہیں بن سکتی کیونکہ ضعیف اور موضوع دو الگ الگ اقسام کی احادیث ہیں اور یہ اصول میں سے اصل ہے کہ بعض ضعیف دوسری بعض سے مل کر قوت حاصل کر کے صحیح ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس قانون کو ہم پیش کرتے ہیں' ملاحظہ ہو۔

وجوابنا عن الاحادیث التی قالوا فی اسانیدھا ضعفاء ان الضعیف یتقوی بصحیح ویقوی بعضھا بعضا واما قولہ فی بعضھا فھو موقوف فالموقوف عندنا حجۃ لان الصحابۃ عدول ومع ھذا روی منع القراءۃ خلف الامام عن ثمانین من الصحابۃ الکبار منھم المرتضی والعبادلۃ الثلاثۃ اسامیھم عند اھل الحدیث فکان اتفاقھم بمنزلۃ الاجماع فمن ھذا قال صاحب الھدایۃ من اصحابنا وعلی ترک القراءۃ خلف الامام اجماع الصحابۃ فسماہ اجماعا باعتبار اتفاق الاکثر ومثل ھذا یسمی اجماعا عندنا.

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳ باب وجوب القرأۃ للامام والماموم)

ہمارا جواب ان احادیث کے بارے میں کہ جن کی اسناد کو انہوں نے ضعیف کہا ہے' یہ ہے کہ حدیث ضعیف قوی کے ملنے سے قوی ہو جاتی ہے اور بعض ضعیف دوسری بعض کو قوت بنا دیتی ہیں معترض کا بعض احادیث کو موقوف کہنا اس کا جواب یہ ہے کہ موقوف ہمارے نزدیک حجت ہے کیونکہ صحابہ کرام عادل ہیں اس کے ساتھ ساتھ اسّی صحابہ کبار نے قرأۃ خلف الامام سے منع کیا جن میں علی المرتضیٰ اور عبادلہ ثلاثہ بھی ہیں۔ ان اسّی حضرات کے اسماء گرامی اہل حدیث کے پاس موجود ہیں لہٰذا ان کا اتفاق بمنزلہ اجماع ہوا یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں کہا کہ قرأت خلف امام کے ترک پر اجماع الصحابہ ہے۔ انہوں نے اجماع صحابہ باعتبار اتفاق اکثر کہا ہے۔ اس قسم کو بھی ہمارے نزدیک اجماع کہا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کو ضعیف کہہ دینا اس سے مانع نہیں کہ وہ حجت بن سکے بلکہ اس جیسی دیگر احادیث کو ساتھ ملا کر فیصلہ کیا جاتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس ضعیف کو کسی قوی حدیث نے ضعف سے خالی کر دیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ضعیف سے ضعیف مل کر قوی ہو جائے پھر حضرات صحابہ کرام سے مروی حدیث اگر موقوف ہے تو ان پر یہ اعتراض تو نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے خود گھڑلی ہوگی کیونکہ ان کی عدالت خود بارگاہ رسالت سے موعود و مشہور ہے اس لیے موقوف بھی قابل حجت ہے اور یہی حکم تقریباً آثار صحابہ کرام کا ہے۔ اسی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے بعض اصحاب اصول فقہ نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ صحابہ کی مرسل' مسند حدیث سے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ جب کوئی صحابی ارسال کرتا ہے تو اسے پورا پورا اعتماد ہوتا ہے اور وہ ذمہ داری سے ایسا کرتا ہے پھر قرأت خلف الامام کے منع کرنے والے اسّی جلیل القدر صحابہ کرام ہیں۔ اگر یہ فرض' واجب یا سنت ہوتا تو اتنی مقدار صحابہ کبار اس کے مخالف نہ ہوتے۔ آخر انہیں سرکار دو عالم ﷺ کے اقوال و اعمال کو قریب سے سننے اور دیکھنے کا بار بار موقعہ ملا۔ آخری بات یہ کہ ہمارے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو روایات و احادیث پہنچیں ان میں دو یا تین واسطے ہوسکتے ہیں کیونکہ آپ تابعی ہیں۔ ان دو یا تین واسطوں پر اعتماد ہونا چاہیے ہوسکتا ہے کہ کسی حدیث میں ضعف ان کے دور کے بعد روایت کرنے والے کسی راوی کی وجہ سے آیا ہو اور جب وہ راوی سلسلہ اسناد میں آیا نہیں تو پھر اس کے زمانہ سے قبل وہ ضعیف نہیں ہوسکتی۔ مختصر یہ کہ مذکورہ احادیث کو ضعیف یا موقوف کہہ دینے سے فاتحہ خلف الامام کا اثبات نہیں ہو جائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض ۲

بخاری شریف اور صحاح ستہ کی تقریباً تمام کتب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ ''لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں''۔اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کے لیے رکوع و سجود لازم ہیں اسی طرح سورہ فاتحہ بھی لازم ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اس حکم میں اکیلا یا جماعت کے ساتھ پڑھنے والا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں روا رکھا گیا۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور عموم حدیث کا یہی تقاضا ہے۔گویا حدیث مذکور میں دو مسئلے بیان ہوئے۔(۱) فاتحہ پڑھنا فرض ہے (۲) اس کی فرضیت ہر ایک کے لیے ہے۔

جواب اول مسئلہ اولیٰ: نماز میں فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دینا نص قرآنی کے خلاف ہے نص یہ ہے۔''**فاقرؤا ما تیسر من القران** قرآن سے جو آسان لگے وہ نماز میں پڑھو''۔اس نص نے نماز میں مطلقا کہیں سے قرآن پڑھنا فرق کیا ہے تمام قرآن کو چھوڑ کو صرف سورۃ فاتحہ کی تخصیص لفظ ''ما'' کے عموم کے خلاف ہے۔اس آیت کے حکم کے مطابق نماز میں کہیں سے تین چھوٹی آیات کی مقدار قرآن پڑھا جائے تو قرأت فرضی ہو جاتی ہے اور اس طرح ایک رکن (قرأۃ) ادا ہونے کی وجہ سے نماز ہو جاتی ہے جب کہ دوسرے ارکان بھی ادا کر لیے جائیں۔

جواب دوم: حدیث مذکورہ میں **لا صلوۃ** کے الفاظ سے نفی نماز کی گئی ہے لیکن یہ نفی حقیقت نماز کی نہیں بلکہ کمال نماز کی نفی ہے معنی یہ ہوا کہ اس شخص کی نماز کامل نہ ہوئی جس نے فاتحہ نہ پڑھی۔ان حدیث سے جو ہم نے ''کمال کی نفی'' مراد لیا ہے۔اس کے احادیث سے شواہد موجود ہیں۔مثلاً ''**لا صلوۃ الا بحضور القلب** حضور دل کے بغیر نماز نہیں ہوتی''۔

نماز، مسجد میں حاضر ہوئے بغیر نہیں ہوتی۔ہر شخص ان دونوں احادیث کے یہی معانی لیتا ہے کہ حضور قلب کے بغیر نماز نامکمل ہے اور حضوریٔ مسجد کے بغیر مسجد کے ہمسائے کی نماز کامل نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث پاک میں کمال کی نفی مراد ہے۔حقیقت کی نفی مقصود نہیں ہے۔''**لا صلوۃ لجار المسجد الافی المسجد** ۔مسجد کے ہمسائے کی نماز مسجد کے بغیر نہیں''۔

جواب سوم: فاتحہ کے فرض ہونے والی حدیث پاک کے الفاظ میں اختلاف ہے مثلاً **لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا** (ابوداؤد ج اص ۱۱۹) **من ترک القراءۃ فی الصلاۃ** ۔جس آدمی نے فاتحہ اور کچھ زائد نہ پڑھا اس کی نماز نہ ہوئی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح فاتحہ پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کے ساتھ کچھ زیادہ یا کوئی اور سورت پڑھنا فرض ہے حالانکہ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہنے والے بھی اس زیادتی کی فرضیت کے قائل نہیں کیونکہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور قرآن کریم ملانا یا سورت ملانا واجبات نماز میں سے ہے۔فرائض میں داخل نہیں لہٰذا ان زیادہ الفاظ والی روایت کے پیش نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ فاتحہ پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ سورۃ ملانا بھی واجب اور یہی مسلک احناف کا ہے۔سورہ فاتحہ کی قرأت کے بارے میں احناف کا مسلک حدیث مذکورہ اور قرآن کریم کی آیت **فاقرؤا ما تیسر من القران** کی تطبیق سے ماخوذ ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ آیت قرآنیہ کا تقاضا یہ ہے کہ مطلقا قرآن کریم نماز میں پڑھنا فرض ہو اور حدیث مذکورہ کا تقاضا ہے کہ صرف خاص کر فاتحۃ الکتاب کی قرأت فرض ہو۔جب دونوں میں بظاہر تعارض ہو گیا تو پھر دونوں کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر مطلقا قرآن پڑھنا تو فرض رہا اور کیونکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ٹھہرا۔کیونکہ وہ حدیث (جو دلیل ظنی ہوتی ہے) سے ثابت ہے اس لیے اگر کسی نے سہواً سورہ فاتحہ کو نہ پڑھا تو اسے سجدہ سہو نکالنا پڑے گا لیکن مطلقا قرأۃ ترک کرنے سے نماز کا رکن فوت ہو جانے کی وجہ سے نماز نہیں ہو گی اور اس لیے اس میں سجدہ سہو سے کام نہیں بنے گا۔

جواب چہارم: معترض نے جو حدیث پیش کی ہے۔اس میں اگرچہ "**لا صلوۃ**" کے الفاظ موجود ہیں لیکن بعض صحیح روایات میں یہ لفظ موجود نہیں بلکہ اس کی بجائے "**فھی خداج**" کے الفاظ ہیں ملاحظہ ہو۔

مالک عن العلاء بن عبد الرحمن بن یعقوب علاء بن عبد الرحمٰن بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے ابو سائب

انہ سمع ابا السائب مولی هشام بن زهرة یقول سمعت ابا هریرة یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول من صلی صلوة لم یقرء فیها بام القران فهی خداج هی خداج غیر تمام.

مولی ہشام بن زہری سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ حضور ﷺ سے میں نے سنا کہ جس نے سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ادا کی تو اس کی نماز نامکمل نامکمل نامکمل ہے۔

(موطا امام مالک ص ٦٦ القرأۃ خلف الامام)

روایت مذکورہ میں صاف موجود کہ فاتحۃ الکتاب کی قرأۃ کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ اس سے اسی معنی کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے جو ہم نے لا صلوة والی روایت کا کیا تھا۔ اگر سورۂ فاتحہ کی قرأۃ فرض ہوتی تو نامکمل نہیں بلکہ بالکل نہ ہوتی۔

ایک شبہ: "لا صلوة الا بفاتحة الخکتاب" حدیث مشہور ہے اور احناف و دیگر ائمہ اہل حدیث یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی کی جا سکتی ہے تو اب اس حدیث اور قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں تعارض نہ ہوا بلکہ یہ مقصد ہوا کہ قرآن نے مطلقاً قرأت کو فرض کیا اور حدیث مشہور نے فاتحہ کی قرأت کو فرض کر دیا۔ اب جس طرح مطلقاً قرأت چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی اس طرح فاتحہ چھوڑنے سے بھی نہیں ہوگی۔

جواب شبہ: شبہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ جس طرح مطلقاً قرآن کی قرأت فرض ہے (یعنی سورۂ فاتحہ کو چھوڑ کر) یہ بات خود غیر مقلدین کو تسلیم نہیں کیونکہ وہ بھی سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن مجید پڑھنا (نماز میں) فرض نہیں مانتے۔ دوسری بات یہ کہ " لا صلوة الا بفاتحة الکتاب "کو حدیث مشہور کہنا یہ بھی ائمہ حدیث پر افتراء ہے۔ اسے تو انہوں نے خبر واحد قرار دیا ہے' ملاحظہ ہو۔

قلت لا نسلم انه مشهور لان المشهور ماتلقاه التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون فی هذه المسئلة ولئن سلمنا انه مشهور فالزیادة بالخبر المشهور انما تجوز اذا کان محکما واما اذا کان محتملا فلا وهذا الحدیث محتملا لان مثله یستعمل لنفی الجواز ویستعمل لنفی الفضیلة بقوله علیه السلام لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد والمراد نفی الفضیلة کذا هو ویؤید هذا هذا التاویل قوله تعالی انهم لا ایمان لهم (سورۂ توبه) معناه انهم لا ایمان لهم موثوقا بها ولم ینف وجود الایمان منهم رأسا.

(عمدۃ القاری ج ٦ ص ١١ باب وجوب القرأۃ للامام والماموم)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا مشہور ہونا ہمیں تسلیم نہیں ہے کیونکہ مشہور حدیث وہ ہوتی ہے جسے حضرات تابعین قبول کر لیں حالانکہ اس مسئلہ میں تابعین کرام کا اختلاف ہے اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ مشہور حدیث ہے تو بھی خبر مشہور سے قرآن پر زیادتی اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب وہ حدیث محکم ہو اور اگر محتمل ہو تو پھر زیادتی نہیں ہو سکتی اور حدیث مذکورہ محتمل ہے کیونکہ اس جیسا انداز کبھی تو جواز کی نفی کے لیے اور کبھی فضیلت کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی کہ مسجد کے ہمسائے کی نماز مسجد کے بغیر نہیں تو اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے۔ اس تاویل کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ انهم لا ایمان لهم۔ ان کا کوئی ایمان نہیں۔ اس سے مراد یہ کہ ان کا ایمان ایسا نہیں جو قابل وثوق ہو۔

مسئلہ دوم کا جواب: یعنی نمازی اکیلا ہو یا امام کے پیچھے دونوں حالتوں میں فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور امام کی اقتدا میں خاموشی لازم ہے۔ احناف کا یہ مسلک حدیث مذکور کے عموم کے خلاف ہے؟ اس کے متعلق گزارش ہے کہ مقتدی کی تخصیص کہ وہ نہ پڑھے ہم احناف اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ یہ تخصیص حدیث پاک میں موجود ہے۔" من کان له امام فقراءة الامام قراءة له جس کا امام ہو یعنی جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا

ہو تو اس کے امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے"۔ (بیہقی ج ۲ص ۱۵۹) اسی موضوع کی ایک حدیث نسائی سے بھی سن لیجئے۔

فاذا کبر کبروا واذا قرأنا فانصتوا. (نسائی ج اص ۱۴۶ اقرأۃ خلف الامام)

(امام تو اقتدا کے لیے ہوتا ہے) جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔

ان دونوں احادیث کی صحت ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ اکیلے نمازی اور مقتدی کی نماز میں خود فرق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ حدیث نسائی میں تکبیر کے بعد قرأت کا ذکر ہے تو سبھی جانتے ہیں کہ تکبیر کے بعد قرأت فاتحۃ الکتاب کی قرأت ہی ہے۔ اسی قرأت کے وقت مقتدی کو خاموش رہنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا لہٰذا معلوم ہوا کہ منفرد نمازی کے لیے قرأت ہے اور مقتدی نمازی کے لیے اس کی بجائے خاموش رہ کر سننا ہے۔

اعتراض ۳

ترمذی شریف کی ایک حدیث پاک میں ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ کی اقتدا میں قرأت کی تو آپ نے نماز سے فارغ ہونے پر فرمایا: تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ عرض کرنے لگے۔ جی! فرمایا: ام القرآن کے سوا پیچھے نہ پڑھا کرو۔ **قال لا تفعلوا الابام القران** ۔ (ترمذی شریف ج اص ۱۴۱ باب ماجاء فی القرأۃ خلف الامام) اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے اگر چہ مقتدی ہو۔ ہاں اقتدا کی صورت میں فاتحہ کے علاوہ قرآن کی قرأت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خاموش رہنا چاہیے۔

جواب اول: ترمذی شریف کی مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے مجروح ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

قال النیموی فیه مکحول وهو یدلس رواه معنعنا وقد اضطرب فی اسناده ومع ذالک قد ففرد بذکر محمود بن الربیع عن عبادة فی طریق مکحول محمد بن اسحاق وهو لا یحتج بما انفرد به فالحدیث بثلاثة وجوه معلول.

(آثار السنن ج اص ۷۶ باب فی القرأت)

نیموی نے کہا کہ مذکورہ روایت میں مکحول نامی راوی تدلیس کرتا ہے اور اس نے معنعن طریقہ سے روایت کیا اس کی اسناد میں بھی اضطراب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ محمود بن ربیع کے طریقہ سے عبارت سے متفرد ہے جو مکحول کی اسناد میں محمد بن اسحاق ہے اور اس سے احتجاج نہیں کیا گیا لہٰذا یہ حدیث تین وجوہ سے معلول ہے۔

قارئین کرام! جس روایت کا راوی مدلس ہو۔ سند میں اضطراب ہو اور تفرد بھی ہو تو ایسی روایت سے غیر مقلدین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیے تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ روایت مذکورہ کے بارے میں امام بیہقی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

والکلام فی ابن اسحاق معروف والحدیث مع ذالک مضطرب الاسناد . قلت نافع بن محمود لم یذکره البخاری فی تاریخه ولا ابن ابی حاتم ولا اخرج له الشیخان وقال ابو عمر ومجهول وقال طحاوی لا یعرف فکیف یصح او یکون سنده حسنا ورجاله ثقاة . (بیہقی شریف ج ۲ص ۱۶۴، ۱۶۵ باب من قال قرأۃ خلف الامام فیما یجهر وفیما یسر)

ابن اسحاق پر جرح معروف ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث کی اسناد میں اضطراب بھی ہے۔ میں کہتا ہوں نافع بن محمود کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور نہ ہی ابن ابی حاتم نے اسے ذکر کیا اور نہ بخاری و مسلم نے اس کی روایت ذکر کی۔ ابو عمرو مجہول راوی ہے۔ جس کے بارے میں طحاوی کا قول ہے کہ وہ غیر معروف ہے لہٰذا ان خرابیوں کے ہوتے ہوئے مذکورہ حدیث صحیح کیسے ہو سکتی ہے یا اس کی سند حسن اور اس کے راوی ثقہ کیونکر ہو سکتے ہیں؟

رواه البزار والطبرانی فی الکبیر وفیه مسلم بن

مذکورہ روایت کو بزار اور طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا اس کی سند

علی وھو ضعیف رواہ احمد وفیہ رجل لم یسم.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰-۱۱۱ باب القرأۃ فی الصلاۃ)

میں مسلم بن علی راوی ہے جو ضعیف ہے اور جس سند سے امام نے اسے ذکر کیا اس میں ایک شخص ایسا تھا جس کا نام تک معلوم نہیں۔

جواب دوم:

وھب بن کیسان انہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول من صلی رکعۃ لم یقرا فیھا بام القران فلم یصل الا ان یکون وراء الامام ھذا حدیث حسن صحیح.

وہب بن کیسان سے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے یہ کہتے سنا جس نے فاتحۃ الکتاب پڑھے بغیر نماز پڑھی اس نے نماز نہ پڑھی۔ ہاں اگر امام کے پیچھے ہے تو پھر ہوگئی۔ یہ حدیث صحیح حسن ہے۔

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲ باب ماجاء فی القرأۃ خلف الامام)

معترض نے جو حدیث پیش کی تھی وہ حسن ہے اور ہم نے ابھی ترمذی شریف سے جو حدیث تحریر کی اسے خود امام ترمذی نے صحیح حسن لکھا ہے اگر حسن سے معترض یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے تو پھر صحیح حسن سے یہ بھی تسلیم کرے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے بلکہ حسن صحیح کا درجہ محض حسن سے قوی ہے۔ قوی کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی روایت پر جمے رہنا کون سی دانش مندی ہے؟ امام ترمذی نے اسی حدیث کے ساتھ امام احمد بن حنبل کا مسلک اس بارے میں تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرا فیھا بام القران فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ لاول قول النبی لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب ان ھذا کان وحدہ.

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲ باب ماجاء بالقرأۃ خلف الامام)

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارشاد "**لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب**" کا معنی یہ ہے کہ جب آدمی اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں۔ امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے احتجاج کیا ہے۔ جابر کہتے ہیں جس نے فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی۔ ہاں اگر وہ امام کے پیچھے ہے تو ہو جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: یہ آدمی سرکار کے اصحاب میں سے ہے اور اس نے آپ کے قول **لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہی روایت جسے معترض پیش کر رہا ہے اسی کا مفہوم حضور ﷺ کے ایک نامور صحابی بیان کر رہے ہیں اور امام مالک اسی مفہوم کی تائید کر رہے ہیں۔ اس روایت کا مصداق اکیلا نمازی ہے امام کے پیچھے پڑھنے والا نہیں ہے۔

جواب سوم: معترض نے امام ترمذی کی جس حدیث کو پیش کیا' کیا اچھا ہوتا اگر اس کے بارے میں خود امام ترمذی کا قول بھی نقل کر دیا جاتا تاکہ ایک عظیم محدث کی رائے بھی سامنے آجاتی اور مسئلہ کے حل میں مددگار ہوتی۔ امام ترمذی کا قول ملاحظہ ہو۔

قال ابو عیسی حدیث عبادۃ حدیث حسن وروی ھذا الحدیث الزھری عن محمود بن ربیع عن عبادۃ بن صامت عن النبی ﷺ قال لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب وھذا اصح.

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۷۱)

ابو عیسیٰ (ترمذی) کہتا ہے کہ حدیث عبادہ بن صامت حدیث حسن ہے اور اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے۔ وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: **لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** اور یہ حدیث صحیح ترین حدیث ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں (معترض نے جو روایت پیش کی ہے، جو محمد بن اسحاق سے ہے جس نے یہ روایت عبادہ بن صامت سے بواسطہ مکحول اور محمد بن ربیع ذکر کی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں **لا تفعلوا الابام القران** ۔یعنی اے صحابہ! تم صرف سورۂ فاتحہ پیچھے پڑھا کرو۔ مزید امام ترمذی کہتے ہیں یہی روایت محمد بن اسحاق کے علاوہ زہری نے محمد بن ربیع کے واسطہ سے عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے لیکن اس میں الا ام القرآن کے الفاظ نہیں ہیں۔ (یعنی مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأۃ کرنی چاہیے یہ الفاظ موجود نہیں) اور فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہی نہیں بلکہ صحیح ترین ہے۔ یادرہے کہ محمد بن اسحاق اگرچہ مجروح ہے لیکن اس کی روایت کو جب دوسرے ثقہ رواۃ کی روایت سے تقویت ہوگئی تو اس تقویت کی بناپر امام ترمذی نے اس کی روایت کو حسن کہہ دیا حالانکہ وہ ضعیف تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ **لاصلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** کے الفاظ والی روایت صحیح ترین اور اس کے ساتھ **الا ام القرآن** کے زائد الفاظ والی صرف حسن ہے۔ جب اصح کو دیکھتے ہیں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تاویل کے مطابق اس کا حکم اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے ہے تو صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ثابت نہ ہوسکا اور یہی نتیجہ امام احمد بن حنبل نے اخذ کیا ہے۔

جواب چہارم: غیر مقلدین کے پاس جا کر صرف حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کسی اور صحابی سے انہیں کوئی روایت نہ مل سکی اب ایک طرف صرف ایک صحابی اور دوسری طرف امام کے پیچھے قرأت سے منع کرنے والے اسی صحابہ کرام ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان اسی حضرات کی بات کا کوئی وزن نہیں اور صرف ایک صحابی کی روایت کو ان پر ترجیح دینا کب درست قرار دیا جائے گا؟

اعتراض ٤

علاء بن عبد الرحمن انه سمع ابا السائب مولی هشام بن زهرة یقول سمعت ابا هریرة رضی الله عنه یقول قال رسول الله ﷺ من صلی صلوة لم یقرا فیها بام القران فهی خداج غیر تمام فقلت یا اباهریرة انی اکون احیانا وراء الامام قال اقرأها یا فارسی فی نفسک .

ابو السائب کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ سے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے فاتحہ الکتاب پڑھے بغیر نماز پڑھی وہ نامکمل ہوئی میں نے عرض کیا اے ابو ہریرہ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں فرمایا: اے فارسی! فاتحہ دل میں پڑھ لیا کرو۔

(طحاوی ج ا ص ۲۱۵ باب القرأۃ خلف الامام)

حضرت ابو ہریرہ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے لیکن آہستہ دل میں۔ اس روایت سے غیر مقلد یہ ثابت کرتے ہیں کہ دیکھو۔ حضرت ابو ہریرہ بھی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں لہٰذا طریقہ یہی درست ہے۔

جواب اول: جیسا کہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ایسی احادیث نص قرآن کے خلاف اور معارض ہیں۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آیت **واذا قرئ القران فاستمعوا له** کو اس روایت یا اس جیسی دیگر روایات سے منسوخ کردیں کیونکہ کسی مفسر یا محدث نے آیت مذکورہ کی تنسیخ کا قول نہیں کیا۔ جب وہ منسوخ نہیں تو پھر اس کے موجب نمازی کو قرأت سننے کا حکم بحال ہے اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ روایت آیت مذکورہ کے اترنے سے پہلے دور کی ہے۔ جب صحابہ کرام امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے لہٰذا جب اس آیت کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأت ختم ہوگئی۔ اسی طرح یہ روایت بھی منسوخ ہوگئی اس لیے اس سے فاتحہ خلف الامام ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

جواب دوم: ہم گذشتہ اوراق میں ایک حدیث صحیح پیش کر چکے ہیں جس میں حضور ﷺ سے مروی کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے جب امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہوئی تو پھر مقتدی کو پڑھنے کی کیا ضرورت باقی ہے؟

جواب سوم:

عن القاسم بن محمد قال کان ابن عمر لا یقرء خلف الامام جهر اولم یجهر.

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جہری یا سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۱۶۱ باب من قال لا یقرء خلف الامام علی الاطلاق)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کے آثار آپ پڑھ چکے ہیں جن میں کسی نے امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے رکھنے، مٹی ڈالنے اور پتھر ڈالنے تک فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام امام کے پیچھے نہ فاتحہ پڑھنا درست سمجھتے تھے اور نہ ہی قرآن کریم کی کوئی دوسری آیات۔

جواب چہارم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جناب ابوالسائب کو فرمانا کہ دل میں پڑھ لیا کرو یہ پڑھنا ''قرأۃ'' نہیں کہلاتا بلکہ یہ تو سننے کے حکم میں ہے۔ اسی مفہوم کو علامہ بدرالدین عینی نے بایں الفاظ بیان کیا ہے۔ فحینئذ یحمل ذالک علی ان المراد تدبیر ذالک فتفکر۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۴ باب وجوب القرأۃ للامام والمأموم) لہٰذا اس احتمال کے پیش نظر مذکورہ حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد آیات فاتحہ میں تدبیر و تفکر ہے۔

اعتراض ۵

ابو ابراهيم التيمى قال سئلت عمر بن الخطاب عن القراءة خلف الامام فقال لی اقرا قال وقلت وان كنت خلفك قال وان كنت خلفى.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۳ من رخص فی القراءۃ خلف الامام)

ابو ابراہیم تیمی سے کہ میں نے حضرت عمر سے امام کے پیچھے قرأۃ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: پڑھا کرو میں نے عرض کیا اگرچہ آپ کی اقتدا میں ہوں؟ فرمایا اگرچہ تم میرے پیچھے ہو (تب بھی پڑھا کرو)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ابوابراہیم تیمی کو اکیلے اور امام کے پیچھے دونوں حالتوں میں قرأۃ کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے قرأۃ کرنی چاہیے حالانکہ احناف منع کرتے ہیں۔

جواب: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مذکورہ فرمان چونکہ آیت اذا قرئ القران فاستمعوا کے خلاف ہے اور آیت مذکورہ منسوخ بھی نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا یہ حکم اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے۔ نزول کے بعد آپ کا بھی یہی عمل تھا کہ آپ امام کے پیچھے قرأت کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

وقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه وددت ان الذى يقرء خلف الامام فى فيه حجر.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں پتھر ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳)

لہٰذا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی روایات خود ان کے اپنے ہی دوسرے ارشاد سے متروک العمل ہو گئی۔

اعتراض ٦

عن عبيد الله بن رافع ان عليا كان يقول اقرا فى الظهر والعصر فى كل ركعة بام القران وسورة.

عبیداللہ بن رافع کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ میں ظہر اور عصر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۳ من رخص فی القرأۃ خلف الامام)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس عمل میں چونکہ ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے لہٰذا غیر مقلد اس سے اپنا مسلک ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علی المرتضیٰ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور ہمارا مسلک ان کے عمل کے مطابق ہے۔

جواب: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مذکورہ روایت میں عمل چونکہ آیت استماع وانصات کے خلاف ہے لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا یہ عمل نزول آیت سے قبل کا ہے۔ آیت کے نزول کے بعد آپ نے یہ عمل ترک کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ہی نے فرمایا: جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ اسلامی فطرت کے خلاف کرتا ہے۔ (بحوالہ دار قطنی ج ۱ ص ۳۳۲ باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقرأۃ الامام) جب حضرت علی المرتضیٰ کا قول و فعل متضاد ہوئے تو اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں ظہر اور عصر کی ہر رکعت میں آپ کا پڑھنا اس میں یہ تو موجود نہیں کہ آپ نے ایسا بحیثیت مقتدی کیا یا امام ہونے کی حالت میں کیا ہے۔ اگر امام ہوتے ہوئے کیا تو پھر اختلاف نہیں اور اگر مقتدی ہوتے ہوئے کیا تو احتمال خلاف ہے اور محتمل روایات قابل استدلال نہیں ہوتیں۔

اعتراض ۷

سئل ابن عمر عن القراءة خلف الامام فقال انی لاستحیی من رب هذه البنية ان اصلی صلوة لا اقرا فيها بام القران. (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے رب کعبہ سے شرم آتی ہے کہ میں کوئی نماز سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر ادا کروں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب یہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھوں تو اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ہر رکعت میں فاتحہ پڑھتے تھے جس سے فاتحہ خلف الامام ثابت ہوا۔

جواب اول: صاحب عمدۃ القاری علامہ بدر الدین عینی نے اس روایت کا اسی جگہ خود جواب دیا کہ یہ روایت منقطع ہے اور انہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت صحیحہ میں آیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت لازم نہیں ہے۔ آپ کا یہ ارشاد امام مالک نے یوں ذکر فرمایا ہے۔

عن ابن عمر قال اذا صلى احدكم خلف الامام فحسبه قراءة الامام واذا صلى وحده فليقرا قال وكان عبد الله لا يقرا خلف الامام.

(موطا امام مالک ص ۶۸، طحاوی ج ۱ ص ۲۲۰)

حضرت ابن عمر سے کہ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو پھر قرأت کرنی چاہیے۔ مزید فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ معترض کی پیش کردہ روایت اگر آپ کا عمل ہے بھی تو وہ پہلے کا تھا بعد میں آپ نے خود بھی یہ عمل چھوڑ دیا اور دوسروں کو بھی ترک کرنے کا حکم دیتے رہے۔

جواب دوم: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کہ "فاتحہ نہ پڑھوں تو اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے" اللہ تعالیٰ کے ارشاد **اذا قرئ القران** الخ کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں مطلقاً قرآن کریم کی تلاوت فرض قرار دی گئی ہے۔ اب صرف فاتحہ کی فرضیت آیت کے عموم کو خصوص میں تبدیل کرنا ہے اور روایت چونکہ منقطع ہے لہٰذا اس سے تخصیص نہیں ہو سکتی اس لیے آپ کا یہ عمل قابل حجت نہ رہا اور احناف کا مسلک کہ مطلقاً کسی جگہ سے تین چھوٹی آیات کی مقدار یا فاتحہ کو قرآن سمجھ کر پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے اور اگر تین آیات کی مقدار قرأت چھوڑ دی اور فاتحہ پڑھ لی یا فاتحہ چھوڑ دی اور قرأت کر لی تو سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

حدثنا عبد الله بن الحارث قال جلست الى رهط من اصحاب النبی ﷺ من الانصار

عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے صحابہ انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں نماز پر گفتگو

فذکروا الصلوۃ وقالوا لا صلوۃ الا بقراۃ ولو بام الکتاب .

چل نکلی تو کہنے لگے قرآن کریم پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی اگر چہ سورۂ فاتحہ ہی کیوں نہ پڑھ لی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۶۱ من قال لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب)

یعنی صرف سورۂ فاتحہ کو قرآن سمجھ کر پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے کیونکہ مطلقاً قرآن کریم میں یہ بھی ہے اور مطلقا قرأت فرض ہے۔

اعتراض ۸

مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے موطا امام محمد کی شرح میں اسی مقام پر فاتحہ خلف الامام کی حمایت میں چند آثار ذکر کرنے کے بعد امام محمد کا قول نقل کیا کہ بحوالہ حدیقہ آپ نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کو مستحسن کہا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ امام محمد کا آخری فیصلہ ہمارے مسلک غیر مقلد کی تائید کرتا ہے اور امام محمد کے اس مسلک کو صاحب ہدایہ نے یوں بیان کیا ہے۔

ویستحسن علی سبیل الا حتیاط فیما یروی عن محمد ویکرہ عند ھما لما فیہ من الو عید .

(ھدایہ اولین ص ۱۰۱ باب الا مامت سے چند سطور پہلے مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی)

احتیاط کے پیش نظر یہ بات اچھی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنی چاہیے۔ یہ اس روایت کے مطابق ہے جو امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم و ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے یہ کراہت اس روایت کی وجہ سے ہے جس میں اس کے بارے میں وعید آئی ہے۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مسلک احناف کے اہم ستون امام محمد فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے لہٰذا احناف کو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ امام پیچھے کے قرأت درست ہے اور یہی غیر مقلدین کا مسلک ہے۔

جواب: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اگر مذکورہ قول ثابت بھی ہو تب بھی غیر مقلدین کو کوئی فائدہ نہیں پڑتا اور غیر مقلد فرض بتاتے ہیں جبکہ امام موصوف امام کے پیچھے قرأت کو مستحسن کہہ رہے ہیں جس کے ترک سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور غیر مقلد فرض بتاتے ہیں جس کے ترک سے ان کی نماز ہی نہیں ہوتی اور یہ اس بنا پر بات تھی کہ امام محمد کا مذکورہ قول ان سے ثابت ہو ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ قول امام اعظم کے قول کے مطابق ہے۔ اس کی تائید میں فتح القدیر کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے۔

و بعض مشا ئخنا ذکروا ان علی قول محمد لا یکرہ وعلی قولھا یکرہ ثم قال فی الفصل الرابع الاصح انہ یکرہ والحق ان قول محمد کقولھما فان عباراتہ فی کتبہ مصرحۃ بالتجا فی عن خلافہ فانہ فی کتاب الاثار فی باب القراءۃ خلف الامام بعضھا اسند الی علقمۃ بن قیس انہ ما قرا قط فیما یجھر فیہ ولا فیما لا یجھر فیہ قال وبہ ناخذ لا نری قراءۃ خلف الامام فی شیء من الصلوۃ یجھر فیھا او لا یجھر فیھا ثم استمرفی اسناد اثار اخر ثم قال قال محمد لا ینبغی ان یقرا خلف الامام فی شیء فی الصلوۃ وفی مؤطاہ بعض ان روی فی منع القراۃ فی

ہمارے بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ قرأت خلف الامام امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں اور شیخین کے نزدیک مکروہ ہے پھر فصل رابع میں کہا صحیح ترین یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک بھی مکروہ ہے اور حق یہ ہے کہ امام محمد کا قول شیخین کے قول کے موافق ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں ایسی بہت سی عبارات ہیں جن میں انہوں نے امام اعظم سے اختلاف سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ (کتاب الاثار ص ۱۶) میں انہوں نے قرأت خلف الامام کے بعض آثار علقمہ بن قیس کی طرف ان کا اسناد کیا کہ انہوں نے جہری یا غیر جہری نمازوں میں کبھی بھی قرأت خلف الامام نہیں کی اور اسی پر ہمارا عمل ہے ہمارے مسلک میں جہری یا غیر جہری کسی نماز میں قرأت خلف الامام نہیں ہے پھر وہ دوسرے آثار کو نقل کر کے موطا میں کہتے ہیں کہ امام محمد

الصلوٰۃ ماروی قال قال محمد لا قراءۃ خلف الامام فیما جھر وفیما لم یجھر فیہ بذالک جاءت علمۃ الاخبار وھو قول ابی حنیفۃ .
(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۱ فصل فی القراۃ مطبوعہ مصر)

نے کہا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کوئی قرأت نہیں ہے اور موطا میں اس موضوع پر روایات ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ امام محمد کہتے ہیں کہ جہری یا غیر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے اسی پر عام اخبار وارد ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مذکورہ عبارت جو معترض نے صاحب ہدایہ سے نقل کی اس میں یستحسن کی جگہ لایستحسن تھا کاتب کی غلطی سے لفظ "لا" رہ گیا ہے اور اس کی تائید امام محمد کے مختلف اقوال سے صاحب فتح القدیر نے کر دی ہے۔ آخر میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کو انہوں نے اپنا مسلک قرار دیا ہے لہٰذا مذکورہ عبارت سے غیر مقلدین کو کچھ نہیں مل سکتا۔

۱۰۹۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا سُئِلَ ھَلْ یَقْرَأُ اَحَدٌ مَعَ الْاِمَامِ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ مَعَ الْاِمَامِ فَحَسْبُہٗ قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا یَقْرَأُ مَعَ الْاِمَامِ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے اور وہ ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے امام کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ امام کے ساتھ قرأت کرے؟ فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے اور ابن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

۱۱۰۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا وَھْبُ بْنُ کَیْسَانَ اَنَّہٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی رَکْعَۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ.

ہمیں امام مالک نے وہب بن کیسان سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا: جس نے کوئی رکعت بغیر قرأت پڑھی۔ اس نے نماز نہ پڑھی ہاں اگر امام کے پیچھے ہے تو بغیر قرأت نماز ہوگی۔

۱۱۱۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ یَعْقُوْبَ مَوْلَی الْحُرَقَۃِ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا السَّائِبِ مَوْلٰی ھِشَامِ بْنِ زُھْرَۃَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ ھِیَ خِدَاجٌ غَیْرُ تَمَامٍ قَالَ قُلْتُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اِنِّیْ اَحْیَانًا اَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ فَغَمَزَ ذِرَاعِیْ وَقَالَ یَا فَارِسِیُّ اِقْرَأْ بِھَا فِیْ نَفْسِکَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ فَنِصْفُھَا لِیْ وَنِصْفُھَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِقْرَءُوْا اِذَا یَقُوْلُ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ یَقُوْلُ الْعَبْدُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ یَقُوْلُ الْعَبْدُ

ہمیں امام مالک نے علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب مزنی سے خبر دی کہ انہوں نے ابوسائب مولیٰ ہشام بن زہرہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں اس نے فاتحہ الکتاب نہ پڑھی تو وہ خداج خداج اور نامکمل ہے میں نے پوچھا اے ابو ہریرہ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ فرمانے لگے اے فارسی! اور میرے بازوؤں کو زور سے دبایا سورۂ فاتحہ کو دل میں پڑھ لیا کر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی ہے اور بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: پڑھو۔ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا بیان کی بندہ کہتا ہے مالک یوم

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ يَقُوْلُ الْعَبْدُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ يَقُوْلُ الْعَبْدُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ. فَهٰؤُلَآءِ لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ.

الدین' اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین' پس یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ بندہ کہتا ہے۔ اھدنا لطراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ پس یہ کلمات میرے بندے کے لیے ہیں اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ وَلَا فِيْمَا لَمْ يَجْهَرْ بِذٰلِكَ جَاءَتْ عَامَّةُ الْاٰثَارِ وَهُوَ قَوْلُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں چاہے وہ نماز جہری ہو یا غیر جہری ہو اسی کی تائید میں عام آثار وارد ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک ہے۔

١١٢ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ كَفَتْهُ قِرَاءَتُهٗ.

امام محمد کہتے ہیں ہمیں عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر ابن الخطاب نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت بیان کی کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے۔

١١٣ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمَسْعُوْدِيُّ اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ تَكْفِيْكَ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ.

ہمیں عبد الرحمٰن ابن المسعودی نے خبر دی کہ مجھے انس بن سیرین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی میں نے ان سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تیرے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

١١٤ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الْحَسَنِ مُوْسٰى بْنُ اَبِيْ عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ.

امام محمد کہتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہ نے خبر دی کہ ہمیں ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبد اللہ بن شداد بن ہاد سے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے خبر دی آپ نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

١١٥ - قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا الشَّيْخُ اَبُوْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ الْعَبَّاسِ التِّرْمِذِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ.

ہمیں شیخ ابو علی نے سہل بن عباس ترمذی سے انہیں اسماعیل بن علیہ نے ایوب اور انہیں ابن زبیر اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

١١٦ - قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اُسَامَةُ بْنُ زَيْدِ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ

ہمیں اسامہ بن زید مدنی نے انہیں سالم بن عبد اللہ بن عمر نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں

لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ فَسَأَلْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ اِنْ تَرَكْتَ فَقَدْ تَرَكَهُ نَاسٌ يُقْتَدٰى بِهِمْ وَاِنْ قَرَأْتَ فَقَدْ قَرَأَهُ نَاسٌ يُقْتَدٰى بِهِمْ وَكَانَ الْقَاسِمُ مِمَّنْ لَا يَقْرَأُ.

کرتے تھے۔ کہتے میں نے قاسم بن محمد سے اس کے متعلق پوچھا وہ کہنے لگے: اگر تو قرأت چھوڑ دے گا تو بے شک قرأت ایسے لوگوں نے چھوڑ دی ہے جو مقتدیٰ ہیں اور اگر پڑھے گا تو ایسے لوگوں نے پڑھی جو مقتدیٰ ہیں اور قاسم ابن محمد ان لوگوں سے ہیں جو قرأۃ نہیں کرتے تھے۔

قاسم بن محمد کے قول سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت اور عدم قرأت دونوں درست ہیں اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں کسی کو ترجیح نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کی تفصیل ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ خود جناب قاسم بن محمد کا عمل اس کی تردید ثابت کرتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

۱۱۷- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ سُئِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ قَالَ اَنْصِتْ فِى الصَّلٰوةِ شُغْلًا سَيَكْفِيْكَ ذَاكَ الْإِمَامُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے منصور بن معتمر سے خبر دی کہ انہوں نے ابی وائل سے کہ عبد اللہ ابن مسعود سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ قرأت کے لیے خاموش رہو نماز میں یہ شغل ہے پس تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

۱۱۸- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ بْنِ صَالِحِ ﹿالْقُرَشِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْمَا يُجْهَرُ فِيْهِ وَفِيْمَا يُخَافَتُ فِيْهِ فِى الْاُوْلَيَيْنِ وَلَا فِى الْاُخْرَيَيْنِ وَاِذَا صَلّٰى وَحْدَهٗ قَرَأَ فِى الْاُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَلَمْ يَقْرَأْ فِى الْاُخْرَيَيْنِ شَيْئًا.

ہمیں محمد بن ابان بن صالح قرشی نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے علقمہ بن قیس سے خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود امام کے پیچھے جہری اور غیر جہری نمازوں کی نہ پہلی دو رکعتوں اور نہ ہی پچھلی دو رکعتوں میں قرأت کیا کرتے تھے اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ الکتاب اور کوئی سورۃ پڑھتے۔ لیکن آخری دو رکعتوں میں نہ پڑھتے۔

امام کے پیچھے مقتدی کسی رکعت میں قرأت نہیں کرے گا اور اگر تنہا پڑھے تو دو رکعتوں میں مطلقاً قرأۃ فرض ہے اور بالخصوص سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت یا تین آیات کی مقدار ملانا دونوں واجب ہیں۔ فرائض کی آخری ایک یا دو رکعتوں میں اکیلے کے لیے صرف فاتحہ پڑھنا بہتر ہے' واجب نہیں یہی احناف کا مسلک ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے عمل سے یہی ثابت ہے۔

۱۱۹- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَنْصِتْ لِلْقِرَاءَةِ فَاِنَّ فِى الصَّلَاةِ شُغْلًا وَسَيَكْفِيْكَ الْإِمَامُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوری نے خبر دی کہ ہم سے منصور نے ابی وائل سے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے کہا قرأت سننے کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں یہ شغل ہے تمہارے لیے امام کی قرأت کافی ہے۔

۱۲۰- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا بُكَيْرُ بْنُ عَامِرٍ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ النَّخْعِيُّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ قَالَ لَاَنْ اَعُضَّ عَلٰى جَمْرَةٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں بکیر بن عامر نے ابراہیم نخعی سے خبر دی انہیں علقمہ بن قیس نے خبر دی کہ میرے لیے آگ کا انگارہ چبانا اس سے زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کروں۔

حضرت علقمہ بن قیس کا امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منہ میں آگ کا انگارہ ڈالنے کو زیادہ بہتر سمجھنا دراصل اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

فَاسْتَمِعُوْا الخ پر شدت سے عمل کرانے کے لیے ہے تا کہ امام کے پیچھے قرأت کا نقصان معلوم ہو سکے مذکورہ روایت کو مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۶، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۳، اور بیہقی شریف وغیرہ سے بھی ذکر کیا ہے۔

اَخْبَرَنَا اِسْرَائِيْلُ بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْاِمَامِ رَجُلٌ اِتُّهِمَ.

ہمیں اسرائیل بن یونس نے منصور سے انہوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ انہوں نے کہا جس شخص نے امام کے پیچھے سب سے پہلے قرأت کی وہ متہم ہوا۔

جناب ابراہیم نخعی کا مذکورہ اثر اس پر دلالت کرتا تھا کہ مسلمانوں نے اجتماعی طور پر امام کے پیچھے قرأت چھوڑی ہوئی تھی ان میں سے جس نے سب سے پہلے یہ کام (امام کے پیچھے پڑھنا) کیا۔ لوگوں نے اسے متہم کیا کہ یہ کیا منسوخ حکم پر عمل کر رہے ہو؟

۱۲۱- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اِسْرَائِيْلُ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ اَبِيْ عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ اَمَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْعَصْرِ فَقَرَءَ رَجُلٌ خَلْفَهٗ فَغَمَزَهُ الَّذِيْ يَلِيْهِ فَلَمَّا اَنْ صَلّٰى قَالَ لِمَ غَمَزْتَنِيْ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُدَّامَكَ فَكَرِهْتُ اَنْ تَقْرَأَ خَلْفَهٗ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ الْاِمَامُ فَاِنَّ قِرَاءَتَهٗ لَهٗ قِرَاءَةٌ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں اسرائیل نے خبر دی کہ مجھے موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبداللہ بن شداد بن ہاد سے خبر دی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کی لوگوں کی امامت فرمائی تو ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی اس پر اس کے ساتھی نے چوک لگائی پھر جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو پوچھنے لگا تم نے مجھے چوک کیوں لگائی؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ تیرے امام ہیں انہوں نے اپنے پیچھے تیرا پڑھنا پسند نہیں فرمایا یہ بات جب رسول اللہ ﷺ نے سنی تو فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کے ساتھی کی قرأت ہے۔

مذکورہ احادیث مرفوع متصل ہے۔ اسے (بیہقی ج ۲ ص ۱۵۹ اور دارقطنی نے ج ا ص ۳۲۴) پر ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔ صحابی کا اپنے ساتھی کو چوک لگانا پھر دریافت کرنے پر بتانا کہ تم نے جو کیا وہ غلط کیا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام آیت اذا قرئ القران الخ ۔ کے نازل ہونے کے بعد نہ خود امام کے پیچھے پڑھتے تھے اور نہ ہی دوسروں کو پڑھنے دیتے تھے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد امام کے پیچھے پڑھنا منسوخ ہو چکا تھا پھر ان دونوں کے مسئلہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے روکنے والے کی تائید وتصدیق میں ارشاد گرامی عنائت فرمایا لہٰذا صاف ظاہر کہ قرأۃ خلف الامام کی ممانعت بارگاہ رسالت ﷺ سے ہے جس پر حضرات صحابہ کرام عمل پیرا تھے۔

۱۲۲- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا دَاؤُدُ بْنُ قَيْسٍ الْفَرَّاءُ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنِيْ بَعْضُ وُلْدِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ ذَكَرَ لَهٗ اَنَّ سَعْدًا قَالَ وَدِدْتُّ اَنَّ الَّذِيْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْ فِيْهِ جَمْرَةٌ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس فراء مدنی نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے کسی فرزند سے خبر سنائی کہ ان سے تذکرہ کیا گیا کہ جناب سعد بن ابی وقاص نے کہا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

۱۲۳- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا دَاؤُدُ بْنُ قَيْسٍ الْفَرَّاءُ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لَيْتَ فِيْ فَمِ الَّذِيْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ حَجَرًا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس الفراء انہیں محمد بن عجلان نے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔

۱۲۴- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَعْدُ بْنُ دَاؤُدَ بْنِ قَيْسٍ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس نے عمرو بن محمد بن زید

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ سَعْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ جَدِّهِ اَنَّهُ قَالَ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَا صَلٰوةَ لَهُ.

بن ثابت سے خبر دی کہ ہمارے دادا جان نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کی نماز کی نفی اس لیے فرمائی تا کہ اس حکم کی شدت کا اظہار ہو سکے صرف تہدیداً فرمایا ہے۔ آپ مسجد نبوی کے مفتی اور قاضی ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرات صحابہ کرام میں سے چند جلیل القدر حضرات کا عمل اور ارشاد امام محمد نے ذکر فرمایا۔ کسی نے منہ میں چنگاری ہونے، کسی نے پتھر ہونے اور کسی نے نماز ہی نہ ہونے کی بات کی یہ سب کچھ اس نمازی کے لیے ہے جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو لہٰذا ان وعیدات شدیدہ سے بچنے اور قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونے کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے ہٹ دھرمی اور ضد بازی سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔

۳۵- بَابُ الرَّجُلِ يَسْبِقُ بِبَعْضِ الصَّلٰوةِ

مسبوق کی نماز کا بیان

۱۲۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا فَاتَهُ شَيْءٌ مِّنَ الصَّلٰوةِ مَعَ الْاِمَامِ الَّتِيْ يُعْلَنُ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَاِذَا سَلَّمَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَقَرَأَ لِنَفْسِهِ يَقْضِيْ وَجَهَرَ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جب امام کے ساتھ ان نمازوں میں سے جن میں قرأت جہری ہوتی ہے کوئی رکعت رہ جاتی تو امام جب سلام پھیرتا تو ابن عمر کھڑے ہو کر اپنے لیے رہ گئی رکعت ادا کرتے اور اس میں جہر فرماتے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں سے اگر کوئی رکعت رہ جائے تو مقتدی کو وہ ادا کرتے وقت اخفاء اور اظہار دونوں کا اختیار ہے۔ اس مسئلہ کا اصل یہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے۔ اسی کے ساتھ دوسرا مسئلہ کہ جب آدمی اکیلا نماز جہری پڑھے تو بھی اسے ان دونوں باتوں کا اختیار ہے کیونکہ جس طرح ایک رکعت چھوٹی ہوئی کھڑے ہو کر پڑھنے والا تنہا وہی پڑھ رہا ہے امام تو سلام پھیر چکا ہے۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما اس حالت میں جہر کرتے تھے تو پھر اکیلے نماز پڑھنے والے کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم نے دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے۔ یہ اختیار مطلقاً جہری نمازوں کے لیے ہے خواہ ان کا تعلق رات کے وقت سے ہو یا دن جیسا کہ جمعۃ المبارک۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لِاَنَّهُ يَقْضِيْ اَوَّلَ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد فرماتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کیونکہ مسبوق کھڑے ہو کر اپنی نماز کی ابتدائی رکعت پڑھتا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ (امام اعظم، امام محمد، امام ابو یوسف) کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے اور بات بالکل ظاہر ہے کہ مسبوق چونکہ کچھ دیر بعد آ کر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوتا ہے اس کی ابتدائی نماز رہ گئی ہوتی ہے اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت لازم تھی جو اس سے رہ گئی لہٰذا دوسری دو رکعتوں میں امام چونکہ خود قرأت نہیں کرتا اس لیے مقتدی کی حکماً قرأت بھی نہ ہو سکی اب جب مسبوق اٹھ کر رہ گئی نماز پڑھتا ہے تو یہی وہ نماز کی رکعتیں تھیں جن میں امام نے قرأت کی اور یہ اس وقت مقتدی نہ تھا اس لیے اب اسے قرأت لازماً کرنا پڑے گی ورنہ فرض رہ جانے کی وجہ سے نماز نہ ہو گی۔

۱۲۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا جَاءَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ رَفَعُوْا مِنْ

ہمیں امام مالک نے نافع اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے خبر دی کہ وہ جب نماز کے لیے آتے اور لوگوں کو رکوع کر کے اٹھتا

رَكْعَتِهِمْ سَجَدَ مَعَهُمْ.

ہوا پاتے تو ان کے سجدہ میں شریک ہو جاتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَيَسْجُدُ مَعَهُمْ وَلَا يُعْتَدُّ بِهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ آنے والا نمازی سجدہ میں ان کے ساتھ شریک ہو جائے لیکن سجدہ میں شریک کرنے سے وہ رکعت شمار میں نہ آئے گی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

١٢٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَجَدَ الْاِمَامَ قَدْ صَلّٰى بَعْضَ الصَّلٰوةِ صَلّٰى مَعَهٗ مَا اَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ كَانَ قَائِمًا قَامَ وَاِنْ كَانَ قَاعِدًا قَعَدَ حَتّٰى يَقْضِىَ الْاِمَامُ صَلٰوتَهٗ لَا يُخَالِفُ فِىْ شَىْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے خبر دی کہ وہ جب امام کو اس حال میں پاتے کہ وہ نماز کا کچھ حصہ ادا کر چکا ہوتا تو جس قدر نماز باقی ہوتی وہ اس کے ساتھ ادا کر لیتے اگر امام کھڑا ہوتا تو یہ بھی کھڑے ہو جاتے اور اگر وہ بیٹھا ہوتا تو یہ بھی بیٹھ جاتے حتیٰ کہ امام اپنی نماز مکمل کر لیتا یہ امام کی کسی بات میں مخالفت نہ کرتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

١٢٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے خبر دی کہ وہ حضرت ابوہریرہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے نماز کی ایک رکعت (امام کے ساتھ) پالی اس نے نماز (کے ثواب) کو پالیا۔ اس نے وہ رکعت پالی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد فرماتے ہیں یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

١٢٩ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ فَاتَتْكَ السَّجْدَةُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں خبر دی نافع نے کہ عبداللہ ابن عمر فرماتے تھے کہ جب تمہارا رکوع فوت ہو گیا تو تمہارا سجدہ فوت ہو گیا (یعنی رکعت فوت ہو گئی)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ سَجَدَ السَّجْدَتَيْنِ مَعَ الْاِمَامِ لَا يُعْتَدُّ بِهِمَا فَاِذَا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَضٰى رَكْعَةً تَامَّةً بِسَجْدَتَيْهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ جس نے امام کے ساتھ دو سجدے کیے ان سے اس کی رکعت شمار نہ ہو گی جب امام سلام پھیر دے تو اپنی رکعت دو سجدوں کے ساتھ پوری کرے یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ تین آثار اس بات کی دلیل ہیں کہ بعد میں آنے والا نمازی امام کو جس حال میں پائے اسی میں جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے اسے رکعت مکمل ہونے تک انتظار نہ کرنا چاہیے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص نماز با جماعت میں کہیں بھی شامل ہو جائے وہ جماعت کا ثواب پالیتا ہے نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ کسی رکعت کے پانے یا نہ پانے کا دار و مدار رکوع میں شمولیت و عدم شمولیت پر ہے

یعنی اگر آنے والا امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا تو اس کی وہ رکعت شمار ہو جائے گی اور اگر رکوع جاتا رہا اور سجدہ میں آ کر ملا تو یہ رکعت نہ ملی اسے بعد میں ادا کرے گا۔ یہی احناف کا مسلک ہے جو ان آثار سے متخرج ہے۔

۳۶- بَابُ الرَّجُلِ يَقْرَأُ السُّوَرَ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ الْفَرِيْضَةِ

فرضی نماز کی ایک رکعت میں چند سورتیں پڑھنا

۱۳۰- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ كَانَ إِذَا صَلَّى وَحْدَهٗ يَقْرَأُ فِي الْأَرْبَعِ جَمِيْعًا مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَكَانَ أَحْيَانًا يَقْرَأُ بِالسُّوْرَتَيْنِ أَوِ الثَّلٰثِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَرِيْضَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ كَذٰلِكَ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ وَسُوْرَةٍ سُوْرَةٍ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے انہیں ابن عمر نے خبر دی کہ وہ جب اکیلے نماز پڑھتے تو ظہر اور عصر کی چاروں رکعتوں میں قراءۃ کرتے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی دوسری سورۃ پڑھتے۔ امام محمد کبھی فرضی نماز کی ایک رکعت میں دو یا تین تین سورتیں بھی پڑھ لیتے۔ مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلسُّنَّةُ أَنْ تَقْرَأَ فِي الْفَرِيْضَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ لَّمْ تَقْرَأْ فِيْهِمَا أَجْزَاكَ وَإِنْ سَبَّحْتَ فِيْهِمَا أَجْزَاكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھی جائے اور آخری دو رکعتوں میں یا فاتحہ پڑھی جائے یا تسبیح کہی جائے دونوں جائز ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرضوں کی آخری رکعتوں میں تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا جو اپنا مسلک بیان کیا ہے (یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ لے، تسبیح کہہ لے یا اتنی دیر خاموش کھڑا رہے)۔ یہ ان کا اپنا اجتہاد یا قیاس نہیں بلکہ فقہاء صحابہ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما آخری دو رکعتوں میں تسبیح کہنے کا کہا کرتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابوبكر قال حدثنا شريك عن ابى اسحاق عن على وعبد الله انهما قال اقرا فى الاوليين وسبح فى الاخريين عن الحارث عن على انه قال يقرأ فى الاوليين ويسبح فى الاخريين . عن ابن الاسود قال يقرؤ فى الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب وسورة وفى الاخريين يسبح ويكبر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۲ باب من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرء)

ہمیں ابوبکر نے شریک سے انہوں نے علی المرتضیٰ سے اور عبداللہ بن مسعود نے ابو اسحاق سے بیان کیا کہ یہ دونوں بزرگ فرماتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں پڑھ اور آخری دو میں تسبیح کہہ۔ حضرت علی سے حارث بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں وہ پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کہتے۔ ابن الاسود سے حجاج بیان کرتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں وہ سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھتے اور دوسری دو میں تسبیح یا تکبیر کہتے۔

ان آثار سے احناف کے مسلک کی اصلیت واضح ہوئی۔ جب فرضوں کی آخری رکعتوں میں قراءت واجب نہیں تو اب اس کی تین صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یہ کہ خاموشی اختیار کی جائے یا فاتحہ پڑھے یا تسبیح و تکبیر کہہ لے بہر حال ہمارے مسلک کے مطابق صرف فاتحہ پڑھنا افضل ہے پچھلی روایات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص ایک رکعت میں دو یا دو سے زیادہ سورتیں پڑھتا ہے تو اس میں

کوئی مضائقہ نہیں۔

۳۷- بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْ ذَالِكَ

نماز میں بلند آواز سے قرأت کے بارے میں

۱۳۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ عَمِّيْ اَبُوْ سُهَيْلٍ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنَّهُ كَانَ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عِنْدَ دَارِ اَبِيْ جَهْمٍ.

ہمیں امام مالک نے انہیں ان کے چچا ابو سہیل نے خبر دی کہ مجھے میرے والد نے بتایا۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہما نماز میں بلند آواز سے قرأت فرمایا کرتے تھے اور یہ کہ وہ ان کی آواز دار ابی جہم کے قریب ہوتے ہوئے بھی سنتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْجَهْرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ فِيْمَا يُجْهَرُ فِيْهِ بِالْقِرَاءَةِ حَسَنٌ مَالَمْ يَجْهَدِ الرَّجُلُ نَفْسَهٗ.

امام محمد کہتے ہیں جہری نمازوں میں بلند آواز سے پڑھنا اس وقت تک اچھا ہے جب تک پڑھنے والا بلند آواز کی وجہ سے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈال دے۔

احناف کا اس بارے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر ایک آدھ یا چند نمازی ہوں تو اتنی آواز سے امام کو قرأت پڑھنی چاہیے کہ سن سکیں اور اگر زیادہ مجمع ہے تو پھر آواز کو زیادہ بلند کر لینا چاہیے لیکن اتنا بھی نہیں کہ بلند آوازی سے آدمی تکلیف ومشقت میں پڑ جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ مشقت میں ڈالنے کی حد تک بلند آوازی نہیں ہونی چاہیے بلکہ اعتدال پیش نظر ہونا چاہیے۔ آپ کے اس قول کا ماخذ دراصل حدیث اور آثار ہیں، حوالہ ملاحظہ ہو۔

روی ان ابابکر کان اذا صلی خفض صوته وان عمر کان اذا صلی رفع صوته فقال النبی ﷺ لابی بکر لم تفعل هذا قال اناجی ربی وقد علم وقال النبی ﷺ احسنت وقال لعمر لم تفعل هذا فقال اوقظ الوسنان واطرد الشیطان فقال احسنت فلما نزل ولا تجهر بصلوتک الخ. قال لابی بکر ارفع شیئا وقال لعمر اخفض شیئا.

(احکام القرآن ج ۳ ص ۲۱۱ زیر آیت ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا' تفسیر طبری ج ۱۵ ص ۱۲۴)

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے وقت آواز کو آہستہ رکھتے اور حضرت عمر بن الخطاب خوب بلند آواز سے قرأت کرتے۔ حضور ﷺ نے ابوبکر صدیق سے پوچھا: تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ عرض کی میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں وہ میری حاجت کو بخوبی جانتا ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: بہت خوب پھر عمر بن خطاب سے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ عرض کی سوتوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں فرمایا: بہت اچھا ہے پھر جب آیت کریمہ **ولا تجهر بصلوتک الخ** نازل ہوئی تو سرکار دوعالم ﷺ نے ابوبکر صدیق سے فرمایا: ذرا آواز میں بلندی اپناؤ اور عمر بن خطاب کو فرمایا: تھوڑا سا آہستہ پڑھا کرو۔

تو صاف ظاہر ہوا کہ احناف کا مسلک قرآن وحدیث اور آثار سے مستنبط ہے۔ احکام القرآن کی مذکورہ حدیث کی سند تفسیر طبری میں موجود ہے وہاں سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ جہری نمازوں میں امام کو تکلف میں پڑھے بغیر بلند آواز سے قرأت کرنی چاہیے اور کم از کم اتنی کہ اردگرد کے دو چار آدمی سن سکیں۔ اگر اس سے بھی کم آواز کے ساتھ قرأت کی کہ کسی مقتدی کو بھی نہ سنائی دی گئی تو یہ ترک واجب ہوگا اور سجدۂ سہو سے اس کا تدارک ہوگا۔

۳۸ - بَابُ اٰمِیْنَ فِی الصَّلٰوۃِ

نماز میں آمین کا بیان

۱۳۲ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا الزُّھْرِیُّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ وَاَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُہٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ قَالَ فَقَالَ ابْنُ الشِّھَابِ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْلُ اٰمِیْنَ.

امام مالک نے ہمیں زہری سے انہیں سعید بن المسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام امین کہے تو تم بھی امین کہو کیونکہ بات یہ ہے کہ جس کی امین فرشتوں کی امین کے موافق ہوگئی۔ اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ ابن شہاب زہری نے کہا کہ حضور ﷺ امین کہا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ یَنْبَغِیْ اِذَا فَرَغَ الْاِمَامُ مِنْ اُمِّ الْکِتَابِ اَنْ یُّؤَمِّنَ الْاِمَامُ وَیُؤَمِّنَ مَنْ خَلْفَہٗ وَلَا یَجْھَرُوْنَ بِذٰلِکَ فَاَمَّا اَبُوْ حَنِیْفَۃَ فَقَالَ یُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَ الْاِمَامِ وَلَا یُؤَمِّنُ الْاِمَامُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے جب امام سورۂ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو وہ اور مقتدی آہستہ آمین کہیں آواز بلند نہ کریں لیکن امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ مقتدی تو آمین کہیں گے لیکن امام نہیں کہے گا۔

آمین کی تفصیلی بحث

احناف کے نزدیک ہر نمازی کے لیے ہر نماز میں آمین آہستہ کہنا سنت ہے لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں آمین جہری اور سری نمازوں یا رکعتوں میں آمین سری کہنی چاہیے۔ ہم اس اختلافی مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کریں گے۔ فصل اول میں آمین آہستہ کہنے پر دلائل اور دوسری بلند آواز سے کہنے کے دلائل کا جواب پیش کیا جائے گا۔

فصل اول

آمین آہستہ کہنے پر دلائل

دلیل اول: آمین دعا ہے اور دعا کے آداب قرآن کریم نے یوں بیان فرمائے: ''اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اپنے رب سے عاجزی اور آہستگی کے ساتھ دعا کرو''۔ لہٰذا آمین کو آہستہ کہنا آداب دعا میں سے ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ آمین دعا کیسے ہے اور یہ کہ کیا اس کا دعا ہونا مسلّم ہے؟ تو آیئے درج ذیل حوالہ جات کو بنظر غور دیکھیں۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ○ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا.

(یونس: ۸۸-۸۹)

اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کیونکہ نہ دردناک عذاب دیکھے بغیر ایمان نہیں لائیں گے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی پس تم دونوں ثابت قدم رہو۔

مذکورہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنہا مانگی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہنے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے اور اس پر آمین کہنے والے دونوں کو ''دعا مانگنے والا'' قرار دے کر یہ بتلایا کہ آمین کہنا بھی دعا کرنا ہے ہاں اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ حضرت ہارون کا آمین کہنا کہاں لکھا ہے اس کی کیا اصل ہے؟ تو اس کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

فان قال قائل وکیف نسبت الاجابۃ الی اثنین والدعاء انما کان من واحد قیل ان الداعی وان کان

اگر کوئی کہے کہ اجابت کی نسبت دونوں کی طرف کیونکر کی گئی ہے حالانکہ دعا مانگنے والے تو ایک تھے؟ کہا جائے گا کہ دعا کرنے

واحدا فان الثانی کان مؤمنا وھو ھارون فلذالک نسبت الاجابة الیھما لان المؤمن داع۔
(تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۱۰)

والے اگرچہ ایک ہی تھے لیکن دوسرے اس پر آمین کہنے والے تھے اور وہ ہارون علیہ السلام تھے۔ اسی وجہ سے اجابت کی نسبت دونوں کی طرف کر دی گئی ہے کیونکہ آمین کہنے والا بھی تو دعا کرنے والا ہی ہوتا ہے۔

فقال عطاء امین دعاء امن ابن الزبیر ومن ورائه حتی ان للمسجد کلجة۔

عطاء کہتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔ ابن زبیر نے آمین کہی اور ان لوگوں نے بھی جو ان کے پیچھے تھے حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھی۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۷ باب جہر الامام بالتامین پ ۳)

لہٰذا قرآنی آیت اور حدیث نبوی سے ثابت ہو گیا کہ آمین بھی دعا ہے اور یہ آداب دعا میں سے ہے کہ اسے آہستہ کہا جائے۔ نیز ''اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان جب آپ سے میرا کوئی بندہ میرے بارے میں سوال کرے تو آپ فرما دیں کہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے'' آیت کا مضمون بھی یہی بتاتا ہے کہ وہ اللہ پاک جس سے دعا کی جا رہی ہے وہ دعا کرنے والے کے قریب ہے تو پھر اس کے قریب ہوتے ہوئے اور آداب دعا کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے۔

نوٹ: حدیث بخاری کے آخری الفاظ ''کہ مسجد گونج اٹھی'' ہم اس کی بحث فصل ثانی میں کریں گے۔

دلیل دوم:

عن ابی ھریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامینه تامین الملائکة غفرله ماتقدم من ذنبه۔
(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو گئی اس کے اگلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

گناہوں کی معافی کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ تم موافقت کرو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں وہ بھی نماز باجماعت میں شریک ہوتے ہیں اور یہ بات بھی عیاں ہے کہ آج تک کسی نمازی نے فرشتوں کی آمین نہیں سنی، لہٰذا ان کا آمین کہنا جہر سے نہیں بلکہ آہستہ ہے اس لیے ثابت ہوا کہ نمازیوں کو بھی فرشتوں کی طرح آہستہ ہی کہنی چاہیے ورنہ عدم موافقت کی وجہ سے مانگی گئی دعا قبول نہ ہونے کا خطرہ ہے۔

دلیل سوم:

قال سمعت علقمة بن وائل یحدث عن وائل وقد سمعته من وائل انه صلی مع رسول الله ﷺ فلما قرا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال امین خفض به صوته۔

علقمہ بن وائل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی جب آپ نے غیر المغضوب علیہم والضالین پڑھا تو آپ نے آمین کہی اور اپنی آواز پست رکھی۔

(بیہقی ج ۲ ص ۵۷ باب جہر الامام بالتامین مطبوعہ حیدر آباد دکن)

حدیث مذکورہ کو امام احمد، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، دارقطنی اور حاکم نے بھی ذکر کیا ہے اور حاکم نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ''اسنادہ صحیح'' اس کی اسناد صحیح ہیں۔ اس کی تفصیل و تحقیق آثار السنن ص ۹۶ پر موجود ہے تو اس حدیث صحیح الاسناد سے بھی

ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے آمین کہتے وقت آواز کو آہستہ کر لیا تھا اس لیے آمین کہتے وقت امام ومقتدی سب کے لیے سنت یہ ہے کہ اسے آہستہ کہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

دلیل چہارم:

عن ابراهيم قال خمس يخفيهن الامام سبحانك اللهم وبحمدك وتعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم وامين واللهم ربنا لك الحمد رواه عبد الرزاق في مصنفه واسناده صحيح. (آثار السنن ص۹۹ جامع المسانید مصنفہ امام اعظم ج۱ص۳۳۲باب۵فصل۲)

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ پانچ چیزوں کو امام اخفا کے ساتھ پڑھے سبحانک اللھم الخ تعوذ تسمیہ آمین اور اللھم ربنا لک الحمد۔ اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر کیا اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

مذکورہ روایت میں جن پانچ اشیاء کو آہستہ پڑھنے کا کہا گیا ان میں امین کے سوا چار اخفا میں کسی کو اختلاف نہیں تو پھر آمین کے اخفا میں اختلاف کیوں؟ ان چار میں سے تعوذ کے بارے میں بالاتفاق کہا گیا کہ تعوذ کے متعلق تو قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔ اذاقرأت القرانِ فاستعذبالله الخ جب قرآن کی تلاوت کرنا چاہے تو اعوذ بالله من الشیطن الرجیم پڑھ لیا کرو۔ گویا تعوذ قرآن میں ہوتے ہوئے بھی آہستہ پڑھنے کا حکم بالاتفاق ہے اور امین تو قرآن میں سے ہے ہی نہیں اس کے بلند پڑھنے پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کے بلند پڑھنے سے یہ وہم بھی پڑتا ہے کہ یہ لفظ یا تو سورۃ فاتحہ کی جزء یا اس سے اگلی قرأت کا حصہ ہے حالانکہ ان میں سے کسی کا حصہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام اور تابعین آمین آہستہ کہتے تھے۔

ان عمر وعليا لم يكونا يجهران بامين قال طبري وروى ذالك عن ابن مسعود وروى عن نخعي وشعبي وابراهيم التيمي قالوا يخفون بامين.

حضرت عمر اور علی المرتضی امین بلند آواز سے نہ کہتے۔ طبری نے کہا یہی ابن مسعود سے مروی ہوا اور جناب نخعی، شعبی اور ابراہیم التیمی بھی امین کو آہستہ کہتے تھے۔

(جوہرالنقی مع بیہقی ج۲ص۵۸ آثارالسنن ج۱ص۸۹)

جوہرالنقی کی مذکورہ روایت سے اجلہ صحابہ کرام اور تابعین کا امین کے بارے میں آہستہ کہنا روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے۔

فاعتبروا یااولی الابصار

دلیل پنجم:

عن سمرة بن جندب انه كان اذا صل بهم سكت سكتين اذا افتتح الصلوة واذا قال ولا الضالين سكت ايضا ملية فانكروا ذالك عليه فكتب الى ابى بن كعب فكتب اليهم ابى ان الامر كما صنع سمرة رواه احمد و الدارقطنى واسناده صحيح.

سمرہ بن جندب سے کہ جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تو دو جگہ سکتہ کرتے پہلے اس وقت جب نماز شروع کرتے اور پھر اس وقت جب ولا الضالین پڑھتے۔ لوگوں نے اس کا انکار کیا تو انہوں نے حضرت ابی بن کعب کی طرف یہ مسئلہ لکھ بھیجا آپ نے جواب میں لکھا کہ مسئلہ وہی ہے جو سمرہ بن جندب نے کیا اسے احمد اور دار قطنی نے روایت کیا اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(آثارالسنن ج۱ص۹۵۔۹۶ مشکوۃ شریف ص۷۸)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا نماز میں پہلا سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھنے کے لیے تھا اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کہنے کے بعد آمین کے لیے تھا۔ جب ان دونوں سکتات کے بارے میں اس وقت میں موجود ایک ایسی شخصیت جنہیں سرکار دو عالم

ﷺ کے پیچھے بار ہا نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا اور جن پر تمام موجود حضرات کو اعتقاد و اتفاق تھا کہ وہ جو کہیں گے درست کہیں گے یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ان دو سکتات کا مسئلہ گیا تو آپ نے حضرت سمرہ بن جندب کے عمل کی تصدیق کی ان کا تصدیق کرنا دراصل سرکار دو عالم ﷺ کے عمل شریف کو پیش نظر رکھنا تھا تو معلوم ہوا کہ ثناء اور آمین آہستہ کہنا حضور ﷺ کی سنت ہے۔ جب سکتہ اولی کی وجہ متعین ہے کہ اس میں ثناء ہوتی تھی تو دوسرے سکتہ کی وجہ بھی متعین ہوئی کہ اس میں آمین کہی جاتی تھی ورنہ بلاوجہ سکتہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ فاعتبروا یااولی الابصار

دلیل ششم:

عن وائل بن حجر قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ فلما قرا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال امین واخف بها صوته ووضع یده الیمنی علی یده الیسری وسلم عن یمینه وعن یساره رواه احمد وترمذی وابوداود والطیالسی والدارقطنی والحاکم واخرون واسناده صحیح.

وائل بن حجر کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی تو جب آپ نے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھا تو آمین کہا اور اپنی آواز پست کر لی اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں پر رکھا اور دائیں پھر بائیں سلام پھیرا۔ اسے امام احمد، ترمذی، ابوداؤد طیالسی دار قطنی، حاکم اور دوسروں نے روایت کیا اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(آثار السنن ج ۱ ص ۹۶)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلیل ششم میں مذکورہ حدیث دلیل پنجم میں مذکورہ حدیث کی تشریح کرتی ہے یعنی یہ کہ اس میں ولا الضالین کے بعد سکتہ کرنا حضرت ابی بن کعب کے ارشاد کے مطابق حضور ﷺ کا عمل تھا لیکن اس سکتہ میں یہ مذکور نہ تھا کہ آپ کیا کرتے؟ اس کی تفصیل اس حدیث نے بیان کر دی کہ آپ آمین آہستہ کہتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ آمین آہستہ کہنا ہی سنت ہے۔

الحاصل: آمین آہستہ کہنے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں ہم نے صرف چھ عدد دلائل ذکر کیے ہیں جن کا تعلق اصل قرآن وحدیث اور آثار سے ہے۔ ان دلائل کو دیکھ کر ہر شخص اسی بات کو قبول کرے گا کہ آمین آہستہ کہنا ہی اصل سنت ہے۔

ایک ضروری وضاحت

مذکورہ دلائل میں ایک کے اندر یہ آیا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی کہو اور دوسری میں یہ کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ ان دونوں کے مفہوم میں فرق یہ ہے کہ پہلی دلیل کے الفاظ مقتدی اور امام دونوں کے آمین کے قول پر دلالت کرتے ہیں اور دوسری کے الفاظ سے امام کو تو ولا الضالین کہنا چاہیے (آمین نہیں) اور مقتدی کو آمین کہنی چاہیے تو اصل مسئلہ کیا ہے یا ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے ہوگی نیز امام محمد نے اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے امام و مقتدی دونوں کی آمین کا قول کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام آمین نہیں کہے گا لہٰذا دونوں دلائل میں تطبیق اور دونوں ائمہ کے قول میں تطبیق کیسے ہوگی؟

احادیث میں تطبیق یوں ہے کہ جس حدیث میں "امام آمین کہے اور تم بھی آمین کہو" آیا ہے اس سے مراد دونوں کی آمین کہنے میں ترتیب مراد نہیں یعنی یہ نہیں کہ امام آمین کہہ لے اور پھر مقتدی اس کے بعد آمین کہیں بلکہ دونوں اکٹھے آمین کہیں۔ اس کی تفسیر دوسری حدیث کرتی ہے جس میں فرمایا گیا جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی۔ الخ لہٰذا امام اور مقتدی تمام آمین اکٹھے اور آہستہ کہیں تاکہ فرشتوں کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اسی طرح دوسری روایت کہ جس میں امام کا ولا الضالین کہنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا مذکور ہے اس سے مراد بھی یہ ہے کہ امام ولا الضالین کہہ کر آمین آہستہ سے کہے اور جس وقت امام ولا الضالین کے الفاظ سے

فارغ ہوگیا تو خاموشی اور سکتہ کے دوران مقتدی بھی آمین آہستہ سے کہیں لہٰذا دونوں احادیث کا مفہوم یہ ہوا کہ امام اور مقتدی سب کو آہستہ آمین کہنی چاہیے لیکن کچھ حضرات نے دونوں احادیث کے پیش نظر تطبیق کی بجائے ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے فرمایا: کہ امام صرف **ولا الضالین** کہہ کر خاموش رہے گا اور مقتدی ہی آمین کہیں گے لیکن یہ تقسیم، دوسکتوں والی حدیث کے موافق نہ ہوگی کیونکہ دوسرے سکتہ پر راوی کا کہنا ہے کہ خفی صوتہ آپ نے اپنی آواز آمین کہنے کے لیے پست کر لی تو معلوم ہوا کہ امام بھی آمین کہے گا۔

رہا دوسرا مسئلہ کہ صاحبین اور امام صاحب کے مابین اختلاف ہے تو اس بارے میں امام محمد نے موطا میں جو امام صاحب کا مسلک ذکر کیا ہے۔ وہ ان دونوں میں سے ایک روایت ہے۔ اس کے علاوہ آپ سے ایک اور روایت بھی ہے جو یوں ہے۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال اربع يخاف بهن الامام سبحانك اللهم وبحمدك وتعوذ من الشيطان وبسم الله الرحمن الرحيم وامين. اخرج الامام محمد بن الحسن فی الاثار فرواه عن ابی حنيفة قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنيفة رضی الله عنه . (جامع المسانید ج ۱ ص ۳۲۲)

امام ابوحنیفہ جناب حماد سے وہ ابراہیم نخعی سے بیان کرتے ہیں کہ چار چیزیں ہیں جنہیں امام آہستہ کہے گا ثناء، تعوذ، تسمیہ اور آمین، اسے امام محمد بن حسن نے آثار میں ذکر کیا۔ امام محمد کہتے ہیں کہ یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

قارئین کرام! امام محمد کی موطا اور آثار میں مذکورہ دو مختلف روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ امام آمین کہے یا نہ کہے لیکن مشہور اور راجح یہی ہے کہ ائمہ ثلاثہ اس پر متفق ہیں کہ دونوں کو آمین کہنا چاہیے اور اگر اختلاف کو ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اختلاف امام کے آمین کہنے یا نہ کہنے میں ہے آہستہ اور بلند کہنے میں نہیں۔ اس پر سبھی متفق ہیں کہ آمین بہر حال آہستہ کہنا سنت ہے۔ چاہے امام و مقتدی سبھی کہیں یا صرف مقتدی کہیں اور امام خاموش رہے۔ اس اختلاف سے آمین بالجہر کہنے والوں کو کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

فصل دوم

آمین بالجہر کے قائلین کی طرف سے اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض ۱

حدثنا يحيى بن عثمان بن صالح حدثنا اسحاق بن ابراهيم الزبيدی اخبرنی عمر وبن الحارث حدثنا عبد الله بن سالم الزبيدی قال اخبرنی الزهری عن ابی سلمة وسعيد ان ابا هريرة قال كان رسول الله ﷺ اذا فرغ من قراءة ام القران رفع صوته فقال امين .

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۵۸ باب الجہر بالتامین)

(بحذف اسناد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

مذکورہ حدیث پاک میں واضح اور صریح طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ آمین بالجہر کہتے تھے لہٰذا یہی سنت ہے۔

جواب اول: روایت مذکورہ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے جو ہم آمین آہستہ کہنے کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں یعنی آمین دعا ہے اور دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آہستہ مانگی جائے علاوہ ازیں ان احادیث کے بھی یہ حدیث خلاف ہے۔ جن میں صراحۃً آمین آہستہ کہنے کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمام آثار کے بھی خلاف جن میں آمین آہستہ کہنا مذکور ہے۔ ان تمام دلائل کی مخالفت کی وجہ سے اعتراض میں ذکر کی گئی حدیث قابل عمل نہیں ہے۔

جواب دوم: روایت مذکورہ سند کے اعتبار سے سخت مجروح ہے اس کے دو راوی یحییٰ بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم پر جرح کی گئی ہے۔

قلت فیه یحیی بن عثمان قال ابن ابی حاتم تکلموا فیه وفی الکاشف للذهبی له ما ینکر فیه وشیخه اسحاق الزبیدی قال ابو داود لیس بشیء وقال نسائی لیس بثقة وکذبه محمد بن عوف الطائی محدث حمص .

(جوہر النقی ج ۲ ص ۵۷)

میں کہتا ہوں کہ روایت مذکورہ میں ایک روای یحییٰ بن عثمان ہیں جن کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا محدثین نے ان کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ علامہ ذہبی کی تصنیف کاشف میں ہے کہ اس راوی کی روایت میں مناکیر بھی ہیں اور اس راوی کا شیخ اسحاق زبیدی کہ اس کے بارے میں ابو داؤد نے کہا وہ کوئی شئی نہیں' نسائی نے کہا وہ ثقہ نہیں' محمد بن عوف طائی نے اس کی تکذیب کی ہے جو حمص کا محدث ہے۔

اعتراض ۲

حدثنا محمد بن بشار ثنا صفوان بن عیسی ثنا بشر بن رافع عن ابی عبد الله ابن عم ابی هریرة عن ابی هریرة قال ترک الناس التامین وکان رسول الله ﷺ اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال امین حتی یسمعها اهل الصف الاول ویرتج بها المسجد. (ابن ماجہ ص ۶۲ باب الجہر بالتامین)

(بحذف اسناد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب **غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** کہتے تو آمین کہتے کہ اس کی آواز پہلی صف والے سنتے اور مسجد گونج اٹھتی تھی۔

جواب اول: حدیث مذکورہ میں آمین بالجہر کا واضح تذکرہ نہیں صرف اتنا ہے کہ آپ کی آواز پہلی صف والوں نے سنی اتنی آواز آپ نے اس لیے نکالی تا کہ حضرات صحابہ کرام کو پتہ چل جائے کہ **ولا الضالین** کے بعد آمین کہنی چاہیے تو یہ تعلیم امت کے لیے تھا جس طرح ظہر اور عصر کی نمازوں میں تعلیم امت کی خاطر آپ ایک دو کلمات بلند آواز سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ رہا یہ کہ اس آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ یہ راوی کا اپنا بیان حال ہے، جسے ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس سے بھی صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ عام حالات کے خلاف آپ کی آواز بلند ہوئی کیونکہ مسجد کا گونجنا اس وقت متحقق ہوتا ہے جب مسجد چاروں طرف سے بلند ہو اور اس کی چھت گنبد نما ہو ورنہ گونج پیدا نہیں ہوتی اور یہ بالکل واضح ہے کہ حضور ﷺ کے دور اقدس میں مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی اس لیے ''گونج جانا'' حقیقت پر مبنی نہیں۔ علاوہ ازیں اگر مسجد گونج گئی تو پھر صرف پہلی صف کے نمازیوں تک آواز پہنچنے کا کیا مطلب؟ ایسی صورت میں تو تمام صفوں تک آواز پہنچنی چاہیے تھی لہٰذا مسجد کی حالت اور صف اول تک آواز کا سننا اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ نے آمین خلاف معمول آہستہ کی بجائے ذرا بلند آواز سے کہی تا کہ امت کی تعلیم کا مقصد حاصل ہو جائے لہٰذا گونجنے سے آمین بالجہر مراد لینا عقل و نقل کے خلاف ہے۔

جواب دوم: روایت مذکورہ کا ایک راوی بشر بن رافع تقریباً بالاتفاق مجروح ہے ملاحظہ ہو۔

قال عبد الله بن احمد عن ابیه لیس بشیء ضعیف فی الحدیث وقال البخاری لا یتابع فی الحدیث وقال الترمذی یضاعف فی الحدیث وقال النسائی ضعیف وقال ابو حاتم بشر بن رافع ابو الاسباط الحارثی ضعیف الحدیث منکر الحدیث لانری له حدیثا قائما وقال الحاکم ابو احمد ابو الاسباط بشر بن رافع الحارثی الیمامی لیس بقوی عندهم. وقال ابن عبد البر فی الکنی هو ضعیف عندهم منکر الحدیث وقال فی کتاب الانصاف اتفقوا علی انکار حدیثه وطرح مارواه وترک الاحتجاج به لا یختلف علماء الحدیث.

عبداللہ بن احمد اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ بشر بن رافع لیس بشیء اور حدیث میں ضعیف ہے۔ بخاری نے کہا کہ اس کا حدیث میں اتباع نہیں کیا گیا ترمذی نے اسے ضعیف فی الحدیث کہا۔ نسائی نے ضعیف کہا ابو حاتم نے اسے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہا اور کہا کہ ہم اس کی حدیث کو درست نہیں دیکھتے۔ حاکم نے کہا کہ وہ محدثین کے نزدیک قوی راوی نہیں ہے ابن عبدالبر نے الکنی میں کہا کہ وہ علمائے حدیث کے نزدیک ضعیف اور منکر الحدیث ہے اور کتاب انصاف میں ابن عبدالبر نے کہا کہ تمام محدثین کا اس کی حدیث کے انکار پر اتفاق ہے اور اس کی روایات کو انہوں نے دور رکھا اور ان کے ساتھ احتجاج کو چھوڑ دیا اس میں تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۴۹ حرف ب)

جواب سوم: سند کے اعتبار سے مجروح ہونے کے ساتھ ساتھ مذکورہ روایت متن کے اعتبار سے بھی مضطرب ہے یہی روایت ابوداؤد میں موجود ہے لیکن وہاں ''گونجنے'' کے الفاظ نہیں ہیں ملاحظہ ہو۔

عن ابی هریرة قال کان رسول الله ﷺ اذا تلی غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال امین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول.

(ابوداؤد ص ۱۳۵ باب التأمین وراء الامام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کی تلاوت کرتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف کے وہ نمازی جو آپ کے نزدیک ہوتے وہ آپ کی آواز سن لیتے۔

وہی حدیث جو ابن ماجہ سے معترض نے ذکر کی اسی کو ابوداؤد نے ذکر کیا لیکن اس میں گونجنے کی کوئی بات نہیں علاوہ ازیں ابن ماجہ میں ''صف اول'' کے سننے کی بات تھی اور ابوداؤد میں صف اول کے ان نمازیوں کے سننے کی بات ہے جو آپ کے قریب تھے یعنی جو نمازی آپ سے ہٹ کر دائیں یا بائیں تھے وہ صف اول میں ہوتے ہوئے بھی آپ کی آمین نہ سن سکے لہٰذا جب دونوں کتابوں میں حدیث کے متن پر اتفاق نہیں بلکہ مختلف ہیں اور مضطرب ہیں تو ایسی حدیث کو جو سند و متن کے اعتبار سے مجروح و مضطرب ہو اس سے آمین بالجہر ثابت کرنا کب تسلیم ہوگا؟

اعتراض ۳

عن وائل بن حجر سمعت النبی ﷺ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین وقال امین ومدبها صوته.

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۴ باب ماجاء انہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب)

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھنے کے بعد آمین کہتے سنا آپ نے آمین کہتے وقت اپنی آواز کو کھینچا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ آمین کو بلند آواز یعنی جہر سے کہنا حضور ﷺ سے ثابت ہے اور سنت ہے۔

جواب: معترض نے دراصل خود غلطی کی اور دوسروں کو بھی غلطی میں ڈالنے کی کوشش کی۔ وہ یہ کہ لفظ ''مد'' سے اس نے بلند آوازی کا مفہوم اخذ کیا حالانکہ اس کا معنی لمبا کرنا اور کھینچنا ہے بلند کرنا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آمین کا تلفظ مدہ کر کے پڑھا یعنی ابتدائی حرف ہمزہ پر مد کی اور اسے ''قـالـین'' کے وزن کی طرح پڑھا یوں نہیں کہ ''کریم'' کے وزن کی طرح بلا مد پڑھا۔ اس سے آمین کا ثبوت کہاں سے آ گیا؟ جہراً اور خفاء دو متضاد لفظ ہیں اور مد و قصر متقابل ہیں۔ اگر بلند آواز سے آمین کہنا مقصود ہوتا تو اس کے لیے خفاء کا مقابل جہر لفظ آتا لیکن یہاں قصر کا مقابل مد استعمال ہوا اس لیے حدیث پاک کا مفہوم وہ نہیں جو معترض نے بیان کیا علاوہ ازیں اس کا ایک راوی یحییٰ ابن سلمہ کی ایک جماعت نے تضعیف بھی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ اگر صحیح ہے تو بالاتفاق نہیں ہے اس لیے اس سے آمین بالجہر پر استدلال ہرگز درست نہیں۔ ہماری ان گزارشات کو پڑھ کر امید ہے۔ حق کا متلاشی مسئلہ آمین میں کسی واضح نتیجہ پر پہنچ جائے گا۔ دلائل دونوں طرف سے ہم نے پیش کر دیئے ہیں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۹- بَابُ السَّهْوِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں بھولنے کا بیان

۱۳۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى فَاِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہیں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے ابو ہریرہ سے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے لگتا ہے تو اس کے پاس شیطان آ کر اس کی نماز میں خلط ملط کرتا ہے یہاں تک کہ نمازی کو یہ بھی پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی؟ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو ایسی حالت پیش آئے تو اسے بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرنے چاہئیں۔

۱۳٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ اَبِيْ اَحْمَدَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَسَلَّمَ فِيْ رَكْعَتَيْنِ فَقَامَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْ نَسِيْتَ فَقَالَ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَاَتَمَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَ التَّسْلِيْمِ۔

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں داؤد بن حصین نے ابو سفیان مولیٰ ابن احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بتائی کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے نماز عصر پڑھائی تو دو رکعتوں پر آپ نے سلام پھیر دیا جناب ذوالیدین صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا: ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا صحابی عرض کرتے ہیں حضور! کچھ نہ کچھ تو ہوا ہے پھر سرکار دو عالم ﷺ نے حاضرین سے پوچھا کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟ سب نے کہا ہاں پھر حضور ﷺ نے باقی ماندہ نماز مکمل فرمائی۔ پھر سلام پھیرا اور بیٹھے بیٹھے دو سجدے کیے۔

حدیث مذکورہ سے دو مسئلے سامنے آتے ہیں اول یہ کہ نماز کے درمیان اگر گفتگو کر لی جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی جیسا کہ حضور ﷺ نے لوگوں سے ذوالیدین کے قول کی تصدیق کرانے کے بعد باقی ماندہ نماز ادا فرمائی حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ دوران نماز کلام کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو واضح رہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز کے دوران گفتگو کرنے کی اجازت تھی جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں بعد میں اس سے منع کر دیا گیا لہٰذا اب اگر کوئی اس طرح کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ دوسرا مسئلہ

یہ کہ بھولنے کی صورت میں سجدۂ سہو نکالا جائے گا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تشہد میں بیٹھے ہوئے پہلے سلام پھیرا جاتا ہے اور پھر دو سجدے کیے جاتے ہیں۔ہم ان دونوں مسئلوں کے بارے میں مزید احکامات آپ کی نذر کرتے ہیں۔ پہلے مسئلہ کے متعلق احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی کو نماز میں تعداد رکعت وغیرہ کی بھول ہوگئی اور اس نے سلام پھیر دیا اب یاد آ گیا تو دیکھیں گے کہ اگر سلام پھیرنے کے بعد وہ قبلہ رخ ہی بیٹھا ہوا ہے اور کوئی گفتگو نہ کی تو ایک دو رکعت جو رہ گئیں ان کو ادا کرے اور آخر میں سجدۂ سہو ادا کرے نماز ہو جائے گی اور اگر قبلہ رخ نہ ہو یا گفتگو کر لی تو نماز نئے سرے سے ادا کرے گا لیکن امام کے پیچھے پڑھنے والے کو فقہ حنفی میں یہ گنجائش بھی دی گئی ہے کہ اگر خود امام مسجد میں ہی ہے اور اگر چہ اس کا منہ قبلہ سے پھر بھی جائے تو پھر بھی پہلی رکعت پر بقیہ نماز پوری کر سکتا ہے ہاں اگر وہ مسجد سے باہر چلا گیا یا مسجد سے نہیں نکلا بلکہ قبلہ رخ رہتے ہوئے گفتگو کر لی تو نماز ٹوٹ جائے گی یہی حکم اکیلے نماز پڑھنے والے کا بھی ہے۔لہٰذا ذوالیدین کی حدیث سے نماز میں باتیں کرنے کے جواز پر استدلال درست نہیں کیونکہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔رہا بھول جانے پر سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ تو اس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیر کر پھر دو سجدے کرے۔پھر تشہد پڑھے اور مکمل کر کے سلام پھیر دے۔امام شافعی کہتے ہیں کہ پہلے دو سجدے کرے پھر سلام پھیرے۔ان دونوں طریقوں پر حضور ﷺ کی فعلی احادیث موجود ہیں۔صاحب ہدایہ نے فعلی احادیث نقل کرنے کے بعد ایک قولی حدیث ذکر کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:''لکل سهو سجدتان بعد السلام۔ہر سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح فعلی احادیث دونوں صورتوں کے لیے موجود ہے اسی طرح قولی احادیث بھی دونوں کی تائید میں مذکور ہیں۔بطور اختصار چند سطور ملاحظہ ہوں۔

ولنا قوله عليه السلام لكل سهو سجدتان بعد السلام روى هذا الحديث عن ثعبان ورواه احمد فى مسنده وعبد الرزاق فى مصنفه والطبرانى فى معجمه ويروى انه عليه السلام سجد سجدتى السهو بعد السلام هذا الحديث رواه ابو هريرة رضى الله عنه اخرجه بخارى ومسلم عنه قال صلى بنا رسول الله ﷺ فسلم فى ركعتين فقام ذواليدين فقال اقصرت الصلوة يا رسول الله ام نسيت الى ان قال فاتم رسول الله ﷺ مابقى من الصلوة ثم سجد سجدتين وجلس بعد السلام وفى هذا الباب عن عمران بن حصين اخرجه مسلم عنه قال سلم رسول الله ﷺ فى ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال قصرت الصلوة يا رسول الله ﷺ فخرج مبغضا فصلى الركعة التى كان ترك ثم سلم ثم سجد سجدتين السهو ثم سلم.

احناف کی دلیل حضور ﷺ کا قول شریف ہے کہ ہر سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔اس حدیث کو ثعبان سے روایت کیا گیا۔امام احمد نے اپنی مسند میں،عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں اس کی روایت کی ہے اور مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے سہو کے کیے اس حدیث کو ابو ہریرہ نے روایت کیا۔بخاری اور مسلم نے اسے ذکر کیا کہا کہ حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا ذوالیدین کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے ہیں؟ یہاں تک بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے باقی ماندہ نماز ادا فرمائی پھر دو سجدے سہو کیے اور سلام کے بعد بیٹھے۔اس بارے میں عمران بن حصین سے امام مسلم نے ایک روایت ذکر کی کہ حضور ﷺ نے عصر کی تین رکعت پر سلام پھیر دیا پھر اٹھ کر حجرہ شریف میں داخل ہونے لگے۔ایک کشادہ ہاتھوں والا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ غصہ سے باہر تشریف لائے اور وہ رکعت پڑھائی جو چھوٹ گئی تھی پھر سلام پھیرا اور اس کے بعد سہو

(البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۲ ص ۶۴۷ باب سجود السہو) کے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔

مذکورہ روایت میں قولی اور فعلی دونوں اقسام کی حدیثیں پیش ہوئیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے سہو کا طریقہ یہ اپنایا کہ سلام پھیر کر دو سجدے کر کے پھر سلام پھیر کر نماز مکمل کی۔ اس طریقہ کی تائید میں علامہ بدرالدین عینی نے صحابہ کرام کے دو واقعات بھی نقل کیے ہیں۔ ان کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

البنایہ: مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھائی تو دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرنے کے بغیر کھڑے ہوگئے مقتدیوں نے تسبیح کہی تو مغیرہ نے اشارہ سے انہیں بھی کھڑا ہونے کا کہا۔ نماز سے فارغ ہونے پر سلام پھیرا اور سہو کے دو سجدے کیے پھر نماز کو ختم کر کے حاضرین کو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سہو اسی طریقہ سے کرتے دیکھا ہے، ترمذی نے ایک حدیث حسن صحیح حضرت انس بن مالک سے روایت کی۔ طبرانی نے محمد بن صالح سے انہوں نے علی بن عبداللہ بن عباس سے انہوں نے کہا: کہ میں نے انس بن مالک کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ نماز میں بھول گئے انہوں نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا اور پھر ہمیں فرمایا کہ میں نے اسی طرح کیا جس طرح حضور ﷺ نے کیا تھا۔ اسی طرح عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز عبداللہ بن زبیر کے پیچھے پڑھی انہوں نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقتدیوں نے تسبیح کہی۔ اس پر انہوں نے ایک رکعت اور پڑھی آخر میں سلام پھیرا اور دو سجدے کیے۔ راوی کہتا ہے کہ میں یہ دیکھ کر فوراً حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس گیا اور انہیں اس واقعہ کی اطلاع کی۔ انہوں نے فرمایا کہ نزول قرآن کے بعد اس سے سنت رسول فوت نہ ہوئی۔ (البنایہ ج ۲ ص ۶۴۷۔ ۶۴۸)

ان واقعات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ سہو کے لیے سلام پھیر کر پھر دو سجدے ادا کر کے پھر بیٹھ کر تشہد پڑھ کے سلام پھیر کر نماز مکمل کی جائے یہی احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر بھی دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں، ملاحظہ ہوں۔

البنایہ: امام مسلم نے ابوسعید خدری سے روایت ذکر کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو اپنی نماز کی رکعتوں میں شک گزرے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو چاہیے کہ شک کو ترک کر کے یقین پر بنا کرے پھر دو سجدے سلام سے پہلے ادا کرے۔ صحاح ستہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان آکر اسے بھلا دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے لہٰذا ایسے آدمی کو آخر میں دو سجدے سہو کے لیے کر کے سلام پھیرنا چاہیے۔

ان احادیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک پر استدلال فرمایا۔ دونوں قسم کی احادیث ذکر کرنے کے بعد علامہ بدرالدین عینی کہتے ہیں کہ سجدہ سہو کا معاملہ دونوں صورتوں کی گنجائش رکھتا ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ پہلے سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیر کر نماز مکمل کی جائے کیونکہ اس طریقہ کو اپنانے والے علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، انس بن مالک، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ تابعین کرام میں سے حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلیٰ، ثوری، حسن بن صالح وغیرہ حضرات ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۵۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا اَمْ اَرْبَعًا فَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ رَكْعَةً وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ عطاء بن یسار نے زید بن اسلم کو حدیث سنائی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک گزرے کہ اس نے تین پڑھیں یا چار تو وہ کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لے اور دو سجدے کر لے اس حال

جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ فَإِنْ كَانَتِ الرَّكْعَةُ الَّتِىْ صَلَّى خَامِسَةً شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ وَإِنْ كَانَتْ رَابِعَةً فَالسَّجْدَتَانِ تَرْغِيْمٌ لِلشَّيْطَانِ.

میں کہ وہ بیٹھا ہوا ہو یہ عمل سلام پھیرنے سے پہلے کرے پس اگر پڑھی گئی رکعت حقیقت میں پانچویں ہوئی تو ان دوسجدوں کو ساتھ ملا کر وہ دو رکعت کے قائم مقام ہو جائیں گی اور اگر چوتھی ہی ہوئی تو پھر دوسجدے شیطان کی ذلت بن جائیں گے۔

حدیث مذکورہ میں سجدہ سہو کا طریقہ وہ ہے جو امام شافعی کا مسلک ہے (یعنی سجدہ کے بعد سلام پھیرنا) ہاں اس حدیث پاک میں یہ بات ذرا تفصیل چاہتی ہے کہ حضور ﷺ نے شک کو رفع کر کے یقین پر بنا کرنے کو فرمایا۔ اس بارے میں جو مثال ذکر ہوئی کہ تین مقرر کر کے ایک بعد میں پڑھ لے اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ یہ بعد والی رکعت درحقیقت چوتھی ہی تھی دوسری یہ کہ یہ رکعت پانچویں ہو اول صورت میں تو دوسجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے اور نماز فرض ہی مکمل ہوگی۔ دوسری صورت میں پانچویں کے ساتھ چھٹی ملا کر چار فرض اور دو نفل بنا لے یہ مطلب نہیں کہ پانچ رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر دوسجدے کرے تو دو سجدے اس کی چھٹی رکعت بن جائیں گے۔

١٣٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّهٗ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ وَنَظَرْنَا تَسْلِيْمَهٗ كَبَّرَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ ثُمَّ سَلَّمَ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے عبدالرحمٰن اعرج سے انہوں نے ابن بحینہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں پھر کھڑے ہو گئے اور درمیانہ قعدہ نہ کیا لوگ بھی کھڑے ہو گئے پھر جب آپ نماز مکمل کر چکے اور ہم نے آپ کا سلام پھیرنا دیکھا تو تکبیر کہہ کر بیٹھے بیٹھے دوسجدے کیے یہ دوسجدے سلام سے پہلے تھے پھر سلام پھیرا۔

١٣٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَفِيْفُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْمُسَيَّبِ السَّهْمِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَكَعْبًا عَنِ الَّذِىْ يَشُكُّ كَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا قَالَ فَكِلَاهُمَا قَالَا فَلْيَقُمْ وَلْيُصَلِّ رَكْعَةً اُخْرٰى قَائِمًا ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ اِذَا صَلّٰى.

ہمیں امام مالک نے عفیف بن عمرو ابن المسیب سہمی سے انہوں نے عطاء بن یسار سے خبر دی کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص اور کعب سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جسے اپنی نماز میں تین یا چار رکعت پڑھنے کا شک ہو؟ دونوں نے فرمایا: وہ کھڑے ہو کر ایک اور رکعت پڑھ لے پھر دوسجدے کرے جب نماز پڑھ چکے۔

١٣٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنِ النِّسْيَانِ قَالَ يَتَوَخّٰى اَحَدُكُمُ الَّذِىْ يَظُنُّ اَنَّهٗ نَسِىَ مِنْ صَلٰوتِهٖ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں نافع نے ابن عمر سے حدیث سنائی۔ جب انہیں نسیان کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے کہ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے بارے میں شک پڑے تو یقین پر اپنی نماز کی بنا کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا نَاءَ لِلْقِيَامِ وَتَغَيَّرَتْ حَالُهٗ عَنِ الْقُعُوْدِ وَجَبَ عَلَيْهِ لِذٰلِكَ سَجْدَتَا السَّهْوِ وَكُلُّ سَهْوٍ وَجَبَتْ فِيْهِ سَجْدَتَانِ مِنْ زِيَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عمل ہے کہ جب کوئی نمازی قعدہ نہ بیٹھا اور کھڑا ہونے لگا تو اگر قیام کی طرف زیادہ قریب ہے اور قعدہ کی حالت تبدیل ہو چکی تو پھر اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ ہر

تَرْکُھَا اَفْضَلُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ.

ہے کہ ایک مرتبہ کر لی جائیں تو کوئی حرج نہیں اور نہ کرنا بہتر ہے یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ آثار میں ایک مسئلہ نماز میں ادھر ادھر التفات کرنا کیسا ہے؟ اس کے متعلق عرض ہے کہ جو شخص دوران نماز اپنی سجدہ گاہ سے نظر اتنی اوپر اٹھاتا ہے کہ آسمان کی طرف دیکھ سکتا ہو یا دیکھتا ہو تو اس پر حدیث پاک میں وعید شدید آئی ہے وہ یہ کہ ایسا کرنے والے کی کہیں آنکھوں کی بینائی نہ اچک لی جائے۔ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابوجعفر کو ایسا کرنے سے سختی سے منع کیا۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ اگر نماز میں عمل قلیل کے ذریعہ کچھ ایسی حرکت کی جائے جو نماز میں خشوع وخضوع کے معاون ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کنکریوں کا ہٹانا اسی میں شامل ہے یہی وجہ ہے کہ اسے ایک مرتبہ کرنے کی اجازت دی گئی کیونکہ زیادہ مرتبہ کرنے سے عمل کثیر بن جائے گا جو نماز کو توڑ دیتا ہے اور اگر سجدہ کر سکتا ہے تو پھر ایک مرتبہ کرنے کو بھی اگر ترک کر دیا جائے تو بہت بہتر ہے اور یہ تفصیل خود حدیث پاک میں مذکور ہوئی۔

عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال سئلت النبی ﷺ عن مسح الحصی فی الصلوة فقال واحدة ولان تمسک عنها خیرلک من مأته ناقة کلها سود الحدقی. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۱۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہ میں نے حضور ﷺ سے دوران نماز کنکریوں کو ہاتھ لگانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ایک مرتبہ کافی ہے اور اگر تو اس ایک مرتبہ سے بھی رک جائے تو یہ تیرے لیے سیاہ رنگ کی سو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔

تشہد میں اشارہ کرنا: التحیات پڑھتے وقت اشھدان لا اله الا الله پر جب نمازی پہنچے تو لفظ لا پر انگلی اٹھائے اور لفظ الا پر رکھ دے۔ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ تمام انگلیاں بند کر کے صرف شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جائے۔ اس کا اثبات حدیث پاک میں موجود ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں چھوٹی انگلیوں کو بند کر کے درمیانی انگشت کا انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے۔ یہ صورت بھی حدیث پاک میں موجود ہے اور احناف کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ اس کی اصل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

عن عبید الله بن زبیر عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا قعد یدعو ووضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی ویده الیسری علی فخذه الیسری واشار باصبعه السبابة ووضع ابهامه علی اصبع الوسطی. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۶)

عبیداللہ بن زبیر اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور جب قعدہ کرتے تو دعا مانگتے اور اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور اپنا انگوٹھا، درمیانی انگلی پر رکھتے (یعنی حلقہ بناتے)۔

ہاتھ کی دونوں چھوٹی انگلیوں کو بند کر کے اشارہ کرنا احادیث میں متفقہ طور پر آچکا ہے ان کو چھوڑ کر تین انگلیوں کی کیفیت باقی رہتی ہے جن میں شہادت کی انگلی تو اشارہ کے لیے مخصوص ہے بقیہ انگوٹھا اور درمیانی بڑی انگلی کے رکھنے کا طریقہ مذکورہ حدیث پاک میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال اشارہ کرنے کے بعد ہاتھ کو پھر اسی طرح دراز کر کے ران پر رکھ لینا چاہیے جس طرح انگلی اٹھانے سے قبل تھا۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۴۱ - بَابُ التَّشَھُّدِ فِی الصَّلٰوۃِ

نماز میں تشہد (التحیات الخ)

۱۴۲ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا کَانَتْ تَتَشَھَّدُ فَتَقُوْلُ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد اور انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ، الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔

جب سیدہ التحیات پڑھتیں تو مذکورہ الفاظ ادا فرماتیں۔ زبان، جسم اور مال کی تمام عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی قابل عبادت نہیں وہ ایک اور لاشریک ہے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ جناب محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے نبی محترم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہو ہم پر بھی اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔

١٤٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَلَى الْمِنْبَرِ يُعَلِّمُ النَّاسَ التَّشَهُّدَ وَيَقُوْلُ قُوْلُوْا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔

امام مالک نے جناب ابن شہاب اور انہوں نے عروہ بن زبیر اور انہوں نے عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر لوگوں کو یہ الفاظ التحیات سکھاتے سنا۔ التحیات الخ تمام مالی، زبانی اور جسمانی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے نبی کریم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

١٤٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَتَشَهَّدُ فَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ وَالزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ شَهِدْتُّ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَشَهِدْتُّ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ يَقُوْلُ هٰذَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وَيَدْعُوْ بِمَا بَدَا لَهُ اِذَا قَضٰى تَشَهُّدَهُ فَاِذَا جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ صَلٰوتِهٖ تَشَهَّدَ كَذٰلِكَ اِلَّا اَنَّهُ يُقَدِّمُ التَّشَهُّدَ ثُمَّ يَدْعُوْ بِمَا بَدَا لَهُ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُّسَلِّمَ قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ ثُمَّ يَرُدُّ عَلَى الْاِمَامِ فَاِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ اَحَدٌ عَنْ يَّسَارِهٖ رَدَّ عَلَيْهِ۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ابن عمر سے جناب نافع نے خبر دی کہ وہ التحیات میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ اللہ کے نام سے شروع، تمام مالی، زبانی اور جسمانی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے نبی محترم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اور میں نے گواہی دی کہ جناب محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا کرتے کہ یہ التحیات پہلی دو رکعتوں میں ہے اور پھر جو دعا چاہتے مانگتے پھر جب سلام پھیرنے کا ارادہ ہوتا تو کہتے نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی۔ اس کے بعد سلام پھیرتے اور دائیں طرف سلام کے وقت اگر امام ادھر ہوتا تو اس کے سلام کا جواب دیتے ورنہ بائیں طرف سلام کے وقت اس کا جواب دیتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلتَّشَهُّدُ الَّذِيْ ذُكِرَ كُلُّهُ حَسَنٌ وَلَيْسَ يُشْبِهُ تَشَهُّدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَعِنْدَنَا تَشَهُّدُهُ لِاَنَّهُ رَوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ الْعَامَّةُ

امام محمد فرماتے ہیں کہ جن تشہدات کا ذکر ہوا تمام اچھی ہیں لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی تشہد کے ہم پلہ نہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مروی تشہد

عِنْدَنَا.

ہے کیونکہ انہوں نے مذکورہ الفاظ خود رسول کریم ﷺ سے روایت کیے ہیں اور ہمارے نزدیک اکثریت اسی پر ہے۔

١٤٥- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحِلُّ بْنُ مُحْرِزٍ الضَّبِّيُّ عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ وَائِلٍ الْاَسَدِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوتَهٗ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ لَا تَقُوْلُوْا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

ہمیں محل بن محرز الضبی نے شقیق بن سلمٰی بن وائل الاسدی سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو ہم "السلام علی اللہ" کے الفاظ کہا کرتے۔ آپ نے ایک مرتبہ نماز ادا فرمانے کے بعد ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: السلام علی اللہ نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی السلام ہے ہاں یوں کہا کرو: تمام مالی، زبانی اور جسمانی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے اے نبی محترم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کے رسول ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَكْرَهُ اَنْ يُّزَادَ فِيْهِ حَرْفٌ اَوْ يُنْقَصَ مِنْهُ حَرْفٌ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مذکورہ التحیات کے الفاظ سے کوئی لفظ کم یا زیادہ کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

امام محمد رضی اللہ عنہ نے التحیات کے مختلف الفاظ مختلف صحابہ کرام سے منقول فرما کر ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مروی الفاظ کو افضل قرار دیا۔ احناف کے ہاں انہی الفاظ کو پڑھا جاتا ہے۔ التحیات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی درج ذیل وجوہ بیان فرماتے ہیں۔

تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کی وجوہات

الوجه الثاني في ترجيح تشهد ابن مسعود رضي الله عنه على جميع روايات غيره قال الترمذي اصح حديث عن النبي ﷺ في التشهد حديث ابن مسعود والعمل عليه عند اكثر اهل العلم من الصحابة والتابعين ثم اخرج عن معمر عن خصيف قال رايت النبي ﷺ في المنام فقلت له ان الناس قد اختلفوا في التشهد فقال عليك بتشهد ابن مسعود واخرج الطبراني في معجمه عن بشير بن المهاجر عن ابي هريرة عن ابيه قال ماسمعت في التشهد احسن في حديث ابن مسعود رضي الله عنه وذالك انه رفعه الى النبي

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد کی وجہ دوسری تمام مروی تشہدات پر یہ ہے کہ ترمذی نے اس روایت کو تشہد کے بارے میں حضور ﷺ سے مروی اصح حدیث کہا ہے اور حضرات صحابہ کرام و تابعین کی اکثریت کا عمل بھی اسی پر ہے پھر انہوں نے ایک روایت بسند معمر عن خصیف سے بیان کی کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ تشہد کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے فرمایا: ابن مسعود کی مروی تشہد کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ طبرانی نے معجم میں بشیر بن مہاجر انہوں نے ابو ہریرہ اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود کی تشہد سے زیادہ اچھی کوئی تشہد نہیں سنی۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے یہ تشہد سرکار دو عالم ﷺ سے

ﷺ وقال الخطابی اصح الروایات واشهرها رجالا تشهد ابن مسعود وقال ابن المنذر و ابو علی الطوسی قد روی حدیث ابن مسعود من غیره وجه وهو اصح حدیث روی فی التشهدعن النبی ﷺ وقال ابو عمر بتشهد ابن مسعود اخذ اکثر اهل العلم کثبوت فعله عن النبی ﷺ وقال علی بن المدینی لم یصح فی التشهد الا ما نقله اهل الکوفة عن ابن مسعود رضی الله عنه واهل البصرة عن ابی موسی وبنحوه قال ابنه طاهر وقال النووی اشدهاصحة باتفاق المحدثین حدیث ابن مسعود رضی الله عنه ثم حدیث ابن عباس وقال البزار اصح حدیث فی التشهد حدیث ابن مسعود رضی الله عنه وروی عنه من عشرین طریقا ثم سرد اکثرها قال ولا اعلم فی التشهد اثبت منه ولا اصح اسانید اولا اشهر رجالا. لان الرواة عنه من الثقاة لم یختلفوا فی الفاظه بخلاف غیره و ان ابن مسعود رضی الله عنه تلقاه عن النبی ﷺ تلقیا فروی الطحاوی من طریق الاسود بن یزید عنه قال اخذت التشهد من فی رسول الله ﷺ ولقنیة کلمة کلمة ومنها ان فی روایة احمد ان رسول الله ﷺ علمه التشهد وامره ان یعلم الناس ولم ینقل ذالک لغیره. (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ٦ ص ١١٤،١١٥ مطبوعہ بیروت، باب التشہد فی الاخرہ)

ذکر فرمائی ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ رجال کے اعتبار سے مشہور تر اور صحیح ترین تشہد، تشہد ابن مسعود ہے۔ ابن المنذر اور ابو علی الطوسی نے کہا کہ ابن مسعود کی تشہد کئی وجوہ پر روایت کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے تشہد کے بارے میں روایت شدہ احادیث میں سے یہ صحیح ترین حدیث ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ ابن مسعود کے تشہد پر اکثر اہل علم کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ فعل حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ علی بن المدینی کہتے ہیں کہ تشہد کے بارے میں اہل کوفہ کی ابن مسعود سے اور اہل بصرہ کی ابن عباس سے روایت شدہ حدیث سے کوئی دوسری حدیث صحیح نہیں ہے۔ ان کے بیٹے طاہر کہتے ہیں اور امام نووی نے کہا: محدثین کرام کی صحت کے اعتبار سے متفق علیہ حدیث حدیث ابن مسعود ہے پھر اس کے بعد ابن عباس کی حدیث۔ بزار نے کہا کہ تشہد کے بارے میں صحیح ترین حدیث، ابن مسعود کی ہے آپ سے بیس (٢٠) طریقوں سے مذکورہ روایت ذکر کی گئی ہے پھر اکثریت نے یہی کہا کہ زیادہ مضبوط اور سند اور رجال کے اعتبار سے زیادہ مشہور اور اصح اس سے بڑھ کر اور کوئی روایت نہیں ہے کیونکہ ان سے روایت کرنے والے ثقہ حضرات نے اس کے الفاظ میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ بخلاف دوسری روایات کے کہ ان میں اختلاف الفاظ موجود ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مذکورہ الفاظ تشہد خود حضور ﷺ سے اخذ کیے جیسا کہ طحاوی کہتے ہیں کہ یزید بن اسود نے ابن مسعود سے بیان کیا کہ میں نے تشہد کے کلمات حضور ﷺ کی زبان اقدس سے ایک ایک کلمہ کر کے سیکھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں تشہد سکھائی اور لوگوں کو سکھانے کا حکم بھی دیا۔ یہ بات کسی دوسرے کے متعلق منقول نہیں۔

عمدۃ القاری کی مذکورہ عبارت سے تشہد ابن مسعود کی وجوہات ترجیح

(١) یہ تشہد متن اور سند کے اعتبار سے اصح اور محفوظ تر ہے۔
(٢) جناب خصیف کو دوران خواب حضور ﷺ نے یہی تشہد پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔
(٣) صحابہ کرام، تابعین اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔
(٤) یہ تشہد خود حضور ﷺ نے بلا واسطہ ابن مسعود کو ایک ایک کلمہ بتا کر یاد کرایا۔
(٥) اسی تشہد کو دوسروں کو سکھانے کا حکم دیا۔

یہ ان وجوہات ترجیح میں سے چند ہیں جو حضرات علمائے کرام اور فقہائے عظام نے ذکر فرمائیں۔ ان وجوہات اور دیگر اولیات کے پیش نظر احناف نے اسی تشہد کو نماز کے لیے اولیٰ قرار دے کر عمل کیا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

السلام علیک ایها النبی الخ کو بطور حکایت یا انشاء پڑھنے کی بحث

محدثین وفقہاء کرام نے مذکورہ بحث تشہد کے ضمن میں ذکر فرمائی ہے۔ اس لیے چند باتیں ہم بھی ان کی اتباع میں نقل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسئلہ مذکورہ کچھ عرصہ سے عقائد کے زمرہ میں لا کر اس میں غلو سے کام لیا جا رہا ہے یہاں تک کہ فتویٰ دیا گیا کہ مذکورہ کلمات اگر نمازی بطور انشاء پڑھے گا تو اس سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ کفر ہے۔ (معاذ اللہ) بلکہ ان کلمات کو یوں سمجھ کر پڑھنا چاہیے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے ان کلمات سے اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کو خطاب کیا تھا۔ ہم بھی اسی خطاب کو بطور حکایت کہہ رہے ہیں جیسا کہ تلاوت قرآن کے وقت "یبنی اسرائیل" کہنے والا بنی اسرائیل کو خطاب نہیں کر رہا ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو بطور حکایت پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح السلام علیک الخ کو بطور حکایت ہی پڑھنا درست ہے۔ اس بات کو دیوبندیوں کے ایک بڑے نے یوں لکھا ہے۔

اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ خود خطاب سلام کا سنتے ہیں۔ وہ کفر ہے خواہ السلام علیک کہے یا السلام علی النبی کہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے ایک جماعت ملائکہ کی اس کام کے واسطے مقررہ ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تو دونوں طرح پڑھنا مباح ہے پس اس کے بعد سنو اگر ابن مسعود نے بعد وفات شریف کے صیغہ بدل دیا تو کوئی حرج نہیں کسی مصلحت کو یہ کیا ہوگا جو اصل تعلیم کے موافق پڑھا جائے جب بھی حرج نہیں کہ مقصود حکایت ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۸۹)

حضور ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے میں صرف ایک ہی نیت ہوسکتی ہے وہ یہ کہ آپ خود نہیں سنتے بلکہ کچھ فرشتے مقرر ہیں جو درود شریف پڑھنے والوں کا درود شریف آپ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں۔ اس نیت سے چاہے کوئی صیغہ پڑھا جائے مباح ہے اور اگر نیت یہ ہو کہ آپ خود سنتے ہیں تو کفر ہے اس لیے التحیات پڑھتے وقت اسلام علی النبی' اسلام علیک ایہا النبی جو بھی پڑھا جائے گا اس میں جب حکایت مقصود ہے تو درود شریف بھیجنے کا معنی ہی نہ رہا اور اسی کو حکایت یا عدم انشاء کہتے ہیں۔

حقیقت حال: تمام مسلمانوں کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن صفات کاملہ سے موصوف ومتصف ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ ہیں۔ ان میں کسی ایک کو بغیر عطاء الٰہی، ذاتی ماننے والے مسلمان نہیں لہٰذا اگر السلام علیک ایها النبی الخ پڑھتے وقت کسی مسلمان کا یہ نظریہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفت کی وجہ سے حضور ﷺ اپنے غلام کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں تو اس عقیدہ کو "کفر و شرک" نہیں کہا جا سکتا۔ قریب و بعید سے غیر کا سننا خود احادیث مبارکہ سے مصرح ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

ان اللہ قال من عادلی ولیا فقد اذنتہ للحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳ باب التواضع پ ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی ولی سے عداوت کرے گا تو میں نے اس کو لڑائی کا اعلان کر دیا اور میرا بندہ فرائض کی تکمیل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ ہمیشہ میرا تقرب چاہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ اس کے ساتھ سنتا ہے میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ اس سے دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں وہ اس سے پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں وہ اس سے چلتا ہے۔

اولیاء اللہ ذات الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں

وھو الذی عناہ الصوفیة بالفناء فی اللہ ای الانسلاخ عن دواعی نفسہ حتی لایکون المتصرف فیہ الاھو العبد اذا واظب علی الطاعة بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت لہ سمعا و بصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعا لہ سمع القریب والبعید واذا صار ذالک النور بصرا لہ رای القریب والبعید واذا صار ذالک النوریدا لہ قدر علی التصرف فی الصعب والسھل والبعید والقریب.

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۹۱ سورۃ کہف)

یہ وہ مقام ہے جسے صوفیاء کرام فنافی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کسی کا اپنی ذات سے بالکل باہر نکل جانا ایسا کہ اس میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ بندہ جب بندگی پر دوام اختیار کرتا ہے تو ایسے مقام کو پالیتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں لہٰذا جب باری تعالیٰ کا نور اس کا کان بن جاتا ہے تو قریب و بعید کو وہ سن لیتا ہے اور جب وہی نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے تو قریب و بعید کو دیکھ لیتا ہے اور جب وہی نور اس کا ہاتھ بن جاتا ہے تو مشکل و آسان میں تصرف کرنے کی قدرت پالیتا ہے' قریب و بعید میں اس کا حکم چلتا ہے۔

اما علماء الشریعة فقالوا معناہ ان جوارح العبد تصیر تابعة لمرضاۃ اللہ لھیتہ حتی لاتتحرک الا علی مایرضی بہ ربہ فاذا کانت غایة سمعہ وبصرہ وجوارحہ کلھا ھو اللہ سبحانہ فحینئذ صح ان یقال انہ لا یسمع الا لہ ولا یتکلم الا لہ فکان اللہ سبحانہ صار سمعہ وبصرہ قلت وھذا عدول عن حق الالفاظ لان قولہ کنت سمعہ بصیغة المتکلم یدل علی انہ لم یبق من المتقرب بالنوافل الا جسدہ وشبھہ وصار المتصرف فیہ الحضرت الالھیة وھو الذی عناہ الصوفیة بالفناء فی اللہ ای الانسلاخ عن دواعی نفسہ حتی لا یکون المتصرف فیہ الاھو.

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۷ کتاب الرقاق)

علماء شریعت نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ آدمی کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اسی کی رضا میں حرکت کرتے ہیں لہٰذا جب آدمی کے کان، آنکھ اور دیگر اعضاء کی غائت خود اللہ تعالیٰ بن جاتا ہے تو اس وقت یہ کہنا صحیح ہو جاتا ہے کہ وہ سنتا ہے تو صرف اس کی خاطر اور گفتگو کرتا ہے تو اسی کے لیے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس کے کان اور آنکھ بن گیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ مفہوم حدیث پاک کے الفاظ کے حق کو ادا نہیں کرتے بلکہ اس سے عدول نظر آتا ہے کیونکہ "کنت سمعہ" متکلم کے صیغہ کے اعتبار سے اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرب الٰہی والا آدمی جسم تو اپنا رکھتا ہے اور ایک ڈھانچہ اسی کا ہے لیکن اس میں تصرف کرنے والا اللہ واحد ہی ہے یہ وہ کیفیت و مقام ہے جسے صوفیائے کرام مقام فنافی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس حالت میں آدمی اپنے نفسانی دواعی سے ایسا باہر نکل جاتا ہے کہ اس میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔

فانہ اذا صح للشجرۃ ان ینادی فیہ بانی انا اللہ فما بال المتقرب بالنوافل ان لا یکون اللہ سمعہ وبصرہ کیف وان ابن ادم الذی خلق علی صورۃ الرحمن لیس بادون من شجرۃ موسی علیہ السلام.

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۹)

جب درخت کے لیے یہ بات صحیح ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ "انی انا اللہ" کی ندا کرتا ہے تو نوافل کے ذریعہ قرب پانے والے آدمی کے لیے یہ کیوں صحیح نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا کان اور اس کی آنکھ بن جائے اور یہ کیسے نادرست ہوسکتا ہے حالانکہ آدمی جس کو سورۃ رحمٰن پر پیدا کیا گیا وہ موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے ادنیٰ تو نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ ایک مومن نوافل کے ذریعہ ایسا مقام قرب پالیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا قریب و بعید کو

دیکھنا اور دور ونزدیک کی آواز کو سننا محقق ہوتا ہے جب عام مومن کا یہ مقام ممکن ہے تو سرکار ابد قرار ﷺ کے لیے ایسا مقام قرب ماننا جس کی وجہ سے کوئی امتی آپ کو قریب و بعید کا سننے والا تسلیم کرتا ہو یہ شرک و کفر کیونکر ہو گیا؟ اور اسی عقیدہ کے پیش نظر اگر السلام علیک الخ بطور انشاء عرض کرتا ہے یعنی یہ کہ حضور ﷺ خداداد قوت وسماعت سے بلا واسطہ میرا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں تو اسے کفر کہنا کس قدر غلو فی الدین ہے؟ پھر جب علماء کرام نے یہ بھی تصریح فرمادی کہ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات و ممات دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ امام قسطلانی نے فرمایا:

نبی علیہ السلام اپنے غلاموں کے حالات سے خبردار ہیں

قد قال علمائنا لا فرق بین موته وحیاته علیه السلام مشاهدة لامته ومعرفته باحوالهم ونیاتهم وعزائمهم وخواطرهم وذالک جلی عنده لاخفاء به. (انوار محمدیہ ص۵۹۹)

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اپنی امت کا مشاہدہ فرمانا، ان کے حالات سے آگاہی ان کی نیتوں اور عزائم اور دل کے ارادوں سے واقفیت جس طرح حیات ظاہری میں تھی اسی طرح بعد از وفات بھی ہے۔ یہ بات واضح ہے اس میں کوئی اخفا نہیں ہے۔

اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے شیخ محقق جناب عبدالحق صاحب محدث دہلوی رقمطراز ہیں۔

حضور ﷺ صفات خداوندی سے متصف ہیں

ذکر کن اورا و درود بفرست بروے علیه السلام وباش درحال ذکر گویا حاضر است پیش درحالت حیات ومی بینی تو او را متادب باجلال و تعظیم وهیبت وحیا. وبدانکه وی علیه السلام می بیند ومی شنود کلام ترا زیرا که وے علیه السلام متصف است بصفات الهیه ویک از صفات الهی انست که انا جلیس من ذکرنی. (مدارج النبوۃ ج۲ص ۶۲۱ وصل نوع ثانی کہ تعلق معنوی است مطبوعہ نولکشور)

آپ ﷺ کا ذکر کر اور آپ پر درود وسلام پڑھ اور ذکر کی حالت میں یوں ہو جا کہ گویا سرکار دو عالم ﷺ تیرے سامنے حالت حیات میں حاضر ہیں اور تجھے دیکھ رہے ہیں اور تو انہیں دیکھ رہا ہے لہٰذا نہایت تعظیم، ہیبت، حیا اور آپ کا جلال پیش نظر رہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ تیری گفتگو کو سنتے اور تجھے دیکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ صفات الٰہیہ سے متصف ہیں اور من جملہ اس کی صفات میں سے ہے کہ جو اسے یاد کرتا ہے وہ اس کا ہم نشین ہوتا ہے۔

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت اور اس کی تشریح میں انور شاہ کاشمیری صاحب فیض الباری پھر علامہ قسطلانی اور شیخ محقق کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ جب عام مومن مقام قرب میں پہنچ کر صفات سمع وبصر سے متصف بصفات خداوندی ہو جاتا ہے تو مقربین بارگاہ خداوندی کے امام وسردار جناب حضور سید المرسلین ﷺ کی ان صفات کا کیا مرتبہ ہوگا لہٰذا دور ونزدیک سے آپ کا سماعت فرمانا نہ شرک ہے اور نہ ہی کفر ہاں اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ بذات خود بغیر اعطاء الٰہی یہ کمال رکھتے ہیں تو واقعی کفر و شرک ہوگا اس لیے اگر نمازی السلام علیک الخ پڑھتے وقت آپ کو سلام سننے والا سمجھے اور اس ارادہ ونیت سے پڑھے کہ میرا صلوٰۃ و سلام جان دو عالم ﷺ بنفس نفیس با عطائے الٰہی سماعت فرماتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اس پر کفر کا فتویٰ لگانا نری جہالت اور مقام قرب الٰہی سے دوری کا نتیجہ ہے اور یہ غلو سے قطعاً خالی نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی دوسری جہت کہ السلام علیک الخ کو نماز میں بطور حکایت کہنا چاہیے یا ارادہ انشاء سے بھی کہا جائے تو کوئی حرج نہیں اس میں بھی گنگوہی صاحب نے کتاب وسنت اور فقہائے اسلام کی مخالفت کی ہے بلکہ عقل سلیم بھی ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ہم اس بارے میں پہلے محدثین کرام کا نقطہ نظر اور بعد میں فقہاء کرام

کے ارشادات پیش کرتے ہیں۔

عبارات محدثین کرام سے السلام علیک الخ بطور انشاء پڑھنے کا ثبوت

واحضر فی قلبک النبی ﷺ وشخصه الکریم وقل السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته. (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۱ باب الثالث بیان تفسیر ما ینبغی ان یحضر فی القلب)

حضور ﷺ کی ذات مقدسہ اور صورت مبارکہ کو اپنے دل میں حاضر کر اور پھر عرض کر السلام علیک ایها النبی الخ۔

حضور ﷺ نمازیوں کے پاس حاضر ہوتے ہیں

قال بعض العارفین ان ذالک لسیران الحقیقة المحمدية فی وراء الموجودات وافراد الکائنات کلها فهو ﷺ موجود وحاضر فی ذوات المصلین وحاضر عندهم فینبغی للمؤمن ان لایغفل عن هذه الشهود عند هذا الخطاب لینال من انوار القلب ویفوز باسرار المعرفة صلی الله علیک یا رسول الله وسلم.

(اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۸۱ باب التشهد)

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ التحیات میں خطاب کے طریقہ سے سلام کا پایا جانا اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات اور کائنات کے تمام افراد میں جاری وساری ہے لہٰذا سرکار دوعالم ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود وحاضر ہیں اور نمازیوں کو چاہیے کہ اس مشاہدہ سے بوقت خطاب غافل نہ رہیں تاکہ قلبی انوار پاسکیں اور اسرار معرفت سے بہرہ ور ہوسکیں۔

ان المصلین لما استفتحوا باب المکوت بالتحیات اذن لهم بالدخول فی حریم الحی الذی لایموت فقرت اعینهم بالمناجات فنبهو علی ان ذالک بواسطة نبی الرحمة وبرکت متابعة فاذاالتفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا علیه قائلین السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته. (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۱۱، فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۰)

نمازیوں نے جب التحیات کہہ کر دروازہ ملکوت کو کھولا تو انہیں اللہ حی قیوم کی بارگاہ میں آنے کی اجازت دی گئی تو مناجات کر کے انہوں نے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک میسر کی یہ سب کچھ انہیں نبی رحمت ﷺ کے واسطہ اور متابعت کی برکت سے حاصل ہوا تو انہوں نے جب غور سے دیکھا تو حبیب کو حبیب کی بارگاہ میں موجود پایا تو ان کی طرف یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔

حضور ﷺ بارگاہ خداوندی سے کبھی غیر حاضر نہیں ہوتے

انما امر الشارع المصلی بالصلوة والسلام علی رسول الله ﷺ فی التشهد لینبه الغافلین فی جلوسهم بین یدی الله عزوجل علی شهود نبیتهم فی تلک الحضرة فانه لا یفارق حضرة الله ابدا فیخاطبون بالسلام مشافهة. (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۶۷ باب صفت الصلاۃ کے آخر میں مع رحمۃ الامہ)

اللہ تعالیٰ نے نمازی کو دوران نماز صلوٰۃ وسلام کا حکم اس لیے دیا تا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حضور غفلت سے بیٹھے ہیں انہیں یہ تنبیہ کر دی جائے کہ اس بارگاہ میں ان کے نبی بھی موجود ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتے لہٰذا نمازی آپ کو بالمشافہ سلام عرض کریں۔

سردار اولیاء امام غزالی، تاج المحققین محدث دہلوی، علامہ بدرالدین عینی، امام الاولیاء عبدالوہاب شعرانی اور امام ابن حجر عسقلانی کے ارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ امام غزالی نے اعمال قلبیہ میں سے ایک عمل یہ بتایا کہ نماز کے دوران السلام علیک الخ پڑھتے وقت دل کو یہ سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ حاضر و ناظر ہیں اس نظریہ سے آپ کی بارگاہ میں بطور انشاء صلوٰۃ وسلام پیش کرے اور شیخ محقق نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ حقیقت محمدیہ چونکہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر چکی ہے لہٰذا حضور ﷺ کو حاضر و ناظر جان کر درود شریف بطور انشاء عرض کرنے والا اسرار معرفت سے وافر حصہ پاتا ہے اور علامہ عینی وعسقلانی کے بقول حرم الٰہی میں پہنچنے والا جب پہلے سے ہی وہاں موجود سرکار دوعالم ﷺ کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے از روئے ادب' السلام سے یہی حاصل ہوا کہ السلام علیک الخ کے الفاظ سے آپ کو ہدیہ سلام عرض کرنا چاہیے یہی بات علامہ شعرانی نے بھی فرمائی ان تمام تصریحات سے یہی حاصل ہوا کہ السلام علیک الخ کے الفاظ نمازی کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء عرض کرنے چاہئیں وران کی ادائیگی غفلت سے نہیں بلکہ پوری توجہ سے کرے تاکہ اس کے ذریعہ انوار وبرکات کا خزینہ حاصل کر سکے۔

فقہاء کرام کی عبارات سے السلام علیک الخ بطور انشاء کہنے کا ثبوت

ویقصد بالفاظ التشهد معانیها مراء ة له علی وجه الانشاء کانه یحیی الله تعالی ویسلم علی نبیه وعلی نفسه لا اخبار عن ذالک.

(درمختار مع ردالمحتار ج اص ۵۱۰ مطلب مهم فی عقد الاصابع عندالتشهد)

تشہد کے الفاظ ادا کرتے وقت ان کا مفہوم بطریقہ انشاء قصد کرنا چاہیے گویا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عبادت کا تحفہ ادا کر رہا ہے اور اس کے پیغمبر ﷺ پر یہ ہدیہ سلام عرض کر رہا ہے اور خود اپنے لیے عرض سلام کر رہا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا محض بطریقہ اخبار ادا کرتا ہے۔

لایقصد الاخبار والحکایة عنها وقع فی المعراج منه ﷺ من ربه سبحانه ومن الملئکة علیهم السلام. (ردالمحتار علی درمختار ج اص ۵۱۰)

تشہد کے الفاظ ادا کرتے وقت واقعہ معراج کی حکایت اور اخبار کے طور پر نہ پڑھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں نے وہاں آپ پر سلام پیش کیا تھا۔

رأس المحققین علامہ حصکفی اور علامہ ابن عابدین نے واضح اور صراحۃً الفاظ تشہد کے بارے میں فرمایا کہ اخبار کا قصد نہیں بلکہ انشاء کا ارادہ کر کے ان کی ادائیگی ہونی چاہیے۔

فیقصد المصلی انشاء هذه الالفاظ مراء ة له قاصدا معناه الموضوعة له من عنده کانه یحیی الله سبحانه وتعالی ویسلم علی النبی ﷺ.

(مراقی الفلاح علی نورالایضاح ص ۷۰ باب الامامة کے متصل ماقبل)

نمازی کو تشہد کے الفاظ پڑھتے وقت بالارادہ وقصد یہ نیت کرنی چاہیے کہ ان الفاظ کی حقیقت اور مفہوم موضوعہ ادا کر رہا ہوں گویا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور تمام مالی، جسمانی عبادات کی انشاء کر رہا ہے اور انشائی طور پر ہی رسول اللہ ﷺ کو عرض سلام کر رہا ہے۔

انما ذکرنا بعض معانی التشهد لما ان المصلی یقصد بهذه الالفاظ معانیها مراء ة له علی وجه الانشاء کما صرح به المجتبی بقوله ولا نه من ان یقصد بالفاظ التشهدمعناها التی وضعت لها من عنده کانه یحیی الله ویسلم علی النبی ﷺ.

(بحرالرائق ج اص ۳۴۴ تشہد ابن مسعود)

ہم نے تشہد کے بعض معانی اس لیے ذکر کیے تاکہ نمازی ان کی ادائیگی کے وقت ان کے معانی کی انشائی نیت کرے جیسا کہ اس کی مجتبٰی نے تصریح فرمائی۔ وہ کہتے ہیں اس لیے کہ نمازی کو الفاظ تشہد کے حقیقی معانی قصد کرنے چاہئیں گویا وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحیت اور نبی ﷺ کے حضور سلام عرض کر رہا ہے۔

خلاصۂ کلام

احناف وغیراحناف محدثین ومفسرین اور فقہائے کرام نے واضح طور پر تحریر فرمایا کہ نمازی کو الفاظ تشہد بقصد انشاء ادا کرنا چاہئیں۔ اگر اس ارادے سے پڑھتے وقت نمازی کے ذہن میں یہ خیال گزرے کہ سرکار دو عالم ﷺ اس کا صلوٰۃ وسلام بذات خود بلا واسطہ فرشتہ سنتے ہیں اور ان کو یہ کمال اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا تو اسے شرک کہنا دراصل ان اسلاف کو مشرک کہنے کے مترادف ہے اور یہ کج فہمی اور غلو گنگوہی وغیرہ کے خیالات ذاتیہ ہیں' اہل سنت کی تصریحات اس کے خلاف ہیں لہٰذا حضور ﷺ کو حاضر و ناظر جان کر تشہد میں نمازی کا سلام عرض کرنا قطعاً درست اور مراد شارع کے عین مطابق ہے۔ **فاعتبروا یااولی الابصار**

اعتراض

مذکورہ باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بروایت نافع تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دوران تشہد دعا مانگا کرتے تھے۔ **یدعو بما بداله۔**

(۲) دعا کے بعد السلام علیک الخ پڑھتے تھے۔

(۳) ترتیب یہ ثابت ہوئی کہ پہلے تحیت باری تعالیٰ پھر دعا اور اس کے بعد عرض سلام لیکن احناف ان تینوں باتوں کی مخالفت کر کے درست نہیں کرتے کیونکہ احناف کے نزدیک تحیت باری تعالیٰ کے بعد سلام عرض کیا جاتا ہے پھر آخر میں دعا مانگی جاتی ہے جو کہ عبداللہ ابن عمر کے عمل کے بالکل خلاف ہے۔

جواب اول: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول تشہد اگرچہ ثابت ہے لیکن گزشتہ اوراق میں تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی وجوہ ترجیح بیان ہوئیں۔ ان کے تحت ہم نے ان کے تشہد کو نماز میں پڑھنا اولیٰ قرار دیا ہے۔ اس تشہد میں یہ تینوں باتیں نہیں ہیں۔

جواب دوم:

قعدۂ اولیٰ میں تشہد میں دعا نہ مانگنے کا ثبوت

عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان لا يزيد في الركعتين على التشهد رواه ابو يعلى من رواية ابى الحويرث والظاهر انه خالد بن حويرث وهو ثقة وبقية رجاله رجال الصحيح وعن عبد الله بن مسعود قال علمنى رسول الله ﷺ التشهد فى وسط الصلوة وفى اخرها قال ثم ان كان وسط الصلوة نهض حين يفرغ من تشهده وان كان فى اخرها دعا بعد التشهد بما شاء الله ان يدعوثم يسلم.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۴۲ باب التشہد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں کے بعد تشہد میں التحیات پر زیادتی نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (یعنی درود شریف اور دعا نہیں پڑھتے تھے) اسے ابو حویرث سے ابویعلیٰ نے روایت کیا اور مذکورہ ابو حویرث خالد بن حویرث ہیں اور یہ ثقہ راوی ہیں۔ اس روایت کے بقیہ رواۃ تمام ثقہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے نماز کے درمیان تشہد پڑھنا سکھائی۔ فرماتے ہیں کہ اگر دو رکعت کے بعد تیسری یا چوتھی رکعت کے لیے اٹھنا ہوتا تو حضور ﷺ تشہد سے فراغت پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور اگر آخری تشہد ہوتی تو تشہد کے بعد جو اللہ کو منظور ہوتا وہ دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے۔

عن ابى عبيدة عن ابيه عبد الله بن مسعود ان

ابو عبیدہ اپنے والد جناب عبداللہ بن مسعود سے راوی کہ

رسول الله ﷺ كان اذا قعد فى الركعتين الاوليين كانه على الرضف قلت حتى يقوم . عن شعبة عن الحكم عن ابراهيم عن رجل صلى خلف ابى بكر فكان فى الركعتين الاوليين كانه على جمر حتى يقوم.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۹۵ قدر كم يقعد فى الركعتين)

رسول اللہ ﷺ جب دو رکعت پر قعدہ فرماتے تو یوں کہ کوئی گرم پتھر پر بیٹھا ہو۔ (یعنی جلدی اٹھتے) شعبہ نے حکم انہوں نے ابراہیم سے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز پڑھنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ دو رکعت کے بعد قعدہ میں یوں بیٹھتے جیسے کوئی چنگاری پر بیٹھا ہو یہاں تک کہ کھڑے ہو جاتے۔

مذکورہ روایات اور آثار اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ درمیانی قعدہ میں تشہد کے بعد دعا نہیں مانگا کرتے تھے بلکہ آخری قعدہ میں دعا فرمایا کرتے تھے درمیانی قعدہ میں آپ کا مختصر بیٹھنا اس قدر ہوتا تھا کہ دیکھنے والا بھی سمجھتا آپ جلدی اٹھنے والے ہیں۔ اسی طریقہ نبوی کو حضرت ابوبکر نے بھی اپنایا تو معلوم ہوا کہ درمیانی قعدہ میں دعا نہیں ہے۔

جواب سوم:

عن شعبى قال من زادفى الركعتين الاولين على التشهد فعليه سجدتا سجدة السهو.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۹۶)

شعبی سے مروی ہے کہ جس نے پہلی دو رکعتوں کی التحیات میں تشہد سے زیادہ پڑھا تو اس پر دو سجدے سہو لازم ہو گئے۔

جناب شعبی کے اس اثر سے واضح ہوا کہ درمیانی قعدہ میں تشہد سے زیادہ پڑھنا سجدہ سہو کو لازم کر دیتا ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔

جواب چہارم:

عن ابن عمر انه كان يقول ماجعلت الراحة فى الركعتين الاللتشهد . (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ دو رکعت کے بعد آرام سے بیٹھنا اسی لیے رکھا گیا تا کہ نمازی تشہد پڑھ لے۔

جواب چہارم سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے خود ان کی روایت کا خلاف ثابت ہو گیا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی آخری عمل دیگر صحابہ کرام کے عمل کے موافق تھا اس لیے خود ان کا عمل پہلی روایت کے نسخ ہونے کی دلیل بن جائے گا۔ ان تمام آثار و روایات سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ درمیانی قعدہ میں صرف تشہد ہی پڑھنی ضروری ہے دعا کا یہ موقعہ نہیں۔

مسئلہ کا دوسرا پہلو کہ احناف تشہد میں جس ترتیب کے قائل ہیں وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بتائی گئی ترتیب کے خلاف ہے تو اس کا ایک جواب تو جواب اول میں ہی آ گیا تھا وہ یہ کہ ہمارے ہاں تشہد ابن مسعود کو بہت سی وجوہ کی بنا پر ترجیح ہے اس میں وہی ترتیب ہے جو احناف نے اپنائی ہے۔ علاوہ ازیں احناف کی ترتیب کا مستقل طور پر ثبوت بھی موجود ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

من حديث فضالة ابن عبيد قال سمع النبى ﷺ رجلا يدعوفى صلوة لم يحمد الله ولم يصلى على النبى ﷺ فقال عجل هذا ثم دعاه فقال اذا صلى احدكم فليبدا بتحميد ربه والثنى عليه ثم يصلى على النبى ثم يدعوا بماشاء وهذا مما

فضالہ بن عبید کی حدیث فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اپنی نماز میں دعا کرتے سنا اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور نہ رسول کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا فرمایا اس نے جلد بازی کی ہے پھر اسے بلایا اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے اپنے رب کی حمد و ثناء سے نماز کی

یدل علی ان قول ابن مسعود المذکور قریبا مرفوعا فانه بلفظه.

(فتح الباری ج۱۱ص ۱۳۸ باب الصلوٰۃ علی النبی)

ابتدا کرنی چاہیے پھر حضور ﷺ پر درود شریف پڑھ کر پھر جو چاہے دعا مانگے ۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکور قول قریباً مرفوع ہے کیونکہ اس کے الفاظ ویسے ہی ہیں۔

صاحب فتح الباری علامہ ابن حجر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کو حدیث مرفوع کے طور پر پیش کیا یعنی نماز میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پھر درود شریف اور آخر میں دعا دراصل حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب ہے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جس قول کا ذکر علامہ ابن حجر نے کیا وہ قول بھی انہوں نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه راوی حدیث الباب مایقتضیه فعند سعید ابن منصور وابی بکربن ابی شیبة باسناد صحیح الی ابی الاحوص قال قال عبد الله یتشهد الرجل فی الصلوة ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یدعو لنفسه بعد.

(فتح الباری ج۲ص ۲۵۶ باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشھد)

اس باب کی حدیث کے راوی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس کو وہ چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ سعید بن منصور اور ابوبکر بن ابی شیبہ اسناد صحیح کے ساتھ ابی احوص تک اور وہ کہتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن مسعود فرماتے تھے کہ آدمی نماز میں تشہد پڑھے اور پھر نبی پاک پر درود پڑھے اور پھر اپنے لیے دعا مانگے ۔

لہٰذا حدیث مرفوع سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے تشہد کی ترتیب وہی بیان فرمائی جس پر احناف کا عمل ہے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پھر نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر صلوٰۃ وسلام اور آخر میں اپنے لیے (اور تمام مسلمانوں کے لیے) دعا کرے۔ حدیث مرفوع کے ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

فاعتبروا یااولی الابصار

۴۲- بَابُ السُّنَّةِ فِی السُّجُوْدِ

سجدہ میں سنت طریقہ

۱۴۶- اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِیْ يَضَعُ جَبْهَتَهٗ عَلَيْهِ قَالَ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ فِیْ بَرْدٍ شَدِیْدٍ اَنَّهٗ لَيُخْرِجُ كَفَّيْهِ مِنْ بُرْنُسِهٖ حَتّٰى يَضَعَهُمَا عَلَى الْحَصٰى.

ابن عمر سے جناب نافع نے امام مالک کو خبر دی کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ اسی چیز پر رکھتے تھے جس پر ان کی پیشانی ہوتی ۔ نافع کہتے ہیں کہ میں نے انہیں سخت سردی میں دیکھا کہ انہوں نے سجدہ کے لیے اپنے ہاتھ جبہ سے نکالے اور کنکریوں پر رکھ کر سجدہ کیا۔

۱۴۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ فِی الْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ ثُمَّ اِذَا رَفَعَ جَبْهَتَهٗ فَلْيَرْفَعْ كَفَّيْهِ فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ.

ہمیں نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ آپ فرمایا کرتے تھے جس نے سجدہ کرتے وقت پیشانی زمین پر رکھی تو اسے ہاتھ بھی زمین پر رکھنے چاہئیں پھر جب پیشانی کو اٹھائے تو ہاتھوں کو بھی اٹھائے کیونکہ چہرہ کی طرح ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَنْبَغِیْ لِلرَّجُلِ اِذَا وَضَعَ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا اَنْ يَّضَعَ كَفَّيْهِ بِحِذَاءِ اُذُنَيْهِ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل اس کے مطابق ہے مرد کو چاہیے کہ جب سجدہ کے لیے زمین پر اپنی پیشانی رکھے تو ہاتھ بھی زمین پر

وَيَجْمَعُ اَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَلَا يَفْتَحُهَا فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ رَفَعَهُمَا مَعَ ذَالِكَ فَاَمَّا مَنْ اَصَابَهُ بَرْدٌ يُؤْذِيْ وَجَعَلَ يَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ مِنْ تَحْتِ كِسَاءٍ اَوْثَوْبٍ فَلَا بَاْسَ بِذَالِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

کانوں کے برابر رکھے ہاتھ کی انگلیوں کو بند رکھے اور ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو پھر جب سجدہ سے سر اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے۔ ہاں جس کو سردی کی وجہ سے ایسا کرنے میں تکلیف واذیت ہوتی ہو اور اس اذیت کے پیش نظر اس نے حالت سجدہ میں اپنے ہاتھ چادر یا کپڑے کے نیچے سے ہی ہاتھ زمین پر رکھ لیے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مذکورہ آثار میں ایک مسئلہ یہ بیان ہوا کہ سجدہ کی حالت میں نمازی کو ہاتھ چادر وغیرہ سے نکال کر زمین پر رکھنا چاہیں۔ کیا ایسا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ سو اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ایسا کرنا اگرچہ واجب نہیں لیکن پھر بھی استحباب بلکہ سنت سے کم بھی نہیں لہٰذا چادر وغیرہ سے ہاتھ نکال کر سجدہ کرنا بہر حال بہتر اور سنت پر عمل کرنا ہے اور اگر نہ بھی نکالے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے ہاتھ نکالنے پر ہی زور دیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

عن محمد ان ابن عمر يخرج يديه اذا سجد وانهما لتقطران دما. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۷ من كان يخرج يديه اذا سجد دائرة القران کراچی پاکستان)

محمد بن اسیرین کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ باہر نکال لیتے حالانکہ ان دونوں سے خون کے قطرات بہہ رہے ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذکورہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے یہ عمل سرکار دو عالم ﷺ سے سیکھا لیکن اس میں بوجہ عذر گنجائش ہے اس لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بوجہ سردی سجدہ میں ہاتھوں کا نہ نکالنا بھی ثابت ہے۔

عن حميد قال رايت الحسن يلبس انجانيا في الشتاء ولا يخرج يديه منه.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۶)

حمید کہتے ہیں کہ میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو انجانیہ جبہ پہنے ہوئے دیکھا کہ سردی میں انہوں نے سجدہ کے لیے ہاتھ نہیں نکالے۔

تو معلوم ہوا کہ سجدہ کے وقت چادر وغیرہ سے ہاتھ نکال کر سجدہ کرنا مستحب یا سنت ہے بعض صحابہ کرام اس پر سختی سے عمل کرتے تھے اور کچھ جانب جواز سے کام لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما باوجود زخمی ہونے کے ہاتھوں کو نکال کر سجدہ کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہاتھوں کو نکال کر سجدہ کرنے والے کے لیے حضرات صحابہ کرام سے تحسین بھرے الفاظ منقول ہیں۔

قال عمر اذا سجد احدكم فليباشر بكفيه الارض لعل الله لصرف عنه افعال ان غل يوم القيامة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۶)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے اپنے ہاتھ نکال کر زمین پر رکھنے چاہئیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کو اس کی کسی خیانت سے درگزر فرمادے۔

ددوسرا مسئلہ یعنی حالت سجدہ میں دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہوں اور انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور ان کا رخ جانب قبلہ ہو اگرچہ اس کیفیت کی تصریح امام محمد کے ذکر کردہ آثار میں موجود نہیں لیکن پھر بھی اسے ان کی اپنی تحقیق نہیں کہیں گے بلکہ اس کیفیت کا ماخذ حدیث وآثار ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبد الرحمن بن قاسم قال صليت الى جنب حفص بن عاصم فلما سجدت فرجت بين

عبدالرحمٰن بن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے حفص بن عاصم کے پہلو میں نماز پڑھی جب میں نے سجدہ کیا تو میں نے انگلیوں کو کشادہ

اصابع املت کفی عن القبلة فلما سلمت قال یا ابن اخی اذا سجدت فاضم اصابعک ووجه یدیک قبل القبلة فان الیدین تسجدان مع الوجه حدثنا وکیع قال کان سفیان یفرج بین اصابعه فی الرکوع ویضم فی السجود.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۶۰)

رکھا اور ہتھیلی کو قبلہ سے ہٹا کر رکھا جب سلام پھیرا تو انہوں نے مجھے کہا بھتیجے! جب سجدہ کرو تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ملالیا کرو اور ہاتھوں کو قبلہ کی طرف رکھا کرو۔ بے شک چہرہ کے ساتھ ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ہمیں جناب وکیع نے حدیث سنائی کہ سفیان رضی اللہ عنہ حالت سجدہ میں انگلیوں کو ملایا کرتے تھے اور رکوع میں کھلا رکھتے تھے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٣- بَابُ الْجُلُوْسِ فِی الصَّلٰوۃِ

نماز میں بیٹھنے کا بیان

١٤٨- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ صَلّٰی اِلٰی جَنْبِہٖ رَجُلٌ فَلَمَّا جَلَسَ الرَّجُلُ تَرَبَّعَ وَثَنٰی رِجْلَیْہِ فَلَمَّا انْصَرَفَ ابْنُ عُمَرَ عَابَ ذَالِکَ عَلَیْہِ قَالَ الرَّجُلُ فَاِنَّکَ تَفْعَلُہٗ قَالَ اِنِّیْ اَشْتَکِیْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابن عمر سے عبد اللہ بن دینار نے بتایا کہ ایک شخص نے ان کے پہلو میں نماز پڑھی جب وہ بیٹھا تو چارزانوں ہوگیا اور اپنے قدموں کو اندر کی طرف پھیر لیا جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا وہ کہنے لگا جناب آپ نے بھی تو میری طرح ہی جلوس فرمایا ہے فرمانے لگے: میں نے بوجہ بیماری ایسا کیا ہے۔

جلوس میں چارزانو بیٹھنا جبکہ عذر کے بغیر ہو تو مکروہ ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چارزانو بیٹھنے والے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل بلاوجہ اچھا نہیں ہے۔

١٤٩- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَرٰی اَبَاہُ یَتَرَبَّعُ فِی الصَّلٰوۃِ اِذَا جَلَسَ قَالَ فَفَعَلْتُہٗ وَاَنَا یَوْمَئِذٍ حَدِیْثُ السِّنِّ فَنَہَانِیْ اَبِیْ فَقَالَ اِنَّہَا لَیْسَتْ بِسُنَّۃِ الصَّلٰوۃِ وَاِنَّمَا سُنَّۃُ الصَّلٰوۃِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمْنٰی وَتُثْنِیَ رِجْلَکَ الْیُسْرٰی.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر سے عبد الرحمٰن بن قاسم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر کو میں نے نماز میں بیٹھتے وقت چارزانو بیٹھے دیکھا میں نے ایسے ہی کیا 'میں ان دنوں کم عمر تھا تو میرے والد گرامی (ابن عمر) نے مجھے منع کیا اور فرمایا: یہ طریقہ نماز کی سنت نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ تو بیٹھتے وقت اپنا دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بایاں بچھالے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِہٰذَا نَاْخُذُ وَہُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَقَالَ مَالِکُ ابْنُ اَنَسٍ یَاْخُذُ بِذَالِکَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ وَاَمَّا فِی الرَّابِعَۃِ فَاِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ یُفْضِی الرَّجُلُ بِاَلْیَتَیْہِ اِلَی الْاَرْضِ وَیَجْعَلُ رِجْلَیْہِ اِلَی الْجَانِبِ الْاَیْمَنِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اور مالک بن انس پہلی دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے وقت اسی پر عمل کرتے لیکن چوتھی رکعت میں وہ کہا کرتے کہ مرد کو چاہیے کہ اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر اپنے سرین زمین پر رکھے۔

١٥٠- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا صَدَقَۃُ ابْنُ یَسَارٍ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ ابْنِ حَکِیْمٍ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یَجْلِسُ عَلٰی عَقِبَیْہِ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ فَذَکَرْتُ لَہٗ فَقَالَ اِنَّمَا فَعَلْتُہٗ مُنْذُ اشْتَکَیْتُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا صدقہ بن یسار نے کہ مغیرہ ابن حکیم نے کہا کہ میں نے نماز میں دو سجدوں کے درمیان عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی ایڑیوں پر بیٹھے دیکھا پس میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: جب سے میں

بیمار ہوں ایسا کرتا ہوں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى عَقِبَيْهِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَلٰكِنَّهٗ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا كَجُلُوْسِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے کہ دو سجدوں کے درمیان ایڑیوں کے بل نہ بیٹھے جیسے قعدہ (تشہد) میں بیٹھتے ہیں اور یہ ہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

احناف کے نزدیک قعدہ اولیٰ اور قعدہ ثانیہ میں مرد کے بیٹھنے کی کیفیت ایک ہی ہے یعنی یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھا جائے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا جائے اور یہی طریقہ حضرت ابن عمر نے ''سنت'' کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ غیر مقلدین کے ہاں بیٹھنے کا طریقہ ''تورک'' ہے یعنی دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر سرین پر بیٹھنا۔ غیر مقلدین اپنے اس عمل پر چند دلائل پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

غیر مقلدین کے اثبات تورک پر دو عدد دلائل

دلیل اول:

عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبی ﷺ قال فذكرنا صلوة رسول الله ﷺ فقال ابو حميد الساعدى انا كنت احفظكم لصلوة رسول الله ﷺ رايته اذاكبر جعل يديه حذو منكبيه واذا ركع امكن يديه من ركبتيه ثم هصر ظهره فاذا رفع رأسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه واذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجليه واذا جلس فی الركعتين قدم رجليه ثم جلس على رجله اليسرى واذا جلس فی الركعة الاخرة قدم رجله اليسرى وجلس على مقعدته رواه البخاری فی الصحيح.

(بیہقی ج ۲ ص ۱۲۷ باب کیفیۃ الجلوس فی التشھد)

محمد بن عمرو بن عطاء کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو اس دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا تذکرہ آیا۔ ابوحمید ساعدی کہنے لگے میں تم میں سے زیادہ جاننے والا ہوں کہ حضور ﷺ کیسے نماز ادا فرمایا کرتے تھے؟ میں نے دیکھا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے اور جب رکوع فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر خوب ٹکا کر رکھتے تھے پھر پشت انور برابر کرتے جب رکوع سے سر انور اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ پشت کا ہر مہرا اپنی جگہ پر آ جاتا جب سجدہ فرماتے تو دونوں ہاتھ نہ تو بچھا کر اور نہ ہی جسم کے ساتھ ملا کر رکھتے (بلکہ درمیانی کیفیت ہوتی) اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رخ جانب قبلہ ہوتا' جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھا لیتے اور سرین پر بیٹھتے۔ یہ روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔

جواب: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ روایت میں سرکار دوعالم ﷺ کا آخری تشہد میں تورک فرمانا بوجہ عذر تھا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بوجہ عذر اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنے بیٹے کو تورک سے منع فرمایا تو اسے خلاف سنت کہا تھا اور اپنے تورک کو عذر پر محمول فرمایا تھا۔ ابوحمید ساعدی نے بوجہ عذر آپ کو تورک فرماتے دیکھ کر یہ بیان کر دیا کہ حضور ﷺ کا عمل شریف بلا عذر اور دائمی یہی تھا حالانکہ ایسا نہ تھا اسی لیے امام ترمذی نے اس موضوع پر لکھا کہ اکثر اہل علم اور حضرات صحابہ کرام کا عمل یہ تھا کہ وہ نماز میں ''تورک'' نہیں کرتے تھے۔

دلیل دوم:

حدثنامحمد ابن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرة من اصحاب النبی ﷺ احدهم ابو قتادة قال قال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة رسول الله ﷺ فقالوا لم فوالله ما کنت اکثرنا له تبعة ولا اقدمنا له صحبة فقال بلی قالوا فاعرض فذکر انه کان فی الجلسة الاولی یثنی رجله الیسری فیقعد علیها حتی اذا کانت السجدة التی یکون فی اخرها السلیم اخر رجله الیسری وقعد متورکا علی شقه الیسر قال فقالوا جمیعا صدقت.

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸ باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ)

ہمیں محمد بن عمرو بن عطاء نے بتایا کہ میں نے ابوحمید ساعدی سے سنا کہ دس صحابہ کرام کہ جن میں سے ایک حضرت ابوقتادہ بھی تھے۔ ابوحمید ساعدی کہنے لگے کہ میں تم میں سے حضور ﷺ کی نماز کو زیادہ جاننے والا ہوں صحابہ کرام نے کہا خدا کی قسم! یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ تم نہ تو ہم سے زیادہ آپ کی اتباع کرنے والے ہو اور نہ صحبت کے اعتبار سے ہم سے پہلے ہو۔ ابوحمید ساعدی کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے۔ صحابہ کرام نے کہا اچھا تو حضور کی نماز بیان کرو کہنے لگے کہ آپ پہلے قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھتے جب آپ آخری قعدہ میں بیٹھتے کہ جس کے بعد سلام پھیرنا ہوتا تو آپ اپنا بایاں پاؤں پیچھے نکال کر دائیں جانب ''تورک'' کر کے بیٹھتے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کے بارے میں یہ بیان کیا تو موجود صحابہ کرام نے کہا تو نے سچ کہا ہے۔

روایت مذکورہ میں جب حضرت ابوحمید ساعدی نے حضور ﷺ کے آخری قعدہ میں بیٹھنے کی کیفیت ''تورک'' بیان کی تو اس پر موجود صحابہ کرام نے ان کی اس بات پر تصدیق کی جس سے ثابت ہوا کہ آخری قعدہ میں ''تورک'' سنت حضور ﷺ ہے اور اسی پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے۔

جواب اول: مذکورہ حدیث متصل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا موجود ہونا اور راوی کا ابوحمید ساعدی سے سماعت کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جناب ابوقتادہ کا زمانہ راوی محمد بن عمر نے نہیں پایا لہٰذا روایت مذکورہ میں عدم اتصال کے ساتھ ساتھ کذب بھی پایا جاتا ہے۔ امام طحاوی کی مذکورہ حدیث پر جرح بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

والذی رواه محمد بن عمر فغیر معروف ولا متصل عندنا عن ابی حمید لان فی حدیثه انه حضر ابا حمید و ابا قتادة ووفاة ابی قتادة قبل ذالک بدهر طویل لانه قتل مع علی رضی الله عنهما وصلی علیه علی فاین سن محمد ابن عمر بن عطاء من هذا. (طحاوی ج ۱ ص ۲۶۱ باب صفۃ الجلوس)

محمد بن عمر کی روایت غیر معروف اور غیر متصل ہے کیونکہ ان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ ابوحمید اور قتادہ کی مجلس میں حاضر تھا حالانکہ حضرت ابوقتادہ کا اس سے کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا کیونکہ وہ علی المرتضٰی کے ساتھ قتل کیے گئے تھے اور ان کی نماز جنازہ بھی علی المرتضٰی نے پڑھائی تھی لہٰذا محمد بن عمر بن عطاء کی عمر اور ان کا زمانہ کہاں اور وہ کہاں؟

علاوہ ازیں مذکورہ حدیث کے آخری الفاظ کہ ''صحابہ کرام نے حمید ساعدی کی تصدیق کی'' ایک دوسری سند میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ امام طحاوی نے دوسری سند یوں ذکر کی ہے۔ **عن محمد بن عمر بن عطاء عن حمید ساعدی عن رسول الله ﷺ نحوه غیر انه لم یقل فقالوا جمیعا صدقت** (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸ باب صفۃ الجلوس) تو معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت مجروح ہے اور الفاظ کے اعتبار سے بھی مختلف ہے لہٰذا اس قسم کی حدیث سے جبکہ اس کے مقابلہ میں غیر مجروح، متصل اور صحیح حدیث ہو استدلال کب درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ ''تورک'' کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

جواب دوم: مذکورہ راوی جناب ابوحمید ساعدی سے ہی اسی موضوع پر ایک روایت تورک کے خلاف بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن العباس بن سهل عن ابی حمید الساعدی انه كان يقول لاصحاب رسول الله ﷺ انا اعلمكم بصلوة رسول الله ﷺ قالوا من این قال رقبت ذالك عنه حتی حفظت صلوته قال كان رسول الله ﷺ اذا قام للصلوة كبر ورفع يديه. فاذا قعد تشهد اضجع رجله اليسرى ونصب اليمنى على صدرها وتشهد.

ابوحمید ساعدی سے عباس بن سہل بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے صحابہ کو کہا کرتے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ کا نماز پڑھنا غور سے دیکھا کہ مجھے یاد ہوگئی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر دایاں اگلے حصہ پر کھڑا رکھ کر بیٹھ جاتے اور تشہد پڑھتے۔

(طحاوی ج ا ص ۲۶۰ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ)

(جناب ابوحمید ساعدی ہی تورک کے خلاف حضور ﷺ کا عمل شریف روایت کرتے ہیں اور یہ حدیث صحیح و متصل ہے۔ اس لیے احناف کا عمل خلاف حدیث نہیں بلکہ احادیث صحیحہ کے مطابق ہے۔ اس پر چند اور شواہد ملاحظہ ہوں)۔

قعدہ میں ''تورک'' نہ کرنے اور احناف کی تائید میں چند احادیث وآثار

(۱) حضرت علی المرتضیٰ کا عمل

عن علی انه كان ينصف اليمنى ويفترش اليسرى. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۸۴ یفترش الیسری وینصب الیمنی)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ قعدہ میں دایاں پاؤں کھڑا کرکے بایاں بچھا کر بیٹھتے تھے۔

(۲) سیدہ عائشہ صدیقہ کا قول

عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ اذا سجد ورفع رأسه لم يسجد حتى يستوى جالسا وكان يفترش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۸۴)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب سجدہ فرماتے اور پھر سر انور سجدہ سے بلند فرماتے تو دوسرا سجدہ اس وقت تک نہ فرماتے جب تک سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جاتے آپ دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور بایاں بچھاتے۔

(۳) حضرت ابراہیم کا قول

عن ابراهيم قال كان النبى ﷺ اذا جلس فى الصلوة افترش رجله اليسرى حتى اسود ظهر قدمة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۸۴)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز میں جب جلوس فرماتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے حتیٰ کہ آپ کے قدم انور کا ظاہری حصہ سیاہ پڑھ گیا تھا۔

(٤) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

عن ابن عمر ان من سنة الصلوة ان يفترش الرجل اليسرى وان ينصب اليمنى.

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۸۴ ج ا)

عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ آدمی اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے۔

عن انس ان النبی ﷺ نھی عن الاقعاء والتورک فی الصلوۃ.

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۱۲۰ باب الاقعاء المکروہ فی الصلاۃ)

مذکورہ آثار و احادیث میں حضور ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کا عمل یہی نظر آتا ہے کہ نماز کے قعدہ میں یہ حضرات تورک نہیں کیا کرتے تھے۔ آخری حدیث میں تو صاف موجود کہ نبی کریم ﷺ نے تورک سے منع فرمایا اور یہ منع کسی مخصوص قعدہ کے لیے نہیں بلکہ مطلقاً ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ قعدہ میں مطلقاً (چاہے وہ قعدہ اولیٰ ہو یا ثانیہ) تورک ممنوع ہے یہی احناف کا مسلک تورک کے ممنوع ہونے کے ساتھ ساتھ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں بچھا کر اس پر بیٹھنا سنت نماز قرار دیا گیا تو صاف واضح کہ قعدہ میں سنت طریقہ یہی ہے۔

اشکال: آخری حدیث کے بارے میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے تورک سے جو منع فرمایا اس سے مراد قعدہ اولیٰ ہے لہٰذا یہ مقید ہے اور مقید کا حکم یہی ہوا کہ قعدہ ثانیہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

جواب: اولاً ہم یہ کہیں گے کہ تقیید و تخصیص کے لیے کوئی دلیل و قرینہ چاہیے جو معترض کے پاس نہیں اور بغیر قرینہ تخصیص جائز نہیں۔ دوسرا یہ کہ حدیث مذکور میں دو باتوں سے آپ نے منع فرمایا اقعاء اور تورک لہٰذا جب تورک قعدہ اولیٰ کے ساتھ مخصوص کیا جائے گا تو اقعاء کو بھی اسی حکم میں رکھنا پڑھے گا یعنی قعدہ اولیٰ میں اقعاء اور تورک ممنوع ہیں۔ قعدہ ثانیہ میں جائز ہیں حالانکہ اقعاء کے قعدہ ثانیہ میں جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔

عن وائل بن حجر الحضرمی قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فقلت لا حفظن صلوۃ رسول اللہ ﷺ قال فلما قعدلتشھد فرش رجلہ الیسری ثم قعد علیھا ووضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری ووضع مرفقہ الایمن علی فخذہ الیمنی ثم عقد اصابعہ وجعل الحلقۃ الابھام والوسطی ثم جعل یدعوابالاخری.

وائل بن حجر حضرمی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی میں نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی نماز بہت زیادہ یاد ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب آپ تشہد کے لیے بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ گئے اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی (ہاتھ) اپنی دائیں ران پر رکھی پھر انگلیوں کو بند کیا' انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنایا اور دوسری کے ساتھ اشارہ کیا۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۹ باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ)

جناب وائل بن حجر سے مروی روایت بالا متصل اور مرفوع ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے جلوس کا طریقہ اپنی پختہ یادداشت کے حوالہ سے ذکر کیا۔ یہی طریقہ جلوس کہ جسے احناف اختیار کیے ہوئے ہیں اسی میں غیر مقلدین نے اختلاف کیا ہے۔ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بیٹھنا تو انہیں بھی تسلیم لیکن بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنے کی بجائے وہ چوتڑوں پر بیٹھنا سنت کہتے ہیں۔ جناب وائل کی مذکورہ روایت کے مطابق اگر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا جائے تو پھر سرین زمین پر نہیں لگتے بلکہ وہ بائیں بچھے ہوئے پاؤں پر رہتے ہیں۔ اس حدیث میں اگرچہ بیٹھنے کا یہ طریقہ مطلقاً مذکور ہوا لیکن امام طحاوی نے اس سے قعدہ ثانیہ کا بیٹھنا مراد لیا اور کہا کہ وفی قول وائل ثم عقد اصابعہ یدعوا دلیل علی انہ کان فی اخر الصلوۃ۔ یعنی جناب وائل کا یہ بیان کرنا کہ آپ نے ہاتھ کی انگلیاں بند کیں اور دعا کی تو دعا چونکہ آخری قعدہ میں ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ قعدہ آخری قعدہ ہے۔ بہرحال ثابت ہوا کہ مطلقاً قعدہ کا طریقہ یہی ہے کہ نمازی اپنا دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور تورک

درست نہیں اور جن روایات میں تورک کا اثبات ہے وہ حالت عذر پر محمول کی جائیں گی۔ حضور ﷺ کی فعلی، قولی سنت اور حضرات صحابہ کرام کا عمل اسی (عدم تورک) کی تائید وتوثیق کرتے ہیں اور یہی مسلک احناف ہے تو معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک خود ساختہ نہیں بلکہ اس کی اصل موجود ہے۔ اس کے خلاف تورک کے قائلین کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت اور مضبوط دلیل نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٤- بَابُ صَلٰوةِ الْقَاعِدِ

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان

١٥١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ مَارَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ قَاعِدًا قَطُّ حَتّٰى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهٖ بِعَامٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِنْهَا.

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہیں مطلب بن ابی وداعہ السہمی سے سائب بن یزید نے اور انہیں حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ میں نے حضور ﷺ کو آپ کی وفات سے ایک سال پہلے تک کبھی بھی نفل بیٹھ کر پڑھتے نہ دیکھا۔ وفات سے ایک برس قبل آپ نماز نفل بیٹھ کر ادا فرماتے اور اس میں کوئی سورۃ ایسی ترتیل سے ادا فرماتے کہ وہ چھوٹی ہونے کے باوجود بہت بڑی معلوم ہوتی۔

١٥٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ مَوْلًى لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ صَلٰوةُ اَحَدِكُمْ وَهُوَ قَاعِدٌ مِثْلُ نِصْفِ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ قَائِمٌ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے آزاد کردہ غلام سے انہوں نے جناب عبداللہ بن عمر سے روایت بیان کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والا۔ (ثواب میں) کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے نصف کے برابر ہے۔

١٥٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ نَالَنَا وَبَاءٌ مِّنْ وَّعْكِهَا شَدِيْدٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ فِيْ سُبْحَتِهِمْ قُعُوْدًا فَقَالَ صَلٰوةُ الْقَاعِدِ عَلٰى نِصْفِ صَلٰوةِ الْقَائِمِ.

زہری سے جناب مالک نے ہمیں خبر دی کہ انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا ہم جب مدینہ منورہ آئے تو ایک شدید وبائی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے تو لوگ نفلی نماز بیٹھ کر پڑھ رہے تھے فرمایا: بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز کے نصف کے برابر ہے۔

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ کثرت نوافل سے تھوڑے نوافل پڑھنا اس طرح کہ ان کا رکوع وسجود اطمینان سے ہو اور قرأت ٹھہر ٹھہر کر ہو یہ بہتر ہے۔ دوسرا یہ کہ نوافل اگرچہ بیٹھ کر ادا کرنے (بلا عذر) جائز ہیں لیکن ان کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا رہ جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس سے نوافل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے یہی جواب دیا۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ جاؤ اور تازہ تازہ اس بارے میں حضور ﷺ سے کچھ پوچھ کر آؤ۔ جب بوجہ اصرار آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ بیٹھ کر نفل ادا فرما رہے ہیں۔ فراغت پر عرض کیا کیا آپ نے بیٹھ کر پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے نصف کے برابر قرار نہیں دیا؟ تو فرمایا بات یہی ہے لیکن "لا تقیسونی علی احد ولا تقیسوا احد اعلی" یعنی نہ مجھ پر تم کسی کو قیاس کرو اور نہ مجھے کسی پر قیاس کرو"۔ یعنی میں بیٹھ کر

بھی پڑھوں تو ثواب میں کمی نہیں ہے۔ اس عظمت کے باوجود آپ نے بروایت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا آخری ایک سال چھوڑ کر کبھی بیٹھ کر نوافل ادا نہیں فرمائے اس لیے بغیر عذر نفل کھڑے ہو کر ادا کرنا بہت بہتر ہیں۔

١٥٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلٰوةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ جَالِسٌ فَصَلَّيْنَا جُلُوْسًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ اِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا اَجْمَعِيْنَ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے انہیں حضرت انس بن مالک نے خبر دی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس سے گر کر آپ کے دایاں پہلو پر خراش آ گئی پھر آپ نے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی سو ہم نے بھی بیٹھ کر پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو جب وہ رکوع میں جائے، تم بھی رکوع میں جاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا لِلتَّطَوُّعِ مِثْلُ نِصْفِ صَلٰوتِهٖ قَائِمًا فَاَمَّا رُوِيَ مِنْ قَوْلِهٖ اِذَا صَلَّى الْاِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا فَقَدْ رُوِيَ ذٰلِكَ وَقَدْ جَاءَ مَا قَدْ نَسَخَهٗ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے کہ آدمی کا بیٹھ کر نفل ادا کرنا اس کے کھڑے ہو کر نفل پڑھنے سے نصف کے برابر ہے اور یہ جو روایت کی گئی کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اگرچہ یہ روایت ہے لیکن اس کی ناسخ روایات بھی موجود ہیں۔

مذکورہ حدیث شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے گھوڑے سے گر جانے کی وجہ سے جب نماز بیٹھ کر ادا فرمائی تو صحابہ کرام نے بھی (بلا عذر) آپ کے پیچھے بیٹھ کر ادا کی اور حضور ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا کہ امام کی اقتدا کرنا ضروری ہے وہ کھڑے ہو کر پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو حالانکہ احناف اس کے خلاف کرتے ہیں یعنی امام اگرچہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تب بھی مقتدیوں کو بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر پڑھنی چاہیے تو معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک مذکورہ حدیث کے خلاف ہے۔ اس کا امام محمد نے یہ جواب دیا کہ یہ حکم منسوخ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ناسخ باعتبار زمانہ مؤخر ہونا چاہیے تو کیا یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بعد کوئی ایسی نماز پڑھائی کہ جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہوں اور صحابہ کرام کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے ہوں؟ تو اس کا ثبوت درج ذیل روایت ہے۔

(صرف ترجمہ پیش خدمت ہے)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت عالیہ میں جناب عبد اللہ بن عباس حاضر ہو کر ان سے حضور ﷺ کا مرض وفات پوچھتے ہیں تو مائی صاحبہ فرماتی ہیں۔ آپ بیمار ہوئے تو پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا ابھی آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں فرمایا: میرے لیے کھلے برتن (ٹب) میں پانی رکھو' پانی رکھا گیا آپ نے غسل فرمایا اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے ہوش آنے پر پھر پوچھا: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ آخر کار آپ نے فرمایا جاؤ اور ابو بکر کو کہو کہ نماز پڑھائیں' ابو بکر نے رقیق القلب ہونے کی بنا پر عمر بن الخطاب کو کہا لیکن انہوں نے کہا یہ حق تمہارا ہی ہے لہٰذا آپ کچھ دن امامت کراتے رہے۔ جب حضور ﷺ کو افاقہ ہوا تو نماز ظہر کے لیے دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے آپ کو دیکھتے ہی ابو بکر مصلّی امامت سے پیچھے ہٹنے لگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رک جاؤ اور فرمایا کہ مجھے ابو بکر کے پہلو میں بٹھا دو چنانچہ آپ نے امامت کرائی آپ خود بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو بکر

صدیق نے کھڑے ہو کر آپ کی نیابت کے فرائض سرانجام دیے اور صحابہ کرام نے ان کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

(صحیح مسلم ج اص ۱۷۷)

یہ حدیث یا واقعہ پہلی حدیث اور واقعہ کی ناسخ ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر ہی پڑھیں گے۔ یہی احناف کا مسلک ہے اور یہی حضور ﷺ کا آخری عمل ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵۵- قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ اَخْبَرَنَا اِسْرَائِیْلُ بْنُ یُوْنُسَ بْنِ اَبِیْ اِسْحَاقَ السَّبِیْعِیِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ یَزِیْدَ الْجُعْفِیِّ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَؤُمَّنَّ النَّاسَ اَحَدٌ بَعْدِیْ جَالِسًا فَاَخَذَ النَّاسُ بِھٰذَا۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں بشر نے بتایا انہیں احمد نے اور انہیں اسرائیل بن یونس بن ابو اسحاق سبیعی نے اور انہوں نے جابر بن یزید سے انہوں نے عامر الشعبی سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کوئی شخص بیٹھ کر لوگوں کی امامت نہ کرے۔ لوگوں نے اسی پر عمل کیا ہے۔

اس روایت میں حضور ﷺ کے حوالہ سے اس بات سے منع کر دیا گیا کہ کوئی امام بیٹھ کر نماز نہیں پڑھا سکتا لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ متفق علیہ بات نہیں بلکہ وہ یہی کہتے ہیں کہ اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس کی اقتدا درست ہے اور اس کی دلیل وہی صحیح مسلم والا واقعہ ہے جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور یہ حدیث' حدیث صحیح کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ اول یہ صرف ایک ہی سند سے مروی ہے اور دوم اس کا راوی جابر بن یزید جعفی سخت مجروح ہے بلکہ ہر قسم کا عیب اس میں موجود ہونے کی تصریحات پائی جاتی ہیں۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

قال شعبی لجابر یاجابر لاتموت حتی تکذب علی رسول اللہ ﷺ قال اسماعیل فما مضت الایام واللیالی حتی التھم بالکذب . عن ابی حنیفة ما لقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی وقال یحیی بن یعلی سمعت زائدة یقول جابر الجعفی رافضی یشتم اصحاب النبی ﷺ وقال عجلی کان ضعیفا یغلوفی التشیع . وقال ابن حبان کان سبائیا من اصحاب عبد اللہ بن سباء وکان یقول ان علیا یرجع الی الدنیا.

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷ مطبوعہ حیدر آباد دکن ہند)

امام شعبی نے جابر کو کہا اے جابر! تو اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھے گا اسماعیل کہتے ہیں کہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد جابر جھوٹ کے ساتھ متہم ہوا۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے جن لوگوں سے ملاقات کی ان میں سے جابر سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہ تھا۔ یحییٰ بن یعلی کہتے ہیں کہ میں نے زائدہ کو کہتے سنا کہ جابر جعفی رافضی تھا حضور ﷺ کے صحابہ کو گالی دیا کرتا تھا۔ عجلی کہتے ہیں کہ جابر ضعیف راوی تھا اور تشیع میں غلو کیا کرتا تھا اور ابن حبان کا کہنا ہے کہ یہ سبائی یعنی عبد اللہ بن سباء یہودی کے مقتدین میں سے تھا اور کہتا تھا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔

روایت مذکورہ کے مرکزی راوی پر جرح آپ نے پڑھی لہٰذا اس کی مروی روایت سے یہ ثابت کرنا کہ عذر کی وجہ سے امام بیٹھ کر نماز نہیں پڑھا سکتا یہ درست نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ امام محمد نے روایت مذکورہ کے آخر میں فرمایا کہ لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا تو صاف ظاہر کہ ان لوگوں سے مراد وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہیں جابر جعفی کی حقیقت حال کا علم نہ ہوا ہو اور اس کے کذب وضعف سے واقف نہ ہوئے ہوں ورنہ اس مجروح اور شدید ترین مجروح راوی کے مقابلہ میں صحیح اور متصل روایات موجود ہوتے ہوئے انہیں چھوڑنے کا الزام لازم آئے گا اور یہ بات انتہائی سخت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۵- بَابُ الصَّلٰوةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان

١٥٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا بُكَيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ كَانَتْ مَيْمُوْنَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ يُصَلِّيْ فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ لَيْسَ عَلَيْهَا اِزَارٌ.

ہمیں امام مالک نے بکیر بن عبد اللہ بن اشج سے انہوں نے عبید اللہ خولانی سے خبر دی کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ایک کرتہ اور اوڑھنی میں نماز پڑھتی تھیں' ان کے جسم پر ازار نہیں ہوتا تھا۔

١٥٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ سَائِلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ قَالَ اَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے سعید بن مسیب اور انہوں نے ابو ہریرہ سے روایت بیان کی کہ ایک سائل نے حضور ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟

١٥٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُوْسَى بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ اَبِيْ مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى عَامَ الْفَتْحِ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا بِثَوْبٍ.

ہمیں امام مالک نے موسیٰ بن میسرہ اور انہوں نے ابو مرہ غلام عقیل بن ابی طالب سے بیان کیا کہ جناب ام ہانی نے انہیں بتایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعات ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ادا فرمائیں۔

مرد اور عورت دونوں کے لیے نماز اور غیر نماز میں ستر عورت ضروری ہے۔ احناف کے نزدیک مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ ہے اور عورت (آزاد) کا تمام جسم (ماسوا چہرہ' ہاتھ اور پاؤں) ستر ہے۔ رہا یہ کہ ستر کرنے کے لیے کتنے کپڑے استعمال کرنا ضروری ہے اس کی کوئی پابندی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے مقصد بیان کرنے کے لیے دونوں قسم کی احادیث ذکر فرما دیں۔ عورت کا ستر اگر دو کپڑوں سے ہو سکتا ہے تو ان سے کرے۔ مرد کا اگر ایک ہی بڑے کپڑے سے ہو سکتا ہے تو اس سے ستر کرنا ضروری ہے۔ ہاں افضل یہ ہے کہ اگر میسر ہو تو تین کپڑوں میں نماز ادا کرنی چاہیے۔

١٥٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ اَبُو النَّضْرِ اَنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ اَبِيْ طَالِبٍ تُحَدِّثُ اَنَّهَا ذَهَبَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدَتْهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ وَذٰلِكَ ضُحًى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّيْ اَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا اَجَرْتُهُ فُلَانُ ابْنُ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِئٍ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے ابو نضر نے ابو مرہ مولیٰ عقیل سے خبر دی کہ انہوں نے ام ہانی بنت ابی طالب سے یہ بات سنی میں ایک دفعہ فتح مکہ کے سال حضور ﷺ کے ہاں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت غسل کی تیاری میں تھے اور سیدہ فاطمہ آپ کی صاحبزادی نے آپ کا پردہ کیا ہوا تھا میں نے سلام عرض کیا۔ پوچھا: کون ہے؟ یہ چاشت کا وقت تھا میں نے عرض کی میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں فرمایا: ام ہانی خوش آمدید! جب غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے آٹھ رکعات ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ادا فرمائیں پھر فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرا ماں جایا (علی المرتضیٰ) ایک ایسے آدمی کو مارنا چاہتا ہے جسے میں پناہ دے چکی ہوں یعنی فلاں ابن ہبیرہ تو آپ نے فرمایا: اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دے دی ہے۔

١٦٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ زَيْدِ نِ التَّيْمِيُّ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّهَا سَأَلَتْ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ مَاذَا تُصَلِّيْ فِيْهِ الْمَرْاَةُ قَالَتْ فِي الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ السَّابِغِ الَّذِيْ يُغَيِّبُ ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھ سے روایت کیا محمد بن زید تیمی نے کہ ان کی والدہ نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا اوڑھنی اور کرتہ میں جب کہ وہ اتنا لمبا ہو کہ اس سے پاؤں چھپ جائیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ فَاِذَا صَلَّى الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ تَوَشَّحَ بِهٖ تَوَشُّحًا جَازَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہی کپڑے کو اچھی طرح لپیٹ کر نماز پڑھ لے تو جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

یعنی عورت کے لیے ستر سر سے لے کر پاؤں تک چھپانا ہے اور اس کی مفصل بحث اسی موطا امام محمد کے آخر میں باب تفسیر میں آچکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ حدیث میں نماز چاشت کا ذکر ہوا۔ اس نماز کی رکعات باختلاف روایات دو تا بارہ ہیں۔ اس نماز کے فضائل کتب صحاح ستہ میں بکثرت وارد ہیں۔ چند فضائل الترغیب والترہیب سے منقول ہیں۔

(١) نماز چاشت کی دو رکعت پر پابندی کرنے والے کے گناہ اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں بخش دیئے جائیں گے۔
(٢) حدیث قدسی ہے کہ جو شخص دن کے شروع حصہ میں چار رکعت کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ بروز حشر اس کی حفاظت فرمائے گا۔
(٣) چاشت کی نماز کے لیے اچھا وضو کر کے دو رکعت پڑھنے والا یوں گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسا ابھی ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہو۔
(٤) چاشت کی دو رکعت پڑھنے والا غافلین میں سے نہیں لکھا جائے گا چار پڑھنے والا عابدین میں، چھ پڑھنے والا قیامت میں کفایت والوں میں اور آٹھ پڑھنے والا قانتین میں لکھا جائے گا اور بارہ پڑھنے والے کے لیے جنت میں محل تعمیر ہوگا۔
(٥) چاشت کی نماز اس دن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور اگر اس دن اس کا وصال ہو گیا تو جنتی ہوگا۔
(٦) امام نووی نے کہا کہ چاشت کی آٹھ رکعت پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ سے محفوظ رکھے گا اور اس کا دل نور ایمان سے چمکا دے گا لہٰذا اس نماز کی حتی الوسع پابندی کرنی چاہیے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

٤٦- بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ — نماز تہجد کا بیان

١٦١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ الصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ قَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمْ اَنْ يُّصْبِحَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى.

ہمیں امام مالک نے نافع سے انہیں ابن عمر نے خبر دی کہ ایک مرد نے حضور ﷺ سے نماز تہجد کے بارے میں پوچھا کہ اس کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: دو رکعت پس جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا خوف ہو تو اسے ایک رکعت پڑھ کر پڑھی گئی نماز کو وتر بنا لینا چاہیے۔

١٦٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهُنَّ بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے عروہ ان سے زہری اور انہوں نے امام مالک کو اور پھر انہوں نے ہمیں خبر دی کہ رسول کریم ﷺ رات (تہجد) کو گیارہ رکعت ادا فرمایا کرتے تھے ان

مِنْهَا اِضْطَجَعَ عَلٰی شَقِّهِ الْاَیْمَنِ .

میں سے ایک رکعت کے ساتھ وتر کرتے جب فارغ ہو جاتے تو دائیں جانب لیٹ کر آرام فرماتے۔

۱۶۳- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَیْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِنِ الْجُهَنِیِّ قَالَ قُلْتُ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهٗ اَوْفُسْطَاطَهٗ قَالَ فَقَامَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ دُوْنَهُمَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ دُوْنَ اللَّتَیْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن ابی بکر سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عبداللہ بن قیس بن مخرمہ سے انہوں نے زید بن خالد جہنی سے روایت کی کہ میں نے ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کی نماز تہجد پر پوشیدہ نگاہ رکھوں گا اس کے لیے میں نے آپ کے شامیانے یا دہلیز پر ٹیک لگالی۔ میں نے دیکھا کہ آپ اٹھے اور دو رکعت ہلکی سی ادا فرمائیں پھر دو رکعت بہت لمبی پڑھیں پھر دو رکعت ان دونوں سے کم طویل ادا فرمائیں پھر دو رکعت ان دو رکعتوں سے چھوٹی ادا فرمائیں جو ابھی ادا فرما چکے تھے پھر وتر ادا فرمائے۔

۱۶۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْکَدِرِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَامِنِ امْرَءٍ تَکُوْنُ لَهٗ صَلٰوةٌ بِاللَّیْلِ یَغْلِبُهٗ عَلَیْهَا نَوْمُهٗ اِلَّا کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ صَلٰوتِهٖ وَکَانَ نَوْمُهٗ عَلَیْهِ صَدَقَةً.

امام مالک نے ہمیں محمد بن منکدر سے خبر دی کہ انہیں سعید بن جبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات تہجد نماز پڑھنے کا عادی ہو لیکن کسی رات اس پر نیند کا غلبہ ہو جائے اور وہ سو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں نماز کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اس کی نیند اس کا صدقہ ہو جاتی ہے۔

روایات مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے بلکہ بعض روایات کے مطابق یہ نماز آپ پر فرض تھی۔ اس نماز کے بکثرت فضائل ہیں جو انشاء اللہ اپنے مقام پر پیش خدمت ہوں گے۔ ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ آپ دو رکعت کے ساتھ ایک اور ملا کر انہیں وتر بنا لیا کرتے تھے لیکن اکثر آپ کا معمول شریف یہ تھا کہ گیارہ رکعت ادا فرماتے جس میں آخری رکعت کو ملا کر وتر بنایا کرتے تھے جس کا مطلب یہ کہ آپ نماز تہجد آٹھ رکعت ادا فرماتے اور آخر میں تین رکعت وتر پڑھتے تھے لیکن یاد رہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گیارہ رکعت والی نماز ہر روز کی بیان فرما رہی ہیں یعنی رمضان اور غیر رمضان میں آپ اکثر گیارہ رکعت تہجد کے وقت ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس سے غیر مقلدین نے یہ سمجھ لیا کہ نماز تراویح آٹھ رکعت اور بقیہ تین رکعت وتر ہیں لیکن صاف ظاہر کہ آپ سال بھر میں پچھلی رات سو کر اٹھتے تو یہ نماز ادا فرماتے اور سارا سال رمضان نہیں ہوتا لہٰذا اس سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ روایت جو زید بن خالد جہنی سے مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ آپ ایک رکعت سے وتر کرتے تو اس سے بھی غیر مقلدین نے وتر کا ایک رکعت ہونا ثابت کیا ہے حالانکہ دو رکعت کے ضمن میں آخری دو رکعت کو ایک رکعت سے وتر کرنے کا ذکر صاف بتلاتا ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی تہجد کے عادی کی نماز کسی دن سوتے میں رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں نماز تہجد کا ثواب درج فرما دیتا ہے اور اس کو محروم نہیں رکھا جاتا۔

بحث وتر

غیر مقلدین وتر کے بارے میں دو باتوں کے معتقد ہے۔ ایک یہ کہ وتر صرف ایک رکعت کی نماز ہے اور دوسرا یہ کہ نماز وتر صرف سنت ہے (واجب نہیں) اپنے اس نظریئے کی وجہ سے وہ تین رکعت وتر ادا کرنے والوں اور اسے واجب کہنے والوں پر سخت تنقید کرتے

ہیں۔موطا کے اسی مقام پر مذکور حدیث کے تحت مولوی عطاء اللہ نے (جو محمد حسین بٹالوی کا شاگرد ہے) درج ذیل عبارت لکھی ہے۔
فائدہ: محمد بن نصر مروزی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مت پڑھو وتر کی رکعتیں تین تا کہ مشابہت نہ ہو مغرب کی نماز سے اور صحیح کہا اس حدیث کو حاکم نے اور روایت کیا محمد بن نصر مروزی اور حاکم اور ابن حبان نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً مانند اس کے اور طریقے سے اور اسناد کی شیخین کی شرط پر ہے اور روایت کیا مروزی اور نسائی نے ابن عباس اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے کہ مکروہ ہیں وتر کی تین رکعتیں پڑھنی اور سلیمان بن یسار سے بھی ایسے ہی مروی ہے تا کہ مشابہہ نہ ہو مغرب کے فرائض کے ساتھ اور کہا محمد بن نصر نے کہ ہم نے کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے نہیں پائی جس میں تین رکعت وتر پڑھنا ایک ہی سلام سے ثابت ہو اور غلط ہے کہنا ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ اجماع کیا ہے صحابہ کرام نے کہ تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنی چاہئیں۔محمد بن نصر مروزی نے کتاب قیام اللیل میں بہت اچھی طرح رد کیا۔ان لوگوں کا جو قائل ہیں۔اس بات کے کہ وتر واجب ہیں اور سنت ہونا وتروں کا بہت عمدہ طور پر ثابت کیا ہے اور کہا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس کے وجوب کو اختیار کیا ہے۔اس حدیث سے کہ زیادہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز اور وہ وتر ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے باوجود اس کے کہ اس سے وجوب نہیں نکلتا پھر ابن المبارک سے نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں یتیم تھے'' (ترجمہ موطا امام محمد از مولوی عطاء اللہ ص ۶۳)

عبارت ہذا سے پانچ درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں

(۱) مغرب کی نماز سے مشابہت کی وجہ سے تین رکعت وتر منع ہیں۔
(۲) حضور ﷺ سے وتر تین رکعت ہونے کے بارے میں کوئی حدیث نہیں ملتی۔
(۳) تین رکعت وتر پر احناف کا اجماع صحابہ کہنا غلط ہے۔
(٤) وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی مشابہت نوافل کے ساتھ ہے۔
(۵) امام ابوحنیفہ یتیم فی الحدیث ہیں۔

ہم ان درج بالا امور کا جو عطاء اللہ غیر مقلد کی عبارت سے ثابت ہوتے ہیں ترتیب وار جواب پیش کرتے ہیں۔
امر اول کا جواب: حضور ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ تنہا وتر ادا نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ نوافل (تہجد) کے ساتھ وتر ادا فرمایا کرتے تھے اور اسی عادت کریمہ کے ضمن میں امام طحاوی نے ایک مسند حدیث نقل فرمائی۔

عن سعيد بن المسيب عن عائشة رضى الله عنها قالت كان الوتر سبعا وخمسا وثلاثا فكرهت ان تجعل وتر ثلاثا يتقدم هن شيئا حتى يكون قبلهن غيرهن فلما كان الوتر عندها احسن مايكون هوان يتقدمه تطوعا اما اربع واما اثنان جمعت بذالك تطوع رسول الله ﷺ فى الليل الذى صلح به الوتر الذى بعدها والوتر فسميت ذالك وترا.
(طحاوی شریف ج ۱ ص ۲۸۵ باب الوتر)

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ وہ وتر کی سات، پانچ اور تین رکعات کہا کرتی تھیں اور اس بات کو ناپسند فرماتیں کہ وتر تین رکعت اس طرح پڑھے جائیں کہ ان سے قبل کچھ نہ پڑھا گیا ہو بلکہ وہ تین رکعت سے پہلے بھی کچھ رکعات کا پڑھنا پسند فرماتیں لہٰذا جب ان کے نزدیک وتر کا احسن طریقہ یہ ہے کہ ان سے پہلے چار یا دو رکعت بھی ہوں تو ان سب کو ملا کر وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز وتر شمار کرتیں اور اس رات کی وتر کی تعداد ان کے نزدیک وہ مجموعی رکعات ہوتیں جو وتر سے اور اس سے پہلے نوافل ادا کیے گئے ہوتے۔

مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک وتر کا احسن طریقہ روایت بالا سے آپ نے ملاحظہ فرمایا اس سے یہ استدلال کرنا کہ تین رکعت وتر سے منع کیا گیا ہے کس قدر جہالت اور ہٹ دھری ہے؟ اگر یہی استدلال کا طریقہ ہے تو پھر وتر کی تعداد پانچ یا سات ہونی چاہیے۔ تین سے بھاگ کر ایک کی طرف آنا آرام پسندی ہے۔ اگر واقعی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد پر عمل کرنے کا شوق ہے تو پھر پانچ یا سات رکعت وتر ہونے کی سنت کا قول کر کے ''حدیث کے عامل'' کہلوانا درست تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ مذکورہ استدلال کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امر دوم کا جواب: تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنے کا ثبوت نہ ملنا تو اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ محمد بن نصر مروزی کو کوئی ایسی حدیث نہ ملی نہ یہ کہ اس بارے میں کوئی حدیث موجود ہی نہیں ایک منصف مزاج کی طرح عطاء اللہ غیر مقلد کو بھی یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ محمد بن نصر مروزی ہی صرف اس دنیائے علم وفن میں اکیلے شخص نہیں بلکہ **"فوق کل ذی علم علیم"** ان سے بہتر علماء اور محدثین ہو گزرے کیا کسی نے بھی کوئی ایسی ایک حدیث کی نشاندہی نہیں کی جس میں وتر کی تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا ثبوت ہو؟ آیئے ہم آپ کو ان احادیث میں سے چند سے واقفیت کرائیں جو غیر مقلد کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔

عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لایسلم فی رکعتی الوتر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵ من کان یوتر بثلاث او اکثر دائرۃ القرآن کراچی)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرا کرتے تھے۔

عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا یسلم فی الرکعتین الاولین من الوتر. هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین.

(المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴ کتاب الوتر مطبوعہ حیدرآباد دکن ہند)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرا کرتے تھے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہیں۔

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ وتر کی ایک رکعت نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور یہ بھی کہ دو رکعت وتر پڑھنے پر حضور ﷺ سلام نہیں پھیرتے تھے تو لازماً تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہوں گے۔ اگر دو رکعت پر قعدہ اس نماز کا آخری قعدہ ہوتا تو اس کے اختتام پر سلام لازماً پھیرا جاتا لہٰذا معلوم ہوا کہ وتر کی رکعت ایک کہنے والے اور تین رکعت ایک سلام سے پڑھنے کے منکر مطالعہ کے اعتبار سے کوتاہ ہیں مستدرک میں ''وتر کی پہلی دو رکعتوں'' کا صاف مطلب ہے کہ ان دو رکعتوں کے بعد بھی کوئی رکعت تھی ورنہ یہ ''پہلی'' نہ ہوتیں۔ اس پر بھی اگر کوئی بضد ہو کہ ان روایات میں تم نے کھینچ تان کر تین رکعت اور وہ بھی ایک سلام سے ثابت کیا ہے کوئی صریح الفاظ والی حدیث پیش کرو تو لیجئے اس پر بھی حدیث مرفوع پڑھیے۔

حدثنا ابوبکر قال حدثنا ابوداود قال حدثنا ابوبکر النهشلی عن حبیب بن ابی ثابت عن یحیی بن الجزار عن ابن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات.

(طحاوی ج ۱ ص ۲۸۷ باب الوتر مطبوعہ بیروت)

ہمیں ابوبکر نے حدیث سنائی اور انہیں ابوداؤد نے وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نہشلی نے ہمیں حبیب بن ابی ثابت سے اور انہوں نے یحییٰ بن جزار سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

حدثنا روح بن الفرج قال حدثنا لوین قال حدثنا شریک عن فحول عن مسلم البطین عن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعت اس طرح ادا فرمایا کرتے تھے کہ پہلی

سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال۔ کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث یقرؤ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل یایھا الکفرون الخ وفی الثالث قل ھو اللہ احد.
(طحاوی ج ۱ ص ۲۸۷ باب الوتر)

رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری میں الکفرون اور تیسری میں اخلاص پڑھتے تھے۔

حدثنا فھد قال حدثنا الحمانی قال حدثنا عباد بن العوام عن الحجاج عن قتادۃ عن زرارہ بن اوفی عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ کان یقرؤ فی الوتر فی الرکعۃ الاولی سبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل یا یھا الکفرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد. (طحاوی ج ۱ ص ۲۹۰ باب الوتر)

عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری میں الکفرون اور تیسری میں اخلاص پڑھتے تھے۔

حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحیی بن ایوب عن یحیی بن سعید عن عمرہ عن عائشۃ ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث یقرؤ فی الرکعۃ الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانی قل یایھا الکفرون وفی الثالث قل ھو اللہ احد الخ وقل اعوذ برب الفلق الخ وقل اعوذ برب الناس.
ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین.
(المستدرک ج ۱ ص ۳۰۵ باب الوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ وتر تین رکعت ادا فرمایا کرتے تھے اور پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں الکفرون اور تیسری میں اخلاص، الفلق اور الناس پڑھتے تھے۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ سرکار دوعالم ﷺ تین رکعت وتر اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس بارے میں اگرچہ بہت سی اور بھی احادیث موجود ہیں لیکن اب ہم ایک سلام کے ساتھ تین وتر پڑھنے پر چند اور حوالہ جات پیش کرتے ہیں' ملاحظہ ہوں۔

ایک سلام کے ساتھ تین رکعت پڑھنا احادیث وآثار سے ثابت ہے

عن سعید بن ھشام عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لایسلم الافی اخرھن وھذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اخذہ اھل المدینۃ.
(المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴ باب الوتر)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ تین رکعت وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔ ان کے آخر میں (تیسری رکعت کے بعد) ہی ایک مرتبہ سلام پھیرا کرتے تھے اور یہی طریقہ وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کا تھا اور اہل مدینہ نے ان سے یہی طریقہ حاصل کیا تھا۔

عن مکحول عن عمر بن الخطاب انہ اوتر بثلاث رکعات لم یفصل بینھن بسلام.

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جناب مکحول روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین رکعات وتر پڑھے جن میں دوسری

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴ من کان یوتر بثلاث)

عن عبد الرحمن بن يزيد قال عبد الله الوتر ثلاث كوتر النهار المغرب هذا صحيح من حديث عبد الله بن مسعود .

(بیہقی ج ۳ ص ۳۱ باب من اوتر بخمس اوثلاث)

اور تیسری رکعت کے درمیان (سلام کے ذریعہ) فاصلہ نہ کیا۔

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا: وتر کی تین رکعات ہیں جیسا کہ نماز مغرب کی تین رکعات۔ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح ہے۔

مذکورہ احادیث اور آثار صحابہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ وتر تین رکعت ہیں اور وہ بھی صرف آخر میں ایک سلام کے ساتھ پڑھے گے۔ ان احادیث و آثار کو دیکھیں اور مولوی عطاء اللہ غیر مقلد کے اس دعوے کو دیکھیں کہ تین رکعت کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ہے اس لیے کہنا پڑے گا کہ اپنی جہالت کا اقرار کرنے کی بجائے ان نام نہاد ''اہل حدیثوں'' نے صاف لکھ دیا کہ اس موضوع پر حدیث ہی کوئی نہیں۔ اسے کہتے ہیں اندھا پن اور تعصب۔ تو معلوم ہوا کہ جب سرکار دو عالم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام نے وتر تین رکعات اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ ادا فرمائے تو تین رکعات وتر کی ممانعت بوجہ نماز مغرب کی مشابہت کے خود ان معترضین کو سمجھ آئی اور پھر اسے بطور استدلال پیش کرنا شروع کر دیا اور پھر کمال چالاکی سے حدیث ممانعت بھی مکمل ذکر نہ کی تا کہ کہیں چالاکی پکڑی نہ جائے۔ امام بیہقی نے ج ۳ ص ۳۱ پر اسے درج کیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: وتر تین رکعات نہ پڑھو کہ اس کی نماز مغرب سے مشابہت ہوتی ہے بلکہ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ یا اس سے زائد پڑھو۔''

مطلب یہ کہ کم از کم پانچ پڑھو۔ تین وتر اور دو نفل ہو جائیں۔ یہی امام طحاوی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی قیس نے ان سے حضور ﷺ کی نماز وتر کی رکعات کے متعلق پوچھا تو فرمانے لگیں۔

كان يوتر باربع وثلاث وثمان وثلاث وعشر وثلث ولم يوتر بانقص من سبع ولا باكثر من ثلاث عشر. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۲۸۵ باب الوتر)

آپ چار اور تین (سات) آٹھ اور تین (گیارہ) دس اور تین (تیرہ) رکعات وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔ سات سے کم اور تیرا سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس روایت میں موجود حرف ''واؤ'' کو ملاحظہ فرمائیں جو ماقبل کا نوافل ہونا اور مابعد کا وتر ہونا واضح کر رہا ہے اور ہر دفعہ وتر کے لیے ثلاث کا لفظ استعمال فرمایا جا رہا ہے۔

نوٹ: سات سے کم نہ پڑھنا یہ آپ کا اکثر معمول بیان کیا گیا ورنہ دو رکعت نفل تہجد اور تین وتر یعنی پانچ رکعات بھی ادا فرمانا ثابت ہے جیسا کہ ابھی بحوالہ بیہقی گزر چکا ہے۔

حدثنا ثابت قال صلى انس رضى الله عنه الوتر انا عن يمينه وام ولده خلفنا ثلاث ركعات لم يسلم الا فى اخرهن ظننت انه يريد ان يعلمنى.

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۲۹۴)

ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے ہمیں وتر تین رکعات پڑھائے۔ میں ان کی دائیں جانب اور ان کی ام ولدہ پیچھے کھڑے تھے۔ آپ نے صرف آخر میں سلام پھیرا۔ میں نے سمجھا کہ آپ نے ہمیں وتر پڑھنے سکھائے ہیں۔

عن المسور بن مخرمة قال دفنا ابابكر ليلا فقال عمر انى لم اوتر فقام وصففنا ورائه فصلى بنا

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو بکر صدیق کو رات کے وقت دفن کیا تو حضرت عمر نے فرمایا: میں نے ابھی نماز وتر نہیں

ثلاث رکعات لم یسلم الا فی اخرھن.
(طحاوی شریف ج ا ص ۲۹۳ باب الوتر)

پڑھی۔ آپ وتر پڑھنے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی آپ نے ہمیں تین رکعت وتر پڑھائے جن میں صرف آخر میں سلام پھیرا۔

حدثنا ابو خالدة قال سالت ابا العالیة عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد او علمونا ان الوتر مثل صلوة المغرب غیر انا نقرء فی الثالثة فھذا وتر اللیل وھذا وتر النھار.
(طحاوی شریف ج ا ص ۲۹۳ باب الوتر)

ابو خالدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو فرمانے لگے ہمیں حضور ﷺ کے صحابہ نے سکھایا کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وتروں کی تیسری رکعت میں ہم قرأت کرتے ہیں۔ (مغرب میں نہیں) یہ رات کے وتر اور مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔

حدثنا ابو العوام محمد بن عبد اللہ بن عبد الجبار المرادی قال حدثنا خالد بن نزار الایلی قال حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیه عن السبعة سعید بن المسیب و عروة بن الزبیر وقاسم بن محمد وابی بکر بن عبدالرحمن وخارجة بن زید وعبید اللہ بن عبد اللہ وسلمان بن یسار فی مشیخة سوا ھم اھل فقه و صلاح وفضل وربما اختلفوا فی شیء فاخذ بقول اکثر ھم وافضلھم رأیا وکان مما وعیت عنھم علی ھذه الصفة ان الوتر ثلاث لم یسلم الا فی اخر ھن فھذا من ذکرنا من فقھاء المدینة وعلمائھم وقد اجمعوا ان الوتر ثلاث لم یسلم الا فی اخرھن. (طحاوی ج ا ص ۲۹۶ باب الوتر)

عبد الرحمٰن بن ابی الزناد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے ان سات آدمیوں سے بیان کیا۔ سعید بن میسّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبد اللہ، سلمان بن یسار۔ ان حضرات کو صاحب فقہ صلاح اور فضیلت نے بزرگی میں برابر قرار دیا اور جب کبھی انہوں نے کسی بات میں اختلاف کیا تو ان لوگوں کے قول پر عمل کیا جو تعداد میں زیادہ رائے میں افضل تھے اور یہ اسی قبیلہ سے ہے جو میں نے یاد رکھا کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور سلام صرف ان کے آخر میں پھیرا جاتا ہے اور یہ ہے وہ جو ہم سے فقہاء مدینہ اور علمائے مدینہ نے ذکر کیا کہ وتر تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں صرف ایک مرتبہ سلام ہے اور اس پر ان کا اجماع ہے۔

صحابہ کرام کا لگاتار عمل یہی تھا کہ وہ تین رکعات وتر اور وہ بھی آخر میں صرف ایک سلام کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے اور اپنے متبعین کو اسی طرح وتر پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایسے جلیل القدر فقہاء و علماء کے ارشادات و عمل کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تین رکعات وتر اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ اس کا کوئی ثبوت نہیں یا ہمیں معلوم نہیں اسے کون تسلیم کرے گا؟

جواب امر سوم: وتر تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔ اس پر اجماع کے انعقاد کا قول کرنا بقول مولوی عطاء اللہ غلط ہے۔ اس کا جواب گزشتہ حوالہ جات میں آ چکا ہے۔ حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت کا یہی عمل تھا۔ اس اکثری عمل کے پیش نظر "اجماع" کا قول کیا جانا درست ہے بلکہ بعض تابعین نے خود لفظ "اجماع" کا اطلاق بھی فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔

حدثنا حفص عن عمرو عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اخرھن. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴ من کان یوتر بثلاث)

ہمیں حفص نے عمرو سے اور انہوں نے حسن سے بیان کیا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں اور ان کے آخر میں سلام ہے۔

امر چہارم کا جواب: مولوی عطاء اللہ نے وتر کی سنیت اور عدم وجوب کو مروزی کے ایک قیاس کے پیش نظر بیان کیا ہے جس کا

مفہوم یہ ہے کہ اگر وتر تین رکعت پڑھی جائیں تو پھر ان کی مشابہت مغرب کے فرضوں کے ساتھ ہوگی اور نفل کی مشابہت فرائض کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ مروزی صاحب کا مذکورہ قیاس نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی احادیث و آثار اس کی موافقت کرتے ہیں کیونکہ وتر کی تین رکعات ہونا روایات کثیرہ سے اور آثار وافرہ سے ثابت کہ اس قدر بکثرت روایت والوں کا کذب پر اتفاق و اجتماع ناممکن ہے۔ اصل میں مروزی صاحب کو یا اس کی تقلید میں مولوی عطاء اللہ غیر مقلد کو نماز تہجد کی وجہ سے مغالطہ لگا کہ حضور ﷺ وتر چونکہ تہجد کے وقت اور نوافل تہجد کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے لہٰذا یہ بھی نوافل یا زیادہ سے زیادہ سنت ہو سکتے ہیں تو دوسری طرف تین رکعات وتر کی ممانعت انہیں نظر آئی لیکن ان دونوں باتوں میں سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ان کا مدعا درست ہوتا تو حضرات صحابہ کرام اور تابعین کرام کی اکثریت کا عمل بھی اسی کے مطابق ہوتا حالانکہ وہ اس کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں جب ہم مطلقاً نمازوں کو دیکھتے ہیں تو تعداد رکعات کے اعتبار سے تین رکعات صرف فرض نماز میں یعنی نماز مغرب میں ملتی ہیں۔ سنتوں اور نوافل میں اس تعداد کی کوئی نماز نہیں اس لیے اس اعتبار کے پیش نظر قیاس یہی چاہتا ہے کہ وتروں کو فرائض کے گروہ میں شامل کیا جائے اور اگر بقول ان قیاسیوں کے اگر تین رکعات وتر اس لیے نہیں پڑھنے چاہئیں کہ یہ نماز مغرب کے مشابہ ہیں تو کیا صبح کی دو سنتیں اور ظہر کی چار مؤکدہ سنتیں اپنی تعداد کے اعتبار سے فرائض صبح اور ظہر و عصر اور عشاء سے مشابہت نہیں رکھتیں لہٰذا انہیں بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔ اسی طرح نفلی حج اور نفلی روزے بھی گئے کہ ان کی بھی فرائض سے مکمل مشابہت ہے تو معلوم ہوا کہ ان حضرات کا قیاس خود غلط ہے لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

وتر کے وجوب پر دلائل

عن خارجة بن حذافة العدوی قال خرج علینا رسول الله ﷺ صلوة الغداة فقال لقد امدکم الله اللیل بثلاث هی خیر لکم من حمرا لنعم قال قلنا وما هی یا رسول الله قال الوتر فیها بین صلوة العشاء الی طلوع الفجر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۶ من قال الوتر سنۃ)

خارجہ بن حذافہ عدوی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز صبح کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ نے آج رات تمہیں تین رکعات والی نماز سے مدد فرمائی جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: وہ نماز وتر ہے جس کا وقت نماز عشاء اور طلوع فجر کے درمیان ہے۔

اس روایت سے صاف ظاہر کہ نماز وتر تین رکعات ہیں اور اس کا وقت بھی معین ہے اسی روایت کو بعض حضرات نے "امدکم" کے الفاظ کی بجائے۔ "امرکم" سے ذکر فرمایا جن کا معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس نماز کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم دینا اور وقت کی تعیین یہ دونوں باتیں وتر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ نوافل کا وقت معین نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی ادائیگی کا حکم من اللہ ہوتا ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال رسول الله ﷺ ان الله زادکم صلوة الی صلوتکم وهی الوتر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷ من قال الوتر واجب، نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۱۳ باب صلوٰۃ الوتر)

عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک اور نماز کا اضافہ فرمادیا۔ وہ نماز وتر ہے۔

نمازوں میں اضافہ سے مراد فرضی نمازوں میں اضافہ ہے اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ نماز وتر فرائض میں شامل ہے یعنی عملی طور پر یہ فرائض کی طرح ہے۔

عن عطاء ابن يزيد عن ابی ایوب قال الوتر حق او واجب. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷ من قال الوتر واجب دائرۃ القرآن کراچی)

ابو ایوب سے عطا بن یزید بیان کرتے ہیں کہ وتر حق یا واجب ہیں۔

نوٹ: لفظ حق بھی وجوب کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ "حق لک ان تفعل کذا تجھ پر ایسا کرنا واجب ہے" دیکھئے المنجد ص ۲۶۷ حرف حاء۔

ابن قرة عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من لم يوتر فليس منا.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن قرہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

اس انداز کی تہدید، ترک واجب پر ہی ہو سکتی ہے اور وتر کے حق اور واجب ہونے پر حدیث ہم عرض کر چکے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ وتر واجب ہیں۔

ان الله تعالى زاد كم صلوة الاوهى الوتر فصلوا هاما بين العشاء الى طلوع الفجر قلت روى من حديث خارجه عن حذافه ومن حديث عمرو ابن العاص وعقبة بن عمرو ومن حديث ابن عباس ومن حديث ابی بصرة الغفاری ومن حديث عمرو شعيب عن ابيه عن جده ومن حديث ابن عمر ومن حديث ابو سعيد الخدری.

(نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۰۸ باب صلوٰۃ الوتر)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کر دی' آگاہ رہو وہ نماز وتر ہے اسے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان ادا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ مذکورہ روایت خارجہ عن' حذافہ عمرو بن العاص، عقبہ بن عمرو، ابن عباس' ابو بصرہ غفاری، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ' ابن عمر اور ابو سعید خدری سے مروی حدیث میں بھی ہے۔

حدثنا ابوبكر عن ليث عن عطاء وطاؤس انهما قال من لم يوتر حتى تطلع الشمس فليوتر. حدثنا وكيع عن مسعر عن وبره قال سالت ابن عمر عن رجل اصبح ولم يوتر قال ارايت لونمت عن الفجر حتى تطلع الشمس اليس كنت تصلى كانه يقول يوتر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۰)

ہمیں ابو بکر نے لیث سے اور انہیں عطا اور طاؤس دونوں نے بیان کیا کہ جو شخص طلوع شمس تک وتر نہ پڑھ سکا تو اسے اب وتر پڑھنے چاہئیں۔ ہمیں وکیع نے مسعر انہوں نے وبرہ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس کو صبح ہو گئی اور وتر نہ پڑھ سکا کہنے لگے: تمہارا کیا خیال ہے اگر تو نماز صبح ادا نہ کر سکے اور سورج نکل آئے تو کیا تو نماز نہیں پڑھے گا؟ گویا اس سے آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ وتر رہ جانے والے کو بھی اب پڑھنے چاہئیں۔

یہ بات ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ سنتوں اور نوافل کی قضا نہیں لیکن جلیل القدر صحابہ کرام جو وتر رہ جانے کی صورت میں اس کی قضا کے قائل بلکہ حکم دینے والے ہیں جس سے صاف ظاہر کہ وتر واجب ہیں اور ان کا وجوب حضرات صحابہ کرام کے نزدیک ثابت ہے۔

عن ابن عون قال سالت القاسم عن رجل يوتر على راحلته فقال زعموا ان عمر كان يوتر بالارض عن بكر ان بن عمر كان اذا اراد ان يوتر

ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے قاسم سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا جو وتر سواری پر ادا کرتا ہے انہوں نے کہا لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمر زمین پر وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔ بکر سے روایت کہ ابن

نزل فاوتر بالارض عن منصور عن ابراهيم قال كانوا يصلون على رواحلهم و دوابهم حيث ماكانت وجوههم الا المكتوبة والوتر فانهم كانوا يصلونهما على الارض عن عروة عن ابيه قال كان يصلي على راحلته حيث ما توجهت به فاذا اراد ان يوتر نزل فاوتر . (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۳ من کرہ الوتر علی الراحلۃ)

عمر جب وتر پڑھنا چاہتے تو سواری سے نیچے اتر کر زمین پر پڑھتے۔ ابراہیم سے منصور بیان کرتے ہیں کہ لوگ سواریوں اور چوپایوں پر نماز پڑھتے جدھر بھی ان کا رخ ہوتا مگر فرضی نماز اور وتر اتر کر زمین پر پڑھتے تھے۔ عروہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی سواری پر جدھر اس کا رخ ہوتا نماز پڑھ لیتے تھے لیکن وتر ادا کرنے کے لیے زمین پر اتر کر پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر سواری سے اتر کر پڑھتے تھے

عن مجاهد ان ابن عمر رضي الله عنهما كان يصلي في السفر على بعيره اينما توجه به فاذا كان في السحر نزل فاوتر عن مجاهد قال صحبت ابن عمر رضي الله عنهما فيما بين مكة ومدينة مذكره نحوه. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۴۲۹ باب الوتر مطبوعہ بیروت)

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دوران سفر اپنے اونٹ پر نماز پڑھتے اور جدھر وہ جا رہا ہوتا ادھر ہی آپ کا منہ ہوتا پھر جب سحری کا وقت آتا تو نیچے اتر کر وتر ادا فرماتے، مجاہد کہتے ہیں کہ میں مکہ سے مدینہ تک حضرت ابن عمر کے ساتھ رہا اور آپ کی نماز کی کیفیت وہی تھی جو میں نے بیان کی۔

ذکر کردہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وتر سنت نہیں بلکہ واجب ہیں اسی لیے ان کی ادائیگی سنتوں سے مختلف ہے۔ سنت دوران سفر سواری پر پڑھنے کی اجازت ہے لیکن نماز وتر ادا کرنے کے لیے سواری سے اترا جا رہا ہے۔ ہاں یہ بات ذہن میں آسکتی ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام سے نماز وتر سواری پر پڑھنا ثابت ہے تو اس کے سنت ہونے کی دلیل ہوئی ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں تو نماز وتر کی ادائیگی میں تناقض ہوگا اور اس کے رفع کی صورت علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ کا اور صحابہ کرام کا سواری پر نماز وتر ادا فرمانا اس وقت کی بات ہے جب آپ نے اس کی تاکید نہیں فرمائی تھی تاکید کے بعد سواری پر اس کی ادائیگی نہیں ہوئی۔

امر پنجم کا جواب: بحوالہ مروزی مولوی عطاء اللہ کا امام اعظم ابوحنیفہ کو یتیم فی الحدیث کہہ کر یہ استدلال کہ امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی اور نہ ہی وہ مجتہد ہونے کے لائق تھے ایک بہت بڑا اتہام ہے۔ دارقطنی نے بھی اسی طرح اپنی سنن میں باب ذکر **قوله من كان له الامام** کے تحت ج ۱ ص ۳۲۳ پر اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھا کہ امام ابوحنیفہ ضعیف فی الحدیث ہے۔ دارقطنی کے ان الفاظ پر محدثین کرام نے انتہائی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس کی ایک جھلک علامہ بدرالدین عینی کے الفاظ میں سنیے۔

لو تادب الدارقطني واستحى لما تلفظ بهذه اللفظة في حق ابي حنيفة فانه امام طبق علم الشرق والغرب ولماسئل ابن معين عنه فقال ثقة مامون ماسمعت احدا ضعفه وقال ايضا كان ابو حنيفة ثقة من اهل الدين والصدق ولم يتهم بالكذب وكان مامونا على دين الله تعالى صدوق في الحديث واثنى عليه جماعة من الائمة الكبار مثل عبد الله بن المبارك ويعد من اصحابه وسفيان بن عيينة وسفيان الثورى وحماد بن زيد وعبد الرزاق

اگر دارقطنی کو ادب و حیا ہوتی تو امام ابوحنیفہ کے بارے میں ایسے الفاظ نہ کہتا۔ بے شک وہ ایسے امام ہیں کہ مشرق و مغرب تمام ان کے علم پر متفق ہیں۔ ابن معین سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: وہ ثقہ مامون ہیں۔ میں نے کسی ایک سے بھی ان کی تضعیف نہیں سنی۔ ان کا ہی کہنا ہے کہ امام ابوحنیفہ اہل دین و صدق میں سے ثقہ ہیں اور کذب سے متہم نہیں ہیں۔ اللہ کے دین کے بارے میں مامون اور حدیث میں سچے تھے اور بڑے بڑے ائمہ نے ان کی تعریف کی جیسا کہ عبد اللہ بن مبارک جو ان کے اصحاب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد

ووكيع وكان يفتي برأيه والائمة الثلاثة مالك وشافعي واحمد واخرون كثيرون وقد ظهرلك من هذا تحامل الدارقطني عليه وتعصبه الفاسد وليس له مقدار بالنسبة الى هولاء حتى يتكلم في امام متقدم على هولاء في الدين والتقوى والعلم وبتضعيفه اياه يستحق هو التضعيف افلا يرضى بسكوت اصحابه عنه وقد روى في سننه احاديث سقيمة ومعلولة ومنكرة وغربته وموضوعه.

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۲ باب وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلاۃ کلہا فی الحضر وفی السفر)

بن زید، عبدالرزاق اور وکیع ۔ وہ اپنی رائے کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ تینوں امام اور بہت سے دوسرے حضرات نے بھی ان کی تعریف کی۔ ان الفاظ سے دارقطنی کا حسد وبغض ظاہر ہوگیا اور کہاں یہ اور کہاں وہ حضرات جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی۔ ان کے ساتھ دارقطنی کی کیا نسبت ہوسکتی ہے حتیٰ کہ ایسے امام کے بارے میں اعتراض کرنے بیٹھ گیا جو دین وتقویٰ میں اور علم میں ان سب کا پیشوا تھے۔ دراصل ان کی تضعیف سے دارقطنی نے اپنی تضعیف کرڈالی۔ وہ ان کے اصحاب کے سکوت پر راضی کیوں نہ ہوا حالانکہ اس نے اپنی سنن میں سقیم، معلوم، منکر، غریب اور موضوع تک روایات ذکر کرڈالیں۔

صاحب عمدۃ القاری علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ کا کلام آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دارقطنی نے مشاہیر واکابر کے مقابلہ میں بے جا تحقیق کا اظہار کردیا جس سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کوتو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے بلکہ خود اپنا اعتبار گنوالیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مروزی نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں عبداللہ بن مبارک کے حوالہ سے جو "يتيم في الحديث" کہا۔ اس کا جواب دارقطنی کے محشی کی زبانی سنیے۔

قال الذهبي مؤلف الميزان في تذكرة الحفاظ ابوحنيفة الامام الاعظم فقيه العراق وكان اماما ورعا وعالما وعاملا متعبدا كبير الشان قال ابن المبارك ابو حنيفة افقه الناس وقال الشافعي الناس في الفقهه عيال لابي حنيفة وقال الامام على بن المديني ابو حنيفة رواه عنه الثوري وابن المبارك وهو ثقة لا بأس به . قال عبد الله بن المبارك مارايت في الفقه مثل ابي حنيفة ما رايت اورع منه وقال مكي ابو حنيفة اعلم اهل زمانه .

(فی ذیل دارقطنی ج ۱ ص ۳۲۴ باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقرأت الامام قرأت)

تذکرۃ الحفاظ کے مؤلف علامہ ذہبی نے کہا کہ ابوحنیفہ امام اعظم' فقیہ العراق' امام، متقی، عالم باعمل اور بڑی شان والے عابد تھے۔ ابن المبارک نے کہا کہ ابوحنیفہ تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ امام علی بن مدینی نے کہا: امام ابوحنیفہ سے ثوری اور ابن مبارک نے روایت کی وہ ثقہ اور لاباْس بہ ہیں۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں میں نے ابوحنیفہ سے فقہ اور تقویٰ میں بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا اور مکی کا کہنا ہے کہ ابوحنیفہ اپنے دور کے منفرد عالم تھے۔

ان حوالہ جات سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جناب عبداللہ بن مبارک کا ارشاد آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ انہی کے حوالہ سے مروزی نے امام اعظم کی محدثانہ حیثیت پر حملہ کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی اور اس پر مولوی عطاء اللہ نے بغلیں بجائیں' عبداللہ بن مبارک ایک طرف تو امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت کریں اور دوسری طرف انہیں یتیم فی الحدیث بھی کہیں یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ لہٰذا امام اعظم کی فقاہت، علمیت، تقویٰ، ثقاہت اور فن حدیث میں یکتا ہونا مسلم ہے اور اکابر ائمہ نے اسے تسلیم کیا۔ فاعتبروا يا اولي الابصار

نماز تہجد کے فضائل از قرآن مجید

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًاO (الفرقان:٦٤)

اور جو لوگ راتیں گزارتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام کی حالت میں۔

حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اشراف حافظ قرآن اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں یعنی وہ لوگ جو قرآن مجید کے عامل، حافظ اور رات کو نماز تہجد ادا کرنے والے میری امت کے اعلیٰ افراد ہیں۔ ابو امامہ باہلی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم پر رات کا قیام ضروری ہے کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا وطیرہ تھا اور وہ تمہارے رب کی طرف قریب کرنے والا، گناہوں کو مٹانے والا اور گناہوں سے روکنے والا عمل ہے۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ ہنسی فرماتا ہے۔ (جو اس کی شایان شان ہے) ایک وہ جو رات کے وقت قیام کرے دوسرا وہ جو نماز میں صف باندھے اور تیسرا وہ جو دشمنوں کے سامنے صف باندھے۔ (تفسیر مظہری)

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَO (السجدہ:١٦)

اور وہ لوگ اپنے پہلوؤں کو اپنی خوابگاہوں سے الگ رکھتے ہیں، پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو وہ آدمی نہایت پسند ہے جو اپنے لحاف کو چھوڑ کر اور اپنے دوست و اہل و عیال سے جدا ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کی طرف دیکھو! جو اپنے بستر اور اہل و عیال کو چھوڑ کر میری بارگاہ میں اس لیے کھڑا ہوا کہ میرے انعامات کو حاصل کرے اور میرے عذاب سے بچے۔ (تفسیر مظہری زیر آیت تتجافی جنوبھم)

نماز تہجد کے فضائل از احادیث

نماز تہجد پڑھنے والے پر رحمت نازل ہوتی ہے

(١) بروایت حسن، حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جس نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی پھر اپنی بیوی کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ رحم کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھی اور نماز پڑھی پھر اپنے خاوند کو اٹھایا اور اس نے بھی نوافل پڑھے۔

(٢) حسن سے روایت کہ رات کے وقت اٹھ کر نفل پڑھو اگرچہ بکری دھونے کی مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔

(٣) حرہ سے مروی کہ جناب عبداللہ نے کہا کہ رات کی نماز کی فضیلت دن کی نماز پر ایسی ہے جیسا کہ خفیہ صدقہ دینے والے کی اعلانیہ صدقہ دینے والے پر۔

(٤) ابوہریرہ اور ابوسعید خدری دونوں سے مروی کہ جب کوئی شخص رات کو اپنی بیوی کو بیدار کرے اور پھر دونوں نفل ادا کریں تو ان دونوں کو ایسے اشخاص میں سے لکھا جائے گا جو بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٢ ص ٢٧١ من کان یامر بقیام اللیل)

نماز تہجد پڑھنے والا جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوگا

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو لوگ

آپ کی طرف بھاگ اٹھے میں بھی ان لوگوں میں تھا جو آپ کے پاس آئے میں نے جب غور سے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ ایسا چہرہ کسی کذاب کا نہیں ہوسکتا تو انس بن مالک فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی بات جو میں نے آپ سے سنی وہ یہ تھی۔ اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھو اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تم رات اٹھ کر نماز ادا کرو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ (الترغیب والترہیب ج اص ۴۲۳ الترغیب فی قیام اللیل حدیث نمبر ۴ مطبوعہ بیروت لبنان)

تہجد پڑھنے والے جنتی گھوڑے پر سوار ہوں گے

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے اوپر والے حصہ سے حلیں نکلتی ہیں اور نچلے حصہ سے سونے کے مسرجہ گھوڑے جن کی لگامیں دُر اور یاقوت کی ہیں۔ نہ وہ لید کرتے ہیں اور نہ ہی بول۔ ان کے پَر ہیں اور ان کا قدم حد نگاہ پر پڑتا ہے ان پر جنتی سوار ہوں گے وہ انہیں جہاں چاہیں گے لے کر اڑیں گے انہیں دیکھ کر ان سے نچلے درجہ والے جنتی کہیں گے اے اللہ! تیرے یہ بندے اس درجہ کو کس سبب سے پہنچے؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا کہ یہ لوگ تہجد پڑھتے تھے جب کہ تم سو رہے ہوتے تھے وہ روزہ سے ہوتے تھے جب تم کھاتے پیتے تھے وہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے کہ تم کنجوسی کرتے تھے وہ جہاد کرتے تھے جبکہ تم بزدلی کرتے تھے۔

(الترغیب ج ا ص ۴۲۵ حدیث نمبر ۸ مطبوعہ بیروت لبنان)

نماز تہجد پڑھنے والے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے

رسول کریم ﷺ سے اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں آپ نے فرمایا: کہ تمام لوگ قیامت میں ایک کھلے میدان میں اکٹھے کئے جائیں گے اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے تھے؟ یہ سن کر ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ قلیل ہوں گے اور جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے اس کے بعد دوسرے لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔

قرآن کریم اور احادیث مقدسہ سے نماز تہجد کے فضائل و برکات میں سے چند ہم نے بیان کیے ہیں۔ مختصر یہ کہ نماز تہجد نوافل میں سے سب سے اہم اور افضل نوافل ہیں اس کے عامل کی قبر میں اندھیرا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا عامل بنائے آمین!

۱۶۵ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ حُصَيْنٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ مَنْ فَاتَهٗ مِنْ حِزْبِهٖ شَيْءٌ مِّنَ اللَّيْلِ فَقَرَاَهٗ مِنْ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ اِلٰى صَلٰوةِ الظُّهْرِ فَكَاَنَّهٗ لَمْ يَفُتْهُ شَيْءٌ.

امام مالک نے ہمیں داؤد بن حصین سے خبر دی کہ انہوں نے عبد الرحمن الاعرج سے اور انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب سے یہ بات سنی فرمایا: جس کا کوئی وظیفہ یا اس کا کچھ حصہ فوت ہو گیا اور اس نے نماز ظہر سے قبل اور زوال شمس کے درمیان اسے پڑھ لیا تو گویا اس کا وظیفہ فوت ہی نہیں ہوا۔

اس وظیفہ سے مراد نماز تہجد ہے اور ظہر تک پڑھنے سے مراد اس کی ادائیگی کی حد بیان کرنا ہے مقصد یہ کہ اگر کسی آدمی کی نماز تہجد رہ گئی یا کوئی اور وظیفہ جو تہجد کے وقت کیا کرتا تھا نہ کر سکا تو اسے دیگر احادیث کی روشنی میں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھ لے اور یہ قضا نماز ظہر تک کر سکتا ہے لیکن عین زوال شمس کے وقت ادا نہ کرے کیونکہ اس کی ممانعت آئی ہے لہٰذا تہجد کی قضا یا وظیفہ کی قضا کرنے والا یوں سمجھا جائے گا کہ اس کی قضا ہوئی ہی نہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ کہ شیطان کی طرف سے دوبارہ ایسی غفلت سے بچ جائے گا۔

۱۶۶ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يُصَلِّيْ كُلَّ لَيْلَةٍ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يُّصَلِّيَ حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ انہیں زید بن اسلم نے اپنے والد سے حدیث ملی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رات بھر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا نماز پڑھتے تو رات کے آخری

لِلصَّلٰوۃِ یَتْلُوْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی.

وقت اپنے گھر والوں کو نماز کے لیے جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر اھلک الایۃ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دو اور اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں مانگتے' ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

مذکورہ حدیث سے سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی عظمت اور خدا خوفی کا ثبوت ملتا ہے، آیت شریفہ کے مضمون کے مطابق آپ خود بھی پابند شرع تھے اور اپنے اہل وعیال کو بھی پابندی کی ہر ممکن تبلیغ فرمایا کرتے تھے ان کے تقوی اور پختگی ایمان کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا مانگی ''اللھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب اے اللہ! عمر بن الخطاب سے اسلام کو مضبوط فرما'' اور یہی عمر بن الخطاب ہیں کہ جن کی زبان پر اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے۔ان اللہ ینطق علی لسان عمر علاوہ ازیں سرکار دوعالم ﷺ کے عقد میں ان کی صاحبزادی ہونے کی وجہ سے نسبی رشتہ بھی تھا۔حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ان کمالات وفضائل کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص آپ کے اسلام،خلوص اور تقویٰ کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتا ہے تو یہ اس کے ازلی بدبخت ہونے کی دلیل ہے۔

١٦٧ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا مَخْرَمَۃُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْوَالِبِیُّ اَخْبَرَنِیْ کُرَیْبٌ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ بَاتَ عِنْدَ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ وَھِیَ خَالَتُہٗ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِیْ عَرْضِ الْوِسَادَۃِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاَھْلُہٗ فِیْ طُوْلِھَا قَالَ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی اِذَا انْتَصَفَ اللَّیْلُ اَوْقَبْلَہٗ بِقَلِیْلٍ اَوْبَعْدَہٗ بِقَلِیْلٍ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَمَسَحَ النَّوْمَ عَنْ وَجْھِہٖ بِیَدَیْہِ ثُمَّ قَرَاَ بِعَشْرَۃِ الْاٰیَاتِ الْخَوَاتِمِ مِنْ سُوْرَۃِ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰی شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّاَ مِنْہُ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَہٗ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَاصَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثُمَّ ذَھَبْتُ فَقُمْتُ اِلٰی جَنْبِہٖ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رَاْسِیْ وَاَخَذَ بِاُذُنِی الْیُمْنٰی بِیَدِہِ الْیُمْنٰی فَفَتَلَھَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ سِتَّ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰی جَاءَ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّی الصُّبْحَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں مخرمہ بن سلیمان والبی نے انہیں کریب مولیٰ ابن عباس نے خبر دی کہ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی زوجہ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر کی جو میری خالہ لگتی تھیں کہ میں بستر کے چوڑائی والے حصہ میں لیٹ گیا اور حضور ﷺ اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے اس کے طول میں آرام فرمایا۔حضور ﷺ سوگئے جب آدھی رات یا اس سے کچھ پہلے کا وقت ہوا آپ اٹھے اور اپنے چہرہ سے نیند کے اثرات دور کیے پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی پھر ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ کی طرف تشریف لے گئے اس کے پانی سے بہت اچھی طرح وضو فرمایا پھر نماز ادا فرماتے کھڑے ہوگئے۔ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اٹھ کر ویسے ہی کیا جیسا کہ حضور ﷺ نے کیا تھا پھر میں آپ کی ایک جانب کھڑا ہوگیا۔بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور اپنے بائیں ہاتھ سے میرا بایاں کان پکڑا اور اسے مروڑ دیا پھر آپ نے کھڑے ہوکر دو رکعت ادا فرمائیں پھر اور دو رکعت اور پھر اور دو رکعت چھ مرتبہ (بارہ رکعت) ادا فرمائیں پھر آرام کرنے کروٹ پر لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن آیا تو آپ نے اٹھ کر دو ہلکی سی رکعتیں ادا فرمائیں اور صبح کے فرض پڑھنے گھر سے باہر تشریف لے

گئے۔

مذکورہ حدیث سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) محرم شخص رات کے وقت اس مکان میں رہ سکتا ہے جہاں میاں بیوی رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں بشرطیکہ حقوق زوجیت ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اسی روایت میں دوسری جگہ یوں بھی مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے خود حضرت عبداللہ ابن عباس کو اپنے ہاں رات بسر کرنے کا حکم دیا۔ (۲) رات کو اٹھنے والے کے لیے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھنا بہت بہتر ہے کیونکہ ان آیات میں دعائیں ہیں اور یہ وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ (۳) نماز میں عمل قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ایک ہاتھ سے ایک ہی دفعہ کوئی کام کر لینا قلیل ہی کہلائے گا لہٰذا دوران نماز ٹوپی یا عمامہ ایک ہاتھ سے اٹھا لینا جائز ہے۔ (۴) اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلے بائیں جانب کھڑے تھے جنہیں حضور ﷺ نے دائیں جانب کر دیا۔ (۵) نوافل کی جماعت تداعی کے بغیر جائز ہے خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں۔ (۶) نوافل شب ادا کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نوافل ادا فرمانے کے بعد ایسے سوئے کہ خراٹوں کی آواز سنائی دی۔

نوٹ: کچھ لوگ مذکورہ حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ بے وضو (غیر جنبی) کے لیے تلاوت قرآن کریم جائز ہے۔ یہ مسئلہ اگرچہ درست ہے لیکن اس حدیث سے اس کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ حضور ﷺ کا نیند فرمانے سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے لہٰذا آپ کا وضو ٹوٹا ہی نہیں تو اٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا ''باوضو تلاوت کرنا'' ہوا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ صَلٰوةُ اللَّيْلِ عِنْدَنَا مَثْنٰى مَثْنٰى وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ صَلٰوةُ اللَّيْلِ اِنْ شِئْتَ صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ وَاِنْ شِئْتَ صَلَّيْتَ اَرْبَعًا وَاِنْ شِئْتَ سِتًّا وَاِنْ شِئْتَ ثَمَانِيًا مَاشِئْتَ بِتَكْبِيْرَةٍ وَّاحِدَةٍ وَاَفْضَلُ ذٰلِكَ اَرْبَعًا اَرْبَعًا وَاَمَّا الْوِتْرُ فَقَوْلُنَا وَقَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْهِ وَاحِدٌ وَالْوِتْرُ ثَلَاثٌ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيْمٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ نماز تہجد ہمارے نزدیک دو دو رکعت پڑھنی چاہیے اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ چاہے دو رکعت، چاہے چار رکعت، چاہے چھ یا آٹھ رکعت ایک تکبیر کے ساتھ پڑھ سکتا ہے لیکن افضل چار چار رکعت ہیں اور نماز وتر میں ہمارا اور امام ابوحنیفہ کا ایک ہی قول ہے وہ یہ کہ وتر کی تین رکعت ہیں اور ان میں سلام کے ذریعہ فاصلہ نہیں ہوتا (یعنی تین رکعت کے آخر میں سلام پھیرے)۔

امام محمد نے نماز تہجد دو دو رکعت پڑھنا افضل قرار دیا اور امام ابوحنیفہ نے چار رکعت کو بہتر فرمایا۔ یہ اختلاف افضلیت میں ہے جواز میں نہیں۔ یہاں ایک اشکال ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار، چھ یا آٹھ رکعت نفل ادا کرتا ہے اور درمیان میں کہیں بھی نہیں بیٹھتا تو ترک واجب کی بنا پر اسے سجدہ سہو کرنا چاہیے لیکن ایسا حکم نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں درمیانی قعدہ واجب نہیں رہتا کیونکہ حضور ﷺ کی نماز کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ''یصلی تسع رکعات لا یجلس فیهن الا فی الثامنة'' نو رکعات بیک مرتبہ ادا فرماتے کہ جن میں صرف آٹھ رکعت کے بعد جلوس فرماتے، پھر نویں پڑھ کر سلام پھیر دیتے لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ کا آٹھ رکعت کے درمیان نہ بیٹھنا ثابت کرتا ہے کہ یہ واجب نہیں رہا۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

(وان شرع فی الاربع) من التطوع سنة کان اوغیرها (ولم یقعد فی اخر) الرکعة (الثانیة) ای ترک القعدة الاولی (فسدت) صلوته تلک (عند محمد وزفر) لترک فرض وهی القعدة الاولی فانها فرض عندهما فی النفل بناء اعلی ان کل

اگر کسی نے چار رکعت نفل یا سنت (غیر مؤکدہ) شروع کیے اور دوسری رکعت کے بعد نہ بیٹھا یعنی قعدہ اولیٰ ترک کر دیا تو یہ نماز امام محمد اور زفر کے نزدیک فاسد ہوگئی کیونکہ قعدہ اولیٰ ترک کر دیا اور قعدہ اولیٰ ان دونوں کے نزدیک نوافل میں فرض تھا۔ وجہ یہ کہ نوافل کی ہر دو رکعت مستقل علیحدہ نماز ہوتی ہے لہٰذا ہر شخص مذکور صرف

رکعتین منہ صلوۃ علحدۃ کما تقدم (ویقضی) الرکعتین (الاولیین) عندھما لانھما التان فسدتا واما الاخریان فقد صحتا لان صحتھما غیر متعلقۃ بصحۃ الاولیین (وقال ابو حنیفۃ) وابو یوسف (لاتفسد) صلوتہ فی الصورۃ المذکورۃ ولا یلزمہ قضاء شیء لان القعدۃ علی رأس الرکعتین من النفل لم تفرض بعینھا بل لغیرھا وھو الخروج علی تقدیر القطع علی رأس الرکعتین فلما لم یقطع وجعلھا اربعا لم یأت اوان الخروج فلم تفرض القعدۃ۔

(غنیۃ المستملی شرح المنیہ ص ۳۹۴ فصل فی النوافل)

پہلی دو رکعتیں ہی قضا کرے گا کیونکہ فاسد یہی ہوئی ہیں بعد والی دو رکعتیں صحیح ہیں کیونکہ ان کی صحت کا پہلی دو رکعت کی صحت سے کوئی تعلق نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف صورت مذکورہ میں فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی اور نہ ہی اس پر کسی چیز کی قضا لازم ہے کیونکہ نوافل میں دو رکعت پر قعدہ بذات خود فرض نہیں بلکہ کسی دوسری بات کے لیے اسے لازم قرار دیا گیا وہ یہ کہ اگر اس کی نیت دو رکعت پڑھ کر نماز سے باہر آنے کی ہو۔ اب صورت مذکورہ میں اس نے دو رکعت کے بعد نماز سے باہر آنے کا ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ اس نے چار پڑھی ہیں تو دو رکعت کے بعد جب نماز سے نکلنے کا وقت آیا ہی نہیں تو قعدہ بھی فرض نہ رہا۔

خلاصہ یہ کہ صورت مذکورہ میں فتویٰ شیخین کے قول پر ہے جس کی تائید حدیث پاک سے ہوتی ہے لہٰذا دو سے زائد ایک سلام کے ساتھ نوافل پڑھنے والے کے لیے درمیانی قعدہ لازم نہیں رہتا اگر اس کا ترک ہو گیا تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۴۷- بَابُ الْحَدَثُ فِی الصَّلٰوۃِ

دورانِ نماز بے وضو ہو جانا

۱۶۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اَبِیْ حَکِیْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَبَّرَ فِیْ صَلٰوۃٍ مِّنَ الصَّلَوَاتِ ثُمَّ اَشَارَ اِلَیْھِمْ بِیَدِہٖ اَنِ امْکُثُوْا فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ وَعَلٰی جِلْدِہٖ اَثَرُ الْمَاءِ فَصَلّٰی۔

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ انہیں اسماعیل بن ابی حکیم نے عطاء بن یسار سے خبر دی کہ حضور ﷺ نے ایک نماز میں تکبیر کہی پھر ہماری طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا اپنی اپنی جگہ ٹھہرو پس آپ وہاں سے تشریف لے گئے پھر واپس آئے تو آپ کے جسم اقدس پر پانی کے اثرات تھے سو آپ نے نماز پڑھائی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ مَنْ سَبَقَہٗ حَدَثٌ فِیْ صَلٰوۃٍ فَلَا بَاْسَ اَنْ یَّنْصَرِفَ وَلَا یَتَکَلَّمُ فَیَتَوَضَّأُ ثُمَّ یَبْنِیْ عَلٰی مَا صَلّٰی وَاَفْضَلُ ذٰلِکَ اَنْ یَّتَکَلَّمَ وَیَتَوَضَّأَ وَیَسْتَقْبِلَ صَلٰوتَہٗ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل یہی ہے کہ اگر کسی کا دوران نماز وضو جاتا رہے تو اسے وہاں سے لوٹ جانے میں کوئی حرج نہیں گفتگو نہ کرے وضو کر کے جتنی نماز پڑھ چکا تھا اس سے آگے آکر شروع کر دے۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ گفتگو کر لے اور وضو کر کے نئے سرے سے نماز پڑھے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

مذکورہ حدیث کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے وارد ہے ایک یہی جو یہاں موجود ہے لیکن مذکورہ حدیث اور ترجمۃ الباب کا باہم تعلق نہیں بنتا۔ اسی حدیث کو مسلم شریف میں یوں ذکر کیا گیا کہ جب آپ مصلیٰ امامت پر رونق افروز ہوئے تو یاد آگیا کہ مجھے غسل جنابت کرنا ہے لہٰذا تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی آپ غسل فرمانے چلے گئے۔ دوسری کتب حدیث میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یاد آنے کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل دار قطنی ج ا ص ۳۶۱ پر موجود ہے۔ بہرحال اگر جنابت کی ضرورت تھی تو چاہے تکبیر سے پہلے یاد آئے یا بعد از تکبیر دونوں صورتوں میں نماز کا شروع کرنا درست نہیں تو اس پر بنا کا حکم کہاں؟ کیونکہ بنا کا حکم تب ہوتا ہے جب نماز کا کچھ حصہ ادا کیا جا چکا ہو حالانکہ جنابت کی صورت میں نماز کا شروع ہونا ہی درست نہیں۔ بنا اس وقت ہوگی جب نماز کا ادا شدہ حصہ باوضو ادا کیا گیا

پھر حدث لاحق ہوگیا تو اب یا تو خلیفہ مقرر کر کے بقیہ نماز ادا کریں گے یا امام کے وضو کر کے آنے تک انتظار ہوگا۔ روایت زیر بحث غسل جنابت کے بارے میں ہے۔ اس لیے اس سے "حدث فی الصلوۃ" پر استدلال لانا درست نہیں لیکن امام محمد نے "حدث فی الصلوۃ" کی صورت میں جو مسئلہ بیان کیا وہ درست ہے اگرچہ حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق نہیں۔ جنابت کے غسل کی تائید ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ آپ جب واپس تشریف لائے تو آپ کے سرانور کے بالوں سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے اور ظاہر ہے کہ وضو کی صورت میں سر کا مسح کیا جاتا ہے اسے دھویا نہیں جاتا اسی طرح نماز میں ہاتھ سے اشارہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کا بھی اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں جب نماز شروع ہی نہیں کی گئی یا اس کا شروع ہونا ہی درست نہ ہوا تو دوران نماز اشارہ کرنے یا نہ کرنے کا وقت ہی نہ آیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٤٨- بَابُ فَضْلِ الْقُرْاٰنِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

قرآن کریم کی تلاوت کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا استحباب

١٦٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ صَعْصَعَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا مِّنَ اللَّيْلِ يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ ﷺ كَاَنَّ الرَّجُلُ يُقَلِّلُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ.

ہمیں امام مالک نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی صعصعہ سے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوسعید خدری نے بتایا کہ میں نے ایک شخص کو رات کے وقت سورۂ اخلاص بار بار پڑھتے سنا جب صبح ہوئی تو ہم نے حضور ﷺ سے یہ بیان کیا گویا ہم یہ سمجھتے تھے کہ مذکورہ شخص اسے قلیل سمجھتا تھا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے شک سورۂ اخلاص قرآن کریم کے تیسرے حصہ کے برابر (مقام و مرتبہ رکھتی) ہے۔

١٧٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ لَاَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ مِنْ بُكْرَةٍ اِلَى اللَّيْلِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحْمِلَ عَلٰى جِيَادِ الْخَيْلِ مِنْ بُكْرَةٍ حَتَّى اللَّيْلِ.

ہمیں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے خبر دی انہوں نے سعید بن میسب سے سنا کہ حضرت معاذ بن جبل کہا کرتے تھے میں صبح سے رات تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں یہ میرے لیے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں صبح سے رات تک گھوڑے کی پشت پر جہاد کے لیے سوار ہوں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ ذِكْرُ اللّٰهِ حَسَنٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر حال میں اچھا ہے۔

١٧١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا ذَهَبَتْ.

ہمیں امام مالک نے انہیں نافع نے ابن عمر سے خبر دی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے کی مثال اونٹ باندھنے والے شخص کی طرح ہے اگر اس کا دھیان رکھے گا تو وہ رکا رہے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو چلا جائے گا۔

سورۂ اخلاص کا ثلث قرآن ہونا یا تو اس اعتبار سے ہے کہ قرآن کریم میں علوم تین قسم کے بیان ہوئے۔ توحید، شرائع اور تہذیب و اخلاق۔ ان تین میں ایک علم یعنی توحید اس سورت کا محور و مرکز ہے یا یہ کہ قرآن کریم کی تین اقسام یہ کی جائیں احکام قصص اور صفات باری تعالیٰ چونکہ سورۂ اخلاص صفات باری تعالیٰ بیان کرتی ہے لہٰذا تیسرا حصہ ہوئی یا ثواب کے اعتبار سے یہ ثلث قرآن ہے یعنی اس ایک

سورت کی تلاوت کرنے والے کو قرآن کریم کے تیسرے حصہ کی تلاوت کا ثواب عطا ہوتا ہے۔اس کی تائید حدیث میں یوں ہے۔

سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ لاصحابه ایعجز احدکم ان یقرا بثلث القران فی لیلة فشق ذالک علیهم وقالوا اینا یطیق ذالک یا رسول الله قال قل هو الله احدثلث القران. اخرجه البخاری بنحوه.

(فضائل الاعمال تصنیف حافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی ص ۵۴۷ فصل سورۃ الاخلاص)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی قرآن کریم کا تیسرا حصہ ایک رات میں پڑھنے سے عاجز ہے؟ (یعنی پڑھنا چاہیے) تو یہ بات صحابہ کرام کو مشکل نظر آئی ۔عرض کرنے لگے یارسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ فرمایا: **قل هو الله احد** قرآن کا تیسرا حصہ ہے۔امام بخاری نے اسی کی مثل روایت ذکر کی۔

سعد بن مالک یقول قال رسول اللهﷺ من قرأ قل هو الله احد الخ کانما قرأ ثلث القران ومن قرأ قل یایها الکفرون الخ فکانما قرأ ربع القران قال سعد حدثنی عمی سعد بن ابراهیم عن ابی سلمة عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ من قرأ قل هو الله احدا الخ بعد صلوة الصبح اثناعشرة مرة فکانما قرأ القران اربع مرات وکان افضل اهل الارض یومئذ اذا اتقی.

(المعجم الصغیر للطبرانی ص ۱۳۱ احمد بن محمد البزار اصبہانی کی روایت)

سعد بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے سورۂ اخلاص پڑھی اس نے ثلث قرآن پڑھا اور جس نے سورۂ الکافرون پڑھی اس نے چوتھا حصہ قرآن پڑھا۔سعد کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا سعد بن ابراہیم نے ابوسلمہ اور ان کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو صبح نماز کے بعد سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ پڑھے گا تو اس نے گویا چار مرتبہ قرآن پڑھا اور فرمایا وہ شخص روئے زمین پر آج کے دن افضل ہے بشرطیکہ صاحب تقویٰ ہو۔

ان احادیث مقدسہ سے صاف اور واضح ہے کہ سورۂ اخلاص کا تیسرا حصہ ہونا ثواب اور قرأت کے اعتبار سے ہے۔مضامین اور علوم کے اعتبار سے ثلث واضح نہیں کیونکہ سورۂ الکافرون کو چوتھے حصہ کے برابر کہا گیا۔اس اعتبار سے قرآن کریم کے مضامین اور علوم کی اقسام تین کی بجائے چار کرنا پڑیں گی اور پھر بارہ مرتبہ پڑھنے والے کو چار مرتبہ قرآن پڑھنے والا کہنا صراحۃً اس کی تائید کر رہا ہے کہ ثلث قرآن سے مراد تیسرے حصہ کا ثواب ہے مذکورہ حدیث میں فضیلت قرآن کریم کے ساتھ اللہ کے ذکر کی فضیلت بھی بیان کی گئی اگرچہ قرآن کریم کی تلاوت بھی ذکر الٰہی ہی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کئی طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ذکر الٰہی کی حضرت معاذ بن جبل یہ فضیلت بیان کرتے ہیں کہ یہ میرے نزدیک دن بھر عمدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے سے بہتر ہے حالانکہ جہاد کو افضل الاعمال کہا گیا ہے۔ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جہاد کامل میں مال خرچ کرنا' جان کی بازی لگانا' دل کا اخلاص' دعا میں توجہ اور ہاتھوں کو قتال میں مصروف کرنا ہے۔اگر جہاد ان تمام باتوں کا جامع ہے تو افضل الاعمال ہے اور اگر صرف لڑائی مار کٹائی تک معاملہ ہے تو پھر ذکر خدا اس سے افضل ہے آخری حدیث میں صاحب قرآن کی مثال بیان کی گئی جس سے مقصد یہ کہ اگر قرآن کریم کا تکرار اور درس و تدریس جاری رہتا ہے تو پھر قرآن بھولتا نہیں ورنہ اس کا دل سے نکل جانا بہت ممکن ہے۔

۴۹- بَابُ الرَّجُلُ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ

دورانِ نماز سلام کہنا اور اس کا جواب دینا

۱۷۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ يُصَلِّيْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَرَجَعَ اِلَيْهِ ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک نماز پڑھتے آدمی کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے اسے سلام کیا اس نے نماز میں ہی سلام کا جواب دے دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: جب تم میں کسی کو دورانِ نماز کوئی سلام کہے تو اسے کلام نہیں کرنا چاہیے اپنے ہاتھ سے اشارۃً کہہ دے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُصَلِّيْ اَنْ يَّرُدَّ السَّلَامَ اِذَا سُلِّمَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنْ فَعَلَ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّسَلَّمَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی معمول ہے کہ نمازی کو سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو۔ اگر اس نے جواب دے دیا تو نماز فاسد ہوگئی اور نمازی کو سلام نہیں کہنا چاہیے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ابتدائے اسلام میں دورانِ نماز کلام، سلام اور جواب کی اجازت تھی۔ آیت کریمہ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ کے نزول کے بعد ان تمام باتوں سے روک دیا گیا اور اس بارے میں بکثرت احادیث بھی وارد ہیں۔ تفصیل کے لیے نصب الرایہ ج ۲ ص ۶۹ پر ملاحظہ کرلیا جائے۔ ممانعت کے بعد کچھ صحابہ کرام تک یہ بات نہ پہنچی تو انہوں نے عدم علم یا پہلے سے جواز کے پیش نظر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دوران نماز سلام عرض کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا فراغت پر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا ہے۔ فقہائے احناف کے نزدیک نماز میں ہاتھ سے سلام کرنا، سلام کا جواب دینا (یعنی مصافحہ کرنا) یا بذریعہ کلام ایسا کرنا مفسد نماز ہے اور اشارہ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ ہاتھ کے اشارہ سے جواب کو مستحب فرماتے ہیں۔ امام احمد رضی اللہ عنہ فرضی نماز میں مکروہ اور دوسری نمازوں میں جواز کے قائل ہیں اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے جائز و ناجائز دونوں اقوال ملتے ہیں۔ احناف جو ہاتھ کے اشارہ سے جواب سلام کی کراہت کے قائل ہیں۔ اس کی دلیل کچھ احادیث سے ملتی ہے مثلاً

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ التسبیح للرجل والتصفیق للنساء ومن اشار فی صلوته اشارة تفهم منه فلیعدها.

حضور ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لیے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنا ہے اور جس نے نماز میں کوئی ایسا اشارہ کیا جس سے کچھ سمجھا گیا ہو تو اسے نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔

فذهب قوم الی ان الاشارة التی تفهم اذا کان من الرجل فی الصلوة قطعت علیه صلوته و حکم لها بحکم الکلام واحتجوا فی ذالک وبهذا الحدیث.

کچھ لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ دوران نماز ایسا اشارہ جو بامفہوم ہو اور مرد سے واقع ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور ان حضرات نے ایسے اشارہ کو کلام کے حکم میں رکھا ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث مذکورہ ہے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۳۵۳ باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ بیروت)

ولا یرد السلام بلسانه ولا بیده لانه کلام معنی حتی لو صافح بنیة السلام تبطل صلوته قلت اجاز الباقون رد السلام بالاشارة ولنا حدیث جید اخرجه ابوداود فی سننه عن ابی اسحاق عن یعقوب عن عتبه عن ابی غطفان عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال من اشار فی الصلوة اشارة تفهم او تفقهه فقد قطعت الصلوة.

(نصب الرایہ ج ۲ ص ۹۰ حدیث ۹۳ کی سند آخر)

دورانِ نماز نمازی نہ تو زبان سے سلام کا جواب دے اور نہ ہی ہاتھ کے ساتھ کیونکہ ہاتھ کے ساتھ سلام کا جواب دینا معنیً کلام ہی ہے حتیٰ کہ اگر نمازی نے دوران نماز مصافحہ سلام کی نیت سے کیا تو نماز باطل ہوگئی ۔ میں کہتا ہوں بعض حضرات نے اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا جائز رکھا لیکن ہم احناف کے لیے حدیث سلام بطور دلیل ہے جو جید ہے اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں اسے ذکر کیا وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دوران نماز ایسا اشارہ کیا جو با مفہوم ہو یا اس سے مراد سمجھی جا سکے تو اس سے نماز ختم ہوگئی۔

ولو اراد ان یسلم علی انسان ساهیا فلما قال السلام تذکر انه لا ینبغی له ان یسلم وهو فی الصلوة فسکت تفسد صلوته کذا فی المحیط ولوصافح بنیة السلام تفسد صلوته لانه کلام معنی ولا یرد بالاشار یرید به رد السلام اوطلب من المصلی شیئا فاشار بیده او برأسه بنعم اوبلالا تفسد صلوته هکذا فی التبیین ویکره کذا فی شرح منیة المصلی لابن امیر الحاج .

(فتاویٰ عالمگیریہ ج ۱ ص ۱۰۳ الباب السابع فیما یفسد الصلوۃ مطبوعہ مصر)

اور اگر نمازی نے کسی کو سلام کرنے کا بھول کر ارادہ کر لیا تو جب لفظ السلام کہا فوراً یاد آ گیا کہ دوران نماز سلام نہیں کرنا چاہیے پھر وہ خاموش ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ محیط میں اسی طرح ہے اور اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو بھی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ یہ معنیً کلام ہے اور اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب نہ دینا چاہیے اور اگر کسی نے اشارہ کیا اور اس سے سلام کے جواب کا ارادہ تھا یا نمازی سے کسی نے کوئی چیز مانگی تو اس نے ہاتھ یا سر سے ہاں یا نہ کا اشارہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی ۔ تبیین میں اسی طرح ہے اور یہ مکروہ ہے جیسا کہ منیۃ المصلی کی شرح میں ہے جو ابن امیر الحاج کی ہے۔

ان مذکورہ احادیث اور کتب فقہ کے حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے دوران ہاتھ سے ایسا اشارہ کرنا جو جواب سلام میں ہو یا کسی طلب کے جواب میں ہو، وہ از روئے معنیٰ کلام کے قائم مقام ہے اس لیے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور مکروہ تحریمی کہلائے گا۔ نماز کے فساد اور عدم فساد کے بارے میں دو اصول فقہاء میں اصول وضع کیے گئے ہیں۔

(۱) جس اشارہ میں تفہیم پائی جائے اس میں نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر تفہیم نہ پائی جائے تو نماز باطل نہ ہوگی۔

(۲) عمل کثیر سے ٹوٹتی ہے، قلیل سے نہیں لہٰذا نمازی نے ہاتھ یا سر سے اشارہ کیا ہاں یا نہ کے ساتھ صاحب نصب الرایہ کے نزدیک نماز ٹوٹ گئی کیونکہ اشارہ میں تفہیم پائی گئی ہے اور صاحب عالمگیری کے نزدیک نماز باطل نہ ہوئی۔ عمل قلیل کی وجہ سے بہرصورت مکروہ ہونے میں اختلاف نہیں لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۵۰- بَابُ اَلرَّجُلَانِ یُصَلِّیَانِ جَمَاعَةً

دو آدمیوں کا جماعت سے نماز پڑھنا

۱۷۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِالْهَاجِرَةِ فَوَجَدْتُهٗ یُسَبِّحُ فَقُمْتُ

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہیں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے اور انہیں ان کے والد نے خبر دی کہ میں ایک مرتبہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس دوپہر کے وقت گیا میں نے انہیں نفل

وَرَاءَهٗ فَقَرَّبَنِیْ فَجَعَلَنِیْ بِحِذَائِهٖ عَنْ یَّمِیْنِهٖ فَلَمَّا جَاءَ یَرْفَاءُ تَاَخَّرْتُ فَصَفَفْنَا وَرَاءَهٗ.

پڑھتے پایا تو میں ان کے پیچھے نماز کے لیے کھڑا ہوگیا انہوں نے مجھے اپنے قریب دائیں ہاتھ کے برابر کرلیا پھر جب یرفاء (ایک آدمی کا نام) آگئے تو میں پیچھے ہوگیا اور ہم دونوں نے آپ کے پیچھے صف بنالی۔

۱۷۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّهٗ قَامَ عَنْ یَّسَارِ ابْنِ عُمَرَ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَجَعَلَنِیْ عَنْ یَّمِیْنِهٖ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بائیں جانب نماز میں کھڑے ہوئے تو انہوں نے مجھے اپنی دائیں جانب کردیا۔

۱۷۵- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ جَدَّتَهٗ (اُمَّ سُلَیْمٍ) دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ فَاَکَلَ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلْنُصَلِّ بِکُمْ قَالَ اَنَسٌ فَقُمْتُ اِلٰی حَصِیْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَالُبِسَ فَنَضَحْتُهٗ بِمَاءٍ فَقَامَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَصَفَفْتُ اَنَا وَالْیَتِیْمُ وَرَاءَهٗ وَالْعَجُوْزُ وَرَائَنَا فَصَلّٰی بِنَا رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

ہمیں امام مالک نے اسحاق بن عبداللہ ابی طلحہ سے اور انہوں نے انس بن مالک سے بیان کیا کہ ان کی (اسحاق بن عبدالسلام) نانی (ام سلیم) نے حضور ﷺ کے کھانے کی دعوت کی۔ آپ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اٹھو! میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں انس کہتے ہیں میں اٹھا اور اپنی ایک بوریا کو پانی سے تر کیا (دھویا) جو بہت دیر استعمال ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوچکی تھی۔ اس پر (خشک ہوجانے کے بعد) سرکار دوعالم ﷺ کھڑے ہو گئے میں اور ایک یتیم دونوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا (ام سلیم) نے ہمارے بعد صف بنائی آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں پھر تشریف لے گئے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا کُلِّهٖ نَاْخُذُ اِذَا صَلَّی الرَّجُلُ الْوَاحِدُ مَعَ الْاِمَامِ قَامَ عَنْ یَّمِیْنِ الْاِمَامِ وَاِذَا صَلَّی الْاِثْنَانِ قَامَا خَلْفَهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ احادیث میں ذکر کردہ باتوں پر ہی ہمارا عمل ہے یعنی جب تنہا آدمی امام کے ساتھ نماز ادا کرے تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا پڑے گا اور اگر دو ہو جائیں تو امام کے پیچھے صف بنائیں گے۔

مذکورہ روایات سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عتبہ نے دوپہر کے وقت جو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس سے عین زوال مراد نہیں بلکہ یا تو بعد از زوال متصل وقت ہے یا پھر قبل زوال چاشت کے نوافل مراد ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ اگر ایک ہی مقتدی ہو تو اسے امام کے دائیں کھڑا ہونا چاہیے (پیچھے نہیں)۔ اور اگر ایک سے زائد ہوں تو پیچھے صف باندھیں گے۔ تیسرا مسئلہ یہ کہ حضرت انس نے بوری کو "نضح" کیا یعنی اس پر پانی کے چھینٹے مار کا ہلکا سا دھویا۔ یہی لفظ دودھ پینے والے بچے کے پیشاب کے بارے میں گزر چکا ہے۔ وہاں بھی اس کا معنی ہلکا سا دھونا ہی تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں کی بوری بوجہ نجس ہونے کے گیلی نہ کی گئی تھی بلکہ اس کی سختی کو پانی ڈال کر نرم کیا گیا تھا۔ چوتھا مسئلہ یہ کہ اگر نمازیوں میں مرد عورتیں بچے شریک ہوں تو پھر مردوں کے پیچھے بچے اور ان کے بعد عورتیں صفیں باندھیں گی۔ احناف کے ہاں یہ تمام مسائل معمول بہا ہیں۔

۵۱- بَابُ الصَّلٰوةِ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ

بکریوں کے باڑے (بیٹھنے کی جگہ) میں نماز

۱۷۶- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ

ہمیں امام مالک نے محمد بن عمرو بن دوئلی سے انہوں نے حمید بن

حَنْظَلَةَ الدُّؤَلِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ مَالِكِ بْنِ الْخَيْثَمِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ أَحْسِنْ إِلَى غَنَمِكَ وَأَطِبْ مُرَاحَهَا وَصَلِّ فِيْ نَاحِيَتِهَا وَإِنَّهَا مِنْ دَوَابِّ الْجَنَّةِ.

مالک بن خیثم سے انہوں نے ابو ہریرہ سے خبر دی کہ فرمایا: اپنی بکریوں سے اچھا سلوک کرو ان کے بیٹھنے کی جگہ کو ستھرا رکھو اور اس جگہ کسی کونہ میں نماز پڑھ لیا کرو بے شک وہ جنتی جانوروں میں سے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ مُرَاحِ الْغَنَمِ وَإِنْ كَانَ فِيْهِ أَبْوَالُهَا وَبَعْرُهَا مَا أُكِلَتْ لَحْمُهَا فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عمل ہے کہ بکریوں کے آرام کرنے کی جگہ میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر چہ وہاں ان کے پیشاب اور مینگنیوں کے اثرات ہوں جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مذکورہ روایت میں امام محمد کا ارشاد کہ بکریوں کے باڑہ میں نماز مطلقاً درست ہے یعنی پیشاب ہو یا مینگنیاں دونوں کا ہونا ایک حکم رکھتا ہے۔ یہ بات امام محمد کے مذہب کے موافق نہیں کیونکہ بکری وغیرہ جانوروں کی مینگنیاں ان کے نزدیک شیخین کے فرمان کے موافق نجس ہیں لہٰذا نجس چیز پر نماز ادا کرنا باطل ہے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں "بعرها" کا لفظ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے یا سہواً درج ہو گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب، گوبر/ لید اور مینگنیاں نجس ہیں۔ پیشاب کی نجاست خفیفہ اور گوبر وغیرہ کی غلیظہ ہے۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا ہے۔ امام محمد گوبر وغیرہ میں تو ان کے ہم نوا ہیں لیکن پیشاب کی نجاست کے قائل نہیں بلکہ ان کے نزدیک ایسے جانوروں کا پیشاب طاہر ہے اس کی طہارت پر وہ قصہ عرینہ سے استدلال کرتے ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہے۔ بخاری شریف میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ

قبیلہ عکل و عرینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آ گئے یہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی بیمار ہو گئے چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں اونٹوں کا پیشاب پینے کو کہا اس سے وہ تندرست ہو گئے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور ﷺ کے ایک چرواہے کو قتل کر دیا اور ان کے اونٹ لے کر بھاگ نکلے آپ نے انہیں پکڑنے کا حکم دیا چنانچہ دن چڑھے انہیں گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے، آنکھیں پھوڑنے اور تپتی دھوپ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ ایسا ہی کیا گیا یہ بلک بلک کر مر گئے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۶ باب ابوال الابل والدواب مطبوعہ نور محمد کراچی)

امام محمد اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ان کا پیشاب نجس ہوتا تو حضور ﷺ اسے پینے کا حکم نہ دیتے لیکن شیخین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حکم ایک ضرورت اور مجبوری کے تحت تھا وہ یہ کہ اگر حلال چیز سے شفا کی امید نہ رہے اور حرام کے استعمال سے شفا ملنا قریب الیقین ہے تو ایسے میں حرام کا استعمال مباح ہو جاتا ہے اور "الا ما اضطررتم" کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں حرام کے استعمال سے شفا کا حاصل ہونا اس پر یقین کیسے آیا؟ عمدۃ القاری میں اس کے متعلق مذکور ہے۔

ترجمہ

امام ابو حنیفہ، شافعی، ابو یوسف، ابو ثور اور بہت سے دیگر ائمہ نے فرمایا: پیشاب ہر قسم کا نجس ہے ہاں جسے معاف کر دیا گیا وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ ان حضرات نے حدیث عرنیین کا یہ جواب دیا کہ یہ ضرورت کے تحت تھا لہٰذا اس میں اس بات پر دلیل نہیں کہ پیشاب بغیر ضرورت بھی طاہر اور قابل استعمال ہے کیونکہ شریعت پاک میں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جو بوقت ضرورت تو مباح ہیں لیکن اس کے علاوہ ان میں اباحت نہیں ہے جیسا کہ خالص ریشم کا کپڑا پہننا مردوں پر حرام ہے لیکن جنگ کے وقت اور خارش کے دور کرنے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے جبکہ کوئی دوسرا حیلہ کارگر نہ ہو۔ اس کی شریعت میں اور بھی بہت مثالیں موجود ہیں۔ تسلی بخش جواب یہ کہ حضور

ﷺ نے بذریعہ وحی ان کی شفا معلوم کر لی تھی اور یقین ہونے پر حرام سے شفا حاصل کرنا جائز ہے جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں مردار کھانا اور سخت پیاس کی صورت میں کچھ نہ ملنے پر شراب پینا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۴ باب ابوال الابل والدواب)

لہٰذا معلوم ہوا کہ واقعہ عرنیین میں حضور ﷺ کا ان لوگوں کو پیشاب پینے کی اجازت دینا ضرورت پر محمول ہے ورنہ مطلقاً ہر جانور کے پیشاب کی نجاست اور اس سے پرہیز تو خود احادیث مقدسہ میں موجود ہے۔ کتب احادیث میں (استنزھوا عن البول) روایت تمام ثقہ رواۃ سے مروی ہے۔ اس میں کسی جانور کے پیشاب کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ اس حدیث کی شرح میں "فتح الباری" کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

والتمسک بعموم حدیث ابی هریرة الذی صححة ابن خزیمة وغیره مرفوعا بلفظ استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبرمنه اولی لانه ظاهر فی تناول جمیع الابوال فیجب اجتنابها لهذا الوعید والله اعلم. (فتح الباری ج ا ص ۳۳۶ باب ابوال الابل والدواب مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک کے عموم سے تمسک بہت بہتر ہے۔ اس حدیث کی ابن خزیمہ وغیرہ محدثین نے تصحیح فرمائی ہے۔ **استنزھوا عن البول** کے الفاظ پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ الفاظ اپنے عموم کے اعتبار سے تمام جانوروں کے پیشاب کو شامل ہیں۔ لہٰذا ان سب سے اس وعید کے پیش نظر اجتناب کرنا واجب ہے۔

علاوہ ازیں کتب السنن وغیرہ میں ایک اور حدیث پاک اس مضمون کی وارد ہے وہ یہ کہ ایک شخص کو آپ نے قبر میں عذاب میں گرفتار دیکھا' اس کی بیوی سے اس کے متعلق پوچھا وہ بولی کہ مرنے والا میرا خاوند بکریوں کے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ یہ بھی اپنے عموم کے اعتبار سے پیشاب کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ اگر ان جانوروں کا پیشاب پاک ہوتا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو بکریوں کے پیشاب سے اجتناب نہ کرنے والے کو عذاب نہ ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر جانور کا پیشاب نجس ہے۔ صاحب فتح الباری نے یہی بیان کیا۔ **وذهب الشافعی والجمهور الی القول بنجاست الی ابوال والارواث کلها من ماکول اللحم وغیره** یعنی امام شافعی اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تمام جانوروں کے پیشاب اوران کا گوبر، لید وغیرہ نجس ہیں خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ۔

اشکال: جب ثابت ہوا کہ پیشاب نجس ہے لہٰذا اس کا پینا حرام ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "**لاشفاء فی الحرام** حرام میں شفا نہیں ہے" تو اس حرام کے پینے سے طلب شفا کا کیا مطلب؟

جواب: پچھلی سطور میں اس کے جواب کا ضمناً تذکرہ ہو چکا ہے وہ یہ کہ حرام اگر حرام ہوتے ہوئے استعمال کیا جائے تو اس میں شفا نہیں اور اگر اس کی حرمت بوجہ مجبوری اباحت میں تبدیل ہو جائے تو وہ حرام سے شفا نہ ہوئی بلکہ حلال سے ہوئی۔

اشکال: اگر حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہے تو کیا کسی حدیث میں اس پیشاب کے دھونے کا حکم آیا ہے؟

جواب:

حدثنا ابن ادریس عن هشام عن الحسن قال کان یری ان یغسل الابوال کلها. عن نافع وعبد الرحمن بن القاسم انهما قالا اغسل ما اصابک من ابوال البهائم.

ہمیں ابن ادریس نے ہشام سے انہوں نے حسن سے بیان فرمایا کہ ان کی رائے یہ تھی کہ ہر قسم کا پیشاب لگی چیز دھوئی جائے۔ نافع اور عبدالرحمٰن بن قاسم دونوں کہتے ہیں کہ کسی چارپایہ کا پیشاب جس چیز کو لگ جائے اسے دھولے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۱۵ فی بول البعیر والشاۃ یصیب الثوب)

خلاصۂ کلام

حرام جانور کی طرح حلال جانوروں کا پیشاب بھی جمہور علماء کے نزدیک نجس ہے اور بغیر ضرورت شدیدہ حقیقیہ کے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ شفا کی خاطر بھی اس وقت جائز ہے جب اس سے شفا کا یقین ہو جائے۔ حدیث عرنیین میں گزرا کہ ان بیماریوں کی شفا حضور ﷺ کو بذریعہ وحی بتا دی گئی تھی۔ علمائے اصول نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں طلب شفا بطور نص ہے اور ظاہر کے اعتبار سے اونٹوں کا پیشاب پاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب ظاہر اور نص آپس میں ٹکرا جائیں تو ترجیح نص کو ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث سے اونٹوں کا پیشاب حلال و پاک ہونا ثابت نہ ہوا اس لیے اس پر دوسرے حلال جانوروں کے پیشاب کو قیاس کرنا درست نہ رہے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۵۲- بَابُ الصَّلٰوةُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوْبِهَا

طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز کا حکم

۱۷۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَتَحَرّٰى اَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا.

ہمیں امام مالک نے نافع سے انہیں حضور ﷺ سے ابن عمر نے خبر دی' فرمایا: تم میں کوئی شخص طلوع اور غروب شمس کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے۔

۱۷۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ زَايَلَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا ثُمَّ اِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا وَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا قَالَ وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ.

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے انہوں نے عطاء بن یسار سے انہوں نے عبد اللہ الصنابحی سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے پھر جب بلند ہو جاتا ہے تو سینگ پھٹ جاتا ہے پھر جب سورج بالکل سر پر آ جاتا ہے تو سینگ پھر آ ملتا ہے پھر جب بلند ہو جاتا ہے تو سینگ دور ہو جاتا ہے پھر جب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو سینگ پھر آ لگتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ نے ان اوقات میں نماز سے منع فرمایا ہے۔

۱۷۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ عُمَرُ ابْنُ خَطَّابٍ يَقُوْلُ لَا تَحَرَّوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَطْلَعُ قَرْنَاهُ مَعَ طُلُوْعِهَا وَيَغْرُبَانِ مَعَ غُرُوْبِهَا وَكَانَ يَضْرِبُ النَّاسَ عَنْ تِلْكَ الصَّلٰوةِ.

ہمیں امام مالک نے عبد اللہ بن دینار سے خبر دی انہوں نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد جناب عمر بن الخطاب سے بیان کرتے ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز کا قصد نہ کرو بے شک طلوع آفتاب کے ساتھ شیطان کے دو سینگ اُبھرتے ہیں اور غروب آفتاب کے ساتھ وہ غروب ہو جاتے ہیں اور لوگ اس وقت (غروب آفتاب کے بعد) نماز مغرب ادا کرتے ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ

امام محمد کہتے ہیں کہ ان تمام باتوں پر ہمارا عمل ہے اور

وَغَيْرُهٗ عِنْدَنَا فِيْ ذَالِكَ سَوَاءٌ وَّهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ ہمارے نزدیک جمعہ کے دن اور دوسرے دن اس حکم میں برابر ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شریعت مطہرہ کا ایک زریں اصول یہ بھی ہے کہ اس میں موجود عبادات و معاملات وغیرہ احکام کو دیگر ادیان کے احکام سے ممتاز رکھا جائے۔ اسی اصل کے اعتبار سے حضور ﷺ نے نماز ایسی اہم عبادت کو سورج کے پجاریوں سے ممتاز کر دیا اور امتیوں کو حکم دیا کہ سورج کے پجاری خاص کر تین اوقات میں اس کی پرستش کرتے ہیں۔ یعنی طلوع آفتاب غروب آفتاب اور دوپہر کے وقت ہر ایک میں تقریباً بیس منٹ کا وقت نماز سے خالی رکھا جائے۔ ان تینوں اوقات میں سورج کی پوجا کرنے والے جب پوجا کرتے ہیں تو شیطان سورج کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے تاکہ ان کی عبادت کو اپنی عبادت پر محمول کر سکے لہٰذا ان اوقات ثلاثہ میں نماز کو مکروہ کہا گیا ہے اور ان اوقات میں کسی دن یا جگہ کی تخصیص نہیں جیسا کہ غیر مقلد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو تخصیص کے قائل ہیں۔ ان حضرات کی دلیل کچھ آثار اور بعض احادیث ہیں۔ ہم انہیں اعتراض کے رنگ میں ذکر کر کے جواب تحریر کرتے ہیں۔

اعتراض

عن جبیر بن مطعم ان رسول اللہ ﷺ قال یابنی عبد المطلب یا بنی عبد المناف ان ولیتم من ھذا الامر شیئا فلا تمنعوا احدا طاف بھذا البیت

جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنی عبد المطلب ! اے بنی عبد المناف ! اگر تم کعبہ کے امور کے متولی بن جاؤ تو کسی کو اس گھر کا طواف کرنے سے نہ روکنا اور دن

عن جبیر بن مطعم ان رسول اللہ ﷺ قال یابنی عبد المطلب یا بنی عبد المناف ان ولیتم من ھذا الامر شیئا فلا تمنعوا احدا طاف بھذا البیت وصلی ای ساعۃ شاء من لیل او نھار۔

جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنی عبد المطلب ! اے بنی عبد المناف ! اگر تم کعبہ کے امور کے متولی بن جاؤ تو کسی کو اس گھر کا طواف کرنے سے نہ روکنا اور دن رات جس وقت وہ نماز پڑھنا چاہے (اس سے بھی نہ روکنا)۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۶۰ باب ذکر البیان ان ہذا النہی مخصوص ببعض الامکنۃ دون بعض مطبوعہ حیدر آباد دکن)

چونکہ طواف کعبہ کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے اور حضور ﷺ نے اس کی عام اجازت دینے کا ذکر فرمایا اختتام طواف پر دو رکعت نفل بھی ادا کرنے پڑتے ہیں تو اس سے نتیجہ نکلا کہ جس طرح طواف کے لیے کسی وقت کی تخصیص نہیں اسی طرح نوافل کے لیے کسی وقت کی تخصیص نہیں۔ طلوع و غروب آفتاب ہو یا دوپہر کا وقت نوافل ادا کرنا درست ہیں۔

جواب: مذکورہ روایت کے ارشاد کی اصل وجہ کیا تھی؟ جب تک وہ سامنے نہیں آتی بات واضح نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ تھی کہ بنی عبد المطلب اور بنی عبد المناف کعبہ پاک کے متولی ہونے کی وجہ سے جب چاہتے اس کے دروازے لوگوں کے لیے بند کر دیتے جس سے لوگ کعبہ کا طواف اور اس میں نماز کی ادائیگی سے محروم رہ جاتے اور جب دروازے کھلے ہوتے تو یہ نیکی انہیں کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا مفہوم واضح ہوتا ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ کعبہ کو اپنی مرضی سے جب چاہا بند نہ کیا کرو تاکہ لوگوں کو اس میں طواف و صلوٰۃ سے محروم کر دو۔ یہ مطلب نہیں کہ اوقات مکروہہ میں یہ متولی حضرات لوگوں کو یہ دونوں باتیں کرنے سے روکتے تھے لہٰذا اس سے اوقات مکروہہ میں نوافل کی ادائیگی کا استدلال درست نہیں۔ اس کی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص صرف ربیع الاول شریف میں لوگوں کو ٹھنڈا پانی پلاتا ہے اور شربت کی سبیل لگاتا ہے اسے کوئی کہتا ہے کہ بھائی تم ہر وقت لوگوں کو پانی کیوں نہیں پلاتے؟ تمام سال پانی پلایا کرو۔ کیا یہ کہنے والا اسے یہ بھی کہہ رہا ہے کہ رمضان پاک کے مہینہ میں بھی

دن کے وقت لوگوں کو پانی پلایا کرو؟ اسی طرح جو بات پہلے سے ہی ممنوع و مکروہ ہے وہ اس میں داخل ہی نہیں ہاں جائز تھی اس سے محروم کرنے پر ایسی بات کہی جاتی ہے۔

اعتراض

حدثنا عبد الله بن المومل سعد عن حمید مولی عفراء عن قیس بن مجاهد عن ابی ذر رضی الله عنه انه قام فاخذ بحلقة باب الكعبة ثم قال من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا جندب صاحب رسول الله ﷺ سمعت رسول الله ﷺ یقول لا صلوة بعد العصر حتی تغرب الشمس ولا صلوة بعد الصبح حتی تطلع الشمس الا بمكة الا بمكة. (بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۶۱ باب ذکر البیان ہذا النہی مخصوص بعض الامکنۃ دون بعض)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کعبہ کے دروازہ کی کنڈی پکڑے کھڑے تھے پھر فرمایا: جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہیں پہچانا تو وہ جان لے کہ میں جندب ہوں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھنے والا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا: نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب تک ماسوا مکہ کے کہیں کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف میں ان دو اوقات میں نوافل ادا کرنے کی اجازت ہے ہاں مکہ شریف کے سوا دیگر مقامات میں ان دو اوقات میں نوافل ادا کرنا مکروہ ہیں۔ مکہ شریف کا آپ نے تین مرتبہ نام لے کر اجازت عطا فرمائی۔

جواب اول: ذکر کردہ حدیث سخت مجروح ہے۔ امام بیہقی نے جو جرح کی وہ یہ ہے۔ **وهذا الحديث يعد فی افراد عبد الله بن مومل وعبد الله بن مومل ضعيف** ۔ اس حدیث کی روایت صرف عبداللہ بن مؤمل نے کی اور وہ ضعیف شمار کیا گیا ہے۔ دوسرا آدمی بھی مجروح ہے۔ بیہقی ہی لکھتے ہیں۔ "**حميد الاعرج ليس بقوی** یعنی حمید اعرج قوی راوی نہیں"۔ یہاں حمید مذکور کے بارے میں نرم الفاظ ذکر کئے گئے لیکن "جوہر النقی" نے یوں جرح کی۔

فی سنده حميد الاعرج فقال فيه ليس بالقوی قلت تسهل فی امره والذی فی الكتب انه واهی الحديث وقيل ضعيف وقيل منكر الحديث وقيل ليس بشیء وقال ابن حبان يروی عن عبد الله بن الحارث عن ابن مسعود نسخة كانها موضوعة. (جوہر النقی ص ۴۶۱)

اس بارے میں ایک حدیث ذکر کی گئی جس میں ایک راوی حمید اعرج ہے۔ امام بیہقی نے اسے "لیس بالقوی" کہا لیکن یہ جرح نرم ہے۔ کتب رجال میں جو اس کے بارے میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ راوی ادھر ادھر کی حدیث بیان کرنے والا ہے۔ اسے ضعیف بھی کہا گیا۔ منکر الحدیث اور لیس بشیء بھی کہا گیا۔ ابن حبان نے کہا کہ عبداللہ بن حارث ابن مسعود سے ایک نسخہ روایت کرتا ہے جو من گھڑت ہے۔

قارئین کرام! جس روایت میں تخصیص مقام (مکہ مکرمہ) تھی۔ اس کی حالت آپ نے دیکھی اور جس میں کسی جگہ کی تخصیص نہ تھی اس کی صحت بھی آپ کے سامنے ہے لہٰذا ایک صحیح حدیث کا ایسی حدیث معارضہ کیونکر کر سکتی ہے جو سخت مجروح ہو بلکہ اس کے ایک اور راوی کا اپنے شیخ سے سماع ہی ثابت نہیں (یعنی مجاہد کا ابو ذر سے سماع ثابت نہیں) تو معلوم ہوا کہ تمام جگہیں ایک ہی حکم رکھتی ہیں لہٰذا مکہ کی تخصیص کرنا حدیث صحیح کے خلاف ہے۔

جواب دوم:

حدثنا عبد الرحمن بن عبد القاری اخبره انه طاف مع عمر بن الخطاب رضی الله عنه بعد صلوة الصبح بالكعبة فلما قضى عمر طوافه نزل فلم یر الشمس فرکب حتی اتاه بذی طوی فسبح رکعتین. (بیہقی ج ۲ ص ۴۶۳)

عبدالرحمٰن بن قاری نے ہمیں خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ نماز صبح کے بعد طواف کعبہ کیا۔ طواف مکمل کرنے کے بعد آپ سواری سے اترے تو ابھی سورج طلوع نہ ہوا دیکھا پھر سوار ہو گئے یہاں تک کہ ذی طویٰ آکر دو رکعت نفل ادا فرمائے۔

نمازعصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے

حدثنا شعبة عن سعد بن ابراهيم عن نضر بن عبد الرحمن عن جده معاذ بن عضراء انه كان يطوف بالبيت بعد العصر فلا يصلي فقال له رجل من قريش مالک لاتصلی قال ان رسول اللهﷺ نهى عن الصلوة بعد الصلوتين بعد العصر حتى تغرب الشمس وبعد الصبح حتى تطلع۔ (بیہقی شریف ج۲ ص ۴۶۴ باب ذکر البیان ان ہذا النہی مخصوص ببعض الامکنۃ دون بعض)

جناب معاذ بن عضرا نے نماز عصر کے بعد طواف کعبہ کیا تو اس کے بعد دو نفل نہ ادا کیے۔ ایک قریشی مرد نے معاذ سے کہا: آپ نے نماز کیوں نہ ادا کی؟ فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے دو نمازوں کے بعد نفل پڑھنے سے منع فرمایا عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور صبح کے بعد طلوع آفتاب تک۔

حضرت معاذ بن عضرا والی مذکورہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کے مقابلہ میں جو نماز عصر اور نماز فجر کے جواز پر احادیث ہیں وہ مجروح بلکہ موضوع تک لکھا جیسا کہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں تو صحیح احادیث کو چھوڑ کر موضوع اور مجروح احادیث پر عمل کیسے جائز ہے؟ ان حوالہ جات سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ مکہ مکرمہ کو مخصوص کرنے والی روایت سخت مجروح اور اس کے خلاف ہر جگہ کی تعمیم کرنے والی انتہائی صحیح حدیث ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں لہٰذا اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ چاہے کسی جگہ ہو یا کسی وقت اور دن میں ہو۔ تو ثابت ہوا کہ مولوی عطاء اللہ کا اوقات مکروہہ میں نمازیں پڑھنا مکروہ ہے' کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ پہلے کا حکم ہے بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی، بالکل بے دلیل اور روایات ضعیفہ پر مبنی ہے جو قابل حجت نہیں ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض

رواه الشافعی قال اخبرنا ابراهيم بن محمد حدثنا اسحاق بن عبد الله بن ابی فروه عن سعيد المقبری عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ نهى عن الصلوة نصف النهار حتى تزول الشمس الا يوم الجمعة. (مسند شافعی ص ۳۵)

امام شافعی نے روایت کی کہ ہمیں ابراہیم بن محمد نے خبر دی کہ انہیں اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ نے سعید مقبری سے اور انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج ڈھل نہ جائے ۔ ہاں جمعہ کے دن جائز ہے۔

حدیث مذکور سے دوپہر زوال شمس کے وقت جمعہ کے علاوہ بقیہ دنوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے جس سے صاف ظاہر کہ جمعہ کے دن زوال شمس کے وقت نماز ادا کرنا جائز ہے لہٰذا اوقات مکروہہ کی ممانعت علی الاطلاق نہ رہی ۔ یہی بات مولوی عطاء اللہ غیر مقلد

نے بھی لکھی۔

جواب: چونکہ یہ حدیث سخت مجروح ہے لہٰذا قابل حجت نہیں اس کے راوی ابراہیم بن محمد اور اسحاق بن عبد اللہ دونوں ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ابن سعد منکر الحدیث ہے

قال ابن سعد کان کثیر الحدیث یروی احادیث منکرة ولا یحتجون بحدیثه وقال البخاری ترکوه وقال احمد لامحل عندی الروایة عنه وفی روایة لیس باهل ان یحمل عنه . وفی روایة ابن ابی مریم عنه لا یکتب حدیثه لیس بشیء . وفی روایة علی بن حسن عنه کذاب.

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۰)

(اسحاق بن عبد اللہ کے بارے میں) ابن سعد نے کہا وہ کثیر الحدیث ہے، منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کرتے۔ بخاری نے کہا کہ اس کو محدثین نے چھوڑ دیا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں میرے نزدیک اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کو ذکر کیا جائے۔ ابن ابی مریم کی روایت میں ہے کہ اس کی حدیث لکھی جانے کے قابل نہیں۔ یہ لیس بشیء ہے اور علی بن حسن کی روایت کے مطابق یہ کذاب ہے۔

مختصر یہ کہ مذکورہ حدیث کے راوی سخت مجروح ہیں لہٰذا یہ قابل حجت اور نا قابل عمل ہے۔ علاوہ ازیں اسی روایت کو بیہقی میں بسند واقدی بھی ذکر کیا گیا اور واقدی بھی مشہور، متروک الحدیث راوی ہے لہٰذا اوقاتِ مکروہہ میں ہر جگہ اور ہر دن نوافل کی ادائیگی مکروہ ہے اور یہی بات احادیثِ صحیحہ اور مقبول الاسناد سے ثابت ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا انکار

دور جدید کے منکر الحدیث غلام جیلانی برق نے اپنی تصنیف دوراسلام ص ۳۲۰ تا ۳۲۱ پر ایک اعتراض لکھا ہے وہ یہ کہ حدیث میں جو آتا ہے کہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع وغروب ہوتا ہے یہ بات عقلاً درست نہیں کیونکہ ہر جانور کی پیشانی اس کے کل جسم کا سولھواں حصہ بنتی ہے لہٰذا شیطان کے دوسینگوں کا حصہ اس کے کل جسم کا سولھواں حصہ ہوگا اور سورج زمین سے بارہ لاکھ اسی ہزار گنا بڑا ہے لہٰذا سورج کے مقابلہ میں شیطان کا جسم سولہ گنا بڑا ہوگا یعنی دو کروڑ چار لاکھ اسی ہزار گنا زمین سے شیطان بڑا ہوا اتنے بڑے جسم کا مالک اور پھر زمین میں ادھر ادھر آئے جائے یہ ناممکن ہے لہٰذا یہ حدیث از روئے عقل درست نہیں۔

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات عرف اور محاورہ کے اعتبار سے بیان فرمائی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سورج فلاں پہاڑ سے نکل آیا ہے۔ فلاں ٹیلے کے پیچھے غروب ہو رہا ہے۔ بادل کے اس ٹکڑے نے سورج کو چھپا دیا ہے۔ کیا ان محاورات سے یہی مطلب ہوگا کہ پہاڑ سورج سے بڑا ہے یا فلاں فلاں ٹیلا اس سے بڑا ہے یا بادل کا ٹکڑا اس سے بڑا ہے؟ لہٰذا حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ سورج جب طلوع وغروب اور سر پر ہوتا ہے تو اس کے پجاری اس کی پوجا کرتے ہیں اور چونکہ شیطان نے انہیں اس غلط کام میں لگا رکھا ہے لہٰذا وہ سورج کے سامنے آ کر اپنے پیروؤں کی عبادت دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ بلاتمثیل جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ نمازی کو قبلہ رخ دوران نماز تھوکنا نہیں چاہیے کیونکہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد عامیانہ انداز میں ان اوقات میں نماز جیسی عبادت ادا کرنے سے روکنا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۵۳- بَابُ الصَّلٰوةُ فِیْ شِدَّةِ الْحَرّ

سخت گرمی میں نماز پڑھنے کا حکم

۱۸۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ مَوْلَى الْاَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَذَكَرَ اَنَّ النَّارَ اشْتَكَتْ اِلٰى رَبِّهَا عَزَّ وَجَلَّ فَاَذِنَ لَهَا فِیْ كُلِّ عَامٍ بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِی الصَّيْفِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے عبد اللہ بن یزید مولی الاسود بن سفیان نے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن اور محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان سے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو بے شک گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہے اور ذکر فرمایا کہ جہنم نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کا حکم دے دیا ایک گرمیوں میں اور دوسرا سردیوں میں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ نُبَرِّدُ بِصَلٰوةِ الظُّهْرِ فِی الصَّيْفِ وَنُصَلِّیْ فِی الشِّتَاءِ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی معمول ہے کہ گرمیوں میں ظہر کی نماز ہم ٹھنڈا کر کے پڑھتے ہیں اور سردیوں میں دوپہر ڈھلنے کے بعد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مذکورہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سرکار دو عالم ﷺ کا گرمیوں میں نماز ظہر ادا کرنے کا حکم ہے کہ اسے ٹھنڈا کر کے پڑھا جائے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں سردیوں میں ٹھنڈا کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے اس موسم میں ہم نماز ظہر زوال شمس کے بعد ہی ادا کر لیتے ہیں۔ اسی کی تائید ایک اور روایت سے کتاب الآثار کے حوالہ سے درج ذیل ہے۔

نماز ظہر گرمی میں ٹھنڈی کر کے اور سردی میں جلدی پڑھنی چاہیے

اخبرنا ابوحنیفه عن حماد عن ابراهیم عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال ابردوا بالظهر عن فیح جهنم قال محمد نؤخر الظهر فی الصیف حتی تبردها وتصلی فی الشتاء حین تزول الشمس وهو قول ابی حنیفة رحمة الله علیه.

(کتاب الآثار لامام محمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۳ باب مواقیت الصلوٰۃ)

ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے اور وہ حضرت عمر بن الخطاب سے بیان کرتے ہیں فرمایا: جہنم کی لپٹ سے نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔ امام محمد کہتے ہیں گرمیوں میں نماز ظہر کو اتنا مؤخر کیا جائے کہ گرمی کا زور ٹوٹ چکا ہو اور سردیوں میں زوال شمس کے بعد ہی پڑھ لی جائے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ظہر کا گرمی میں ٹھنڈا کر کے پڑھنا

مشہور ہے کہ ظہر کے آخری وقت اور عصر کے ابتدائی وقت میں امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے اس کی دلیل اسی موطا کے باب وقوت الصلوٰۃ میں گزری ایک روایت بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ''ہمارا قول یہ ہے کہ جب سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو جائے تو اب وہ سایہ زوال شمس کے وقت موجود اصلی سایہ سمیت ایک مثل اور کچھ اوپر ہو گیا اب وقت عصر شروع ہو گیا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دوگنا نہ ہو جائے تو عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا''۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین نے بات یہ بھی اڑا رکھی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا لہٰذا احناف کا متفقہ فیصلہ ہو گیا کہ عصر کا وقت سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل بڑھنے پر شروع ہو جاتا ہے۔ ہم مختصر طور پر ان دونوں باتوں کو بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ "وقوت الصلوة" میں اُردو ترجمہ کے ساتھ سطور بالا میں ہم پیش کر چکے ہیں اور جہاں تک ان کے اخذ وعمل کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں ان کی اپنی عبارت "باب الصلوة فی شدة الحر" میں ابھی اوپر گزر چکی ہے اور ان کی ہی دوسری تصنیف "کتاب الآثار باب مواقیت الصلوة" کا بھی ایک حوالہ ہم نے ذکر کیا۔ ان دونوں مقامات پر آپ فرماتے ہیں کہ گرمیوں کے موسم میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا ہمارا بھی یہی عمل ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ گرمیوں میں ٹھنڈا ہونے کے لیے کتنا وقت درکار ہوتا ہے؟ حرمین طیبین میں گرمیوں کے موسم میں مشاہدہ کرنے والے لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ وہاں دوپہر کی گرمی کی شدت ایک مثل سایہ ہونے تک نہیں ٹوٹتی بلکہ اس کے بعد اس کا زور ٹوٹتا ہے۔ اب صاف ظاہر کہ زور ٹوٹنے کے بعد جب نماز کی ادائیگی کا خود امام محمد بھی اقرار فرما رہے ہیں تو یہ ایک مثل سے پہلے نہیں بلکہ بعد تک ہوگا اور ایک مثل کے بعد جب نماز ظہر ادا کی جائے تو وہ ظہر کے وقت میں ہی پڑھی گئی ہوگی ورنہ وہ ادا نہ ہوتی بلکہ قضا کہلاتی تو معلوم ہوا کہ صاحبین کے نزدیک نماز ظہر کا وقت دو مثل کے بعد تک ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ دراصل امام اعظم کے قول کی طرف رجوع ہے لہذا یہ کہنا کہ امام اعظم نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا درست نہیں بلکہ معاملہ الٹ نظر آتا ہے۔ ورنہ امام محمد کے قول وعمل میں تضاد نظر آتا ہے جس کے رفع کا اور کوئی طریقہ نہیں۔

مذکورہ حدیث میں جہنم کی شکایت اور دو سانس لینے کی بات پر کچھ عقل کے بندوں بلکہ عقل کے اندھوں اور منکر حدیث کو اعتراض ہے کہ بولنا اور سانس لینا ذی روح سے متعلق ہے اور جہنم ذی روح نہیں۔ ان کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ کسی کو بھی بلوا لے۔ چاہے وہ بے روح ہو یا کوئی اور چیز قرآن کریم میں ارشاد ہے: جب قیامت میں کچھ لوگوں کے اعضا خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ پوچھیں گے تمہیں کس نے بولنے کی طاقت دی؟ جواب ملے گا "انطقنا الله الذی انطق کل شیء۔ اس اللہ نے نطق عطا فرمایا جس نے ہر چیز کو نطق دیا"۔ اگر ہاتھ پاؤں بولیں گے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہنم کو بھی قوت گویائی عطاء کر دی ہے۔ جہنم کے سانس لینے کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جہنم دو قسم کی ہے۔ ایک سخت گرم دوسری سخت سرد لہٰذا ایک سانس سخت گرم نے لے لیا۔ اس سے گرمی میں شدت آگئی اور سرد کے سانس نے سردی میں شدت پیدا کر دی۔

والله اعلم بالصواب

٥٤- بَابُ اَلرَّجُلُ يَنْسَى الصَّلوةَ اَوْ تَفُوْتُهُ عَنْ وَقْتِهَا

نماز بھول جانے اور وقت سے فوت ہو جانے کا بیان

١٨١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ خَيْبَرَ اَسْرٰى حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَاْ لَنَا الصُّبْحَ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهُ وَكَلَاَ بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ اسْتَنَدَ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ وَهُوَ مُقَابِلُ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا بِلَالٌ وَلَا اَحَدٌ مِّنَ الرَّكْبِ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَذَ

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب انہیں سعید بن میسب نے خبر دی کہ سرکار دوعالم ﷺ خیبر سے واپس آ رہے تھے تو رات بھر چلتے رہے حتی کہ جب رات ختم ہونے پہ آئی تو پڑاؤ ڈالا اور بلال سے فرمایا کہ تم صبح ہونے کا دھیان رکھنا اور ہمیں جگا دینا۔ اس کے بعد حضور ﷺ محو استراحت ہو گئے اور صحابہ کرام بھی سو گئے۔ بلال جتنی دیر مقدر میں لکھا تھا جاگے پھر اپنی سواری کے کجاوے سے ٹیک لگائی اور سو گئے۔ صبح کے وقت کوئی بھی نہ جاگا حتی کہ سورج کی دھوپ ان پر پڑنے لگی۔ حضور ﷺ جلدی سے اٹھے بلال کو جگایا اور واقعہ پوچھا عرض کی یا رسول اللہ! مجھے بھی اسی

بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اِقْتَادُوْا فَبَعَثُوْا رَوَاحِلَهُمْ فَاقْتَادُوْهَا شَيْئًا ثُمَّ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ ثُمَّ قَالَ حِيْنَ قَضَى الصَّلٰوةَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ.

ذات نے پکڑا کہ جس نے آپ کو پکڑا فرمایا: اٹھو اور کوچ کی تیار کرو چنانچہ کچھ دور ہی چلے تھے پھر حضور ﷺ نے حضرت بلال کو اذان واقامت کہنے کا حکم دیا۔ آپ نے نماز صبح با جماعت پڑھائی فراغت پر فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا بھولے سے اس کی نماز رہ جائے تو جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔''اقم الصلوة لذكری میری یاد کے لیے نماز قائم کرو''۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِلَّا أَنْ يَذْكُرَهَا فِي السَّاعَةِ الَّتِيْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْهَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَتَبْيَضَّ وَنِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ وَحِيْنَ تَحْمَرُّ الشَّمْسُ حَتّٰى تَغِيْبَ إِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ فَإِنَّهٗ يُصَلِّيْهَا وَإِنِ احْمَرَّتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل بھی یہی ہے ہاں اگر بھولے سے رہ گئی نماز ان اوقات میں یاد آئی جن میں حضور ﷺ نے ادا کرنے سے منع فرمایا (تو پھر نہ پڑھے بلکہ وہ وقت گزار کر پڑھ لے) وہ اوقات یہ ہیں۔ طلوع سورج کے وقت سے لے کر سورج کے اچھی طرح نکل آنے اور اس کے روشن ہونے تک دوپہر کے وقت سے زوال شمس تک' عصر کے وقت کے آخر میں سورج کے سرخی مائل ہونے سے غروب آفتاب تک مگر اس وقت اسی دن کی نماز عصر ادا کرنا جائز ہے اگرچہ سورج سرخی مائل ہو چکا ہو اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ کا بھی ہے۔

اعتراض

مذکورہ حدیث شریف میں موجودہ واقعہ کے بارے میں کچھ علماء حضور ﷺ کی ذات مقدسہ پر یہ اعتراض گھڑتے ہیں کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے سو جانے کی وجہ سے اور خاص کر حضرت بلال کے سو جانے کی وجہ سے تمام کی نماز صبح قضا ہو گئی۔ اگر حضور ﷺ کو معلوم ہوتا کہ نہ میں اٹھوں گا نہ کوئی صحابی جاگے گا اور نہ ہی بلال پہرہ دے سکیں گے تو پھر آپ نماز پڑھ کر آرام فرماتے ،اور بلال کو پہرہ پر نہ بٹھاتے لہٰذا آپ کے علم غیب کی نفی ہو گئی۔

نبی کے نسیان اور عام آدمی کے نسیان میں فرق ہے

جواب اول: یہ بات تو معترضین کو بھی تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو امت کا پیشوا اور مقتدیٰ بنا کر مبعوث فرمایا ہوتا ہے اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا اس کا مقصود و محبوب ہے لہٰذا جب عام آدمی کو اپنی زندگی میں بہت سے کاموں میں نسیان ہو جاتا ہے تو اس بارے میں بھی کچھ ہدایات ہونا ضروری تھیں تو پروردگار عالم نے ہم پر احسان فرمایا کہ اس نے اپنے نبی کو حالت نسیان عطا کی لیکن اس نسیان اور ہمارے نسیان میں فرق بھی ہے۔ حضور ﷺ خود فرماتے ہیں ہم انبیاء بھولتے نہیں بھلائے جاتے ہیں حضرت آدم کے نسیان کے بارے ارشاد فرمایا:''وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ہم نے ان کا (نسیان پر) پختہ ارادہ نہ پایا''۔نسیان کی طرح انبیاء کرام کو نیند بھی آتی ہے۔اس سے بھی بہت سے احکام ہمارے لیے نکلتے ہیں لیکن ان کی نیند اور ہماری نیند میں بھی فرق ہے۔اگر مذکورہ واقعہ پیش نہ آتا تو درج ذیل امور سے ہم محروم رہتے۔

(۱) شیطان کے اثر والی جگہ پر نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ آپ نے بیدار ہوتے ہی وہاں نماز نہ ادا فرمائی بلکہ کچھ دور جا کر ادا

فرمائی۔
(۲) اگر سب کی نماز قضا ہو جائے تو اسے با جماعت ادا کرنا درست ہے۔
(۳) صبح کی قضا ہو جائے اگر اسے ادا کیا جائے تو فرضوں کے ساتھ دو سنتیں بھی ادا کی جائیں گی۔
(٤) قضا نماز کے لیے اذان و اقامت کہی جاتی ہے۔

جواب دوم: حدیث مذکورہ کی عبارت کے پیش نظر معترض کو اعتراض کا موقع مل گیا۔ اگر روایت مذکورہ کا بقیہ حصہ دیکھ لیا جاتا تو جواب خود حل جاتا۔ بقیہ حصہ موطا امام مالک سے ہم نقل کرتے ہیں۔

ثم التفت رسول الله ﷺ الی ابی بکر فقال ان الشیطان اتی بلالا وهو قائم یصلی فاضجعه فلم یزل یهدء ه کما یهدء الصبی حتی نام ثم دعا رسول الله ﷺ بلالا فاخبر بلال رسول الله ﷺ مثل الذی اخبر رسول الله ﷺ ابابکر فقال ابو بکر اشهد انک رسول الله.
(موطا امام مالک ص ۱۰ باب ماجاء فی دلوک الشمس)

پھر سرکار دو عالم ﷺ ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: شیطان، حضرت بلال کے پاس آیا وہ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اس نے اسے لٹا دیا اور بچوں کی تھپکیاں دینا شروع کر دیں یہاں تک کہ حضرت بلال سو گئے پھر حضور ﷺ نے بلال کو بلایا تو بلال نے جناب رسول خدا ﷺ کو وہی قصہ بیان کیا جو آپ ابوبکر سے بیان کر چکے تھے۔ یہ سن کر ابوبکر بولے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے واقعی رسول ہیں۔

حدیث مذکورہ کے بقیہ حصہ سے معترض کا اعتراض یوں کافور ہو جاتا جیسے تھا ہی نہیں۔ ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بھی محو آرام ہیں اور نماز صبح قضا ہو رہی ہے اور دوسری طرف اسی نیند کی حالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ شیطان کا فریبانہ انداز بھی ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ یہی عجیب و غریب بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوراً گواہی دینے پر مجبور کر رہی ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی حالت بیداری تو حالت بیداری ہے حالت نیند میں بھی دلوں کے بھید اور رونما ہونے والے واقعات سے باخبر ہیں مگر بے خبر، بے خبر جانتے ہیں۔

اشکال: مذکورہ روایت میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ''بھولی ہوئی نماز جب یاد آ جائے پڑھ لو'' سے غیر مقلدین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہ ہونے کی وجہ سے اوقات مکروہہ میں اگر نماز یاد آ جائے تو پڑھ لینی چاہیے لہٰذا اوقات مکروہہ میں نماز ادا کرنا درست ہے۔

اوقاتِ مکروہ میں نماز پڑھنا منع ہے

جواب: جہاں تک الفاظ حدیث ہیں اس حد تک تو اشکال کی شکل بنتی ہے لیکن خود حدیث پاک کا پورا مضمون اس کی واضح تردید کر رہا ہے وہ اس طرح کہ حضور ﷺ نے اس رات بیدار ہونے پر فوراً اسی جگہ اور اسی وقت نماز ادا نہ فرمائی بلکہ کچھ دیر ٹھہر کر آگے ایک مقام پر نماز پڑھی لہٰذا حدیث پاک کا مفہوم یہ ہوا کہ بھولی بسری نماز کا ادا کرنا اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب وہ یاد آ جائے اور جب تک یاد نہیں آئی اس کی عدم ادائیگی پر مؤاخذہ نہ ہوگا اور جب یاد آ گئی تو پھر اس کی ادائیگی دیگر فرمودات رسول کریم ﷺ کی روشنی میں ہوگی اس لیے اس حدیث کے بعد امام محمد نے فرمایا کہ اوقات مکروہہ کی استثناء بہر حال موجود ہے اور صراحۃً آپ نے تین اوقات مکروہہ کا ذکر فرمایا۔ یہ دراصل اسی وہم کا جواب ہے جو حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے غیر مقلدین کی طرح کسی کو پڑ سکتا تھا۔ اوقات ثلاثہ مکروہہ میں نماز کے مزید احکام درج ذیل ہیں۔
(۱) طلوع و غروب اور استواء شمس ان تینوں اوقات میں کوئی نماز جائز نہیں (نہ فرض، نہ سنت، نہ نفل نہ ادا نہ قضا)۔

(۲) نماز جنازہ اگر انہی اوقات میں سے کسی میں تیار ہو اور پڑھنا چاہیں تو اس کی ادائیگی درست ہے لیکن بہتر ہے کہ ان اوقات کو گزرنے دیا جائے۔

(۳) سجدۂ تلاوت اگر انہی اوقات میں پڑھتے ہوئے لازم ہو تو ادا کرنا درست ہے۔

(٤) نماز عصر پڑھ لینے کے بعد سورج کے زرد پڑ جانے سے غروب تک اور صبح صادق سے طلوع آفتاب تک صبح کی اپنی سنتوں کے سوا ان دو اوقات میں کسی قسم کے نفل ادا کرنا منع ہیں اور سجدہ شکر مطلقاً مکروہ ہے۔ اسی طرح قضا بھی عصر کے وقت مکروہ میں جائز نہیں۔ ان دو اوقات میں سجدہ اگرچہ سہو یا تلاوت کا ہو مکروہ ہے۔

١٨٢ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ وَعَنِ الْاَعْرَجِ يُحَدِّثُوْنَهٗ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَهَا وَمَنْ اَدْرَكَهَا مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَهَا.

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے خبر دی انہیں عطاء بن یسار، بسر بن سعید اور الاعرج نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے پہلے پڑھ لی اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے قبل عصر کی رکعت پڑھ لی اس نے عصر کی نماز پالی۔

اشکال: احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز صبح ادا کرنے کے دوران اگر سورج نکل آیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ ان کا یہ مسلہ مذکورہ روایت کے بالکل خلاف ہے اور اپنی رائے پر قائم ہے کیونکہ حدیث پاک کے مضمون کے مطابق ایک رکعت پڑھ لینے کے بعد دوسری رکعت سورج نکلنے پر پڑھنے والے کے متعلق آپ کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص نے صبح کی نماز پالی۔

جواب: بات دراصل یہ ہے کہ یہ اشکال صرف اسی حدیث کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ وہ احادیث جن میں اوقات مکروہہ میں نماز ادا کرنے کی ممانعت ہے انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ دونوں اقسام کی احادیث صحیح ہیں۔ جب دو احادیث میں تعارض ہو تو اسے دور کرنے کے لیے اصل حدیث میں درج قاعدہ کی طرف رجوع کیا جائے گا اور وہ قاعدہ قیاس شرعی ہے۔ اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہے کہ نماز کا ظاہری سبب وہ وقت ہے جو ادائیگی کے ساتھ متصل ہے۔ اب ہم اس اصل کے پیش نظر نماز صبح اور نماز عصر کا معاملہ لیتے ہیں۔ نماز صبح کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کامل وقت ہے اور نماز عصر کا سورج کے زرد پڑنے پر ناقص ہو جاتا ہے۔ اب ایک شخص نے صبح کی نماز کی ابتدا صبح کے وقت (کامل) میں شروع کی اور درمیان میں سورج طلوع ہونے کی وجہ سے وقت فاسد میں بقیہ نماز ادا ہوئی۔ شروع کامل تھی اور انتہا ناقص بلکہ فاسد بن رہی ہے اس لیے صبح کی نماز کے دوران طلوع آفتاب نماز کو فاسد کر دے گا۔ اس کے برعکس عصر کا آخری وقت چونکہ ناقص ہے اس لیے اس میں شروع ہونا بھی ناقص اور تکمیل بھی ناقص لہٰذا نماز عصر ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ "تحمر الشمس" اور "تطلع الشمس" اس طرف رہنمائی کرتے ہیں لہٰذا احناف کا مسلک حدیث پاک کے خلاف نہیں بلکہ دیگر احادیث کو بھی سامنے رکھ کر ایک تطبیق کی صورت میں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٥٥ - بَابُ الصَّلٰوةِ فِي اللَّيْلَةِ الْمُمْطِرَةِ وَفَضْلُ الْجَمَاعَةِ

بارش ہوتی رات میں نماز کا حکم اور جماعت کی فضیلت

١٨٣ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ نَادٰى بِالصَّلٰوةِ فِيْ سَفَرٍ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

ہمیں امام مالک نے نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر نے ایک رات سخت سردی اور بارش میں دوران سفر اذان دی پھر اعلان کیا لوگو! اپنی اپنی جگہ ہی نماز پڑھ

ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ بَارِدَةٌ ذَاتُ مَطَرٍ يَقُوْلُ أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ.

لو پھر فرمایا: بیشک رسول اللہ ﷺ مؤذن کو حکم فرمایا کرتے تھے جبکہ رات بارش ہو رہی تھی اور سردی بھی ہوتی۔ مؤذن اعلان کرتا تھا لوگو! اپنی اپنی جگہ نماز ادا کرلو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا حَسَنٌ وَهٰذَا رُخْصَةٌ وَالصَّلٰوةُ فِي الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ.

امام محمد کہتے ہیں یہ اچھی بات ہے اور رخصت ہے اور باجماعت نماز افضل ہے۔

١٨٤ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ إِنَّ أَفْضَلَ صَلٰوتِكُمْ فِي بُيُوْتِكُمْ إِلَّا صَلٰوةَ الْجَمَاعَةِ.

ہمیں امام مالک نے ابونضر سے انہیں بسر بن سعید نے جناب زید بن ثابت سے خبر دی فرمایا: فرضی نماز کے سوا دوسری نمازیں گھروں میں ادا کرنا افضل ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَكُلٌّ حَسَنٌ.

امام محمد فرماتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے اور تمام اچھا ہے۔

١٨٥ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَضْلُ صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ عَلٰى صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَحْدَهٗ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.

ہمیں امام مالک نے انہیں نافع نے ابن عمر سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی تنہا نماز سے نماز باجماعت ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مذکورہ احادیث میں بارش کے وقت گھر میں نماز ادا کر لینے کی اجازت دی گئی ہے اور ایسا کرنا جائز ہے لیکن افضلیت اسی میں ہے کہ نماز باجماعت ادا کرے۔ بارش سے ایسی بارش مراد ہے کہ جس میں مسجد تک آنے سے تکلیف بڑھ جانے کا خدشہ ہو۔ اسی طرح آندھی اور طوفان کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے تو گھر پر نماز ادا کرنے سے گناہ نہ ہوگا۔ معمولی سردی یا بارش کہ جس سے کسی قسم کے نقصان یا تکلیف کا احتمال نہ ہو ایسی صورت میں گھر پر نماز ادا کرنے کی اجازت مراد نہیں ہے بہر حال نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اس لیے جماعت والی نمازیں (پانچ فرضی نمازیں، عیدین، جمعہ، نمازہ جنازہ) گھر میں ادا کرنا افضل نہیں۔ ان کے سوا نمازیں (وتر، سنتیں، نوافل) گھر پر ادا کرنا افضل ہیں کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ ان نمازوں کو اکثر کاشانہ اقدس میں ہی ادا فرمایا کرتے تھے لیکن اس سے یہ مفہوم نہیں لیا جائے گا کہ ان نمازوں کی مسجد میں ادائیگی درست ہی نہیں ہے بلکہ گھر پر ادا کریں تو افضل اور مسجد میں ادا کریں تو جائز ہیں۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

٥٦ - بَابُ قَصْرُ الصَّلٰوةِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نمازِ قصر پڑھنا

١٨٦ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنِيْ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ فَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ وَأُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ.

ہمیں امام مالک نے صالح بن کیسان سے انہیں عروہ بن زبیر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی فرماتی ہیں کہ نماز سفر و حضر میں دو دو رکعت فرض کی گئی تھی پھر اقامت کے دوران نماز میں زیادتی کر دی گئی اور سفر میں اسی کو مقرر کر دیا گیا۔

١٨٧ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلٰى خَيْبَرَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب خیبر کی طرف روانہ ہوتے تو نماز میں قصر فرماتے۔

١٨٨ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع نے حضرت عبد

عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلٰوةَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ.

اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا وہ جب حج یا عمرہ کی غرض سے مدینہ منورہ سے چلتے تو ذی الحلیفہ میں نماز قصر ادا کرتے۔

۱۸۹- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنِي ابْنُ الشِّهَابِ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ خَرَجَ إِلَى رِيْمٍ فَقَصَرَ الصَّلٰوةَ فِي مَسِيْرَةِ ذَالِكَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں ابن شہاب زہری نے سالم بن عبداللہ سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب ریم کی طرف سفر کیا تو اس سفر میں انہوں نے نماز قصر کر کے پڑھی (ریم مدینہ منورہ سے تیس چالیس میل دور ہے)۔

۱۹۰- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبُرِيْدَ فَلَا يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کی معیت میں ایک برید تک گیا تو انہوں نے نماز قصر نہ کی تھی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ إِذَا خَرَجَ الْمُسَافِرُ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ إِلَّا أَنْ يُّرِيْدَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ كَوَامِلَ بِسَيْرِ الْإِبِلِ وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ فَإِذَا أَرَادَ ذَالِكَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ حِيْنَ يَخْرُجُ مِنْ مِصْرِهٖ وَيَجْعَلُ الْبُيُوْتَ خَلْفَ ظَهْرِهٖ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں جب مسافر نکلے تو وہ نماز پوری ادا کرے گا ہاں اگر تین دن کامل مسافت کے ارادے سے نکلے اور وہ مسافت اونٹوں کے چلنے یا پیدل چلنے کے اعتبار سے ہو تو جب اس قدر مسافت کا ارادہ کرے گا تو اپنے شہر سے نکلتے ہی اور اپنے گھروں کو اپنی پشت پر کر لینے کے بعد دوگانہ ادا کرے گا اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

مذکورہ آثار و روایات میں چند باتیں مذکور ہیں۔ (۱) ابتداً سفر و حضر میں دو رکعت فرض تھیں بعد میں سفر میں تو اتنی ہی رہی لیکن حضر میں بڑھا دی گئیں صرف صبح کی نماز ویسی کی ویسی رہی۔ (۲) سفر شرعی میں حدود شہر سے یا اپنی جائے اقامت سے نکل آنے کے بعد قصر نماز شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے جانب مکہ روانہ ہوتے تو ذوالحلیفہ (آج کل بئر علی کے نام سے مشہور ہے) پہنچنے پر دوگانہ شروع فرما دیتے جو تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین دن مکمل کے سفر کا ارادہ کرنے والا اسی وقت مسافر شمار ہو جاتا ہے جب وہ آبادی سے باہر نکل جائے۔ مقام ریم پر حضرت عبداللہ بن عمر کا نماز قصر ادا کرنا بھی اسی طرف مشیر ہے کیونکہ یہ جگہ تیس چالیس میل کے لگ بھگ ہے جو تین دن مکمل سفر کا فاصلہ نہیں بنتا۔ نماز قصر اور اس کے متعلق مسائل تفصیلی بحث کا تقاضا کرتے ہیں اس لیے ہم اس بارے میں مستقل بحث کرتے ہیں۔

سفر شرعی کی مقدار تین دن کا سفر ہے

سفر شرعی: از روئے شرع شریف مسافر وہ ہے جو مستقل اپنے اوپر تصرف رکھتا ہے اور قیام و سفر میں کسی کے ماتحت نہ ہو کیونکہ ماتحت کے قیام و عدم کا اعتبار نہیں کیا جاتا لہٰذا غلام یا بیوی کی قیام و سفر میں وہی نیت متصور ہوگی جو ان کے آقا اور خاوند کی ہوگی۔ اس مستقل تصرف کی وجہ سے بالغ ہونا لازم ہے لہٰذا نابالغ پر قصر کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ تیسری شرط یہ کہ متصل تین دن کا سفر درپیش ہو اور یہ اندازہ درمیانی چال چلنے والے آدمی یا اونٹ کی رفتار سے لیا جائے گا۔ متصل تین دن کا سفر اگر نہیں بلکہ ایک آدمی بالا رادہ دس بارہ میل کسی کام کے لیے گیا پھر وہاں جانے کے بعد مزید بیس میل آگے کا قصد کر لیا یونہی پھر چالیس میل اور آگے جانے کا ارادہ کر کے سفر کرتا ہے تو ایسے شخص پر قصر نہیں۔ رہا یہ کہ تین دن کی مسافت جو آدمی کی درمیانی چال یا اونٹ سے ہم نے بیان کی تو اس بارے میں مطلوبہ دوری مراد ہے چاہے وہ ایک گھنٹہ میں کسی تیز رفتار آلہ سے کر لی جائے یا اس سے کم و بیش میں۔ ان شرائط کے پورا کرنے والے

کومسافر شرعی کہا جاتا ہے اوراس پر دوران سفر چار رکعت فرض والی نماز دو رکعت رہ جاتی ہے اوراگر روزہ نہ رکھنا چاہے تو اس پر گناہ نہیں لیکن قضا لوٹانا پڑے گی اوراگر سفر میں روزہ رکھ لے تو زیادہ افضل ہے اسی طرح نماز جمعہ میں بھی اسے حاضر ہونے کی رخصت دی گئی ہے۔ مذکورہ شرائط میں سے پہلی اور دوسری واضح ہے۔ صرف تیسری شرط میں احناف اور دیگر علماء کا اختلاف ہے یعنی تین دن کا سفر مراد ہوتو پھر مسافر ہے ورنہ نہیں اس شرط کا اصل احادیث مبارکہ ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا يحل لامراة ان تسافر ثلاثا الا ومعها ذومحرم منها. (صحیح مسلم ج ا ص ۴۳۴ باب سفر المرأۃ مع محرم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ تین دن کا سفر اپنے ساتھ محرم کے بغیر کرے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سفر شرعی تین دن کا ہی ہوتا ہے کیونکہ سرکار دوعالم ﷺ کی زبان اقدس سے یہ مذکور ہوئی۔ اگر تین دن سے کم مسافت کے لیے عورت روانہ ہونے والی بھی مسافرہ ہوتی تو پھر اس کے لیے بھی محرم ساتھ ہونے کی شرط ہوتی۔ اس حدیث پاک کے مقابلہ میں اگر کوئی درج ذیل بخاری شریف کی روایت پیش کر کے اس مدت پر اعتراض کرے تو اس کا کیا جواب ہو گا؟

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا يحل لامراة تؤمن بالله واليوم الاخران تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها محرمة.
(صحیح بخاری ج ا ص ۱۴۸ باب فی کم یقصر الصلاۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کا ایک دن اور ایک رات کا سفر محرم کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے۔

بخاری شریف کی اس حدیث سے تو ایک دن اور ایک رات کی مدت پر جانے والی کو محرم کو ساتھ رکھنے کی پابندی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مدت سفر ایک دن اور ایک رات ہے اور اسی مدت پر احکام شرعیہ کا ورود ہوگا۔ ہم اس کے جواب میں یہ عرض کریں گے کہ صحیح بخاری کی روایت متن اور سند دونوں اعتبار سے مضطرب ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں صحیح مسلم کی روایت جو ان دونوں خرابیوں سے پاک ہے اس کو ترجیح ہوگی۔ سند کا اضطراب یہ ہے کہ ابن ابی ذئب، لیث بن سعد روایت مذکورہ کو **عن سعيد المقبری عن ابيه عن ابی هريره** کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں اور یحییٰ بن ابی کثیر، سہیل اور مالک اسی روایت کو **عن المقبری عن ابيه عن ابی هريره** کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں یعنی دوسری سند میں سعید المقبر ی اپنے والد کے واسطہ کے بغیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں اور پہلی میں یہ اپنے باپ اور ان کے باپ، حضرت ابو ہریرہ سے راوی ہیں ان دونوں طریقہ روایت میں سے امام بخاری نے پہلے طریقہ کو ترجیح دی ہے اور امام دار قطنی نے دوسرے طریقہ کو راجح قرار دیا ہے۔ متن کا اضطراب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں جو الفاظ ذکر فرمائے وہ **لا يحل لامرأة ان تسافر ثلاثا الا ومعها ذومحرم فيها** یہ ہیں اور امام بخاری سے مروی روایت میں "**تؤمن بالله واليوم الاخر**" الفاظ زائد موجود ہیں اور ثلاثا کی جگہ **مسيرة يوم وليلة** مذکور ہے لہٰذا امام بخاری کی روایت ان دو عدد اضطراب کی وجہ سے مرجوح ہوگی۔

عن شريح بن هانی قال اتيت عائشة اسئلها عن المسح على الخفين فقالت عليک بابن ابی طالب فاسئله فانه كان يسافر مع رسول الله ﷺ فاسئلناه فقال جعل رسول الله ﷺ

شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس موزوں پرمسح کرنے کا مسئلہ پوچھنے آیا تو فرمانے لگیں: جاؤ جا کر علی بن ابی طالب سے پوچھو کیونکہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں ہم نے ان سے پوچھا: فرمانے لگے حضور

ثلاثة ایام و لیالیهن للمسافر ویوم ولیلة للمقیم.
(صحیح مسلم ج ا ص ۱۳۵ باب التوقیت فی المسح علی الخفین)

ﷺ نے مسافر کے لیے موزوں پر مسح کرنے کی مدت تین دن رات اور مقیم کے لیے ایک دن رات مقرر فرمائی ہے۔

معلوم ہوا کہ مسافر کے لیے کم از کم تین دن کا سفر کرنا ضروری ہے اس سے کم سفر کرنے والا شرعی مسافر نہیں کہلائے گا۔ موزوں پر مسح کرنے سے متعلق حدیث ایک نہیں بلکہ بہت سی روایات ہیں جو تواتر تک پہنچتی ہیں۔ ان متواتر احادیث سے تین دن اور تین رات تک کا سفر کرنے والے کو مسافر شمار کیا گیا ہے۔ امام طحاوی نے اسی تواتر کو یوں بیان فرمایا ہے۔

فهذه الاثار قد تواترت عن رسول الله ﷺ بالتوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر ثلاثة ایام ولیالیها وللمقیم یوم ولیلة.
(طحاوی شریف ج ا ص ۸۳ باب المسح علی الخفین کم وقتہ)

یہ آثار یقیناً رسول اللہ ﷺ سے بتواتر ثابت ہیں جن میں موزوں پر مسافر کے لیے تین دن اور تین رات مسح کرنے کا وقت مقرر کیا گیا اور مقیم کے لیے ایک دن رات مقرر ہوا۔

عن علی ابن ربیعة الوالبی قال سئلت عن عبد الله بن عمر الی کم تقصر الصلوة فقال اتعرف السوید قال قلت لا. قال هی ثلاث لیال قواصد فاذا خرجنا الیها قصرنا الصلوة.
(کتاب الآثار ص ۳۹ باب الصلوۃ فی السفر)

علی بن ربیعہ والبی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پوچھا کہ نماز کتنے سفر پر قصر پڑھنی چاہیے؟ فرمانے لگے تم سوید کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا: یہ جگہ تین دن اور تین رات کے فاصلہ پر ہے اور جب ہم وہاں جانے کا ارادہ کر کے نکلتے تو ہم نماز میں قصر کرتے تھے۔

حضرات صحابہ کرام کے ارشادات بھی مدت سفر تین دن تین رات ہی بیان کر رہے ہیں اور انہی حضرات کے بارے میں بارگاہ رسالت سے یہ ارشاد ہے ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی تم اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے'' لہٰذا تین دن اور تین رات کی مسافت سے کم کا ارادہ کرنے والا مسافر شرعی نہ ہوا اس لیے اسے نماز بھی مکمل ادا کرنا پڑے گی اور روزہ کی بھی رعایت نہ ہوگی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

تین دن کے سفر پر درمیانی چال یا اونٹ کی چال کی قید کی وضاحت

فقہائے کرام نے ان آثار و روایات کی روشنی میں جن میں تین دن کے سفر کو شرعی سفر قرار دیا ہے۔ سفر کے لیے ایک ضابطہ مقرر کر دیا ہے وہ یہ کہ تین دن کے سفر سے مراد پیدل چلنے والے کا درمیانی رفتار سے چلنا یا اونٹ پر سفر کرنا ہے۔ اس سفر میں کھانا پینا، عبادات کی ادائیگی اور آرام کرنا بھی داخل ہے۔ اس تقرر کی وجہ اس لیے بھی پیش آئی کہ سفر کرنے والے اشخاص چلنے میں مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مقدار سفر میں کمی بیشی لازماً ہو جاتی ہے اور اسی طرح ذریعہ سفر کی وجہ سے بھی سفر کم اور زیادہ ہو جاتا ہے مثلاً ایک کمزور آدمی اتنا نہ چل سکے گا جتنا توانا و تندرست چلے گا۔ پیدل چلنے والا سوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا لہٰذا اصل بات تو یہی تھی کہ تین دن کی مسافت ہونی چاہیے لیکن اس کو ضابطے کے تحت لانے کے لیے عام آدمی کا پیدل چلنا اور اونٹ پر سوار ہو کر سفر طے کرنا مراد لے لیا گیا یہی شرعی سفر کہلائے گا اور یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سفر جیسی زمین پر ہو اسی کے مطابق تین دن کا اعتبار ہوگا۔ میدانی میں پہاڑی میں اپنے اپنے حالات کے مطابق ہے اور سمندری سفر میں جبکہ ہوا معتدل ہو تو اس حالت میں عام کشتی کے ذریعہ جس قدر سفر طے ہو سکے وہ مراد ہوگا تو جس طرح خشکی کے سفر میں مذکورہ دو صورتوں کے سوا کار، بس، ہوائی جہاز کا تین دن کا سفر مراد نہیں۔ اسی طرح سمندری سفر کا سمندر میں پٹرول سے چلنے والی کشتی یا جہاز پر دارو مدار نہ ہوگا۔ ان قیود و شرائط پر حضرات فقہائے کرام کی چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

تین دن سفر کا اندازہ اونٹ کی چال سے لگایا جائے گا

وانما قدرنا لسير الابل ومشي الاقدام لانه الوسط لان ابطاء السير العجلة والاسرع سير الفرس والبريد فكان اوسط انواع السير سير الابل ومشي الاقدام وقد قال النبي ﷺ خير الامور اوسطها ولان الاقل والاكثر يتجاذبان فيقتصر الامر على الوسط وعلى هذا يخرج ماروى عن ابي حنيفة فيمن سارفي الماء يوما فذالک في البر ثلاثة ايام انه يقصر الصلوة لانه لاعبرة للاسراع وكذا لوسار في البرالي موضع في يوم اويومين وانه بسير الابل والمشي المعتاد ثلاثة. ايام يقصر اعتبار اللسير المعتاد وعلى هذا اذا سافر في الجبال و العقبات انه يعتبر مسيرة ثلاثة ايام فيها لافي السهل فالحاصل ان التقدير بمسيرة ثلاثة ايام او بالمراحل في السهل والجبل والبر والبحر.

(بدائع الصنائع ج۱ص۹۴ فصل واما بیان مایصیر بہ المقیم مسافر)

ہم نے اونٹوں کے چلنے اور پیدل چلنے کا اندازہ اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ درمیانہ درجہ ہے کیونکہ بہت ست رفتار بیل گاڑی اور (اس دور کی) تیز رفتار گھوڑے کی سواری ہے اور ڈاکیہ کی ہے اور درمیانی رفتار کی اقسام میں اونٹ کی رفتار اور پیدل رفتار ہے۔ حضور ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے: بہترین کام درمیانہ کام ہے اور یہ بھی بات واضح ہے کہ بہت کم سفر اور بہت زیادہ سفر حد سے بڑھنے والے ہیں اس لیے بھی درمیانے درجے پر اقتصار ہوگا۔ اسی قانون کے پیش نظر امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی مسئلہ کی تخریج ہے وہ یہ کہ ایک آدمی سمندری سفر ایک دن کرتا ہے تو وہ خشکی پر تین دن سفر کرنے کے برابر ہے لہٰذا وہ نماز میں قصر کرے گا کیونکہ بہت جلد چلنے کا یہاں اعتبار نہیں اور یونہی کوئی شخص خشکی کا سفر ایک یا دو دن میں طے کر لیتا ہے حالانکہ یہی سفر عام چال والا تین دن میں طے کرتا ہے یا اونٹ پر سوار تین دن میں طے کرتا ہے تو وہ بھی معتاد سیر کے اعتبار سے قصر کرے گا اور اسی قانون کے تحت اگر کوئی شخص پہاڑوں اور گھاٹیوں میں سفر کرتا ہے تو ان میں بھی تین دن کا سفر شمار کیا جائے گا نہ یہ کہ ہموار زمین میں تین دن کے برابر طے کیا گیا' سفر یہاں معتبر ہوگا۔ حاصل یہ کہ تین دن کی حد بندی یا تین پڑاؤ اس کا اعتبار ہموار زمین، پہاڑ اور دریائی سفر ہر ایک کے اپنے اعتبار سے ہے۔

قال اصحابنا اقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلاثة ايام بسير متوسط و هو سير الابل ومشي الاقدام في اكثر ايام السنة الى قوله وذكر في العيون عن ابي حنيفة انه يعتبر مسيرة ثلاثة ايام في البروان اسرع في السير وسارفي يومين او اقل .

(تبیین الحقائق ج۱ص۲۰۹ باب صلوٰۃ المسافر)

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ کم از کم سفر کہ جس سے احکام میں تغیر و تبدل ہوتا ہے وہ درمیانی رفتار سے تین دن کا سفر ہے اور وہ اونٹوں کی رفتار یا پیدل چال کر ہوتی ہے اور وہ بھی سال کے اکثر دنوں میں ''العیون'' میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے خشکی میں تین دن کا سفر ہی معتبر رکھا ہے اگرچہ کوئی تیز چلنے والا مذکورہ سفر دو دنوں یا اس سے بھی کم مدت میں طے کرے۔

ان فقہی عبارات سے واضح ہوا کہ تین دن سے مراد پیدل چلنے والے عام آدمی کی یا اونٹ پر سوار ہو کر جانے والے کی رفتار مراد ہے اور تین دن سے مراد نہ سردیوں کے چھوٹے دن اور نہ صرف گرمیوں کے طویل دن بلکہ عام دن ہیں۔ تین دن کا سفر مذکورہ رفتار سے تیز رفتار اگر ایک یا دو دن میں طے کر لے یا ست رفتار چار پانچ دن میں طے کرے تو یہ تین دن کے برابر ہی شمار ہوں گے۔

میلوں کے اعتبار سے مقدار سفر

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین دن مذکور کا معتدل سفر جسے شرعی سفر کہا جاتا ہے۔ میلوں میں اس کی پیمائش یوں بیان فرمائی ہے۔

اگر اپنے مقام اقامت سے ساڑھے ستاون میل کے فاصلہ پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے ہاں یہ جو بھیجا گیا ہے۔ اس وقت حالت سفر میں ہی مقیم نہیں تو کم وبیش جتنی دور بھی بھیجا جائے گا مسافر ہی رہے گا جب تک پندرہ دن کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا اپنے وطن واپس نہ پہنچ جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۹۰ باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ برکاتی پبلشر کراچی پاکستان)

عبارت مذکورہ میں اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت نے دو باتوں پر زور دیا ہے۔ ایک یہ کہ ساڑھے ستاون میل جانے کا متصل ارادہ ہو یعنی یہ نہ ہو کہ تھوڑا تھوڑا ارادہ کر کے سفر کیا جانا جب ساڑھے ستاون میل بن جائے تو مسافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ ایک شخص نے چند آدمیوں سے قرض لینا ہے۔ ان میں سے ایک بیس میل کے فاصلہ پر رہتا ہے۔ گھر سے چلا کہ میں اس بیس میل والے سے قرض لوں گا وہاں پہنچ کر پھر آگے دوسرے شخص سے قرض وصول کرنے کے ارادے سے چل پڑتا ہے جو اور بیس میل آگے ہے پھر وہاں سے تیسرے مقروض کی طرف روانہ ہوتا ہے جو پچاس میل کے فاصلہ پر ہے تو اس طرح بیک وقت ساڑھے ستاون میل کا قصد نہ کرنے کی وجہ سے وہ مسافر نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ اگر ساڑھے ستاون میل جانے کا قصد کیا تو اس ارادے سے جانے والا آبادی سے باہر نکلتے وقت ہی مسافر ہو جائے گا اور اس وقت تک مسافر رہے گا جب تک وہ کہیں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا گھر واپس نہ آجائے۔

ایک ہم عصر شارح مسلم شریف کی اعلیٰ حضرت پر تنقید اور اس کا رد بلیغ

مولانا مولوی غلام رسول صاحب سعیدی نے صحیح مسلم کی شرح میں اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت کے درج بالا فتویٰ پر تنقید کی ہے اور اسے تحقیق کے دائرہ سے نکال دیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا گیا کہ قارئین کی نظر میں وہ اپنا قد وقامت بڑھا سکیں اور تبحر علمی کا رعب دکھائیں کیونکہ اگر واقعتاً قابلیت ولیاقت ہو تو اپنے نام کی خاطر بزرگوں کی غلطیاں نہیں نکالی جاتی ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا آپ ملاحظہ فرمائیں۔

چتالیس میل شرعی اکسٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز کے برابر ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی لکھتے ہیں اگر اپنے مقام اقامت سے ساڑھے ستاون میل کے فاصلہ پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے اور بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں ورنہ پوری پڑھیں۔ اعلیٰ حضرت نے یہ بیان نہیں کیا کہ انہوں نے ساڑھے ستاون میل کس ضابطے اور قاعدے سے مقرر کیے ہیں؟ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۲ کتاب الصلوٰۃ المسافرین مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور پاکستان)

علامہ سعیدی صاحب کا رد بلیغ بات دراصل وہی ہے جو ہم سطور بالا میں لکھ چکے ہیں یعنی سعیدی صاحب کو صرف اپنا قول ہی حق ثابت کرنا پیش نظر ہے ورنہ اعلیٰ حضرت نے جس ضابطہ اور قاعدہ کے تحت ساڑھے ستاون میل ذکر کیے اسے اسی جلد میں اس مقام سے چند صفحات پہلے آپ نے ذکر فرمایا پھر اس کے حساب سے مقررہ پیمائش ذکر فرمائی۔ وہ ضابطہ ملاحظہ ہو۔

(ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں) عرف میں منزل بارہ کوس ہے اور ان بلاد میں ہر کوس ۸/۵ میل یعنی ایک میل اور میل کے تین خمس اور تین میل کا ایک فرسنگ تو ایک ایک منزل چھ فرسخ اور دو خمس فرسخ ہوئی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۸۲)

آپ کا فرمان یہ ہے کہ مسافر شرعی وہی ہوتا ہے جو تین منزل تک کا سفر کرے اب تین منزل کا حساب کچھ اس طرح کا ہوگا۔

ایک منزل بارہ کوس کی ہوتی ہے لہٰذا تین منزل کی کوسوں میں مسافت ۳×۱۲=۳۶ کوس اور ایک کوس ۸/۵ میل کا ہوتا ہے لہٰذا ۳۶ کوس کو جب ۸/۵ سے ضرب دیں گے تو ۳۶×۸/۵=۲۸۸/۵=۵۷.۳/۵=۵۷.۵ (یعنی ساڑھے ستاون میل تقریبا) اصل میں جو سعیدی صاحب کو مغالطہ ہوا، وہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ یہ تھا ضابطہ اور قاعدہ جس کے تحت اعلیٰ حضرت نے مقررہ مسافت ذکر فرمائی تھی اور جسے سعیدی صاحب نے بلا ضابطہ اور بلا قاعدہ کہہ کر اپنی فقاہت ظاہر کرنے کی کوشش کی اور خود سعیدی صاحب کا ضابطہ کہ جس کے مطابق سفر شرعی کی مقدار اکسٹھ میل دو فرلانگ اور بیس گز بنتی ہے وہ محل نظر ہے۔ ہم اس کی وضاحت انشاء اللہ عنقریب کریں گے۔

مسافر کے لیے قصر نماز پڑھنا واجب ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مسافر کے لیے نماز کی قصر اور مکمل ادائیگی دونوں جائز ہیں اور غیر مقلد بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس مذہب و مسلک پر بہت سے حدیثی دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے نزدیک سفر کی مذکورہ مسافت بھی ضروری نہیں بلکہ ایک کوس تک جانے والا بھی نماز قصر کر سکتا ہے۔ قصر نماز واجب ہے یا جائز یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اسے واجب کہتے ہیں اور امام شافعی اس کے جواز کے قائل ہیں لہٰذا ہم اس کی ذرا تفصیل لکھیں گے۔ وجوب قصر پر دلائل درج ذیل ہیں۔

وجوب قصر پر احادیث و آثار

نمازیں اصل میں دو دو رکعت فرض ہوئیں

عن عائشة انها قالت فرضت الصلوة ركعتين ركعتين الا المغرب فرضت ثلاثا وكان رسول الله ﷺ اذا سافر صلى الصلوة الاولى واذا اقام زاد مع كل ركعتين ركعتين الاالمغرب لانها وتروالصبح تطول فيه القراءة. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۵ باب اتمام المغرب فی السفر والحضر مطبوعہ حیدرآباد دکن ہند)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نماز دو دو رکعت فرض کی گئی تھی سوائے مغرب کے کہ وہ تین رکعت فرض کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے تو یہی پہلی نماز ادا فرماتے اور جب مقیم ہوتے تو دو رکعت کے ساتھ دو اور رکعت ملا لیتے لیکن مغرب کی نماز وتر ہونے کی وجہ سے اتنی ہی رہتی اور صبح کی دو رکعت میں قرأت کو طول دیا جاتا۔

مذکورہ روایت میں صراحۃً موجود ہے کہ نماز شروع شروع میں فرض ہی دو رکعت تھی (نماز مغرب کو چھوڑ کر) بعد میں حالت اقامت میں مغرب اور صبح کو چھوڑ کر بقیہ نمازوں کی رکعات چار چار کر دی گئیں اور صبح کی نماز میں اگرچہ رکعت کا اضافہ نہ کیا گیا لیکن اس میں اقامت کے دوران قرأت کو لمبا کر کے فرق رکھا گیا۔ مذکورہ روایت کی صحت اور وضاحت امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی سے سنیے۔

ورواهما احمد وعنها احمد ايضا قالت كان اول مافرض الله على رسول الله ﷺ من الصلوة ركعتين ركعتين الا المغرب فانها كانت ثلاثا وذكر معناها رجالها كلها ثقات.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴ باب صلوٰۃ السفر)

اسے امام احمد نے بھی روایت کیا اور امام احمد کے ہاں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر ابتداً جو نماز فرض کی تھی وہ مغرب کے سوا دو دو رکعات تھیں اور مغرب کی تین رکعات تھیں اور اس روایت کے تمام رجال (راوی) ثقہ ہیں۔

قارئین کرام! ثقہ راویوں سے مروی روایت سے ثابت ہوا کہ ابتداً دو دو رکعت نماز فرض تھیں (مغرب کی چھوڑ کر) اقامت میں دو دو بڑھا دی گئیں تو معلوم ہوا کہ مسافر کے لیے دو رکعت (قصر نماز) ادا کرنا واجب ہے اسی لیے احناف پوری پڑھنے والے کو

اعادہ کرنے کا کہتے ہیں۔

عن عمر قال صلوة السفر ركعتان تماما غير قصر على لسان رسول الله ﷺ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۴۷ من کان قصر الصلوٰۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز میں دو رکعتیں مکمل طور پر ہیں اور قصر نہیں۔یہی بات رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصر نماز رخصت ہے۔اس لیے اس رخصت پر کوئی عمل کرے یا نہ کرے دونوں طرح درست ہے اس لیے پوری پڑھنے والے کے لیے ان کے نزدیک لوٹانے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حالت سفر میں دو ہی پڑھنا اصل ہے اور عزیمت ہے یعنی چار میں سے دو کی ادائیگی معاف کر دی گئی ہے۔مذکورہ اثر کے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے الفاظ امام اعظم کے مذہب کی تائید کرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جب عمر ابن خطاب کے بقول یہ بات حضور ﷺ کی زبان سے ہے تو امام اعظم کا مذہب قیاس اور رائے نہیں بلکہ حدیث واثر کے موافق ہے۔

عن شيفي قال قلت لابن عباس انا قوم كنا اذا سافرنا كان معنا من يكفينا الخدمة من غلماننا فكيف نصلي فقال كان رسول الله ﷺ اذا سافر صلى ركعتين حتى يرجع ثم قال ثم عدت فسالته فقال مثل ذالک ثم عدت فقال لي بعض القوم اماتعقل اما تسمع مايقول لک.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۴۷ من کان یقصر الصلوٰۃ)

شیفی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ہم جب سفر کرتے ہیں تو ہمارے ساتھ بہت سے غلام بھی ہوتے ہیں جو ہماری خدمت کرتے ہیں لہٰذا ہم دوران سفر کیسی نماز پڑھیں؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب سفر فرمایا کرتے تو آپ واپسی تک دوگانہ ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔شیفی کہتے ہیں کچھ عرصہ بعد میں نے ابن عمر سے پھر یہی سوال کیا تو انہوں نے پہلے کی طرح ہی جواب دیا۔دوسری مرتبہ کچھ عرصہ گزرنے پر میں نے پھر وہی سوال کیا تو کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کیوں نہیں سمجھتا اور غور سے وہ باتیں نہیں سنتا جو ابن عمر تمہیں کہتے ہیں؟

جناب شیفی نے اس لیے مذکورہ سوال کیا تھا کہ دوران سفر خدمت کرنے والے غلاموں کی وجہ سے انہیں سفر کی کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی تو اس آرام دہ سفر میں بھی قصر کرنے کا حکم ہے؟ جس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سفر میں آرام یا عدم آرام کا فرق نہ کرو کیونکہ حضور ﷺ نے سفر میں ہمیشہ قصر ہی ادا فرمائی ہے لہٰذا سفر میں قصر اصل ہے اسی لیے حاضرین نے انہیں کہا کہ بار بار کیوں پوچھتے ہو؟ جب سرکار دوعالم ﷺ کا عمل متواتر تمہیں معلوم ہو چکا تو پھر اسی پر قائم رہو۔

حدثنا عروة ابن الزبير عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت فرض الله الصلوة حين فرضها ركعتين ثم اتمها في الاقامة واقرت صلوة السفر على الفريضة الاولى رواه مسلم في الصحيح عن حرملة بن يحيى وغيره عن ابن وهب واخرجه البخاري من وجه اخر عن ابن شهاب.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۳۵ باب رخصۃ القصر فی کل سفر)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض فرمائی تو دو رکعت فرض فرمائی پھر اقامت کے وقت نماز کو مکمل کر دیا اور سفر میں پہلی فرضیت پر ہی پختہ کی گئی یہ روایت امام مسلم نے حرملہ بن یحییٰ وغیرہ کے واسطہ سے ابن وہب سے روایت کی اور امام بخاری نے ایک اور طریقہ سے ابن شہاب سے اس کی تخریج فرمائی۔

عن مجاهد عن ابن عباس قال فرض الله

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جناب مجاہد بیان کرتے ہیں فرمایا:

عزوجل الصلوة على لسان نبيكم ﷺ في الحضر اربعا وفي السفر ركعتين وفي الخوف ركعة. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۳۵)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان اقدس سے اقامت میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت اور خوف کے وقت ایک رکعت فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد گرامی میں اقامت میں چار رکعت کی فرضیت اور سفر میں دو رکعت کی فرضیت صراحۃً مذکور ہے اور اس میں مزید تاکید و پختگی کے لیے حضور ﷺ کی شان اقدس کا حوالہ دیا جا رہا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ سفر کے دوران دو رکعت رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہے اور اسی پر عمل مطابق سنت ہے۔ نماز خوف کی ایک رکعت کا مسئلہ یوں ہے کہ دشمن سے مقابلہ کرتے وقت ایک فریق اس کے سامنے کھڑا رہے اور دوسرا فریق امام کے پیچھے ایک رکعت ادا کر کے اب یہ دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے اور دوسرا فریق ایک رکعت امام کی اقتدا میں ادا کرے۔ نماز خوف کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ مزید مسائل وہاں ملاحظہ فرما لیے جائیں۔

عن محمد بن سيرين عن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ يسافر ما بين مكة والمدينة لايخاف الا الله ثم يقصر الصلوة. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۳۵)

محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان سفر کیا کرتے تھے۔ یہ سفر بالکل امن و اطمینان والا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا۔ آپ اس سفر میں نماز قصر ادا فرمایا کرتے تھے۔

کچھ لوگوں کا قرآن کریم کے ظاہر الفاظ سے یہ مسلک ہے کہ نماز قصر صرف حالت خوف میں لازم ہے عدم خوف کے وقت پوری پڑھنی چاہیے۔ مذکورہ اثر اس سلسلہ میں تردیداً پیش کیا گیا کہ نماز قصر میں دو رکعت پڑھنا کسی کے خوف کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہے لہٰذا سفر میں خوف و خطرہ ہو یا نہ ہو نماز قصر ہی ادا کی جائے گی حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا یہی معمول تھا تو ثابت ہوا کہ دوران سفر نماز میں قصر ضروری ہے۔

عن على ابن زيد عن ابى نضرة قال سئل شاب عمران بن حصين عن صلوة رسول الله ﷺ في السفر فقال ان هذا الفتى يسئلني عن صلوة رسول الله ﷺ في السفر فاحفظوا هن عني ما سافرت مع رسول الله ﷺ سفرا قط الا صلى ركعتين حتى يرجع وشهدت معه حنين والطائف فكان يصلى ركعتين ثم حججت معه واعتمرت فصلى ركعتين ثم قال يا اهل مكة اتموا الصلوة فانا قوم سفر ثم حججت مع ابى بكر واعتمرت فصلى ركعتين قال يااهل مكة اتموا فانا قوم سفر ثم حججت مع عمر واعتمرت فصلى ركعتين ثم قال يا اهل مكة تموا فانا

ابونضرہ سے علی ابن زید روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز سفر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: دیکھو یہ نوجوان مجھ سے رسول کریم ﷺ کی نماز سفر کے بارے میں سوال کر رہا ہے تو تم سب مجھ سے اس کے جواب کو یاد رکھنا۔ میں نے جب بھی حضور ﷺ کی معیت میں سفر کیا تو آپ نے صرف دو رکعت ہی نماز ادا فرمائی حتیٰ کہ آپ واپس گھر تشریف لائے۔ میں آپ کے ساتھ حنین اور طائف میں تھا آپ نے دو رکعت ہی نماز ادا فرمائی پھر میں نے آپ کی معیت میں حج اور عمرہ کیا تو آپ نے اب بھی دو رکعت ادا فرما کر اہل مکہ سے فرمایا: ہم مسافر ہیں تم اپنی اپنی بقیہ نماز پوری کر لو پھر میں نے ابوبکر صدیق کے ساتھ حج اور عمرہ کیا انہوں نے بھی دو رکعت ہی پڑھیں اور اہل مکہ کو فرمایا: ہم

قوم سفر ثم حججت مع عثمان واعتمرت فصل رکعتین ثم ان عثمان اتم رضی الله عنهم.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۳۵ باب رخصت القصر فی کل سفر (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۰) مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۵)

مسافر ہیں تم اپنی اپنی نماز مکمل کرلو۔ میں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ حج اور عمرہ کیا آپ نے بھی دو رکعت ہی پڑھی اور مکی لوگوں کو فرمایا: ہم مسافر ہیں تم اپنی اپنی نماز پوری کرلو پھر میں نے عثمان غنی کے ساتھ حج وعمرہ کیا انہوں نے بھی دو رکعت ہی پڑھیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے پوری نماز پڑھی (حضرت عثمان کی پوری نماز پڑھنا اس وجہ سے ہوا کہ آپ نے وہاں مستقل رہنے کی نیت کر لی تھی)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قصر نہ کرنے والوں پر ناراضگی کا اظہار کیا

عن خلف بن حفص عن انس انطلق بنا الی الشام الی عبد الملک ونحن اربعون رجلا من الانصار لیفرض لنا فلما رجع وکنا بفج الناقلة صلی بنا الظهر رکعتین ثم دخل فسطاطه وقام القوم یضیفون الی رکعتیهم رکعتین اخریین فقال قبح الله الوجوه فوالله ما اصابت السنة ولا قبلت الرخصة فاشهد سمعت رسول الله ﷺ یقول ان قوما یتعمقون فی الدین یمرقون کما یمرق السهم من الرمیة.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۵ باب صلوٰۃ السفر)

خلف بن حفص کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ عبد الملک کے ہاں شام گئے۔ ہم چالیس انصاری مرد تھے اس لیے تاکہ عبد الملک ہمارا کچھ وظیفہ مقرر کر دے جب ہم واپسی پر مقام فج الناقلہ پر پہنچے تو انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو رکعت نماز ظہر پڑھائی اور آپ فراغت کے بعد اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے آپ کے جانے کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعتیں اور ملا کر چار کر لیں آپ نے یہ سب کچھ دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے قبیح کرے خدا کی قسم! تم نے سنت رسول کی راہ پائی اور نہ اللہ تعالیٰ کی رخصت قبول کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ سے ہی سنا فرمایا: کچھ لوگ دین میں چہ میگوئیاں کریں گے وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

مذکورہ اثر میں دوران سفر پوری نماز پڑھنے والے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بہت سخت ڈانٹ پلائی اور سنت سے دور رہنے والا قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی رخصت سے منہ موڑنے والا فرمایا اور ایسا کرنے والوں کے بارے میں دین سے نکل جانے کا خطرہ ذکر فرمایا۔ اس انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوران سفر نماز مکمل پڑھنا درست نہیں بلکہ قصر پر عمل کرنا ہی اصل ہے۔

عن ابن عباس قال صلی رسول الله ﷺ حین سافر رکعتین رکعتین وحین اقام اربعا قال قال ابن عباس فمن صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین.

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ حضور ﷺ نے دوران سفر دوگانہ ادا فرمایا اور بوقت اقامت چار رکعت ادا فرمائیں اور یہی ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص دوران سفر دوگانہ کی بجائے چار رکعت پڑھتا وہ اس شخص جیسا ہی ہے جو مقیم ہوتے ہوئے دو پڑھتا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی رسول کریم ﷺ کا عمل شریف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ دوران سفر قصداً اور وجوباً دوگانہ ادا فرماتے تھے۔ اگر دو اور چار پڑھنے میں اختیار ہوتا تو کبھی کبھار آپ سے دوران سفر چار رکعت پڑھنا بھی کسی صحیح

حدیث سے ثابت ہوتا حالانکہ ایسا ثابت نہیں ہے پھر یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی فقیہانہ اور مجتہدانہ رائے دے رہے ہیں کہ دوران سفر چار پڑھنے والے کی نماز ایسی ہی ہے کہ کوئی گھر مقیم ہوتے چار کی بجائے دو پڑھے یعنی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ فقہائے احناف کا اس بارے میں یہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی آدمی دوران سفر دوگانہ کی بجائے چار پڑھتا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ ہے اگرچہ نفس جواز کی صورت بن سکتی ہے۔ صاحب نیل الاوطار علامہ شوکانی نے ج ۳ ص ۲۴۵ ابواب صلوٰۃ المسافر میں ایسی نماز کو واجب الاعادہ کہا ہے اور اس کی دلیل میں یہ عبارت لکھی روی ذالک عن عمر بن عبد العزیز وقتادہ والحسن وقال حماد بن سلمان یعید عن صلی فی السفر اربعا ۔ مذکورہ مذہب عمر بن عبدالعزیز، قتادہ اور حسن سے مروی ہے اور حماد بن سلمان کہتے ہیں کہ جو سفر میں دوگانہ کی بجائے چار ادا کرے وہ اس نماز کو لوٹائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

پندرہ دن مستقل نیت اقامت پر مکمل نماز پڑھنے کا حکم

مسافر جب ارادہ کے ساتھ متصل ساڑھے ستاون میل جانے لگے تو اپنی آبادی کی حدود و ضروریات سے نکل کر دوگانہ شروع کر دے گا اور وہ مسافر ہی کہلائے گا۔ ہاں اگر کسی جگہ مستقل پندرہ دن یا زیادہ رہنے کی نیت کر لیتا ہے تو اب مسافرانہ نماز نہیں بلکہ مکمل ادا کرے گا۔ اس مسئلہ پر چند آثار ملاحظہ ہوں۔

عن مجاهد قال كان ابن عمر اذا اجمع على اقامة خمس عشرة سرح ظهره وصلى اربعا. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۵ من قال اذا اجمع علی اقامۃ خمسۃ عشر اتم)

جناب مجاہد بیان فرماتے ہیں کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما پندرہ دن قیام کی نیت فرماتے تو اپنی کمر کھول دیتے اور چار رکعت ادا فرماتے۔

عن سعيد بن المسيب قال اذا اجمع رجل على اقامة خمس عشر اتم الصلوة. (مصنف ابن ابی شیبہ)

جناب سعید ابن المسیب فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی پختہ نیت کرے تو وہ نماز پوری ادا کرے۔

عن مجاهد عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال اذا كنت مسافرا فظنت نفسک على اقامة خمس عشر يوما فاتم الصلوة وان كنت لاتدرى فاقصر قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابى حنيفة. (کتاب الآثار لمحمد ص ۳۸ باب الصلوٰۃ فی السفر)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب مجاہد بیان کرتے ہیں کہ فرمایا: جب تو مسافر ہو پھر تیرا دل پندرہ دن کے قیام پر پختگی کا اظہار کرے تو نماز مکمل ادا کر اور اگر تو نہیں جانتا کہ کتنے دن یہاں ٹھہرنا ہے تو قصر ادا کر۔ امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔

قلت ارايت ان سافر ثلاثة ايام فصاعدا فقدم المصر الذى خرج اليه ايتم الصلوة ؟ قال ان كان يريد ان يقيم فيه خمس عشر يوما . اتموا الصلوة وان كان لايدرى متى يخرج قصر الصلوة قلت ولما وقت خمسة عشر يوما قال لاثر الذى جاء عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما. (المبسوط مصنفہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ا ص ۲۲۶ صلوٰۃ المسافر مطبوعہ دار القرآن کراچی)

میں (امام محمد) نے ابوحنیفہ سے پوچھا: اگر کوئی شخص تین دن یا اس سے زیادہ کا ارادہ سفر کرتا ہے اور وہ اس شہر میں پہنچ جائے جہاں کا قصد کیا تھا تو کیا وہاں پہنچنے پر وہ نماز مکمل پڑھے؟ فرمایا: اگر وہاں پندرہ دن قیام کا ارادہ کرتا ہے تو نماز مکمل پڑھے گا اور اگر نہیں جانتا کہ میں یہاں سے کب نکلوں گا تو قصر پڑھے۔ میں نے پوچھا کہ پندرہ دن کس دلیل سے آپ فرما رہے ہیں فرمایا: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اثر کی روشنی میں۔

ان آثار سے ثابت ہوا کہ اگر مسافر کسی شہر میں دوران سفر پندرہ دن مستقل رہنے کی نیت کر لیتا ہے تو اب اسے نماز پوری پڑھنی

پڑے گی اور اگر اس سے کم دنوں کی نیت ہے یا متعین دنوں کی نیت سرے سے ہی نہیں تو پھر قصر کرے گا چاہے ایسی حالت میں وہ پندرہ دن سے زیادہ دن ہی کیوں نہ بسر کرے۔اس پر چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

عن مجاهد عن ابن عباس قال اقام رسول الله ﷺ بخيبر اربعين يوما فصلى ركعتين ركعتين. (بیہقی شریف ج۳ص۱۵۲باب من قال یقصر)

جناب مجاہد، حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مقام خیبر میں چالیس دن ٹھہرے۔آپ نے دوگانہ ہی ادا فرمایا۔

عبيد الله بن انس اقام بالشام مع عبد الملك بن مروان شهرين يصلى صلوة المسافر. (بیہقی شریف ج۳ص۱۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ملک شام میں عبد الملک بن مروان کے ساتھ دو ماہ ٹھہرے اور آپ اس عرصہ میں مسافرانہ نماز ادا فرماتے رہے۔

عن انس ان اصحاب رسول الله ﷺ اقام برامهر نرمن تسع عشر يقصرون الصلوة. (بیہقی شریف ج۳ص۱۵۲)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مقام رامہر نر میں انیس دن ٹھہرے وہ نماز دوگانہ ادا کرتے رہے۔

عن نافع عن ابن عمر انه قال اربع علينا الثلج ونحن باذر بائيجان ستة اشهر فى غزوات قال ابن عمر كنا نصلى ركعتين. (بیہقی شریف ج۳ص۱۵۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب نافع روایت کرتے ہیں فرمایا: ہم جب آذر بائیجان میں غزوات کے لیے رہے تو سخت برف باری ہوئی جس کی بناء پر ہمیں وہاں چھ ماہ ٹھہرنا پڑا' ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم اس دوران دو رکعت ہی ادا کرتے رہے۔

عن الحسن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال اقام رسول الله ﷺ بتبوك عشرين ليلة يصلى صلوة المسافر ركعتين. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۴۵۴ باب فی المسافر یطیق القام فی المصر)

محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان کہتے ہیں کہ تبوک میں حضور ﷺ بیس راتیں تشریف فرما رہے اور مسافرانہ دو رکعت ہی ادا فرماتے رہے۔

عن الحسن ان انس بن مالك اقام بسابورستة او سنتين يصلى ركعتين ثم يسلم ثم يصلى ركعتين. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۴۵۴)

حسن سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مقام سبور میں ایک یا دو سال قیام فرمایا آپ دو رکعت پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے پھر دو رکعت پڑھتے۔

عن عمران بن حصين قال شهدت مع رسول الله ﷺ الفتح فاقام بمكة ثمان عشر ليلة يقصر الصلوة ولا يصلى الا ركعتين ثم يقول لاهل البلد صلوا اربعا فانا سفر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ص۴۵۲ فی المسافر یطیل القامہ فی المصر)

جناب عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں حاضر تھا۔آپ نے مکہ میں اٹھارہ دن قیام فرمایا اور نماز قصر ادا فرمائی اور دو رکعت قصر ادا فرمانے کے بعد سلام پھیر کر شہر کے مقیم لوگوں سے فرماتے چار پوری کرلو ہم تو مسافر ہیں۔

عن ابى حمرة نصر بن عمران قال لابن عباس انا نطيل القيام بالغزوة بخرسان فكيف ترى؟ فقال صل ركعتين وان اقمت عشر سنين.

ابوحمرہ نصر بن عمران کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم خراسان میں غزوہ کی خاطر کافی طویل قیام کرتے ہیں تو اس دوران نماز کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: دو

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۳) رکعت پڑھوا گرچہ دس سال ٹھہرنا پڑے۔

ان آثار سے ثابت ہوا کہ جب تک مستقل پندرہ دن کی نیت اقامت نہ کی جائے تو دوگانہ ہی ادا کرنا پڑے گا اگرچہ آج کل کرتے کرتے دس بیس سال گزر جائیں۔ غزوات میں قیام کی یہی صورت ہوتی ہے کیونکہ جب مقصد حاصل ہو گیا تو واپسی ہو جائے گی لیکن حصول مقصد کے لیے کوئی دن معین نہیں ہوتے لہٰذا ایسی صورت میں مسافر، مسافر ہی رہتا ہے۔ پندرہ دن سے کم کی مستقل نیت بھی کر لی جائے تب بھی مسافر، مسافر ہی رہتا ہے اور اس کو نماز قصر کرنی پڑے گی۔ اس کی تائید میں چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس اقصر الی عرفة قال لاولكن الی جدة وعسفان والطائف وان قدمت الی اهل او ماشية فاتم.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۵۵ باب المسافر ینتھی الی موضع الذی یرید المقام بہ)

جناب عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا میں عرفات تک کے سفر پر قصر کروں؟ فرمایا: نہیں۔ ہاں اگر جدہ، عسفان اور طائف کا سفر ہو تو قصر کرو اور اگر اپنے گھر واپس آ جاؤ یا اپنے جانوروں کے پاس آ جاؤ تو پھر مکمل ادا کرو۔

عن انس بن مالک قال خرجنا مع رسول الله ﷺ من المدينة الی مكة فصلی ركعتين ركعتين حتی رجع قلت كم اقام بمكة قال عشرا.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۵۳)(۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۳)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے فرمایا کہ حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے جانب مکہ روانہ ہوئے تو آپ نے واپسی تک دوگانہ ہی ادا فرمایا میں نے پوچھا: حضور ﷺ نے مکہ میں کتنے دن قیام فرمایا؟ کہنے لگے: دس دن۔

عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال يا اهل مكة لاتقصروا الصلوة فی ادنی من اربعة برد من مكة الی عسفان.

(دار قطنی ج ۱ ص ۳۸۷ باب قدر المسافة التی تقصر فی مثلھا)

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اہل مکہ کو فرمایا: چار بُرد سے کم فاصلہ پر نماز قصر نہ کیا کرو۔ مکہ سے عسفان چار بُرد پر واقع ہے۔

قصر نماز کے چند احکام ضروریہ

(۱) مذکورہ آثار کی روشنی میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی پختہ نیت کا اعتبار کسی ایک شہر یا گاؤں میں ہوگا اس لیے اگر دو شہروں یا دو گاؤں میں ملا کر پندرہ دن کی نیت ہے تو یہ قابل اعتبار نہیں مثلاً تین دن منیٰ میں اور بارہ دن مکہ شریف میں رہنے کی نیت کرنے والا قصر ہی ادا کرے گا اسی طرح اگر پندرہ دن یا زائد کی نیت اقامت شہر یا گاؤں میں نہیں بلکہ جنگل میں کی تو بھی قصر ہی کرے گا اور اس نیت سے وہ مقیم نہیں کہلائے گا۔

(۲) ساڑھے ستاون میل کی مسافت طے کرنے والا خواہ کیسا بھی ارادہ رکھتا ہو وہ قصر کرے گا یعنی اس سفر کو وہ کسی نیک کام کی خاطر اختیار کرتا ہے یا حرام وممنوع فعل کے لیے جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں قصر کرے گا' قصر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' صدقہ ہے جو بھی قبول نہ کرے گا وہ گنہگار ٹھہرے گا جیسا کہ حالت اضطرار میں مردار کھانے کی رخصت دی گئی۔ فرض کیجئے یہ حالت اضطرار ایسے سفر میں پیش آتی ہے جو معصیت کا سفر ہے تو اب اس کے متعلق اجماعی فیصلہ یہی ہے کہ وہ اگر مردار نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے تو عاصی ہوگا اسی طرح قصر کا معاملہ بھی ہے۔ سفر معصیت الگ ایک گناہ ہے اور قصر الگ ایک نعمت وصدقہ ہے۔

(۳) سفر کی مذکورہ مسافت اس راستہ کے اعتبار سے کی جائے گی جس سے وہ طے کیا گیا مثلاً ایک شہر کا قصد کرنے والا جب وہاں جانا چاہتا ہے تو اس تک پہنچنے کے لیے ایک سے زائد راستے ہیں۔ ایک پچاس میل کا دوسرا ساٹھ اور تیسرا اسی میل کا ہے۔ اب جس

راستہ سے جائے وہی مسافت شمار کی جائے گی اگر ساڑھے ستاون میل یا اس سے زائد ہے تو قصر ورنہ پوری ادا کرے گا۔

(٤) دورانِ سفر میں قضا ہو جانے والی نماز حالت اقامت میں قصر پڑھی جائے گی اور اقامت کی حالت میں رہ گئی نماز دورانِ سفر میں پوری قضا ہوگی یعنی نماز کے قضا ہونے کے وقت اقامت و سفر کا اعتبار ہوگا۔ قضا کو ادا کرتے وقت کی حالت کا اعتبار نہیں۔

(٥) وطن دو ہیں۔ اصلی۔ اقامت۔

اصلی وہ جہاں پیدا ہوا یا جہاں ہمیشہ تا حیات رہنے کی نیت کر لی اور اقامت کا وطن وہ کہ جہاں پندرہ یا پندرہ سے زائد دن ٹھہرنے کی پختہ نیت کرے مگر ہمیشہ قیام کی نیت نہ ہو۔ وطن اقامت وہاں سے سفر کر جانے اور (کسی دوسرے) وطن اقامت سے ٹوٹ جاتا ہے اور وطن اصل سے ٹوٹتا ہے، وطن اقامت سے نہیں ٹوٹتا۔

قصر نہ کرنے والوں پر وعید

قصر نہ کرنے والوں پر حضور ﷺ ناراض ہوئے

عن مسروق عن عائشة رضى الله عنها قالت صنع رسول الله ﷺ امرا فترخص فيه بلغ ذالک ناسا من اصحابه فكانهم كرهوه عنه فقال مابال رجال بلغهم عنى امروتبنزهوه ترخصت فيه فكرهوه وتنزهوه عنه فوالله لا تا اعلمهم بالله واشدهم له خشية رواه مسلم فى الصحيح عن الزهير بن هرب عن جرير واخرجه البخارى من حديث حفص بن غياث عن الاعمش.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۳۹ باب کراہیۃ التقصیر)

جناب مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک حکم دیا اس میں رخصت عطا فرمائی جب یہ بات آپ کے اصحاب کے پاس پہنچی تو انہوں نے اسے اچھا نہ سمجھا اور بچنے کی کوشش کی؟ آپ نے اس پر فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ میری طرف سے انہیں ایک رخصتی امر پہنچا تو انہوں نے اسے اچھا نہ سمجھا اور بچنے کی کوشش کی۔ خدا کی قسم! میں ان تمام سے بڑھ کر خوف خدا رکھنے والا اور اللہ کے بارے میں علم رکھنے والا ہوں۔ یہ روایت امام مسلم نے اپنی صحیح میں زہیر بن حرب عن جریر سے بیان کی اور بخاری نے حفص بن غیاث عن الاعمش کی حدیث سے اخراج فرمایا۔

واقعہ یوں ہوا کہ بعض لوگوں نے ایک مرتبہ سفر کے دوران دوگانہ کو رخصت سمجھ کر پوری نماز پڑھنا افضل جانا اور پھر اس پر عمل کرنا چاہا اور خیال تھا کہ چار پڑھنے سے زیادہ ثواب ملے گا اور ایسا کرنا خوف خدا اور علم باللہ کی دلیل ہے۔ اس پر سرکار دوعالم ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کے خیال کی سختی سے تردید فرمائی تو معلوم ہوا کہ اگر نماز قصر صرف رخصت ہوتی تو آپ ناراض نہ ہوتے لہٰذا دوران سفر چار پڑھنے والا نہ تو ثواب کی زیادتی کا مستحق اور نہ ہی خوف خدا اور علم باللہ سے سرشار ہے۔

عن نافع عن ابن عمران رسول الله ﷺ قال ان الله عزوجل يحب ان تؤتى رخصة كما يكره ان تؤتى معاصيه.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۰)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے دی گئی رخصت پر عمل کرنے کو ایسے ہی پسند فرماتا ہے جیسا کہ وہ اپنی نافرمانی کو بُرا سمجھتا ہے۔

مذکورہ روایت میں سرکار دوعالم ﷺ نے رخصت پر عمل کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کو ایک تقابلی بات سے سمجھایا ہے تو جس طرح ہر قسم کی معصیت سے اجتناب لازم ہے اسی طرح رخصت پر عمل کرنا لازم و ثابت ہے۔

عن صفوان بن محرز قال سالت ابن عمر عن صلوة السفر قال رکعتان من خلف السنة کفر. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۰)

صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز سفر کے متعلق پوچھا تو فرمایا: دو رکعت میں جس نے سنت نبوی ﷺ کے خلاف کیا (یعنی قصر کی بجائے پوری نماز پڑھی) اس نے کفر کیا یعنی کفرانِ نعمت کیا۔

اس حدیث میں خلاف سنت کو جو ''کفر'' کہا گیا اس سے مراد انکار ہے۔ یعنی جو نماز قصر کا سرے سے انکار کرے گا وہ کافر ہے۔ اس کی مثال اس حدیث سے دی جا سکتی ہے جس میں فرمایا: ''**من ترک الصلوة معتمدا فقد کفر** جس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کیا وہ کافر ہے''، یعنی نماز کی فرضیت کا انکار کیا۔ مختصر یہ کہ شرعی سفر پر روانہ ہونے والا نماز دوگانہ ادا کرے گا اور قصر کا حکم اپنے شہر کی حدود سے نکلنے کے ساتھ ہی آ جاتا ہے اور قصر اس وقت تک کرتا رہے گا جب تک کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا زائد کی پکی نیت نہ کرے کہ میں یہاں رہوں گا یا پھر اپنے گھر واپس آ جائے۔ اس پر مزید آثار ملاحظہ ہوں۔

نماز قصر کی ابتدا اور اختتام کی حد

عن ابن السمط انه سمع عمر رضی الله عنه يقول صليت مع رسول الله ﷺ بذی الحليفة ركعتين. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۶ باب لا یقصر الذی یرید السفر حتی یخرج من بیوت القریۃ)

ابن سمط سے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ مقام ذی الحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی۔

اس روایت سے غیر مقلد یہ ثابت کرتے ہیں کہ چار پانچ میل جانے والا بھی قصر ہی ادا کرے گا کیونکہ ذو الحلیفہ، مدینہ منورہ سے اتنا ہی دور ہے اور وہاں پہنچ کر آپ نے دوگانہ ادا فرمایا لیکن بات یوں نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ سے حج کرنے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو جب مدینہ منورہ سے چل کر مقام ذو الحلیفہ پہنچے تو آپ نے دوگانہ ادا فرمایا لہٰذا چار پانچ میل پر دوگانہ ادا فرمانا اس لیے تھا کہ آپ کا متصل ارادہ مکہ پاک جانے کا تھا اور یہیں سے ثابت ہوا کہ جو شخص سفر شرعی پر روانہ ہو وہ جب اپنے شہر کی حدود سے نکل جائے تو اس پر دوگانہ ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

عن علی بن ربیعة قال خرجنا مع علی ابن ابی طالب رضی الله عنه متوجهين ههنا واشار بيده الى الشام فصلى ركعتين ركعتين حتى اذا رجعنا ونظرنا الى الكوفة حضرت الصلوة فقالوا ياامير المؤمنين هذه الكوفة نتم الصلوة قال لا حتى ندخلها. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۴)

علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معیت میں شام کی طرف چلے تو آپ نے واپسی تک دوگانہ ادا فرمایا۔ جب ہم واپس کوفہ کی طرف آئے اور کوفہ ہمیں نظر آنے لگا تو نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! یہ کوفہ نظر آ رہا ہے نماز مکمل ادا کریں؟ فرمایا نہیں قصر ادا کریں گے ہاں جب کوفہ میں داخل ہو جائیں گے تو پھر مکمل پڑھیں گے۔

عن علی بن ربیعة قال خرجنا مع علی رضی الله عنه فقصرنا ونحن نرى البيوت ثم رجعنا فقصرنا ونحن نرى البيوت فقلنا له فقال علی نقصر حتى ندخلها.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۴)

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ سے چلے تو کوفہ سے باہر نکل کر ہم نے نماز قصر ادا کی حالانکہ ہمیں کوفہ کے مکانات نظر آتے تھے اور جب واپس لوٹے تو کوفہ کے باہر ہم نے قصر ہی پڑھی۔ اب بھی ہمیں کوفہ کے مکانات نظر آ رہے تھے۔ ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا

تو فرمایا: کوفہ میں داخل ہونے تک قصر ہی پڑھیں گے۔

قارئین کرام! ان آثار و روایات سے نماز قصر کی ابتدا اور انتہا کا بخوبی علم ہو جاتا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ شرعی سفر پر روانہ ہونے والا اپنی آبادی سے جب نکل آئے تو دوگانہ شروع ہو گیا اور اس وقت دوگانہ ہی ادا کرے گا جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہو جائے۔

اس موضوع پر اعتراضات اور ان کے جوابات

مقدار مسافت اور دوگانہ ادائیگی کے لزوم پر دو طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اول الذکر غیر مقلد معترض ہیں کہ ساڑھے ستاون میل کی حد ضروری نہیں بلکہ دو چار میل تک جانے کی بھی قصر ادا کر سکتا ہے اور دوسرے حصہ پر دیگر مذاہب کے فقہاء کا اعتراض ہے وہ یہ کہ قصر پڑھ لینا جائز ہے لیکن پوری پڑھ لینا افضل ہے۔

اعتراض ۱

سفر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔

(۱) علامہ نووی شرح المہذب ج ۴ ص ۳۲۵ باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ دار الفکر بیروت میں رقمطراز ہیں کہ شیخ ابو سلام داؤد بن علی اور ان کے متبعین کے نزدیک قصر کے لیے سفر متعین نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص گھر سے باہر نکل کر باغ میں جائے تو وہاں بھی قصر پڑھ سکتا ہے۔

(۲) نواب صدیق حسن بھوپالی ''اسراج الوہاج'' ص ۲۷۷ پر لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک میل کے سفر پر جائے تو قصر کر سکتا ہے۔

(۳) علامہ شوکانی نے ''الدراری المزیہ شرح الدرر البہیۃ'' ص ۱۶۷ پر لکھا ہے کہ سفر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ **اما کونہ یجب القصر علی من خرج من بلدہ قاصدا للسفروان کان دون برید فوجھہ ان اللہ سبحانہ ، قال واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ والضرب فی الارض یصدق علی کل ضرب ۔**

ترجمہ: بہرحال نماز قصر کا وجوب اس شخص کے لیے ہے جو اپنے شہر سے ارادہ سفر کر کے نکلا اور ایک برید سے کم تک جانا چاہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں نماز قصر کا ذکر فرمایا وہاں ''**ضرب فی الارض**'' فرمایا اور زمین پر چلنا اور سفر کرنا تھوڑے سفر پر بھی بولا جاتا ہے۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ میں آیا ''**عن نافع عن ابن عمر انہ کان یقیم بمکۃ فاذا خرج الی منی قصر** مصنف ابن ابی شیبہ۔ ج ۲ ص ۴۵۱ میں نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ شریف میں مقیم تھے آپ جب منیٰ کی طرف گئے تو قصر ادا فرمائی''۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ نماز قصر کے لیے سفر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے لہٰذا تھوڑے سفر پر بھی قصر ادا کرنا جائز ہے۔

جواب: مذکورہ اعتراض میں ایک تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے مقصود ثابت کیا گیا دوسرا آیت قصر سے استدلال لایا گیا۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جناب نافع کا بیان ہے کہ مکہ میں مقیم تھے اور اس دوران میں منیٰ (جو کہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے) میں گئے تو قصر پڑھی۔ اس کے پہلے حصہ میں اقامت کی کوئی تخصیص نہ کی گئی یعنی آپ کی یہ اقامت پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی مستقل نیت پر تھی یا ویسے ہی آپ چند دنوں کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے مکہ شریف کو وطن اقامت بنا لیا تھا تو پھر کچھ بات بنتی ہے۔ ایک تو یہ بھی ثابت نہیں اور دوسرا خود آپ سے ہی ایک حدیث صحیح بخاری و مسلم میں اس کے خلاف موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبد الله قال حدثنی نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تسافر امراۃ ثلاثا الا معها ذو محرم اخرجه البخاری والمسلم فی الصحیح من حدیث یحیی بن القطان. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۸۳ باب حجۃ من قال لاتقصر الصلوٰۃ فی اقل من ثلاثۃ ایام)

جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کیا وہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ کوئی عورت تین دن کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔ اس کو بخاری ومسلم نے یحییٰ بن قطان سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث پاک میں تین دن کا سفر صراحۃً موجود ہے اور اسی پر احکام متفرع ہوئے اگر سفر کی کوئی حد مقرر نہ ہوتی تو عورت کے لیے محرم کے ساتھ جانے کے لیے تین دن کی بجائے مطلقاً فرمایا جاتا کہ کوئی عورت چند میل تک کا سفر بھی محرم کے بغیر نہیں کر سکتی۔ اس سے واضح تر الفاظ میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر پیش خدمت ہے کیونکہ مذکورہ روایت سے کوئی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ یہاں تو عورت کے بغیر محرم سفر کرنے کی حد بیان کی گئی۔ سفر کتنی حد پر ہوتا ہے؟ اس کا تذکرہ نہیں تو اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما ملاحظہ فرمایئے۔

عن علی بن ربیعة الوالبی قال سالت عبد الله بن عمر رضی الله عنهما الی کم تقصر الصلوة فقال اتعرف السوید قال قلت لا ولکنی قد سمعت بها قال هی ثلاث لیال قواصد فاذا خرجنا الیها قصرنا الصلوة.

علی بن ربیعہ والبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کتنی مسافت تک قصر کرنی چاہیے؟ فرمایا: سوید کو جانتے ہو میں نے کہا نہیں لیکن کچھ اس کے بارے میں سن رکھا ہے فرمانے لگے: وہ تین رات کی مسافت پر ہے۔ ہم جب وہاں جانے کا قصد کرتے ہیں تو ہم نماز دوگانہ ادا کرتے ہیں۔

(کتاب الآثار ص ۳۹ باب صلوٰۃ فی السفر حدیث ۱۹۲)

اب شوکانی کے ذکر کردہ آیت قصر سے استدلال کی طرف آیئے "ضرب فی الارض" کو اپنے اطلاق پر رکھ کر مختصر سفر کو بھی سبب رخصت قرار دیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ "ضرب" کا معنی لغت میں حرکت بھی آیا ہے تو چاہیے کہ جب کوئی حرکت کرے تو نماز قصر کرے اور نماز ادا کرنا خود حرکت کے بغیر متصور نہیں لہٰذا ہر وقت ہر نماز دوگانہ ادا کی جانی چاہیے اور اگر اس لفظ کے معنی میں سفر کی قید لگاتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ سفر سے مراد شرعی سفر نہ لیا جائے اگر اسی طرح استدلال کیا جانا درست ہے تو پھر اقیموا الصلوۃ میں صرف اقامت صلوٰۃ ہی مراد ہوگی۔ اس کی رکعت کی تعداد اور اس کے فرائض و واجبات معاف ہو جائیں گے اور اتوا الزکوۃ سے سال گزرنا، نصاب ہونا اور چالیسواں حصہ ادا کرنا سب ختم ہو جائیں گے یہی استدلال داؤد ظاہری کا بھی تھا تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تشریح و تفسیر کرتے وقت نیز اس سے استدلال کرتے وقت احادیث مبارکہ کو دیکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کے اجمال کو بیان کرتی ہیں۔

اعتراض ۲

قصر واجب نہیں بلکہ پوری ادا کرنا بہتر ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اس پر چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

عن عطاء بن ابی رباح عن عائشة رضی الله عنها ان النبی ﷺ کان یقصر فی الصلوة ویتم ویفطر ویصوم . قال هذا اسناد صحیح. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن باب من ترک

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جناب عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کبھی نماز قصر ادا فرماتے اور کبھی پوری پڑھتے، کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار کرتے۔

القصر فی السفر بغیر رغبۃ عن السنۃ)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر اور پوری پڑھنا اپنے اختیار میں ہے اگر قصر واجب ہوتی تو اس کا ترک نہ ہوتا۔

جواب: حدیث مذکور کی سند میں اضطراب ہے۔ علامہ ترکمانی جوہر النقی میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کا ایک راوی عمرو بن ذوالرلی ہے اور اس کے بارے میں یوں مذکور ہے۔ "ذکرہ ابن الجوزی فی کتابہ وقال قال علی بن الجنید کان مرجیا ضعیفا ابن جوزی نے اپنی کتاب میں اس راوی کے بارے میں لکھا کہ علی بن جنید کہتے ہیں یہ مرجی اور ضعیف ہے"۔ ایک اور راوی العلاء نامی بھی اس روایت میں ہے" ان العلاء قال فیہ ابن حبان یروی عن الثقات مالایشبہ حدیث الاثبات وبطل الاحتجاج بہ یعنی العلاء کے بارے میں ابن حبان نے کہا کہ یہ شخص ثقہ راویوں کی طرف سے ایسی روایت بیان کرتا ہے اور ان کی طرف منسوب کرتا ہے جو غیر ثابت ہوتی ہے"۔ (جوہر النقی ذیل بیہقی ج ۳ ص ۱۴۲)

حدثنا العلاء بن زھیر عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت خرجت مع رسول اللہ ﷺ فی عمرۃ فی رمضان فافطر رسول اللہ ﷺ وصمت وقصر واتممت فقلت یا رسول اللہ ﷺ بابی انت وامی افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال احسنت یاعائشۃ.

العلاء بن زہیر نے ہمیں عبد الرحمٰن بن اسود سے انہیں ان کے والد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی کہ میں حضور کے ساتھ رمضان شریف کے مہینہ میں عمرہ کرنے نکلی تو آپ نے روزہ نہ رکھا۔ آپ نے قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے روزہ نہ رکھا اور میں نے رکھا آپ نے قصر ادا فرمائی میں نے پوری پڑھی فرمایا: اے عائشہ! تو نے بہت اچھا کیا۔

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۲)

روایت مذکورہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دورانِ سفر نماز دوگانہ کی بجائے مکمل ادا کی حالانکہ حضور ﷺ نے دوگانہ ادا فرمائی تھی لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکمل نماز پڑھنے پر آپ نے ناراضگی کی بجائے اسے اچھا فرمایا تو معلوم ہوا کہ دورانِ سفر نماز پوری ادا کرنا بہتر ہے۔

جواب: اس روایت کے ایک راوی العلاء کے بارے میں غیر مقلدین کے ایک مشہور عالم شوکانی نے لکھا۔

فی اسنادہ العلاء بن زھیر عن عبد الرحمن بن الاسود بن یزید عن نخعی عنہا والعلاء بن زھیر قال ابن حبان کان یروی عن الثقات مالا یشبہ حدیث الاثبات فبطل الاحتجاج بہ فیما لم یوافق الاثبات.

روایت مذکورہ کی سند میں العلاء بن زہیر راوی ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ العلاء ثقہ لوگوں سے ایسی روایت ذکر کرتا جو ان سے ثابت نہ ہوتیں لہٰذا اس کی ان روایات سے جو ثابت روایات کے موافق نہ ہوں۔ احتجاج باطل ہے۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۸ ابواب صلوٰۃ المسافرین حدیثوں کے بعد پہلی حدیث کی شرح مطبوعہ مصر)

نیز عبد الرحمٰن کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سماع بھی ثابت نہیں اور ایسی روایت کو خطا بھی کہا گیا نیز اسی حدیث پر حافظ ابو عبد اللہ المقدسی نے بہت کلام کیا اور اس میں وہم ثابت کیا اس کی تردید میں احادیث لکھیں۔ ابن حزم نے اس کو "لاخیر فیہ" کہا۔ اس پر طعن کیا ابن النحوی نے بھی اس کا رد کیا۔ ابن تیمیہ نے اس کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر کذب قرار دیا کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کیونکر متوقع ہے کہ وہ حضور ﷺ اور تمام صحابہ کرام کے قصر فرمانے کے مقابلہ میں پوری پڑھیں، حالانکہ ان

سے خود ایسی روایات موجود ہیں جن میں نماز قصر کا ان کی طرف سے اقرار ثابت ہے، یہ تمام تحقیق نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۸۔۲۴۹ پر موجود ہے۔

اعتراض ۳

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوران سفر پوری نماز پڑھنے کو افضل کہتے تھے لہٰذا قصر واجب نہ ہوئی۔

جواب: (ا) آپ کا قصر کی بجائے مکمل ادا فرمانا ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ آپ نے اقامت کی نیت کر لی ہو۔

(ب) آپ نے منیٰ میں قصر اس غرض سے چھوڑی تھی جسے امام طحاوی نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت اقامت کی نیت سے پڑھیں

عن الزهری قال انما صلی عثمان رضی الله عنه بمنی اربعا لان الاعراب كانوا اكثر فی ذالک العام فاحب ان يخبرهم ان الصلوة اربع. فقد يحتمل ان يكون لما اراد ان يريهم ذالک نوی الاقامة فصار مقيما فرضه اربعا فصلی بهم اربعا.

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۴۲۵ باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ بیروت لبنان)

امام زہری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت اس لیے ادا فرمائیں کہ اس سال دیہاتی لوگ بکثرت حج کرنے آئے تھے تو آپ نے یہ پسند فرمایا کہ انہیں بتایا جائے کہ ظہر و عصر کی رکعت چار ہوتی ہیں اور یہ بھی یقیناً احتمال ہے کہ آپ نے جب انہیں چار رکعت بتانے کا ارادہ فرمایا ہو تو اقامت کی نیت کر لی ہو۔ اب جب نیت اقامت سے مقیم ہو گئے تو چار فرض، چار ہی پڑھنے لازم تھے لہٰذا آپ نے انہیں چار رکعت ہی پڑھائیں۔

(ج) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب منیٰ میں چار رکعت پڑھائیں تو اس بات کا جب حضرت عبداللہ بن مسعود کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

حدثنا ابراهيم قال سمعت عبد الرحمن بن يزيد يقول صلی بنا عثمان بن عفان رضی الله عنه بمنی اربع ركعة فقيل ذالک لعبد الله بن مسعود فاسترجع ثم قال صليت مع رسول الله ﷺ بمنی ركعتين وصليت مع ابی بكر رضی الله عنه بمنی ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب رضی الله عنه بمنی ركعتين فليت مظتی من اربع ركعات ركعتان متقبلتان رواه البخاری فی الصحيح عن قتيبة بن سعيد وكذالک مسلم.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۴۳ باب من ترک القصر فی السفر)

ہمیں ابراہیم نے خبر دی کہ میں نے عبد الرحمٰن بن یزید سے سنا کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں منیٰ کے اندر چار رکعت پڑھی۔ یہ بات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتائی گئی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا پھر فرمایا: میں نے منیٰ میں حضور ﷺ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں ابوبکر صدیق کے ساتھ دو رکعت پڑھیں عمر بن الخطاب کے ساتھ دو رکعت پڑھیں۔ کاش میری چار رکعت میں سے میرے حصہ کی دو رکعت ہی قبول ہو جائیں۔

(د) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور منیٰ میں دوگانہ نہ پڑھنے کی بات جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا:

فلما بلغ ذالک لعثمان قال انی تأهلت بمكة

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود

وسمعت رسول الله ﷺ يقول من تأهل ببلدة فهو من اهلها فانكار عبد الله بن مسعود واعتذار عثمان دليل على ان فرض المسافر ركعتان.

(۱) المبسو ط ج ۱ مصنفہ سرخسی باب صلاۃ المسافر ص ۲۴۰ مطبوعہ بیروت) (۲) مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ بیروت)

رضی اللہ عنہ کی گفتگو پہنچی تو فرمایا میں نے مکہ میں شادی کر لی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہوا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں شادی کر لیتا ہے وہ اس کے رہنے والوں میں شمار ہوتا ہے پس حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عذر پیش فرمانا اس پر دلیل ہے کہ مسافر پر دو رکعت ہی فرض ہیں۔

قال النووی وهذا هو المشهور ان عثمان اتم بعد ستة سنين من خلافته وتاول العلماء هذه الرواية ان عثمان لم يزد على ركعتين حتى قبض الله في غير منى والرواية المشهور باتمام بعد صدر من خلافته محمولة على الاتمام بمنى خاصة وقد صرح في رواية بان اتمام عثمان كان بمنى وفي البخارى والمسلم ان عبد الرحمن بن يزيد قال صلى بنا عثمان بمنى اربع ركعات فقيل في ذالك لعبد الله ابن مسعود رضى الله عنهما فاسترجع ثم قال صليت مع رسول الله ﷺ بمنى ركعتين وصليت مع ابى بكر بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب بمنى ركعتين فليت حظى من اربع ركعتان متقبلتان.

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۵ باب صلاۃ المسافر)

نووی کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے چھ سال مکمل ہونے کے بعد دوگانہ چھوڑ کر پوری نماز پڑھی۔ علماء کرام نے اس روایت (چار پڑھنے والی) کی تاویل فرمائی ہے وہ یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل پوری زندگی منیٰ کے علاوہ کسی سفر میں چار رکعت نماز نہیں پڑھی اور روایت مشہورہ یہ ہے کہ عثمان غنی کا نماز کو مکمل پڑھنا آپ کی خلافت کے ابتدائی دور کے بعد تھا۔ یہ آپ کے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے پر محمول ہے اور یہ تصریح بھی ہے کہ آپ نے منیٰ میں ہی نماز پوری پڑھی تھی۔ بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ عبد الرحمٰن بن یزید نے کہا: ہم نے حضرت عثمان کی اقتدا میں منیٰ کے اندر چار رکعت نماز پڑھی تو جب اس کے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود کو کہا گیا تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا پھر فرمایا: میں نے منیٰ کے اندر حضور ﷺ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے ابوبکر صدیق کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے عمر بن خطاب کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی۔ کاش میری چار رکعتوں میں سے میرا حصہ دو رکعت ہی اللہ تعالیٰ کو مقبول و منظور ہو جائیں۔

نوٹ: پچھلے ایک جواب میں گزرا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں شادی کر لی تھی یہ محض احتمال نہیں بلکہ اس کی سند موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حدثنا حميدى حدثنا ابو سعيد مولى بنى هاشم حدثنا عكرمة بن ابراهيم عن ابن زباب عن ابيه عن عثمان بن عفان رضى الله عنه انه قال صلى بنا منى اربعافانكر الناس عليه ذالك فقال انى تاهلت باهلى بهالما قدمت وانى سمعت رسول الله

ہمیں حمیدی نے بتایا اور انہیں ابو سعید مولیٰ بنی ہاشم نے اور انہیں عکرمہ بن ابراہیم نے ابن زباب سے انہیں ان کے والد نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں ہمیں چار رکعت نماز پڑھائی۔ لوگوں نے اسے ناپسند کیا تو آپ نے فرمایا: کہ میں جب یہاں آیا تھا تو میں نے

ﷺ اذا تاهل الرجل فی بلد فلیصل به صلوة المقیم. (مسند حمیدی ج ا ص ۲۱' احادیث عثمان ابن عفان حدیث ۳۶ مطبوعہ بیروت)

شادی کر لی تھی اور حضور ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں شادی کر لیتا ہے اسے وہاں کے مقیم لوگوں کی طرح پوری نماز پڑھنی چاہیے۔

اعتراض

مسند حمیدی کی روایت میں عکرمہ بن ابراہیم ضعیف راوی ہے جس کی امام بیہقی اور صاحب مجمع الزوائد نے بھی تضعیف کی ہے لہٰذا آپ کا وہاں شادی کرنا صحت کے ساتھ ثابت نہ ہوا۔

جواب: عکرمہ بن ابراہیم کو اگرچہ بیہقی وغیرہ نے ضعیف کہا لیکن امام بخاری کا تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کر کے کوئی جرح نہ کرنا ان کے ثقہ ہونے کو مستلزم ہے۔

''زادالمعاد'' میں امام بخاری کے اس رویہ سے استدلال یوں مرقوم ہے۔

قال ابوالبرکات ابن تیمیة ویمکن المطالبة بسبب الضعف فان البخاری ذکره فی تاریخه ولم یطعن فیه وعادته ذکر الجرح والمجروحین وقد نص احمد وابن عباس قبله ان المسافر اذا تزوج لزمه الاتمام وهذا قول ابی حنیفة ومالک واصحابهما وهذا احسن ما اعتذر به عن عثمان.

(زادالمعاد ج ۲ ص ۲۶ برحاشیہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۲۶ بحث قصر الصلوٰۃ فی السفر)

ابن تیمیہ نے کہا کہ ضعف کا مطالبہ ممکن ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا اور اس کے متعلق کوئی طعن ذکر نہ کیا حالانکہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ وہ جرح بھی کرتا ہے اور جس پر جرح ہو چکی ہو ان کا بھی ذکر کر دیتا ہے اور امام احمد اور ابن عباس نے اس سے پہلے نص ذکر کر دی ہے کہ جب شادی کر لیتا ہے تو اسے مکمل نماز ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ' امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ یہ حضرت عثمان کا عذر بہت اچھا ہے۔

اعتراض

تین دن تین رات کی بجائے ایک دن ایک رات کا سفر بھی سببِ قصر ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

سم النبی ﷺ السفر یوما ولیلة وکان ابن عمر وابن عباس رضی الله عنهما یقصران ویفطران فی اربعة برد وهو ستة عشر فرسخا.

(بخاری شریف ج ا ص ۱۴۷ ابواب تقصیر الصلوٰۃ)

حضور ﷺ نے ایک دن رات کو سفر کا نام یاد ہے۔ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم چار برد پر روزہ افطار کرتے اور قصر نماز پڑھتے اور چار بُرد کے سولہ فرسخ ہوتے ہیں۔

عن نافع عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لاتسافر المراة ثلاثة ایام الا مع ذی محرم.

(بخاری شریف ج ا ص ۱۴۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔

عن ابی هریرة قال النبی ﷺ لایحل لامراة تومن بالله والیوم الاخران تسافر مسیرة یوم ولیلة لیس معمها حرمة.

(بخاری شریف ج ا ص ۱۴۷)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اسے ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔

مذکورہ احادیث میں سے دو کے اندر صاف صاف ارشاد ہے کہ کسی عورت کو ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر نہیں کرنا چاہیے جس سے معلوم ہوا کہ سفر شرعی ایک دن رات کے سفر کو کہتے ہیں۔ تین دن رات تک کا سفر قصر نماز کے لیے ضروری ہے لہٰذا تین دن کی قید درست نہیں ہے۔

جواب: امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن رات کا سفر کرنے والے کو مسافر شرعی قرار دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا عمل یہ ذکر کیا ہے کہ وہ بارہ فرسخ یعنی تقریباً اکاون میل کے سفر پر قصر اور افطار کرتے تھے۔ اب ایک دن رات میں بارہ فرسخ طے کرنا مشکل ہے نیز اسی باب کے تحت دو احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن میں تین دن رات کا ذکر ہے۔ اب دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر اختلاف نظر آ رہا ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کا ایک طریقہ یہ کہ کسی ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ کہا جائے اب ایک دن والی حدیث پہلے ہوگی یا تین دن والی۔ اگر ایک دن والی پہلے ہو تو وہ تین دن والی سے منسوخ ہو گی کیونکہ اب معنی یہ ہوگا کہ دو دن سفر کرنے والا مسافر نہ ہوگا بلکہ تین دن والا مسافر کہلائے گا اور اگر تین دن والی پہلے اور ایک دن والی بعد کی ہو تو بعد والی اب تین دن والی کی ناسخ نہ بنے گی کیونکہ تین دن میں ایک دن بہرحال موجود ہے تو جب ایک دن اکیلی عورت کو سفر کرنا ناجائز تو تین دن بطریقہ اولیٰ ناجائز ہوگا لہٰذا تین دن کی حالت قابل عمل ہے اور ایک دن والی حدیث عمل کے اعتبار سے مشکوک ہوئی کیونکہ تین دن پر عمل کرنے والا یقیناً ایک دن پر بھی عمل کر رہا ہے اس لیے جب یقین کو شک سے ختم نہیں کیا جا سکتا تو ترجیح یقینی تین دن والی حدیث کو ہوگی۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام کا عمل بھی اس کی تائید و توثیق میں موجود ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٥٧- بَابُ الْمُسَافِرُ يَدْخُلُ الْمِصْرَ اَوْغَيْرَهُ مَتٰى يُتِمُّ الصَّلٰوةَ

شہر وغیرہ میں داخل ہونے والا مسافر پوری نماز کب پڑھے؟

١٩١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اُصَلِّيْ صَلٰوةَ الْمُسَافِرِ مَالَمْ اَجْمَعْ مُكْثًا وَاِنْ حَبَسَنِيْ ذٰلِكَ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ اور انہیں ابن عمر نے بتایا کہ میں مسافرانہ نماز ہی پڑھوں گا جب تک پختہ قیام کا ارادہ نہ کرلوں خواہ اس ارادہ کرنے اور تردد میں بارہ دن ہی گزر جائیں۔

١٩٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ كَانَ اِذَا قَدِمَ مَكَّةَ صَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں سالم سے زہری نے اور انہیں اپنے والد نے حضرت عمر سے خبر دی کہ جب وہ (عمر) مکہ تشریف لاتے تو لوگوں کو دوگانہ پڑھا کر فرماتے اے اہلِ مکہ! تم اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر لوگ ہیں۔

١٩٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يُقِيْمُ بِمَكَّةَ عَشْرًا فَيَقْصُرُ الصَّلٰوةَ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّاسِ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهِمْ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں دس دن قیام فرماتے تو نماز دوگانہ ادا کرتے تھے۔ ہاں اگر وہاں کے مقیم لوگوں کے ساتھ (امام کے پیچھے) نماز ادا فرماتے تو پھر ان کی طرح نماز پوری ادا فرماتے۔

١٩٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ اَنَّهٗ

ہمیں امام مالک نے ہشام بن عروہ سے خبر دی کہ انہوں نے

سَأَلَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُسَافِرِ إِذَا كَانَ لَا يَدْرِيْ مَتٰى يَخْرُجُ يَقُوْلُ أَخْرُجُ الْيَوْمَ بَلْ أَخْرُجُ غَدًا بَلِ السَّاعَةَ فَكَانَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَيْهِ لَيَالٍ كَثِيْرَةٌ أَيَقْصُرُ أَمْ مَا يَصْنَعُ؟ قَالَ يَقْصُرُ وَإِنْ تَمَادٰى بِهٖ ذٰلِكَ شَهْرًا.

سالم بن عبداللہ سے ایسے مسافر کے بارے میں پوچھا جو کسی جگہ سے اپنا نکلنا یقینی نہیں جانتا۔ وہ کہتا ہے کہ آج جاؤں گا کل جاؤں گا بلکہ ابھی جا رہا ہوں وہ اسی طرح آج کل کرتا ہے حتیٰ کہ کئی دن اسے یونہی کرتے وہاں گزر جاتے ہیں۔ وہ نماز قصر کرے یا پوری پڑھے؟ فرمایا: وہ قصر کرے گا اگرچہ آج کل کرتے کرتے مہینہ گزر جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ نَرٰى قَصْرَ الصَّلٰوةِ إِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرًا مِنَ الْأَمْصَارِ وَإِنْ عَزَمَ عَلَى الْمَقَامِ إِلَّا أَنْ يَعْزِمَ عَلَى الْمَقَامِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَصَاعِدًا فَإِذَا عَزَمَ عَلٰى ذٰلِكَ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ.

امام محمد کہتے ہیں ہم ایسے مسافر کے لیے قصر کا حکم دیتے ہیں جو کسی شہر میں جائے اور وہاں پندرہ دن سے کم کی نیت اقامت کرے۔ اگر پندرہ دن یا اس سے زائد کی پختہ نیت کر لیتا ہے تو نماز پوری پڑھے گا۔

۱۹۵- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ قَالَ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ مَنْ أَجْمَعَ عَلٰى إِقَامَةِ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ فَلْيُتِمَّ الصَّلٰوةَ.

امام محمد کہتے ہیں ہمیں امام مالک نے عطاء خراسانی سے خبر دی کہ سعید بن مسیب نے کہا جو شخص چار دن کی نیت اقامت کرے وہ پوری نماز پڑھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهٰذَا يَقْصُرُ الْمُسَافِرُ حَتّٰى يَجْمَعَ عَلٰى إِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ.

امام محمد کہتے ہیں ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔ مسافر اس وقت تک قصر ہی پڑھے گا جب تک وہ پندرہ دن کی پختہ نیت اقامت نہ کرے اور یہی ابن عمر، سعید بن جبیر اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔

۱۹۶- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ مَعَ الْإِمَامِ بِمِنًى يُصَلِّيْ أَرْبَعًا وَإِذَا صَلّٰى لِنَفْسِهٖ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دیتے ہیں کہ وہ منیٰ میں جب امام کے پیچھے نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور اگر اکیلے پڑھتے تو دوگانہ ادا فرماتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِذَا كَانَ الْإِمَامُ مُقِيْمًا وَالرَّجُلُ مُسَافِرًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ جب امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو پوری نماز پڑھے گا یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

ان آثار کی وضاحت گزر چکی ہے۔ چند امور بطور خلاصہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مسافر کو اگر کسی جگہ قیام میں تردد ہو تو اس کیفیت میں قصر ہی ادا کرے گا چاہے یہ عرصہ کتنا طویل ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرنے کی وجہ سے قصر ادا فرمایا کرتے تھے۔

(۳) اگر مسافر کسی مقیم کی اقتدا میں نماز پڑھے گا تو اتباع امام کی وجہ سے وہ پوری پڑھے گا اور اگر اتباع چھوٹ گئی تو قصر واجب ہے مثلاً مسافر نے مقیم کے پیچھے نماز شروع کی اور بے وضو ہو گیا اب وضو کرنے کے بعد اگر امام کے پیچھے بقیہ نماز ادا کرتا ہے تو پوری ورنہ قصر پڑھے گا۔

اعتراض

احناف کے ہاں پندرہ دن سے کم کی نیت اقامت پر نماز قصر ہی رہے گی حالانکہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ چار دن کی نیت اقامت پر پوری نماز ادا کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ صحابی کے قول کے ہوتے ہوئے اپنی رائے پر عمل کرنا کیونکر درست ہوگا؟

جواب: حضرت سعید بن میتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکورہ روایت خودان کے اپنے عمل کے خلاف ہے ملاحظہ ہو۔

عن سعید بن المسیب قال اذا اجمع رجل علی اقامة خمسة عشر اتم الصلوة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۴ من قال اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة اتم)

سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا: جب کوئی مسافر پندرہ دن کی نیت اقامت کرے تو وہ اب نماز پوری پڑھے گا۔

حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے پندرہ دن قیام والی روایت ان احادیث کے موافق ہے جن میں سرکار دوعالم ﷺ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ نے مکہ شریف جاتے ہوئے نماز قصر ادا فرمائی اور مکہ میں دس دن قیام فرمانے پر بھی قصر ادا فرمائی حتیٰ کہ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے اسی لیے امام محمد نے سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کے چار دن والے قول کے بعد لکھا کہ ہم اس قول پر نہیں بلکہ ان کے اس قول پر عمل کریں گے جو ان سے پندرہ دن قیام کے متعلق ہے اور ابن عمر اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم بھی پندرہ دن کا قول فرماتے ہیں لہٰذا ترجیح پندرہ دن کے قول کو ہی ہے اور اسی پر احناف کا عمل ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۵۸- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلٰوةِ فِی السَّفَرِ

سفر کی نماز میں قرأت

۱۹۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یَقْرَأُ فِی السَّفَرِ فِی الصُّبْحِ بِالْعَشْرِ السُّوَرِ مِنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ یُرَدِّدُهُنَّ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ سُوْرَةً.

قَالَ مُحَمَّدٌ یُقْرَأُ فِی الْفَجْرِ فِی السَّفَرِ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَنَحْوَهُمَا.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر کے دوران صبح کی نماز میں اول مفصل کی دس سورتوں میں سے ہر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھتے تھے۔ (یعنی الحجرات سے البروج تک کوئی ایک سورت) امام محمد کہتے ہیں کہ سفر کے دوران مسافر کو صبح کی نماز میں سورۂ بروج اور سورۂ الطارق اور ان جیسی سورتیں پڑھنی چاہئیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اگرچہ سفر کی نماز صبح میں سورۂ الحجرات جیسی لمبی سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو درست ہے لیکن سفر کی وجہ سے اگر ان سورتوں کی بجائے البروج اور الطارق جیسی سورتیں پڑھے تو یہ اچھا ہے کیونکہ تخفیف اور سہولت اس میں ہی ہے۔

۵۹- بَابُ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ فِی السَّفَرِ وَ الْمَطَرِ

سفر اور بارش کے وقت نمازیں جمع کرنا

۱۹۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا عَجِلَ بِهِ السَّیْرُ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے اور انہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب اور عشاء کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔

۱۹۹- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ حِیْنَ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِی السَّفَرِ سَارَ حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں خبر دی نافع نے عبداللہ بن عمر سے کہ جب سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرتے تو چلتے رہتے یہاں تک کہ شفق غائب ہو جاتی۔

۲۰۰- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا دَاؤُدُ بْنُ الْحُصَیْنِ اَنَّ

ہمیں امام مالک نے داؤد بن حصین سے خبر دی کہ عبدالرحمٰن

عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ اَخْبَرَهٗ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِيْ سَفَرِهٖ اِلٰى تَبُوْكَ.

بن ہرمز نے انہیں بتایا کہ حضور ﷺ تبوک کی طرف سفر کے دوران ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا فرمایا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ اَنْ تُؤَخَّرَ الْاُوْلٰى مِنْهُمَا فَتُصَلّٰى فِيْ اٰخِرِ وَقْتِهَا وَتُعَجَّلُ الثَّانِيَةُ فَتُصَلّٰى فِيْ اَوَّلِ وَقْتِهَا وَقَدْ بَلَغَنَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ صَلَّى الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّفَقُ خِلَافَ مَا رَوٰى مَالِكٌ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے کہ دو نمازوں کو اس طرح اکٹھا کر کے پڑھا جا سکتا ہے کہ پہلی نماز کا آخری وقت اور دوسری کا شروع وقت ہو۔ (یعنی پہلی کو دیر سے اور دوسری کو جلدی) لیکن اپنے اپنے وقت میں ادا کیا جائے۔ ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی یہ خبر ملی ہے کہ آپ نے نماز مغرب جب عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھی تو نماز مغرب کو شفق کے غروب ہونے سے تھوڑا سا پہلے ادا فرمایا۔ یہ روایت امام مالک سے مذکورہ روایت کے خلاف ہے۔

۲۰۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا جَمَعَ الْاُمَرَاءُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ جَمَعَ مَعَهُمْ فِي الْمَطَرِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں امام نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ جب امراء (خلفاء) مغرب اور عشاء کو بارش کی وجہ سے اکٹھا کر کے پڑھتے تو آپ بھی ان کے ساتھ پڑھتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَسْنَا نَاْخُذُ بِهٰذَا لَا نَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ اِلَّا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِعَرَفَةَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِمُزْدَلِفَةَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ مُحَمَّدٌ بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ فِي الْاٰفَاقِ يَنْهَاهُمْ اَنْ يَّجْمَعُوْا بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ وَيُخْبِرُهُمْ اَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ كَبِيْرَةٌ مِّنَ الْكَبَائِرِ اَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ الثِّقَاتُ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُوْلٍ.

امام محمد کہتے ہیں ہم اس پر عمل نہیں کرتے ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا ہرگز درست نہیں ہاں صرف عرفات میں ظہر اور عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء اکٹھی پڑھی جاتی ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ہر طرف یہ لکھ کر بھیجا کہ دو نمازوں کو اکٹھا نہ کرنا اور لوگوں کو بتایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ یہ خبر ہمیں علاء بن الحارث عن مکحول سے ثقہ راویوں نے سنائی۔

جمع بین الصلوٰتین کی تحقیق

دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنے میں ائمہ اربعہ کا اجمالی طور پر یہ مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہر ایسے سفر میں جو نماز قصر کا موجب ہو دو نمازوں کو مطلقاً جمع کر کے پڑھنے کے قائل ہیں یعنی ظہر اور عصر کو اکٹھا کرنا خواہ دونوں ظہر کے وقت میں ادا کی جائیں یا عصر کے وقت میں دونوں طرح جائز ہے اسی طرح مغرب اور عشاء میں بھی ان کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس بارے میں تین قول ملتے ہیں۔ کراہت، عدم جواز اور سفر میں جلدی کے پیش نظر جائز ورنہ نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے اپنے اپنے مذہب کے مطابق بہت سی وضاحتیں ان کی کتب میں مذکور ہیں جن کا بیان کرنا یہاں مقصود

نہیں ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں یہ مسلک ہے کہ عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کہیں بھی کسی صورت میں دونمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔عرفات اور مزدلفہ میں دونمازوں کو جمع کرنے پر بہت سی متواتر احادیث آئی ہیں اس لیے ان دو اوقات پر دونمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔احناف کا مذکورہ مسلک کن دلائل سے ثابت ہے اور اس کے مراجع کیا ہیں؟ اس کا جواب درج ذیل حوالہ جات سے ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا۝ (النساء:۱۳۰)

مومنوں پر بلا ریب اوقات مقررہ میں نماز فرض کی گئی ہے۔

آیت مذکورہ اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ ہر نماز کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کی ادائیگی اسی وقت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ بان یؤخر صلاۃ الی وقت اخر.

(طحاوی شریف ج ا ص ۱۶۵ اباب الجمع بین صلاتین کیف ھو)

حضرت ابوقتادہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیند (کی وجہ سے نماز کو بروقت نہ پڑھ سکنا) قصور اور کوتاہی نہیں قصور یہ ہے کہ کوئی شخص اگلی نماز کے وقت شروع ہونے تک (جاگتے ہوئے) پہلی نماز نہ پڑھ سکا۔

عن عبد اللہ قال ما رایت رسول اللہ ﷺ صلی صلوۃ قط فی غیر وقتھا الا انہ جمع بین صلاتین بجمع. (طحاوی ج ا ص ۱۶۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ سرکار دو عالم ﷺ عرفات اور مزدلفہ کے سوا ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔

عن ابی العالیہ ان عمر کتاب الی ابی موسی اعلم ان جمعا بین الصلوتین من الکبائر الا من عذر.

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۵۵۲ مطبوعہ دائرۃ القرآن حدیث ۴۴۲۲)

حضرت ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جناب ابوموسیٰ اشعری کی طرف لکھا۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دونمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے ہاں عذر کی وجہ سے ایسا نہیں۔

عن ابی موسی قال الجمع بین الصلوتین من غیر عذر من الکبائر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۹ من کرہ الجمع بین صلوٰتین)

ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ دونمازوں کو بلا عذر اکٹھا کر کے پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

عن عبد اللہ قال ما رایت رسول اللہ ﷺ صلی صلوۃ من غیر وقتھا الا انہ جمع بین الصلوتین بجمع وصلی الفجر یومئذ لغیر میقاتھا.

(طحاوی شریف ج ا ص ۱۶۴ اباب الجمع بین صلوٰتین کیف ھو)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو کوئی نماز اس کے وقت کے سوا پڑھتے نہ دیکھا ہاں آپ نے مزدلفہ میں دونمازوں کو اکٹھا ادا فرمایا اور اس دن صبح کی نماز آپ نے مستحب وقت کے غیر میں ادا فرمائی (یعنی صبح صادق ہونے کے فوراً بعد)۔

عن ابن عباس قال لایفوت صلوۃ حتی یجیئی وقت الاخری.

(طحاوی شریف ج ا ص ۱۶۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی نماز اس وقت تک فوت نہیں ہوتی جب تک (اس کا وقت ختم نہ ہو جائے اور) دوسری نماز کا وقت شروع نہ ہو جائے۔

الدلیل علی ذالک قولہ علیہ السلام الوقت

(ہر نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی) دلیل یہ ہے کہ حضور

فی مابین ھذین الوقتین. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۶۵) ﷺ نے فرمایا: ان دو وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیت اور اس کے بعد احادیث و آثار اس کے شاہد ہیں کہ ہر نماز کا وقت مقرر ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی نماز کو اگلی نماز کے وقت شروع ہونے تک مؤخر کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے اور ایسا کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور صرف عرفات اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ان دو مقامات کے سوا کہیں بھی کوئی سی دو نمازیں اکٹھی کرنا جائز نہیں ہیں۔ بعض ائمہ کے اقوال (جن کا اجمالی ذکر ہو چکا ہے) کا سہارا لے کر غیر مقلد دو نمازوں کے جمع کرنے اور اس کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور احناف پر مختلف اعتراض کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کو مع جوابات ذکر کر رہے ہیں۔

اعتراض ۱

قال ابو طفیل حدثنا معاذ بن جبل رضی الله عنه قال جمع رسول الله ﷺ فی غزوة تبوک بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء قال قلت ماحمله علی ذالک قال فقال اراد أن لا یحرج امته. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۶ باب جواز الجمع بین صلوٰتین فی السفر)

جناب ابو طفیل کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور ﷺ نے غزوۂ تبوک میں ظہر اور عصر اور مغرب و عشاء کو اکٹھا ادا فرمایا۔ میں نے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا اس لیے کہ امت سے تنگی اٹھ جائے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے امت کی سہولت کی خاطر دوران سفر دو نمازوں کو جمع فرمایا۔ سہولت یہ کہ اگر اپنے اپنے وقت میں ہر نماز پڑھی جاتی تو سفر میں رکاوٹ آجاتی اور پھر بار بار وضو کرنے سے بھی چھٹکارا ہو گیا لہٰذا اس رعایت کا تقاضا ہے کہ مسافر دوران سفر دو نمازیں اکٹھی کر کے پڑھے تو جائز ہے حالانکہ احناف اس کی اجازت نہیں دیتے۔

جواب: مذکورہ روایت مسلک احناف کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ دو نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں ادا کر کے بظاہر اکٹھا کرنا درست ہے وہ اس طرح کہ نماز ظہر کو اس کے آخری وقت میں ادا کر کے اس کے ساتھ ہی جب نماز عصر کا وقت شروع ہوا تو اسے بھی ساتھ ہی ادا کریں۔ یہ صورت جائز ہے اور مذکورہ حدیث پاک میں اس امر کی کوئی نشاندہی نہیں کہ غزوۂ تبوک میں آپ نے دو نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں جمع فرمایا اس لیے اس جمع کی صورت وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی۔ ایسی صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ کسی نماز میں کراہت آجائے۔ یہ اولویّت کے خلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس سے نماز کا فساد و بطلان نہیں ہوگا۔

اعتراض ۲

عن ابن عباس قال صلی رسول الله ﷺ الظهر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا من غیر خوف ولا سفر.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۶ باب جواز الجمع بین صلوٰتین فی السفر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء اکٹھی کر کے پڑھیں۔ نہ کوئی خوف تھا اور نہ سفر درپیش تھا۔

پچھلی روایت میں دوران سفر اکٹھا کرنے کا ذکر تھا۔ اس میں سفر کا بھی ذکر نہیں اور خوف کی بھی نفی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ بغیر خوف اور بغیر سفر کے دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

جواب: اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر مقلدین بھی اس حدیث پاک سے استدلال کر کے حالت اقامت میں دو نمازوں کو اکٹھا کرنے کا نہیں کہتے۔ ان کے نزدیک خوف، سفر اور بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے۔ دوسری بات وہی کہ پہلی حدیث پاک کی طرح اس میں بھی اگرچہ دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن کیا یہ دو نمازیں ایک وقت میں

پڑھی گئیں یا ایک کا آخری وقت اور دوسری کا ابتدائی وقت تھا، اور اس طرح ایک ہی مرتبہ دو نمازیں ادا ہوئیں جو درحقیقت اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئیں۔ صرف ظاہری دیکھنے میں جمع کرنا بن رہا ہے۔ ایسا ظاہری اکٹھا کرنا ہم احناف کے نزدیک بھی جائز ہے۔

اعتراض ۳

عن انس عن النبی ﷺ اذا عجل علی السیر یؤخر الظہر الی اول وقت العصر فجمع بینہما ویوخر المغرب حتی یجمع بینہا وبین العشاء حین یغیب الشفق. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو آپ نماز ظہر کو عصر کے اول وقت تک مؤخر کر کے دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے اور مغرب کو شفق ڈھلنے پر عشاء کے ساتھ ملا کر ادا فرماتے۔

اس روایت میں احناف کا وہ احتمال نہیں چل سکتا کیونکہ مغرب کا آخری وقت غروب شفق تک ہے اور اس کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے لہٰذا جب غروب شفق کے بعد مغرب اور عشاء دونوں ادا کی گئیں تو لازماً مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھا گیا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ سفر کی جلدی کے پیش نظر دو نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنا جائز ہے۔

جواب: بات شفق کے غروب ہونے پر ہے۔ معترض نے اس میں احناف اور غیر احناف کا صحیح مسلک بیان نہ کر کے قارئین کو صحیح صورت حال سے آگاہ نہ کیا۔ احناف کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سورج غروب ہونے کے بعد سرخی کے بعد کنارہ آسمان پر نمودار ہوتی ہے اور سفیدی کے اختتام تک نماز مغرب کا وقت موجود رہتا ہے لیکن دیگر حضرات اس سفیدی سے پہلے سرخی کو شفق کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر اور سفیدی ظاہر ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو گیا اور عشاء کا شروع ہو گیا، لہٰذا ہم احناف اس حدیث پاک کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے سرخ شفق غروب ہونے کے بعد سفید شفق میں نماز مغرب ادا فرمائی اور مغرب ادا کرنے کے بعد فوراً (یعنی سفیدی ختم ہونے پر) آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی تو یہ بھی بظاہر جمع کرنا ہے ورنہ حقیقت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کی جا رہی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

جمع صوری کے ثبوت پر احادیث و آثار

عن نافع عن عبد اللہ بن واقد ان موذن ابن عمر قال الصلوۃ قال سر سر حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللہ ﷺ کان اذا عجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذالک الیوم ولیلۃ مسیرۃ ثلاث قال ابو داود رواہ ابن جابر عن نافع نحو ھذا باسنادہ.

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ نول کشور باب الجمع بین الصلوتین)

جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن واقد جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مؤذن تھے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو کہا نماز نماز۔ فرمانے لگے چلو چلو۔ حتیٰ کہ شفق کے غروب ہونے سے تھوڑا پہلے اتر کر آپ نے نماز مغرب پڑھی پھر انتظار کیا کہ شفق غروب ہو جائے۔ غروب ہوتے پر نماز عشاء ادا فرمائی پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب جلدی جانا مقصود ہوتا تو آپ اسی طرح کرتے جس طرح میں نے کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دن تین دن رات کا سفر طے فرمایا۔ ابو داؤد کہتے ہیں۔ ابن جابر نے نافع سے اسی کی طرح انہی اسناد سے روایت ذکر کی ہے۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ

في السفر يؤخر الظهر ويقدم العصر ويؤخر المغرب ويقدم العشاء . (طحاوی شریف ج۱ص۱۶۴مطبوعہ بیروت)

دورانِ سفرظہر کومؤخراورعصر کومقدم ،مغرب کومؤخراورعشاء کومقدم کر کے ادافرماتے ۔

عن ابن عباس قال صليت مع النبي ﷺ ثمانيا جميعا وسبعا جميعا قلت يا ابا الشعثاء اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظن ذالک.

(صحیح مسلم ج۱ص۲۴۶مطبوعہ نورمحمد کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ آٹھ اور سات رکعات پڑھیں ۔ (ظہر وعصرمغرب وعشاء) میں نے پوچھا: اے ابوالشعثاء میرا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کو مؤخراور عصر کو مقدم کیا ہوگا اور مغرب کومؤخراورعشاء کومقدم کیا ہوگا ۔ کہنے لگا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔

ان تمام روایات میں وضاحت اورصراحت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے نمازظہر اس کے آخری وقت میں اورنمازعصر اس کے ابتدائی وقت میں بظاہر جمع کر کے ادافرمائیں اورحضرات صحابہ کرام نے بھی اسی طرح صورتاً جمع فرمایا۔اسی لیے تعجیل وتقدیم کے الفاظ بالتصریح مذکور ہیں ۔غروب شفق کے بعد کچھ دیرٹھہر کرعشاء ادافرمانا اسی کی تائید کررہا ہے ۔ان روایات کی نسبت زیادہ صراحت ملاحظہ ہو۔

عن عبد الله قال مارأيت رسول الله ﷺ صلى صلوة قط في غير وقتها الا انه جمع بين الصلوتين بجمع فصلى الفجر يومئذ لغير لميقاتها.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کوکوئی نماز اس کے مقررہ وقت کے سوا وقت میں ہرگز ادافرماتے نہ دیکھا۔ ہاں آپ نے مزدلفہ میں دونمازیں اکٹھی ادافرمائیں ۔ پھرنمازصبح اپنے وقت میں ادافرمائی ۔

(طحاوی شریف ج۱ص۱۶۴مطبوعہ بیروت باب الجمع بین صلاتین کیف ہو)

خلاصہ یہی ہے کہ سرکاردوعالم ﷺ عام طور پر ہرنماز اس کے وقت مقررہ میں ادافرمایا کرتے تھے ہاں بعض دفعہ مخصوص حالت میں دونمازوں کواکٹھا بھی ادافرمایا لیکن یہ جمع اس طرح کی گئی کہ ایک نماز کا آخری وقت اور دوسری کا اول وقت ہوتا۔ ایک وقت میں دونمازوں کی ادائیگی صرف اورصرف عرفات اورمزدلفہ میں ہوئی۔اس پرہم نے چند روایات ذکر کردیں ۔ اگرچہ اور بھی بہت ہیں لیکن اختصارپیش نظر ہے۔فاعتبروا يا اولى الابصار

٦٠- بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الدَّآبَةِ فِي السَّفَرِ

سفر کے دوران سواری پرنماز پڑھنے کاحکم

٢٠٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ فِي السَّفَرِ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَصْنَعُ ذَالِكَ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار سے خبردی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دورانِ سفراپنی سواری پرنمازادافرماتے تھے ۔ دورانِ نمازسواری کا منہ خواہ کس طرح ہوتا؟ مزید بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے ۔

٢٠٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْبَكْرِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ سَعِيْدًا اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ

ہمیں امام مالک نے خبردی کہ مجھے ابوبکر بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر نے بتایا کہ حضرت سعید بن یسار رضی اللہ عنہ

كَانَ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْ سَفَرٍ فَكُنْتُ اَسِيْرُ مَعَهٗ وَاَتَحَدَّثُ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا خَشِيْتُ اَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ تَخَلَّفْتُ فَنَزَلْتُ فَاَوْتَرْتُ ثُمَّ رَكِبْتُ فَلَحِقْتُهٗ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ نَزَلْتُ فَاَوْتَرْتُ وَخَشِيْتُ اَنْ اُصْبِحَ فَقَالَ اَلَيْسَ لَكَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فَقُلْتُ بَلٰى وَاللّٰهِ قَالَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوْتِرُ عَلَى الْبَعِيْرِ.

فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں شریک تھا۔ ان کے ساتھ ساتھ میں چلتا بھی جاتا تھا اور گفتگو بھی کرتا تھا حتیٰ کہ مجھے طلوع صبح کا خوف ہوا تو میں پیچھے رہ گیا اور سواری سے اتر کر نماز وتر ادا کر کے پھر سوار ہو گیا مجھے فرمانے لگے تم کہاں تھے؟ عرض کی اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے سواری سے اتر کر وتر ادا کیے ہیں کیونکہ مجھے خوف ہوا کہ صبح صادق نہ ہو جائے۔ فرمانے لگے کیا سرکار دوعالم ﷺ کا عمل شریف تمہارے لیے نمونہ کے طور پر کافی نہیں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں خدا کی قسم! فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نماز وتر اونٹ پر ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔

٢٠٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِيْ سَفَرٍ يُصَلِّيْ عَلٰى حِمَارِهٖ وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ اِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ اِيْمَاءً بِرَاْسِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّضَعَ وَجْهَهٗ عَلٰى شَيْءٍ.

ہمیں امام مالک نے انہیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دوران سفر گدھے پر نماز ادا کرتے دیکھا اور آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف نہ تھا۔ سر کے اشارے سے رکوع وسجود کرتے تھے اور کسی چیز پر سجدہ کے لیے سر نہیں رکھتے تھے۔

٢٠٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَمْ يُصَلِّ مَعَ صَلٰوةِ الْفَرِيْضَةِ فِي السَّفَرِ التَّطَوُّعَ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا اِلَّا مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ نَازِلًا عَلَى الْاَرْضِ وَعَلٰى بَعِيْرِهٖ اَيْنَمَا تَوَجَّهَ بِهٖ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دوران سفر فرضی نماز کے ساتھ نہ پہلی سنتیں اور نہ بعد والی ادا فرماتے مگر رات کے نوافل (تہجد کی نماز) ادا فرماتے۔ آپ زمین پر اتر کر اور کبھی سواری پر جدھر بھی اس کا منہ ہوتا ادا فرما لیتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَاْسَ بِاَنْ يُّصَلِّيَ الْمُسَافِرُ عَلٰى دَابَّتِهٖ تَطَوُّعًا اِيْمَاءً حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ يَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَاَمَّا الْوِتْرُ وَالْمَكْتُوْبَةُ فَاِنَّهُمَا تُصَلَّيَانِ عَلَى الْاَرْضِ وَبِذٰلِكَ جَاءَتِ الْاٰثَارُ.

امام محمد فرماتے ہیں مسافر اگر سواری پر نفلی نماز اشارہ کے ساتھ جس طرف منہ کر کے پڑھے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سجدہ کو رکوع سے زیادہ جھک کر ادا کرے لیکن وتر اور فرضی نماز زمین پر ہی ادا کی جائیں گی اس کی تائید میں آثار وارد ہیں۔

٢٠٦- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ اَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ فَاِذَا كَانَتِ الْفَرِيْضَةُ اَوِ الْوِتْرُ نَزَلَ فَصَلّٰى.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جناب حصین رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (دوران سفر) نفلی نماز سواری پر ہی ادا فرمایا کرتے تھے جدھر بھی اس کا منہ ہوتا اور جب فرض یا وتر ادا کرنا چاہتے تو اتر کر زمین پر ادا فرماتے تھے۔

٢٠٧- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ الْهَمْدَانِيُّ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَزِيْدُ عَلَى الْمَكْتُوْبَةِ فِي

امام محمد فرماتے ہیں ہمیں عمر بن ذر ہمدانی نے جناب مجاہد سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دوران سفر دو فرضی

السَّفَرِ عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ لَا يُصَلِّيْ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَيُحْيِي اللَّيْلَ عَلٰى ظَهْرِ الْبَعِيْرِ اَيْنَمَا كَانَ وَجْهُهٗ وَيَنْزِلُ قُبَيْلَ الْفَجْرِ فَيُوْتِرُ بِالْاَرْضِ فَاِذَا اَقَامَ لَيْلَةً فِيْ مَنْزِلٍ اَحْيَى اللَّيْلَ.

رکعتوں پر زیادتی نہ فرماتے نہ تو اس سے پہلے کچھ پڑھتے اور نہ ہی بعد میں اور نماز تہجد اونٹ کی پشت پر ہی جدھر اس کا منہ ہوتا ادا فرمالیتے اور فجر سے کچھ دیر پہلے سواری سے اتر کر زمین پر وتر ادا فرماتے۔ اگر کہیں قیام فرمانا ہوتا تو تمام رات قیام میں بسر فرماتے۔

۲۰۸- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَحِبْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَكَانَ يُصَلِّي الصَّلٰوةَ كُلَّهَا عَلٰى بَعِيْرِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ وَيُوْمِئُ بِرَاْسِهٖ اِيْمَاءً وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ وَالْوِتْرَ فَاِنَّهٗ كَانَ يَنْزِلُ لَهُمَا فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهٗ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ يُوْمِئُ بِرَاْسِهٖ وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابان بن صالح نے حماد بن ابی سلیمان سے انہوں نے جناب مجاہد سے خبر دی کہ میں مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عمر کے ساتھ شریک سفر تھا آپ فرض اور وتر کے سوا ہر نماز سواری پر ادا فرماتے جدھر اس کا منہ ہوتا اور سر کے ساتھ اشارہ فرماتے رکوع سے سجدہ کا اشارہ زیادہ جھکا ہوا ہوتا فرض اور وتر ادا کرنے کے لیے سواری سے اتر پڑتے میں نے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا: حضور ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے سواری کا جدھر منہ ہوتا آپ اس پر سوار ہوتے ہوئے سر کے اشارہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ جھکا ہوا ہوتا تھا۔

۲۰۹- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنِيْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ وَلَا يَضَعُ جَبْهَتَهٗ وَلٰكِنْ يُشِيْرُ لِلرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ بِرَاْسِهٖ فَاِذَا نَزَلَ اَوْتَرَ.

امام محمد کہتے ہیں ہمیں اسماعیل بن عیاش نے خبر دی کہ مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے متعلق بتایا کہ وہ ظہر کی نماز سواری پر جدھر اس کا منہ ہوتا ادا فرماتے اور اپنا ماتھا کسی چیز پر نہ لگاتے بلکہ رکوع و سجود کے لیے اپنے سر سے اشارہ کرتے اور جب سواری سے اترتے تو وتر ادا فرماتے۔

۲۱۰- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ الضَّبِّيِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ تَطَوُّعًا يُوْمِئُ اِيْمَاءً وَيَقْرَاُ السَّجْدَةَ فَيُوْمِئُ وَيَنْزِلُ لِلْمَكْتُوْبَةِ وَالْوِتْرِ.

امام محمد فرماتے ہیں ہمیں مغیرہ الضبی سے خالد بن عبد اللہ نے خبر دی انہیں ابراہیم نخعی نے بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر اس کا جدھر منہ ہوتا نفلی نماز ادا فرماتے اور اشارہ سے ادا فرماتے' سجدہ بھی اشارہ سے کرتے اور فرضی نماز اور وتر کے لیے سواری سے اترتے۔

۲۱۱- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ اَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ صَلَّى التَّطَوُّعَ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُّوْتِرَ نَزَلَ فَاَوْتَرَ.

امام محمد کہتے ہیں ہمیں خبر دی فضل بن غزوان نے کہ عبد اللہ ابن عمر کے بارے میں نافع نے کہا کہ ان کی سواری کا جس طرف رخ ہوتا اس طرف وہ نفل ادا کرلیا کرتے تھے جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اتر کر ادا کرتے۔

یہاں دو باتیں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ دوران سفر نفلی نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے اس کے لیے قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں اور رکوع و سجود بھی اشارہ کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔ صرف سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ جھکا ہوا ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ فرضی نماز

اور وتر دونوں سواری پر ادا نہیں ہو سکتے بلکہ زمین پر اتر کر قیام وقعود اور رکوع وسجود کے ساتھ قبلہ رخ کھڑے ہو کر ادا کرنا ضروری ہیں۔
اس دوسری بات پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وتر بھی سواری پر پڑھنے جائز ہیں جس کی دلیل میں سعید بن یسار کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے انہیں سواری سے اتر کر وتر ادا کرنے پر رسول اللہ ﷺ کا عمل شریف بتایا کہ آپ سواری پر ہی وتر ادا فرماتے تھے لہٰذا وتروں کے لیے نیچے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں دو باتیں مدنظر رہنی ضروری ہیں پہلی یہ کہ وتر نوافل میں نہیں بلکہ فرائض کی طرف مائل ہیں یعنی واجب ہیں اور واجب وفرض کی ادائیگی کا حکم یکساں ہے اس لیے فرائض کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے ان کی ادائیگی نوافل کی سی نہیں ہو سکتی۔ رہا یہ استدلال کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کا عمل شریف پیش فرمایا تو آپ کا یہ عمل شریف وتروں کی تاکید سے قبل کا ہے تاکیداً آ جانے کے بعد کسی صحابی نے وتر سواری پر اشارے کے ساتھ ادا نہیں فرمائے۔ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پانچ عدد آثار ہم نے ذکر کیے جن میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ نے وتر سواری سے اتر کر ادا فرمائے تو ان حالات میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ابن عمر خود تو وتر زمین پر ادا کرتے ہیں اور دوسروں کو سواری پر پڑھنے کی تبلیغ فرماتے ہیں اور وہ بھی حضور ﷺ کے عمل شریف کے ذریعہ۔ کیا آپ کو حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی محبوب نہ تھی؟ بلکہ بات وہی ہے کہ وتر کی تاکید سے قبل ایسا ہوتا تھا' تاکید کے بعد کسی سے سواری پر وتر ادا کرنے منقول ومروی نہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

وتر کو عشاء اور فجر کے مابین پڑھنا واجب ہے

قال ابو ذر یا ابابصرہ انت سمعت رسول الله ﷺ یقول ان الله زادکم صلوۃ فصلوھا فیما بین العشاء الی طلوع الفجر الوتر الوتر. فقال ابو بصرہ نعم قال انت سمعته قال نعم قال انت تقول سمعته یقول قال نعم فاکد فی ھذہ الاثار امر الوتر ولم یرخص لاحد فی ترکه وقد کان قبل ذالک لیس فی التاکید کذالک فیجوز ان یکون ماروی ابن عمر رضی الله عنهما عن رسول الله ﷺ من وترہ علی الراحلة کان ذالک منه قبل تاکیدہ ایاہ ثم اکدہ من بعد نسخ ذالک.

ابوذر نے کہا اے ابا بصرہ! کیا تم نے حضور ﷺ سے یہ سنا کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زائد کر دی لہٰذا تم اسے طلوع فجر اور عشاء کے درمیان پڑھو وہ نماز وتر ہے وتر ہے۔ ابوذر نے پھر پوچھا اے ابا بصرہ! کیا تم نے سنا ہے؟ عرض کی ہاں میں نے سنا ہے پوچھا: تم کہتے ہو کہ میں نے سنا ہے؟ کہا ہاں! ان آثار میں وتر کا مسئلہ نہایت پختہ ثابت ہوا اور اس کے ترک کی کسی کو اجازت نہیں دی۔ اس سے قبل نماز وتر کی ایسی تاکید نہ تھی لہٰذا جائز ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کا سواری پر وتر ادا فرمانا جو روایت کیا ہے۔ وہ ان کی اس تاکید سے قبل ہو پھر تاکید کے ذریعہ پہلی حالت کو منسوخ کر دیا ہو۔

(طحاوی شریف ج۱ص۴۳۰ باب الوتر ھل یصلی فی السفر علی راحلتہ ام لا)

اس سے معلوم ہوا کہ سواری پر وتر ادا کرنے کی روایت منسوخ ہے۔ نماز وتر کا تاکید کے ساتھ وجوب بعد میں متحقق ہوا اسی لیے تمام محدثین کرام فرماتے ہیں: وتر نماز اسی شخص کے لیے کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے جو قیام کی طاقت رکھتا ہے اور ایسے کے لیے بیٹھ کر ادا کرنا منع ہے۔

ثم کان الوتر باتفاقھم لایصلیه الرجل علی الارض قاعدا وھو یطیق القیام فانظر علی ذالک ان لایصلیه فی سفرہ علی الراحلة وھو یطیق النزول

پھر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ جو شخص قیام کی طاقت رکھتا ہو وہ نماز وتر زمین پر بیٹھ کر ادا نہ کرے لہٰذا غور کرنا چاہیے کہ دورانِ سفر جو شخص سواری سے اتر سکتا ہے وہ نماز وتر سواری پر ادا نہ کرے۔

فمن هذا الجهت عندي ليست نسخ الوتر على الراحلة وليس في هذا دليل على انه فريضة ولا تطوعا وهذا قول ابي حنيفة وابي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى. (طحاوی شریف ج۱ص۲۴۱)

اس اعتبار سے میرے نزدیک وتر سواری پر ادا کرنا منسوخ ہے اور اس میں وتر کے فرض یا نفل ہونے کی دلیل نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

قارئین کرام! ان دلائل کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وتر کی نماز نہ فرض ہے اور نہ نفل بلکہ عملی طور پر فرض کی جانب رکھتی ہے اور اس عملی مقام کو ہی حضور ﷺ نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کر دی لہٰذا نماز وتر واجب ہوئی اور اس کی ادائیگی کا حکم فرائض کے ساتھ ملتا جلتا ہے اس لیے سواری پر بلا عذر پڑھنا اور زمین پر بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٦١- بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّيْ فَيَذْكُرُ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً فَائِتَةً

دورانِ نماز قضا نماز کا یاد آجانا

٢١٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً مِنْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَذْكُرْهَا اِلَّا وَهُوَ مَعَ الْاِمَامِ فَاِذَا سَلَّمَ الْاِمَامُ فَلْيُصَلِّ صَلٰوتَهُ الَّتِيْ نَسِيَ ثُمَّ لِيُصَلِّ بَعْدَهَا الصَّلٰوةَ الْاُخْرٰى.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بتائی فرمایا کہ جو شخص اپنی کوئی سی نماز بھول گیا (اور نہ پڑھی) اور وہ بھولی ہوئی نماز اسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے یاد آئی تو اسے چاہیے کہ جب امام سلام پھیر دے تو یہ اپنی بھولی ہوئی نماز پڑھ لے پھر اس کے بعد دوسری نماز پڑھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِلَّا فِيْ خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ اِذَا ذَكَرَهَا وَهُوَ فِيْ صَلٰوةٍ فِيْ اٰخِرِ وَقْتِهَا يَخَافُ اِنْ بَدَاَ بِالْاُوْلٰى اَنْ تَخْرُجَ وَقْتُ هٰذِهِ الثَّانِيَةِ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَهَا فَلْيَبْدَاْ بِهٰذِهِ الثَّانِيَةِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يُصَلِّي الْاُوْلٰى بَعْدَ ذَالِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

امام محمد فرماتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے مگر ایک صورت میں وہ یہ کہ کسی شخص کو بھولی ہوئی نماز وقتی نماز پڑھتے ایسے وقت یاد آئی جب وقتی نماز کا آخری وقت تھا اور اسے خطرہ ہے کہ اگر میں بھولی ہوئی نماز پہلے پڑھتا ہوں تو وقتی کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس صورت میں اسے وقتی نماز پہلے پڑھنی چاہیے اور فارغ ہونے کے بعد پہلی بھولی ہوئی ادا کرے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور جناب سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کا ہے۔

جس آدمی کی نمازیں قضا ہوئی ہیں وہ یا تو صاحب ترتیب کہلائے گا یا نہیں اور اگر صاحب ترتیب ہے تو اس کے لیے جو اوپر ذکر ہوا وہ طریقہ ہے۔ صاحب ترتیب وہ شخص ہے جس کی چھ نماز قضا جمع نہ ہوئی ہوں۔ ایسے آدمی کے لیے قضا اور ادا دونوں میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ چھ نمازوں میں وتر شامل نہیں ہیں لہٰذا ایسا شخص کہ جس کی آج کی صبح کی نماز سے لے کر کل صبح تک کی نمازیں چھوٹ گئیں وہ صاحب ترتیب نہیں رہا اور اگر اسی شخص نے صبح کی نماز سے لے کر عشاء تک کی نمازیں نہ پڑھیں تو یہ صاحب ترتیب ہوگا۔ صاحب ترتیب کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسے دوسری نماز پڑھتے ہوئے بھی پہلی نماز یاد آجائے تو اس کی دوسری نماز نہیں ہو گی بلکہ وہ پہلے قضا نماز پڑھے پھر وقتی نماز ادا کرے۔ اس مسئلہ کا ماٰخذ حدیث پاک میں موجود ہے محض قیاسی مسئلہ نہیں ہے۔

قضا اور ادا نمازوں میں ترتیب کا ضروری ہونا

ان ابا جمعة حبيب بن سباع وكان قد ادرك النبي ﷺ ان النبي ﷺ عام الاحزاب

ابوجمعہ حبیب بن سباع نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یوم

صلی المغرب لما فرغ قال هل علم احدمنکم انی صلیت العصر قالوا یارسول الله ماصلیتها فامر المؤذن فقام الصلوة فصل العصر ثم اعاد المغرب . (مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۰۶ مطبوعہ بیروت حدیث ابو جمعہ حبیب بن سباع)

احزاب کو نماز مغرب ادا فرما کر صحابہ کرام سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ میں نے عصر ادا کی؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے ادا نہیں فرمائی۔ اس پر آپ نے مؤذن کو حکم دیا پھر نماز عصر کی اقامت ہوئی اور نماز عصر پڑھی اس کے بعد مغرب کو آپ نے لوٹایا۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من نسی صلوة فذکرها وهومع الامام فلیتم صلوة ولیقض التی نسی ثم لیعد التی صلی مع الامام رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۴ مطبوعہ بیروت باب فی من صلی صلوٰۃ وعلیہ غیرھا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو نماز بھول گیا پھر اسے امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے وہ بھولی ہوئی نماز یاد آ گئی تو اسے شروع کی گئی نماز مکمل کر لینی چاہیے اور بھولی ہوئی نماز قضا کر لینی چاہیے اس کے بعد دوبارہ وہ نماز پڑھ لے جو امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں بیان کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

عن جابر بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه جاء یوم الخندق بعدما غربت الشمس فجعل سب کفار قریش قال یارسول الله ماکدت اصلی العصر حتی کادت الشمس تغرب قال النبی ﷺ والله ماصلیتها فقما الی بطحان فتوضا للصلوة وتوضئنا لها فصلی العصر بعد ماغربت الشمس ثم صلی بعدها المغرب.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یوم خندق سورج غروب ہونے کے بعد حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ عرض کی حضور! میں نے نماز عصر نہیں پڑھی اور سورج غروب ہو چکا ہے، اس پر آپ نے فرمایا: بخدا! میں نے بھی نہیں پڑھی ہم بطحان کی طرف اٹھے آپ نے بھی اور ہم نے بھی وضو کیا غروب شمس کے بعد ہم نے عصر پڑھی اور پھر مغرب ادا کی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۳ جزء ۳ باب من صل بالناس جماعۃ بعد ذھاب الوقت)

مذکورہ احادیث سے واضح ہو گیا کہ قضا اور وقتی نمازوں کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔ اس ترتیب کی اہمیت یہاں تک مذکور ہے کہ نماز جمعہ بھی چھوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

لوتذکر الفجر عند خطبة الجمعة یصلیها مع ان الصلوة حینئذ مکروهة بل فی تتارخانیه انه یصلیها عندهما وان خاف فوت الجمعة مع الامام ثم یصلی الظهر. (ردالمحتار ج ۲ ص ۶۷ باب قضاء الفوائت)

اگر کسی کو جمعہ کے خطبہ کے وقت اپنی صبح کی نماز یاد آ جائے تو اس کو پڑھ لے حالانکہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ تاتارخانیہ میں یہاں تک مذکور ہے کہ شیخین کے نزدیک وہ صبح کی نماز پڑھ لے اگر چہ اس کو امام کے ساتھ جمعہ نہ مل سکے پھر وہ نماز ظہر ادا کرے۔

یونہی اگر کسی نے مثلاً ظہر کی نماز بھولے سے بلا وضو پڑھ لی اور پھر نماز عصر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ میں نے تو ظہر کی نماز بے وضو پڑھی تھی۔ اب چونکہ ظہر کی نماز اس کے ذمہ ہے اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز پڑھے اور پھر پڑھی ہوئی عصر کا اعادہ کرے۔ (بحرالرائق ج ۲ ص ۸۳ باب قضاء الفوائت)

بہر حال قضا نمازیں اگر چھ تک نہیں پہنچیں تو ان کی قضا میں بھی ترتیب ضروری ہے یعنی پہلے فجر پھر ظہر پھر عصر ادا کرے گا اس کا

ثبوت ملاحظہ ہو۔

غزوۂ خندق کی قضا نمازوں کو حضور نبی کریم ﷺ نے ترتیب سے ادا کیا

عن عبید الله بن عبد الله ابن مسعود قال قال عبد الله ان المشرکین شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ماشاء الله فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء.

(ترمذی شریف ج ا ص ۲۵ مطبوعہ امین کمپنی اُردو بازار دہلی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول کریم ﷺ کو چار نمازیں ادا کرنے سے (رکاوٹ ڈال کر) مصروف رکھا یہاں تک کہ رات کافی گزر گئی پھر آپ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا پھر اقامت ہوئی اور نماز ظہر ادا فرمائی پھر اقامت ہوئی اور نماز عصر پھر اقامت ہوئی اور نماز مغرب اور پھر اقامت کے بعد نماز عشاء ادا فرمائی۔

نوٹ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قضا اور وقتی نمازوں کے مابین ترتیب کے ضمن میں ایک استثنائی حالت ذکر فرمائی ہے حالانکہ کتب فقہ حنفی میں اس کے علاوہ دو اور بھی صورتیں مذکور ہیں۔ گویا مجموعی طور پر تین صورتیں استثنائی ہیں۔ اول یہ کہ وقتی نماز کا وقت بہت تنگ ہے کہ اس میں صرف ادا یا قضا ایک ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اب ایسی صورت میں ترتیب ساقط ہو جائے گی لہٰذا وہ پہلے وقتی نماز ادا کرے پھر قضا پڑھے۔ دوسری صورت یہ کہ وقتی نماز پڑھ لی لیکن قضا شدہ نماز یاد ہی نہیں آئی۔ اب جب یاد آئے قضا پڑھ لے اور جو ادا کر چکا ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تیسری صورت یہ کہ قضا شدہ نمازیں چھ یا چھ سے زائد ہو گئیں اب ایسا شخص صاحب ترتیب نہیں رہے گا لہٰذا اگر ان قضا نمازوں سے پہلے وقتی نماز ادا کر چکا ہے تو اس کے اعادہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ چھ یا اس سے زائد کی ترتیب نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ شریعت میں بندہ کے لیے آسانی ملحوظ رکھی گئی ہے ورنہ ادا اور قضا کو ترتیب سے پڑھنے میں مشقت ہوتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح حیض و نفاس والی عورت کے لیے حیض و نفاس کے دنوں کی رہ گئی نماز کا قضاء کرنا نہیں کیونکہ اس میں بھی مشقت تھی۔

مسئلہ: بہت سی نمازیں قضا ہوئیں۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں کہ معلوم ہے کتنی ہیں یا اس کا اندازہ نہیں۔ بعض فقہاء کرام دونوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایسا شخص دوبارہ صاحب ترتیب نہیں ہوگا لیکن اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ اگر وہ قضا کرے یہاں تک کہ اسے ظن غالب ہو کہ اب میرے ذمہ کوئی نماز باقی نہیں رہی تو وہ صاحب ترتیب ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ قضا نمازوں کی ادائیگی کی خاطر نوافل کو چھوڑا جا سکتا ہے یعنی نفل کی بجائے قضا نماز پڑھ لی جائے۔ ہاں سنت مؤکدہ اور تہجد کی اہمیت کے پیش نظر انہیں نہ چھوڑے لیکن اگر خیال ہو کہ صحت کا کوئی پتہ نہیں اور ہو سکتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے تہجد وغیرہ بھی چھوٹ جائے تو اس خدشہ کے پیش نظر وہ تہجد کی بجائے قضا نماز ہی ادا کر لے تاکہ بری الذمہ ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٦٢- بَابُ الرَّجُلُ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فِي بَيْتِهٖ ثُمَّ يُدْرِكُ الصَّلٰوةَ

فرض نماز گھر میں پڑھنے کے بعد جماعت کا مل جانا

۲۱۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي الدِّيْلِ يُقَالُ لَهٗ بُسْرُ بْنُ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي وَالرَّجُلُ فِيْ مَجْلِسِهٖ

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے خبر دی وہ بنی دیل کے ایک مرد سے جسے بُسر بن مجن کہتے ہیں روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے نماز کے لیے اذان ہوئی اور حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی وہ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مَنَعَکَ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ النَّاسِ؟ اَلَسْتَ رَجُلاً مُسْلِمًا؟ قَالَ بَلٰی. وَلٰکِنِّیْ قَدْ کُنْتُ صَلَّیْتُ فِیْ اَھْلِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ کُنْتَ قَدْ صَلَّیْتَ.

شخص اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا تو اس سے حضور ﷺ نے پوچھا: لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روکا؟ کیا تو مسلمان مرد نہیں ہے؟ کہنے لگا ہاں میں مسلمان ہوں لیکن میں نماز گھر میں پڑھ چکا تھا۔ (اس لیے جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی) آپ نے فرمایا: جب تو آ ہی گیا تھا تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیتا اگرچہ تو اس سے پہلے ادا کر چکا تھا۔

۲۱۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ اَوِ الصُّبْحِ ثُمَّ اَدْرَکَھُمَا فَلَا یُعِیْدُ لَھُمَا غَیْرَ مَا قَدْ صَلَّاھُمَا.

جناب نافع سے ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جس نے صبح یا مغرب کی نماز ادا کر لی اگر اسے جماعت مل جائے تو دوبارہ نہ پڑھے۔

۲۱۵- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَفِیْفُ ابْنُ عَمْرٍو السَّھْمِیُّ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ اَسَدٍ اَنَّہٗ سَاَلَ اَبَا اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیَّ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَلِّیْ ثُمَّ اٰتِی الْمَسْجِدَ فَاَجِدُ الْاِمَامَ یُصَلِّیْ اَفَاُصَلِّیْ مَعَہٗ قَالَ نَعَمْ صَلِّ مَعَہٗ وَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ فَلَہٗ مِثْلُ سَھْمِ جَمْعٍ اَوْ سَھْمُ جَمْعٍ.

ہمیں امام مالک نے عفیف بن عمرو السہمی سے خبر دی کہ قبیلہ بنی اسد میں سے ایک مرد نے حضرت ابو ایوب انصاری سے پوچھا کہ میں اپنی نماز ادا کر چکا ہوں پھر مسجد میں آیا تو امام صاحب کو نماز پڑھاتے دیکھا تو کیا میں امام صاحب کے ساتھ نماز پڑھ لیا کروں؟ فرمایا ہاں اس کے ساتھ شامل ہو جایا کرو اور جو اس طرح کرے گا اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا کُلِّہٖ نَاْخُذُ وَنَاْخُذُ بِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ اَیْضًا لَّا یُعِیْدُ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لِاَنَّ الْمَغْرِبَ وِتْرٌ فَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّصَلِّیَ التَّطَوُّعَ وِتْرًا وَلَا صَلٰوۃَ تَطَوُّعٍ بَعْدَ الصُّبْحِ وَکَذَالِکَ الْعَصْرُ عِنْدَنَا وَھِیَ بِمَنْزِلَۃِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم ان تمام پر عمل کرتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر بھی عمل کرتے ہیں وہ یہ کہ نماز مغرب اور صبح کی نماز میں دوبارہ شامل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مغرب کی نماز طاق رکعتیں ہیں اس لیے نفلی نماز طاق رکعتوں والی ادا کرنی درست نہیں اور صبح کے فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہم احناف کے نزدیک عصر کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وہ مغرب اور صبح کی مانند ہے (کہ جیسے ان میں دوبارہ شامل نہیں ہوسکتا اسی طرح عصر میں بھی شامل نہیں ہوسکتا) اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

مذکورہ روایت میں جو امام کے ساتھ دوبارہ نماز ادا کرنے کا ارشاد نبوی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ شامل ہو کر نفلی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لے کیونکہ فرض ایک مرتبہ ادا کر لینے پر دوبارہ ادا کرنا درست نہیں ہوتے نیز امام کے ساتھ مذکورہ شمولیت میں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ایسا کرنا اس وقت درست ہوگا جب اس وقت نفل پڑھنے مکروہ نہ ہوں اسی لیے یہاں سے مراد ظہر اور عشاء کی نماز ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ جس جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے اس کی رکعت اور نوافل تعداد کے اعتبار سے مختلف حکم تو نہیں رکھتے جیسا کہ نماز مغرب ہے کہ اس کی رکعت تین ہیں لیکن نوافل تین رکعت ہرگز ثابت نہیں ہیں مختصر یہ کہ جس نے فرضی نماز الگ پڑھ لی اور پھر جماعت کھڑی ہوئی تو اگر ظہر و عشاء کی نماز ہے تو پھر نفل کی نیت سے اقتدا کر لے اور اگر صبح، عصر اور

مغرب کی نماز تھی تو پھر اقتدا نہ کرے۔اس پر کچھ آثار ملاحظہ ہوں۔

فجر،عصر اور مغرب کے فرض تنہا ادا کرنے کے بعد جماعت سے نہیں پڑھ سکتا

اخبرنا مالک بن انس عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنه قال اذا صلیت الفجر والمغرب ثم ادر کتهما فلا تعدلهما غیر ما صلیتهما.

امام مالک بن انس نے ہمیں جناب نافع اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان فرمایا کہ جب تو نماز فجر اور مغرب ادا کر چکے اور پھر ان کی جماعت ہوتی دیکھے تو جو پڑھ چکا ہے وہی کافی ہے۔

قال محمد اما الفجر والعصر فلا ینبغی ان یصلی بعد هما نافلة لقول رسول الله ﷺ لا صلوة بعد العصر حتی تغرب الشمس ولا صلوة بعد الفجر حتی تطلع الشمس واما المغرب فهی وتر فیکره ان یصلی التطوع وترا.

(کتاب الآثار ص ۲۰ من صل صلوٰۃ الفریضہ)

امام محمد فرماتے ہیں فجر اور عصر ادا کر لینے کے بعد جماعت میں شامل نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق ان دونوں نمازوں کے بعد نوافل کی ادائیگی درست نہیں ، آپ نے فرمایا: عصر کے بعد غروب شمس تک کوئی نماز نہیں اور فجر کے بعد طلوع شمس تک کوئی نماز نہیں ۔ بہر حال مغرب کی نماز ادا کر لینے کے بعد جماعت میں شمولیت اس لیے درست نہیں ہے کیونکہ یہ نماز تین رکعت کی ہے اور تین رکعت نفل ادا کرنے مکروہ ہیں۔

لہٰذا یہ آثار بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ صبح ،عصر اور مغرب ادا کر لینے والے کے لیے جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنے کے لیے شریک ہونا درست نہیں۔

٦٣- بَابُ الرَّجُلُ تَحْضُرُهُ الصَّلٰوةُ وَالطَّعَامُ بِاَيِّهِمَا يَبْدَأُ

کھانا اور نماز بیک وقت موجود ہوں تو ابتدا کس سے کرے؟

٢١٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُقَرَّبُ اِلَيْهِ الطَّعَامُ فَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَا يَعْجَلُ عَنْ طَعَامِهٖ حَتّٰى يَقْضِيَ مِنْهُ حَاجَتَهٗ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ آپ کے پاس کھانا حاضر کیا جاتا اور آپ مسجد میں امام کی قرأت سن رہے ہوتے۔آپ اپنے گھر میں موجود کھانا کھا رہے ہوتے حتیٰ کہ نہ جلدی کرتے اور نہ ہی کھانے سے منہ موڑتے بلکہ اپنی حاجت پوری فرما لیتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا نَرٰى بِهٰذَا بَاْسًا وَنُحِبُّ اَنْ لَّا نَتَوَخّٰى تِلْكَ السَّاعَةَ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اس میں کوئی حرج نہیں پاتے ۔ ہاں پسندیدہ امر یہ ہے کہ ایسے وقت میں کھانے کا قصد نہ کیا جائے۔

مذکورہ روایت میں جس حالت کے پیش نظر جماعت میں شرکت کی بجائے کھانا کھانے کی اولیت بیان ہوئی وہ یہ کہ کھانے کی سخت ضرورت ہو ایسی کہ اگر نہ کھایا اور نماز شروع کر دی تو دوران نماز دھیان کھانے کی طرف مبذول ہوگا اور نماز میں یکسوئی اور حضور قلب فوت ہو جائے گا اور اگر کھانا موجود تو ہے لیکن ایسی حالت نہیں تو پھر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ یہ مسئلہ اس مسئلہ کی طرح ہے کہ کسی کو بول و براز آیا اور زبردستی روک کر نماز پڑھتا ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہاں بھی دل جمعی نہیں ہوگی ۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے از روئے احتیاط آخر میں فرمایا کہ عین جماعت کے اوقات میں کھانا کھانے کی عادت پسندیدہ بات نہیں اور کبھی ایسا ہو جائے تو

پھر مسئلہ وہی ہے جو روایت مذکورہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل شریف سے ثابت ہے۔

٦٤- بَابُ فَضْلُ الْعَصْرِ وَ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعَصْرِ

نمازِ عصر کی فضیلت اور عصر کے بعد نوافل کے بیان میں

٢١٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ رَاٰى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَضْرِبُ الْمُنْكَدِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری اور انہوں نے سائب بن یزید سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے پر جناب منکدر بن عبداللہ کو ڈانٹ رہے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا صَلٰوةَ تَطَوُّعٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ نمازِ عصر کے بعد نفل درست نہیں ہیں۔ یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٢١٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ الَّذِيْ يَفُوْتُهُ الْعَصْرُ كَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے بیان کیا کہ جس کی نمازِ عصر قضا ہو گئی گویا اس کا مال اور اہل و عیال فوت ہو گئے۔

مذکورہ آثار میں ایک تو نمازِ عصر کی فضیلت بیان ہوئی۔ قرآن کریم میں حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى آیت میں صلوۃ وسطی سے مراد اکثر مفسرین کرام نے نمازِ عصر ہی لی ہے جس سے اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ دوسری بات نمازِ عصر کے نوافل کی ادائیگی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ لوگ نمازِ عصر کے بعد نوافل ادا کرتے تھے جنہیں آپ نے سختی سے روکا۔ اس پر آج کل کے عامل بالحدیث اعتراض کرتے ہیں کہ نمازِ عصر کے بعد نوافل ادا کرنا خود حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ مثلاً

عن عائشة ام المؤمنين رضی الله عنها قالت ركعتان لم يكن رسول الله ﷺ يدعهما سرا وعلانية ركعتان قبل صلوة الصبح وركعتان بعد العصر.

سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو نمازیں حضور ﷺ نے سراً اور علانیۃً کبھی نہیں چھوڑیں۔ دو رکعت صبح کے فرائض سے پہلے اور دو رکعت نمازِ عصر کے بعد۔

(صحیح بخاری ج ا ص ٨٣ من لم یکرہ الصلوٰۃ الا بعد العصر والفجر)

جواب: حضور ﷺ نے نمازِ عصر کے بعد جو دو رکعت ادا فرمائیں ان کے بارے میں احادیث میں تفصیل سے موجود ہے کہ یہ دراصل ایک مرتبہ ظہر کے فرائض کے بعد والی دو سنتیں مصروفیت کی بنا پر رہ گئی تھیں انہیں آپ نے نمازِ عصر کے بعد ادا فرمایا۔ یہ عام نفل نہ تھے جن کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ مذکورہ واقعہ کو مختصر طریقہ سے ہم صحیح مسلم سے نقل کیے دیتے ہیں۔

کریب کو جناب عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ سلام کے بعد عرض کرنا کہ نمازِ عصر کے بعد آپ کے بارے میں دو رکعت نفل ادا کرنے کی خبر ملی ہے حالانکہ ہمیں ایک حدیث رسول اللہ ﷺ یاد ہے جس میں آپ نے نمازِ عصر کے بعد نفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ جناب کریب نے جا کر سلام عرض کرنے کے بعد یہ بات پوچھی تو مائی صاحبہ نے انہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ یہ

کہ حضور ﷺ نے نمازعصر کے بعد نوافل ادا کرنے سے منع فرمایا تھا۔ایک دن میں نے آپ کواسی وقت نفل ادا کرتے دیکھا۔ اس وقت قبیلہ بنی حرام کی چند عورتیں میرے پاس بیٹھی تھیں میں نے ایک لونڈی کو بھیجا تا کہ وہ آپ سے دریافت کرے تو آپ نے کنیز سے فرمایا کہ قبیلہ بنوعبدالقیس کے کچھ لوگ مجھ سے سلام کے بارے میں سوال پوچھ رہے تھے جن کی مشغولیت سے میری ظہر کی پچھلی دورکعت رہ گئیں تھیں میں نے وہ پڑھی ہیں۔(صحیح مسلم ج ۱ص ۲۷۷ باب الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا مطبوعہ نورمحمد کراچی پاکستان)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے نفل نہیں بلکہ ظہر کی رہی ہوئی دوسنتیں ادا فرمائی تھیں۔اس پر اگر کوئی کہے کہ سنتوں کی قضا بھی تو نفل ہی ہوتے ہیں لہٰذا مطلقاً نفل پڑھنا تو ثابت ہوگیا۔اس کا جواب امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ذکر کیا ہے۔

واما مواظبته علی ذالک فهو من خصائصه دليل عليه رواية ذكوان مولی عائشة انها حدثته انه ﷺ كان يصلی بعد العصر وينهی عن الوصال رواه ابوداود وبرواية ابی سلمة عن عائشة فی نحوهذه القصة وفی اخره وكان اذا صلی صلوة اثبتها رواه مسلم.

(فتح الباری شرح البخاری ج ۲ص ۵۱باب مایصلی بعد العصر من الفوائت)

حضور ﷺ کا اس نماز پر دوام فرمانا یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔اس پر حضرت عائشہ کے مولیٰ ذکوان کی روایت دلیل ہے وہ یہ کہ مجھے (ذکوان کو) سیدہ عائشہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ عصر کے بعد نوافل ادا فرمایا کرتے تھے دوسروں کو منع فرماتے اور خود آپ لگاتار روزے رکھتے لیکن دوسروں کو روکتے تھے۔اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابوسلمہ کی حضرت عائشہ سے روایت اسی طرح کی ہے جس کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ جب کوئی نماز شروع فرماتے تو اس کو دائمی پڑھتے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

مذکورہ روایت بخاری کے حاشیہ ص ۸۳ پر مزید یہ تحریر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو ابوداؤد نے ذکوان مولیٰ عائشہ سے ذکر کی ہے۔انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ خود نماز عصر کے بعد نفل ادا فرماتے اور لوگوں کو منع کرتے' خود لگاتار روزے رکھتے اور لوگوں کو روکتے تھے۔انہوں نے فرمایا:

کہ حضور ﷺ نے نماز عصر کے بعد دورکعت اس لیے ادا فرمائیں کہ آپ کے پاس نماز ظہر کے فرض ادا کرنے کے بعد مال آیا آپ اس میں مشغول ہوگئے جس کی وجہ سے دورکعت نماز ظہر آپ نے عصر کے بعد ادا فرمائیں پھر دوبارہ ایسا نہیں کیا۔ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔یہ بھی کہا کہ بہت سے حضرات نے بروایت فرمایا کہ حضور ﷺ نے نماز عصر کے بعد دورکعت نفل ادا فرمائے حالانکہ یہ ان روایات کے خلاف ہے جن میں آپ نے عصر کے بعد نفل پڑھنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب نہ ہو جائے اور حضرت ابن عباس کی حدیث اصح ہے کیونکہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پھر ان دورکعتوں کو کبھی نہیں ادا فرمایا۔ عینی میں اسی طرح ہے۔کرمانی کہتے ہیں اور صحیح جواب یہ ہے کہ منع فرمانا آپ کا قول اور پڑھنا آپ کا فعل ہے اور جب آپ کے قول وفعل میں تعارض ہو تو قول کو مقدم کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔انتہی امام محی السنۃ بغوی نے کہا آپ کا پہلی مرتبہ نماز عصر کے بعد دورکعت ادا فرمانا ظہر کی سنتوں کی قضا تھا۔پھر آپ نے اس پر مواظبت اختیار فرمائی۔یہ آپ کے خصائص میں سے تھا۔

مختصر یہ کہ نماز عصر کے بعد ہمارے لیے نوافل کی ادائیگی ممنوع ہے اور حضور ﷺ کا ادا فرمانا آپ کے خصائص میں سے تھا جس میں ہمیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔علاوہ ازیں اگر خصائص میں سے نہ بھی گنا جائے تو ضابطہ یہ ہے کہ قول وفعل میں تعارض

کے وقت قول راجح ہوتا ہے لہٰذا آپ کا قول اس کے معنی کا ہی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٦٥- بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الطِّيْبِ وَالدِّهَانِ

جمعہ کا وقت اور اس دن خوشبو اور تیل لگانے کا بیان

٢١٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ عَمِّيْ اَبُوْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى طِنْفِسَةً لِعَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تُطْرَحُ اِلٰى جِدَارِ الْمَسْجِدِ الْغَرْبِيِّ فَاِذَا غَشِيَ الطِّنْفِسَةَ كُلَّهَا ظِلُّ الْجِدَارِ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلَى الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ تَرْجِعُ فَنَقِيْلُ قَائِلَةَ الضُّحَاءِ.

ہمیں امام مالک نے اپنے چچا ابوسہیل سے انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ جمعہ کے دن عقیل بن ابی طالب کے لیے مسجد کی مغربی دیوار پر ایک بوریا ڈالا جاتا جب وہ دیوار کے سایہ میں پورا چھپ جاتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے لیے تشریف لاتے۔ جمعہ ادا کرنے کے بعد ہم چاشت کی طرح قیلولہ کرتے۔

٢٢٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَرُوْحُ اِلَى الْجُمُعَةِ اِلَّا وَهُوَ مُدَّهِنٌ مُتَطَيِّبٌ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُحْرِمًا.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی جمعہ کے لیے تشریف لاتے تو انہوں نے خوشبودار تیل لگایا ہوتا ہاں اگر احرام باندھا ہوتا تو پھر ایسا نہ ہوتا۔

٢٢١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے انہوں نے شہاب بن یزید سے خبر دی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن تیسری اذان زیادہ فرمائی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَالنِّدَاءُ الثَّالِثُ الَّذِيْ زِيْدَ هُوَ النِّدَاءُ الْاَوَّلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ ان تمام باتوں پر ہمارا عمل ہے اور تیسری اذان جو زیادہ کی گئی اس سے مراد اذان اول ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ روایات میں تین باتیں سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرات صحابہ کرام جمعہ کی نماز ایسے وقت ادا فرماتے جب سایہ اچھی طرح ڈھل چکا ہوتا اور دیواروں کے سایہ میں بیٹھا جا سکتا۔ دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام نماز جمعہ کے لیے بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ صاف کپڑے زیب تن کرنا، غسل کرنا اور خوشبو وغیرہ استعمال فرمانا ان کا معمول تھا۔ اس اہتمام کی وجہ سے وہ روزانہ کا قبل از دوپہر قیلولہ کرنا چھوڑ دیتے تھے جسے نماز جمعہ کے بعد وہ کرتے۔ تیسری بات یہ کہ حضور ﷺ کے دور اقدس سے حضرت عثمان غنی کے ابتدائی دور تک جمعہ کے لیے ایک اذان اور اقامت ہوتی تھی عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسلام میں وسعت کے پیش نظر ایک اذان کا اضافہ فرمایا جو اس وقت سے آج تک جمعہ کی اذان اول ہے۔ یہ اذان اس وقت موجود تمام صحابہ کرام کے سامنے شروع ہوئی اور ایسی کہ پھر شروع ہی رہی کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ اس اذان پر تمام موجود صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا لہٰذا اسے اگر بدعت کہا بھی جائے تو ''بدعت حسنہ'' ہوگی۔ اگرچہ آج کل کے نام نہاد عامل بالحدیث اسے ''بدعت سیئہ'' کہنے سے نہیں چوکتے۔ موطا کی اسی حدیث کے تحت ایک غیر مقلد مولوی عطاء اللہ نے صاف صاف لکھ دیا کہ یہ اذان ''بدعت عثمانی'' ہے چونکہ ان لوگوں کے ہاں ہر بدعت گمراہی ہے جس کا انجام دوزخ ہے تو ان کے نزدیک اس اذان کے بانی اور اس کے مؤید صحابہ کرام معاذ اللہ دوزخی ٹھہرے حالانکہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا: ''بایهم اقتديتم اهتديتم جس کی بھی تم اقتدا کرو

گے ہدایت پا جاؤ گے"۔ نیز فرمایا: خلفاء راشدین کی سنت میری ہی سنت ہے بہر حال امام محمد فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مذکورہ تین باتیں ہماری بھی معمول بہا ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل ہے۔

جمعہ اور اس کے متعلق چند ضروری مباحث

نماز جمعہ دوسری نمازوں کی طرح فرض ہے اور اس کی مخصوص تاکید فرمائی گئی۔ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے: "یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعو االی ذکر الله وذروا البیع اے مؤمنو! جب جمعہ کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر (نماز) کی طرف جلدی چلو اور کاروبار چھوڑ دو"۔ اسی طرح بہت اسی احادیث مقدسہ بھی اس بارے میں مروی ہیں۔

واعلموا ان الله عزوجل قد فرض علیکم الجمعة مکتوبة فی مقامی هذا فی شهری هذا فی عامی هذا الی یوم القیامة من وجد الیها سبیلا فمن ترکها فی حیاتی اوبعدی جهودا بها واستخفافا بها وله امام عادل او جائر فلا جمع الله له شمله الا ولا بارک الله له فی امره الا ولا صلوة له الاولا وضوء له الا ولا زکوة له الا ولا حج له الا ولا وترله حتی یتوب فان تاب تاب الله علیه. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۷۱)

جان لو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کر دیا میری اس جگہ میرے اس شہر اور میرے اس سال میں تا قیامت اس پر جو اس کا راستہ پائے۔ سو جس نے میری زندگی یا اس کے بعد جمعہ کا انکار یا اسے ہلکا سمجھ کر چھوڑ دیا حالانکہ اس کا کوئی عادل یا ظالم حکمران تھا تو ایسے کے حالات اللہ تعالیٰ اس کے موافق نہ کرے اور نہ ہی اس کے کسی کام میں برکت ڈالے۔ خبردار! اس کی نماز صرف وضو ہے۔ اس کی کوئی زکوٰۃ نہیں کوئی حج نہیں اور کوئی وتر نہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ آئے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحمت فرمائے گا۔

عن جابر ان رسول الله ﷺ قال من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فعلیه الجمعة یوم الجمعة.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۸۴ کتاب الجمعۃ باب من لاتلزمہ الجمعۃ)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے۔

جمعہ کی ادائیگی کن شرائط کے تحت واجب ہے؟

جمعہ کی فرضیت قرآن واحادیث سے صراحۃً ثابت ہے اس کے ادا کرنے کے لیے فقہاء کرام نے قرآن وحدیث سے چھ شرائط مقرر فرمائی ہیں جن میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو ادائیگی لازم نہیں ہوگی بلکہ اس کی بجائے عام دنوں کی طرح نماز ظہر ادا کرنا پڑے گی۔ ان چھ شرائط کی تفصیل یوں ہے۔

شرط اول: شہر یا فناء شہر

شہر کسے کہتے ہیں؟ اس کی بہت سی تعریفات کی گئی ہیں جن میں سے مفتیٰ بہ اور معمول بہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے اور بازار ہوں، ضلع یا تحصیل ہو، وہاں کوئی حاکم جو اپنے رعب ودبدبہ سے مظلوم کی دادرسی کر سکتا ہو۔ اگر ایسا عملاً موجود نہ ہو لیکن اسے قدرت ہو۔ ایسی آبادی کو "شہر" کہتے ہیں۔ فنائے شہر وہ جگہ جو شہر کی مصلحتوں کے لیے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں ضروریاتِ زندگی میسر ہوں اور کوئی انصاف کر سکنے والا موجود ہو ایسی جگہ جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔

اعتراض

غیر مقلدوں کا کہنا ہے کہ جب جمعہ اصل میں ظہر کے قائم مقام ہے تو پھر اس کے لیے مذکورہ شرائط کی کیا ضرورت ہے لہٰذا جب

ظہر کے لیے شہر یا فنائے شہر ضروری نہیں تو جمعہ کے لیے اس کی شرط کیوں؟

جواب: ظہر کے قائم مقام ہونے کا یہ معنی تو ہرگز نہیں کہ دونوں کے فرائض اور سنتیں ایک جیسی ہیں۔ جمعہ کے فرض دو، ظہر کے چار، جمعہ کے لیے خطبہ ضروری ظہر کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ظہر کے لیے جماعت شرط نہیں جمعہ کے لیے اس کی پابندی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ جب بہت سے احکام ہیں۔ جمعہ اور ظہر دونوں مختلف ہیں تو اس طرح جمعہ کے لیے شہر یا فنائے شہر کی شرط ہو اور ظہر کے لیے نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ علاوہ ازیں جمعہ کی ادائیگی کے لیے شہر یا فنائے شہر کا ہونا آثار سے بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

عن سعد بن عبيدة عن ابى عبد الرحمن قال قال على لاجمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولااضحى الا فى مصر جامع اومدينة عظيمة.

ابوعبدالرحمٰن سے سعد بن عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جمعہ تشریق، نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ صرف شہر جامع میں ہو سکتے ہیں یا کسی دوسرے بڑے شہر میں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۱ کتاب الصلوات باب من قال لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

عن حذيفة قال ليس على اهل القرية جمعة انما الجمعة على اهل الامصار . عن هشام عن الحسن ومحمد انهما قال الجمعة فى الامصار . عن سعد بن عبيدة عن ابى عبد الرحمن السلمى عن على قال لاتشريق ولا جمعة الا فى مصر جامع.

حذیفہ سے ہے فرمایا: گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے جمعہ تو شہر والوں پر فرض ہے۔ حسن اور محمد سے جناب ہشام بیان کرتے ہیں کہ دونوں نے کہا: جمعہ شہروں میں ہی ہے۔ سعد بن عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ سے ابوعبدالرحمٰن السلمی نے بیان کیا کہ تشریق اور جمعہ صرف جامع شہروں میں ہی ہو سکتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۱، بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۷۹، عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۶ ص ۱۸۸)

ان آثار میں عید اور جمعہ کے لیے مصر جامع کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ زیادہ تر آثار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہیں اور وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں وجہ یہ ہے کہ حارث اعور نامی راوی کو ان آثار میں ضعیف کہا گیا ہے۔ ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ مذکورہ آثار دو اسناد سے مروی ہیں۔ ایک مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۷ میں حارث مذکور سے اور دوسری اسی کتاب کی ج ۳ ص ۱۶۸ پر ابوعبدالرحمٰن السلمی کی سند سے مروی ہے۔ دوسری سند میں چونکہ حارث ضعیف نہیں بلکہ ابوعبد الرحمٰن سلمی ہیں اور ان کی سند صحیح ہے۔ اس کی تصحیح ابن حجر عسقلانی نے ''درایہ'' میں کی ہے لہٰذا اگر ضعیف نہیں تو پھر اعتراض کس چیز کا؟ اس پر اگر کوئی غیر مقلد یہ عبارت پیش کرے۔

فان قلت قال النووى حديث على ضعيف متفق على ضعفه وهو موقوف عليه بسند ضعيف منقطع. (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۶ ص ۱۸۸ باب الجمعۃ فی القری والمدن مطبوعہ بیروت)

اگر تو کہے کہ تو امام نووی نے کہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ والی حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر سب متفق ہیں اور وہ ان پر سند ضعیف کے ساتھ موقوف ہے اور منقطع ہے۔

جواب: یہی امام نووی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جسے علامہ بدرالدین عینی نے ذکر فرمایا ہے۔

قلت كانه لم يطلع الا على الاثر الذى فيه الحجاج بن ارطات ولم يطلع على طريق جرير عن

میں کہتا ہوں کہ وہ گویا صرف اسی سند پر مطلع ہوا جس میں حجاج بن ارطات راوی ہے اور جریر عن منصور والی روایت کا

منصور فانه سند صحیح ولو اطلع لم یقل بما قاله.
(عمدۃ القاری ج٦ ص١٨٨)

اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اگر اس روایت کا پتہ چل جاتا تو وہ قول نہ کرتا جو اس نے کیا (یعنی ضعیف نہ کہتا)۔

قارئین کرام! حضرات صحابہ کرام سے جو روایت موقوف ہو وہ از روئے حکم مرفوع ہوتی ہے بالخصوص ایسے امور میں کہ جن میں قیاس کو دخل نہ ہو۔ جمعہ کے لیے شہر کی شرط لگانا یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنا قیاس نہ ہوگا بلکہ اس کے پیچھے حضور ﷺ کا قول وعمل جلوہ فرما ہوگا پھر ان حضرات سے موقوف روایت جب دوسری مرفوع روایت سے مؤید ہو تو پھر اس کی صحت میں کون سی کسر رہ جاتی ہے۔ اس موقوف کی تائید حدیث مرفوع بھی کرتی ہے اسی لیے ابن خرم نے اسے صحیح قرار دے کر مرفوعاً بھی اس کی روایت کی ہے۔ بہرصورت جمعہ کے لیے شہر یا فنائے شہر کی شرط احادیث وآثار سے ثابت ہے۔ شہر کے لیے امام کا ہونا بھی سرکار دوعالم ﷺ سے مروی ہے۔

عن ام عبد الله الدوسية قالت قال رسول الله ﷺ الجمعة واجبة على كل قرية فيها امام.
(بیہقی شریف ج٣ ص١٧٩)

ام عبداللہ ادوسیہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جمعہ ہر اس بڑے گاؤں میں لازم ہے جس میں کوئی امام ہو۔

خلاصہ یہ کہ جس جگہ ضروریاتِ زندگی ملتی ہوں اور وہاں انصاف کرنے کی طاقت رکھنے والا کوئی حاکم ہو وہاں جمعہ ہوگا اور اگر کوئی چھوٹا گاؤں اور قصبہ ہے کہ جہاں ان دونوں باتوں میں سے ایک پائی جاتی ہو اس میں جمعہ کی بجائے ظہر پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔

اعتراض

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا۔ یہ مسجد بحرین میں واقعہ ایک گاؤں جواثی میں ہے لہٰذا گاؤں میں جمعہ ہونا اس روایت سے ثابت ہے۔

جواب: کتب احادیث میں اس بستی کے لیے ''قریۃ'' کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی مطلقاً بستی ہے خواہ وہ گاؤں ہو یا شہر یہی لفظ قرآن کریم میں شہر پر بھی بولا گیا۔ ''**وقالوا لولا نزل هذا القران على رجل من القريتين عظيم** کافر بولے: یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا''؟ طائف اور مکہ شریف واضح طور پر شہر ہیں۔ اسی طرح ''**واسئل القرية التى كنا فيها** ان بستی والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے''۔ اس بستی سے مراد مصر کا شہر ہے لہٰذا اسی ''قریۃ'' سے معترض نے گاؤں میں جمعہ ہونا ثابت کیا ہے۔ جو درست نہ ہوا۔ حدیث کے شارحین نے اسی بستی ''جواثی'' کے بارے میں لکھا ہے۔

حكى ابن التين عن الشيخ ابى الحسن انها مدينة وفى الصحاح للجوهرى والبلدان للزمخشرى جواثى حصن وقال ابو عبيد البكرى هى مدينة فى البحرين. قلنا لانسلم انها قرية بل هى مدينة كما حكينا عن البكرى وغيره حتى قيل كان يسكن فيها فوق اربعة الاف نفس والقرية لاتكون كذالك.

ابن تین نے شیخ ابوالحسن سے حکایت کی کہ ''جواثی'' شہر ہے۔ جوہری کی صحاح اور زمخشری کی بلدان میں ہے کہ ''جواثی'' قلعہ ہے جو بحرین میں ہے۔ ابو عبید بکری نے کہا وہ بحرین کا ایک شہر ہے۔ ہم کہتے ہیں اس کا گاؤں ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ شہر ہے جیسا کہ ہم بکری وغیرہ سے حکایت کر چکے ہیں یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ اس میں چار ہزار آدمی رہتے تھے اور گاؤں تو ایسا نہیں ہوا کرتا۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج٦ ص١٨٧ الجمعہ فی القریٰ والمدن)

شرط دوم: جماعت

یعنی جمعہ عام نمازوں کی طرح بلا جماعت پڑھنا درست نہیں عام نمازوں کو با جماعت پڑھنے سے ثواب میں اضافہ ضرور ہے لیکن تنہا پڑھنے والے کی فرضی نماز بالکل ادا ہو جاتی ہے لیکن جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ احناف کے نزدیک اس کی جماعت کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ضرور ہونے چاہئیں۔ دار قطنی میں اس کی تائید موجود ہے۔

عن الزهری عن ام عبد الله الدوسية قال سمعت رسول الله ﷺ يقول الجمعة واجبة علی اهل كل قرية وان لم يكونوا الا ثلثة رابعهم امامهم. (دار قطنی ج ۲ ص ۹ باب الجمعۃ علی اھل القریۃ)

ام عبد اللہ دوسیہ سے زہری بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا: جمعہ ہر بستی والوں پر فرض ہے اگر چہ امام کے علاوہ تین آدمی ہی کیوں نہ ہوں اور چوتھا امام ہو۔

اعتراض

حدیث مذکور کے بعد دار قطنی نے لکھا کہ زہری کا دوسیہ نامی عورت سے سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث دلیل کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی۔

جواب:

قال السيوطی قد حصل من اجتماع هذه الطرق نوع قوة للحديث قلت الانقطاع فی القرون الثلاثة لايضرنا وكون ارسال الزهری ضعيفا عند بعض المحدثين لايتمشی علی اثرنا كما ذكرناه فی المقدمة وان الطريق الاولی سالمة عن المتروك. (اعلاء السنن ج ۸ ص ۴۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ السیوطی نے کہا کہ ان مختلف طرق سے حدیث مذکور میں قوت ہو گئی میں کہتا ہوں تین قرون میں انقطاع ہمیں کوئی نقصان نہیں دیتا اور امام زہری کا بعض محدثین کرام کے نزدیک ہمارا راستہ نہیں روک سکتا جیسا کہ ہم مقدمہ میں درج کر چکے ہیں اور بے شک پہلا طریقہ متروک سے راوی سالم ہے (دار قطنی میں تین اسناد کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی گئی ہے)۔

دار قطنی کا اس حدیث کو متروک یا منقطع کہنا درست نہ ہوا کیونکہ یہ حدیث اسی کتاب میں تین اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ ان میں سے ایک سند میں انقطاع یا ترک کی کوئی بات موجود نہیں ہے پھر قرون ثلاثہ میں انقطاع ویسے بھی مقبول ہے کیونکہ ان ادوار کے راوی انقطاع اسی وقت کرتے تھے جب انہیں اس کی اسناد و اتصال کا بخوبی علم ہوتا۔ راوی حکم بن عبد اللہ کی وجہ سے متروک تھا لیکن جس سلسلہ میں اس کا ذکر نہیں وہ تو متروک نہیں کہلائے گی۔ دار قطنی میں اس کو یوں روایت کیا گیا ہے۔

حدثنا ابوبكر ان النيسابوری حدثنا محمد بن يحيی حدثنا محمد بن وهب بن عطيه حدثنا بقية ابن الوليد حدثنا معاوية بن يحيی حدثنا معاوية بن سعيد التجيبی حدثنا زهری عن ام عبد الله الدوسية قالت قال رسول الله ﷺ الجمعة واجبة علی كل قرية وان لم يكن فيها الا اربعة يعنی بالقری المدائن لايصح هذا عن الزهری. (دار قطنی ج ۲ ص ۷ باب الجمعۃ علی اھل القریۃ)

(بحذف اسناد) دوسیہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے، اگر چہ اس میں صرف چار آدمی ہی ہوں۔ قریٰ سے مراد شہر ہیں۔ زہری سے یہ صحیح نہیں ہے۔

لمحۂ فکریہ: دارقطنی نے اس روایت کو متروک نہیں بلکہ "لایصح ھذا عن الزھری" کہا کیونکہ اس میں حکم بن عبداللہ راوی نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ پہلی اسناد سے مروی حدیث حسن ہے اور اعلاء السنن نے بھی "لکنہ حسن الاسناد" کہا ہے۔ عدم سماع سے انقطاع ویسے بھی مضر نہیں تو معلوم ہوا کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو جمعہ کی جماعت درست ہوگی۔

اعتراض

دارقطنی کی اسی سند کہ جسے حسن کہا گیا ہے۔ امام بیہقی نے اس میں ایک راوی معاویہ ابن یحییٰ کو ضعیف کہا ہے لہٰذا اسے حسن کہہ کر اس سے احتجاج درست نہیں۔

جواب: امام بیہقی نے معاویہ بن یحییٰ کو ضعیف ضرور لکھا لیکن اس نام کے دو آدمی گزرے ہیں۔ ایک صدفی اور دوسرے طرابلسی ہیں۔ روایت مذکورہ میں طرابلسی ہیں اور وہ ثقہ راوی ہیں۔ ابن ترکمان نے بیہقی کے ذیل میں لکھا ہے۔

قلت معاویة ھھنا الذی یروی عنه بقیة لیس ھو الصدفی بل ھو ابو مطیع الطرابلسی وثقه ابوذرعة وقال ایضاھو وابو حاتم صدوق مستقیم الحدیث. (جوہر النقی ذیل بیہقی ج۳ ص۱۷۹ کتاب الجمعہ)

میں کہتا ہوں کہ بقیہ سے جس راوی نے یہاں روایت کی وہ صدفی نہیں بلکہ وہ ابو مطیع طرابلسی ہیں۔ ابوذرعہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابوذرعہ اور حاتم کہتے ہیں کہ طرابلسی صدوق اور مستقیم الحدیث ہے۔

تیسری شرط: خطبہ

اس کے شرط ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

چوتھی شرط: اذن عام

اذن عام سے مراد یہ کہ جہاں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے وہاں عام آدمیوں کے آنے جانے پر اور شریک ہونے پر کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ مسجد کے دروازے عام لوگوں کے لیے کھلے ہوں اور اختتام نماز تک کھلے رہیں لہٰذا کسی نے ایسی جگہ جمعہ کا اہتمام کیا کہ وہاں عام آدمی نہیں جا سکتا تو ایسی جگہ جمعہ درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مسجد کے دروازے پر کوئی دربان کھڑا کر دیا یا صدر وغیرہ کا مخصوص دفتر ہے کہ وہاں حفاظتی پولیس ہر ایک کو اندر نہیں جانے دیتی وہاں بھی جمعہ جائز نہ ہوگا۔

پانچویں شرط: وقت ظہر

اس کے لیے بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں چند پیش خدمت ہیں۔

عن عثمان بن عبد الرحمن بن عثمان التیمی عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس.

(صحیح بخاری ج۱ ص۱۲۳ باب وقت الجمعہ)

بے شک رسول اللہ ﷺ جمعہ اس وقت ادا فرمایا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا۔

خالد بن دینار قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة یعنی الجمعة. (بخاری شریف ج۱ ص۱۲۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب سردی شدت سے پڑ رہی ہوتی تو نماز جلدی ادا فرمایا کرتے تھے اور جب گرمی شدید پڑتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے یعنی نماز جمعہ۔

حدثنا ابو خلده قال سمعت انس بن مالک وناداه يزيد الضبى يوم جمعة ياابا حمزة قد شهدت الصلوة مع رسول الله ﷺ وشهدت الصلوة معنا فكيف كان رسول الله ﷺ يصلى الجمعة فقال كان اذا اشتد البرد بكر بالصلوة واذا اشتدالحر ابرد بالصلوة.

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۱۹۱ باب من قال یبرد بها اذا اشتد الحر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یزید ضبی کو آواز دے کر پوچھا: اے ابوحمزہ! تو نے حضور ﷺ کی معیت میں بھی نمازیں پڑھیں اور ہمارے ساتھ بھی ادا کیں تو بتلاؤ کہ حضور ﷺ نماز جمعہ کیسے ادا فرمایا کرتے تھے؟ کہنے لگے جب سخت سردی ہوتی تو آپ نماز جلدی پڑھتے اور اگر سخت گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے ادا فرمایا کرتے تھے۔

حدثنا هشيم حدثنا منصور عن الحسن قال وقت الجمعة عند زوال الشمس . عن سماک قال كان النعمان بن بشير يصلى الجمعة بعد ماتزول الشمس. عن الوليد بن العيزار قال مارأيت اماما احسن صلوة للجمعة عن عمرو بن حريت كان يصليها اذا زالت الشمس حدثنا هيثم عن ابراهيم قال وقت الجمعة وقت الظهر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۸۔۱۰۹ باب من کان یقدل وقتها زوال الشمس وقت الظهر)

حسن سے روایت ہے کہ جمعہ کا وقت زوال شمس سے ہے۔ نعمان بن بشیر زوال شمس کے بعد نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ ولید بن عیزار کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن حریت سے نماز جمعہ پڑھانے والا کوئی دوسرا امام اچھا نہیں دیکھا وہ زوال شمس کے بعد نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ ہیثم بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا جمعہ کا وقت بعینہٖ ظہر کا وقت ہے۔

زمانۂ نبوی میں جمعہ سورج ڈھلنے کے بعد ادا کیا جاتا تھا

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال كنا نصلي مع رسول الله ﷺ الجمعة ثم نرجع فنريح نواضحنا قال حسن فقلت لجعفر وأى ساعة تلك قال زوال الشمس . عن اياس بن سلمى بن الاكوع عن ابيه قال كنا نصلي مع النبى ﷺ الجمعة اذا زالت الشمس ثم ترجع الفيء. عن ابى القيس عمرو بن مروان عن ابيه قال كنا نجمع مع على اذازالت الشمس. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۸)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے پھر واپس آتے تو آرام کرتے تھے۔ حسن کہتے ہیں میں نے جعفر سے پوچھا جمعہ کس وقت ہوتا تھا کیا زوال شمس کے بعد؟ سلمیٰ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے تھے پھر سائے لوٹتے تھے۔ ابوالقیس عمرو بن مروان اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی المرتضیٰ کے پاس نماز جمعہ کے لیے اکٹھے ہوتے تھے جب سورج ڈھل چکا ہوتا تھا۔

تنبیہ: جمعہ اور ظہر کا وقت جب ایک ہی ہے تو پھر ظہر کے وقت نکل جانے پر جمعہ ادا نہ ہونے کی صورت میں جمعہ کی قضا نہ ہوگی بلکہ اس دن کی ظہر قضا کریں گے۔ اسی طرح اگر نماز جمعہ کی ایک رکعت ادا کی تھی کہ ظہر کا وقت ختم ہوگیا تو اب جمعہ نہ ہوگا بلکہ ظہر قضا کریں گے۔ زوال شمس سے پہلے پڑھا گیا جمعہ، جمعہ شمار نہیں ہوگا۔

اعتراض

عن عبدالله بن سيلان السلمي رضي الله عنه

عبداللہ بن سیلان السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں

قال شهدت الجمعة مع ابی بکر فکانت خطبة وصلوة قبل نصف النهار ثم شهدتها مع عمر فکان صلوته وخطبته الی ان اقول انتصفت النهار ثم شهدتها مع عثمان فکانت صلوته وخطبته الی ان اقول زال النهار فما رأیت احداعاب ذالک.

(نیل اوطار ج ۳ ص ۳۱۹ باب ماجاء فی التجمیع قبل الزوال وبعدہ)

نے ابوبکر صدیق کے ساتھ جمعہ پڑھا ان کا خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ نصف النہار سے پہلے ہوتے تھے پھر میں نے حضرت عمر کے ساتھ بھی جمعہ پڑھا ان کا خطبہ اور نماز بھی نصف النہار کے وقت ہوتے تھے پھر حضرت عثمان کے ساتھ شریک ہوا تو ان کی نماز اور خطبہ زوال دن کے بعد ہوتا۔ میں نے کسی کو اس پر نقطہ چینی کرتے نہ دیکھا۔

جواب: عبداللہ بن سیلان اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد خود صاحب نیل الاوطار نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ نصف النہار سے قبل، نصف النہار کے وقت اور اس کے بعد تین اوقات میں پڑھنا جائز ہے جب کہ ظہر کا وقت صرف زوال نہار کے بعد شروع ہوتا ہے لہٰذا جمعہ اور ظہر کے وقت میں اختلاف ہے اس لیے شرائط جمعہ میں سے ظہر کا وقت ہونا شرط نہ ہوا۔

اثر عبد الله بن سیلان السلمی فیه مقال لان البخاری قال لایتابع علی حدیثه وحکی فی المیزان عن بعض العلماء انه قال هو مجهول لاحجة فیه قوله حین تمیل الشمس فیه اشعار بمواظبته صلی الله علیه وسلم علی صلوة الجمعة اذا زالت الشمس قوله کنا نصلی الجمعة مع النبی ثم نرجع الی القائلة فنقیل ولفظ البخاری کنا نبکر بالجمعة وفی لفظ له ایضا کنا نصلی مع النبی ﷺ الجمعة ثم تکون القائلة وظاهر ذالک انهم کانوا یصلون الجمعة باکر النهار قال الحافظ لکن طریق الجمع اولی من دعوی التعارض وقد تقرر ان التکبیر علی فعل الشئ فی اول وقته اوتقدیمه علی غیره وهو المراد ههنا.

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۱۹)

عبد اللہ بن سیلان اسلمی کے اثر میں قیل وقال کی گئی ہے کیونکہ امام بخاری نے اس کی اتباع نہیں کی۔ میزان میں بعض علماء سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ مجہول ہے اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔ ان کے قول "حین تمیل الشمس" میں یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز جمعہ زوال شمس کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے۔ ان کا قول کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد قیلولہ کیا کرتے تھے اور بخاری کے لفظ ہیں ہم جمعہ کے لیے جلدی جایا کرتے تھے اور قیلولہ جمعہ کے دن بعد میں کرتے تھے۔ امام بخاری کے ہی لفظ ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے پھر قیلولہ کیا کرتے تھے۔ ان تمام روایات سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام جمعہ دن کے اول میں پڑھتے تھے۔ حافظ نے کہا: کہ ان مختلف روایات میں جمع کا طریقہ بہتر ہے نہ کہ ان میں تعارض ثابت کیا جائے اور لفظ "تکبیر" کسی چیز کے اول وقت میں کرنے اور دوسری سے مقدم کر کے کرنے پر بولا جاتا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔

عبداللہ بن سیلان کے اثر پر ایک اعتراض یہ ہے کہ مجہول ہے لہٰذا حجت نہیں۔ دوسرا یہ کہ امام بخاری نے اس کی اتباع نہیں کی تیسرا یہ کہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے لہٰذا یہ اثر مجروح اور ضعیف ہوا۔ اس لیے حضور ﷺ کا دائمی عمل اس سے مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تعارض کی بجائے اس اثر اور دیگر احادیث کے درمیان تطبیق وجمع سے کام لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ نماز جمعہ ظہر کے اول وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے کیونکہ "تکبیر" کا معنی یہ بن سکتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جمعہ اور ظہر دونوں کا وقت ایک ہی ہے یاد رہے کہ حضور ﷺ کا جمعہ کو اول وقت میں ادا فرمانا دائمی حقیقی نہیں بلکہ اکثر ہی ہے کیونکہ روایت گزر چکی ہے کہ آپ نے سخت

گرمیوں میں جمعہ کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھی اور پڑھنے کا حکم بھی دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

فرضوں کے بعد جمعہ کی سنتوں پر اعتراض

بعض لوگ نماز جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد دو سنتوں پر اکتفا کرتے ہیں اور اس سے زائد کا ثبوت نہیں مانتے اس بنا پر وہ احناف پر اعتراض کرتے ہیں کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد چھ سنتیں ان کی خود ایجاد کردہ ہیں۔ اسی طرح فرضوں سے پہلی چار سنتوں کے متعلق بھی عدم ثبوت کا قول کیا جاتا ہے۔

جمعہ کے فرضوں کے بعد چھ سنتوں کا ثبوت

جواب: جمعہ کی اول و آخر سنتیں ادا کرتے میں بہرحال ثواب ہے اور ان کا ثبوت کتب احادیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبد اللہ بن مسعود انہ کان یصلی قبل الجمعۃ اربعا وبعدھا اربعا وروی عن علی بن ابی طالب انہ امران یصلی بعد الجمعۃ رکعتین ثم اربعا.

(ترمذی شریف ج ا ص ۶۹ باب فی الصلوٰۃ قبل الجمعۃ وبعدھا)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت ادا فرمایا کرتے تھے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا اور دو کے بعد پھر چار اور پڑھنے کا (بھی حکم دیا)۔

عن ابی عبد الرحمن قال قدم علینا ابن مسعود فکان یأمرنا ان نصلی بعد الجمعۃ اربعا فلما قدم علینا علی امرنا ان نصلی ستا فاخذنا بقول علی وترکنا قول عبد اللہ قال کنا نصلی رکعتین ثم اربعا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۳۳ باب من کان نصل بعد الجمعۃ رکعتین)

ابو عبد الرحمٰن سے کہ ہمارے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعود تشریف لاتے تو آپ ہمیں جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ پھر جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے چھ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو ہم نے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرنا شروع کر دیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے قول کو ترک کر دیا۔ ہم جمعہ کے دن پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

ان آثار سے ثابت ہوا کہ احناف کا مسلک محض قیاس پر نہیں بلکہ اس پر آثار موجود ہیں۔

٦٦- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الصَّمْتِ

نماز جمعہ میں قرأۃ اور خطبہ میں خاموشی کا بیان

۲۲۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ بْنُ سَعِيْدٍ الْمَازِنِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ سَاَلَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ فَاِذَا كَانَ يَقْرَاُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِثْرِ سُوْرَةِ الْجُمُعَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَاُ هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی اور انہیں ضمرہ بن سعید مازنی نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے حدیث بیان کی کہ ضحاک بن قیس نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضور ﷺ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ کے بعد دوسری رکعت میں کون سی سورۃ پڑھا کرتے تھے؟ تو فرمایا: ھل اتاک حدیث الغاشیہ۔

۲۲۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ اَبِيْ مَالِكٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا زَمَانَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں زہری نے ثعلبہ بن ابی مالک سے خبر دی وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور

يُصَلُّوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَخْرُجَ عُمَرُ فَاِذَا خَرَجَ وَجَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ ثَعْلَبَةُ جَلَسْنَا نَتَحَدَّثُ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ وَقَامَ عُمَرُ سَكَتْنَا فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ مِّنَّا.

خلافت میں جمعہ پڑھنے آتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت عمر تشریف لاتے اور منبر پر جلوہ فرما ہوتے اور مؤذن اذان کہتا۔ ثعلبہ کہتے ہیں ہم بیٹھے باہم گفتگو کرتے رہتے جب مؤذن اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو ہم بھی چپ ہو جاتے اور حضرت عمر خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تو ہم میں سے کوئی ایک بھی کلام نہ کرتا۔

٢٢٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ خُرُوْجُهٗ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَكَلَامُهٗ يَقْطَعُ الْكَلَامَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے زہری نے بیان کیا کہ امام کا نکلنا نماز کو توڑ دیتا ہے اور اس کا خطبہ کو شروع کرنا بات چیت کو بند کر دیتا ہے۔

٢٢٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو النَّضْرِ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَبِيْ عَامِرٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ قَلَّمَا يَدَعُ ذَالِكَ اِذَا خَطَبَ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فَاسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا فَاِنَّ لِلْمُنْصِتِ الَّذِيْ لَا يَسْمَعُ مِنَ الْحَظِّ مِثْلَ مَا لِلسَّامِعِ الْمُنْصِتِ.

ہمیں امام مالک نے ابوالنضر ی سے انہیں مالک بن عامر نے بتایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خطبہ کے دوران اکثر فرمایا کرتے تھے جب امام کھڑا ہو جائے تو اس کا خطبہ غور سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو بے شک وہ خاموش رہنے والا جو سنتا نہیں اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جو سنتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے۔

٢٢٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ.

ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی کہ جناب اعرج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور کا قول بیان فرماتے ہیں۔ جب تو نے اپنے ساتھی کو کہا کہ چپ ہو جاؤ اور یہ اس وقت کہا کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو' تو نے لغویات کی۔

٢٢٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ اَنَّ اَبَاهُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ رَاٰى فِيْ قَمِيْصِهٖ دَمًا وَالْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَنَزَعَ قَمِيْصَهٗ فَوَضَعَهٗ.

ہمیں امام مالک نے عبد الرحمٰن بن قاسم سے انہوں نے اپنے والد قاسم بن محمد سے روایت بیان کی کہ انہوں نے اپنی قمیص پر خون لگا دیکھا جب کہ خطیب منبر پر خطبہ دے رہا تھا تو آپ نے قمیص اتاری اور علیحدہ رکھ چھوڑی۔

مذکورہ روایات و آثار میں چند مسائل یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) حضور ﷺ کا نماز جمعہ کی اول رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں الغاشیہ کا تلاوت فرمانا بطریق وجوب اور نہ ہی دائمی تھا اس لیے اگر کوئی امام و خطیب مذکورہ دونوں سورتوں کو پڑھتا ہے تو بہت برکت ہے لیکن ان کے سوا کہیں سے قرآن کریم پڑھنے سے بھی نماز جمعہ ہو جائے گی۔

(۲) اذان جمعہ اور امام کے خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف لانے سے قبل مسجد میں موجود نمازیوں کو دینی گفتگو کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے بعد خاموش رہ کر بغور خطبہ سننا لازم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کسی قسم کا کلام اور نماز پڑھنے کی اجازت نہیں چنانچہ روایت ہے۔

حدثنا عطاء قال ابن عمرو ابن عباس رضی اللہ عنهم يكرهان الكلام اذا خرج الامام يوم

حضرت عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے جب جمعہ کے دن امام خطبہ دینے کے لیے

الجمعة. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۳۷۰ باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعہ والامام یخطب) منبر پر تشریف لے آتے۔

چونکہ اذان ثانی اس وقت کہی جاتی ہے جب امام منبر پر تشریف لے آتے ہیں اس لیے اس اذان کے کلمات کا جواب بآواز نہ دینا چاہیے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کا اس کا جواب دینا اور جب وہ خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دعا کرنی چاہیے کہ نہیں بینوا وتو جروا۔

الجواب: ہرگز نہ چاہیے یہی احوط ہے۔ شامی میں ہے کہ خطیب کے سامنے اذان کا جواب دینا مکروہ ہے اور درمختار میں ہے زبان کے ساتھ خطیب کے سامنے اذان کا جواب نہیں دینا چاہیے اور اسی درمختار میں اسی جگہ ہے کہ امام جب اپنے حجرے سے نکلے تو خطبہ ختم ہونے تک نہ کوئی نماز جائز ہے نہ کلام۔ ہاں یہ جواب اذان یا دعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلاً نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور امام یعنی خطیب اگر زبان سے بھی جواب اذان دے یا دعا کرے بلاشبہ جائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۷۰۴ باب الجمعہ مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی پاکستان)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان خطبہ اور نفس خطبہ کے احکام میں کچھ فرق ہے۔ اذان میں حضور ﷺ کے اسم گرامی پر درود شریف پڑھنے میں ممانعت نہیں لیکن دورانِ خطبہ آپ کے اسم گرامی سننے پر صرف دل میں درود شریف کا ارادہ کر سکتا ہے زبان سے ادائیگی درست نہیں۔

(۳) خطبہ کا خاموش ہو کر سننا ہر نمازی کے لیے ضروری ہے خواہ وہ خطیب کی آواز سن رہا ہو یا نہ اور دونوں کو برابر ثواب ملتا ہے۔

(٤) دورانِ خطبہ اتنی بات کرنے کی بھی اجازت نہیں کہ کسی بات کرنے والے کو چپ رہنے کو کہا جائے کیونکہ حضور ﷺ نے اسے لغو بات کہا ہے۔

(۵) دورانِ خطبہ اگر کسی نمازی کو ایسی ضرورت پیش آ جائے کہ اگر اسے پورا نہیں کرتا تو نماز جمعہ سے ہی محروم رہے گا تو وہ اس ضرورت کو پورا کرے گا جیسا کہ جناب قاسم بن محمد نے خون آلود قمیص دوران خطبہ اتار کر رکھ دی تھی۔ اسی قبیلہ سے صاحب ترتیب کا مسئلہ ہے کہ صبح کی چھوٹی ہوئی نماز خطبہ سننے کے دوران یاد آ گئی تو اب اسے بھی صبح کی نماز قضاء کر لینے کو کہا جائے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٦٧- بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ وَاَمْرِ الْخُطْبَةِ

عیدین کی نماز اور خطبہ کے مسائل

٢٢٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ مَوْلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمَ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْاٰخَرُ يَوْمَ تَاْكُلُوْنَ مِنْ لُحُوْمِ نُسُكِكُمْ قَالَ ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ

ہمیں امام مالک نے زہری سے انہیں ابو عبید مولیٰ عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید پر موجود تھا۔ آپ نے نماز پڑھی پھر پلٹ کر خطبہ دیا اور فرمایا: ان دو دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک روزوں کے بعد افطار کے دن (یعنی عید الفطر کے دن) اور دوسرا جس دن تم قربانی کا گوشت کھاؤ گے۔ (عید الاضحیٰ کے دن) کہتے ہیں مجھے پھر حضرت عثمان غنی کے ساتھ عید پڑھنے کا بھی اتفاق

فِيْ يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَهْلِ الْعَالِيَةِ اَنْ يَّنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّرْجِعَ فَلْيَرْجِعْ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهٗ فَقَالَ ثُمَّ شَهِدْتُّ الْعِيْدَ مَعَ عَلِيٍّ وَّعُثْمَانَ مَحْصُوْرٌ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ.

ہوا نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے آپ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آج کے دن تمہارے لیے دو عیدیں جمع کر دی ہیں تو جو دیہاتی لوگ ہیں وہ اگر جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں تو پڑھ کر جائیں اور جو جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے میں نے اسے اجازت دے دی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت علی (اور عثمان محصور تھے) کے ساتھ عید بھی پڑھی۔ انہوں نے بھی نماز کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے خطبہ دیا تھا۔

۲۲۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَذَكَرَ اَنَّ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ كَانَا يَصْنَعَانِ ذٰلِكَ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے خبر دی کہ حضور ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن خطبہ سے پہلے نماز پڑھاتے تھے اور ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَاِنَّمَا رَخَّصَ عُثْمَانُ فِي الْجُمُعَةِ لِاَهْلِ الْعَالِيَةِ لِاَنَّهُمْ لَيْسُوْا مِنْ اَهْلِ الْمِصْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی ان تمام باتوں پر عمل ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے "اہل عالیہ" کو جمع نہ پڑھنے کی رخصت اس لیے عطا فرمائی کہ یہ لوگ شہری نہ تھے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

مذکورہ روایات میں ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ عیدین کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے اس کی وجہ بھی موجود ہے وہ یہ کہ عید الفطر رمضان شریف کے روزے گزارنے کے فوراً بعد خوشی کا دن ہے اور عید الاضحیٰ اللہ کی طرف سے مہمانی کا دن ہے۔ دوسری بات تفصیل طلب ہے وہ یہ کہ اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن اکٹھے ہو جائیں تو کیا دونوں کی ادائیگی لازم ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل مذکور سے بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ ایسی صورت میں عید پڑھیں گے اور جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے حالانکہ ان کا اس واقعہ سے یہ استدلال نہایت کمزور ہے۔ وہ اس لیے کہ آپ نے نماز عید ادا فرمانے کے بعد "اہل عوالی" کو فرمایا تھا کہ تم چاہو تب بھی اجازت ہے اور اگر جمعہ پڑھ کر جاؤ تو تمہاری مرضی اور "اہل عوالی" وہ لوگ تھے جو مدینہ منورہ کے قریبی دیہات سے آئے تھے اور دیہاتیوں پر جمعہ لازم ہی نہیں۔ دوسرا آپ کے ارشاد گرامی سے کہ جو جانا چاہے چلا جائے۔ یہ ہی مفہوم نکالنا کہ وہ جا کر جمعہ پڑھنے کے لیے واپس نہ آئے درست نہیں کیونکہ اس میں صرف جانے کی اجازت دی گئی' واپس آ کر جمعہ ادا کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔
بہرحال ایک تو وہ لوگ دیہات کے رہنے والے تھے ان پر جمعہ فرض ہی نہ تھا اور دوسرا یہ احتمال بھی موجود ہے کہ انہیں صرف جانے کی اجازت دی ہو' واپس آ کر جمعہ پڑھنے سے منع نہ کیا گیا۔ اس سے ان لوگوں کا استدلال نہایت کمزور ہو جاتا ہے جو عید کے دن جمعہ کی نماز شہریوں پر بھی معاف کر دینے کے قائل ہیں۔

اعتراض

حدثنا عثمان بن المغیرة عن ایاس بن ابی رملة الشامی قال شهدت معاویة بن ابی سفیان وهو یسئل زید ابن ارقم قال اشهدت مع رسول الله

ایاس بن ابی رملہ شامی کہتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس حاضر تھا۔ آپ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم نے حضور ﷺ کے دور میں جمعہ اور عید دونوں

ﷺ عیدین اجتمعافی یوم قال فکیف صنع قال نعم قال فکیف صنع قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان یصلی فلیصل.

اکٹھی نمازیں پائیں؟ فرمایا ہاں پوچھا: تو پھر حضور ﷺ نے کیسے کیا تھا؟ کہنے لگے: آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ کے لیے رخصت کا اعلان فرمادیا جو پڑھنا چاہے پڑھ لے۔

(ابوداؤد مع عون المعبود ج۱ص۴۱۶ باب اذا وافق یوم الجمعۃ یوم عید)

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے سب کو رخصت عطاء فرمائی تھی اس میں دیہاتی یا شہری کی کوئی تفریق نہیں ہے لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اسی کی روشنی میں دیکھا جائے گا جس سے یہی ثابت ہے کہ عید کے دن جمعہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

جواب اول: روایت مذکورہ میں ایک راوی ایاس بن ابی رملہ کو خود مجوزین کے ایک مولوی محمد اشرف نے مجہول لکھا ہے۔

وفی اسناده ایاس بن ابی رمله وهو مجهول.

(عون المعبود ج۱ص۴۱۶)

روایت مذکورہ کی سند میں ایک راوی ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے۔

فی حدیث زید بن ارقم حین سأله معاوية قال ابن المنذر لا یثبت هذا فان ایاسا مجهول.

(میزان الاعتدال ج۱ص۱۳۱ ذکر ایاس ابن ابی رملۃ)

زید بن ارقم والی حدیث کہ جس میں حضرت معاویہ کے سوال کا ذکر ہے ابن منذر نے کہا کہ یہ ثابت نہیں کیونکہ ایاس نامی راوی مجہول ہے۔

قال ابن المنذر ایاس مجهول قال ابن القطان هو كما قال.

ابن منذر نے ایاس کو مجہول کہا اور ابن قطان نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

(تہذیب التہذیب ج۱ص۳۸۸ ذکر ایاس بن ابی رملۃ شامی)

تو معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ اس راوی کی وجہ سے ضعیف ہے اور قابل استدلال و احتجاج نہیں ہے۔

جواب دوم: حضور ﷺ سے ہی اس حدیث کے مقابل ایک صحیح حدیث مروی ہے جس میں ''اہل عوالی'' کی رخصت کا صراحۃً ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن عمر بن عبد العزيز قال اجتمع العيدان على عهد النبی ﷺ فقال من احب ان یجلس من اهل العالية فليجلس من غير حرج وروی ذالک باسناد صحیح عن عثمان بن عفان رضی الله عنه مقید باهل العالية موقوف عليه. (بیہقی شریف ج۳ص۳۱۸ باب اجتماع العیدین ان یوافق یوم العید یوم الجمعۃ)

عمر بن عبد العزیز سے کہ حضور ﷺ کے دور میں دو عیدین (جمعہ اور عید) اکٹھی آئیں تو آپ نے فرمایا: جو اہل عالیہ (گاؤں والوں) میں سے بیٹھنا چاہے بیٹھا رہے اس پر کوئی حرج نہیں اور یہ اسناد صحیح کے ساتھ عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ''اہل عالیہ'' کی قید کے ساتھ روایت کی گئی ہے جو موقوف ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اہل عوالی کے لیے عید کے دن جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت ہے' ہر ایک کے لیے ایسا نہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت گاؤں والوں کے لیے تھی۔ عمر بن عبد العزیز کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔

عن ابی هريرة عن رسول الله و انه قال قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء اجزاه من الجمعة وانا مجمعون. (بیہقی شریف ج۳ص۳۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: آج تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہیں جو چاہے اس کے لیے جمعہ کی جگہ عید ہی کافی ہے ہم تو جمعہ پڑھیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی رخصت گاؤں والوں کو اس لیے عطا فرمائی کیونکہ وہ شہری نہ تھے اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔حضرت عثمان غنی نے یہ بات حضرات صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے فرمائی تھی۔اگر اس سے تمام دیہاتی اور شہری لوگوں کو رخصت ہوتی جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے گمان کیا تو پھر صحابہ کرام گاؤں والوں کی تخصیص کا انکار فرماتے لہٰذا معلوم ہوا کہ جمعہ کی رخصت ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن پر جمعہ لازم نہیں لہٰذا عید کے دن عید کی وجہ سے جمعہ ترک نہ کیا جائے گا اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے حالانکہ جمعہ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے بالاجماع شہر والوں پر لازم ہے اس لیے شہر والوں سے جمعہ کو ساقط کردینا جائز نہ ہوگا اور ساقط بھی اس سے جو درجہ میں جمعہ سے کم ہے ہاں اگر نص قطعی ہوتو پھر اور بات ہوگی۔اس کے سامنے خرد عاجز ہے۔امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے جن احادیث و روایات سے عید کے دن شہر والوں پر جمعہ ساقط ہونے پر استدلال فرمایا ہے وہ خبر آحاد ہیں۔ حالانکہ ان میں گاؤں والوں کے ساتھ اختصاص کا احتمال بھی ہے۔ان میں ایک وہ روایت ہے جسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج دو عیدیں (جمعہ اور عید) جمع ہوگئیں تو تم میں سے جس نے عید پڑھ لی اس کی جمعہ سے وہ کافی ہوگی اور ہم ان شاء اللہ جمعہ پڑھیں گے۔السندی نے زوائد میں کہا اس کی اسناد صحیح اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔یاد رہے کہ مذکورہ دلائل و شواہد کی روشنی میں یہی بات واضح ہوتی ہے کہ جمعہ اور عید اکٹھی آجانے کی صورت میں گاؤں والوں کے لیے جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت ہے اور اسی بات کو حضرت عثمان غنی نے حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا۔جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ سے ثابت ہے لہٰذا اس کا شہر والوں سے عید کے دن ساقط ہوجانا خبر واحد سے ثابت نہیں ہوسکتا اور ایسے موقع پر حضور ﷺ کا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق جمعہ پڑھنے کا فرمانا بھی اسی کی تائید کررہا ہے۔

نوٹ: طریقہ مسنونہ تو یہی ہے کہ نماز عید پہلے پڑھی جائے اور خطبہ بعد میں پڑھا جائے لیکن جس روایت میں یہ آیا ہے کہ مروان بن الحکم نے عید کے دن پہلے خطبہ دیا اور پھر جماعت کرائی۔چونکہ یہ طریقہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے طریقہ سے الگ تھا۔اس لیے اس کی پُرزور مخالفت کی گئی، ملاحظہ ہو۔

عن اسماعیل بن رجاء عن ابیه قال اخرج مروان المنبر وبدا بالخطبة قبل الصلوٰة فقام الیه رجل فقال یامروان خالفت سنة اخرجت المنبر ولم تکن تخرج وبدأت بالخطبة قبل الصلوة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۱ من رخص ان یخطب قبل الصلوٰۃ)

اسماعیل بن رجاء اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ مروان نے منبر پر چڑھ کر عید کی نماز سے قبل خطبہ دینا شروع کیا تو ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا اے مروان! تو نے خلاف سنت کیا ہے' منبر پر خطبہ کے لیے پہلے چڑھ گیا' پہلے ایسا نہ تھا۔نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ بھی پہلے نہ تھا۔

اثر مذکور میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ عیدین کی نماز سے قبل خطبہ دینا خلافِ سنت اور حضور ﷺ کے علاوہ خلفائے راشدین کے عمل کے بھی خلاف ہے۔یہ تمام حضرات پہلے نماز ادا فرماتے پھر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

٦٨ - بَابُ صَلوٰةِ التَّطَوُّعِ قَبْلَ الْعِيدِ اَوْ بَعْدَهٗ

عیدین سے پہلے یا بعد نفلی نماز کا بیان

۲۳۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ لَا يُصَلِّيْ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَلَا بَعْدَهَا. اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے اور بعد میں نفلی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ہمیں امام مالک نے عبدالرحمٰن بن قاسم

اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ اَنْ يَّغْدُوَ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ.

سے انہوں نے اپنے باپ سے خبر دی کہ وہ عیدگاہ میں جانے سے قبل اپنے گھر میں چار رکعت پڑھتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا صَلٰوةَ قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ فَاَمَّا بَعْدَهَا فَاِنْ شِئْتَ صَلَّيْتَ وَاِنْ شِئْتَ لَمْ تُصَلِّ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ نماز عید سے قبل کوئی نماز نفلی نہیں۔ بہرحال عید کے بعد اگر تیری مرضی ہو تو پڑھ لے ورنہ نہ سہی۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

مذکورہ روایات میں عبداللہ بن عمر کا یہ عمل کہ نماز عید سے پہلے اور بعد آپ نفل نہ پڑھتے تھے اور جناب قاسم بن ابی بکر عید کی نماز سے قبل نوافل ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس پر امام محمد نے اپنا مسلک و مذہب بیان فرمایا کہ عید کے بعد نفل پڑھنا جائز ہے لیکن یہ مذہب حضور ﷺ کے عمل سے ٹکراتا ہے جو یہ ہے۔

عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن النبی ﷺ انه خرج يوم الفطر فصلى ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها. (بیہقی شریف ج۳ ص۳۰۲ باب الامام لا یصل قبل العید وبعدہ فی المصلی)

ابن عباس سے سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ عید الفطر پڑھنے تشریف لے گئے آپ نے دو رکعت ادا فرمائیں نہ اس سے پہلے اور نہ ہی بعد میں نفل پڑھے۔

جب حضور ﷺ نے نماز عید کے بعد نفل ادا نہیں فرمائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کی اجازت کہاں سے دے رہے ہیں؟

عن ابی سعيد الخدری قال كان رسول الله ﷺ اذا رجع من المصلى صلى ركعتين.
(بیہقی شریف ج۳ ص۳۰۲)

ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب عیدگاہ سے نماز عید پڑھ کر واپس تشریف لاتے تو دو رکعت نفل ادا فرماتے۔

عن ابی اسحاق قال كان سعيد بن جبير وابراهيم وعلقمة تصلون بعد العيد اربعا. عن يزيد بن ابی زياد قال رايت ابراهيم وسعيد بن جبير ومجاهد وعبد الرحمن بن ابی ليلى يصلون بعدها اربعا. عن الاسود بن هلال قال خرجت مع علی فلما صلى الامام قام فصلى بعدها اربعا.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۱۷۹ انی من کان یصلی بعد العید اربعا)

ابواسحاق سے کہ سعید بن جبیر، ابراہیم اور علقمہ نماز عید کے بعد چار رکعت نفل پڑھتے تھے۔ یزید بن ابی زیاد کہتے ہیں میں نے ابراہیم سعید بن جبیر، مجاہد اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو نماز عید کے بعد چار رکعت پڑھتے دیکھا۔ اسود بن ہلال کہتے ہیں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب امام نے نماز پڑھائی تو آپ نے اٹھ کر اس کے بعد چار رکعت نفل ادا فرمائے۔

قارئین کرام! ان احادیث و آثار سے امام محمد اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک و مذہب کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ وہ موافق احادیث و آثار ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے معترض نے اعتراض کیا تھا حالانکہ یہی حضرت خود نماز عید کے بعد نفل پڑھنے والوں میں شامل ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول کہ آپ نے فرمایا: میں نماز عید کے بعد جو چار رکعت نفل ادا کرتا ہوں اس لیے تاکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اتباع ہو جائے جس کا ثبوت ''کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ'' میں یوں موجود ہے۔

وقال ابو حنيفة لا صلوة قبل العيدين فاما بعدهما فان شئت صليت اربعا. واما اصحاب علی ابن ابی طالب رضی الله عنه فكانوا لا يصلون قبلها

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں عیدوں سے پہلے کوئی نماز نہیں البتہ عیدوں کے بعد اگر تو پڑھنا چاہے تو چار رکعت پڑھ لے اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی عیدوں کے پہلے نماز

ویصلون بعدھا اربعا وھذا احب القولین الینا.
(کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ ج ا ص ۳۰۰ باب العیدین مطبوعہ دار المعارف نعمانیہ لاہور)

نہ پڑھتے تھے اور بعد میں چار رکعت (نفل) پڑھتے تھے اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں سے محبوب ترین عمل ہمارے نزدیک یہی ہے (عیدین کے بعد نفل پڑھ لے)۔

مذکورہ عبارت نے ثابت کر دیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے ہوئے نماز عید کے بعد نفل پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے لہٰذا جن روایات میں حضور ﷺ کے نفل نہ پڑھنے کا ذکر ہے ان سے مراد عیدگاہ میں نہ پڑھنا ہے اور جن میں پڑھنے کا ذکر ہے ان سے مراد گھر تشریف لا کر پڑھنا ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز عید سے قبل نفل درست نہیں نہ تو گھر میں اور نہ ہی عیدگاہ میں اور نماز عید کے بعد گھر میں جائز' عیدگاہ میں درست نہیں ہیں۔ باقی رہا معاملہ جناب قاسم بن محمد کے بارے میں کہ وہ نماز عید سے قبل چار رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ شاید انہیں ممانعت کی حدیث نہ پہنچی ہو۔ نماز عید کے بعد نوافل کے بارے میں غیر مقلدین کے ثقہ شارح ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

حدیث ابی سعید ان النبی ﷺ کان لایصلی قبل العید شیئا فاذارجع الی منزلہ صلی رکعتین اخرجہ ابن ماجہ باسنادہ حسن وقد محمد الحاکم وبھذا قال اسحاق .
(فتح الباری شرح البخاری ج ۲ ص ۳۸۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ حضور ﷺ نماز عید سے قبل کوئی نفل نہ ادا فرماتے پھر جب واپس گھر تشریف لاتے تو دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ اس کو ابن ماجہ نے ذکر کیا۔ اس کی اسناد حسن ہیں اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے یہی اسحاق کا قول ہے۔

قارئین کرام! امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عمل حدیث کے خلاف نہیں بلکہ وہ احادیث صحیحہ اور آثار مستند کے عین موافق ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٦٩- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِیْ صَلٰوةِ الْعِیْدَیْنِ

عیدین کی نماز میں قرأت کا بیان

۲۳۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ضَمْرَةُ بْنُ سَعِیْدِ الْمَازِنِیُّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سَاَلَ اَبَا وَاقِدٍ اللَّیْثِیَّ مَاذَا كَانَ یَقْرَاُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْاَضْحٰی وَالْفِطْرِ قَالَ كَانَ یَقْرَاُ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ضمرہ بن سعید مازنی نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد اللیثی سے پوچھا: حضور ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ کہا: قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔

حضور ﷺ سے عیدین کی نماز میں ان مذکورہ دو سورتوں کے علاوہ الضحیٰ، الاعلیٰ اور الغاشیہ وغیرہ پڑھنا بھی مروی ہے۔ جناب ابوواقد نے جو سنا وہی بیان کر دیا اس لیے ان سورتوں میں سے کوئی اگر پڑھ لی جائے تو بہتر ہے ورنہ کسی جگہ سے قرآن پڑھنے سے نماز عید میں کوئی فرق نہیں آتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چونکہ جناب اللیثی والی روایت زیادہ معتبر تھی اس لیے شاید اسی پر اکتفا فرمایا۔

٧٠- بَابُ التَّكْبِیْرِ فِی الْعِیْدَیْنِ

عیدین کی نماز میں تکبیر کا بیان

۲۳۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰی وَالْفِطْرَ مَعَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَكَبَّرَ فِی الْاُوْلٰی سَبْعَ تَكْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِی الْاٰخِرَةِ بِخَمْسٍ

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ میں عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھتے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا انہوں نے پہلی رکعت میں قرأت سے قبل سات تکبیریں اور

تَکْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَۃِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدِاخْتَلَفَ النَّاسُ فِی التَّکْبِیْرِ فِی الْعِیْدَیْنِ فَمَا اَخَذْتَ بِہٖ فَھُوَ حَسَنٌ وَّاَفْضَلُ ذَالِکَ عِنْدَنَا مَارَوَی ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُکَبِّرُ فِیْ کُلِّ عِیْدٍ تِسْعًا خَمْسًا وَّاَرْبَعًا فِیْھِنَّ تَکْبِیْرَۃُ الْاِفْتِتَاحِ وَتَکْبِیْرَتَا الرُّکُوْعِ وَیُوَالِیْ بَیْنَ الْقِرَاءَتَیْنِ وَیُؤَخِّرُھَا فِی الْاُوْلٰی وَیُقَدِّمُھَا فِی الثَّانِیَۃِ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ.

دوسری رکعت میں قرأت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں۔

امام محمد کہتے ہیں کہ عیدین کی تکبیروں میں علماء کا اختلاف ہے تم جس پر عمل کرلو اچھا ہے اور ہمارے نزدیک وہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی افضل ہے وہ یہ کہ آپ ہر عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیر تحریمہ کے ساتھ اور دوسری میں چار رکوع کی تکبیر کے ساتھ دونوں رکعت کی قرأت کو ملاتے پہلی رکعت میں تکبیرات کے بعد قرأت کرتے اور دوسری میں سجدہ سے اٹھ کر تکبیرات سے پہلے قرأت کرتے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز عید میں تکبیرات بارہ (۱۲) بیان ہوئیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نو (۹) ذکر کی گئیں اور موخر الذکر کو امام محمد نے افضل قرار دے کر احناف کے عمل کی اساس بنایا لیکن یہ بھی فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ کسی دوسری روایت میں مذکور تعداد تکبیرات کے مطابق نماز عید ادا کی جائے تو اس نماز میں خرابی نہ ہوگی۔

اعتراض

موطا کی شرح میں غیر مقلد مولوی عطاء اللہ نے ان دونوں روایات کے علاوہ چودہ (۱۴) تکبیرات والی روایت کو صحیح قرار دیا اور لکھا کہ اس چودہ (۱۴) تکبیرات والی روایت کے خلاف حضور ﷺ سے ثابت نہیں لہٰذا احناف کا نو (۹) تکبیریں صحیح کہنا خلاف سنت ہوا۔

جواب: اگرچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ کسی بھی مقدار والی روایت پر عمل کرنا غلط نہیں لیکن ہم اعتراض کے آخری حصہ کو لے کر کچھ کہنا چاہتے ہیں یعنی یہ بات کہ چودہ تکبیرات کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ آیئے اس کا ثبوت دکھائیں۔

قال اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ کان قاعدا فی مسجد الکوفۃ ومعہ حذیفۃ بن الیمان وابو موسی الاشعری رضی اللہ عنھم فخرج علیھم الولید بن عقبی بن ابی معیط وھو امیر الکوفۃ یومئذ فقال ان ھذا عیدکم فکیف اصنع فقالا اخبرہ یاابا عبد الرحمن کیف یصنع فامرہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان یصلی بغیر اذان ولا اقامۃ وان یکبرفی الاولی خمسا وفی الثانیۃ اربعاوان یوالی بین القراتین. (کتاب الآثار ص۱۴۱ج امطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی باب صلوٰۃ العیدین)

امام محمد بیان کرتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہیں ابراہیم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ وہ ایک مرتبہ کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمان اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ولید بن عقبٰی بن ابی معیط ان کے پاس آیا۔ جو ان دنوں کوفہ کا امیر تھا کہنے لگا: کل عید ہے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ دونوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اسے بتاؤ کہ کل کیا کرنا ہے؟ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے کہا: کل نماز عید پڑھیں گے اذان اور اقامت نہ ہوگی اور طریقہ نماز یہ ہے کہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں اور دوسری میں چار تکبیریں ہوں گی اور دونوں رکعتوں کی قرأت کو ملایا جائے گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ بن الیمان تینوں جب عید کی نو تکبیرات پر متفق ہیں اور اسی کی تبلیغ بھی فرمارہے ہیں تو یہ کیونکر متصور ہو کہ یہ تینوں حضرات حضور ﷺ کے خلاف چلتے ہوں گے اور تکبیرات کی تعداد کوئی اجتہادی یا قیاسی بات نہیں اسی لیے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان حضرات نے حضور ﷺ کو ایسے کرتے یا کہتے سنا ہوگا لہٰذا مولوی عطاء اللہ کا یہ کہنا کہ چودہ تکبیرات کے خلاف ثابت نہیں غلط ہے۔ علاوہ ازیں حضرات صحابہ کرام کا عمل بکثرت روایات سے ثابت ہے کہ وہ نو (۹) تکبیریں کہتے رہے۔

نمازِ عید میں صحابہ کرام نو (۹) تکبیریں کہا کرتے تھے

عن عبد الله بن حارث قال صلى بنا ابن عباس يوم عيد فكبر تسع تكبيرات خمسا فى الاولى واربعا فى الاخرة والى بين قراتين.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۴)

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ ہمیں جناب عبداللہ بن عباس نے عید کی نماز پڑھائی آپ نے نو تکبیریں کہیں، پانچ پہلی رکعت اور چار دوسری میں اور قرأت کو ملایا۔

عن الشعبى قال ارسل زياد الى مسروق انا يشغلنا اشغال فكيف التكبير فى العيدين قال تسع تكبيرات قال خمسا فى الاولى واربعا فى الاخرة ووالى بين قراء تين. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۴)

شعبی سے کہ زیاد نے جناب مسروق کی طرف کسی کو بھیجا کہ ہم تو اور کاموں میں مشغول رہے تو فرمائیے عیدین کی نماز میں کتنی تکبیریں ہیں؟ فرمایا: نو پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں دونوں رکعت کی قرأت ملائی جائے۔

عن ابراهيم عن الاسود ومسروق انها كانا يكبران فى العيد تسع تكبيرات.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۴)

ابراہیم نے اسود اور مسروق سے روایت کیا ہے کہ وہ دونوں عید میں نو تکبیریں کہتے تھے۔

عن اشعث عن محمد بن سيرين عن انس انه كان يكبر فى العيد تسعا فذكر مثل حديث عبدالله. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ عید میں نو تکبیریں کہتے تھے۔

عن جابر عن ابى جعفر انه كان يفتى بقول عبد الله فى التكبير فى العيدين. (ج ۲ ص ۱۷۶)

ابی جعفر سے مروی ہے کہ وہ عید کی تکبیرات کے بارے میں حضرت عبداللہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

عن هشام عن الحسن ومحمد انهما كانا يكبران تسع تكبيرات. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲)

حسن اور محمد سے روایت ہے کہ وہ دونوں نو تکبیرات کہتے تھے۔

عن ابن شيبانى عن الشعبى والمسيب قالا الصلوة يوم العيدين تسع تكبيرات خمس فى الاولى واربع فى الاخرة. (مصنف ابن ابی شیبہ)

شعبی اور میتب نے کہا عید کی نماز میں نو تکبیریں ہیں پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں۔

ان سعيد بن العاص ارسل الى ابن مسعود وحذيفة وابى موسى فسالهم عن التكبير فى العيد فاسندوا امرهم الى مسعود فقال تكبير اربعا قبل القراة ثم تقرا فاذا فرغت كبرت فركعت ثم تقوم

سعید بن العاص نے کسی کو حضرت ابن مسعود، حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری کی طرف بھیجا اور پوچھا کہ نماز عید میں کتنی تکبیریں ہیں؟ انہوں نے اس کے جواب کے لیے حضرت ابن مسعود کو اپنا نمائندہ بنایا آپ نے فرمایا: پہلی رکعت میں قرأت سے قبل چار

فی الثانیۃ فتقرا فاذا فرغت کبرت اربعا.
(بیہقی شریف ج ۳ ص ۲۹۰ باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعا)

تکبیریں کہو پھر قرأت کرو فارغ ہو کر تکبیر کہہ کر رکوع کرو پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاؤ اب پہلے قرأت کرو فارغ ہونے پر چار تکبیریں کہو۔

عن مکحول عن رسول ابی موسی وحذیفة عنھما عن رسول اللہ ﷺ ولم یسم الرسول وقال سوی تکبیرة الافتتاح والرکوع.
(بیہقی شریف ج ۳ ص ۲۹۰)

جناب مکحول بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری کے ایک پیغام لے جانے والے کی زبانی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جناب مکحول نے اس پیغام لے جانے والے کا نام نہ لیا۔ بہر حال فرمایا کہ حضور ﷺ نے تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ تکبیروں کا ذکر فرمایا۔

قارئین کرام! نو عدد آثار اس بات پر شاہد ہیں کہ اجلّہ صحابہ کرام نماز عید میں نو تکبیرات ادا فرمایا کرتے تھے اور اس کی تبلیغ بھی فرمایا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ان آثار کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قاصد کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے روایت کے راوی میں جہالت آ گئی جس وجہ سے یہ قابل استدلال نہ رہی لیکن یہ جہالت اس دور کی ہے جس میں ایسی جہالت مضر نہیں ہے۔ قرن اول میں یہ واقعہ ہوا۔ علاوہ ازیں ایک حدیث ایسی بھی مذکور ہے جس میں یہ جہالت بھی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشة جلیس لابی ھریرة ان سعید بن العاص سال ابا موسی وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی الضحی والفطر فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبرة علی الجنائز فقال حذیفة صدق وقال ابو موسی کذالک کنت اکبر بالبصرة حیث کنت علیھم قال وقال ابو عائشه وانا حاضر سعید بن العاص. (بیہقی شریف ج ۳ ص ۲۸۹)

مکحول کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ابو عائشہ نے خبر دی کہ سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اور حذیفہ بن الیمان سے پوچھا: حضور ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی کیسے تکبیرات کہا کرتے تھے؟ ابو موسیٰ نے فرمایا: جیسا کہ جنازہ میں آپ چار تکبیرات کہا کرتے تھے حذیفہ نے کہا: ٹھیک کہا ہے اور ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ جب میں بصرہ ہی میں مقرر تھا تو اس دوران میں بھی ایسے ہی تکبیرات کہا کرتا تھا۔ ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں اس گفتگو کے وقت سعید بن العاص کے پاس حاضر تھا۔

ان حالات میں جبکہ عیدین کی نماز میں تکبیرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ کسی ایک تعداد پر عمل کر لیا جائے تو اچھا ہے۔

اعتراض

تم احناف نے جو مصنف ابن ابی شیبہ کی روایات سے نو تکبیروں کا ثبوت پیش کیا ہے اور ثبوت بھی فقہائے صحابہ کے اعمال سے پیش کیا ہے۔ اگر چہ اس میں مولوی عطاء اللہ اہلِ حدیث کے چودہ تکبیرات نماز عید کے دعوے کی تردید ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ احناف کے قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی نماز عید میں زائد چھ تکبیروں کے قائل ہیں لہٰذا جب پہلی رکعت میں زائد تین تکبیرات کے ساتھ تکبیر تحریمہ کو ملایا جائے اور اسی طرح دوسری رکعت میں تین زائد تکبیروں کے ساتھ رکوع کی تکبیر کو ملایا جائے تو کل چار چار تکبیرات ہر رکعت میں بنتی ہیں لہٰذا کل آٹھ تکبیریں ہوئیں اور اسی پر احناف کا عمل ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی واضح روایات میں مذکور ہو چکا ہے کہ پہلی رکعت نماز عید میں پانچ اور دوسری میں چار تکبیریں فقہائے صحابہ کا معمول تھیں جو کہ کل نو بنتی ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ احناف کا عمل فقہائے صحابہ کے عمل کے خلاف ہے۔

جواب اول: ابھی آپ نے بیہقی کی روایات میں پڑھ لیا ہے کہ جب سعید بن العاص نے ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ ابن یمان سے سوال کیا کہ نبی پاک ﷺ نماز عید کی ہر رکعت میں کتنی تکبیریں پڑھتے تھے تو ابوموسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ وہ چار تکبیریں نماز جنازہ کی تکبیروں کے برابر پڑھتے تھے اور حذیفہ ابن یمان نے فرمایا کہ ابوموسیٰ اشعری نے سچ کہا ہے تو اس حدیث نے ثابت کر دیا کہ نبی پاک ﷺ کا معمول نماز عید کی تکبیرات میں وہی تھا جو نماز جنازہ میں تھا اور صحابہ کا بھی یہی معمول تھا جیسا کہ حذیفہ ابن یمان اور ابوموسیٰ اشعری کے کلام سے واضح ہے تو جب نبی پاک ﷺ کا نماز عید کی تکبیرات میں آٹھ تکبیرات کہنے کا معمول ہو تو پھر صحابہ کرام اور پھر فقہائے صحابہ آپ کے معمول کی کیسے مخالفت کر سکتے ہیں؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ احناف کا معمول نماز عید میں آٹھ تکبیرات پڑھنے کا سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے نہ کہ خلاف لہٰذا نو تکبیرات کا قول جو فقہائے صحابہ سے منقول ہے اس کی گنتی میں سننے والوں کو مغالطہ ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے احناف پر اعتراض کر دیا ہے اگر غور کرتے تو یہ اعتراض نہ کرتے کیونکہ نو تکبیرات میں یہ واضح طور پر گزرا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نو تکبیرات یوں پڑھتے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ تین زائد تکبیریں ملاتے۔ اس کے بعد قرأت کے بعد رکوع کے لیے تکبیر فرماتے تو اس طرح پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہوئیں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیرات زائد کے ساتھ تکبیر رکوع کو ملاتے تو یہ کل چار بن جاتی ہیں اور دونوں رکعتوں کی کل تکبیرات نو بن جاتی ہیں لہٰذا یہ نویں تکبیر رکوع کی تکبیر ہے باقی آٹھ ہی تکبیریں ہیں جو احناف کا معمول ہیں۔ اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول نماز عید میں آٹھ تکبیرات پڑھنے پر مصنف عبدالرزاق سے ملاحظہ فرمائیں۔

عبد الرزاق عن الثوری عن ابی اسحاق عن علقمة والا سود بن یزید ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا تسعا اربعا قبل القراة ثم کبر، فرکع، وفی الثانیة یقراء فاذا فرغ کبر اربعا ثم رکع. عبد الرزاق عن معمر عن ابی اسحاق عن علقمة والا سود ابن یزید قال کان ابن مسعود جالسا وعنده حذیفة وابو موسی الاشعری فسالهما سعید بن العاص عن التکبیرفی الصلاة یوم الفطر ولاضحی فجعل هذا یقول سل هذا، وهذا یقول، سل هذا فقاله حذیفة سل هذا عبد الله بن مسعود، فساله فقال ابن مسعود، یکبر اربعا ثم یقرا، ثم یکبر، فیرکع، ثم یقوم فی الثانیه فیقرا ثم یکبر اربعا بعد القراءة.

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۳ باب التکبیر فی الصلوۃ)

عبدالرزاق ثوری سے وہ ابواسحاق سے اور وہ علقمہ اور اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود عید کی دونوں نمازوں میں نو تکبیریں یوں پڑھتے تھے کہ چار قرأت سے پہلے پھر تکبیر کہتے تو رکوع فرماتے اور دوسری رکعت میں جب قرأت سے فارغ ہوتے تو چار تکبیریں کہتے تو پھر رکوع میں چلے جاتے۔ عبدالرزاق معمر سے اور وہ ابواسحاق سے اور وہ علقمہ بن اسود ابن یزید سے روایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حذیفہ اور ابوموسیٰ اشعری بھی موجود تھے تو ان دونوں سے سعید ابن العاص نے دونوں عیدوں کے دن نماز عید کی تکبیرات کے متعلق سوال کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے پر ڈال دیا کہ اس سے پوچھو۔ حذیفہ ابن یمان نے پھر کہہ دیا کہ تم عبداللہ ابن مسعود سے پوچھو جب اس نے عبد اللہ ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں چار تکبیریں کہے پھر قرأت کرے پھر تکبیر پڑھ کر رکوع کرے پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو قرأت کرے پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ نو تکبیرات والی روایات احناف کے مسلک کے خلاف نہیں بلکہ ان سے بھی مراد آٹھ ہی تکبیریں ہیں کہ جن کو

ہر رکعت میں چار چار تکبیرات کو ملا کر کہا جاتا ہے کہ جس میں چھ زائد تکبیریں اور دو تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع شامل ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۷۱- بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَافِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ

رمضان شریف میں تراویح اور اس کی فضیلت کا بیان

۲۳۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى بِصَلٰوتِهٖ نَاسٌ ثُمَّ كَثُرُوْا مِنَ الْقَابِلَةِ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا اللَّيْلَةَ الثَّالِثَةَ اَوِ الرَّابِعَةَ فَكَثُرُوْا فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْ قَدْ صَنَعْتُمُ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ اِلَّا اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ يُّفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَذَالِكَ فِيْ رَمَضَانَ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے انہیں عروہ بن زبیر نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ نے مسجد شریف میں نماز ادا فرمائی تو آپ کی نماز جیسی صحابہ کرام نے بھی نماز پڑھی پھر دوسرے دن صحابہ کرام بکثرت تشریف لائے پھر تیسری یا چوتھی رات اور زیادہ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ مسجد میں ان کی طرف تشریف نہ لائے جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے وہ سب کچھ جانا جو تم نے کل رات کیا۔ مجھے تمہاری طرف آنے سے صرف اس بات نے روکا کہ اگر میں نکلتا ہوں تو خطرہ تھا کہ یہ نماز (تراویح) تم پر فرض نہ کر دی جائے یہ رمضان میں ہوا۔

۲۳۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ قَالَتْ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلٰثًا قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ عَيْنَايَ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ.

ہمیں امام مالک نے سعید مقبری سے خبر دی انہیں ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور ﷺ کی رمضان شریف کی نماز کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ ادا فرمایا کرتے۔ آپ پہلے چار رکعت پڑھتے ان کے حسن وطول کے متعلق مت پوچھو کہ کیسا تھا؟ پھر چار اور ادا فرماتے ان کے حسن وطول کے بارے میں بھی مت پوچھو پھر تین رکعت ادا فرماتے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر ادا فرمانے سے قبل سوتے ہیں؟ فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

۲۳۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُرَغِّبُ النَّاسَ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ ابْنُ الشِّهَابِ فَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ ثُمَّ كَانَ

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے خبر دی کہ وہ ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ لوگوں کو رمضان شریف کی راتوں میں قیام کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن کسی لازم امر کا حکم نہ دیتے۔ فرمایا کرتے تھے جو بھی رمضان کی راتوں میں ایمان واحتساب سے قیام کرے گا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ

الْاَمْرُ فِیْ خِلَافَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذٰلِكَ.

دنیا سے پردہ فرما گئے اور رمضان شریف کی راتوں کے قیام کا معاملہ اسی طرح تھا پھر ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دور تک ایسے ہی رہا۔

۲۳۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ الشِّهَابِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ نِ الْقَارِیِّ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِیْ رَمَضَانَ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّی الرَّجُلُ فَيُصَلِّیْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَظُنُّنِیْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰی قَارِیٍ وَّاحِدٍ لَّكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰی اُبَیِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰی وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ فَقَالَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِیْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ يَقُوْمُوْنَ فِيْهَا يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے خبر دی وہ عروہ بن زبیر سے اور وہ عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب کے ہمراہ رمضان کی ایک رات نکلے تو دیکھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ رہے ہیں کوئی ایک تھا اور کسی کے ساتھ دو چار تھے۔ حضرت عمر نے دیکھ کر فرمایا میں چاہتا ہوں کہ یہ لوگ ایک قاری کے پیچھے کھڑے ہو کر اکٹھے نماز پڑھیں تو بہت اچھا ہوگا پھر ان کے لیے حضرت ابی بن کعب کو امام مقرر کر دیا پھر ایک مرتبہ میں حضرت عمر کے ساتھ نکلا اور لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھ کر آپ نے فرمایا: یہ بدعت کتنی اچھی ہے وہ نماز جس سے لوگ سو جاتے ہیں اس سے بہت بہتر ہے جو رات کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔ اس نماز سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رات کے آخر میں ہوتی ہے اور لوگ رات کے اول حصہ میں قیام کرتے تھے (یعنی نماز تراویح)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِالصَّلٰوةِ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَنْ يُّصَلِّیَ النَّاسُ تَطَوُّعًا بِاِمَامٍ لِاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ اَجْمَعُوْا عَلٰی ذٰلِكَ وَرَاَوْهُ حَسَنًا وَقَدْ رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَّمَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ.

امام محمد فرماتے ہیں اس تمام پر ہمارا عمل ہے۔ رمضان مبارک میں اگر لوگ امام کے ساتھ نفل (تراویح) ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق و اجماع کر لیا تھا اور اسے "حسن" بالاتفاق قرار دیا اور حضور ﷺ سے مروی بھی ہے کہ جسے مسلمان حسن قرار دیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے اور جسے مسلمان قبیح قرار دیں وہ عند اللہ بھی قبیح ہے۔

مذکورہ آثار و روایات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) حضور ﷺ نے رمضان شریف میں صرف تین دن لگاتار تراویح ادا فرمائیں لیکن ان کی تعداد رکعات صراحۃً مذکور نہیں۔ ہاں خبر احاد سے آٹھ اور بیس وغیرہ کا ثبوت ہے۔ آپ نے لگاتار نہ پڑھنے کی وجہ امت پر آسانی ارشاد فرمائی۔

(۲) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رمضان شریف اور غیر رمضان شریف میں آپ کی نماز کی رکعات گیارہ بیان فرمائیں اس سے مراد نماز تہجد ہے کیونکہ غیر رمضان شریف میں تراویح نہیں ہوتیں اس پر دلیل وہ الفاظ ہیں جن میں وتر ادا کرنے سے پہلے سونے کا حکم ہے تو معلوم ہوا کہ گیارہ رکعت آپ ﷺ سو کر پھر اٹھتے اور ادا فرمایا کرتے تھے۔

(۳) حضور نبی کریم رؤوف الرحیم ﷺ اپنی حیات ظاہری میں قیام رمضان شریف (تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن تعداد معین نہ فرمائی۔ اسی طریقہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابتدائی دور خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ بھی قائم رہے۔

(٤) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت کے اندر نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا اور حضرت ابی بن کعب کی امامت میں سب صحابہ کرام کو تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا اور اسے ''بدعت حسنہ'' فرمایا۔ بدعت اس لیے کہ حضور پُر نور رؤف رحیم ﷺ سے رمضان شریف کی ہر رات باجماعت تراویح اور قرآن سنانے کی صورت میں مروی نہیں اور حسنہ اس لیے کہ اسے حضرات صحابہ کرام نے پسند فرمایا اور ان کی پسندیدگی دراصل اللہ تعالیٰ کی پسند ہے اور یہ خوشخبری حضرت محمد ﷺ کی طرف سے ہے ''کہ جس نے اچھا طریقہ شروع کیا اس کا اجر اور اس پر تمام عمل کرنے والوں کا اجر شروع کرنے والے کو ملے گا'' لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کا ارشادِ گرامی ''کل بدعة ضلالة'' سے مراد بدعت سیّہ ہے اس لیے بدعت کی تقسیم بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی طرف درست ہے۔

(٥) کچھ لوگ نماز تراویح ادا کرنے کے بعد سو جاتے تھے اور تہجد نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے متعلق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز تہجد افضل ہے جس سے لوگ سو جاتے ہیں۔

(٦) تراویح باجماعت ادا کرنا اجماعی مسئلہ ہے اور مسلمانوں کے اتفاق و اجماع کی بدولت اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہ پسندیدہ ہے لہٰذا ہم احناف اسی پر عمل کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

بحث تراویح

تراویح کے سنت ہونے پر کسی کو اختلاف نہیں، اختلاف تعداد رکعت میں ہے۔ ائمہ ثلاثہ بیس رکعت کے قائل ہیں اور چوتھے امام حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ چھتیس رکعات کے قائل ہیں۔ ان چھتیس رکعات کے کئی احتمالات ہیں جنہیں ابن قدامہ مالکی نے ذکر کیا۔ مختصر یہ کہ بیس رکعات سے کم تراویح کا کوئی امام قائل نہیں ہے۔ صرف غیر مقلد آٹھ تراویح کے معتقد ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا عمل آٹھ تراویح ہی ہے۔ ہم اس بحث تراویح کو دو فصلوں میں ذکر کریں گے۔ فصل اول میں بیس رکعت تراویح کا ثبوت سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ سے پیش کیا جائے گا اور فصل ثانی میں آٹھ اور گیارہ کے قائلین غیر مقلدین کے دلائل بمعہ جوابات ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ

فصل اول

تین رات لگاتار رمضان شریف میں تہجد کے علاوہ رسول کریم ﷺ کا تراویح ادا فرمانا مذکور ہو چکا ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ تراویح، تہجد کے علاوہ نماز ہے۔ اسی موضوع پر ایک حدیث پاک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح کا ذکر ان الفاظ سے آیا ہے۔

حضور ﷺ تراویح کی بیس رکعات پڑھا کرتے تھے

حدثنا یزید بن هارون قال انا ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

(بحذف اسناد) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ رمضان شریف میں بیس رکعت اور وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔

انبانا ابو سعد الما لینی حدثنا ابو احمد بن عدی الحافظ حدثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز حدثنا منصور بن ابی مزاحم حدثنا ابو شیبہ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یصلی فی شهر رمضان غیر جماعة بعشرین رکعة و الوتر. (بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

(بحذف اسناد) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان کے مہینہ میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح رمضان شریف میں جماعت کے بغیر ادا فرمایا کرتے تھے۔

اعتراض

بیہقی شریف میں مذکورہ روایت کے بعد یہ الفاظ موجود ہیں ''تفرد به ابو شیبه ابراهیم بن عثمان عبسی الکوفی و هو ضعیف یعنی اس روایت کو صرف ابوشیبہ ابراہیم نے بیان کیا اور وہ ضعیف راوی ہے'' لہٰذا ضعیف ہونے کی وجہ سے بیس رکعت تراویح ثابت نہ ہوسکیں۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ تراویح کی رکعات کی معین تعداد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے لہٰذا کسی ضعیف کے حوالہ سے اعتراض بے فائدہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ بیہقی شریف نے ضعیف کہا' موضوع تو نہیں کہا اور تیسری بات یہ کہ ابوشیبہ ابراہیم کا ضعیف ہونا بالاتفاق نہیں ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

قال عباس الدوری عن یحیی بن معین قال قال یزید ابن هارون ماقضی علی الناس رجل یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه و کان یزید علی کتابته ایاما کان قاضیا.

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۵ لفظ ابراہیم)

یحییٰ ابن معین سے عباس دوری روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ ابن معین نے کہا کہ یزید ابن ہارون نے ان سے کہا ابراہیم بن عثمان سے بڑھ کر اس کے قضا کے زمانے میں کوئی عادل نہیں تھا اور اس کے قاضی ہونے کے زمانے میں یزید بن ہارون اس کے پاس چند روز کتابت کرتا رہا۔

مذکورہ عبارت نے واضح کر دیا کہ جراحین کے امام یحییٰ ابن معین یزید بن ہارون کا قول نقل کر کے ثابت کر دیا کہ ابراہیم بن عثمان بہت بڑا عادل تھا لہٰذا ابراہیم بن عثمان اگرچہ مختلف فیہ ہے لیکن اس کو صرف کسی کے ضعیف کہہ دینے سے اس کی روایت کو یکسر مردود قرار دینا یہ جائز نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ابراہیم بن عثمان کی طرح، ابراہیم بن حیہ بھی مختلف فیہ ہے اور اس کے متعلق یوں مذکور ہے۔

ونقل عثمان بن سعید الدارمی عن یحیی بن معین انه قال شیخ ثقة کبیر. (لسان المیزان ج ۱ ص ۵۳)

عثمان ابن سعید دارمی نے یحییٰ ابن معین سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا یحییٰ ابن حیہ بہت بڑا شیخ ہے جو ثقہ ہے۔

مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ یحییٰ ابن معین نے ابراہیم بن عثمان کو بہت بڑا عادل اور ابراہیم بن حیہ کو شیخ ثقہ کہا حالانکہ یہ دونوں مختلف فیہ ہیں اور ابن عدی نے ان دونوں میں ابراہیم بن عثمان کو افضل قرار دیا جیسا کہ کامل فی ضعفاء الرجال کے صفحہ نمبر ۲۴۱ ج ۱ میں یوں مذکور ہے ''فانه خیر من ابراهیم بن ابی حیة الذی تقدم ذکره یعنی ابراہیم بن عثمان، ابراہیم بن حیہ سے بہتر

ہے جس کا ذکر ابھی پہلے گزرا ہے"۔

حاصل کلام: یہ ہوا کہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے بیس رکعت تراویح والی روایت کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ روایت قوی اور ثقہ ہے جیسے ابھی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔

لمحۂ فکریہ: روایت کہ جس کے تمام رجال ایک کے سوا ثقہ ہیں اور وہ ایک بھی کم از کم مختلف فیہ اور حسن الحدیث ہو۔ ایسی روایات کے متعلق لوگوں کو اس وہم میں ڈالنا کہ یہ ضعیف ہے لہٰذا قابل عمل نہیں غلط اور اتہام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ قابل عمل ہے اور پھر مزید یہ کہ بیس رکعت تراویح پر حضرات صحابہ کرام کا اسناد صحیح کے ساتھ آثار کا موجود ہونا اس کو اور مضبوط کر دیتا ہے اس لیے مذکورہ اعتراض بے فائدہ اور لا حاصل ہے۔ اب ہم چند آثار صحابہ ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن یزید بن رمان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر ابن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة. (بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۹۶)

یزید بن رمان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ رمضان شریف میں تیئس رکعات ادا کرتے تھے (بیس تراویح تین وتر)۔

انبأ ابو الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة. (بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۹۶)

ہمیں ابوالخصیب نے خبر دی کہ سوید بن غفلہ رمضان شریف میں ہمیں پانچ ترویحات یعنی بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

روینا عن شتیر بن شکل و کان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعة فیوتر بثلاث فی ذالک قوة. (بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۹۶)

ہمیں شتیر بن شکل نے روایت کیا اور وہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان میں بیس رکعت پڑھایا کرتے اور تین وتر اور اس میں مضبوطی ہے۔

عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال و کان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم.

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۹۶) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

جناب ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلوایا پھر ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرو کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ خود بھی وتر پڑھتے تھے۔

عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعة. (مصنف ابن ابی شیبہ)

یحییٰ بن سعید سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

عن نافع ابن عمر قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

نافع ابن عمر کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ رمضان میں ہمیں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

عن حسن عبد العزیز بن رفعی قال کان ابی

مدینہ منورہ میں جناب ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت

بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث. تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

عن اسحاق عن الحارث انه کان یوم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع.

اسحاق بن حارث رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے تین وتر پڑھتے اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔

عن عطاء قال ادرکت الناس وهم یصلون ثلاثة وعشرین رکعة بالوتر.

عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت تیئس رکعت پڑھتے دیکھا۔

لمحہ فکریہ: صحابہ کرام کے آثار اگرچہ کتب روایات میں بکثرت موجود ہیں لیکن پھر بھی نو آثار جو ہم نے ذکر کر دیئے ہیں ان میں حضرت عمر بن الخطاب، علی المرتضیٰ، ابی بن کعب اور دیگر حضرات صحابہ کرام کے آثار بیس رکعت پڑھتے پڑھانے والے ہیں۔ کیا ان حضرات کو آٹھ، گیارہ والی روایات نہ ملی تھیں۔ کیا ان کا عمل بدعت سئیہ کے زمرے میں آتا ہے؟ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت تراویح با جماعت شروع کرانے پر صحابہ کرام نے اعتراض کی بجائے خوشی سے ان میں شرکت فرمائی لیکن آج کل کے غیر مقلد ڈٹ کر مخالفت کرتے ہیں کیا اس وقت کے موجود صحابہ کرام میں اتنی ایمانی قوت بھی نہ تھی کہ وہ غلط بات پر خاموش بلکہ رضامند رہے؟ اس لیے اگر کوئی غیر مقلد بیس رکعت تراویح پڑھانے پڑھنے والے اہل سنت کو بدعتی کے نام سے یاد کرتا ہے تو یہ جرم ہم نے نہیں بلکہ صحابہ کرام نے کیا تھا۔ (معاذ اللہ) لہٰذا انہیں "بدعتی" کہا جائے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

فصل دوم

غیر مقلدوں کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:

عن ابی سلمة قال سالت عائشة رضی الله عنها کیف کان صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ماکان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرة رکعة. (بیہقی شریف ج ۲ ص ۴۹۵ مطبوعہ دکن حیدر آباد)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: حضور ﷺ کی ماہ رمضان میں نماز کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا: حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ادا فرماتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ گیارہ رکعت میں سے آٹھ تراویح اور تین وتر تھے، اس لیے آٹھ تراویح ہی سنت ہے، بیس رکعت خلاف سنت ہے۔

جواب اول: آٹھ رکعت تراویح ثابت کرتے ہوئے ان بے چارے غیر مقلدوں کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس طرح تو وتر کی تین رکعت ہم نے تسلیم کر لی ہیں حالانکہ وہ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ جب ان کے ہاں وتر ایک رکعت ہیں تو پھر ان گیارہ میں سے ایک وتر اور دس تراویح ثابت ہوئیں۔ آٹھ کی بات تو پھر ادھوری رہ گئی لہٰذا اس روایت سے ان کے مسلک کے پیش نظر اٹھ تراویح ثابت نہیں ہوتیں۔

جواب دوم: یہ ہر شخص جانتا ہے کہ تراویح کا تعلق صرف رمضان شریف کے ساتھ ہے بقیہ گیارہ مہینوں میں یہ نماز نہیں ہوتی۔ اسے

غیر مقلد بھی تسلیم کرتے ہیں لہٰذا روایت مذکورہ میں جب رمضان شریف اور غیر رمضان شریف دونوں میں گیارہ رکعت پڑھنا سیدہ عائشہ بیان فرما رہی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسی نماز ہے جو رمضان وغیر رمضان میں پڑھی جاتی تھی' یہ نماز، نماز تہجد ہے۔ گفتگو تہجد میں نہیں بلکہ تراویح کے آٹھ یا بیس ہونے میں ہو رہی ہے۔ اگر اس روایت سے تراویح آٹھ ثابت کرتا ہے تو پھر پورے سال آٹھ تراویح تسلیم کرنا پڑے گا علاوہ ازیں اسی روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عرض کرنا ہے آپ وتر سے پہلے نیند فرماتے ہیں؟ جس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: میرا دل جاگتا ہے اور سوتی صرف آنکھیں ہیں۔ یہ سوال و جواب اس بات کی دلیل ہے کہ گفتگو نماز تہجد کے بارے میں ہو رہی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے بھی اس لیے فرمایا کہ وہ نماز کہ جس کو ادا کر کے سو جاتے ہیں اور دوسری نماز سوتے میں گزار دیتے ہیں یہ بہتر ہے اس بہتر سے مراد نماز تہجد تھی اور پڑھ کر سو جانے والی تراویح تھی لہٰذا روایت مذکورہ کو تراویح پر محمول کرنا درست نہ ہوا۔

جواب سوم: روایت مذکورہ کو امام ترمذی نے قیام رمضان کے باب میں ذکر نہ فرمایا بلکہ قیام اللیل میں ذکر فرمایا اور قیام اللیل سے مراد نماز تہجد ہی ہے۔ اگر یہ روایت نماز تراویح کے بارے میں ہوتی تو اسے امام ترمذی قیام اللیل کے ضمن میں ذکر نہ فرماتے۔ قیام اللیل کے بارے میں روایات ذکر کرتے ہوئے امام موصوف فرماتے ہیں۔

واختلف اہل العلم فی قیام رمضان فرای بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وھو قول اھل المدینة والعمل علی ھذا عندھم بالمدینة واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعة وھو قول اھل الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلادنا بمکة یصلون عشرین رکعة. (ترمذی شریف ج ا ص ۹۹ باب ماجاء فی قیام شھر رمضان مطبوعہ امین کمپنی دہلی)

اہل علم کا نماز تراویح میں اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ وتروں سمیت اکتالیس رکعت پڑھی جائیں۔ یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی پر ان کا عمل بھی ہے اور اہل علم کی اکثریت اس پر ہے جو حضرت علی و عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وہ یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں اور یہی امام سفیان ثوری، ابن المبارک اور شافعی کا قول ہے اور شافعی کہتے ہیں کہ میں نے اسی پر اہل مکہ کو پایا وہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

دلیل دوم:

عن محمد ابن یوسف عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری رکعة قال وکان القاری یقرا فی المئتین حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الافی فروع الفجر. (موطا امام مالک ج ا ص ۶۸)

حضرت عمر بن الخطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کرو اور قاری سو آیتوں والی سورت کی تلاوت کرتا۔ اور ہم طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے اور ہم طلوع فجر کے قریب گھروں کو لوٹتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دو جلیل القدر صحابہ کو گیارہ رکعت (تین وتر آٹھ تراویح) پڑھانے کا حکم اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان حضرات نے آٹھ تراویح پڑھائیں اور موجود صحابہ کرام نے آٹھ پڑھیں لہٰذا اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا کہ تراویح آٹھ رکعت ہیں بیس رکعت کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

زمانۂ فاروقی میں تراویح بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں

جواب اول: روایت مذکورہ کے راوی جناب سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے ہی بیس رکعت تراویح والی روایت مروی ہے' ملاحظہ ہو۔

عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرؤون بالمئين وكانوا يتوكون على عصيهم فى عهد عثمان بن عفان رضى الله عنه من شدة القيام.

(بیہقی شریف ج۲ص۴۹۶)

سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ ماہ رمضان میں بیس رکعت ادا کرتے تھے نیز کہا کہ نماز پڑھانے والے قاری وہ سورتیں پڑھتے تھے جن میں سو کے لگ بھگ آیات ہیں۔لوگ حضرت عثمان غنی کے دور میں اپنی اپنی لاٹھی پر ٹیک لگالیا کرتے تھے کیونکہ انہیں بہت دیر کھڑا ہونا پڑتا تھا۔

انہی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے اسی سند کے ساتھ جس کے اندر گیارہ رکعت کا ذکر ہے' اکیس رکعت کا ذکر بھی آیا ہے۔ملاحظہ ہو۔

روى مالك هذا الحديث عن محمد ابن يوسف عن السائب بن يزيد الى قوله مالك فى هذا الحديث احدى عشرة ركعة وغيره يقول فيه احدى وعشرين وقدروى الحارث بن عبد الرحمن بن ابى زباب عن السائب بن يزيد قال كنا ننصرف من القيام على عهد عمر بن الخطاب وقد فرغنا فروع الفجر وكان القيام على عهده بثلاث وعشرين ركعة.

(التمہید ج۸ص۱۱۵مکتبہ قدوسیہ لاہور)

امام مالک نے یہ حدیث محمد ابن یوسف سے انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کی۔اس میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے اور دوسرے محدثین کرام اکیس رکعت بیان کرتے ہیں۔حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی الزباب نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں نماز تراویح سے اس وقت فارغ ہوتے جب صبح صادق ہونے کے قریب ہوتی ان کے دور خلافت میں نماز تراویح تئیس رکعت تھیں (بیس رکعت تراویح اور تین وتر)۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے سائب بن یزید سے مروی روایت کے بعد معایۂ روایت بھی ذکر فرمائی ہے۔

عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة.

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان شریف میں تئیس رکعت تراویح پڑھتے تھے (بیس تراویح تین وتر)۔

(موطاامام مالک ج۱ص۹۸ باب ماجاء فی قیام رمضان)

مختصر یہ کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے گیارہ، اکیس، تئیس کی روایات موجود ہیں۔ان میں سے گیارہ والی روایت کی تائید وتصدیق کسی دوسرے واسطہ سے نہیں لیکن بیس رکعت تراویح کی متعدد طرق سے تصدیق موجود ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ گیارہ رکعت والی روایت شاذ ہے۔

جواب دوم: جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کی حضرات صحابہ کرام کا متفقہ معمول تھا لہٰذا اگر گیارہ رکعت والی روایت کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر عمل صحابہ کرام اس کا ناسخ ہوگا۔موطا امام مالک میں موجود ہے کہ قاری نے جب آٹھ تراویح پڑھائیں پھراس کے بعد بارہ پڑھائیں تو لوگوں کو بارہ میں تخفیف معلوم ہوئی لہٰذا بیس رکعت میں مزید تخفیف ہوگی۔اس لیے کہا جاسکتا

ہے کہ صحابہ کرام نے اگر چہ آٹھ یا دس تراویح پڑھیں لیکن ان کا لگا تار عمل بیس تراویح ہی ثابت ہے چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

ويمكن الجمع بين الروايتين فانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم كانوا يقومون بعشرين ويؤترون بثلاث. (بیہقی شریف ج۲ص۴۹۶)

دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھنے پر دوام اختیار فرمایا۔

گویا حضرات صحابہ کرام نے ابتداً اگر چہ آٹھ یا دس رکعت تراویح پڑھی ہیں لیکن ان کا لگا تار اور آخری عمل بیس تراویح اور تین وتر تھا۔

جواب سوم: گیارہ رکعت والی روایت کے متعلق ان غیر مقلدین کے امام نام نہاد مقلد ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

قال ابن التيمية الحنبلي اعلم انه لم يوقت رسول الله ﷺ في التراويح عددا معينا. ومن ظن ان قيام رمضان فيه عدد معين موقت عن النبي ﷺ لايزيد ولا ينقص فقد اخطاء. (مرقات شرح المشکوٰۃ ج۳ص۱۹۳)

ابن تیمیہ حنبلی کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ سے نماز تراویح کے بارے میں کوئی معین تعداد رکعت منقول نہیں اور جو یہ گمان رکھتا ہو کہ رمضان شریف میں تراویح کی تعداد حضور ﷺ سے نماز تراویح کے بارے میں مقرر معین فرمادی نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم ہو سکتی ہے تو ایسا گمان رکھنے والے نے خطا کی۔

ابن تیمیہ نے نماز تراویح کی رکعت کی تعیین کا ثبوت حضور ﷺ کی طرف کرنے والے کو خطا کار کہہ کر یہ بتادیا کہ گیارہ، اکیس، تیئس وغیرہ تعداد ہر ایک کی روایت ہے اس لیے یہ کہنا کہ آٹھ تراویح والی ہی صحیح ہے بالکل غلط ہوا۔ اسی مقام پر ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

عن السائب بن يزيد قال المولف حضر حج الوداع ابيه وهو ابن السبع سنين قال امر عمر ابي بن كعب وتميما الداري بالتشديد نسبة الى الدار ان يقوما للناس وفي نسخة بالناس اي يكون هذا اما ماتارة والاخر اخرى وهو يحتمل ان تكون المناوبة في الركعات الليالي والنساء على سليمان في رمضان اي لياله باحدى عشر ركعة اي في اول الامر لما قال ابن عبد البرهذه الرواية وهم والذى صح انهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة. (مرقات شرح المشکوٰۃ ج۳ص۱۹۲)

سائب بن یزید مؤلف ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ اپنے والد کے ساتھ سات سال کی عمر میں حج الوداع میں شریک ہوئے تھے۔ سائب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو فرمایا کہ لوگوں کو رمضان شریف میں گیارہ رکعت پڑھاؤ یعنی باری باری امام بن کر یا آدھی آدھی نماز میں مختلف راتوں میں دونوں تراویح پڑھاؤ اور گیارہ رکعت کا حکم ابتداً تھا کیونکہ عبدالبر کا کہنا ہے کہ یہ گیارہ رکعت والی روایت وہم ہے اور صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں قیام رمضان بیس رکعت تھا۔

ثبت العشرون في زمن عمروفي الموطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وروى البيهقي في المعرفة عن سائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر قال النووى

بیس تراویح حضرت عمر بن الخطاب کے دور میں ثابت ہیں۔ موطا امام مالک میں یزید بن رومان سے ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں لوگ تیئس رکعت پڑھتے تھے۔ بیہقی نے ''المعرفۃ'' میں ذکر کیا کہ سائب بن یزید نے کہا حضرت عمر کے دور خلافت میں ہم بیس رکعت تراویح اور وتر کا قیام کرتے تھے۔ نووی نے ''خلاصہ''

فی الخلاصہ اسنادہ صحیح وفی الموطاروایة باحدی عشرة وجمع بینهما بانه وقع اولاثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث. اجمع الصحابة ان التراویح عشرون رکعة.

(مرقات شرح المشکوٰۃ ج۳ص۱۹۴)

میں کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور موطا امام مالک میں گیارہ والی روایت بھی ہے۔ان دونوں روایات کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ گیارہ رکعت شروع شروع میں پڑھی گئیں پھر بیس تراویح پر بات پکی ہو گئی۔حضرات صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے۔

الحاصل: جب سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعت نماز تراویح شروع ہوئی اس وقت بھی صحابہ کرام نے اسی پر اجماع فرمایا تھا اور اس کے بعد سے تمام امت اسی پر قائم ہے اور اجماع صحابہ و امت مسلمہ کا صدیوں سے ایک عمل اس بات کی دلیل ہے کہ بیس رکعت تراویح ہی اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۷۲- بَابُ الْقُنُوْتِ فِی الْفَجْرِ

صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کا بیان

۲۳۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا یَقْنُتُ فِی الصُّبْحِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا بھی اسی پر عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

بحث قنوت فی الفجر

قنوت یعنی دعائے قنوت جو صرف وتر کی نماز میں پڑھی جاتی ہے اسے سب تسلیم کرتے اور پڑھتے ہیں۔ایک اور دعائے قنوت جو صبح کے فرضوں میں دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھی گئی۔اسے قنوت نازلہ کہتے ہیں۔قنوت نازلہ سرکار دوعالم ﷺ نے چند دن آفت اور مصیبت کے پیش نظر پڑھی پھر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا اور یوں اسے منسوخ کر دیا گیا۔اس لیے اب اس قنوت نازلہ کا صبح کی نماز میں پڑھنا جسے غیر مقلد پڑھتے ہیں ہمارے ہاں مکروہ اور خلاف سنت ہے۔غیر مقلد اس کی منسوخیت کے قائل نہیں۔اس بحث میں دو اقسام کے دلائل کا ذکر ہوگا جو اس کے چند دن پڑھنے پھر اس کے بعد منسوخ کر دینے پر ہیں جن کی بنا پر اب صبح کی فرضی نماز میں اس کا پڑھنا خلاف سنت ہے۔

چند ایام تک قنوت نازلہ پڑھنے کے دلائل

عن انس قنت رسول الله ﷺ فی صلوة الصبح شهرا بعد الرکوع. عن انس قال انما قنت رسول الله ﷺ فی صلوة الصبح شهرا یدعو علی زعل وذکوان. عن انس قال انما قنت رسول الله ﷺ شهرا یدعو علی الناس قتلوا اناسا من اصحابه یقال لهم قراء. عن ابراهیم قال انما قنت رسول الله ﷺ ایاما. قال عبد الله بن مسعود قدعلموا ان النبی ﷺ انما قنت شهرا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں صرف ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے نماز صبح میں زعل اور ذکوان قبیلے کے خلاف قنوت صرف ایک مہینہ پڑھی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کے خلاف ایک مہینہ قنوت پڑھی جنہوں نے چند مسلمانوں کو جنہیں ''قاری القرآن'' کہا جاتا تھا، قتل کر دیا تھا۔ابراہیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۰)

ﷺ نے کچھ دن فتوحات پڑھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی' ایک ماہ پڑھنے کے بعد اس کو ترک کر دیا۔

حضور ﷺ نے چند دنوں کے لیے نماز فجر میں قنوت پڑھی

اخبرنی سعید بن المسیب وابو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف انهما سمعا اباهريرة يقول كان رسول الله ﷺ يقول حين يفرغ من صلوة الفجر من القراءة ويكبر ويرفع راسه سمع الله لمن حمده ربنا ولک الحمد ثم يقول وهو قائم اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ابی ربيعة والمستضعفين عن المؤمنين اللهم اشدد وطئک علی مضر واجعلها عليهم کسنی يوسف اللهم العن لحيان وذعل وذکوان وعصية عصت الله ورسوله ثم بلغنا انه ترک ذالک لما انزل ليس لک من الامر شیء اويتوب عليهم اويعذبهم فانهم ظالمون. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷)

مجھے سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ہم دونوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں قرأت سے فارغ ہو کر رکوع کر کے جب سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر اٹھتے تو قیام کی حالت میں آپ یوں کہتے اے اللہ! ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مؤمنوں کو نجات دے۔ اے اللہ! مضر پر اپنی سختی نازل فرما اور انہیں حضرت یوسف کے دور ایسی قحط سالی میں گرفتار فرما۔ اے اللہ! لحیان ،زعل ، ذکوان اور عصیہ پر سے رحمت پھیر لے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے پھر ہمیں یہ بات بھی پہنچی کہ جب آیت کریمہ لیس لک من الامر شیء الایہ نازل ہوئی تو سرکار دوعالم ﷺ نے مذکورہ دعا چھوڑ دی تھی۔

حضور ﷺ نے ایک ماہ سے زیادہ قنوت نہیں پڑھی

عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال لم يقنت النبی ﷺ الا شهرا لم يقنت قبله ولا بعده. عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قنت رسول الله ﷺ شهرا يدعو علی العصی وذکوان ولما ظهر عليهم ترک القنوت وکان ابن مسعود رضی الله عنه لا يقنت فی صلوة الغداة قال ابو جعفر فهذا ابن مسعود رضی الله عنه يخبر ان قنوت رسول الله ﷺ الذی کان انما کان من اجل من کان يدعو عليه وانه قد کان ترک ذالک فصار القنوت منسوخا فلم يکن هو من بعد رسول الله ﷺ يقنت وکان احد من روی ذالک ايضا عن رسول الله ﷺ عبد الله بن مسعود رضی الله عنهما ثم قد اخبرهم ان الله عزوجل نسخ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف ایک مہینہ (عصیہ اور ذکوان) پر قنوت پڑھی نہ اس سے پہلے اور نہ ہی اس کے بعد پڑھی تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مہینہ عصیہ اور ذکوان پر قنوت پڑھی پھر جب ان پر غالب آئے تو قنوت کو ترک کر دیا۔ خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قنوت پڑھنا بددعا کے طور پر تھا پھر آپ نے اسے ترک فرما دیا لہٰذا قنوت منسوخ ہو گئی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قنوت نہ پڑھی۔ قنوت پڑھنے کی روایت کرنے والوں میں سے ایک خود حضرت ابن عمر بھی ہیں۔ انہوں نے دوسرے حضرات کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آیت لیس لک من الامر شیء الایۃ نازل فرمائی تو قنوت کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا۔

ذالک حین انزل علی رسول الله ﷺ لیس لک من الامر شیء اویتوب علیهم اویعذبهم فانهم ظالمون. (طحاوی شریف ج۱ص۲۴۵)

روی ابن مسعود رضی الله عنه وجماعة من الصحابة رضی الله عنهم ان النبی ﷺ قنت فی صلوة الفجر شهرا کان یدعوا فی قنوته علی ذعل وذکوان یقول اللهم اشدد وطنک علی مضرو اجعل علیهم سنین کسنی یوسف ثم ترکه وکان منسوخادل علیه انه روی انه ﷺ کان یقنت فی صلوة المغرب کما فی صلوة الفجر وکان منسوخا بالاجماع.

(البدایۃ والنھایہ ج۱ص۳۷۲مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن مسعود اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے صبح کی نماز میں ایک مہینہ قنوت پڑھی۔آپ اس میں ذعل اور ذکوان کے لیے بددعا کرتے تھے کہتے تھے۔اے اللہ!مضر پر اپنی گرفت سخت کردے اور انہیں سالوں کے قحط میں ڈال جس طرح یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط آیا تھا پھر آپ نے قنوت پڑھنا ترک کر دیا لہٰذا وہ منسوخ ہے۔اس کے منسوخ ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ صبح کی طرح نماز مغرب میں بھی قنوت پڑھتے تھے اور یہ بالاجماع منسوخ ہے۔

مسلم شریف،طحاوی شریف اور البدایۃ والنہایہ کی عبارات آپ نے ملاحظہ فرمائیں جن میں صراحۃً قنوت نازلہ کے منسوخ ہو جانے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی اس کے ناسخ کا بھی ذکر ہے۔علاوہ ازیں یہ قنوت جس مقصد کے لیے تھی اللہ تعالیٰ نے وہ عطا فرمادیا اور مقصد کے حاصل ہونے سے قبل صبح کی طرح نماز مغرب میں بھی آپ سے اس کا پڑھنا مروی ہے۔جب مغرب میں قنوت کا پڑھنا اب غیر مقلد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ منسوخ ہے اس لیے انہیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ قنوت نازلہ ایک مہینہ تک پڑھی جانے کے بعد چھوڑ دینے کی وجہ سے متروک ومنسوخ ہوگئی ہے۔

صبح کی نماز میں اب قنوت نازلہ پڑھنا بدعت ہے

عن ابی مالک الاشجعی عن ابیه قال صلیت خلف رسول الله ﷺ فلم یقنت وصلیت خلف ابی بکر فلم یقنت وصلیت خلف عمر فلم یقنت وصلیت خلف عثمان فلم یقنت وصلیت خلف علی فلم یقنت ثم قال یابنی انها بدعة.

(نسائی شریف ج۱ص۱۶۴اترک القنوت)

ابو مالک اشجعی اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی آپ نے قنوت نہ پڑھی اور میں نے ابوبکر صدیق،عمر بن الخطاب،عثمان غنی اور علی المرتضیٰ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں۔ان حضرات نے بھی قنوت نازلہ نہ پڑھی پھر کہا:اے بیٹے!یہ بدعت ہے۔

قال انا ابومالک الاشجعی سعد بن طارق قال قلت لابی یا ابت انک قد صلیت خلف رسول الله ﷺ وخلف ابی بکر وخلف عمر وخلف عثمان وخلف علی رضی الله عنهم ههنا بالکوفة قریبا من خمس سنین افکانوا یقنتون فی الفجر فقال ای بنی محدث.

ابو مالک اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا:اباجان!آپ نے حضور ﷺ،ابوبکر،عمر،عثمان اور علی المرتضیٰ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔کوفہ میں تقریباً پانچ سال حضرت علی کے پیچھے نمازیں پڑھیں کیا یہ حضرات صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟فرمایا:اے بیٹے!یہ بدعت ہے۔

(طحاوی شریف ج ا ص ۲۴۹ باب قنوت فی صلوٰۃ الفجر وغیرھا)

قال سعید بن جبیر قال اشهد انی سمعت ابن عباس یقول ان القنوت فی صلوۃ الصبح بدعة.
(دارقطنی ج ۲ ص ۴۱ باب صفت القنوت وبیان موضعھا)

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے سنا کہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

اخرجه ابن عدی فی الکامل عن بشر بن حرب عن ابن عمر انه ذکر القنوت فقال والله انها بدعة ماقنت رسول الله ﷺ غیر شهر واحد.
(نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۳۰ باب صلوٰۃ الوتر)

الکامل میں ابن عدی نے بشر بن حرب سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا خدا کی قسم! قنوت بدعت ہے۔ حضور ﷺ نے ایک مہینہ کے سوا قنوت نازلہ نہیں پڑھی۔

مذکورہ روایات میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھنے کے بعد اب اسے لگاتار پڑھنا بدعت ہے یعنی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ایک ماہ کی طرح اب ہمارے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں صبح کی نماز کے اندر قنوت نازلہ پڑھنا سنت ہے تو یہ کہنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے اور اس کا بدعت ہونا مکمل تاکید کے ساتھ مذکور ہے۔ حضور ﷺ نے مخصوص حالت میں اسے اختیار فرمایا۔

عن انس رضی الله عنه ان النبی ﷺ کان لا یقنت الا اذا دعالقوم اودعا علی قوم وکانه محمول علی مابعد الرکوع بناء علی ان المراد بالحصر فی قوله انما قنت شهرا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی قوم پر بددعا یا دعا کے لیے قنوت پڑھی۔ گویا وہ رکوع کے بعد ہے۔ اس کا دارومدار اس حصر پر ہے جو کہا آپ نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۳ باب القنوت قبل الرکوع وبعدھا)

ابن حجر عسقلانی جنہیں غیر مقلد بھی اپنا امام تسلیم کرتے ہیں' نے صاف صاف لکھ دیا کہ قنوت نازلہ حضور ﷺ نے دائمی طور پر نہیں پڑھی بلکہ بوقت ضرورت اس کو پڑھا اور ضرورت کے بغیر بھی ہر وقت اس کو پڑھنا بدعت ہوگا۔ مخصوص حالت اور مخصوص وقت تک اس کے پڑھنے پر چند اور حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف چالیس دن قنوت نازلہ پڑھی۔ اس میں آپ عصیٰ اور ذکوان وغیرہ پر لعنت کرتے تھے۔ ان ایام کے بعد آپ نے وصال شریف تک اسے نہیں پڑھا۔ حماد، ابراہیم سے وہ علقمہ سے بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق نے تا وصال قنوت نازلہ نہیں پڑھی۔ (جامع المسانید ج ا ص ۳۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بیئر معونہ کے شہداء کے قاتلین پر تیس دن بددعا کی رعل، ذکوان، لحیان اور عصیٰ کا نام لے کر جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ حضرت انس ہی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیئر معونہ کے شہداء کے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں جسے ہم نے پڑھا پھر وہ منسوخ ہوگیا۔ نازل یہ ہوا تھا کہ ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۳۳۶ احادیث القنوت)

ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن زبیر اور ابومالک اشجعی رضی اللہ عنہم قنوت نازلہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی پڑھنا جائز قرار دیتے تھے۔ ہم نے ابن عمر اور ابن عباس سے یہ بھی ذکر

کیا کہ قنوت نماز صبح میں پڑھنا بدعت ہے۔ یہ بھی ہم نے ذکر کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قنوت پڑھنے والے پر انکار کرتے تھے۔ حضرات تابعین کرام میں سے ہم نے ذکر کیا کہ عمرو بن میمون، اسود، شعبی، شعیب بن جبیر، ابراہیم اور طاؤس بھی قنوت نازلہ نہیں پڑھتے تھے۔ طاؤس نے کہا کہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔ زہری سے حکایت کی گئی ہے اور وہ ائمہ جو قنوت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد، عبداللہ بن مبارک، احمد، اسحاق اور لیث بن اسد ہیں۔ اگر تو یہ اعتراض کرے جو ذکر کیا گیا۔ اس میں اثبات اور نفی دونوں امور ہیں اور قانون یہ ہے کہ جب مثبت اور منفی میں تعارض ہو تو مثبت مقدم ہوتا ہے۔ میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ہم یہاں تعارض کے قائل نہیں ہیں کہ مثبت پر عمل کو ترجیح دیں بلکہ ہم نسخ کے مدعی ہیں جیسا کہ ہم اس کی توجیہ ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے نسخ ہونے کے قائل امام زہری بھی ہیں واللہ اعلم۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۳۳ باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ)

عاصم بن سلیمان سے کہ ہم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ لگاتار صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے۔ (کیا یہ درست ہے؟) فرمایا جھوٹ بولتے ہیں آپ نے تو صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی۔
(زادالمعاد ج ۱ ص ۲۶۱ بمع زرقانی ج ۲ شرح مواہب للدنیہ)

خلاصہ یہ کہ قنوت نازلہ نبی کریم ﷺ نے کچھ دن صبح کی نماز میں پڑھی پھر اس کا پڑھنا منسوخ ہو گیا جس کی وجہ سے بعد میں نہ ہی آپ نے اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین کرام نے قنوت نازلہ پڑھی اس لیے اب اسے لگاتار اور بے موقع و محل پڑھنا بدعت ہے۔

وتر میں تیسری رکعت کے رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کے دلائل

عن ابراهيم عن الاسود ابن يزيد ان ابن عمر قنت فی الوتر قبل الركوع. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۲ فی قنوت قبل الرکوع اوبعدہ کتاب الصلوٰۃ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وتر میں (تیسری رکعت کے) رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔

عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابيه قال كان ابن مسعود لايقنت فی شیء من الصلوة الافی الوتر قبل الركوع. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر میں (تیسری رکعت) کے رکوع سے قبل ہی قنوت پڑھا کرتے تھے' کسی اور نماز اور حالت میں نہیں۔

عن عمر بن زر عن ابيه رفعه انه كان يقنت فی الوتر قبل الركوع.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۲)

عمر بن زر اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ وہ وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

عن علقمة ان ابن مسعود واصحاب النبی ﷺ كانوا يقنتون فی الوتر قبل الركوع.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۲)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود اور حضور ﷺ کے دیگر صحابہ کرام وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

عن عبد الله عن النبی ﷺ كان يقنت فی الوتر قبل الركوع قال ثم ارسلت امی ام عبد فباتت عند نسائه فاخبرتنی انه قنت فی الوتر قبل الركوع.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۲)

عبد اللہ (بن مسعود) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے، کہتے ہیں میں نے اپنی والدہ ام عبد کو بھیجا۔ انہوں نے رات ازواج مطہرات کے ہاں بسر کی پھر مجھے بتایا کہ ازواج مطہرات نے مجھے خبر دی کہ آپ ﷺ نے وتر اور رکوع سے قبل قنوت پڑھی۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال رمقت رسول اللہ ﷺ فی الوتر فرایتہ قنت فی الوتر قبل الرکوع. (جامع المسانید ج ا ص ۳۲۲)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو وتر پڑھتے غور سے دیکھا تو مجھے یہ نظر آیا کہ آپ نے رکوع سے قبل قنوت پڑھی۔

ان تمام حدیث و روایات سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ وتروں میں دعائے قنوت روزانہ پڑھتے تھے۔ صرف رمضان شریف کے ساتھ یہ کیفیت مخصوص نہ تھی جیسا کہ غیر مقلد کہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ آپ تیسری رکعت کے رکوع سے قبل پڑھتے تھے اس میں بھی غیر مقلد اختلاف کرتے ہیں۔ وہ رکوع کرنے کے بعد قیام کی حالت میں اس کے قائل ہیں۔ بہر حال احادیث صحیحہ احناف کے مسلک کی بھرپور تائید کرتی ہیں۔ احناف کا مسلک صرف قیاسی نہیں کہ اسے اس بہانہ سے چھوڑ دیا جائے بلکہ اس پر احادیث شاہد ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۷۳- بَابُ فَضْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فِی الْجَمَاعَةِ وَأَمْرِ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ

نماز فجر اور اس کی دو سنتوں کی فضیلت کے بیان میں

۲۳۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ سُلَيْمٰنَ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانُ بْنُ اَبِیْ حَثْمَةَ فِیْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَاَنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَى السُّوْقِ وَكَانَ مَنْزِلُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ وَالْمَسْجِدِ وَمَرَّ عُمَرُ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمَانَ الشِّفَاءَ فَقَالَ لَمْ اَرَ سُلَيْمَانَ فِی الصُّبْحِ فَقَالَتْ بَاتَ يُصَلِّیْ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے ابن شہاب نے خبر دی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو نماز فجر کی جماعت سے غیر حاضر پایا صبح اٹھ کر حضرت عمر بازار گئے اور سلیمان کا گھر مسجد اور بازار کے درمیان تھا۔ حضرت عمر نے سلیمان کی والدہ الشفاء سے گزرتے وقت پوچھا کیا ہوا مجھے نماز فجر میں سلیمان نظر نہیں آیا؟ کہنے لگیں رات بھر اس نے یاد خدا میں قیام کیا' صبح کے وقت اس کی آنکھ لگ گئی۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: نماز فجر میں شامل ہونا رات بھر قیام سے میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲۳۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بَدَاَ الصُّبْحُ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ تُقَامَ الصَّلٰوةُ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی انہیں ابن عمر نے سیدہ حفصہ سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ موذن کے اذان صبح دے کر خاموش ہو جانے کے بعد دو خفیف (مختصر) سی رکعتیں (سنتیں) ادا فرماتے اور یہ دو رکعت جماعت کھڑی ہونے سے پہلے ادا فرماتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَلرَّكْعَتَانِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يُخَفَّفَانِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی یہی عمل ہے کہ صبح کی دو سنتیں مختصر پڑھنی چاہئیں۔

مذکورہ روایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رات بھر نفلی عبادت کرتے رہنے کی وجہ سے اگر صبح کی جماعت چھوڑ گئے تو یہ عمل ناپسندیدہ ہے لہٰذا جو لوگ رات بھر جلسے، جلوس اور دیگر محافل و مجالس میں شرکت کرنے کی وجہ سے نماز فجر میں شمولیت سے محروم ہو جاتے ہیں انہیں یہ طریقہ چھوڑ کر پسندیدہ طریقہ اپنانا چاہیے۔ رات بھر کی ایسی شب بیداری جس سے صبح کی نماز رہ جائے ثواب کی بجائے گناہ کی موجب ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ صبح کے فرض ادا کرنے سے قبل دو رکعات ادا کرنا حضور ﷺ کا لگاتار عمل

تھا اس لیے ان دو رکعت کی سنت زیادہ مؤکدہ ہے اور ان میں قرأت مختصر ہونی چاہیے۔

٢٤٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ مَاشَانُهٗ فَقَالَ نَافِعٌ قُلْتُ يَفْصِلُ بَيْنَ صَلٰوتِهٖ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَيُّ فَصْلٍ اَفْضَلُ مِنَ السَّلَامِ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ صبح کی دوسنتیں پڑھ کر وہ لیٹ گیا۔ ابن عمر نے پوچھا: کیا بات ہے؟ نافع کہتے ہیں میں نے کہا: وہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان (لیٹ کر) فاصلہ کر رہا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سلام پھیرنے سے بڑھ کر اور کیا فاصلہ ہو سکتا ہے؟

قَالَ مُحَمَّدٌ بِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام محمد کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

حدیث مذکور دراصل ایک بات کی وضاحت میں ذکر کی گئی وہ یہ کہ کیا صبح کی دوسنتوں اور فرض نماز کے درمیان لیٹ کر وقفہ کرنا ضروری (سنت) ہے یا عرفاً ایسا وقفہ نہ کریں اور سنتوں کا سلام پھیر کر فرض پڑھ لیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق لیٹ کر وقفہ کرنا ضروری نہیں بلکہ سلام پھیرنا ہی فرض اور سنت کا فاصل ہو جائے گا۔ یہی احناف کا مسلک ہے۔

اعتراض

امام محمد نے مذکورہ روایت کے آخر میں اپنا (احناف کا) عمل ذکر کیا یعنی سنتوں کے بعد لیٹ جانا سنت نہیں۔ یہ درج ذیل حدیث کے خلاف ہے۔

اذا سكت المؤذن فى صلوة الفجر وتبين له الفجر وجاء ه المؤذن قام فركع ركعتين خفيفتين ثم اضطجع على شقه الايمن حتى ياتيه المؤذن لاقامة. (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۰ مطبوعہ نور محمد کراچی)

جب مؤذن اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور صبح واضح ہو جاتی تو مؤذن آ کر عرض کرتا آپ دو ہلکی سی رکعت ادا فرماتے پھر اپنی دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ صبح کی سنتیں ادا فرمانے کے بعد آپ دائیں کروٹ کچھ دیر آرام فرماتے لہٰذا احناف کا اس کے خلاف چلنا خلاف سنت ہوا اور امام محمد کا قول خلاف حدیث ہوا۔ اس حدیث میں صرف حضور ﷺ کا عمل شریف مروی ہے۔ ایک اور روایت میں اس بارے میں آپ کا ارشاد گرامی بھی موجود ہے۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه انه قال عليه السلام اذا صلى احدكم الركعتين قبل صلوة الصبح فليضطجع على جنبه الايمن.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی صبح کی دو رکعت پڑھ لیا کرے تو پھر اسے دائیں کروٹ آرام کرنا چاہیے۔

(زاد المعاد علی حاشیہ زرقانی شرح مواہب ج ۱ ص ۳۰۴)

ان دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا عمل شریف اور قول مبارک دونوں کے مطابق صبح کی سنتوں کے بعد لیٹ جانا چاہیے۔

جواب اول: مؤخر الذکر حدیث کے بارے میں عدم صحت اور تفرد کا قول موجود ہے چنانچہ ابن قیم نے اس پر ان الفاظ سے تنقید کی

ہے۔

سمعت ابن تیمیة یقول هذا باطل ولیس بصحیح انما الصحیح عنه الفعل لا الامر بها والامر تفرد به عبد الواحد بن زیاد وغلط فیه.

(زادالمعادج ۱ص ۳۰۴)

میں نے ابن تیمیہ سے یہ کہتے سنا کہ یہ باطل اور غیر صحیح ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ایسا کرنا مذکور ہے۔ حکم دینا ثابت نہیں اور یہ حکم دینے والی روایت عبدالواحد بن زیادا کیلے سے مروی ہے اور اس میں وہ غلطی کر گیا ہے۔

لہٰذا امام ترمذی نے اگر چہ مذکورہ حدیث کے ذکر کرنے کے بعد حسن صحیح کہا جس سے معترض کو حوصلہ ہوا لیکن اسی امام نے اسے غریب بھی کہا ہے اور غرابت کی وجہ ابن تیمیہ سے اس کے شاگرد ابن قیم نے بیان کردی ہے لہٰذا اضطجاع کا حکم تو ثابت نہ ہوسکا۔ اب اول الذکر حدیث کہ جس میں حضور ﷺ کا فعل شریف موجود ہے، اس کے بارے میں کئی ایک احتمالات موجود ہیں۔ ان احتمالات کے پیش نظر استدلال مضبوط نہ رہا تو معلوم ہوا کہ صبح کی دوسنتوں کے بعد لیٹ کر انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔

حضور ﷺ سنت فجر کے بعد استراحت کے لیے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے تھے نہ بطریق سنت

جواب دوم:

عن نافع ان ابن عمر کان لایفعله ویقول کفانا التسلیم وذکر ان ابن جریج اخبرنی من اصدق ان عائشة رضی الله عنها کانت تقول ان النبی ﷺ لم یکن یضطجع بسنة ولکن کان یداب لیلة فیستریح قال وکان ابن عمر یحصبهم اذا اراهم یضطجعون علی ایمانهم.

(زادالمعاد برحاشیہ زرقانی ج ۱ص ۳۰۵)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کام نہیں کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارے لیے سلام پھیرنا ہی (فاصلہ کے لیے) کافی ہے اور ذکر کیا گیا کہ ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے ایک بہت ہی سچے آدمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بتایا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ حضور ﷺ صبح کی سنتوں کے بعد بطور سنت (عبادت) نہیں لیٹتے تھے بلکہ آپ چونکہ رات بھر قیام کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس کرتے تھے کہ ہمارے لیے کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسے لوگوں کو جو دائیں کروٹ لیٹتے، کنکریاں مارا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا آرام فرمانا تھکاوٹ کی دوری کے لیے تھا لہٰذا اگر اب بھی کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو بالکل جائز ہے لیکن اسے بہر صورت عبادت بلکہ واجب قرار دینا درست نہیں۔ بعض غالی لوگ اس بارے میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ جس نے صبح کی سنتوں کے بعد دائیں کروٹ تھوڑی دیر آرام نہ کیا اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔

اعتراض

''زادالمعاد'' کی مذکورہ روایت میں ابن جریج نے اپنے شیخ یا منقول منہ کا نام ذکر نہیں کیا اور ایسا کرنا روایت کو مجہول کردیتا ہے۔ اس لیے روایت مجہولہ سے یہ ثابت کرنا کہ دائیں کروٹ لیٹنا تھکاوٹ کی دوری کے لیے تھا' درست نہیں۔

جواب اوّل: ابن جریج نے واقعی منقول منہ کا نام نہیں ذکر کیا لیکن اتنا ضرور کہا کہ وہ شخص بہت سچا ہے۔ جس راوی کی تعدیل خود روایت کرنے والا بیان کرے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ صرف ابہام رہے گا اور تعدیل مبہم ہمارے ہاں مقبول ہے اور پھر یہ تعدیل

مبہم وہ کرے جس کی عدالت وثقاہت مسلم ہو۔ابن جریج کے بارے میں ابن تیم رقمطراز ہے۔

جواب دوم: حضور ﷺ کا دائیں کروٹ آرام فرمانا روایت میں موجود ہے لیکن یہ آرام نماز وتر ادا فرمانے کے بعد کیا یا صبح کی دوسنتوں کے بعد کیا' سنتوں کے بعد کیا۔سنتوں کے بعد آرام فرمانا بالاتفاق و بالاجماع ثابت نہیں لہٰذا ایسے عمل کو سنت بلکہ واجب کیسے کہا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے صبح کی دوسنتوں کے بعد دائیں کروٹ آرام کرنے سے منع کیا ہے۔حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

عن الحسن بن عبيد الله قال كان ابراهيم يكره الاضطجاع بعد مايصلى الركعتين اللتين قبل الفجر.

جناب ابراہیم فجر کی دوسنتوں کے بعد پہلو پر لیٹنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۸، ۲۴۹ الاضطجاع بعد رکعتین الفجر)

عن ابراهيم قال قال عبد الله مابال الرجل اذا صلى ركعتين يتمعك كما تتمعك الدابة الحمار اذا سلم قعد فصلى.

عبداللہ کہتے ہیں اس آدمی کا کیا حال ہے جو صبح کی سنتیں پڑھ کر یوں کروٹیں لیتا ہے جیسا کہ گھوڑا اور گدھا؟ جب سلام پھیرا اور قعدہ کیا تو اب نماز پڑھ لو۔

عن ابى مجلز قال سالت ابن عمر عن ضجعة الرجل على يمينه بعد الركعتين قبل صلوة الفجر واضطجع بعد الوتر فقال يتلعب بكم الشيطان.

ابومجلز کہتے ہیں میں نے ابن عمر سے اس لیٹنے کے بارے میں پوچھا فرمایا: لیٹنے والوں کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔

عن القاسم بن ايوب عن سعيد بن جبير قال لا تضطجع بعد الركعتين قبل الفجر واضطجع بعد الوتر.

سعید بن جبیر کہتے ہیں صبح کی سنتوں کے بعد مت لیٹو۔ہاں وتروں کے بعد لیٹ سکتے ہو۔

عن ابى الصديق الناجى قال رأى ابن عمر قوما اضطجعوا بعد ركعتى الفجر.

ابوالصدیق ناجی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے کچھ لوگوں کو صبح کی سنتوں کے بعد لیٹے دیکھا تو ان کی طرف بھیجا کہ انہیں منع کردو۔میں نے جب ان کو منع کیا تو کہنے لگے ہم یہ سنت سمجھ کر کر رہے ہیں۔ابن عمر نے دوبارہ مجھے بھیجا اور کہا جا کر انہیں کہہ دو کہ یہ بدعت ہے۔

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام صبح کی سنتوں کے بعد پہلو پر (سنت سمجھ کر) لیٹنے کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کے لیے بدعت تک کے الفاظ ان سے منقول ہیں۔بہر حال اسے سنت یا واجب کہنا قطعاً ثابت نہیں اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور عمل درست ہے۔

٧٤- بَابُ طُوْلِ الْقِرَاءَةِ فِى الصَّلٰوةِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّخْفِيْفِ

نماز میں قرأت کی طوالت وتخفیف کا بیان

٢٤١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُمِّهٖ اُمِّ الْفَضْلِ اَنَّهَا

ہمیں امام مالک نے انہیں زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ان کی والدہ

سَمِعَتْهُ يَقْرَأُ وَالْمُرْسَلَاتِ فَقَالَتْ يَابُنَيَّ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِيْ بِقِرَاءَتِكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ اِنَّهَا لَاٰخِرُ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ.

ام الفضل نے جب سورۃ المرسلات ان سے نماز میں پڑھتے سنی تو کہا: اے بیٹے! تو نے یہ سورت پڑھ کر میری پرانی یاد تازہ کر دی۔ یہ وہی سورۃ ہے جو حضور ﷺ سے آخری مرتبہ میں نے نماز مغرب میں سنی تھی۔

٢٤٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ فِي الْمَغْرِبِ.

امام مالک نے ہمیں زہری سے انہیں محمد بن جبیر نے اپنے والد سے خبر دی کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ الطور پڑھتے سنا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْعَامَّةُ عَلٰى اِنَّ الْقِرَاءَةَ تُخَفَّفُ فِيْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ يُقْرَأُ فِيْهَا بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَنَرٰى اَنَّ هٰذَا كَانَ شَيْئًا فَتُرِكَ اَوْلَعَلَّهٗ كَانَ يَقْرَأُ بَعْضَ السُّوْرَةِ ثُمَّ يَرْكَعُ.

امام محمد کہتے ہیں عام علماء کا یہ قول ہے کہ نماز مغرب میں قرأت لمبی نہ پڑھی جائے بلکہ اس میں قصار مفصل سورتیں پڑھی جائیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نماز مغرب میں لمبی قرأت فرماتے رہے لیکن بعد میں آپ نے اسے چھوڑ دیا اور مذکورہ روایت سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ مثلاً سورۃ الطور کا کچھ حصہ پڑھ کر آپ نے رکوع کر لیا ہو۔

٢٤٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ.

ہمیں امام مالک نے ابو الزناد سے انہوں نے اعرج اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کا امام بن کر انہیں نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیونکہ نمازیوں میں بیمار، کمزور، بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور اگر اپنی نماز علیحدہ پڑھتا ہے تو پھر چاہے جس قدر لمبی پڑھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مذکورہ روایات سے نماز مغرب کی قرأت کے ضمن میں چند باتیں سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے مغرب میں قرأت بھی فرمائی لیکن یہ یا تو ابتداً تھا یا پھر گاہے بگاہے۔ دوسرا یہ کہ جن روایات میں مثلاً سورۃ الطور کا پڑھنا آیا ہے۔ اس سے مراد سورۃ الطور کا کچھ حصہ ہو جس کو مکمل نام سے بیان کیا گیا جیسا کہ کوئی سورۃ الرحمٰن کا پہلا رکوع تلاوت کرے تو کہا جاتا ہے۔ اس نے سورۃ الرحمٰن پڑھی۔ تیسرا یہ کہ مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں۔ اس کی ایک وجہ تو وہی جو ہر نماز کے لیے حضور ﷺ نے بیان فرمائی یعنی جماعت میں بیمار اور کمزور وغیرہ لوگوں کی رعایت۔ دوسری وجہ مغرب کے وقت میں اختلاف سے بچنے کے لیے کیونکہ بعض کے ہاں اس کا وقت پندرہ بیس منٹ تک ہی ہوتا ہے اس لیے لمبی قرأت کرنے سے ممکن کہ ان لوگوں کے نزدیک مغرب کا وقت ختم ہو جائے لہٰذا خلاصہ یہ کہ نماز باجماعت میں پوری جماعت کا خیال رکھنا مطلوب ہے اور اکیلے پڑھنے والا جیسے چاہے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٧٥- بَابُ صَلوٰةُ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلوٰةِ النَّهَارِ

مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں

٢٤٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلوٰةُ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلوٰةِ النَّهَارِ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی فرماتے ہیں مغرب کی نماز، دن کی نماز کے وتر ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَيَنْبَغِيْ لِمَنْ جَعَلَ الْمَغْرِبَ وِتْرَ صَلوٰةِ النَّهَارِ كَمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ اَنْ يَّكُوْنَ وِتْرُ صَلوٰةِ اللَّيْلِ مِثْلَهَا لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِتَسْلِيْمٍ كَمَا لَا يَفْصِلُ فِي الْمَغْرِبِ بِتَسْلِيْمٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور جو شخص مغرب کو دن کی نمازوں کے وتر بناتا ہے اسے چاہیے کہ رات کے وتر اور دن کے وتر اور مغرب ایک ہی طرح درمیان میں سلام پھیرے بغیر پڑھے۔ صرف آخر میں ایک مرتبہ سلام پھیرے جیسا کہ مغرب میں کیا جاتا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اثر مذکور سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وتر کے بارے میں دو اہم باتیں ذکر فرماتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ پانچ نمازوں میں سے نماز مغرب وہ نماز ہے جس کی رکعات طاق ہیں۔ (یعنی تین رکعات) فرضی نمازوں اور دیگر نوافل میں کوئی ایسی نماز نہیں جو طاق ہو۔ ہاں صرف وتر جو نماز عشاء کے بعد اور صبح سے قبل ادا کیے جاتے ہیں وہ طاق ہے چونکہ ان کی ادائیگی کا وقت رات گئے تک ہے اس لیے یہ رات کے وتر اور مغرب دن کے وتر کی تین رکعات ہیں لہٰذا وہ لوگ جو وتر کی ایک رکعت یا تین سے زائد کے قائل ہیں۔ امام محمد ان کی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے تردید فرماتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جب مغرب اور وتر ایک ہی طرز کی دو نمازیں ہیں تو پھر تین وتروں کے درمیان دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنا اور پھر ایک اور رکعت ملا کر وتر مکمل کرنا درست نہ ہوا کیونکہ مغرب میں تین رکعت ایک ہی سلام سے پڑھی جاتی ہیں اس لیے جو لوگ وتر کو دو سلام کے ساتھ تقسیم کر کے پڑھتے ہیں انہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر احناف کا عمل ہے۔ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

٧٦- بَابُ الْوِتْرِ

وتر کی نماز

٢٤٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْ مُرَّةَ اَنَّهُ سَاَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ قَالَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلَهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلَهُ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ اَخْبَرْتُكَ كَيْفَ اَصْنَعُ اَنَا قَالَ اَخْبِرْنِيْ قَالَ اِذَا صَلَّيْتُ الْعِشَاءَ صَلَّيْتُ بَعْدَهَا خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ اَنَامُ فَاِنْ قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ صَلَّيْتُ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِنْ اَصْبَحْتُ اَصْبَحْتُ عَلٰى وِتْرٍ.

ہمیں امام مالک نے زید بن اسلم سے خبر دی کہ ابومرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے وتر ادا کرنے کی کیا کیفیت تھی؟ آپ خاموش رہے پھر پوچھا پھر خاموش رہے تیسری بار پوچھنے پر فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیسے ادا کرتا ہوں؟ جب میں نماز عشاء ادا کرتا ہوں تو اس کے بعد پانچ رکعت پڑھ لیتا ہوں پھر سو جاتا ہوں پھر اگر رات کو اٹھ گیا تو دو دو رکعت پڑھ لیتا ہوں اور اگر صبح ہو رہی ہو تو وتر پڑھ لیتا ہوں۔

٢٤٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُتَغَيِّمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ الْغَيْمُ فَرَاٰى عَلَيْهِ

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے انہوں نے ابن عمر سے خبر دی کہ وہ ایک رات مکہ مکرمہ میں تھے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے تو انہوں نے صبح کے خطرہ کے پیش نظر ایک رکعت وتر

كَيْلَا فَشَفَعَ بِسَجْدَةٍ ثُمَّ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ سَجْدَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ.

پڑھا پھر بادل چھٹ گئے تو ابھی رات تھی تو ایک رکعت اور پڑھ کر اسے دوگانہ کیا پھر دو دو رکعتیں پڑھیں اور جب صبح ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو ایک رکعت سے وتر کر لیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ نَاْخُذُ لَانَرٰى اَنْ يُشْفَعَ اِلَى الْوِتْرِ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ صَلٰوةِ الْوِتْرِ وَلٰكِنَّهٗ يُصَلِّيْ بَعْدَ وِتْرِهٖ مَا اَحَبَّ وَلَا يَنْقُضُ وِتْرُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل حضرت ابو ہریرہ کے قول پر ہے۔ ہم یہ درست نہیں سمجھتے کہ وتر کی ایک رکعت پڑھیں اور اس سے فارغ ہو کر کچھ دیر بعد ایک اور رکعت پڑھ کر ان دونوں کو دوگانہ کر دیا جائے۔ ہاں وتر پڑھ لینے کے بعد جس قدر کوئی چاہے نماز پڑھ لے اس کے وتروں میں کوئی نقص نہیں آئے گا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت (جو اس باب کی پہلی روایت ہے) کو اپنا مذہب و مسلک قرار دیا جس کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ نماز عشاء کے بعد پانچ رکعت پڑھتے۔ (تین وتر اور دو سنتیں) اگر تہجد کے وقت اٹھ بیٹھتے تو وتر وہی جو پڑھ چکے تھے شمار کرتے اور تہجد کے لیے مزید دو دو کر کے نوافل ادا کر لیتے' وتر دوبارہ نہ پڑھتے اور اگر تہجد کے لیے آنکھ نہ کھلتی تو پھر بھی عشاء کے بعد پڑھے گئے وتر کافی ہو جاتے۔ باقی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اثر کے بارے میں گفتگو کرنے سے قبل وہ روایت ذکر کرنا مناسب ہے تا کہ اس اثر کی وضاحت ہو جائے۔

''لا وتران فی لیلة ایک رات میں دو وتر نہیں''۔''قال اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترا آخری نماز رات کو وتر کو مقرر کرو''۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۵ باب الوتران فی لیلۃ مطبوعہ دائرۃ الطباعت مصر)

ان دونوں روایات میں اور مذکورہ اثر میں مخالفت نظر آتی ہے اور موافقت بھی موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کے پیش نظر نبی علیہ السلام کا فرمان ''وتر دو مرتبہ نہیں'' تھا۔ اس لیے آپ رات عشاء کے بعد وتر پڑھ کر آرام فرماتے پھر اگر پچھلے پہر آنکھ کھل جاتی تو وتر دوبارہ نہ ادا کرتے۔ علاوہ ازیں حضور ﷺ کا حضرت ابو ہریرہ کو یہ فرمانا بھی احادیث میں موجود ہے کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو اور بعض احادیث میں یہ بھی مروی ہے کہ جسے رات اٹھ جانے پر ظن غالب ہو وہ وتر رات اٹھ کر پڑھے ورنہ پڑھ کر سوئے۔ ان روایات کو مدنظر رکھ کر حضرت ابو ہریرہ کا قول و عمل جو تھا وہی تھا جو ذکر ہو چکا ہے لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیش نظر یہ حدیث پاک تھی۔''رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ'' اس لیے آپ اگر عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تو پھر تہجد کو اٹھ کر وتر دوبارہ پڑھتے تا کہ رات کی آخری نماز بن سکے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کے نزدیک ایک وتر بھی جائز ہے جس کی بحث گزر چکی ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابن عمر کے پیش نظر استحبابی عمل تھا جس کے حصول کے لیے آپ کوشش فرماتے رہے لیکن جلیل القدر صحابہ کرام نے یہ عمل نہ کیا بلکہ دو وتر ایک ہی مرتبہ ادا کرتے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

۷۷- بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

سواری پر وتر پڑھنے کا بیان

۲۴۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عُمَرَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَوْتَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ.

ہمیں امام مالک نے ابو بکر بن عمر سے انہوں نے سعید بن یسار سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر سواری پر ادا فرمائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ جَاءَ هٰذَا الْحَدِيْثُ وَجَاءَ غَيْرُهٗ

امام محمد کہتے ہیں یہ حدیث بھی آئی ہے اور اس کے غیر بھی آئی

فَاَحَبُّ اِلَیْنَا اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ تَطَوُّعًا مَابَدَالَہٗ فَاِذَا بَلَغَ الْوِتْرَ نَزَلَ فَاَوْتَرَ عَلَی الْاَرْضِ وَھُوَ قَوْلُ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَائِنَا.

ہے۔ ہمارے ہاں پسندیدہ یہ ہے کہ سواری پر جس قدر چاہے نفل پڑھیں اور جب وتر پڑھنے کی باری آئے تو اتر کر زمین پر پڑھے جائیں۔ یہی قول عمر ابن الخطاب اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے اور امام ابو حنیفہ و دیگر فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں۔

سواری پر حضور ﷺ کا وتر ادا کرنا۔ اس کی بحث تفصیل سے گزر چکی ہے۔

خلاصہ: یہ کہ وتر کے وجوب سے قبل آپ نے ایسا کیا تھا لیکن واجب ہونے کے بعد ایسا نہیں کیا۔ وجوب کا حکم عطاء فرمانے پر وتر کی نفلیت منسوخ ہوگئی اس لیے نفلی حالت میں سواری پر جواز تھا اس کے بعد ختم ہوگیا یہی بات امام طحاوی نے یوں بیان کی۔

سواری پر وتر پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے

یجوز ان یکون ماروی ابن عمر رضی اللہ عنھما عن رسول اللہ ﷺ من وترہ علی الراحلۃ کان ذالک منہ قبل تاکیدہ ایاہ ثم اکدہ من بعد نسخ ذالک. (طحاوی شریف ج۱ص۴۳۱)

جائز ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو حضور ﷺ کے متعلق سواری پر وتر ادا فرمانے کی روایت بیان کی۔ وہ وتر کی تاکید و لزوم سے قبل ہو پھر جب اس کی تاکید کر دی تو منسوخ ہوگیا ہو۔

اسی لیے امام طحاوی نے مزید لکھا کہ ''پھر وتر بالاتفاق کوئی شخص زین پر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا اور جب سواری سے اتر کر پڑھنے کی طاقت ہے تو پھر اتر کر پڑھے گا۔ اس جہت کے پیش نظر میرے نزدیک سواری پر وتر پڑھنے منسوخ ہوگئے ہیں اور اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ وتر فرض ہیں اور نفل نہیں ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے''۔ (طحاوی ج۱ص۴۳۱)

لہٰذا معلوم ہوا کہ وتر سواری پر قبل وجوب پڑھے گئے اور وجوب کے بعد ان کا سواری پر پڑھا جانا منسوخ ہوگیا جیسا کہ فرض نماز کا حکم ہے اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وتر اب سواری پر پڑھنے سے نہیں ہوں گے بلکہ زمین پر اتر کر دیگر فرائض کی طرح انہیں بھی ادا کیا جائے۔ صحابہ کرام کا معمول بھی یہی تھا کہ نوافل سواری پر پڑھ لیتے اور وتر زمین پر اتر کر ادا فرماتے۔ یہ تو مسئلہ سواری پر نماز پڑھنے کا ہے۔ اب ہم اسی موضوع کے تحت دور حاضرہ کے ذرائع سفر کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں یعنی ریل گاڑی، بس جیپ، کار، ہوائی جہاز، بحری جہاز، کشتی وغیرہ پر نفل اور فرض نماز کی ادائیگی کا کیا حکم ہے کیونکہ ان ذرائع سفر کے بارے میں خصوصاً ریل گاڑی کے متعلق موجودہ دور کے بعض علماء بہت اختلاف کرتے ہیں اور اسے ایک متنازعہ فیہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔

واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

۷۸- بَابُ تَاْخِیْرِ الْوِتْرِ

وتر کی تاخیر کا بیان

۲۴۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَۃَ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاُوْتِرُ وَاَنَا اَسْمَعُ الْاِقَامَۃَ اَوْبَعْدَ الْفَجْرِ یَشُکُّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اَیَّ ذَالِکَ قَالَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں عبد الرحمٰن بن قاسم نے بتایا کہ میں نے عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے سنا وہ کہتے تھے میں وتر پڑھتا تھا اس حالت میں کہ میں اقامت بھی سن رہا ہوتا تھا یا میں فجر کے بعد وتر پڑھتا۔ عبد الرحمٰن کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے انہوں نے کیا کہا؟

۲۴۹- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ سَمِعَ

عبد الرحمٰن سے ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ انہوں نے

اَبَاهُ يَقُوْلُ اِنِّىْ لَاُوْتِرُ بَعْدَ الْفَجْرِ.

اپنے والد سے سنا: کہتے تھے میں فجر کے بعد وتر پڑھتا تھا۔

۲۵۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِىْ لَوْ اُقِيْمَتِ الصُّبْحُ وَاَنَا اُوْتِرُ.

ہمیں امام مالک نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے خبر دی کہ وہ کہا کرتے تھے میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ ادھر صبح کی اقامت کہی جا رہی ہو اور میں وتر پڑھ رہا ہوں۔

۲۵۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْكَرِيْمِ بْنِ اَبِى الْمُخَارِقِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ رَقَدَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ لِخَادِمِهٖ اُنْظُرْ مَاذَا صَنَعَ النَّاسُ وَقَدْ ذَهَبَ بَصَرُهٗ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ قَدِ انْصَرَفَ النَّاسُ مِنَ الصُّبْحِ فَقَامَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاَوْتَرَ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ.

ہمیں امام مالک نے عبدالکریم بن ابی المخارق سے انہیں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے خبر دی کہ ابن عباس سو جاتے پھر جب بیدار ہوتے تو اپنے خادم سے فرماتے جاؤ جا کر دیکھو مسجد میں لوگ کیا کر رہے ہیں؟ وہ دیکھ کر آتے اور بتلاتے کہ لوگوں نے صبح کی نماز ادا کر لی ہے۔ آپ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس پر ابن عباس اٹھتے اور وتر پڑھ کر صبح کی نماز ادا فرماتے۔

۲۵۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ كَانَ يَؤُمُّ يَوْمًا فَخَرَجَ يَوْمًا لِلصُّبْحِ فَاَقَامَ الْمُؤَذِّنُ الصَّلٰوةَ فَاَسْكَتَهٗ حَتّٰى اَوْتَرَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ.

امام مالک نے ہمیں یحییٰ بن سعید سے خبر دی کہ عبادہ بن الصامت لوگوں کی امامت فرمایا کرتے تھے ایک دن صبح کی نماز کے لیے آئے تو مؤذن نے جماعت کے لیے اقامت شروع کر دی آپ نے اسے چپ کرایا اور پھر وتر پڑھے اس کے بعد نماز پڑھائی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ يُّوْتِرَ قَبْلَ اَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ وَلَا يُؤَخِّرَهٗ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَاِنْ طَلَعَ قَبْلَ اَنْ يُّوْتِرَ فَلْيُوْتِرْ وَلَا يَتَعَمَّدُ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارے نزدیک محبوب ترین یہ ہے کہ آدمی صبح صادق سے قبل ہی وتر پڑھ لے اس لیے اسے طلوع فجر تک مؤخر نہیں کرنے چاہئیں پھر اگر وتر پڑھنے سے پہلے صبح صادق ہو گئی تو وتر پڑھ لے لیکن جان بوجھ کر ایسا نہ کرے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

نماز پنجگانہ کی طرح وتر کے لیے بھی وقت مخصوص ہے اور وہ نماز عشاء کا وقت ہے لیکن ان دونوں میں ترتیب رکھنا ضروری ہے۔ وتر نماز ہمیں نماز عشاء کے بعد ادا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ترتیب کے خلاف کرے گا تو وتر نہیں ہوں گے۔ اس ترتیب وجوبی کے پیش نظر یہ کہا جائے گا کہ نماز وتر کا وقت عشاء کی نماز ادا کر لینے کے بعد سے صبح صادق ہونے تک رہتا ہے' اس کی تصریح احادیث میں بھی آئی ہے۔

قال النبی ﷺ فی الوتر فصلوھا مابین العشاء الی طلوع الفجر. خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ امرکم بصلوۃ ھی لکم خیر من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر.

وتر کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ نماز طلوع فجر اور عشاء کے درمیان پڑھو۔ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسی نماز کا حکم دیا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے وہ وتر ہیں۔ اس نے یہ نماز تمہارے لیے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان مقرر

فرمائی ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۵ باب المواقیت)

مذکورہ آثار اور حضور ﷺ کے ارشادگرامی سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وتر عام نوافل اور سنتوں کی طرح نہیں بلکہ اس کا تعلق زیادہ تر فرائض کے ساتھ ہے اسی لیے اسے وقت گزرنے کے بعد ہی صحابہ کرام نے ادا فرمایا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کی بروقت ادائیگی نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ ادائیگی ختم نہیں ہوگئی۔ جس طرح سنتوں اور نوافل میں ہوتی ہے لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو آثار ذکر فرمائے کہ جن میں صبح صادق ہونے کے بعد مختلف صحابہ کرام کا نماز وتر ادا کرنا ذکر کیا گیا۔ ان سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ وتر جان بوجھ کر اپنے وقت سے مؤخر نہ کریں اور اگر ہو جائیں تو ان کی ادائیگی کر لی جائے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر کا بھی مخصوص وقت ہے اور وہ نماز عشاء کے بعد اور صبح صادق تک ہے۔ تیسری بات یہ کہ قضا اور ادا نمازوں کے درمیان ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بہرحال نماز وتر قصداً اپنے مقررہ وقت سے مؤخر نہ کرنا چاہیے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۷۹- بَابُ السَّلَامِ فِي الْوِتْرِ — وتر میں سلام پھیرنا

۲۵۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الْوِتْرِ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ حَتّٰى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے خبر دی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی نماز میں دو رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیتے تھے حتیٰ کہ آپ اپنے کچھ کام کاج بھی کر لیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهٰذَا وَلٰكِنَّ نَأْخُذُ بِقَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَلَا نَرٰى اَنْ يُّسَلِّمَ بَيْنَهُمَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اس روایت پر عمل نہیں بلکہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس کے قول پر عمل کرتے ہیں اور ہم وتر کی دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کو درست نہیں سمجھتے۔

مذکورہ اثر کی تشریح ہم "باب صلوٰۃ اللیل" میں کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کر لی جائے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل ان کے اپنے قول کے خلاف ہے چنانچہ جب عقبہ بن مسلم نے آپ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

عن عقبه بن مسلم قال سالت عبد الله بن عمر رضى الله عنهما عن الوتر فقال اتعرف وتر النهار قلت نعم صلوة المغرب قال صدقت او احسنت ثم قال بين نحن فى المسجد قام رجل فسال رسول الله ﷺ عن الوتر او عن صلوة الليل فقال رسول الله ﷺ عن الليل مثنى مثنى فاذا خشيت الصبح فاوتر بواحدة.

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۲۷۹ باب السلام فی الصلوٰۃ)

عقبہ بن مسلم کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کے متعلق پوچھا تو فرمایا: کیا تم دن کے وتر جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں وہ نماز مغرب ہے فرمایا تو نے سچ کہا یا تو نے بہت اچھا جواب دیا پھر فرمایا: ہم مسجد نبوی میں تھے کہ ایک آدمی نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو رکعت ہے۔ جب تمہیں خطرہ ہو کہ صبح صادق ہو جائے گی تو ایک رکعت مزید ملا کر وتر پڑھ لیا کر۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک وتر تین رکعت کی نماز ہے جیسا کہ نماز مغرب کو دن کے وتر کہا گیا ہے اور نماز مغرب کے درمیان سلام نہیں ہوتا اسی طرح نماز تہجد پڑھتے پڑھتے اگر صبح صادق ہو جانے کا خطرہ ہو اور وتر پڑھنے ہوں تو پھر تہجد کی دو رکعت کے ساتھ وتر نماز کے لیے ایک اور رکعت ملا لی جائے تاکہ وتر ادا ہو جائیں۔ یہ ملانا بتلاتا ہے کہ پہلی دو رکعت کے ساتھ سلام پھیرے بغیر تیسری رکعت ملائی جائے تاکہ وتر ادا ہو جائیں لہٰذا ہم احناف کے نزدیک حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل پر عمل نہیں بلکہ قول پر عمل ہوگا۔ اس لیے بھی کہ خود سرکار دو عالم ﷺ کا عمل گرامی ہے: "کان النبی ﷺ لا یسلم فی رکعتی الوتر یعنی حضور ﷺ نماز وتر میں سلام نہیں پھیرتے تھے"۔ علاوہ ازیں جمہور نے حضرت ابن عمر کے اس عمل کو قابل عمل نہیں قرار دیا۔

اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اٰخرھن. (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴)

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وتر تین رکعت ہیں اور اس میں صرف آخر میں ایک سلام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے فرمایا ہم اس عمل کی بجائے عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

۲۵۴- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ مَابَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثَمَانِ رَكْعَاتٍ تَطَوُّعًا وَثَلٰثَ رَكْعَاتِ الْوِتْرِ وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

امام محمد نے کہا کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے ابو جعفر سے خبر دی کہا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء اور نماز صبح کے درمیان تیرہ رکعت پڑھا کرتے اور ادا فرمایا کرتے تھے آٹھ رکعت نفل، تین رکعت وتر اور دو رکعت صبح کی سنتیں۔

۲۵۵- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ قَالَ مَا اُحِبُّ اِنِّيْ تَرَكْتُ الْوِتْرَ بِثَلٰثٍ وَاِنَّ لِيْ حُمْرَ النَّعَمِ.

امام محمد نے کہا کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے ابراہیم نخعی سے خبر دی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تین رکعت وتر چھوڑنے ہرگز پسند نہیں اگرچہ ان کے بدلے مجھے سرخ اونٹ مل جائیں۔

۲۵۶- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَسْعُوْدِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلْوِتْرُ ثَلٰثٌ كَثَلٰثِ الْمَغْرِبِ.

امام محمد نے کہا ہمیں خبر دی عبد الرحمٰن بن عبد اللہ مسعودی نے عمرو بن مرہ سے انہوں نے ابو عبیدہ سے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ وتر کی تین رکعات مغرب کی رکعات کی طرح ہیں۔

۲۵۷- قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ الْمَكْفُوْفُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ الْوِتْرُ ثَلٰثٌ كَصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ.

امام محمد نے کہا ہمیں اعمش سے ابو معاویہ مکفوف نے حدیث بتائی انہیں مالک بن الحارث عن عبد الرحمٰن بن یزید سے اور انہیں عبد اللہ بن مسعود نے بتایا کہا: وتر نماز مغرب کی طرح تین رکعات ہیں۔

۲۵۸- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَلْوِتْرُ كَصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ.

امام محمد نے کہا ہمیں لیث سے اسماعیل بن ابراہیم نے انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عطاء بن یسار نے خبر دی کہ وتر نماز مغرب کی طرح تین رکعات کی نماز ہے۔

۲۵۹- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا اَجْزَاَتْ رَكْعَةٌ وَاحِدَةٌ قَطُّ.

امام محمد نے کہا ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حصین بن ابراہیم سے خبر دی کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا میں ہرگز ایک رکعت پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتا۔

۲۶۰- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ الْحَنَفِيُّ عَنْ اَبِيْ حَمْزَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَهْوَنُ مَا يَكُوْنُ الْوِتْرُ ثَلٰثٌ

امام محمد نے کہا ہمیں سلام بن سلیم حنفی نے ابو حمزہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی اور انہوں نے علقمہ سے خبر دی کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا وتر کی تین رکعات کی تعداد سب سے ہلکی اور کم ہے۔

رَكَعَاتٍ.

۲۶۱- قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِیْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی عَنْ سَعِيْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِیْ رَكْعَتَیِ الْوِتْرِ.

امام محمد نے کہا ہمیں سعید بن عروبہ نے قتادہ سے انہیں زرارہ بن اوفیٰ نے سعید بن ہشام سے خبر دی کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور ﷺ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

مذکورہ آٹھ آثار اس پر شاہد ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور ان میں صرف ایک مرتبہ سلام پھیرنا ہے اور امام باقر رضی اللہ عنہ کا بھی اسی پر اتفاق ہے نیز وتر کی اہمیت عام نوافل اور سنتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان کے ترک کرنے پر سرخ اونٹ قبول کرنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ناپسند فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر واجب ہیں اور یہی احناف کا عقیدہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۸۰ - بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

قرآنی سجدہ ہائے تلاوت

۲۶۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ مَوْلَی الْاَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَرَأَبِهِمْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فِيْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ حَدَّثَهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَجَدَ فِيْهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبد اللہ بن یزید مولیٰ الاسود بن سفیان نے ابوسلمہ سے حدیث سنائی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۂ انشقاق بحالت امامت پڑھی اس میں سجدہ کیا۔ جب نماز مکمل ہوئی تو حاضرین کو بتایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سورۃ میں سجدہ کیا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَكَانَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ لَا يَرٰی فِيْهَا سَجْدَةً.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سورہ میں سجدہ نہیں ہے۔

۲۶۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَرَأَبِهِمُ النَّجْمَ فَسَجَدَ فِيْهَا ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ سُوْرَةً اُخْرٰی.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ امام زہری نے عبد الرحمٰن الاعرج سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بتائی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امامت کرتے ہوئے سورۂ والنجم پڑھی پھر اس میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہو کر ایک اور سورۃ پڑھی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَكَانَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ لَا يَرٰی فِيْهَا سَجْدَةً.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل اسی پر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ اس سورۃ میں سجدہ کے قائل نہیں تھے۔

سورۃ انشقاق اور النجم میں امام مالک کے نزدیک سجدہ نہ ہونا دوسری احادیث مبارکہ پیش نظر ہے مثلاً:

عن ابن عباس قال لم يسجد رسول الله ﷺ فی شیء من المفصل بعد ماتحول الی المدينة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ آجانے کے بعد کسی مفصل سورۃ میں سجدہ نہیں کیا۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۳۱۳ باب من قال فی القران احدی عشرۃ سجدۃ)

مفصلات وہ سورتیں کہلاتی ہیں جو سورۃ الحجرات سے والناس تک ہیں۔ ان سورتوں میں تین سجدے ہیں۔ ایک النجم، دوسرا انشقاق اور تیسرا العلق میں۔ بیہقی کی روایت کے پیش نظر کچھ حضرات ان کے قائل نہیں ہیں لیکن ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں صرف حضور ﷺ کا ان کی تلاوت کے دوران سجدہ کرنا ثابت ہے۔

عن الاسود عن عبد الله قال سجد رسول الله ﷺ فی النجم فما بقی احدالاسجدمعه الاشیخا اخذکفا من تراب فرفعه الی جبهته قال فلقد رایته قتل کافرا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۷ من کان یسجد فی المفصل)

اسود جناب عبداللہ سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے النجم میں سجدہ کیا تو تمام نمازیوں نے ایک بوڑھے کے سوا سجدہ کیا۔ اس بوڑھے نے مٹھی میں مٹی اٹھائی اور اسے اپنی پیشانی تک اونچا کیا راوی کہتے ہیں میں نے اسے کفریہ حالت میں قتل ہوتے دیکھا۔

عن الشعبی ان رسول الله ﷺ قرا والنجم فسجد فیها المسلمون والمشرکون والجن والانس. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۷)

شعبی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ النجم پڑھی تو تمام مسلمانوں' مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا۔

عن ابی هریرة قال سجدنا مع رسول الله ﷺ فی اذا السماء انشقت واقرا باسم ربک الذی خلق. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ سورۂ انشقاق اور العلق میں سجدہ کیا۔

عن ابی رافع قال صلیت خلف ابی هریرة بالمدینة العشاء الاخرة قال فقرا فیها اذا السماء انشقت فسجد فیها فقلت تسجدفیها فقال رایت خلیلی اباالقاسم سجدفیها فلاادع ذالک.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۷)

ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز عشاء پڑھی آپ نے اس میں سورۂ انشقاق کی تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا میں نے پوچھا: کیا تم اس میں سجدہ کرتے ہو؟ کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے لہٰذا میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔

ان روایات سے صاف ظاہر کہ مفصلات میں سجدہ ہے اور کرنا چاہیے۔ رہا روایت بیہقی کا جواب تو صاحب جوہر النقی نے اس کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

قلت هؤلاء نفوا وفی الصحیح عن جماعة انهم اثبتوا السجود فی المفصل والمثبت مقدم علی النافی ویحتمل انه علیه السلام اخر السجود ولم یترکه.

(جوہر النقی علی حاشیہ بیہقی ج ۲ ص ۳۱۲)

میں کہتا ہوں کہ ان حضرات نے سجدہ کی نفی کی ہے اور جماعت سے یہ واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ انہوں نے مفصل میں سجدہ کا ہونا ثابت فرمایا ہے اور قانون یہ ہے کہ مثبت نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی احتمال ہے کہ حضور ﷺ نے تلاوت کے بعد فوراً سجدہ نہ کیا ہو بلکہ اسے مؤخر کر کے کر لیا ہو۔

لہٰذا نفی کرنے والے حضرات کی نفی صحابہ کرام کی اس جماعت کے سامنے جو ثابت کرانے والے ہیں' مقابلہ نہیں کر سکتی اس لیے نفی کی بجائے اثبات کو ترجیح ہوگی اور نفی بھی تو محتمل ہے کہ فوراً سجدہ کرنے کی نفی ہو جس سے تاخیر کے ساتھ سجدہ کرنا منفی نہیں ہوتا۔ لہٰذا مفصل میں سجدہ ہونا ہی درست ہے۔

٢٦٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ

امام مالک نے ہمیں نافع سے خبر دی کہ ایک شہری نے بیان

اَهْلِ مِصْرٍ اَنَّ عُمَرَ قَرَأَ سُوْرَةَ الْحَجِّ فَسَجَدَ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ وَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ فُضِّلَتْ بِسَجْدَتَيْنِ.

کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سورۃ الحج کی تلاوت کی اور دو سجدے کیے اور فرمایا: اس سورۃ کو دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔

٢٦٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ رَاٰهُ سَجَدَ فِيْ سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ.

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے خبر دی انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سورۃ الحج میں دو سجدے کرتے دیکھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ رُوِيَ هٰذَا عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عُمَرَ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَايَرٰى فِيْ سُوْرَةِ الْحَجِّ اِلَّا سَجْدَةً وَاحِدَةً الْاُوْلٰى وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَةُ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں یہ بات حضرت عمر اور ابن عمر دونوں سے مروی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ نہیں کرتے تھے۔ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

سورۃ الحج میں دو جگہ نشان سجدہ دیا گیا ہے۔ ایک دوسرے رکوع میں اور دوسرا آخر سورۃ میں ہے ان میں سے پہلا سجدہ سب ائمہ کے نزدیک واجب ہے اور دوسرا مختلف فیہ ہے۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ یہ سجدہ صرف تعلیمی ہے اس لیے واجب نہیں۔ پہلے سجدہ کی تخصیص وتاکید احادیث میں مصرح ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن الحسن انه كان يقول فى السجدة اى السجدة الاولى من الحج سوره. عن سعيد بن المسيب والحسن قال فى الحج سجدة واحدة الاولى منها. حدثنا ابن فضيل عن الاعمش عن ابراهيم انه قال ليس فى الحج الاسجدة واحدة وهى الاولى. عن ابن معن قال قلت لجابر ابن يزيد رجل سجدفى الحج سجدتين قال لايسجد الاواحدة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲)

حسن کہتے ہیں سورۃ الحج میں صرف پہلا سجدہ ہی ہے۔ سعید بن مسیب اور حسن نے کہا کہ سورۃ الحج میں پہلا سجدہ ہی ہے۔ ابن فضیل نے اعمش اور انہوں نے ابراہیم سے بیان کیا کہ سورۃ حج میں کوئی شخص پہلے سجدہ کے سوا سجدہ نہ کرے۔ ابن معن نے کہا میں نے جابر ابن یزید سے پوچھا کہ ایک آدمی سورۃ حج میں دو سجدے کرتا ہے؟ کہا صرف ایک سجدہ کرو۔

اعتراض

فتح القدیر میں ایک روایت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

قلت يا رسول الله ﷺ افضلت السورة بسجدتين قال نعم فمن لم يسجدهما فلا يقرا هما. (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۱ باب سجود التلاوت)

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا سورۃ الحج دو سجدوں کی بنا پر تمام سورتوں سے افضل ہے؟ فرمایا ہاں جس نے دونوں سجدے نہ کیے اس نے گویا سورت پڑھی ہی نہیں۔

معلوم ہوا کہ سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں۔ اس قسم کی روایت حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ہے لہٰذا احناف کا مسلک درست نہیں۔

جواب: متعدد احادیث اس کی صراحت میں موجود ہیں کہ سورۃ الحج میں صرف ایک سجدہ ہے۔ فتح القدیر میں مذکورہ روایت کا جواب خود صاحب فتح القدیر نے ان الفاظ سے دیا ہے۔ ''قال الترمذی اسناده ليس بقوی اس روایت کی اسناد قوی نہیں ہے''۔ ایسی

غیر قوی اسناد والی روایت سے دو سجدوں کا حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۸۱ - بَابُ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ

نمازی کے آگے سے گزرنے والا

۲۶۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سَالِمٌ اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ اَنَّ بُسْرَ بْنَ سَعِيْدٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ اَرْسَلَهُ اِلٰى اَبِيْ جُهَيْمٍ الْاَنْصَارِيِّ يَسْاَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ لَكَانَ اَنْ يَّقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ لَا اَدْرِيْ قَالَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ اَرْبَعِيْنَ شَهْرًا اَوْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں سالم ابوالنضر مولیٰ عمر نے بتایا کہ بسر بن زید نے جہنی سے انہیں ابوجہیم انصاری کے پاس بھیجا تا کہ ان سے پوچھا جائے کہ تم نے نمازی کے آگے سے گزرنے والے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا؟ کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر گزرنے والا یہ جان لیتا کہ اس سے مجھے کیا گناہ اٹھانا پڑے گا تو وہ وہیں چالیس دن، مہینے یا سال کھڑا رہنا پسند کرتا اور گزرنے کی کوشش نہ کرتا۔ (راوی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ چالیس سے آپ کی مراد دن، مہینے یا سال تھی)۔

۲۶۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَدَعْ اَحَدًا يَّمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ.

امام مالک نے زید بن اسلم سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے۔ اگر وہ گزرنے والا انکار کرے اور گزرنا ہی چاہے تو اسے مارے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

۲۶۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ كَعْبٍ اَنَّهُ قَالَ لَوْ كَانَ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ كَانَ اَنْ يُّخْسَفَ بِهٖ خَيْرًا لَّهُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے وہ کعب سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا اس کا گناہ جانتا تو زمین میں دھنس جانا اپنے لیے بہتر سمجھتا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يُكْرَهُ اَنْ يَّمُرَّ الرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ فَاِنْ اَرَادَ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْرَاْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يُقَاتِلْهُ فَاِنْ قَاتَلَهُ كَانَ مَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ فِيْ صَلٰوتِهٖ مِنْ قِتَالِهٖ اِيَّاهُ اَشَدُّ عَلَيْهِ مِنْ مَمَرِّ هٰذَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا نَعْلَمُ اَحَدًا رَوٰى قِتَالَهُ اِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَلَيْسَتِ الْعَامَّةُ عَلَيْهَا وَلٰكِنَّهَا عَلٰى مَا وَصَفْتُ لَكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے۔ اگر گزرنے کا ارادہ ہو تو جتنا ہو سکے دور سے گزرے لیکن گزرنے والے سے لڑائی نہ کرے کیونکہ گزرنے والے سے لڑائی کرنے سے جو نماز میں خرابی آئے گی وہ اس سے کہیں بڑی ہے جو گزرنے سے ہوگی۔ ہمیں ایسی روایت جو ابوسعید خدری سے کی گئی کسی اور سے نہیں ملتی اور عام فقہائے کرام بھی اس پر عمل نہیں کرتے لیکن بات وہی ہے جو میں تمہیں بیان کر چکا ہوں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

۲۶۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی زہری سے انہیں سالم بن عبداللہ نے حضرت ابن عمر سے خبر دی کہ فرماتے ہیں نماز کو کوئی چیز نہیں

توڑتی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ مِنْ مَارٍّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے میں نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

مذکورہ آثار اور احادیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی سخت وعید مذکور ہوئی ہے حتیٰ کہ اس سے قتال کا ارشاد ہوا لیکن یہ حکم صرف تہدیدی ہے تاکہ اس سے گزرنے والے کو سخت تنبیہ ہو جائے اسی وعید کو چالیس سال تک کھڑے رہنے کی صورت میں بھی بیان کیا گیا۔ بہرحال ایک دو مرتبہ اشارہ سے گزرنے والے کو روکنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس قدر فعل ''عمل کثیر'' نہیں بنتا جس سے نماز ٹوٹنے کا خدشہ ہوتا ہے اور اگر اس پر بھی گزرنے والا نہ باز آئے تو اس سے مقاتلہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس کے مفاسد کہیں زیادہ ہیں لیکن نمازی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ گزرنے والے کو شیطان بھی مقاتلہ کی طرح تنبیہاً کہا گیا ہے ورنہ شیطان تو درحقیقت کافر ہے لیکن گزرنے والا اس عمل سے کافر نہیں ہوتا اس لیے یہاں شیطان سے مراد یا تو شیطانی کام ہوگا یا شیطان کی رفاقت مراد ہوگی۔ نمازی کے آگے سے گزرنے میں اس قدر سخت تنبیہ اس لیے کی گئی کہ دورانِ نماز بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے اور کوئی نہیں چاہتا کہ اس حالت میں کوئی تیسرا دخیل ہو۔ جس طرح معراج شریف میں حضور ﷺ اور اللہ ذوالجلال کے علاوہ تیسرا کوئی نہ تھا تو نماز بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی امت کو سعادت معراج عطاء کی ہے۔ جب نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسائی پاتا ہے اور اس کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے وہاں سرکار دوعالم ﷺ کی ذات مقدسہ مشاہدے میں آتی ہے تو علامہ عینی و عسقلانی کے بقول اس مشاہدے کے ساتھ وہ فوراً السلام علیک ایھا النبی کے خطاب سے سرکار دوعالم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے۔ بہرحال نماز مومن کی معراج ہے اس لیے نمازی کے آگے سے گزرنا سخت برا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۸۲ - بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّطَوُّعِ فِي الْمَسْجِدِ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ

مسجد میں نفل ادا کرنے کے استحباب میں

۲۷۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ السُّلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ.

امام مالک نے ہمیں عامر بن عبداللہ بن زبیر سے انہوں نے عمرو بن سلیم الزرقی سے خبر دی وہ ابوقتادہ سلمٰی سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے وہ دو رکعت پڑھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا تَطَوُّعٌ وَهُوَ حَسَنٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ.

امام محمد کہتے ہیں یہ دو رکعت نفل ہیں اور پڑھنے اچھے ہیں لیکن واجب نہیں ہیں۔

یہ دو نفل عام طور پر ''تحیۃ المسجد'' کہلاتے ہیں اور ان کا حکم دیگر نوافل جیسا ہی ہے اس لیے نوافل کی ادائیگی کے بارے میں دوسری احادیث کو سامنے رکھ کر ان کا حکم واضح ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے طلوع و غروب آفتاب اور زوال کے وقت ہر نماز سے منع فرمایا اور تین اوقات کے علاوہ طلوع صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل بھی نفل پڑھنے نماز عصر ادا کر لینے سے غروب آفتاب تک اور غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل بھی نفل پڑھنے کی اجازت نہیں۔ ان اوقات میں اگر کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے نہ تو تحیۃ المسجد اور نہ ہی تحیۃ الوضو کے نوافل پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس

سلسلہ میں دلائل تفصیل سے گزر چکے ہیں صرف ایک روایت ذکر کی جاتی ہے۔

عن ضمرة بن سعيد سمع ابا سعيد يقول نهى رسول الله ﷺ عن صلوة بعد العصر حتى الغروب وبعد الفجر حتى الطلوع. معاذا لقرشي انه طاف بالبيت مع معاذ بن عفرة بعد العصر وبعد الصبح فلم يصل فسالته فقال قال رسول الله ﷺ لا صلوة بعد صلوتين بعد الغداة حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۴۸ باب من قال لاصلوۃ بعد العصر)

ضمرہ بن سعید نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور ﷺ نے عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفلی نماز سے منع فرمایا۔ معاذ قرشی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ بن عفرہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا' عصر اور صبح کے بعد طواف کرتے وقت انہوں نے دو رکعت طواف نہ پڑھیں۔ میں نے پوچھا آپ نے دو رکعت کیوں نہیں پڑھیں؟ کہنے لگے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے دونمازوں کے بعد نفلی نماز نہیں۔ صبح کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اوقات مذکورہ میں کسی قسم کی کوئی نفل نماز جائز نہیں حتیٰ کہ طواف کی دو رکعتیں بھی نہیں ادا کی جائیں گی۔ ان اوقات کے بارے میں بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما احادیث میں آیا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب ان دو اوقات میں شیطان کے سینگوں پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے لہٰذا تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو مستحب نفل ہیں اور انہیں ایسے اوقات میں ادا کرنا مستحب ہے جن میں نوافل کی ادائیگی جائز ہے۔ فاعتبروا يااولي الابصار

۸۳ - بَابُ الْاِنْفِتَالِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز سے فارغ ہونے پر منہ پھیرنا

۲۷۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يُحَدِّثُ عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ فَلَمَّا قَضَيْتُ صَلٰوتِيْ اِنْصَرَفْتُ اِلَيْهِ مِنْ قِبَلِ شِقِّ الْاَيْسَرِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَنْصَرِفَ عَلٰى يَمِيْنِكَ قُلْتُ رَاَيْتُكَ وَانْصَرَفْتُ اِلَيْكَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَاِنَّكَ قَدْ اَصَبْتَ فَاِنَّ قَائِلًا يَقُوْلُ اِنْصَرِفْ عَلٰى يَمِيْنِكَ فَاِذَا كُنْتَ تُصَلِّيْ اِنْصَرِفْ حَيْثُ اَحْبَبْتَ عَلٰى يَمِيْنِكَ اَوْيَسَارِكَ وَيَقُوْلُ نَاسٌ اِذَا قَعَدْتَ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَقَدْ رَقِيْتُ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى حَاجَتِهٖ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ.

(بحذف اسناد) جناب واسع بن حبان کہتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبلہ کی طرف ٹیک لگائے بیٹھے تھے جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں ان کی طرف بائیں جانب سے مڑا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے دائیں جانب مڑنے سے کس بات نے روکا؟ میں نے کہا کہ میں آپ کو دیکھ چکا تھا اس لیے آپ کی طرف مڑ گیا۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: تو نے درست کیا ہے کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ دائیں جانب مڑ لیکن جب تو نماز پڑھ کر مڑنا چاہے تو جدھر دائیں بائیں تیری مرضی مڑ جایا کر اور لوگ کہتے ہیں کہ جب تو قضائے حاجت کے لیے جائے تو بیت المقدس اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھنا۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے حضور ﷺ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے رفع حاجت کرتے پایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ نَاْخُذُ يَنْصَرِفُ الرَّجُلُ اِذَا سَلَّمَ عَلٰى اَيِّ شِقِّهٖ اَحَبَّ وَلَا بَاْسَ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ بِالْخَلَاءِ مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ بَيْتَ

امام محمد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر ہمارا عمل ہے وہ یہ کہ سلام پھیرنے کے بعد نمازی جس طرف چاہے مڑ جائے اور قضائے حاجت کے وقت بیت المقدس کی

الْمَقْدِسِ اِنَّمَا يُكْرَهُ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ بِذٰلِكَ الْقِبْلَةَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

طرف منہ کر کے بیٹھنا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مکروہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں قبلہ کی طرف منہ کیا جائے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

اس باب میں پہلا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ نماز پڑھنے کے بعد امام اور مقتدی اگر دائیں بائیں کسی طرف مڑ جاتے ہیں تو دونوں طرح درست ہے لیکن دائیں کو بائیں پر فضیلت کی بنا پر دائیں طرف مڑنا اولیٰ ہوگا۔ دوسرا مسئلہ یہ بھی کہ جب کوئی ذی مرتبہ اور محترم ومکرم شخصیت بائیں جانب ہو تو اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادھر مڑنا اولیٰ ہوگا۔ تیسرا مسئلہ یہ کہ امام کے لیے خاص کر نماز مکمل کرنے کے بعد (فرضی نماز) قبلہ رخ بیٹھے رہنا اور ادھر ہی منہ کر کے دعا مانگنا صحیح نہیں ہے۔ اس کی مزید تحقیق فتاویٰ رضویہ جلد ثالث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ چوتھا مسئلہ یہ کہ بوقت بول و براز قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا یا پشت کر کے بیٹھنا ممنوع ہے خواہ آبادی میں ہو یا کھلے میدان میں یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اعتراض

موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے غیر مقلد مولوی عطاء اللہ لکھتا ہے "جنگل میں نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ" جیسا کہ ابو ایوب کی حدیث میں ہے اور لیٹرین میں دونوں فعل جائز ہیں جیسا کہ روایت کیا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔

(ترجمہ موطا از عطاء اللہ ص ۱۰۱)

مترجم مذکور نے یہ دونوں مسئلے اس طرح استنباط کیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی چھت پر سے دیکھا تو حضور ﷺ جانب بیت المقدس منہ کیے قضائے حاجت فرما رہے تھے چونکہ آپ ایسی جگہ تھے جو شہر میں تھی اس لیے کسی چار دیواری کے اندر ہی ہوں گے لہٰذا چار دیواری میں کھلی اجازت ہے اور بیت الخلاء بھی چار دیواری میں ہوتا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ بیت الخلاء میں قبلہ رخ بیٹھنے کی ممانعت نہیں بلکہ اجازت ہے۔ دوسرا مسئلہ کھلی فضا کا ہے وہاں چار دیواری نہ ہونے کی وجہ سے قبلہ رخ بیٹھ کر بول و براز نہیں کرنا چاہیے لہٰذا ثابت ہوا کہ احناف کا ہر جگہ پابندی لگانا درست نہیں ہے۔

جواب: اس روایت سے تو مولوی عطاء اللہ نے کھینچ کر اپنا مطلب نکالا جب کہ احناف کا مسلک حضور ﷺ کی ایک حدیث صریح کے مطابق ہے۔ وہ حدیث پاک یہ ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول الله ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولکن شرقوا او غربوا.

حضرت ابو ایوب انصاری بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم بول و براز کرنے لگو تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ ہی پشت بلکہ مشرق یا مغرب کو ہو جاؤ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲ باب آداب الخلاء)

نوٹ: وہاں مدینہ منورہ میں قبلہ جانب جنوب ہے اس لیے اس کے اعتبار سے مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے کو فرمایا جبکہ ہمارے ہاں پاکستان میں یہ سمت شمالاً جنوباً ہوگی۔

(۱) اس حدیث میں حضور ﷺ نے چار دیواری اور کھلے میدان کا امتیاز نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً قبلہ کی طرف منہ کر کے یا پشت کر کے بول و براز سے منع فرمایا۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قبلہ رخ دیکھ کر روایت کرنا۔ حضور ﷺ کے فعل شریف کی روایات کرنا اور اصول

حدیث کے مطابق فعل سے قول کو ترجیح ہوتی ہے اور مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے جو ہم نے روایت ذکر کی وہ قولی حدیث ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فعلی ہے۔ وجہ ترجیح یہ بیان کی جاتی ہے کہ قول رسول اللہ ﷺ سب کے لیے واجب الاتباع ہوتا ہے اور فعل رسول آپ کے ساتھ مخصوص بھی ہوسکتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سرکار دوعالم ﷺ کو جانب قبلہ رخ کیے دیکھنا ہوسکتا ہے آپ کے قولاً منع فرمانے سے پہلے کا واقعہ ہو لہٰذا وہ منسوخ ہوا۔

(٤) ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اچانک نظر پڑی تو آپ صحیح اندازہ نہ کر سکے ہوں کیونکہ ایسی حالت میں کسی کی طرف نگاہ بھر کر اور قصداً دیکھنا پھر سرکار دوعالم ﷺ کی ذات مقدسہ کی طرف ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسے شخص سے متصور نہیں ہو سکتا تو اس اچانک دیکھنے میں آپ کو غلطی لگی ہو اور قبلہ رخ ہونا دکھائی دیا ہو۔

(٥) قبلہ رخ بیٹھنے کا مطلب یہ کہ بیٹھنے والے کے جسم کا اگلا حصہ یعنی سینہ وغیرہ ادھر ہو اس لیے اگر ایک شخص قبلہ رخ بیٹھا نہیں بلکہ دائیں بائیں ہے اور منہ قبلہ رخ موڑ کر کسی طرف دیکھ رہا ہو چونکہ حضور ﷺ چار دیواری کے اندر تھے اس لیے آپ کا مکمل جسم نظر آنے کی بجائے صرف چہرہ اقدس جانب قبلہ دیکھ کر اس کی حکایت کر دی ہو لیکن جو حصہ قبلہ رخ کرنا ممنوع ہے وہ اس طرف نہ ہو اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا دیکھنا محتمل ہوا۔

(٦) حضرات صحابہ کرام کا عمل اسی مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک کی تائید کرتا ہے جس کی شہادت ایک اور مقام پر ان الفاظ سے موجود ہے۔

عن ابن ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ الغائط ولا بوت ولا تستدبروھا ولکن شرقوا اوغربوا قال ابو ایوب فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت مستقبلۃ القبلۃ فننحرف عنھا ونستغفر اللہ قال ابو عیسی حدیث ابوایوب احسن شیء فی ھذا الباب واصح.

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: جب تم رفع حاجت کیلئے آؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ ہی پشت بلکہ دائیں بائیں منہ کیا کرو۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم شام گئے تو وہاں ہم نے بیت الخلاء قبلہ رخ بنے دیکھے۔ ہم ان سے ہٹ گئے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کی۔ امام ترمذی نے کہا ابوایوب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس موضوع پر احسن اور اصح ہے۔

(ترمذی شریف ج ا ص ۳ باب فی النہی عن استقبال القبلۃ بغائط او بول)

قارئین کرام! حضور ﷺ کی حدیث پاک جس میں چار دیواری اور کھلے میدان میں بول و براز کی تفریق نہ تھی۔ حضرات صحابہ کرام نے بھی اسی معنی میں اسے مطلق سمجھا۔ حضرت ابوایوب انصاری ایسے جلیل القدر صحابی نے جب ملک شام میں آبادی کے اندر بیت الخلاء کا رخ جانب قبلہ دیکھا تو ان سے انحراف کیا اور استغفار کی اگر مولوی عطاء اللہ غیر مقلد کی بات درست ہوتی تو حضرات صحابہ کرام سے بھی اس کی تائید ملتی حالانکہ آبادی میں بیت الخلاء تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ بول و براز کے وقت چار دیواری اور کھلے میدان ہر جگہ کا حکم ایک ہی ہے یہی حضور ﷺ نے فرمایا اور اسے اسی طرح صحابہ کرام نے سمجھا۔

(۷) جب کہ حضور ﷺ نے فرمایا جانب قبلہ تھوکنے والے کے پیچھے اقتدا کرنے سے منع فرما دیا ہے تو جانب قبلہ پیشاب کرنے والے کا قصور اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہیے؟ آپ کے ارشاد گرامی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

عن السائب بن خلاد وھو رجل من اصحاب

حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت سائب بن خلاد

النبی ﷺ قال ان رجل ام قوما فبصق فی القبلة ورسول الله ﷺ ینظر فقال رسول الله ﷺ لقومه حین فرغ لایصلی لکم فاراد بعد ذالک ان یصلی بهم فمنعوه فاخبروه بقول رسول الله ﷺ فذکر ذالک لرسول الله ﷺ فقال نعم وحسبت انه قال انک قداذیت الله ورسوله.

(مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ الفصل الثالث)

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امامت کرائی۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا اور رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا آپ نے فرمایا: لوگو! یہ تمہیں آئندہ نماز نہ پڑھائے۔ اس شخص نے بعد میں لوگوں کو نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے روک دیا اور اسے حضور ﷺ کا ارشادگرامی بتایا۔ اس نے جا کر حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں میں نے کہا تھا۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے فرمایا: تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔

مذکورہ حدیث سب کے نزدیک درست ہے جس سے قبلہ رخ تھوکنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرما دیا۔ اس میں بھی چار دیواری اور جنگل وغیرہ کی تفریق نہیں ہے حالانکہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا اس سے کہیں بڑی غلطی ہے؟ علاوہ ازیں اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف تھوکنے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت ہوتی ہے لہٰذا قبلہ کی طرف بول و براز کرنے سے اس سے بڑھ کر اذیت ہوگی اور اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

(۸) مکہ مکرمہ میں اس دور کے اندر شاید ہی کوئی مکان دومنزلہ ہوتا ہو ورنہ ایک منزلہ ہی مکانات ہوتے تھے اب جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کو قضائے حاجت فرماتے دیکھا تو آپ اس وقت مکان کی چھت پر ہوں گے تو مکان کی چھت پر ہونا اور کھلے میدان میں ہونا ایک جیسا حکم رکھتا ہے کیونکہ چھت پر قضائے حاجت کرنے سے جانب قبلہ کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ رکاوٹ تبھی ہوتی کہ کوئی دومنزلہ مکان جانب قبلہ واقع ہوتا۔ جو ان دنوں مفقود تھا لہٰذا یہ بھی فضاء کی طرف منہ کرنا ہوا اور کھلے میدان میں بھی فضاء کی طرف ہی منہ ہوگا کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ قضائے حاجت کے وقت طرف قبلہ منہ کرنا جائز اور دوسری جگہ ناجائز ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ مکان کی چھت پر قضائے حاجت کے وقت طرف قبلہ منہ کر کے بیٹھا جائے تو درمیان بہت سے ایک منزلہ مکانات ہوتے ہیں تو یہی بات فضاء اور کھلے میدان میں بول و براز کرنے والے کے بارے میں ہم کہیں گے۔ اس کے اور قبلہ کے درمیان کئی آبادیاں پہاڑ وغیرہ ہوتے ہیں لہٰذا پھر بھی دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ مولوی عطاء اللہ وغیرہ جیسے لوگ جو چار دیواری اور غیر چار دیواری میں قضائے حاجت کا فرق کر کے اول الذکر میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے کے جواز اور مؤخر الذکر میں عدم جواز کے قائل ہیں۔ یہ قول احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٨٤ - بَابُ صَلٰوةِ الْمُغْمٰى عَلَيْهِ

بے ہوش کی نماز

٢٧٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ اُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَلَمْ يَقْضِ الصَّلٰوةَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بے ہوش ہو گئے پھر جب افاقہ ہوا تو انہوں نے بے ہوشی کے دوران چھوٹی نماز قضا نہ کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا اُغْمِيَ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَاَمَّا اِذَا اُغْمِيَ عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً اَوْ اَقَلَّ قَضٰى

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر ایک دن اور رات سے زائد عرصہ تک بے ہوش رہے تو نماز کی قضا نہیں اگر ایک دن

صَلٰوتَهٗ بَلَغَنَا عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ اَنَّهٗ اُغْمِيَ عَلَيْهِ اَرْبَعَ صَلَوَاتٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَضٰى اَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ اَبُوْ مَعْشَرٍ الْمَدِيْنِيُّ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ.

رات یا اس سے بھی کم بے ہوشی رہی تو نماز کی قضا ہوگی۔ ہمیں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے جو روایت پہنچی کہ ان پر چار نمازوں تک بے ہوشی طاری رہی پھر آرام آنے پر انہوں نے یہ چار قضا کی تھیں اس کی خبر ہمیں ابومعشر مدینی نے اپنے بعض اصحاب سے دی۔

بے ہوشی یا غشی طاری ہونے کے بعد افاقہ ہوا تو حالت بے ہوشی میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ احناف کا مسلک وہی ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بیان فرمایا جس کی آپ نے مذکورہ حدیث کے آخر میں صراحت بھی فرما دی۔ امام شافعی اور مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ حالت غشی میں اگر ایک نماز بھی چھوٹ جائے تو اس کی بھی قضا نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غشی کی صورت میں رہ گئی نماز بہرحال قضا کرنا پڑے گی اگرچہ سال بھر کی نمازیں بے ہوشی میں رہ گئیں۔ ان دو مسالک کے درمیان ہم احناف کا مسلک ہے۔

اعتراض

احناف نے جو ایک دن رات یعنی پانچ نمازوں سے زائد وقت کی غشی میں قضا نہ کرنے کا قول کیا ہے اور اس سے کم میں وجوب قضا کہا ہے تو یہ پانچ نمازوں سے کم قضا کا حکم حدیث پاک کے خلاف ہے لہٰذا قابل تسلیم نہیں؟ حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

عن عائشة رضي الله عنها انها سالته عليه السلام عن الرجل يغمى عليه فيترك الصلوة فقال ليس لشيء من ذالك كذا الا ان يغمى عليه في وقت صلوة فيفيق فيه فانه يصليها.

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۹)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص پر غشی طاری ہوگئی تو اس کو نماز چھوڑ دینی چاہیے؟ آپ نے فرمایا: اس پر قضا واجب نہیں مگر اس صورت میں کہ کسی نماز کے وقت میں بے ہوش ہوا اور اسی وقت میں ہوش میں آ گیا یہ نماز وہ پڑھے گا۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر حالت غشی میں ایک نماز کا پورا وقت نکل گیا وہ بھی قضا نہیں ہوگی چہ جائیکہ پانچ نمازوں تک کی قضا کا قول کیا جائے۔

جواب: صاحب فتح القدیر نے روایت مذکورہ ذکر کر کے اس کا جواب بھی ذکر فرمایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وهذا ضعيف جد وفيه الحكم بن عبد الله بن سعد الايلى قال احمد احاديثه موضوعة وقال ابن معين ليس بثقة ولا مامون وكذبه ابو حاتم وغيره وقال بخاری تركوه ثم بقية امام السند الى الحكم هذا مظلم كله.

یہ روایت انتہائی ضعیف ہے اور اس میں ایک راوی حکم بن عبداللہ بن سعد ایلی ہے جس کے بارے میں احمد نے کہا ہے کہ اس کی احادیث من گھڑت ہیں۔ ابن معین نے کہا یہ نہ ثقہ ہے اور نہ ہی مامون و محفوظ۔ ابو حاتم وغیرہ نے اس کی تکذیب کی ہے اور امام بخاری نے کہا محدثین کرام نے اس کو ترک کر دیا ہے پھر حکم سے آگے سند ویسے ہی اندھیرے میں ہے۔

لہٰذا حدیث مذکور اول تو موضوع ہوئی ورنہ کم از کم قابل ترک ضرور ہے اس سے استدلال کرنا ہرگز درست نہیں اس لیے ثابت ہوا کہ احناف کا مسلک معتدل ہے یعنی پانچ یا پانچ سے زیادہ نمازوں تک بے ہوشی طاری رہے تو ان نمازوں کی قضا نہیں۔ اس سے کم کی قضا واجب ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٨٥ - بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

بیمار کی نماز کے بیان میں

٢٧٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمَرِيْضُ السُّجُوْدَ اَوْمٰى بِرَاْسِهٖ۔

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کی فرمایا: جب بیمار سجدہ نہ کر سکے تو اپنے سر سے سجدہ کے لیے اشارہ کرلیا کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَّبِهٰذَا نَاْخُذُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى عُوْدٍ وَّلَا شَيْءٍ يُّرْفَعُ اِلَيْهِ وَيَجْعَلُ سُجُوْدَهٗ اَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی یہی عمل ہے۔ یہ نہیں چاہیے کہ بیمار لکڑی یا کسی اور چیز کو اٹھا کر ماتھے سے لگا کر سجدہ کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے اعتبار سے ذرا نیچے ہو کر کرے۔

مریض اور صاحب عذر کے لیے نماز پڑھنے میں اس کے عذر کے مطابق رعایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قیام کی قدرت ہے چاہے ٹیک لگا کر ہی سہی تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے گا۔ اگر کسی طرح کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا۔ اگر سجدہ، رکوع نہیں کر سکتا تو ان کے لیے اشارہ کرے گا لیکن سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ جھک کر ہو گا۔ اس صورت میں اشارہ کی بجائے زمین سے کوئی چیز اٹھا کر ماتھے پر لگا کر سجدہ کرنا ممنوع ہے جس کی بابت بیہقی شریف ج ۲ ص ۳۰۶ پر مذکور ہے۔ ''ایک شخص بیمار ہوا حضور ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے وہ تکیہ پر سجدہ کر رہا تھا' آپ نے تکیہ ہٹا دیا' اس نے لکڑی زمین سے اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا چاہا آپ نے وہ بھی پکڑ لی' فراغت پر فرمایا: ایسا کرنے کی بجائے سر سے اشارہ کرنا چاہیے۔'' بہر حال جس طرح بھی ہو سکے نماز ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمانے والا ہے۔

٨٦ - بَابُ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

مسجد میں تھوکنے کی کراہت کا بیان

٢٧٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى بُصَاقًا فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَكَّهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰى.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں قبلہ کی طرف تھوک پڑا دیکھا تو اسے کھرچ کر باہر پھینک دیا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے چہرہ کی جانب مت تھوکے بے شک اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کی جانب ہوتا ہے جب آدمی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ لَّا يَبْصُقَ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى.

امام محمد کہتے ہیں نمازی کو چاہیے کہ اپنے چہرہ کی جانب نہ تھوکے اور نہ ہی اپنی دائیں جانب تھوکنا چاہیے تو بائیں جانب یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے۔

مسجد میں اور دورانِ نماز تھوکنے کی تفصیل مختلف کتب احادیث اور ان کی شروحات میں درج ہیں جس کی موٹی موٹی باتیں ہم بیان کر دیتے ہیں۔

(١) دوران نماز قبلہ رخ نہ تھوکے بلکہ نماز کے علاوہ بھی قبلہ رخ تھوک نہ پھینکنا چاہیے کیونکہ نماز کے دوران ایک تو اللہ تعالیٰ کی بے کیف و بے مثل ذات کا نمازی کے سامنے جلوہ ہوتا ہے۔ دوسرا قبلہ کی جانب بھی ہے جانب قبلہ نماز یا خارج از نماز تھوکنے کے

بارے میں روایات میں آتا ہے کہ کل قیامت کے دن وہ تھوک تھوک والے کے چہرہ پر ملا ہوا ہوگا۔

(۲) دوران نماز اگر تھوک پھینکنا چاہے تو دائیں جانب بھی نہ پھینکے کیونکہ رحمت کے فرشتے اس جانب ہوتے ہیں بلکہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک دے۔

(۳) بائیں جانب جب کوئی اور نمازی کھڑا ہو تو ادھر بھی نہ تھوکے اور اگر مسجد کا فرش کچا نہیں تو مسجد کے فرش پر کسی جگہ اور کسی سمت نہ تھوکے۔

(٤) اگر پختہ فرش والی مسجد میں نماز کے دوران تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو اپنے کسی کپڑے میں تھوک دے اور اسے مسل دے۔ اگر فرش کچا ہے تو فراغت کے بعد یا تو اٹھا کر باہر پھینک دے یا پھر اسے دفن کرے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۸۷ - بَابُ الْجُنُبِ وَ الْحَائِضِ يَعْرَقَانِ فِيْ ثَوْبٍ

جنبی اور حیض والی عورت کا پسینہ

۲۷۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ وَهُوَ جُنُبٌ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حالت جنابت میں پسینہ کپڑے کو لگ جاتا تھا پھر آپ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِهٖ مَا لَمْ يُصِبِ الثَّوْبَ مِنَ الْمَنِيِّ شَيْءٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں جب تک کپڑے کے ساتھ منی نہ لگے صرف پسینہ لگنے میں کوئی حرج نہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

جنابت اور حیض دونوں سے جسم کا نجس ہونا ''حکمی'' ہے حقیقۃً جسم پر کوئی نجاست نہیں ہوتی اس لیے ایسی حالت میں کسی کپڑے پر پسینہ لگ جانا' پانی میں ہاتھ ڈالنا' روٹی پکانا وغیرہ ناپاک نہ ہوں گے۔ اسی کی تائید میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حالت حیض میں اپنا پینے سے بچا ہوا پانی حضور ﷺ کو دینا اور آپ کا اسے نوش فرمالینا اسی قبیل سے ہے۔ ایک مرتبہ کھانا' بقیہ حضور علیہ السلام کو دے دینا اور آپ کا اسے تناول فرمالینا اسی قبیل سے ہے۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی سے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے ارشاد پر ہاتھ بڑھا کر مصلیٰ پکڑا اور آپ کو دے دیا۔ نیز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی ہمشیرہ سے دریافت کیا کہ کیا حضور ﷺ وہ کپڑے جن میں آپ نے مباشرت فرمائی ہوتی، پہن کر نماز ادا فرما لیا کرتے تھے۔ کہنے لگے ہاں۔ خلاصہ یہ کہ جب تک منی وغیرہ نجاست نہ لگے تو طہارت کا ہی حکم ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۸۸ - بَابُ بَدْءِ اَمْرِ الْقِبْلَةِ وَمَا نُسِخَ مِنْ قِبْلَةِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ

کعبہ کی قبلیت کی ابتدا اور بیت المقدس کی منسوخیت کا بیان

۲۷۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بَيْنَمَا النَّاسُ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اِذْ اَتَاهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْاٰنٌ وَقَدْ اُمِرَ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوْهُهُمْ اِلَى

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی فرمایا کہ لوگ صبح کی نماز مسجد قباء میں ادا کر رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات قرآن کریم اترا اور آپ کو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا لہٰذا تم بھی قبلہ رخ ہو جاؤ اس وقت ان نمازیوں

الشَّامِ فَاسْتَدَارُوْا اِلَى الْكَعْبَةِ.

کے منہ شام کی طرف تھے سنتے ہی وہ قبلہ رخ ہو گئے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ فِيْمَنْ اَخْطَاَ الْقِبْلَةَ حَتّٰى صَلّٰى رَكْعَةً اَوْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ يُصَلِّيْ اِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ فَلْيَنْحَرِفْ اِلَى الْقِبْلَةِ فَيُصَلِّيْ مَا بَقِيَ وَيَعْتَدُّ بِمَا مَضٰى وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہم یہی مسلک رکھتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں جو قبلہ کو بھول گیا حتیٰ کہ اس نے ایک یا دو رکعت بھی پڑھ لیں پھر اسے پتہ چلا کہ اس نے اب تک کی نماز غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھی ہے تو پتہ چلتے ہی وہ قبلہ رخ ہو جائے اور بقیہ نماز ادا کرے اور جو پڑھ چکا وہ ہو گئی۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

حضور ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو وہاں ایک سال ساڑھے پانچ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے لیکن آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ وہی پہلا قبلہ جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا ... کے لیے بھی مقرر فرما دے۔ چنانچہ مسجد بنی سلمہ (جسے بعد میں مسجد قبلتین کہا گیا) میں آپ ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے اور وحی کے انتظار میں آپ آسمان کی طرف دیکھ لیتے۔ اسی دوران جبرئیل امین تحویل قبلہ کی آیات لے کر آئے تو آپ نے فوراً اپنا رخ بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ واقعہ رجب شریف کی ۱۵ تاریخ بروز پیر پیش آیا۔ آپ کے پیچھے نمازیوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے آپ کی اقتدا میں منہ پھیر لیے اور دوسرے نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ آپ کے لیے مخصوص حکم ہوگا منہ نہ پھیرا۔ اختتام نماز پر آپ نے منہ پھیر لینے والوں کے نام لے کر جنتی ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس واقعہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے لیے مسئلہ استخراج فرمایا۔ جو بھولے سے غلط طرف منہ کر کے کچھ نماز پڑھ لے اور دوران نماز صحیح علم ہو گیا تو وہ جتنی پڑھ چکا اسی پر بقیہ کی نماز رکھے اور منہ پھیرے اس کی پوری نماز درست ہو جائے گی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٨٩ - بَابُ الرَّجُلُ يُصَلِّيْ بِالْقَوْمِ وَهُوَ جُنُبٌ اَوْ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

جنبی اور بے وضو کی امامت کا بیان

٢٧٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ حَكِيْمٍ اَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَلَّى الصُّبْحَ ثُمَّ رَكِبَ اِلَى الْجُرُفِ ثُمَّ بَعْدَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ رَاٰى فِيْ ثَوْبِهٖ اِحْتِلَامًا فَقَالَ لَقَدِ احْتَلَمْتُ وَمَا شَعَرْتُ وَلَقَدْ سُلِّطَ عَلَيَّ الْاِحْتِلَامُ مُنْذُ وُلِّيْتُ اَمْرَ النَّاسِ ثُمَّ غَسَلَ مَا رَاٰى فِيْ ثَوْبِهٖ وَنَضَحَهٗ ثُمَّ اغْتَسَلَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى الصُّبْحَ بَعْدَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ.

ہمیں امام مالک نے انہیں اسماعیل بن ابی حکیم نے خبر دی کہ سلمان بن یسار نے خبر دی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز ادا فرمائی پھر مقام جرف کی طرف روانہ ہو گئے۔ طلوع آفتاب کے بعد آپ کو اپنے کپڑے میں لگا ہوا احتلام دکھائی دیا۔ فرمایا: مجھے احتلام ہو گیا تھا اور پتہ نہ چل سکا۔ خلیفہ بننے کے بعد احتلام مجھے بکثرت ہو جاتا ہے پھر آپ نے کپڑے پر سے احتلام کے اثرات دھوئے یا پانی اس پر گرایا پھر غسل فرمایا پھر طلوع آفتاب کے بعد دوبارہ صبح کی نماز پڑھی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَنَرٰى اَنَّ مَنْ عَلِمَ ذٰلِكَ مِمَّنْ صَلّٰى خَلْفَ عُمَرَ فَعَلَيْهِ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ كَمَا اَعَادَهَا عُمَرُ لِاَنَّ الْاِمَامَ اِذَا فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ فَسَدَتْ صَلٰوةُ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

امام محمد کہتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس مقتدی کو اپنے امام کی اس حالت کا علم ہو جائے۔ اسے اپنی نماز لوٹانا واجب ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوٹائی تھی کیونکہ جب امام کی نماز فاسد ہو جائے تو نمازیوں کی بھی فاسد ہو جاتی

رحمة الله عليه۔ ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ واقعہ سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کے جنبی ہونے اور بے وضو ہونے کی صورت میں بھول کر نماز پڑھا دینے سے نماز نہیں ہوتی 'جب یاد آئے خود بھی لوٹائے اور وہ نمازی بھی لوٹائیں جنہوں نے ایسی حالت میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھی لیکن امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما اس صورت میں مقتدیوں کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیتے۔ احناف دونوں کے اعادہ کا حکم دیتے ہیں کیونکہ مقتدیوں کی نماز کا دار و مدار امام کی نماز پر ہوتا ہے۔ اس کی تائید مصنف عبد الرزاق، استذکار لابن عبد البر میں موجود ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث پاک ہے"انما جعل الامام ليؤتم به امام ہوتا ہی اقتدا کے لیے ہے"۔"قراة الامام قراة له امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے"۔نیز"الا مام ضامن لصلوة القوم امام قوم کی نماز کا ضامن ہے"۔ان احادیث مقدسہ کی روشنی میں امام اور مقتدی کا باہمی تعلق معلوم ہوتا ہے جس سے امام کی نماز کا فساد و بطلان مقتدی کی نماز پر اثر انداز ہوگا۔ اسی علت کی بنا پر احناف نے مسئلہ مذکورہ میں مقتدیوں کو بھی نماز لوٹانے کا کہا ہے۔ شارحین کرام نے یہاں اور بھی بہت سے مسائل کا ذکر کیا ہے مثلا احتلام ہوا اور یاد نہ رہا یا کپڑوں پر احتلام کے اثرات دیکھے لیکن احتلام ہونا تو یاد ہے لیکن اس کے اثرات کہیں نہیں ملتے۔ وغیرہ وغیرہ ان کی تفاصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

٩٠- بَابُ الرَّجُلُ يَرْكَعُ دُوْنَ الصَّفِّ اَوْيَقْرَأُ فِيْ رُكُوْعِه

صف سے ذرا ہٹ کر رکوع کرنے والے اور رکوع میں قرأت کرنے والے کا بیان

٢٧٨- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ اَنَّهُ قَالَ دَخَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَوَجَدَ النَّاسَ رُكُوْعًا فَرَكَعَ ثُمَّ دَبَّ حَتّٰى وَصَلَ الصَّفَّ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے انہیں ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے تو لوگوں کو حالت رکوع میں پایا۔ آپ نے فوراً رکوع کیا اور پھر رکوع میں ہی آہستہ آہستہ چل پڑے حتیٰ کہ صف تک آگئے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا يُجْزِئُ وَاَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ لَّايَرْكَعَ حَتّٰى يَصِلَ اِلَى الصَّفِّ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ایسا کرنے سے رکوع ہو جائے گا اور ہمارے نزدیک پسندیدہ ترین طریقہ یہ ہے کہ صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع نہ کرے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٢٧٩- قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا الْمُبَارِكُ ابْنُ الْفَضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ اَبَابَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَكَعَ دُوْنَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى حَتّٰى وَصَلَ الصَّفَّ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهُ ذَكَرَ ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ.

امام محمد نے کہا کہ مبارک ابن فضالہ نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف سے ذرا ہٹ کر رکوع کیا پھر چلتے ہوئے صف تک آگئے نماز جب مکمل کر چکے تو اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تمہاری حرص اور بڑھائے آئندہ ایسا نہ کرنا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰكَذَا نَقُوْلُ وَهُوَ يُجْزِئُ وَاَحَبُّ اِلَيْنَا اَنْ لَّايُفْعَلَ.

امام محمد کہتے ہیں ہم بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ ایسا کرنے سے رکوع ہو جائے گا لیکن پسندیدہ ترین ہمارے نزدیک ایسا نہ کرنا ہی ہے۔

٢٨٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی جو ابن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے ابراہیم بن عبد اللہ بن حنین بن

مُحَيْنٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰی عَنْ لُبْسِ الْقَسِیِّ وَعَنْ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِی الرُّكُوْعِ.

عبداللہ سے انہوں نے جبیر بن حسین سے اور انہوں نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے اور زعفرانی رنگ والا کپڑا پہننے سے منع فرمایا۔ آپ نے سونے کی انگوٹھی اور رکوع میں قرأت کرنے سے بھی منع فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يُكْرَهُ الْقِرَاءَةُ فِی الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے۔ رکوع اور سجدے میں قرأت مکروہ ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکورہ تین احادیث میں ایک ہی واقعہ مختلف صحابہ کرام کا منقول ہوا وہ یہ کہ صف سے دور ہی رکوع کر کے پھر چل کر صف یا قوم کے ساتھ آملنا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا لیکن اس کا ترک زیادہ پسندیدہ فرمایا۔ اسی مضمون کی حدیث صاحب مشکوٰۃ نے امام بخاری سے ذکر فرمائی ہے۔ مسئلہ مذکورہ کی تفصیل یہ ہے کہ رکوع میں شامل ہو کر صف میں ملنے کے لیے چلنا کس قدر مخل نہیں۔ اس کی پہچان عمل کثیر یا عدم عمل کثیر پر ہوگی۔ اگر زیادہ چلنا پایا گیا جو عمل کثیر کی تعریف میں آجاتا ہو تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی ورنہ جائز لیکن خلاف اولیٰ مشکوٰۃ شریف میں موجود اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری نے فرمایا: اگر ایک دو قدم چلنے کی ضرورت پڑی تو نماز فاسد نہ ہوگی اس سے زائد پر فاسد ہو جائے گی۔ نیز لکھا **قال النخعی وحماد وابن ابی لیلی ووکیع واحمد مبطل** ان حضرات نے دو سے زائد قدم چلنے والے کی نماز کو باطل قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۷۶ باب المعرفت الامام والماموم فصل نمبر ا مطبوعہ امدادیہ ملتان) اس مسئلہ کی مزید تشریح درج ذیل فتویٰ میں ہے۔

ولوام رجلا فجاء ثالث ودخل فی صلوتهما فتقدم الامام حتی جاوز موضع سجوده ان یتقدم قدرمایکون بین صف الاول والامام لا تفسد ولومشی فی صلوته ان کان قدر صف واحد لا تفسدوان مشی قدرصفین دفعة واحدة تفسد ولومشی الی صف ووقف ثم مشی الی صف اخر ووقف ثم وثم لاتفسد الصلوة. (خلاصۃ الفتاوی ج ا ص ۹۸ فصل ۱۳ کتاب الصلوٰۃ فصل ۱۳ فیما یفسد الصلوٰۃ وما یفسد الصلوٰۃ)

اگر ایک امام اور ایک مقتدی نماز پڑھ رہے تھے پھر تیسرا آدمی ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا اور امام آگے بڑھا حتیٰ کہ وہ اپنے سجدہ کرنے کی جگہ سے آگے بڑھ گیا۔ یہ بڑھنا انداز اتنا ہو جتنا پہلی صف اور امام کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک ہی مرتبہ دو صفوں جتنا دور چلا گیا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر صف کی طرف چلا، پھر رک گیا، پھر دوسری صف کی طرف چلا پھر رک گیا اس طرح رک رک کر چلتا رہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

مذکورہ حدیث پاک سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) صف کے پیچھے اکیلا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(۲) صف میں ملنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہنا اور رکوع کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(۳) دوران نماز جانب قبلہ ایک دو قدم چلنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔

(٤) تین یا اس سے زائد قدم لگاتار چلنے سے نماز عمل کثیر کی وجہ سے ٹوٹ جائے گی۔

تیسری حدیث میں جن چار اشیاء کا ذکر ہوا یعنی ریشمی کپڑے پہننا، رکوع میں قرأت کرنا اور سونے کی انگوٹھی پہننا اور زرد رنگ کے کپڑے پہننا۔

ان کے بارے میں تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ پہلی تین باتیں ممنوع ہیں اور چوتھی کے بارے میں اختلاف ہے قبل اس کے کہ ان کے متعلق کچھ ذکر کیا جائے۔ بتانا مناسب ہے کہ حدیث مذکور کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کو جب حضور ﷺ نے دو پیلے رنگ کی چادریں اوڑھے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کفار کے کپڑے ہیں نہ پہنا کرو۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر سے ایک روایت ہے کہ ایک شخص دو سرخ رنگ کی چادریں پہنے ہوئے حضور ﷺ کے قریب سے گزرا اس نے سلام عرض کیا آپ نے جواب نہ دیا۔ ان احادیث کی شرح کرتے ہوئے جناب ملا علی قاری نے لکھا کہ بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ سفید رنگ کے کپڑے کو پہننے کے لیے بنایا گیا پھر اسے سرخ یا زرد رنگ میں رنگا گیا تو آپ نے ایسے کپڑے کے بارے میں ذکر کردہ ارشاد فرمایا۔ اس لیے بعض نے کہا ہے کہ اگر سوت پہلے رنگا گیا پھر اسے پہنا تو یہ جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مطلقاً سرخ رنگ اور زرد رنگ کا کپڑا پہننا مردوں کے لیے درست نہیں، زرد رنگ والے کپڑے کو حضور ﷺ کا لباسِ کفار فرمانا اس سے مراد یہ ہے کہ کافر لوگ حلال و حرام لباس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق نہیں کرتے جیسا کہ فرق کرنا چاہیے۔ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ واضح کرتا ہے انہیں جب حضور ﷺ نے دھونے کی اجازت نہ دی اور فرمایا جلا دو تو انہوں نے جا کر جلا دیا۔ دوسرے دن حضور ﷺ نے زرد رنگ کی چادروں کے بارے میں پوچھا کہ کیا کیا ہے؟ تو عرض کی تنور میں جلا دی ہیں فرمایا گھر کی کسی عورت کو دے دیتے لہٰذا معلوم ہوا کہ مردوں کی نسبت عورتوں کے لیے اس کا کپڑا پہننا جائز ہے۔ منع فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب شوخ رنگ (سرخ اور زرد) کے کپڑے عورتوں کے ہونے چاہئیں۔ اگر مرد پہنے گا تو اس کی عورتوں سے مشابہت ہو جائے گی۔ اس مقام پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔

ومختار درمذهب حنفی کراهیت تحریمی است ونماز گزاردن بآن مکروه ودررنگ سرخ ازغیر معصفر نیز خلاف است وشیخ قاسم حنفی که ازاعاظم علماء متاخرین مصرواستاذ قسطلانی است تحقیق نموده وفتوے داده که حرمت ازجهت لون است نه صبغ پس هر سرخ حرام و مکروه باشد. (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۷۹ کتاب اللباس فصل اول مطبوعہ منشی نولکشور لکھنو ہند)

مذہب حنفی میں مختار یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور سرخ رنگ میں بھی اختلاف ہے اور شیخ قاسم حنفی جو متاخرین علماء میں بہت عظیم گزرے اور قسطلانی کے استاد ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے اور ان کا فتویٰ یہ ہے کہ سرخ کپڑے میں حرمت سرخ ہونے کے اعتبار سے ہے رنگنے کے اعتبار سے نہیں لہٰذا ہر سرخ رنگ والا کپڑا حرام اور مکروہ ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

۹۱- بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّيْ وَهُوَ يَحْمِلُ الشَّيْءَ

کسی چیز کو اٹھا کر نماز پڑھنے کا بیان

۲۸۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ اُمَامَةَ ابْنَةَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلِاَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَاِذَا قَامَ حَمَلَهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے عامر بن زبیر نے عمرو بن سلیم الزرقی سے انہوں نے ابو قتادہ السلمی سے خبر دی کہ حضور ﷺ نماز کے دوران اپنی نواسی امامہ کو اٹھائے ہوئے ہوتے تھے۔ جو سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ اور عاص بن ربیع کی بیٹی تھیں۔ جب سجدہ کرتے تو نیچے اتار دیتے اور کھڑے ہوتے وقت اسے پھر اٹھا لیتے تھے۔

حدیث مذکورہ میں پہلی بات جس کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حقیقی صاحبزادیاں ایک نہیں بلکہ چار تھیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمۃ الزہراان میں سے سیدہ زینب کا عقد ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ سیدہ ام کلثوم اور رقیہ کا عقد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے ہوا اور سیدہ فاطمہ الزہرا کا عقد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوا لیکن شیعہ صرف ایک حقیقی بیٹی تسلیم کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کی بحث فقیر نے تحفہ جعفریہ ج ۲ میں تفصیل سے ذکر کر دی ہے۔ صرف ایک دو حوالہ جات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

شیعہ علماء میں سے بہت بڑے مجتہد ملا باقر مجلسی ''حیات القلوب'' ج ۲ ص ۱۵۷ باب پنجم کی ابتداء یوں کرتے ہیں۔

(۱) در حدیث معتبر از حضرت امام جعفر منقول است الخ یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک معتبر حدیث میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آ کر رو دیں آپ نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ عرض کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں خدیجۃ الکبریٰ (یعنی میری والدہ) سے مرتبہ میں بلند اور وہ کم ہیں۔ اس پر آپ نے غصہ میں آ کر عائشہ کو فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے خاوند سے محبت کرنے اور زیادہ اولاد جننے والی سے محبت رکھتا ہے۔ خدیجہ پر اللہ رحم کرے اس سے میرے بیٹے طاہر مطہر جس کو عبداللہ کہتے ہیں اور قاسم پیدا ہوئے اور میری بیٹیاں رقیہ، فاطمہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

(۲) در قرب الاسناد بسند معتبر از صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدہ طاہر و قاسم فاطمہ ام کلثوم رقیہ زینب، قرب الاسناد میں معتبر روایت جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہے کے ذریعہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے فرزند طاہر و قاسم اور صاحبزادیاں فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ، زینب بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔

نمونہ کے لیے یہ دونوں حوالہ جات کافی ہیں۔ بہرحال حضور ﷺ کی ایک حقیقی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے حضور ﷺ کا نماز ادا فرمانا جو روایت زیر بحث ہے میں آیا ہے۔ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے ایک ضابطہ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو مسلمہ ہے وہ یہ کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس اصل کے پیش نظر مذکورہ واقعہ سے نماز ٹوٹ جانی چاہیے تھی۔ اس کا جواب شیخ محقق نے یوں دیا ہے کہ

(۱) گویند کہ ایں حالت پیش از تحریم فعل کثیر بود۔

(۲) یا مخصوص باں حضرت باشد۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ فصل دوم مطبوعہ لکھنو نولکشور)

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حالت ''عمل کثیر'' کی ممانعت و حرمت سے قبل تھی یا ایسا کرنا حضور ﷺ کے لیے مخصوص ہو گا (کہ عمل کثیر سے آپ کی نماز ٹوٹنے کا حکم نہ دیا جائے گا)۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل ان الفاظ سے بیان فرمائی۔

ولعل هذا مخصوص به علیه الصلوة والسلام اووقع قبل ورود قوله علیه السلام ان فی الصلوة لشغلا اولبیان الجواز فانه جائز مع الکراهیة.

شاید یہ حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو یا اس ارشاد سے قبل کا واقعہ ہو۔ ان فی الصلوة لشغلا یا بیان جواز کے لیے ہو کیونکہ ایسا کرنا جائز مع الکراہت ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۸ باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ مکتبہ امدادیہ ملتان)

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث پاک کی جو تاویلات محدثین کرام نے ذکر فرمائی ہیں وہ سب گنجائش رکھتی ہیں مگر ان پر گفت و شنید ہو سکتی ہے لیکن فقیر کے نزدیک یہ خصوصیت کے ضمن میں لانا اولیٰ و انسب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٩٢- بَابُ الْمَرْأَةُ تَكُوْنَ بَيْنَ الرَّجُلِ يُصَلِّيْ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ وَهِيَ نَائِمَةٌ اَوْقَائِمَةٌ

مرد نمازی کے آگے عورت کا سونا یا کھڑا ہونا

٢٨٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَبْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَرِجْلَايَ فِي الْقِبْلَةِ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهَا وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے ابونضر مولیٰ عمر بن عبیداللہ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی کہ فرمایا: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی کہ میرے پاؤں آپ کے سجدہ گاہ میں ہوتے تھے آپ جب سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے دباتے میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی پھر جب کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پسار لیتی۔ ان دنوں گھروں میں چراغ وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَأْسَ بِاَنْ يُّصَلِّيَ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ نَائِمَةٌ اَوْقَائِمَةٌ اَوْقَاعِدَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ اَوْاِلٰى جَنْبِهٖ اَوْتُصَلِّيْ اِذَا كَانَتْ تُصَلِّيْ فِيْ غَيْرِ صَلٰوتِهٖ اِنَّمَا يُكْرَهُ اَنْ تُصَلِّيَ اِلٰى جَنْبِهٖ اَوْبَيْنَ يَدَيْهِ وَهُمَا فِيْ صَلٰوةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْيُصَلِّيَانِ مَعَ اِمَامٍ وَّاحِدٍ فَاِنْ كَانَتْ كَذٰلِكَ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ مرد نماز پڑھ رہا ہو اور عورت اس کے سامنے یا ایک جانب پڑی سو رہی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت بھی اپنی علیحدہ نماز پڑھ رہی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ مکروہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں اور عورت اس مرد کے سامنے یا پہلو میں ہو یا دونوں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوں۔ اگر آخری دو صورتوں میں کوئی صورت پائی گئی تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا ''رجلای فی القبلة'' کا معنی وہی ہے جو ہم ترجمہ میں کر چکے ہیں یہ نہیں کہ آپ پاؤں جانب قبلہ کیے ہوئے آرام فرماتھیں بلکہ آپ شرقاً غرباً آرام فرماتھیں اور مدینہ منورہ میں قبلہ جانب جنوب میں واقع ہے۔ حدیث زیر بحث میں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ دوران نماز عورت کے پاؤں اگر سجدہ گاہ میں ہوں تو کوئی کراہت نہیں۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا چونکہ آرام فرماتھیں اس لیے حالت نیند میں اس کیفیت سے مرد نمازی کی نماز میں کوئی کراہت نہ آئے گی۔ اسی طرح حالت بیداری میں کھڑی ہو یا بیٹھی ہو پھر بھی کراہت نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جن مسائل کا استنباط فرمایا ان کے لیے ایک تو یہی حدیث پاک اور دوسری طبرانی اور عبدالرزاق نے جو ذکر فرمائی وہ یہ ہے: 'اخروهن حيث اخرهن الله جب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پیچھے رکھا تو تم انہیں مؤخر کرو'۔ انہی احادیث کے مفہوم کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ پہلے مردوں کی صف پھر بچوں اور آخر میں عورتوں کی صف بناؤ' کی سمجھ آتی ہے چونکہ یہ واقعہ مطلقاً نماز یعنی کامل نماز کا واقعہ تھا اس لیے فقہاء کرام نے عورت اور مرد دونوں کے ایک ساتھ ہونے سے فساد نماز کے لیے پانچ شرائط ذکر فرمائی ہے۔ (۱) عورت حد شہوت تک پہنچی ہوئی ہو (۲) امام نے اس کی امامت کی نیت بھی کی ہو (۳) نماز رکوع سجود والی ہو (۴) عورت تکبیر تحریمہ میں امام کے ساتھ شریک ہو (۵) دونوں کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ نہ ہو۔ اگر ان شرائط میں سے ایک بھی نہ پائی گئی تو نماز فساد سے بچ جائے گی۔

۹۳- بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کا بیان

۲۸۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنْ صَلٰوةِ الْخَوْفِ قَالَ يَتَقَدَّمُ الْاِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ سَجْدَةً وَّتَكُوْنُ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ لَمْ يُصَلُّوْا فَاِذَا صَلَّى الَّذِيْنَ مَعَهٗ سَجْدَةً اِسْتَاخَرُوْا مَكَانَ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا وَلَا يُسَلِّمُوْنَ وَيَتَقَدَّمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا فَيُصَلُّوْنَ مَعَهٗ سَجْدَةً ثُمَّ يَنْصَرِفُ الْاِمَامُ وَقَدْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَقُوْمُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ فَيُصَلُّوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ سَجْدَةً سَجْدَةً بَعْدَ انْصِرَافِ الْاِمَامِ فَيَكُوْنُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلُّوْا سَجْدَتَيْنِ فَاِنْ كَانَ خَوْفًا هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ اِلَّا حَدَّثَهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: امام امامت کے لیے آگے بڑھے اور مجاہدین میں سے ایک گروہ کو نماز پڑھائے جب یہ گروہ ایک رکعت ادا کر چکے تو سلام نہ پھیرے اس دوران دوسرا گروہ ان کے اور دشمن کے درمیان موجود رہے گا اور نماز نہیں پڑھے گا اس پہلے گروہ کے ایک رکعت پورا کرنے پر یہ دوسرے گروہ کی جگہ سنبھال لیں اور وہ آ کر امام کے پیچھے دوسری رکعت میں شامل ہو جائے۔ امام دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے کیونکہ وہ دو رکعت ہو جائیں گی۔ اگر اپنی اپنی رہی ہوئی ایک ایک رکعت پوری کریں۔ اس طرح دونوں گروہوں کی دو دو رکعت ہو جائیں گی۔ اگر خوف بہت زیادہ ہو کہ اس طرح نماز نہ پڑھی جا سکے تو پھر اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے قبلہ رخ ہو کر یا سواریوں پر قبلہ رخ ہو کر یا جدھر منہ کر سکیں نماز پڑھیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے ہی بیان کی ہوگی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَكَانَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ لَا يَاْخُذُ بِهٖ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی اس پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

نماز خوف کا مذکورہ ایک طریقہ مسلمان لشکر کے لیے بوقت جہاد ذکر کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور طریقے بھی حدیث میں وارد ہیں۔ اس کی تفصیل اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے خلاصہ یہ ہے۔

(۱) امام مزنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نماز کو حضور ﷺ کے زمانہ اور آپ کی امامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے تاکہ دونوں گروہ حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا شرف پا سکیں۔ اس کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) جمہور کے نزدیک زمانہ نبوت کے بعد بھی اس طرح پڑھنے کی اجازت ہے جیسا کہ علی المرتضیٰ، ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم سے ایسی نماز پڑھنا مروی ہے۔

(۳) بعض حضرات کا خیال ہے کہ ایسی نماز اس وقت جائز ہوگی جب ہر شخص ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر ضد کرے۔ اگر ضد نہیں تو ایک گروہ پوری نماز پڑھے گا تو دوسرا گروہ دوسرے امام کے پیچھے پوری نماز پڑھ لے۔

(٤) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف سفر میں اس نماز کی اجازت کے قائل ہے قیام کے دوران جائز نہیں ہے۔

(٥) احناف کے نزدیک سفر ہو یا اقامت دونوں میں ایسی نماز پڑھنا جائز ہے۔

بہرحال حق یہ ہے کہ قیامت تک نمازِ خوف کا جواز رہے گا اگرچہ اس کی ادائیگی کی کیفیت مختلف فیہ ہی ہے۔ یاد رہے کہ یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے ورنہ جو طریقہ کسی حدیث پاک میں مذکور ہوا۔ اس کے مطابق پڑھ لی جائے تو ادا ہو جائے گی۔ حضور ﷺ نے نمازِ خوف چار دفعہ ادا فرمائی۔ ذات الرقاع، بطن نخل، عسفان اور ذی قرد۔ اس کی مزید تشریح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

نمازِ خوف کا طریقہ

حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے دو گروہ فرمائے۔ ایک دشمن کے سامنے ڈٹا رہا اور دوسرے کی امامت فرمائی۔ ان دونوں گروہوں کو نہ تو اپنی اپنی الگ نماز پڑھنے دی اور نہ ہی دو جماعتیں کرنے کی رخصت عطا فرمائی۔ یہ اس لیے تاکہ ہر ایک کو آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہو۔ پہلے فریق کو ایک رکعت اور دوسرے کو بھی ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی واجب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلا گروہ لاحق اور دوسرا مسبوق کے حکم میں ہو گا۔ دونوں بقیہ نماز یوں پڑھیں گے جیسا کہ امام کے پیچھے پڑھ رہے ہیں چونکہ لاحق پہلا گروہ ہے۔ وہ دوسری رکعت میں قرأت نہیں کرے گا بقیہ نماز یوں پڑھیں واجبات وغیرہ ادا کرے گا اور دوسرا مسبوق ہونے کی وجہ سے دوسری رکعت میں قرأت سمیت مکمل کرے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٩٤- بَابُ وَضْعِ الْيَمِيْنِ عَلَى الْيَسَارِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا

٢٨٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ اَحَدُهُمْ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ قَالَ اَبُوْ حَازِمٍ وَلَا اَعْلَمُ اِلَّا اَنَّهٗ يَنْمِيْ ذٰلِكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی انہیں ابو حازم نے سہل بن سعد الساعدی سے خبر دی کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھے۔ ابو حازم کہتے ہیں میں نہیں جانتا مگر یہ کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يَنْبَغِيْ لِلْمُصَلِّيْ اِذَا قَامَ فِيْ صَلٰوتِهٖ اَنْ يَّضَعَ بَاطِنَ كَفِّهِ الْيُمْنٰى عَلٰى رُسْغِهِ الْيُسْرٰى تَحْتَ السُّرَّةِ وَيَرْمِيْ بِبَصَرِهٖ اِلٰى مَوْضِعِ سُجُوْدِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ نمازی کو چاہیے کہ جب نماز کے لیے قیام کرے تو اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں گٹ پر ناف کے نیچے رکھے اور نظر سجدہ والی جگہ پر رہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

دورانِ نماز حالت قیام میں نمازی ہاتھ کہاں اور کیسے رکھے؟ اس بارے میں احادیث مختلف موجود ہیں جن سے ایک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمائی۔ اس مذکورہ حدیث میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھنے کا ذکر ہے جس کی وجہ سے موطا کے غیر مقلد شارح مولوی عطاء اللہ شاگرد مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ احناف کے پاس زیر ناف ہاتھ باندھنے پر کوئی حدیث نہیں اس لیے ان کا ایسا کرنا محض ہٹ دھرمی ہے۔ اگر ہوتی تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسے یہاں ضرور ذکر فرماتے۔ ہم اس پر یہی کہیں گے کہ یہ کہہ کر غیر مقلد نے احادیث سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور اپنے بڑوں کی لکھی لکھائی باتوں کی تقلید کی ہے ورنہ کتب حدیث میں اگر دیکھنے کا وقت ملتا تو ایک نہیں کئی ایک ایسی احادیث صحیحہ موجود پاتا جو زیر ناف ہاتھ باندھنے کی مؤید ہیں۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

حدثنا وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمة

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رایت النبی ﷺ وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرۃ.

ﷺ کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھا دیکھا۔

حدثنا وکیع عن ربیع عن ابی معشر عن ابراھیم قال یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرۃ.

ابراہیم کہتے ہیں کہ آپ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابامجلز اوسالتہ قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف شمالہ ویجعل اسفل من السرۃ.

حجاج بن حسان کہتے ہیں میں نے ابومجلز سے سنایا پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھتے ہیں؟ فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں کی پشت پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

حدثنا ابومعاویہ عن عبد الرحمن بنا اسحاق عن زیاد بن حسان قال سمعت عن ابی حنیفۃ عن علی قال من سنۃ الصلوۃ ان توضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۹۰۔۳۹۱ وضع الیمن علی الشمال مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ ناف کے نیچے رکھا جائے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کے عقلی دلائل اوران کی حقیقت

غیر مقلد چونکہ سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں اوراسی کو ہی درست قرار دیتے ہیں اس پر انہوں نے کچھ اپنے طور پر دلائل بھی وضع کیے ہیں جن میں دو کا تذکرہ عام کیا جاتا ہے۔

(۱) سینہ پر ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم ہے اور نماز میں انتہائی تعظیم ہونی چاہیے۔

(۲) عورتوں کو جب بالاتفاق سینہ پر ہاتھ باندھنے کا حکم ہے تو نماز میں مرد وعورت کی حالت یکساں ہونا مطلوب ہے۔

دلیل اول میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کو زیادہ تعظیم قرار دیا گیا لیکن اس پر کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ محض من گھڑت بات ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا تعلق کسی کی تعظیم کرتے وقت ایسا کرنے سے ہو سکتا ہے یعنی عرف میں اس طرح ہاتھ رکھنا انتہائی تعظیم شمار ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عرف میں اگر کوئی کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ سینہ کی بجائے زیر ناف ہی ہاتھ باندھتا ہے۔ چاہے وہ غیر مقلد ہو یا مقلد۔ اس لیے عرف ٗعرف کی دلیل تو بن سکتا ہے لیکن غیر مقلد کے خلاف پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں سینہ پر ہاتھ باندھنا اہل کتاب کا وطیرہ ہے اور ہم مسلمانوں کو اس تشبہ سے احتراز کرنا چاہیے۔

ان کی دوسری دلیل کہ عورتوں اور مردوں کو نماز میں ایک سا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے یہ بھی ان غیر مقلدین کی بے عقلی کی دلیل ہے۔ بھلا عورت جو مجسمہ ستر ہے اس کے جسم اور مرد کے اعضاء دونوں کا نماز میں ایک سا ہونا کیونکر معقول ہو سکتا ہے؟ وہ سر ننگے نماز پڑھے تو ہوتی ہی نہیں اور آپ لوگ کپڑا ہوتے ہوئے بھی سر پہ لینے کی بجائے سامنے پھینک کر ننگے سر نماز پڑھنے کو تعظیم کہتے ہیں۔ کیا اسی تعظیم کا عورت کو بھی حکم دیں گے پھر تمہاری شلواریں اور تہبند گھٹنوں کے قریب تک اونچے ہوتے ہیں کیا ان کی شلواروں کو اتنا اونچا کر کے نماز پڑھنے کو کہتے ہو؟ سجدہ کی حالت میں مرد کی حالت اور عورت کی حالت کا فرق سب پر ظاہر ہے۔ آخر یہ امتیاز کیوں رکھا گیا؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ ان حالات میں عورت کے ستر کی برقراری ہے لہٰذا ہم ہاتھ باندھنے کے معاملہ میں بھی کہتے ہیں کہ

عورت کا سینہ پر ہاتھ باندھنا اس کے ستر کی وجہ سے ہے مرد کے لیے سینہ پر ستر کا کونسا عضو ہے جس کو بے ستری سے بچانے کے لیے وہ سینہ پر ہاتھ باندھے؟ احناف کے طریقہ پر جو فوائد مخفی ہیں۔ان میں چند علامہ بدرالدین عینی نے ذکر فرمائے۔

قلت الوضع تحت السرة اقرب الى التعظيم وابعد من التشبيه باهل الكتاب واقرب الى ستر العورة وحفظ الازار عن السقوط . (البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۲ ص ۱۳۳ باب فی صفۃ الصلاۃ وضع الید الیمنی علی الیسریٰ)

میں کہتا ہوں کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں یہ فوائد بھی ہیں ۔(۱) تعظیم کے بہت زیادہ قریب ہے۔(۲) اہل کتاب کی تشبیہ سے کوسوں دور ہے۔(۳) ستر عورت کے انتہائی نزدیک ہے اور تہبند وشلوار وغیرہ کے گر جانے کی صورت میں حفاظت کا بہترین طریقہ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہاتھ زیر ناف باندھنا عقل ونقل دونوں کے اعتبار سے نہایت مناسب اور موزوں ہے۔

۹۵- بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

نماز میں حضور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا بیان

۲۸۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيُّ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی انہیں عبداللہ بن ابی بکر نے اپنے والد سے انہیں عمرو بن سلیم الزرقی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو حمید الساعدی نے خبر دی۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ پر کیسے صلوٰۃ بھیجیں؟ فرمایا یوں کہو۔اللھم صل الحدیث ۔اے اللہ! صلوٰۃ بھیج حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کی آل و اصحاب پر اور اولاد پر جیسا کہ تو نے صلوٰۃ بھیجی ابراہیم علیہ السلام پر اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج پر ذریت پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بے شک تو سب تعریفوں والا بزرگ ہے۔

۲۸۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرُ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَهٗ وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدِ الَّذِيْ اُرِيَ النِّدَاءَ فِي النَّوْمِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ اَبَا مَسْعُوْدٍ اَخْبَرَهٗ فَقَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَلَسَ مَعَنَا فِيْ مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ بَشِيْرُ بْنُ سَعْدٍ اَبُو النُّعْمَانِ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُّصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى تَمَنَّيْنَا اَنَّا لَمْ نَسْاَلْهُ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

ہمیں امام مالک نے نعیم بن عبداللہ مجمر مولیٰ ابن عمر بن الخطاب سے خبر دی کہ محمد بن عبداللہ بن زید انصاری نے انہیں خبر دی۔ یہ وہی عبداللہ بن زید انصاری ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں خواب میں اذان کی کیفیت دیکھی تھی۔ کہتے ہیں کہ مجھے ابو مسعود نے خبر دی کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ہمارے ساتھ آپ بھی بیٹھ گئے پھر بشیر بن سعد ابوالنعمان نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے تو ہم آپ پر کیسے صلوٰۃ بھیجیں؟ راوی کہتے ہیں کہ حضور نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی یہاں تک کہ ہم صحابہ نے خواہش کی کہ کاش ہم حضور ﷺ سے یہ سوال نہ کرتے پھر آپ نے

وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَالسَّلَامُ کَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ.

فرمایا: صلوٰۃ ان الفاظ سے بھیجا کرو۔ اللھم صل علی الخ اور سلام بھیجنے کا طریقہ تم جانتے ہی ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ کُلُّ هٰذَا حَسَنٌ.

امام محمد کہتے ہیں یہ سب الفاظ صلوٰۃ اچھے ہیں۔

صلوٰۃ کے لیے احادیث میں مختلف الفاظ مروی ہیں جن میں سے ملتے جلتے دو قسم کے درود امام محمد نے ذکر فرمائے۔ تقریباً انہی الفاظ پر مشتمل درود کو درود شریف ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ بہرحال جن الفاظ سے بھی صلوٰۃ و سلام بھیجا جائے۔ امام محمد فرماتے ہیں سب ہی اچھے ہیں۔

اعتراض

غیر مقلدین اور دیوبندی مکتبہ فکر کے پڑھے لکھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے جب درود شریف پڑھنے کا پوچھا گیا تو آپ نے درود ابراہیمی بتایا لہٰذا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ سے درود شریف پڑھنا خصوصاً "الصلوۃ و السلام علیک یا رسول الله" قطعاً درست نہیں کیونکہ یہ الفاظ نہ تو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں اور دوسرا ان میں نداء بالغیب پائی جاتی ہے جو شرک ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر صلوٰۃ و سلام دو باتیں بھیجنے کا حکم دیا۔ **یا ایھا الذین امنو صلو ا علیه وسلموا تسلیما** یعنی ایک صلوٰۃ اور دوسرا سلام جیسا کہ موطا کی مذکورہ حدیث میں موجود ہے کہ صلوٰۃ ان الفاظ سے پڑھو اور سلام کا طریقہ تمہیں آتا ہے۔ صحابہ کرام نے بھی صلوٰۃ کا طریقہ اور کیفیت پوچھا تھا اس لیے درود ابراہیمی صرف صلوٰۃ کا طریقہ و کیفیت بیان کرتا ہے اس میں سلام کا ذکر نہیں۔ سلام کا طریقہ پہلے سے جاننا اور صرف صلوٰۃ کا معلوم کرنا اس پر ابن قیم نے بہت تفصیل سے لکھا۔

قد ثبت ان اصحابه رضی الله عنهم سالوه عن کیفیة هذه الصلوة المامور بها فقال قولوا اللهم صل علی محمد الحدیث وقد ثبت ان السلام الذی علموه هو السلام علیه فی الصلوة وهو سلام التشهد.

(جلاء الافھام ص ۲۰۸ باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ)

یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام نے اسی صلوٰۃ کے بارے میں آپ سے پوچھا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: کہو **اللھم صل علی محمد الحدیث** اور یہ بھی ثابت ہے کہ سلام جو آپ نے صحابہ کرام کو سکھا دیا تھا وہ التحیات کے **السلام علیک الخ** ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم ہے تو نماز میں سلام کے معلوم ہونے کے بعد صلوٰۃ کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے نماز میں سلام کے ساتھ صلوٰۃ پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بعض محدثین سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ و سلام دو باتوں کا حکم دیا ہے لیکن نماز میں صرف درود ابراہیمی ہے جو صلوٰۃ پر ہی مشتمل ہے اس میں سلام کا لفظ نہیں تو اس طرح یہ حکم خداوندی پر پورا عمل نہ ہوا۔ جواب دیا کہ اس صلوٰۃ سے پہلے دوران تشہد نمازی سلام پڑھ لیتا ہے لہٰذا نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں اس لیے دوران نماز درود ابراہیمی کافی ہے لیکن خارج از نماز اگر کوئی صلوٰۃ و سلام دونوں پر عمل کرتے ہوئے الصلوٰۃ و سلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ پڑھتا ہے تو اس پر بیخ پاء ہونا بدنصیبی ہے۔ رہا یہ کہ اس میں نداء بالغیب پائی جاتی ہے جو شرک ہے تو یہ بھی ان کا قلبی مرض ہے اور نداء بالغیب میں حاضر و ناظر کا ثبوت خود قرآنی الفاظ "انا ارسلنک شاهدا" پیش کر رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا ہی دیا تو پھر ان کا اس پر اعتراض کیوں؟ رہا یہ کہ حضرات صحابہ کرام و

تابعین وغیرہ میں سے کسی نے نداء بالغیب کی ہے۔اس کا ثبوت تو لیجئے وہ بھی حاضر ہے۔

وذکر عن النعمان بن بشیر ان زید بن خارجه خر میتا فی بعض ارقة المدینة فرفع سجی اذا سمعوه بین العشائین والنساء یصرخن حوله یقول انصتوا انصتوا فحسر عن وجهه فقال محمد رسول الله ﷺ النبی الامی خاتم النبیین کان ذالک فی الکتاب الاول ثم قال صدق صدق وذکر ابابکر وعمر عثمان ثم قال السلام علیک یا رسول الله ﷺ ورحمة الله وبرکاته ثم عاد میتا کما کان. (شفاء شریف ج ۱ ص ۱۱۱ فصل احیاء الموتٰی وکلامھم مطبوعہ مصر)

نعمان بن بشیر سے مذکور ہے کہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی کسی گلی میں گرے اور فوت ہو گئے اور روح پرواز کر گئی۔ان کی میت کو اٹھا کر گھر لایا گیا اور کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا عورتیں ان کے اردگرد رو رہی تھیں اور مغرب وعشاء کے درمیان لوگوں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا خاموش رہو خاموش رہو پھر جب ڈالی گئی چادر ہٹائی گئی تو کہا: محمد رسول اللہ ﷺ آپ کی یہ تعریف پہلی کتب میں مذکور ہے پھر مزید کہا صدق صدق اس کے بعد ابوبکر صدیق،عمر بن الخطاب اور عثمان غنی کا ذکر کیا اور آخر میں کہا: **السلام علیک یا رسول الله ورحمة الله وبرکاته** یہ کہہ کر پھر فوت ہو گئے جیسے پہلے ہو چکے تھے۔

فتوح الشام

حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت کعب بن حمزہ کو قنسرین فتح کرنے کے لیے بھیجا راستہ میں دشمن کے پانچ ہزار لشکر سے مقابلہ ہو گیا۔ابھی مسلمانوں کو کامل فتح نہ ہوئی تھی کہ مزید پانچ ہزار آدمی اس لشکر کی مدد کو آ گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان گھبرا گئے اور بے قراری کے عالم میں حضرت کعب بن حمزہ نے یہ الفاظ کہے: "**یا محمد اہ یا محمد اہ یا نصر الله انزل یا معشر المسلمین اثبتا انما هی الساعة وانتم الاعلون** یعنی یارسول اللہ یارسول اللہ مدد فرمایئے اے اللہ کی مدد تو بھی آ' اے مسلمانوں کی جماعت! ڈٹ جاؤ یہ گھبراہٹ چند لمحوں کی ہے اور بالآخر غلبہ تمہارا ہی ہوگا"۔ (فتوح الشام ص ۲۹۸)

اخرج ابن الجوزی فی کتاب عیون الحکایات بسنده عن ابی علی الضریر وهو اول من سکن طرسوس حین بناها ابو مسلم قال ان ثلاثة اخوة من الشام کانوا یغدون وکانوا فرسانا شجاعا فاسرهم الروم مرة فقال لهم الملک انی اجعل فیکم الملک وازوجکم بناتی وترحلون فی دین النصرانیة فابوا وقالوا یامحمداه فامر الملک بثلاثة قدر فصب فیها التریت ثم او قد تحتها ثلاثه ایام یعرضون فی کل یوم علی تلک القدور ویدعون الی دین النصرانیة فیابون. (شرح الصدور ص ۸۹ باب زیارۃ القبور)

ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں اپنی سند سے ابوعلی ضریر سے یہ بیان کیا۔ابوعلی ضریر وہ پہلا شخص ہے جو طرسوس میں سکونت پذیر ہوا جسے ابومسلم نے بنایا تھا کہا کہ شام کے رہنے والے تین بھائی جہاد کرتے اور گھڑ سوار اور بہت بہادر تھے۔روم کے بادشاہ نے انہیں ایک مرتبہ قید کر دیا اور کہا کہ میں تمہیں جاگیر بھی دوں گا' اپنی بیٹیوں سے شادی بھی کر دوں گا' بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ۔ انہوں نے انکار کر دیا اور پکارا **یا محمداہ**۔اس کے بعد بادشاہ نے تین دیگیں منگوا کر ان میں تیل ڈالا اور تین دن متواتر ان کے نیچے آگ جلائی اور روزانہ ان تینوں کو آگ کے سامنے پیش کیا جاتا اور انہیں عیسائیت کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

لمحۂ فکریہ: مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ:

(۱) زید بن خارجہ فوت ہونے کے بعد زندوں سے گفتگو کر رہے ہیں جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے مرنے

کے بعدزندہ ہیں۔

(۲) زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے السلام علیک یا رسول اللہ پڑھا۔

(۳) حضور ﷺ کوجس طرح ظاہری زندگی میں مدد کے لیے پکارا جاتا تھااسی طرح صحابہ کرام نے آپ کے وصال کے بعد بھی پکارا۔

(٤) کعب بن حمزہ نے مشکل کے وقت آپ کو پکارااوراس پر انہیں کامیابی کا اطمینان تھا۔

(٥) کامل الایمان حضرات مشکل کے وقت اپنے متوسلین کی حاجت روائی کرتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ نداء بالغیب اور استمد اد من عباد اللہ قطعاً شرک وبدعت نہیں ورنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس کے ارتکاب کاالزام لگانا پڑے گاجس سے وہ بری ہیں۔فاعتبروا یااولی الابصار

٩٦- بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

بارش طلب کرنے کے لیے نماز کا بیان

۲۸۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ الْمَازِنِیَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدِ الْمَازِنِیَّ يَقُوْلُ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے خبر دی انہوں نے عباد بن تمیم مازنی سے سنا کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زید مازنی سے سنا کہتے تھے رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف استسقاء کے لیے تشریف لے گئے اور آپ نے اپنی چادر شریف الٹائی جبکہ آپ قبلہ رخ تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَمَّا اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكَانَ لَا يَرٰى فِی الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوةً وَاَمَّا فِیْ قَوْلِنَا فَاِنَّ الْاِمَامَ يُصَلِّیْ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيُحَوِّلُ رِدَاءَهٗ فَيَجْعَلُ الْاَيْمَنَ عَلَى الْاَيْسَرِ وَالْاَيْسَرَ عَلَى الْاَيْمَنِ وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ اَحَدٌ اِلَّا الْاِمَامُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ استسقاء کی نماز کے قائل نہیں ہیں۔ (بلکہ صرف دعا کا کہتے ہیں) لیکن ہمارے قول میں یہ ہے کہ امام لوگوں کو دورکعت پڑھائے پھر دعا کرے اور چادر اس طرح الٹائے کہ دائیں طرف بائیں اور بائیں طرف دائیں کر دے یہ کام صرف امام کرے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ اور استاذ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا استسقاء کے بارے میں یہ مذہب ذکر فرمایا ہے کہ وہ استسقاء کی نماز باجماعت کے حق میں نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کی دو رکعت نماز باجماعت ادا کرنے کو سنت نہیں سمجھتے اور اگر کوئی پڑھ لیتا ہے تو اسے گناہ گار بھی نہیں کہتے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ میں ایک اور روایت اور اپنی تحقیق اپنی دوسری تصنیف ''المبسوط'' میں ان الفاظ سے ذکر فرمائی ہے۔

قلت فهل فی الاستسقاء صلوة؟ قال لا صلوة فی الاستسقاء انما فيه الدعاء قلت الاترى وان يجمع فيه للصلوة ويجهر الامام بالقراءة قال لا ارى ذالک انما بلغنا عن رسول الله ﷺ انه خرج فدعاء وبلغنا عمر بن الخطاب انه صعد المنبر فدعاء واستسقى ولم يبلغنا فی ذالک صلوة الاستسقاء الاحديثا واحد شاذالايؤخذ به.

میں نے پوچھا پس کیا استسقاء میں نماز ہے؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں اس میں صرف دعا ہے میں نے پوچھا کیا اس کے لیے لوگ اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں اور امام بلند آواز سے قرأت کرے؟ فرمایا: میں اسے درست نہیں سمجھتا۔رسول اللہ ﷺ سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ استسقاء کے لیے باہر نکلے اور صرف دعاء مانگی تھی اور ہمیں یہ بات بھی پہنچی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور استسقاء کے لیے صرف دعا

(المبسوط ج ا مصنفہ امام محمد ص ۴۴۷ ۔ ۴۴۸ باب صلوٰۃ الاستسقاء) مانگی تھی۔ ہمیں اس کے لیے نماز پڑھنے کے بارے میں صرف ایک حدیث پہنچی جو شاذ ہے اور اس پر عمل نہیں کیا گیا۔

''مبسوط'' کی منقولہ عبارت کے تحت علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم کے مسلک کے دلائل ذکر فرمائے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے ''اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلُ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا اپنے رب سے استغفار کرو وہ بخشنے والا ہے وہ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا''۔ یہاں طلب بارش کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کا ہی کہا گیا ہے۔ اسی طرح بخاری شریف میں وہ حدیث بھی ہے کہ جس میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا تھا حضور! ہمارے مال و اسباب تباہ ہو گئے بارش کے لیے دعا کیجئے تو آپ نے صرف دعا کی تھی اور لگا تار ایک ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واسطہ دے کر بارش طلب کی تھی یہ بھی صرف دعا تھی۔

ان احادیث کو سامنے رکھ کر حضرت قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ويشبه ان يكون مراده ان صلوة فيه ليست بواجبة ولا مسنونة كصلوة العيدين والكسوف وان الامام مخير بين فعلها وتركها یعنی یہ مناسب ہے کہ امام اعظم کی مراد یہ لی جائے کہ استسقاء کے لیے نماز واجب یا سنت نہیں جیسا کہ عیدین اور کسوف کے لیے ہے اور یہ کہ امام کو نماز استسقاء پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار ہے''۔

خلاصہ یہ کہ استسقاء کی نماز واجب یا سنت نہیں بلکہ جائز ہے پڑھ لی جائے تو کوئی گناہ نہیں اور اگر صرف دعا پر اکتفاء کیا جائے تو بھی درست ہے اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ استسقاء کے لیے نماز کی بجائے دعا کا قول کرنے والوں نے بعض احادیث کی مخالفت کی ہے۔

۹۷- بَابُ الرَّجُلُ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْ مَوْضِعِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ

نماز پڑھ کر وہیں بیٹھے رہنے کا بیان

۲۸۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرُ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ ثُمَّ جَلَسَ فِيْ مُصَلَّاهُ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ فَاِنْ قَامَ مِنْ مُصَلَّاهُ فَجَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ لَمْ يَزَلْ فِيْ صَلٰوةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ.

امام مالک نے ہمیں نعیم بن عبد اللہ مجمر سے خبر دی انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہتا ہے تو اس کے لیے فرشتے اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت اور برکت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں پھر اس جگہ سے اٹھ کر مسجد میں کہیں اور بیٹھا نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے تو نماز پڑھنے تک وہ نماز کا ثواب پاتا رہے گا۔

اس حدیث میں دو باتیں بہت زیادہ اجر و ثواب والی مذکور ہوئیں۔ ایک یہ کہ نماز پڑھ کر وہیں بیٹھے رہنا اور دوسرا مسجد میں بیٹھ کر نماز با جماعت کا انتظار کرنا۔ اسی مضمون کی حدیث پاک الترغیب والترہیب میں ان الفاظ سے مروی ہے۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لايزال احدكم فى صلوة ما دامت الصلوة تحبسه لا يمنعه ان ينقلب الى اهله الا الصلوة ورواه البخارى الشاء الحديث ومسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے وہ شخص اس وقت تک نماز میں شمار ہوگا جب تک اسے نماز نے گھر جانے سے روکے رکھا (یعنی نماز با جماعت میں ملنے کی خاطر مسجد میں بیٹھا رہا)۔

(الترغیب والترہیب ج ا ص ۲۸۱ الترغیب فی انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ مطبوعہ بیروت)

قارئین کرام! "الترغیب والترہیب" کے مذکورہ صفحات پر اس موضوع پر بہت سی احادیث ذکر کی گئی ہیں ان کا مطالعہ بہت سے فوائد عطا کرے گا۔ موطا امام محمد میں مذکور اس حدیث کے تحت مولوی عبدالحی لکھنوی نے ابن بطال کا قول نقل کیا ہے۔ قال ابن بطال "من کان کثیر الذنوب وارادان یحطها عنه بغیر تعب فلیهتم بملازمة مکان مصلاه بعد صلوٰة لیستغفر من دعاء الملائکة واستغفار هم فهو مقبول اجابته. جو بہت زیادہ گناہگار ہو اور چاہتا ہو کہ اس کے گناہ کسی مشقت کے بغیر معاف ہو جائیں تو اسے نماز پڑھنے کے بعد اس جگہ بیٹھے رہنے کی عادت بنا لینی چاہیے تاکہ فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کریں اور ان کی طلب مغفرت بہر حال مقبول ہوتی ہے"۔ فاعتبروا یااولی الابصار

۹۸- بَابُ صَلٰوةُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ

فرضی نماز کے بعد نفل نماز کا بیان

۲۸۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ وَبَعْدَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لَايُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے اور بعد دو رکعت اور مغرب کے بعد دو رکعت اپنے گھر میں ادا فرمایا کرتے تھے اور نماز عشاء کے بعد دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے اور جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں نماز ادا نہ فرماتے حتیٰ کہ واپس گھر تشریف لاتے اور دو رکعت ادا فرماتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا تَطَوُّعٌ وَهُوَ حَسَنٌ وَقَدْ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ فَسَاَلَهُ اَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ اَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُفْصَلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ فَقَالَ لَا اَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ بُكَيْرُ بْنُ عَامِرٍ الْبَجَلِيُّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِيِّ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ یہ نفل نمازیں ہیں اور یہ اچھا ہے۔ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ زوال شمس کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ آسمان کے دروازے اس وقت کھول دیئے جاتے ہیں تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل وہاں سے گزر کر بارگاہ الٰہی میں جائے۔ انہوں نے پھر پوچھا: کیا ان چار رکعتوں کے درمیان سلام سے فاصلہ کیا جائے؟ (یعنی دو دو کر کے پڑھی جائیں) فرمایا نہیں۔ ہمیں یہ روایت بکیر بن عامر بجلی نے ابراہیم اور شعبی سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سنائی۔

بعض شوافع اور وہابی (غیر مقلدین) ظہر سے قبل صرف دو رکعت سنت کے قائل ہیں لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم تک حضور ﷺ کی حدیث پاک حضرت ابوایوب انصاری سے یہ پہنچی ہے کہ آپ ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے لہٰذا نماز ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت ادا کرنا سنت ہے۔ اس کی روایت بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے۔

عن ابراهیم بن محمد بن منتشر عن ابیه عن عائشة رضی الله عنها ان النبی ﷺ کان لایدع

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ چار رکعت قبل ظہر اور دو رکعت صبح کے فرضوں سے پہلے ہرگز نہ چھوڑتے

اربعاقبل الظهر وركعتين قبل الغداة تابعه ابن ابی عدی وعمرو عن شعبه.

(صحیح بخاری ج ۱ص ۱۵۷ کتاب التہجد باب الرکعتین قبل الظہر)

تھے۔ اسی کی متابعت میں ابن عدی وعمر نے جناب شعبہ سے روایت کی ہے۔

عن علی رضی الله عنه قال كان النبی ﷺ يصلی قبل الظهر اربعا وبعدها ركعتين وفی الباب عن عائشة وام حبيبة. والعمل علی هذا عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن بعد بعد هم يختارون ان يصلی الرجل قبل الظهر اربع ركعات وهو قول سفيان الثوری وابن المبارک واسحاق.

(ترمذی شریف ص ۹۶ باب ماجاء فی الاربع ابواب الصلوٰۃ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ظہر کے فرضوں سے قبل چار رکعت اور بعد دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس بارے میں حضرت عائشہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات ہیں۔ اور اس پر اکثر اہل علم جو حضور ﷺ کے صحابہ ہیں' کا عمل ہے اور ان کے بعد والے حضرات کے نزدیک بھی مختار یہی ہے کہ آدمی ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھے یہی ہے کہ آدمی ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھے اور جناب سفیان ثوری بن المبارک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

حدثنا ابو الاحوص عن حصين عن عمرو ابن ميمون قال لم يكن اصحاب النبی ﷺ يتركون اربع ركعات قبل الظهر وركعتين قبل الفجر علی حال. حدثنا عباد بن الحوام عن حصين عن ابراهيم قال قال عبد الله اربع قبل الظهر لايسلم بينهن الاان يتشهد. عن عبد الله بن عتبه قال رايت عمر يصلی اربعا قبل الظهر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۹ فی الاربع قبل الظہر من کان یستحبا)

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام ظہر سے پہلی چار رکعت اور فجر سے پہلے دو رکعت ہرگز نہ چھوڑتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت میں سلام صرف آخر میں پھیرا جائے۔ درمیان میں تشہد ہی پڑھی جائے۔ عبد اللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت پڑھتے دیکھا۔

مندرجہ بالا احادیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ حضور اور آپ کے صحابہ کرام نیز ان کے بعد والے حضرات کا یہی معمول تھا کہ نماز ظہر کے فرضوں سے قبل چار رکعات ادا کی جاتی تھیں۔ ان چار رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ ان چار رکعات کی یہاں تک پابندی مذکور ہے کہ بروایت مصنف ابن ابی شیبہ حضور نبی کریم ﷺ اگر ظہر سے پہلے کسی وجہ سے انہیں ادا نہ کر پاتے تو ظہر کے بعد ادا فرمالیا کرتے تھے نیز صحیح مسلم میں بھی متعدد احادیث مروی ہیں کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جب سے حضور ﷺ کی زبان اقدس سے سنا کہ جو شخص رات دن میں دس رکعات پڑھے گا اس کے لیے ان کے بدلے جنت میں گھر بنایا جائے گا تو انہوں نے کبھی بھی ان میں سستی نہ کی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ظہر سے قبل آپ ﷺ کی چار رکعت گھر پر ادا کرنا بیان فرماتی ہیں۔ بہرحال ظہر کے فرضوں سے پہلے اور زوال شمس کے بعد حضور ﷺ سے چار رکعت ادا فرمانا بکثرت روایت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس لیے موطا امام محمد میں جو دو رکعت والی روایت مذکور ہوئی اس سے یا تو تحیۃ المسجد کے نوافل ہو سکتے ہیں یا تحیۃ الوضو کی دو رکعتیں۔ اس سے سنت مؤکدہ مراد نہیں کیونکہ آپ سنتیں گھر پر ادا فرمایا کرتے تھے۔ ظہر سے قبل چار رکعت ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

٩٩- بَابُ الرَّجُلِ يَمَسُّ الْقُرْاٰنَ وَهُوَ جُنُبٌ اَوْعَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

بے وضو اور جنبی کا قرآن پاک کو چھونا

٢٩٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ اَبِىْ بَكْرِبْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ قَالَ اِنَّ فِى الْكِتَابِ الَّذِىْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ لَايَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ.

ہمیں امام مالک نے جناب عبداللہ بن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم سے خبر دی کہ وہ رقعہ جو حضور ﷺ نے عمرو بن حزم کی طرف لکھا اس میں آپ ﷺ نے تحریر فرمایا: قرآن کریم کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگائے۔

٢٩١- اَخْبَرَنَامَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لَايَسْجُدُ الرَّجُلُ وَلَا يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ اِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی وہ فرمایا کرتے تھے کہ پاک ہوئے بغیر نہ تو کوئی سجدہ کرے اور نہ ہی قرآن پڑھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِلَّافِىْ خَصْلَةٍ وَّاحِدَةٍ لَا بَاْسَ بِقِرَاْءَةِ الْقُرْاٰنِ عَلٰى غَيْرِ طُهْرٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جُنُبًا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ان تمام باتوں پر ہمارا عمل ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ ہاں ایک مسئلہ میں اجازت ہے وہ یہ کہ بے وضو آدمی زبانی قرآن پڑھ لے تو کوئی گناہ نہیں اگر جنبی ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

ان روایات میں دو باتیں مذکور ہوئیں۔ایک قرآن کریم کو چھونا اور دوسرا اس کی قرأت۔ پہلے مسئلہ کے متعلق کلام کا ماحصل یہ ہے کہ مطلقاً غیر طاہر اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ چاہے وہ بے وضو ہو یا جنبی اور دوسرے کے متعلق یہ کہ زبانی تلاوت قرآن کریم بے وضو کے لیے جائز اور جنبی کے لیے ناجائز ہے۔اسی طرح حدیث پاک میں سجدہ کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت یا نماز کا سجدہ ہو، طہارت کے بغیر جائز نہیں ہے یعنی جو سجدہ بطور عبادت کرنا ہو اس کے لیے طہارت شرط ہے۔

اشکال: موطا کی مذکورہ حدیث میں سجدہ کو مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے نماز کے سجدہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور سجدۂ تلاوت کو اس حکم میں نہیں رکھا۔ مولوی موصوف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ترجمہ موطا امام محمد از مولوی عطاء اللہ غیر مقلد

اور بے وضو قرآن پڑھنا اور سجدہ کرنا جائز ہے جیسا کہ روایت کیا ہے ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر سے کہ اترے ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری اپنی سے اور بول کیا پھر سوار ہوئے اور پڑھی آیت سجدہ کی اور سجدہ کیا بغیر وضو کے اور ایسے ہی روایت کیا بخاری نے فعل ابن عمر کا تعلیقاً اور رسول اللہ ﷺ کا نیند سے اٹھ کر ان فی خلق السموات والارض سورہ آل عمران تک پڑھنا تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔ (ترجمہ موطا از عطاء اللہ ص ١١٠)

جواب: مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے جن دو احادیث کو اپنے مسئلہ پر دلیل بنایا ہے ان میں سے دوسری حدیث پاک کہ حضور ﷺ کا خواب سے بیداری کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کرنا اس بات کا بے وضو قرآن کریم پڑھنے کے جواز سے تعلق ہے جس میں اختلاف نہیں۔ اختلاف سجدہ تلاوت کے بے وضو ادا کرنے کا جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں ہے۔ ہاں اس دوسری حدیث پاک میں مولوی عطاء اللہ نے وہابیت کا رونا رویا ہے اور وہ یوں کہ حضور ﷺ بھی عام انسانوں کی طرح سوتے ہیں اور سونے سے آپ کا وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے۔ "ثم اضطجع فنام حتی نفخ و کان اذا

نام نفخ فاذن بلال لصلوة فصلی ولم یتوضا آپ پہلو پر لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے۔ آپ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے پھر حضرت بلال نے اذان دی آپ نے اٹھ کر نماز پڑھائی اور وضو نہ کیا"۔ نیند سے عام آدمیوں کا وضو اس لیے ٹوٹ جاتا ہے کہ اس حالت میں سونے والا بے خبر ہو کر سو جاتا ہے اور اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو نیند وہ عطاء فرمائی ہے کہ خود حضور ﷺ فرماتے ہیں: "عینا ی تنام و لا ینام قلبی میری آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے ایسی نیند سے بے خبری نہیں ہوئی اس لیے آپ کی نیند ناقض وضو نہ تھی۔ بہر حال بدعقیدگی کو بہانہ بدل ہی جاتا ہے۔ اب ہم سجدۂ تلاوت بغیر طہارت کرنے والی روایت کے متعلق چند باتیں تحریر کرتے ہیں۔

اول: ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایت "مجہول" ہے کیونکہ اس کی سند میں یوں مذکور ہے حدثنا ابو الحسن عن رجل یہ رجل کون ہے اس کا اتہ پتہ معلوم نہیں۔ اس کے مقابل حدیث جو سجدۂ تلاوت بغیر طہارت کرنے کی اجازت نہیں دیتی وہ صحیح الاسناد ہے۔ ملاحظہ ہو:

اخبرنا ابو سعید شریک بن عبدالملک بن الحسن المهرجانی بهاثنا ابوسهل بشربن احمد ثناداود بن الحسین البیهقی ثنا قتیبة بن سعید ثنا ابو اللیث عن نافع عن ابن عمرانه قال لایسجد الرجل الاوهو طاهر۔ (بیہقی شریف ج۲ ص۳۲۵ باب لایسجد الا طاہر)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی شخص طہارت کے بغیر سجدہ نہ کرے۔

روایت مذکورہ کی ابن حجر عسقلانی نے یوں تصحیح فرمائی ہے۔

و اما ماروا ه البیهقی باسناد صحیح عن لیث عن نافع عن ابن عمر قال لا یسجد الرجل الاوهو طاهر۔ (فتح الباری شرح البخاری ج۲ ص۳۳۳ مطبوعہ مصر قدیم)

جو امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا جناب لیث سے انہوں نے جناب نافع اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص طہارت کے بغیر سجدہ نہ کرے۔

لہٰذا اس صحیح الاسناد حدیث کے مقابلہ میں مجہول کو ترجیح دینا قطعاً درست نہیں ہوگا۔

دوم: مولوی عطاء اللہ نے ذکر کردہ روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل اور امام بیہقی سے مروی روایت میں آپ کا ارشاد و قول مذکور ہے۔ ہر ذی علم جانتا ہے کہ فعل سے مقابلہ میں قول کو ترجیح ہوتی ہے علاوہ ازیں اسی ابن ابی شیبہ میں اس کے خلاف حدیث بھی موجود ہے۔

عن ابراهیم فی الرجل یسمع السجدة ولیس علی وضوء قال ان کان عنده ماء توضا وسجد وان لم یکن عنده ماء تیمم وسجد۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۱۴ مطبوعہ کراچی۔ یسجد السجدۃ وھو علی غیر وضوء)

ابراہیم سے ایسے شخص کے بارے میں روایت ہے جس نے آیت سجدہ سنی اور بے وضو تھا فرمایا: اگر اس کے پاس پانی ہے تو وضو کر کے سجدہ کرے اور اگر نہیں تو تیمم کر کے پھر سجدہ کرے۔

سوم: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سجدہ کرنے کا واقعہ ممکن ہے دوران سفر پیش آیا ہو کیونکہ سواری سے اترنا اور بول و براز کر کے فارغ ہونا سفر کی علامات ہیں لہٰذا سفر میں پانی کی قلت کے پیش نظر آپ نے سواری پر دو خفیف ضربات سے تیمم کر لیا ہو پھر سجدۂ تلاوت کیا ہو۔ اس صورت میں جواز نکل آئے گا۔

امام بخاری کا تعلیقاً نقل ابن عمر بیان کرنا

مولوی عطاء اللہ نے اپنی تائید میں امام بخاری کی ایک معلق حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے بخاری شریف میں وہ حدیث یہ ہے۔ ''وکان ابن عمر یسجد علی غیر وضوء حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بغیر وضو سجدہ کرتے تھے'' (ج ا ص ۱۴۶)۔ اس تعلیق کے متعلق گزارش ہے کہ بخاری شریف کی شروحات میں یہ کہا گیا ہے کہ لفظ ''غیر'' روایت صحیحہ میں نہیں ہے۔ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے۔ ''وفی روایۃ العصیلی بحذف غیر۔ عصیلی کی روایت میں لفظ غیر موجود نہیں''۔ لفظ غیر کے بغیر معنی یہ بنتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سجدہ باوضو کیا کرتے تھے۔ جب اس معلق میں دو متضاد احتمال ہیں تو ایسی روایت کا روایت صحیحہ سے مقابلہ کرنا بلکہ ترجیح دینا کسی ''اہلحدیث'' کا کارنامہ ہی ہو سکتا ہے۔ بہرحال ہماری اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سجدۂ تلاوت بغیر طہارت ادا کرنا جائز نہیں اور احادیث صحیحہ اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک و مشرب کی تائید میں موجود ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

١٠٠ - بَابُ الرَّجُلِ يَجُرُّ ثَوْبَهُ وَالْمَرْأَةُ تَجُرُّ ذَيْلَهَا فَيَعْلَقُ بِهِ قَذَرٌ وَمَا كُرِهَ مِنْ ذَالِكَ

ناپاک جگہ سے گزرتے ہوئے عورت کے دامن پر گندگی لگ جانے کا بیان

٢٩٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَارَةَ بْنِ عَامِرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ اُمِّ وَلَدٍ لِاِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهَا سَاَلَتْ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ اِنِّيْ اِمْرَاَةٌ اُطِيْلُ ذَيْلِيْ وَاَمْشِيْ فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُطَهِّرُهٗ مَابَعْدَهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے محمد بن عمارہ بن عامر بن عمرو بن حزم نے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے انہوں نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد نے بتایا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ میں لمبے دامن والا کپڑا پہنتی ہوں اور گندگی والی جگہ پر سے میرا گزر ہوتا ہے۔ (کیا میرا دامن ناپاک ہو جاتا ہے؟) ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس دامن کو گندگی والی جگہ کے بعد پاک جگہ سے گزرنا پاک کر دیتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَاْسَ بِذَالِكَ مَالَمْ يَعْلَقْ بِالذَّيْلِ قَذِرٌ فَيَكُوْنُ اَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ الْكَبِيْرِ الْمِثْقَالِ فَاِذَا كَانَ كَذَالِكَ فَلَا يُصَلِّيَنَّ فِيْهِ حَتّٰى يَغْسِلَهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اس کپڑے پر جب تک ایک بڑے درہم یعنی مثقال کے برابر گندگی نہ لگے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس سے زیادہ گندگی لگ جائے تو اسے دھوئے بغیر ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اس روایت میں گندگی لگے کپڑے کی طہارت کا طریقہ مذکور ہے کہ وہ اگرچہ ہر قسم کی نجاست اور ہر مقدار کی نجاست جو بظاہر نظر آتی ہو جس کے ظاہر کو دیکھ کر بعض لوگ اس امر کے قائل ہوئے کہ خشک و تر دونوں قسم کی نجاست والا کپڑا جب پاک مٹی پر سے گھستا ہوا گزر جائے تو پاک ہو جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ اس حدیث پاک میں ابراہیم کی ام ولدہ کا نام معلوم نہ ہونے کی بنا پر ایک تو یہ روایت مجہول ہے اس لیے ایسی روایت سے استشہار درست نہ ہوگا۔ دوسرا یہ کہ علمائے امت نے اس بات پر اجماع فرمایا کہ ناپاک چیز دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی اسی روایت کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

(ما بعده) ای المکان الذی بعد المکان القذر بزوال ما یتشبث بالذیل من القذر یابسا کذا قاله بعض علمائنا وهذا التاویل علی تقدیر صحۃ الحدیث متعین عند الکل لانعقاد الاجماع علی ان الثوب اذا صابته نجاسۃ لا یطهر الا بالغسل.
(مرقات شریف شرح المشکوٰۃ ج ۱ باب تطہیر النجاسات فصل ثانی مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی گندگی والی چیز کے بعد پاک جگہ گندے دامن کو پاک کر دیتی ہے جبکہ دامن پر لگی خشک نجاست ہو۔ یونہی ہمارے بعض علماء کرام نے فرمایا ہے اور یہ تاویل حدیث پاک کی صحت کے پیش نظر تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ کپڑے پر جب نجاست لگ جائے تو دھوئے بغیر وہ پاک نہیں ہوگا۔

معلوم ہوا کہ اول تو حدیث ہی صحیح نہیں ہے اور اگر اس کی صحت تسلیم کر لی جائے تو نجاست (گندگی) سے مراد عام نہیں بلکہ وہ نجاست ہے جو خشک ہو۔ ایسی نجاست چند قدم چلنے سے خود بخود اتر جائے گی اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے خشک وتر کی جانب بیان فرمائی ہے اور درہم کی مقدار کا اگرچہ اس حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ اسی کے پیش نظر اس حدیث کے تحت مولوی عطاء اللہ نے کہہ دیا کہ تقدیر درہم بلا دلیل ہے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ ایسی باتوں کو سمجھنے کے لیے تفقہ فی الدین کی ضرورت ہے جو غیر مقلدین کی قسمت میں نہیں ہوتا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا استنباط جس حدیث سے ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنها ان النبی علیه السلام قال اذا اذهب احدکم لحاجۃ فلیستطب بثلاثۃ احجار فانها تجزیه لسناد صحیح.
(دارقطنی ج ۱ ص ۵۴ باب الاستنجاء حدیث ۴ مطبوعہ قاہرہ)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کو جائے تو تین پتھروں سے صفائی کر لیا کرے یہ اس کے لیے کافی ہے۔ اس کو ابوداؤد، نسائی، احمد اور دارقطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی اسناد صحیح اور حسن ہے۔

تین ڈھیلوں کے ساتھ مخرج نجاست کو صاف کرنا کافی ہے یعنی اس کے بعد پانی سے استنجاء کرنا ضروری نہیں رہتا صرف اولیٰ ہے۔ اس پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہے۔ ڈھیلا استعمال وہاں ہوگا جہاں ڈھیلے سے دور ہونے والی نجاست ہوگی جس سے صاف ظاہر ہے کہ ڈھیلے تر نجاست کی وجہ سے استعمال کرنے کو کہا گیا ہے۔ یہ تین پتھر یا ڈھیلے کیا کام کریں گے؟ اس کی وجہ سنیے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تین ڈھیلوں کے ذریعہ مخرج نجاست کو صاف کرنے سے نجاست کا اثر کلیۃً زائل نہیں ہوتا بلکہ نجاست کی مقدار میں کمی آ جاتی ہے اور نجاست لگا مخرج خشک ہو جاتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مخرج نجاست (مقعد) کے برابر نجاست معاف کر دی گئی ہے اس کے ہوتے ہوئے نماز کی ادائیگی جائز ہے۔ مقام استنجاء یعنی مقعد کو فقہائے کرام نے "درہم کی مقدار" کے برابر ہونا اندازاً کہا ہے اور یہ اندازہ حقیقت کے بالکل قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عام مجلس میں اس جگہ کا نام لینا ہوتا تو اس جگہ کا نام لینے کی بجائے اسے کنایۃً درہم سے تعبیر کرتے۔ اس کی تائید کتب فقہ سے ملاحظہ فرمائیے۔

ولا نا اجمعنا علی جواز الصلوۃ بدون الاستنجاء بالماء ومعلوم ان الاستنجاء بالاحجار لا یستاصل النجاسۃ حتی لو جلس فی الماء القلیل افسده فهو دلیل ظاهر علی ان القلیل من النجاسۃ عفو لهذا قدرنا بالدرهم علی سبیل الکنایۃ عن

اور اس لیے کہ ہم سب کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء کیے بغیر بھی نماز جائز ہے اور یہ بات جانی پہچانی ہے کہ پتھروں (اور ڈھیلوں) سے استنجاء کرنے سے گندگی مکمل طور پر ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر (پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد) یہ شخص تھوڑے پانی میں بیٹھا (کہ جس میں اس کی مقعد کو پانی نے

موضع خروج الحدث كذاقال ابراهيم النخعي انهم استقبحوا ذكر المقاعد في مجالسهم فكفوا عنه بالدرهم تحسنا للعبادة واخذ بمصالح الادب. ولا ان اثر النجاسة في موضع الاستنجاء عفو ذالك يبلغ قدر الدرهم.

(بدائع الصنائع ج اص ۸۰ فصل مقدار نجاست کے بیان میں)

چھوا) تو اس سے وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ پس یہ ظاہر و واضح دلیل ہے کہ تھوڑی نجاست معاف کر دی گئی ہے اسی لیے ہم نجاست کے نکلنے کی جگہ کو کنایۃً درہم سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ جناب ابراہیم نخعی نے کہا کہ حضرات فقہاء کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مجلسوں میں مقعد (نجاست نکلنے کی جگہ) کا نام لے کر اس کے بارے میں کچھ بات چیت کرنا اچھا نہ جانتے تھے۔ اس کی بجائے انہوں نے ''درہم'' کا لفظ اس کے لیے استعمال کیا تا کہ تعبیر بھی اچھی ہو جائے اور اس لیے بھی کہ نجاست کی جگہ میں نجاست کا اثر باقی رہنا معاف کر دیا گیا ہے اور یہ درہم کی مقدار تک پہنچتا ہے۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ہم احناف جو مقدار درہم نجاست کو معافی کے حکم میں رکھتے ہیں اس کی وجہ وہی حدیث ہے جس میں تین عدد ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا حکم ہے۔ احادیث مذکورہ میں اگرچہ ''درہم'' کا لفظ موجود نہیں لیکن تین پتھروں سے جس جگہ کو صاف کرنے کا حکم دیا گیا وہ درہم کی مقدار رکھتی ہے اور فقہائے کرام نے اس مخصوص جگہ کا بھری محفل میں نام لینے کی بجائے ''مقدار درہم'' کو گفتگو میں استعمال فرمایا اور آپ یہ جان چکے ہیں کہ تین پتھروں سے استنجاء کرنے سے مقام نجاست بالکل پاک نہیں ہوتا بلکہ پتھروں نے کچھ نجاست اپنے ساتھ ملائی اور جگہ کو خشک کرنے میں معاون ہوئے۔ اگر تین پتھر مقام نجاست کو بالکل پاک کر دیتے تو قلیل پانی میں بیٹھنے یا پتھروں کے بعد پانی سے اس جگہ کو دھونے سے جو پانی استعمال میں لایا گیا وہ کسی برتن میں جمع کر لیا جائے تو دونوں ناپاک ہیں اور جس چیز کو لگیں گے اسے ناپاک کر دیں گے۔ جب تین پتھر استعمال کرنے کے بعد بھی نجاست باقی رہتی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا تو معلوم ہوا کہ مقعد کے برابر (درہم کے برابر) نجاست کا ہونا نماز کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا۔

ان موضع الاستنجاء مخصوص بالرخصة في جواز الصلوة مع بقاء اثر النجاسة عليه قاله الخطابي. (فتح الباری ج اص ۲۱۹ باب استجمار وترا مطبوعہ دار النشر الکتب الاسلامیہ شیش محل لاہور)

استنجاء کی جگہ کی مخصوص رخصت ہے کہ اس پر اثر نجس ہوتے ہوئے بھی نماز جائز ہے۔ یہ خطابی کا قول ہے۔

بہرحال یہ بات سب کو مسلم ہے کہ مقام استنجاء یعنی مقعد پر نجاست لگی ہونے کی صورت میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اب اسی لگی ہوئی نجاست کی جگہ کو حضرات فقہاء کرام ''مقدار درہم'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس تعبیر کے بعد یوں کہا جاتا ہے کہ مقدار درہم نجاست ہوتے ہوئے نماز ادا کرنا جائز ہے۔

نوٹ: مقدار درہم کے بارے میں فقہائے کرام نے جو فرمایا کہ اگر اتنی نجاست ہے تو نماز درست اور اگر مقدار درہم سے زائد ہو تو اس کا دور کرنا لازم ہے جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے۔

في المجتبى لا يجب الغسل بالماء الا اذا تجاوزما على نفس المخرج وما حوله عن موضع الشرج وكان المجاوزا كثر من قدر الدرهم

مجتبیٰ میں ہے کہ (جب پتھروں سے استنجاء کیا گیا) پانی کے ساتھ دھونا واجب نہیں ہاں اس وقت جبکہ گندگی نفس مخرج اور اس کے اردگرد اس قدر پھیلی ہوئی ہو کہ وہ مقدار درہم سے زیادہ ہو

استدلال علی سقوط اعتبار ماعلی المخرج وفیه ان ترک غسل ماعلی المخرج انما لایکرہ بعد الاستجمار کما عرفۃ.

(ردالمحتار ج اص ۳۳۸۔۳۳۹)

جائے (تو دھونا واجب ہوگا)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ گندگی جونفس مخرج پر ہوتی ہے (پھیلی ہوئی نہ ہو) وہ ساقط الاعتبار ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفس مخرج پر لگی گندگی کو پانی سے دھونا اس وقت ترک کیا جائے گا یا اس وقت یہ مکروہ نہ ہوگا جب اس جگہ کو پہلے پتھروں سے صاف کیا جا چکا ہو جیسا کہ تم جان چکے ہو۔

گزشتہ گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ دامن پر لگی ہوئی خشک نجاست تو چلتے چلتے پاک جگہ پر گھس کر اتر جائے گی اور دامن پاک ہو جائے گا لیکن تر گندگی کو دھوئے بغیر چارہ نہیں ہے اور یہ بھی کہ اگر نجاست بقدر درہم ہو تو اس کے ساتھ (دھوئے بغیر) نماز پڑھنا جائز ہے لیکن دھولینا بہت بہتر ہے۔ پاخانہ کرنے کے بعد تین ڈھیلے استعمال کرنے چاہئیں جو نجاست کو کم کر دیں گے اور بقیہ لگی ہوئی نجاست کو اگر پانی سے نہ دھویا گیا تو وضو کر کے نماز پڑھنی جائز ہے۔ اسی کو مقدار درہم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ فقہاء کرام مجلس علمیہ میں بار بار مقام نجاست کا حقیقی نام ذکر کرنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس کو کنایۃً کے طور پر درہم سے تعبیر کرتے ہیں لہٰذا مقدار درہم درایت سے اور تفقہ فی الدین سے حاصل ہوئی جس کا اصل ماخذ حدیث پاک ہے لیکن یہ سعادت غیر مقلدین کے حصہ میں نہیں ہوتی اس لیے وہ احناف پر الزام واعتراض کر بیٹھتے ہیں اور یہی کام مولوی عطاء اللہ نے بھی انجام دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۰۱- بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ
جہاد کی فضیلت کا بیان

۲۹۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الَّذِيْ لَا يَفْطُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابوالزناد نے اعرج سے انہیں حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنائی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی مثل یوں ہے کہ کوئی شخص لگا تار روزے رکھے' صبر کرے اور لگا تار نماز پڑھے حتیٰ کہ وہ آدمی جہاد سے واپس گھر لوٹ آئے۔

۲۹۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى فَاُقْتَلُ فَكَانَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ ثَلَاثًا اَشْهَدُ لِلّٰهِ.

ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے انہیں اعرج نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس رب کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ یہ بات تین دفعہ فرمایا کرتے تھے۔

کسی شخص کے لیے روزانہ روزہ رکھنا اور لگا تار نماز میں مشغول رہنا بہت مشکل ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ثواب حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہاد فی سبیل اللہ میں یہ پوشیدہ فرما دیا ہے۔ اس ثواب کے بیان فرمانے سے دراصل جہاد کا مقام و مرتبہ بیان کیا گیا۔ اسی طرح آپ نے بار بار شہادت کی تمنا کا اظہار فرما کر بھی جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت روشن فرما دی حالانکہ سرکار دوعالم ﷺ کا مقام ومرتبہ کسی دوسرے کو ملنا ناممکن ہے تو معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک عظیم عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ خلوص نیت کے ساتھ ہمیں بھی یہ مرتبہ ومقام عطاء فرمائے۔ آمین

۱۰۲ - بَابُ مَا يَكُوْنُ مِنَ الْمَوْتِ شَهَادَةً

۲۹۵ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ عَنْ عَتِيْكِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَتِيْكٍ وَهُوَ جَدُّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَابِرٍ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَتِيْكٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ يَعُوْدُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ ثَابِتٍ فَوَجَدَهُ قَدْ غُلِبَ فَصَاحَ بِهٖ فَلَمْ يُجِبْهُ فَاسْتَرْجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ غُلِبْنَا عَلَيْكَ يَا اَبَا الرَّبِيْعِ فَصَاحَ النِّسْوَةُ وَبَكَيْنَ فَجَعَلَ ابْنُ عَتِيْكٍ يُسْكِتُهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعْهُنَّ فَاِذَا وَجَبَ فَلَا تَبْكِيَنَّ بَاكِيَةٌ قَالُوْا وَمَا الْوُجُوْبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا مَاتَ قَالَتِ ابْنَتُهٗ وَاللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ لَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ شَهِيْدًا فَاِنَّكَ قَدْ كُنْتَ قَضَيْتَ جِهَادَكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ وَقَعَ اَجْرَهٗ عَلٰى قَدْرِ نِيَّتِهٖ وَمَا تَعُدُّوْنَ الشَّهَادَةَ قَالُوْا اَلْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ.

۲۹۶ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سُمَيٌّ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيْقِ فَاَخَّرَهٗ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ وَقَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا.

شہادت کی موت کا بیان

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں عبد اللہ بن عبد اللہ بن جابر بن عتیک نے عتیک بن الحارث بن عتیک سے جو عبد اللہ بن عبد اللہ بن جابر کے نانا ہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ عبد اللہ بن ثابت کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ ان پر حالت نزع طاری دیکھی تو آواز دی لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے انا للہ وانا الیہ راجعون فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہے۔ اس پر عورتوں نے رونا شروع کر دیا پھر عورتوں کو ابن عتیک نے خاموش کرانا چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو اور جب واجب ہو گیا تو کوئی نہ رونے پائے۔ لوگوں نے پوچھا: واجب ہونا کیا ہے؟ فرمایا جب فوت ہو جائے۔ مرنے والے کی بیٹی نے کہا خدا کی قسم! مجھے امید تھی کہ اے ابا جان تم شہید ہو گے کیونکہ آپ نے جہاد کی تمام تیاری مکمل کر لی تھی۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر و ثواب اس کی نیت کے مطابق عطاء فرما دیا ہے اور تم شہادت کسے کہتے ہو؟ کہنے لگے اللہ کی راہ میں مارا جانا شہادت ہے۔ آپ نے فرمایا: اس شہادت کے علاوہ بھی سات قسم کے شہید ہیں۔ طاعون سے مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، نمونیہ سے مرنے والا، جل کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا، عورت وضع حمل میں مرنے والی اور پیٹ کی بیماری سے مرنے والا۔

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے سمی نے ابو صالح سے حدیث سنائی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چلتے چلتے کسی نے راستہ میں کانٹے دار ٹہنی پائی پھر اسے راستہ سے ادھر ادھر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس بات کی قدر فرما کر اس کی بخشش فرما دی اور فرمایا: شہید پانچ ہیں۔ پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، طاعون میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے آ کر مرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والا پھر فرمایا: اگر لوگوں کو پتہ چلتا کہ اذان اور پہلی صف میں کیا برکتیں رکھی ہیں؟ تو اس کے لیے قرعہ اندازی کرتے اور اگر یہ جانتے کہ مسجد میں پہلے آنے کا کیا اجر و ثواب ہے تو اس پر

ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے اور اگر نماز عشاء اور صبح کا
ثواب و برکت جانتے تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے۔

مذکورہ احادیث میں اقسام شہادت اور بعض اعمال کے مخصوص فضائل کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ ہم شہادت کو تین انواع میں منقسم کر سکتے ہیں۔(۱) دنیا و آخرت میں شہادت (۲) صرف دنیوی شہید (۳) صرف اخروی شہید۔ پہلی نوع کے وہ اشخاص ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کے لیے کفار کے ہاتھوں شہید کر دیئے جائیں یا ظلماً قتل کر دیئے جائیں بشرطیکہ عقیدہ درست ہو۔ ایسے شہداء کا فقہی حکم یہ ہے کہ انہیں غسل نہیں دیا جاتا اور آخرت میں ان سے مؤاخذہ نہ ہوگا دوسری نوع میں وہ لوگ ہیں جو اغراض فاسدہ کے لیے لڑے مثلاً ناموری، حصول دولت وغیرہ۔ انہیں دنیوی شہید تو کہا جائے گا اور ان کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا لیکن قیامت کے دن ان کا شدید مؤاخذہ ہوگا اور تیسری قسم میں بہت سے لوگ آجاتے ہیں۔ امام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابواب السعادت فی اسباب الشہادت'' میں ۴۳ اقسام ذکر فرمائیں جو یہ ہیں۔

(۱) طاعون سے مرنے والا (۲) پیٹ کی بیماری سے مرنے والا (۳) ڈوب کر مرنے والا (٤) نمونیہ سے مرنے والا (٥) آگ میں جل کر مرنے والا (یعنی قدرتی طور پر نہ یہ کہ خود آگ لگا کر اس میں جل جائے) (٦) زچگی میں مرنے والی عورت (۷) مکان وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا (۸) تمنائے شہادت لیے مرجانے والا (۹) تپ دق میں مرنے والا (۱۰) حالت سفر میں مرنے والا (۱۱) کسی بخار میں مرنے والا (۱۲) سانپ کے ڈسنے سے مرنے والا (۱۳) دھوپ کی شدت سے مرنے والا (١٤) درندہ پھاڑ کھائے (۱۵) سواری سے گر کر مرنے والا (١٦) مکان وغیرہ سے گر کر مرنے والا (۱۷) اللہ کی راہ میں نکلا اور مر گیا (۱۸) اپنے مال کی حفاظت کرنے پر مارا جانے والا (۱۹) اپنے دین کی حفاظت کرنے پر مارا جانے والا (۲۰) اپنا دفاع کرتے پر مارا جانے والا (۲۱) اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنے پر مارا جانے والا (۲۲) اپنی چھینی ہوئی چیز کو چھڑانے پر مارا جانے والا (۲۳) جیل میں بے قصور مرنے والا (٢٤) عشق میں پاکدامن رہتے ہوئے اور پوشیدہ رکھتے ہوئے مرجانے والا (۲۵) حمل میں مرنے والی عورت (٢٦) طالب علمی میں مرنے والا (۲۷) طاعون کی وباء پھیلنے پر اپنے گھر یا شہر میں ہی رہتے ہوئے اس بیماری میں مبتلا ہوئے بغیر مرجانے والا (۲۸) اللہ کے راستہ میں گھوڑے (دیگر سامان جہاد) کی حفاظت کرتے ہوئے مرجانے والا

(۲۹) ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کے بدلہ میں مارا جانے والا

(۳۰) عورتوں سے اجتناب کرتے ہوئے غیرت کی وجہ سے مرجانے والا

(۳۱) اللھم بارک لی فی الموت وفی ما بعد الموت روزانہ پچیس مرتبہ پڑھتے پڑھتے مرجانے والا

(۳۲) نماز چاشت روزانہ پڑھنے والا، ہر ماہ تین روزے رکھنے والا اور سفر و حضر میں وتر نہ چھوڑنے والا

(۳۳) فساد امت کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنے والا (۳٤) سچا امین تاجر

(۳۵) مرض موت میں لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کہا اور فوت ہوگیا

(۳٦) اہل و عیال کی خورد و نوش کا سامان لاتے راستہ میں مرجانے والا (۳۷) ثواب کی نیت سے اذان کہنے والا

(۳۸) اپنے اہل و عیال کو رزق حلال کھلانے اور دین سکھانے والا (۳۹) روزانہ سو مرتبہ درود شریف پڑھنے والا

(٤٠) صبح و شام یہ کلمات پڑھنے والا اللھم انی اشھدک انک انت اللہ الذی لا الہ الا انت وحدک لا شریک لک وان محمد اعبدک ورسولک وابوء بنعمتک علی وابو بذنبی اغفرلی انہ لا یغفر الذنوب غیرک ۔ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک صرف تو ہی معبود ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد

ﷺ تیرے خاص بندے اور رسول ہیں اور میں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سمیت تیری طرف لوٹتا ہوں۔ مجھے معاف کردے بے شک تیرے بغیر کوئی گناہ معاف نہیں کرتا

(٤١) روزانہ صبح کو تین مرتبہ کلمہ پڑھنے والا اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم . پھر اس کے بعد سورۃ الحشر کی آخر تین آیات (یعنی هو الله الذی سے آخر تک) پڑھنے والا (٤٢) جمعہ کے دن مرنے والا (٤٣) شہادت کا طلب صادق رکھنے والا۔

علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے ساتھ بطور دلیل کوئی نہ کوئی حدیث نقل کی ہے۔ دوسری بات مذکور احادیث میں فضائل اعمال کے متعلق تھی۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ اوّل وقت میں نماز پڑھنے کی جو فضیلت مذکور ہوئی اس میں اور ان احادیث میں جو گرمیوں میں ظہر کو تاخیر سے پڑھنے اور عشاء کو ٹھہر کر پڑھنے میں زیادہ ثواب پر دلالت کرتی ہیں تعارض نہیں۔ اس کی بحث ہم بیان کر چکے ہیں۔ بقیہ دلائل خود واضح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت کا مرتبہ اور فضائل اعمال کے حصول کی ہمت عطاء فرمائے۔ آمین

٢- اَبْوَابُ الْجَنَائِزِ

جنازے کا بیان
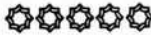
١٠٣- بَابُ الْمَرْأَةُ تُغَسِّلُ زَوْجَهَا

بیوی کا اپنے خاوند کو غسل دینا

٢٩٧- اَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ امْرَاَةَ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ غَسَّلَتْ اَبَا بَكْرٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ ثُمَّ فَخَرَجَتْ فَسَاَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنِّيْ صَائِمَةٌ وَاِنَّ هٰذَا يَوْمٌ شَدِيْدُ الْبَرْدِ فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غُسْلٍ قَالُوْا لَا.

ہمیں مالک بن انس نے خبر دی انہیں عبداللہ بن ابی بکر نے بتایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی اسماء بنت عمیس نے مرنے کے بعد غسل دیا پھر ان مہاجرین سے جو وہاں موجود تھے پوچھا کہ میں روزہ سے ہوں اور آج سردی بھی بہت پڑ رہی ہے کیا مجھ پر نہانا فرض ہے؟ سب نے کہا نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ اَنْ تُغَسِّلَ الْمَرْاَةُ زَوْجَهَا اِذَا تُوُفِّيَ وَلَا غُسْلَ عَلٰى مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ وَلَا وُضُوْءَ اِلَّا اَنْ يُّصِيْبَهٗ شَيْءٌ مِّنْ ذَالِكَ الْمَاءِ فَيَغْسِلَهٗ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ خاوند کے انتقال کے بعد اسے اس کی بیوی غسل دے سکتی ہے اور یہ کہ غسل دینے والے پر نہ تو غسل لازم ہے اور نہ ہی وضو ہاں اگر غسل کا پانی مردہ پر پڑتے ہوئے اس پر بھی پڑ جائے تو اس کو دھو لیا جائے۔

روایت مذکورہ میں خاوند کی میت کو اس کی بیوی کے غسل دینے کا جواز مذکور ہے جس کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کا مسلک بھی ذکر کر دیا۔ اس حالت کے برعکس یعنی عورت کی میت کو اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ یہاں مذکور نہیں لیکن احناف کا اس بارے میں یہ نظریہ ہے کہ یہ درست نہیں۔ اسی مسئلہ کو مذکورہ حدیث شریف کے ضمن میں مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے بھی ذکر کیا اور لکھا کہ مسلک احناف احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا اور حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میری موجودگی میں اگر تم فوت ہو گئیں تو میں تمہیں غسل دوں گا۔ یہ دو روایات ذکر کر کے لکھا کہ احناف کے پاس اپنے مسلک پر کوئی دلیل نہیں۔ مولوی عطاء اللہ اینڈ کمپنی کی اطلاع کے لیے درج ذیل چند باتیں رقم ہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے غسل کا معاملہ

وما روى ان عليا رضى الله عنه غسل فاطمة رضى الله عنها فقد ورد ان فاطمة غسلتها ام ايمن ولو ثبت انه غسلها فقد انكر عليه ابن مسعود رضى الله عنه حتى قال له على رضى الله عنه اما علمت ان رسول الله ﷺ قال فاطمة زوجتك فى الدنيا

وہ جو مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تو یہ بھی روایت ہے کہ انہیں حضرت ام ایمن نے غسل دیا اور اگر یہ ثابت بھی ہو کہ غسل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہی دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے جب اچھا نہ سمجھا تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کیا

و الاخرة فادعاه الخصوصية دليل على انه كان معروفا بينهم ان الرجل لا يغسل زوجته وقد قال عليه السلام كل سبب ونسب ينقطع بالموت الاسبي ونسبي فهذادليل على الخصوصية في حقه وفي حق على رضي الله عنه ايضا.

(المبسوط ج ا ص ۲۳۶ مطبوعہ کراچی' ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۱۹۸ مصنفہ امام محمد باب غسل المیت من الرجال والنساء)

تمہیں معلوم نہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: فاطمہ تیری دنیا اور آخرت میں بیوی ہے لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنے لیے خصوصیت کا دعویٰ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے مابین یہ بات جانی پہچانی تھی کہ خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ حضور ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر سبب اور ہر نسب موت کے ساتھ ٹوٹ جاتا ہے مگر میرا سبب اور نسب باقی رہتا ہے پس یہ ارشاد گرامی آپ کے اور علی المرتضیٰ کے لیے بھی خصوصیت کی دلیل ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو غسل دینا متفق علیہ نہیں ہے بلکہ ام ایمن کا بھی ذکر ہے اور اسماء بنت عمیس کا نام بھی مروی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو غسل دینے والا مجازاً ذکر کیا گیا ہے اور علامہ الشامی نے بھی یہ احتمال بیان فرمایا ہے۔ تحتمل رواية الغسل لعلي على معنى التهية والقيام القيام القام باسبابه (ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۱۹۸) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے غسل دینے کا مجازی مفہوم یہ کہ آپ نے غسل دینے کے لیے اہتمام فرمایا اور اشیائے غسل مہیا فرمائیں۔

مذکورہ حدیث پر مزید گفتگو

قال ابو الفرج في اسناده عبد الله بن نافع قال يحيى ليس بشئ وقال النسائي متروك ورووه احاديث اخرليس فيها ما يعتمد عليه على انه لوثبت لم يكن فيه دلالة لان الغسل ممايضاف الى السبب اضافة مشهورة تقرب الحقيقة في كثرة الاستعمال والشهرة يقال فلان غسل فلان وكفه وجهزه ولم يصدر من فلان من ذالك شئ الا مباشرة الاسباب والقيام عليها.

(غنیۃ المستملی ص ۶۰۳ فصل فی فصل فی الجنائز الثامن فی مسائل متفرقۃ من الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ابوالفرج نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ بن نافع ایک راوی ہے جس کے متعلق یحییٰ نے کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے اور نسائی نے اسے متروک کہا۔ لوگوں نے ایک اور حدیث بھی روایت کی ہے (یعنی حضور ﷺ کا حضرت عائشہ کو فرمانا کہ اگر تو فوت ہوگئی تو میں کفن دفن کروں گا) لیکن اس حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو اس میں مذکورہ مسئلہ پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ غسل ان کاموں میں سے ہے جس کی سبب کی طرف اضافت مشہور و معروف ہو اور اس کا یہ احتمال تقریباً حقیقت کی طرف ہو گیا ہے کیونکہ کثرت استعمال اور شہرت اسی میں ہو چکی ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں کو غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی ذمہ داری نباہی حالانکہ فلاں کی طرف سے ان کاموں میں سے کوئی کام بھی سرانجام نہیں پایا جاتا۔ صرف ان کاموں کے اسباب مہیا کرتا ہے اور ان کا اہتمام ہی پایا جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کی تحقیق

قال رسول الله ﷺ انا وراساه يا عائشه

حضور ﷺ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

ماضرک ان مت قبل فغسلتک وکفنتک الحدیث رواہ احمد والدارقطنی وغیرھما باسناد ضعیف قال ابو الفرج ورواہ البخاری ولم یقل غسلتک.

(غنیۃ المستملی شرح غنیۃ المصلی ص۶۰۴)

مجھے شدید سر درد ہے۔ اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہو جائے تو اس میں تیرا کیا نقصان ہے؟ میں تجھے غسل بھی دوں گا اور کفن بھی پہناؤں گا۔ الحدیث اسے احمد اور دارقطنی وغیرہما نے روایت کیا۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ ابو الفرج کہتا ہے کہ اسے بخاری نے بھی روایت کیا لیکن انہوں نے "میں تجھے بھی غسل دوں گا" یہ الفاظ نہیں کہے۔

مرد کا اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل نہ دینا' اس پر دلائل

دلیل اول:

لابن عباس روی ان رسول اللہ ﷺ سئل عن امراۃ تموت بین رجال فقال یتیمم الصعید ولم یفصل بین ان یکون فیھم زوجھا اولا یکون والمعنی فیہ ان النکاح بموتھا ارتفع بجمیع علائقہ فلایبقی حل المس والنظر کما لوطلقھا قبل الدخول.

(حاشیہ مبسوط للامام محمد ج۱ص۴۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ حضور ﷺ سے ایسی عورت کے بارے میں غسل دینے کے متعلق پوچھا جہاں صرف آدمی ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: پاک مٹی سے اسے تیمم کرایا جائے۔ آپ نے اس بارے میں یہ تفصیل ذکر نہ فرمائی کہ ان مردوں میں اس کا خاوند ہو یا نہ ہو بلکہ دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ارشاد فرمایا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ عورت کے مرنے کے ساتھ نکاح مع تمام متعلقات کے ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اب مرد کے لیے اپنی بیوی کی میت کو ہاتھ لگانا اور اسے بلا حجاب دیکھنا حلال نہ رہا جیسا کہ قبل از دخول طلاق دے چکا ہو۔

بخلاف اذا ماتت المراۃ حیث لا یغسلھا الزوج لان ھناک انتھی ملک النکاح لانعدام المحل فصار الزوج اجنبیا فلایحل لہ غسلھا واعتبر بملک العین حیث لا ینتفی عن المحل بموت المالک ویبطل بموت المحل فکذاوھذا اذا لم تثبت البینونۃ بینھما فی حال حیوۃ الزوج فاما اذا ثبت بان طلقھا ثلاثا او بائنا ثم مات وھی فی العقدۃ لایباح لھا غسلہ لان ملک النکاح ارتفع بالا بانۃ.

(بدائع الصنائع ج۱ص۳۰۴ فصل فی بیان من یغسل مطبوعہ بیروت' ردالمحتار ج۲ص۱۹۹ باب صلوۃ الجنازۃ فی سبب ونسب منقطع الاسبی ونسبی)

جب عورت کا انتقال ہو جائے تو اسے اس کا خاوند غسل نہیں دے گا کیونکہ اس صورت میں ملک نکاح ختم ہو چکی ہے کیونکہ حلت باقی نہیں رہی لہٰذا اب زوج بھی اجنبی کی طرح ہو گیا اس لیے وہ عورت کی میت کو غسل نہیں دے گا۔ اس کا اعتبار ملک عین پر کیا گیا ہے کیونکہ یہاں مالک کے مرجانے سے محل سے ملکیت منتفی نہیں ہوتی اور اگر محل مرجائے تو ملکیت باطل ہو جاتی ہے لہٰذا اسی طرح غسل مذکور میں بھی ہے۔ عورت کا اپنے فوت شدہ خاوند کو غسل دینا اس وقت درست ہوگا جب خاوند کی زندگی میں ان دونوں کے درمیان جدائی نہ ہوئی ہو اور اگر تین طلاقیں یا طلاق بائنہ خاوند نے زندگی میں ہی دے دی تھیں پھر دوران عدت خاوند کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں اس کی بیوی غسل نہیں دے گی کیونکہ بینونت کی وجہ سے ملک نکاح ختم ہو گئی تھی۔

اس تحقیق سے یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ مرد اور عورت (میاں بیوی) میں سے کسی دوسرے کو اس کے انتقال پر غسل دینا یا نہ دینا ملکیت نکاح پر موقوف ہے۔ اگر عورت کا انتقال ہوا تو ملکیت اسی وقت ختم ہوگئی لہٰذا غسل دینا (مرد کا) جائز نہ رہا۔ اسے صدر

العلماء علاؤالدین ابوبکر بن مسعود صاحب بدائع الصنائع نے شاندار مثال سے سمجھایا یعنی اگر کسی کی لونڈی مرجائے تو مالک کی ملکیت اس کے عین (شخصیت پر سے ختم ہوگئی اور اگر مالک مرجائے تو ملک عین ختم نہ ہوگی بلکہ وہ ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گی۔ اس طرح بیوی کے انتقال سے ملک بضعہ گئی اور زندہ خاوند اس کے لیے اجنبی ہوگیا اور اگر خاوند مرجائے تو عدت کے قیام کی وجہ سے ابھی تعلق باقی ہے اس لیے عورت کا (بشرطیکہ زندگی میں خاوند نے بالکل جدانہ کردیا ہو) اپنے فوت شدہ خاوند کو غسل دینا جائز اور خاوند کا اپنی بیوی فوت شدہ کو غسل دینا ناجائز ہوجاتا ہے۔

دلیل دوم:

بلغنا عن عمر بن خطاب رضی الله عنه انه قال نحن كنا احق بها اذا كانت حية فاما اذا ماتت فانتم احق بها قال محمد وبه ناخذ.

(کتاب الآثار ص ۴۷)

ہمیں یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہنچی کہ فرمایا کہ ہم (خاوند) اس مرنے والی بیوی کے اس کی زندگی میں حقدار تھے۔ سو جب وہ مرگئی تو تم اس کے زیادہ حقدار ہوگئے۔ امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ذکر فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی جب تک اس رشتہ میں بندھے رہتے ہیں تو بیوی کے جسم کو دیکھنا' اسے چھونا وغیرہ تصرفات کے اعتبار سے مرد کا حق سب سے مقدم ہے اور جب فوت ہوجائے تو پھر اس کے عزیز واقارب کا حق بڑھ جاتا ہے یعنی مرنے کے بعد خاوند ہاتھ نہیں لگا سکتا ہاں اس کے بیٹے، والد اور بہن بھائی کو اجازت ہوتی ہے۔

اعتراض

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول معلق ہے اور ایسے قول سے دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

جواب: اصول حدیث میں یہ قاعدہ مذکور ہے۔ بارہا اس کا ذکر ہوچکا ہے کہ معلق، مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور قرون ثلاثہ کی مرسل ہمارے نزدیک مقبول ہے' خاص کر اس دور کے مجتہد کی مرسل اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے اور بہت بڑے مجتہد ہیں تو ان کی معلق اور بلاغ کیونکر حجت نہ ہوگی؟

اعتراض

سیدہ خاتون جنت اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں احناف نے تخصیص کا قول کیا ہے لیکن اسی قسم کا معاملہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وروى عن عبد الله بن مسعود انه غسل امرأته حين ماتت باسناد ضعيف وروى عن الحجاج من ارطاط عن داود بن الحصين عن عكرمه ابن عباس قال الرجل احق بغسل امرأة .

(بیہقی شریف ج ۳ ص ۳۹۷ باب الرجل بغسل امرأته اماتت)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے اسناد ضعیف کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کی میت کو غسل دیا اور حجاج بن ارطاط نے داؤد بن حصین انہوں نے عکرمہ اور انہوں نے ابن عباس سے روایت بیان کی کہ خاوند اپنی بیوی کو غسل دینے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

جواب: جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دینے کا معاملہ ہے اس کا جواب خود ''اسناد ضعیف'' میں موجود ہے جس کی بنا پر یہ روایت قابل حجت نہیں رہتی۔ ہاں دوسری روایت جو حضرت ابن عباس سے ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ابن ترکمانی لکھتے ہیں۔

قال البیهقی فی باب من قال الرھن مضمون معمر بن سلیمان غیر محتج به والحجاج ایضا متکلم فیه وداود ابن الحصین وان وثق الاان ابن المدینی قال ماروی عن عکرمه فمنکر فقال ابن عیینه کنا نتقی حدیثه.

(جوہر النقی مع البیہقی ج ۳ص ۳۹۷)

امام بیہقی نے "رہن مضمون" کے باب میں کہا کہ معمر بن سلیمان ایسا راوی ہے جو قابل حجت نہیں اور حجاج کے بارے میں بھی اعتراض کیا گیا ہے اور داؤد بن حصین اگرچہ ثقہ ہے مگر ابن مدینی نے کہا کہ وہ روایات جو داؤد بن حصین جناب عکرمہ سے روایت کرتا ہے وہ منکر ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا ہم اس کی حدیث سے بچا کرتے تھے۔

قارئین کرام! صاحب جوہر النقی نے مذکورہ حدیث کے راویوں پر تفصیلی جرح پیش کی ہے لہٰذا مجروح حدیث سے استدلال پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ان کی زوجہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے غسل دینے کے معاملہ پر اعتراض کیا ہے۔ ان دونوں باتوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے نہ تو اپنی زوجہ کو غسل دیا اور نہ ہی آپ جواز کے قائل تھے۔

غاسل پر غسل واجب نہیں

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث کے تحت اپنا مسلک بیان فرمایا کہ غسل دینے والے پر محض غسل دینے کی وجہ سے نہ تو وضو واجب ہے اور نہ ہی غسل لازم۔ ہاں اگر میت کو غسل دیتے وقت اس پانی کے چھینٹے پڑ گئے ہوں تو انہیں دھونا چاہیے۔ آپ کے مسلک کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے شارح مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے اس حدیث پاک کے تحت لکھا۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو غسل دیوے میت کو وہ غسل کرے اور جو اٹھاوے اس کو وہ وضو کرے۔ (جس روایت کا سہارا مولوی عطاء اللہ نے لیا وہ بیہقی میں ہے حالانکہ بیہقی میں اس بارے میں مستقل باب ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما انه قال لیس علیکم فی میتکم غسل اذا غسلتموہ . وروینا من وجه اخر عن عطاء عن ابن عباس مرفوعا لاتنجسوا موتاکم فان المسلم لیس بنجس حیا ولا میتا.

(بیہقی شریف ج ۳ص ۳۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا: میت کو جب تم غسل دو تو تم پر غسل لازم نہیں اور ایک طریقہ سے جناب عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ذکر فرمایا کہ اپنے مردوں کو ناپاک نہ سمجھو۔ مسلمان بے شک زندہ اور میت دونوں صورتوں میں ناپاک نہیں ہوتا۔

امام بیہقی کے حوالہ سے جو مولوی عطاء اللہ نے غاسل پر واجب غسل ہونے کا قول ذکر کیا وہ تو ہمیں ملا نہیں لیکن اس کے خلاف مستقل باب اور اس کے تحت ایسی احادیث ضرور موجود ہیں جو میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کو لازم نہیں کرتیں۔ مزید وضاحت ملاحظہ ہو۔

قال محمد اخبرنا ابو حنیفة عن حماد بن ابراھیم فی الاغتسال من غسل المیت قال کان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنه یقول ان کان صاحبکم نجس فاغتسلوا منه والوضوء یجزی قال محمد وان شاء ایضالم یتوضا فان کان اصابه شیٔ من الماء الذی غسل به المیت غسله وھو قول ابی

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد انہیں ابراہیم نے خبر دی کہ میت کو غسل دینے کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارے مرنے والا ساتھی نجس تھا تو اس سے غسل کرو اور وضو بھی کافی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں اگر غسل دینے والا چاہے تو وضو بھی نہ کرے۔ (تب بھی درست ہے) ہاں اگر اسے میت کے غسل والے پانی سے کچھ پانی لگ گیا تو

حنیفة رحمة الله علیه.

(کتاب الآثار ص ۷۴ الغسل من غسل المیت)

اسے دھولے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

حدثنا یحیی بن سعید القطان عن الجعد عن عائشة بنت سعد قال اوذن سعد بجنازة سعد بن زید وهو بالبقیع فجاء وغسله وکفنه وحنطه ثم اتی داره فصل علیه ثم دعابماء فاغتسل ثم قال انی لم اغتسل من غسله ولو کان نجساما غسلة ولکنی اغتسلت من الحر. عن ابن عباس وابن عمر قال لیس علی غاسل المیت غسل. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۶۷۔ ۲۶۸ من قال لیس علی غاسل المیت غسل)

ہمیں یحییٰ ابن سعید قطان نے جعد سے انہوں نے عائشہ بنت سعد سے بیان کیا کہ سعد بن زید کے جنازہ کی سعد کو خبر دی گئی۔ وہ اس وقت بقیع میں تھے۔ وہ آئے اور ان کو غسل دیا اور کفن دیا' خوشبو وغیرہ لگائی پھر گھر آئے اور نماز جنازہ پڑھی پھر پانی منگوا کر غسل کیا پھر فرمایا: میں نے یہ غسل، میت کو غسل دینے کی وجہ سے نہیں کیا وہ اگر چہ ناپاک بھی ہوتی تو بھی غسل نہ کرتا لیکن میں نے گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم دونوں نے فرمایا کہ میت کے غاسل پر غسل واجب نہیں ہے۔

ان روایات وآثار سے ثابت ہوا کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا لازم نہیں ہو جاتا اگر چہ میت ناپاک ہی کیوں نہ ہو لہٰذا مولوی عطاء اللہ کا امام محمد کے مسلک کی تردید کرنا دراصل عدم علم کی بناء پر ہے یا تعصب کے طور پر ایسا کیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۰۴- بَابُ مَا یُکَفَّنُ بِهِ الْمَیِّتُ

میت کو کفن دینے کا بیان

۲۹۸- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اِبْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ الْمَیِّتُ یُقَمَّصُ وَیُؤَزَّرُ وَیُلَفُّ بِالثَّوْبِ الثَّالِثِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ کُفِّنَ بِهٖ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے انہیں حمید بن عبدالرحمٰن نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا: میت کو قمیص پہنائی جائے اور تہبند باندھا جائے اور تیسرے کپڑے میں اسے لپیٹا جائے۔ اگر صرف ایک ہی کپڑا ہو تو اسی سے کفن دیا جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ الْاِزَارُ یُجْعَلُ لِفَافَةً مِثْلَ الثَّوْبِ الْاٰخِرِ اَحَبُّ اِلَیْنَا مِنْ اَنْ یُّؤَزَّرَ وَلَا یُعْجِبُنَا اَنْ یُّنْقَصَ الْمَیِّتُ فِیْ کَفَنِهٖ مِنْ ثَوْبَیْنِ اِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا مذہب یہی ہے کہ تہبند لفافہ کی طرح پہنایا جائے نہ یہ کہ زندوں کی طرح باندھا جائے اور یہ بھی پسندیدہ نہیں کہ میت کا کفن دو کپڑوں سے کم کیا جائے۔ ہاں ضرورت کے وقت ایسا جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

روایت مذکورہ میں میت کے لیے تین کپڑوں کا ذکر ہے۔ ایک قمیص جسے ہمارے ہاں عرفاً کفنی کہا جاتا ہے دوسرا تہبند جو لفافہ کی طرح میت کو پہنایا جائے گا اور تیسرا لفافہ۔ یہ تین کپڑے سنت کفن ہے۔ مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے یہاں بھی ''قمیص'' کے بارے میں 'فائدہ' کے تحت لکھا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کفن دیئے گئے رسول اللہ ﷺ کے تین کپڑوں میں ''قمیص'' نہیں اور پگڑی بھی نہیں اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں کفن کے کپڑوں میں جو قمیص کا ذکر کیا یہ درست نہیں ہے۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں صراحۃً ''قمیص'' کا ذکر فرمایا اس تصریح کے ہوتے ہوئے دلیل کے بغیر اس کا انکار کرنا نری جہالت ہے۔ رہا پگڑی کا معاملہ تو علمائے اہل سنت وجماعت کے نزدیک عام میت کے لیے تو مذکورہ تین کپڑے ہی کفن میں ہوں گے لیکن علماء واشراف حضرات کے لیے پگڑی کا

اضافہ اولیٰ ہے۔ ''درمختار'' میں ہے۔

واستحسنها المتاخرون للعلماء والاشراف ولا باس بالزيادة على الثلاثه ويحسن الكفن لحديث حسنوا اكفان الموتى فانهم يتزاورون فيما بينهم ويتفاخرون بحسن اكفانهم. (درمختار مع الختار ج۲ ص۲۰۲ مطبوعہ مصر باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی الکفن)

پگڑی کا علماء اور شراف کو مرنے کے بعد باندھنا اسے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے اور تین کپڑوں سے زائد کے ساتھ کفن دینے میں کوئی گناہ نہیں اور کفن اچھا دینا چاہیے کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ مردوں کو بہترین کفن دو وہ باہم ملتے جلتے ہیں اور خوبصورت کفن پر فخر کرتے ہیں۔

اسی قول کے تحت ابن العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا پانچ کپڑوں تک مکروہ نہیں کیونکہ ابن عمر نے ایسا کیا ہے۔

ووجهه بان ابن عمر كفن ابنه واقدافي خمسة اثواب قميص وعمامة وثلاث لفائف وازار العمامة الى تحت حنكه رواه سعيد بن منصور.

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے واقد کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا۔ ایک قمیص، ایک عمامہ اور تین چادریں' عمامہ کو ٹھوڑی کے نیچے باندھا۔

علاوہ ازیں اس امر کا ثبوت کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔

وروينا النافع ان ابنا لعبد الله بن عمرمات فكفنه ابن عمر فى خمسه اثواب عمامة و قميص وثلاث لفائف.

(بیہقی شریف ج۲ ص۴۰۲ باب جواز التکفین فی القمیص)

نافع نے ہمیں بتایا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا صاحبزادہ انتقال کر گیا تو آپ نے اسے پانچ کپڑوں میں کفن دیا۔ عمامہ، قمیص اور تین چادریں۔

حدثنا عفان عن قتاده قال كان الحسن يقول فى الميت توضع العمامة وسط راسه ثم يخالف بين طرفيهما هكذا على جسده قال وقال ابن سيرين يعمم كما يعمم الحى.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۲۶۴)

(مرد کو پگڑی کس طرح باندھی جائے) قتادہ سے عفان نے ہمیں حدیث سنائی کہ حسن رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میت کے سر کے درمیان پگڑی رکھی جائے پھر اس کی دونوں طرفوں (شملوں) کو دائیں بائیں کر دیا جائے یعنی ایک شملہ سینے پر اور دوسرا پشت کے نیچے۔ راوی کہتا ہے کہ ابن سیرین نے کہا کہ میت کو عمامہ زندہ کی طرح باندھا جائے۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال اذا مت فلا تقمصونى فانى رايت رسول الله ﷺ لم يقمص ولم يعمم رواه الطبرانى فى الاوسط وفيه خالد بن يزيد العمرى وهو ضعيف وعن انس بن مالك ان النبى ﷺ كفن فى ثلاثة اثواب احدها قميص رواه الطبرانى فى الاوسط واسناده حسن. (مجمع الزوائد ج۳ ص۲۳ باب ماجاء فی الکفن مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا میں جب فوت ہو جاؤں تو مجھے قمیص مت پہنانا۔ میں نے بے شک رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ انہیں قمیص نہ پہنائی گئی اور نہ ہی عمامہ باندھا گیا۔ اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس روایت میں خالد بن یزید عمری ہے جو ضعیف ہے اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں سے ایک قمیص بھی تھی اسے طبرانی نے اوسط میں حسن اسناد کے ساتھ ذکر کیا۔

اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم ان

ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہیں ابراہیم نے خبر دی کہ

النبی ﷺ کفن فی حلة یمانیه و قمیص قال محمد وبه ناخذ نری کفن الرجل ثلاثة اثواب.

(کتاب الآثار ص ۴۶ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

بے شک رسول اللہ ﷺ کو یمنی حلہ اور قمیص سے کفن دیا گیا۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

نوٹ: ''حلہ'' دو کپڑوں پر بولا جاتا ہے یعنی چادر اور تہبند اور یاد رہے کہ قمیص کے کفن میں شامل ہونے پر ابن ابی کے لیے نبی علیہ السلام کی قمیص کا واقعہ کثیر کتب احادیث و تفاسیر میں موجود ہے۔

حدیث حسن اور آثار میں کفن کے کپڑوں میں قمیص کا ذکر صراحۃً موجود ہے اس لیے قمیص کو کفن کے کپڑوں میں سے خارج کرنا یا تو جہالت کی بنا پر ہے یا پھر بغض و تعصب کی وجہ سے ہے۔ ورنہ احناف کا مسلک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بے غبار ہے اور احادیث و آثار اس کی تائید کرتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام احناف اسی پر عمل کرتے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۰۵- بَابُ الْمَشْيِ بِالْجَنَائِزِ وَالْمَشْيِ مَعَهَا

جنازہ اٹھانے اور اس کے ساتھ چلنے کا بیان

۲۹۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اَسْرِعُوْا بِجَنَائِزِكُمْ فَاِنَّمَا هُوَ خَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهُ اَوْشَرٌّ تُلْقُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب ابو ہریرہ سے جناب نافع نے بتایا فرمایا: جنازہ کو جلدی سے لے چلو اگر وہ نیک ہے تو تم اسے جلد اچھی جگہ پہنچا دو گے اور اگر وہ برا ہے تو تم اپنی گردنوں (کندھوں) سے جلد اتار رکھو گے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ السُّرْعَةَ بِهَا اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنَ الْاِبْطَاءِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مذہب ہے کہ جنازہ کو جلد لے جانا دیر کرنے سے بہتر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۳۰۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْشِيْ اَمَامَ الْجَنَازَةِ وَالْخُلَفَاءُ هَلُمَّ جَرًّا وَابْنُ عُمَرَ.

امام مالک نے ہمیں امام زہری سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ کے آگے چلتے تھے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر حضرات مع عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا آج تک یہی عمل آ رہا ہے۔

۳۰۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ رَبِيْعَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ هُدَيْرٍ اَنَّهُ رَاٰى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُقَدِّمُ النَّاسَ اَمَامَ جَنَازَةِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ محمد بن منکدر نے جناب ربیعہ ابن عبد اللہ ابن ہدیر سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سیدہ زینب بنت جحش کے جنازہ کے آگے آگے اکیلے چل رہے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْمَشْيُ اَمَامَهَا حَسَنٌ وَالْمَشْيُ خَلْفَهَا اَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ جنازہ کے آگے چلنا اچھا ہے اور پیچھے چلنا افضل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اعتراض

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ کے پیچھے چلنے کو افضل کہنا احادیث و اثر مذکورہ کے خلاف ہے لہٰذا اسے افضل کہنا بلا دلیل اور خلاف احادیث و آثار ہے؟

جواب: حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کا جنازہ سے آگے آگے چلنا اس کی حکمت اور جنازہ کے پیچھے چلنے کی افضلیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنیے۔

عن ابراهيم قال كان الاسود اذا كان معها نساء اخذ بيدى فتقدمنا نمشى امامها فاذالم يكن معها نساء مشينا خلفها فهذا الاسود بن يزيد على طول صحبته لعبد الله بن مسعود وعلى صحبته لعمر رضى الله عنهما قد كان قصده فى المشى مع الجنازة من المشى خلفها الاان يعرض له عارض فمشى امامها لذالك العارض لا لان ذالك افضل عنده من غيره لكذالك عمر ماروينا عنه فيما فعله فى جنازة زينب هو على هذا المعنى عندنا والله اعلم. (طحاوی شریف ج ۱ ص ۴۸۵ کتاب الجنائز باب المشی فی جنازۃ مطبوعہ بیروت)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ جب نماز جنازہ کے ساتھ عورتیں بھی ہوتیں تو جناب اسود رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ تھام لیتے اور ہم جنازہ کے آگے آگے چلتے اور جب عورتیں شامل نہ ہوتیں تو ہم جنازہ کے پیچھے ہی چلتے۔ یہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ کہ جنہیں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت میں کافی عرصہ رہنا نصیب ہوا ان کی عادت کریمہ جنازہ کے پیچھے چلنا تھی۔ ہاں اگر کوئی عارضہ پیش آ جاتا تو اس کی وجہ سے جنازہ کے آگے بھی چلتے تھے یہ آگے چلنا بوجہ اس عارضہ کے ہوتا تھا نہ اس بنا پر کہ آگے چلنا (بہر حال) ان کے نزدیک افضل تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو ہم روایت کر چکے ہیں کہ لوگوں کو حضرت زینب کے جنازہ کے آگے چلنے کا حکم دے رہے تھے تو وہ بھی عذر کی بنا پر تھا۔

اس سے قبل ہم یہ بحث کر چکے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو میں جانتا ہوں وہی حضرات شیخین بھی جانتے تھے یعنی یہ کہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنا افضل ہے۔ بلا عذر یہ حضرات جنازہ کے آگے آگے نہیں چلتے تھے۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ ''آگے آگے چلو'' یہ بھی عذر کی بناء پر تھا اور سبھی جانتے ہیں کہ ''عذر'' سے غیر مباح کام ''مباح'' ہو جایا کرتے تھے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جنازہ سے پیچھے پیچھے چلنے کو جو ''عمل صحابہ'' فرمایا ہے اس کی تائید بخاری شریف میں مذکور یہ حدیث بھی کرتی ہے۔

عن براء بن عازب قال امرنا النبى ﷺ بسبع ونهانا عن سبع امرنا باتباع الجنائز وعيادة المريض الخ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں سات باتوں کے کرنے اور سات سے رکنے کا حکم دیا۔ پہلی یہ کہ جنازہ کے پیچھے چلو دوسری بیمار کی عیادت کرو۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶۵ باب الامر باتباع الجنائز)

خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی اور حضرات صحابہ کرام کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنا چاہیے ہاں بوقت مجبوری آگے چلنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٠٦- بَابُ الْمَيِّتِ لَايُتْبَعُ بِنَارٍ بَعْدَ مَوْتِهِ اَوْمَجْمَرَةٍ فِىْ جَنَازَتِهٖ

میت کے مرنے کے بعد اس کے جنازہ کے ساتھ آگ لے جانے یا دھونی دینے کی ممانعت

٣٠٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِىُّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ نَهٰى اَنْ يُّتْبَعَ بِنَارٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ اَوْبِمَجْمَرَةٍ فِىْ جَنَازَتِهٖ.

ہمیں امام مالک نے سعید بن سعید مقبری سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کسی کے مرنے کے بعد اس کے پیچھے آگ نہ لے جائی جائے یا اس کے جنازہ میں

دھونی نہ دی جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

جنازہ کے ساتھ آگ یا دھونی وغیرہ کا ہونا نیک فال نہیں اس لیے دونوں سے روکا گیا حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام سے اس بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ ابن ماجہ نے جنہیں یوں ذکر فرمایا۔

ان ابابردہ قال اوصی ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ حین حضرہ الموت قال لاتبتعونی بمجمرۃ قالوا لہ اوسمعت فیہ شیئا قال نعم من رسول اللہ ﷺ.

(ابن ماجہ ص ۲۳۳ باب ماجاء فی الجنازۃ لاتوخراذاحضرت)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قریب الموت ہوئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میری میت کے ساتھ دھونی نہ لے جانا لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس بارے میں کچھ سن رکھا ہے؟ فرمایا: ہاں رسول اللہ ﷺ سے۔

عن ابن مفضل قال قال عمر رضی اللہ عنہ لاتبتعونی بنار. عن ابراھیم بن نافع قال قال ابوھریرہ لاتبتعونی بنار. عن ابن ابی سعید ان ابا سعید قال لا تبتعونی بنار. عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لاتبتعوا الجنازۃ بصوت ولا بنار ولا یمشی امامھا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷۱۔۲۷۲ مطبوعہ دائرۃ القران کراچی)

ابن مفضل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے جنازہ کے ساتھ دھونی لے جانے سے منع فرمایا۔ ابراہیم بن نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے بھی جنازہ کے ساتھ آگ لے جانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابوسعید نے بھی جنازہ کے ساتھ آگ لے جانے کی ممانعت فرمائی۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنازہ کے پیچھے (اور ساتھ) بلند آواز اور آگ نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی جنازہ کے آگے آگے چلنا چاہیے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے جہاں میت کے ساتھ آگ اور دھونی لے کر چلنے کی ممانعت آئی وہاں میت پر رونا پیٹنا بھی ممنوع قرار دیا گیا اور ساتھ ہی آگے چلنے سے بھی حضور کی ممانعت مذکور ہے۔ اسی مسئلہ پر محشی مولوی عبدالحی نے ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت ان الفاظ سے ذکر کی ہے۔

اخرج ابن ابی شیبۃ عن عبد اللہ بن عمرو ابن العاص ان اباہ قال لہ کن خلف الجنازۃ فان امامھا للملئکۃ وخلف لبنی ادم واخرج ابو داود والترمذی وابن مسعود مرفوعا الجنازۃ متبوعۃ ولیس معھا من تقدموا.

(موطا امام محمد ص ۱۶۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد سے بیان فرمایا کہ وہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جنازہ کا سامنے والا اور اگلا حصہ فرشتوں کے لیے ہے اور پچھلا انسانوں کے لیے ہے۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن مسعود نے مرفوعاً روایت کیا کہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنا چاہیے اور جو جنازہ سے آگے آگے چلے گا وہ یوں سمجھے کہ وہ جنازہ کے ساتھ ہی نہیں ہے۔

نوٹ: ابوداؤد اور ترمذی میں موجود مذکورہ حدیث کی سند پر اگر چہ کلام کیا گیا ہے لیکن بکثرت آثار کی تائید اس کلام کے ذریعے پیدا ہونے والے ضعف کو دور کر دیتی ہے لہٰذا جنازہ کی اتباع (پیچھے پیچھے چلنا) ہی مسنون ہے۔

۱۰۷ - بَابُ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجانے کا بیان

۳۰۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ وَاقِدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ عَنْ مَسْعُوْدِ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْمُ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدُ.

(بحذف اسناد) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے پھر آپ نے اس کو ترک کر دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا نَرَى الْقِيَامَ لِلْجَنَازَةِ كَانَ هٰذَا شَيْئًا فَتُرِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل بھی یہی ہے کہ جنازہ کی آمد پر کھڑے ہونا ابتدا تھا۔ آپ ﷺ نے پھر اسے چھوڑ دیا یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

حضور ﷺ نے ابتدا میں کسی کے جنازہ کو دیکھ کر خود بھی قیام فرمایا اور موجود لوگوں کو بھی ایسا ہی حکم دیا لیکن یہی عمل بعد میں آپ نے ترک فرما دیا۔ روایت ملاحظہ ہو۔

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما انه قال سال رجل رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله تمر بنا جنازة الكافر نقوم لها قال نعم قوموا لها فانكم لستم تقومون اعظاما للسدی بقبض اللرواح رواه احمد والبزاز والطبرانی فی الكبير ورجال احمد ثقات وعن ابی سعيد بن زيد ان رسول الله ﷺ مرت به جنازة فقام لها رواه احمد وفيه جابر الجعفی وفيه كلام كثير.

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷ باب القیام للجنازۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کبھی کبھار ہمارے سامنے سے کافروں کا جنازہ گزرتا ہے کیا اس کے لیے ہم کھڑے ہو سکتے ہیں؟ فرمایا کھڑے ہو جایا کرو کیونکہ درحقیقت تم اس کافر کے لیے نہیں بلکہ ایک عظیم امر کی وجہ سے کھڑے ہو گے۔ وہ عظیم امر بقول "سدی" قبض ارواح ہے۔ اسے احمد، بزاز اور طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا۔ امام احمد کی روایت کے رجال ثقہ ہیں اور ابوسعید بن زید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو آپ اس کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے لیکن ایک راوی جابر جعفی ایسا ہے جس میں کافی کلام کیا گیا ہے۔

مذکورہ روایت میں دو باتیں موجود ہیں ایک یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے کافر تک کے جنازہ پر کھڑے ہونے کی اجازت بلکہ حکم دیا۔ دوسری یہ کہ آپ نے خود بھی ایسے موقعہ پر قیام فرمایا لیکن یہ سب کچھ ابتداء تھا جو بعد میں منسوخ کر دیا گیا اس کی ناسخ احادیث ابن ابی شیبہ نے بہت سی ذکر فرمائی ہیں صرف چند ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

عن مسعود بن حكم قال قال علی رضی الله عنه قام رسول الله ﷺ للجنازة فقمنا ثم جلس فجلسنا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۹ من کرہ قیام الجنازۃ)

مسعود بن حکم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے آپ بیٹھ گئے تو ہم بھی بیٹھ گئے۔

عن ابی اسحاق قال كان اصحاب علی

ابو اسحاق راوی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ

واصحاب عبد الله لا یقومون للجنائز اذا مرت بھم. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۹)

بن مسعود کے اصحاب جنازہ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے جبکہ جنازہ ان کے قریب سے گزر رہا ہوتا تھا۔

عن الحسن بن علی وابن عباس انھمار انیا جنازۃ فقام احدھما وقعدالاخر فقال الذی قام للذی قعدلم تقم الم تقم رسول الله ﷺ قال بلی ثم قعد.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۹)

حسن بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ایک جنازہ گزرتے دیکھا تو ان میں سے ایک کھڑا ہوگیا اور دوسرا بیٹھا رہا۔ کھڑے ہونے والے نے بیٹھنے والے سے پوچھا تو کیوں نہیں کھڑا ہوا کیا حضور ﷺ نے قیام نہیں فرمایا؟ جواب دیا ہاں آپ نے قیام فرمایا؟ پھر ترک کردیا تھا اور بیٹھے رہتے تھے۔

ان روایات سے سابقہ روایات کی روشنی میں یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کی آمد پر قیام ابتدائی دور میں تھا جسے بعد میں منسوخ کردیا گیا اور اجلّہ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا لہٰذا جنازہ کے گزرتے وقت کھڑا ہونا منسوخ ہو چکا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۰۸ - بَابُ اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْمَیِّتِ وَالدُّعَاءُ

جنازہ کی نماز اور دعا کا بیان

۳۰۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ الْمَقْبُرِیُّ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ سَاَلَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَیْفَ یُصَلِّیْ عَلَی الْجَنَازَۃِ فَقَالَ اَنَا لَعَمْرُ اللّٰہِ اُخْبِرُکَ اَتَّبِعُھَا مِنْ اَھْلِھَا فَاِذَا وُضِعَتْ کَبَّرْتُ فَحَمِدْتُ اللّٰہَ وَصَلَّیْتُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ثُمَّ قُلْتُ اَللّٰھُمَّ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ کَانَ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُکَ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْفِیْ حَسَنَاتِہٖ وَاِنْ کَانَ مُسِیْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْہُ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ.

ہمیں امام مالک نے سعید مقبری سے انہیں ان کے باپ نے خبر دی کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہو؟ فرمانے لگے خدا کی قسم! میں تمہیں اس بارے میں بتاتا ہوں وہ یہ کہ میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ ہو لیتا پھر جب نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے اسے رکھا جاتا تو میں تکبیر کہتا پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا پھر اس کے پیغمبر پر درود بھیجتا پھر میں دعا کرتا کہ اے اللہ! تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا لخت جگر ہے۔ یہ ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں'' کی گواہی اور حضور ﷺ کے تیرے خاص عبد اور رسول ہونے کی گواہی دیتا تھا تو بہتر جانتا ہے۔ اگر یہ نیکوکار ہے تو اس کی نیکیوں میں زیادتی فرما اور اگر گناہ گار ہے تو اس سے درگزر فرما۔ اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں کسی فتنے میں مبتلا نہ فرما۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ لَاقِرَاءَ ۃَ عَلَی الْجَنَازَۃِ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ.

امام محمد کہتے ہیں۔ ہمارا یہی مسلک ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

میت کے بارے میں چند اہم مسائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا منقول عمل یہ ثابت کررہا ہے کہ نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے بعد دعا یعنی ثنائے باری تعالیٰ دوسری تکبیر کے بعد حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام، تیسری کے بعد میت کے لیے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر

نماز جنازہ مکمل ہوگی۔ یہ عمل متفق علیہ ہے بعض غیر مقلد تکبیر اولیٰ کے بعد عام فرضی نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کو ضروری کہتے ہیں۔ اسی بات کے ثبوت میں موطا کے غیر مقلد شارح مولوی عطاء اللہ نے بھی چند احادیث پیش کی ہیں۔ احناف کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ دیگر فرضی نمازوں سے بہت سی باتوں میں ممتاز ہے مثلاً عام نمازوں میں رکوع وجود اور قعدہ موجود ہے۔ اس میں یہ امر معدوم ہے اسی طرح ہمارے نزدیک عام نمازوں میں اور اس میں فاتحہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کا فرق ہے یعنی نماز جنازہ میں دیگر نمازوں کی طرح تکبیر اولیٰ کے بعد فاتحہ کا پڑھنا لازم نہیں۔ ہاں اگر بطور دعا پڑھ لی جائے تو اس کی اجازت ہے۔ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بارے میں حضرات صحابہ کرام کا عمل علامہ بدرالدین عینی نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کی مخالفت پر چند احادیث

ابن بطال نے کہا کہ نماز جنازہ میں قرأۃ کرنے والوں میں اور انکار کرنے والوں میں یہ حضرات شامل ہیں۔ حضرت عمر ابن الخطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے یہ حضرات بھی ہیں۔ عطاء طاؤس، سعید بن میسب، ابن سیرین، سعید بن جبیر، شعبی اور حکم۔ یہی قول ابن منذر کا ہے اور مجاہد نے بھی یہی کہا ہے۔ جناب حماد اور ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ شہروں میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا عمل نہ تھا۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه لم یوقت فیها النبی ﷺ قولا ولا قراءة ولان مالا رکوع فیه لا قراءة فیه کسجود التلاوة واستدلال الطحاوی علی ترک القراءة فی الاولی بترکها فی باقی التکبیرات وبالترک التشهدوقال لعل قرات من قراء الفاتحة من الصحابة کان علی وجه الدعاء لا علی وجه التلاوة.

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۴۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سرکار دو عالم ﷺ نے نہ کسی قول اور نہ ہی قرآن کریم کے پڑھنے کو نماز جنازہ میں مقرر فرمایا۔ یہ اس لیے بھی کہ جس عبادت میں رکوع نہ ہو اس میں قرأت نہیں ہوتی جیسا کہ سجدۂ تلاوت اور امام طحاوی نے یوں استدلال فرمایا کہ نماز جنازہ کی بقیہ تکبیرات میں چونکہ قرأت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد بھی قرأت نہیں ہونی چاہیے اور تشہد کے ترک سے بھی استدلال فرمایا مزید فرمایا کہ جن صحابہ کرام سے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا منقول ہے۔ انہوں نے شاید بطور دعا پڑھی ہو۔ تلاوت کے طور پر نہ پڑھی ہو۔

امام مالک و دیگر ائمہ نے ترک قرأت کے بارے میں احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

مالک عن نافع ان عبد الله بن عمر کان لایقرا فی الصلوة علی الجنازة. (موطا امام مالک ص ۲۱۰)

امام مالک جناب نافع سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں کرتے تھے۔

عن ابی المنهال قال سئلت ابا العالیة عن القراءة فی الصلوة علی الجنازة بفاتحة الکتاب ماکنت احسب ان فاتحة الکتاب لاتقرا الافی صلوة فیها رکوع وسجود. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹ کتاب الجنائز مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

ابو منہال کہتے ہیں کہ میں نے جناب ابو العالیہ سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان نمازوں کے سوا جن میں رکوع وجود ہے۔ ان میں فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

عن ابراهیم عن ابی الحسین عن الشعبی قالا لیس فی الجنازة قراءة حدثنا وکیع عن زمعة عن

ابراہیم، ابو الحسین سے وہ شعبی سے بیان کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں ہے۔ ہمیں وکیع نے زمعہ سے انہوں نے ابو

ابی طاؤس عن ابیه وعطاء انهما كانا ينكران القراة علی الجنازة.

طاؤس سے وہ اپنے والد اور عطاء سے بیان کرتے ہیں کہ دونوں حضرات جنازہ پر قرأت کرنے کا انکار کرتے تھے۔

اعتراض ۱

کتب احادیث میں ایسی روایات بکثرت ہیں جن میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور صحابہ کرام کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کہ وہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے تھے لہٰذا احناف کا مسلک درست نہیں؟ چند روایات اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی روایات اور ان کا جائزہ

عن جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ كبر علی المیت اربعا وقرا بام القران بعد التكبيرة الاولی.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے میت پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی۔

(عمدۃ القاری ج ۸ باب قراءۃ الفاتحہ علی الجنازۃ)

جواب: علامہ بدرالدین عینی نے مذکورہ حدیث لکھنے کے بعد فرمایا: ”**قال شيخ واسناده ضعيف** ہمارے استاد صاحب نے فرمایا اس روایت کی سند ضعیف ہے“۔

اعتراض ۲

عن اسماء بنت يزيد قالت قال رسول الله ﷺ اذا صليتم علی الجنازة فاقرؤا بفاتحة الكتاب رواه الطبرانی فی الكبير.

اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو تو سورۂ فاتحہ بھی پڑھو۔ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ)

جواب: روایت مذکورہ کے بعد صاحب مجمع الزوائد علامہ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی یوں رقمطراز ہیں۔ ”**وفيه معلی بن همران ولم اجد من ذكره** اس روایت کا ایک راوی معلٰی بن ہمران بھی ہے مجھے معلوم نہیں کہ اسے یہ روایت کس نے سنائی“ لہٰذا یہ روایت مجہول ہوئی جس سے روایت صحیحہ کے مقابل استدلال درست نہیں۔

اعتراض ۳

عن ابن عباس قال اوتی بجنازة جابر بن عتيک اوقال سهل بن عتيک وكان اول من صلی عليه فی موضع الجنازة فتقدم رسول الله ﷺ فكبر فقرا بام القران فجهربها ثم كبر الثانية فدعا للميت فقال اللهم اغفرله وارحمه وارفع درجته ثم كبر الرابعة فدعا للمؤمنين وللمؤمنات ثم سلم رواه الطبرانی الاوسط. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جابر بن عتیک یا سہل بن عتیک کا جنازہ لایا گیا۔ یہ پہلا جنازہ تھا جو جنازگاہ میں ادا کیا گیا حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، تکبیر اولٰی کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی۔ دوسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا مانگی۔ اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اور اس کے درجات بلند فرمادے پھر چوتھی تکبیر کہی اور تمام مسلمان مرد و زن کے لیے دعا مانگی پھر سلام پھیر دیا۔ اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

اعتراض ٤

عن ابن عباس ان النبی ﷺ قرا علی الجنازة بفاتحة الکتاب وفی الباب عن ام شریک.
(ترمذی شریف ج۱ص۱۹۹باب ماجاء فی قرأة علی الجنازة بفاتحة الکتاب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی اورام شریک سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

جواب: امام ترمذی روایت کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قال ابو عیسی حدیث ابن عباس حدیث لیس اسناده بذالک القوی ابراهیم بن عثمان هو ابو شیبه الواسطی منکر الحدیث.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ حدیث قوی الاسناد نہیں ہے۔اس میں ابراہیم بن عثمان جوابوشیبہ واسطی کے نام سے مشہور ہیں وہ منکر الحدیث ہیں۔

روایت مذکور کی شرح میں شیخ محقق لکھتے ہیں۔

ظاهر آن است که مراد قراءة فاتحه درنماز جنازه باشد چنانچه ازحدیث ابن عباس درفصل اول گذشت و احتمال دارد که برجنازه، بعد از نماز جنازه یا پیش اذآن بقصد تبرک خوانده باشد چنانکه الان متعارف است والله اعلم. رواه ترمذی وابوداود وابن ماجه والترمذی گفته است که اسناد این حدیث قوی نیست وابراهیم بن عثمان راوی این حدیث منکر الحدیث است.

ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز جنازہ میں (پہلی تکبیر کے بعد) پڑھی گئی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی فصل اول فصل دوم میں ایک حدیث گزر چکی ہے اور یہ بھی احتمال موجود ہے کہ آپ نے سورۂ فاتحہ نماز جنازہ کے بعد یا اس سے قبل پڑھی ہو جس سے مقصد حصول برکت ہو جیسا کہ آج کل متعارف ہے۔ واللہ اعلم۔اسے ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے ذکر کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہیں اور ابراہیم بن عثمان اس کا ایک راوی منکر الحدیث ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج۱ص۷۳۱ کتاب الجنائز باب المشی بالجنازة)

معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ میں سورۂ فاتحہ بطور دعا پڑھنا اس کا مقام نماز جنازہ کے بعد ہے جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔

دعا بعد نماز جنازہ کی بحث

نوٹ: میرے برخوردار قاری محمد طیب نے دعا بعد نماز جنازہ کے عنوان سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے جو چھپ چکی ہے اس لیے یہاں شرح کی تکمیل کے لیے اس پر مختصر مدلل بحث پیش کر رہا ہوں لہٰذا مفصل دلائل اور ہر قسم کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیکھنے ہیں تو برخوردار کی کتاب کا مطالعہ کریں۔

غیر مقلد وغیرہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کے قائل نہیں۔جب اس بارے میں انہیں ابوداؤد اور ابن ماجہ ج۱ص۱۰۹ کی یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خالص دعا کرو'' تو اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس دعا سے مراد وہی دعا ہے جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔اس پر ان سے ہم یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جب نماز جنازہ میں خالص یعنی صرف اور صرف دعا ہی ہے تو پھر سورۂ فاتحہ کی قرأۃ درود شریف نکل گئے کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ بصورت دعا نہیں بلکہ بقصد قرأۃ ہے اور درود شریف ویسے ہی موجود میت کے لیے دعا نہیں لہٰذا روایت مذکورہ کی روشنی میں پہلی تکبیر، دوسری، تیسری یعنی پوری کی پوری نماز جنازہ میں صرف اور صرف دعا ہی ہونی چاہیے حالانکہ

وہ اس کے قائل نہیں تو معلوم ہوا کہ حدیث مذکوران کے نظریہ کے خلاف ہے رہا یہ کہ میت کے لیے جب اصل ضرورت مغفرت کی ہے تو عقلاً نماز جنازہ میں دعائے مغفرت ہی ہونی چاہیے تھی اس میں ثنا اور درود شریف مقصد سے دور ہیں تو اس بارے میں گزارش ہے کہ اصل مقصد واقعی دعا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے سے پہلے اس کی حمد و ثنا کر لینا خود اس کی تعلیم ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ سے ظاہر ہے اس لیے ثناء پڑھ کر نمازیوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی پھر درود شریف جو قبولیت دعا کا ذریعہ ہے اسے پڑھا۔ آخر میں دعائے مغفرت کی اس سے دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے۔ مختصر یہ کہ نماز جنازہ دوسری نمازوں سے الگ طریقہ کی ایک نماز ہے اس کو دوسری رکوع و سجود والی نمازوں پر قیاس کرنا درست نہیں بلکہ سجدۂ تلاوت سے اس کی مشابہت ہے جس کی وجہ سے دونوں میں قرأت فاتحہ نہیں ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کے جواز پر چند دلائل

دلیل اول: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

حدثنا جرير بن عبد الحميد عن مغيرة عن ابراهيم قال لايصلى على الميت مرتين. حدثنا هشيم قال اخبرنا ابوحره عن الحسن انه كان اذا سبق بالجنازة يستغفرلها ويجلس اوينصرف حدثنا حفص بن غياث عن اشعث قال كان الحسن لايرى ان يصلى على القبر.

ابراہیم سے روایت ہے فرمایا کہ میت کی دو مرتبہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ کسی کی نماز جنازہ سے رہ جاتے تو اس کے لیے استغفار کرتے تھے اور بیٹھ جاتے یا واپس آ جاتے۔ غیاث بن اشعث کہتے ہیں کہ امام حسن میت کی قبر پر نماز پڑھنے کے قائل نہ تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۲ من کان لایری الصلوٰۃ علیہا اذا دفنت مطبوعہ دائرۃ القران کراچی)

امام حسن رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ اگر ان کی نماز جنازہ چھوٹ جاتی تو آپ میت کے لیے دفنانے سے پہلے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے نیز آپ دوبار نماز جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں۔ نماز جنازہ کے بعد دعا اور نماز جنازہ میں عدم تکرار یہی اہل سنت کا مسلک ہے جس کی وہابی اور دیوبندی مخالفت کرتے ہیں۔

دلیل دوم: حضرت علی المرتضیٰ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

عن عمير بن سعيد قال صليت مع علي على يزيد بن المكفف فكبر عليها اربعاثم مشى حتى اتاه قال اللهم عبدك وابن عبدك نزل بك اليوم فاغفرله ذنبه وسع عليه مدخله ثم مشى حتى اتاه وقال اللهم عبدك وابن عبدك الخ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۱ مطبوعہ دائرۃ القران کراچی پاکستان)

عمیر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ یزید بن مکفف کی نماز جنازہ پڑھی آپ نے اس وقت چار تکبیروں سے نماز پڑھی پھر آگے بڑھے حتیٰ کہ میت کے قریب آ گئے اور دعا مانگی۔ اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہے۔ آج تیرے پاس آ گیا ہے اس کے گناہوں کو معاف فرما دے اور اسے وسعتوں سے نواز پھر آگے بڑھے یہاں تک کہ میت کے پاس آ گئے اور پھر وہی دعا مانگی۔

نوٹ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ ادا کر لینے کے بعد جو دو دفعہ دعائے مغفرت کی۔ ایک نماز جنازہ کے فوراً بعد میت کے پاس جا کر اور دوسری دفعہ اس کی قبر پر جا کر دعا مانگی لہٰذا ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعائے مغفرت متصل یا غیر متصل دونوں جائز ہیں۔

دلیل سوم: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

عن نافع قال کان ابن عمر اذا انتھی الی الجنازة قد صلی علیہ دعا وانصرف ولم یعد الصلوة. (جوہر النقی مع بیہقی ج ۴ ص ۴۸ فی ذیل سنن البیہقی مطبوعہ حیدر آباد دکن)

جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کسی کی نماز جنازہ چھوٹ جاتی تو آپ اس کے لیے دعا کر کے واپس تشریف لے آتے اور نماز دوبارہ نہ پڑھتے۔

دلیل چہارم: ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

ولنا ماروی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما وابن عمر رضی اللہ عنھما فاتتھما الصلوة علی جنازة فلما حضرا مازاد علی الاستغفار لہ.

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم دونوں کی نماز جنازہ چھوٹ گئی تو انہوں نے آ کر صرف استغفار کی۔

(المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۶۷ مطبوعہ مصر بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ مطبوعہ بیروت)

اشکال: مذکورہ روایات سے میت کے لیے دعائے مغفرت کی دعا کرنے کی صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ جو لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے انہوں نے میت کے لیے دعائے مغفرت کی لیکن اس کے لیے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت نہیں ہے۔

جواب اول: نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے سے منع کرنے والے اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد فوراً میت کو قبر میں اتار دینا چاہیے لہٰذا دعا مانگنے کی صورت میں اس میں تاخیر ہو جائے گی اور وہ ممنوع ہے کیونکہ حضور ﷺ کے ارشاد کی مخالفت ہوگی جس میں آپ نے میت کو جلد دفن کرنے کا حکم دیا ہے۔ گویا نماز جنازہ کے بعد تاخیر کسی صورت میں درست نہیں۔ اگر معترضین کی علت تسلیم کر لی جائے تو پھر ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ جن جلیل القدر صحابہ کرام نے نماز جنازہ کے بعد میت کے دفنانے سے قبل دعا مانگی اس سے تاخیر ہوئی تھی یا نہیں اگر تاخیر ہوئی تھی تو پھر تاخیر مطلقاً ممنوع نہ رہی اور اگر تاخیر نہیں ہوئی تھی تو اس کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ دعا کے لیے بہر حال کچھ وقت صرف کرنا پڑتا ہے تو معلوم ہوا کہ تاخیر مطلقاً علت نہیں ہے اس لیے اگر نماز جنازہ پڑھنے والے نماز سے فراغت کے بعد مختصر سی دعا کر لیں تو یہ درست ہے۔

حضور ﷺ نے میت کو جلد دفن کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل میں در حقیقت ایسی تاخیر جائز ہے جو مناسب اور بے عذر ہو یعنی اگر کوئی معقول وجہ یا عذر ہے تو پھر تاخیر ممنوع نہیں۔ نماز جنازہ ادا ہو چکی ہے لیکن ابھی قبر تیار نہیں ہوئی۔ اب قبر کی تیاری تک بہر حال میت کو ٹھہرانا پڑے گا۔ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے میں صرف چند منٹ کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ گھنٹوں تک طویل نہیں ہو سکتی لہٰذا اس میں کیا حرج ہے؟ افسوس اس بات پر بھی آتا ہے کہ یہ منکرین تعصب میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ آگے پیچھے یہی تبلیغ کی جاتی ہے کہ بس اللہ تعالیٰ سے مانگو اور یہاں اسی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ جہاں منع کرنے سے پیٹ کا کام بنا وہاں منع کر دیا اور یہاں تسلیم کرنے سے بات بنی وہاں تسلیم کر لیا۔ یہ کوئی صداقت و حقیقت کی علامت نہیں ہے۔

جواب دوم: یوں بھی معترضین کہتے ہیں کہ نماز جنازہ ادا ہو جانے کے بعد صرف انہی لوگوں کو دعا کی اجازت ہے جو نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے ہوں۔ اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ان رہ گئے آدمیوں کے ساتھ اگر مل کر وہ مسلمان بھی دعا کر لیں جو نماز جنازہ ادا کر چکے ہیں تو اس میں ممانعت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے بلکہ ایک اچھے کام میں شمولیت باعث اجر و ثواب ہوا کرتی ہے اس میں کیا قباحت ہے بلکہ غیر نمازیوں کے ساتھ مل کر دعا کرنے کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

وعبد اللہ بن سلام فاتتہ الصلوة علی جنازة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے حضرت عبد اللہ

عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی فی الصلوۃ علیہ لاتسبقونی بالدعاء لہ. (المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۶۷ باب غسل المیت طبع مصر بدائع الصنائع ج ا ص ۳۱۱ طبع بیروت)

بن سلام پیچھے رہ گئے۔ جب میت پر (نماز ہو جانے کے بعد) حاضر ہوئے تو موجود حضرات سے فرمایا کہ اگر چہ تم نماز پڑھنے میں مجھ سے سبقت کر گئے لیکن دعا مانگنے میں تو مجھ سے سبقت نہ کرو۔

قارئین کرام! حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا ہو چکی تھی بعد میں جناب عبداللہ بن سلام وہاں پہنچے اور آپ نے موجود حضرات کو جو کہا یعنی تم دعا میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام کا معمول تھا کہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور اسی لیے جناب عبداللہ بن سلام نے کہا کہ دعا اکٹھی مانگ لیتے ہیں ذرا مجھے بھی پہنچ لینے دو۔ اگر نماز جنازہ ادا کر لینے کے بعد دعا مانگنا ناجائز ہوتا تو صحابہ کرام میں یہ عمل مفقود ہوتا اور عبداللہ بن سلام اس میں شرکت کی درخواست نہ کرتے۔ مذکورہ حدیث پاک کا حوالہ جس کتاب سے پیش کیا گیا وہ معتمد علیہ اور مسائل فقیہ میں مستند ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

قال العلامہ الطرسرسی مبسوط السرخسی لایعمل بمایخالفہ ولا یرکن الاالیہ ولا یفتی ولا یوول الا الیہ.

(ردالمحتار شامی ج ا ص ۶۹۔ ۷۰)

علامہ طرسوی کہتے ہیں کہ علامہ سرخسی کی تصنیف المبسوط ایسی کتاب ہے کہ جو روایت یا مسئلہ اس کے خلاف کسی دوسری کتاب میں ملے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ صرف یہی کتاب مسائل کے لیے ستون کی طرح مضبوط ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا اور اختلاف کے وقت اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

دلیل پنجم: حضور ﷺ نے ابن عمر ابن الخطاب اور ان کے ساتھیوں کو نماز جنازہ ادا کر لینے کے بعد دعا کا حکم دیا۔

ولنامارویٰ ان النبی ﷺ صلی علی جنازۃ فلما فرغ جاء عمر ومعہ قوم فاراد ان یصلی ثانیا فقال لہ النبی ﷺ الصلوۃ علی الجنازۃ لا تعادولکن ادع للمیت واستغفر لہ .

(بدائع الصنائع ج ا ص ۳۱۱ صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ مصر)

ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک میت کی نماز جنازہ ادا فرمائی جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر بہت سے آدمیوں کے ہمراہ حاضر ہوئے اور چاہا کہ دوسری مرتبہ نماز جنازہ پڑھیں۔ اس پر انہیں حضور ﷺ نے فرمایا: نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی لیکن میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا روایت واضح اور صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر اور ان کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے کی اجازت تو نہ عطاء فرمائی لیکن دعائے مغفرت کرنے کا ارشاد فرمایا جس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ احناف کے نزدیک نماز جنازہ کا تکرار نہیں دوسرا یہ کہ نماز جنازہ کے بعد دعائے مغفرت کرنا حضور ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے اس کے بعد یہ کہنے کی گنجائش بھی نہ رہی کہ دعا بعد نماز جنازہ چند صحابہ کرام کا عمل ہے۔ اس پر کوئی حدیث موجود نہیں۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام روایات و آثار کی اسناد کا کہیں ذکر نہیں لہٰذا بے سند ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں۔ اس اعتراض کے رفع کے لیے ہم ایک مرفوع حدیث اسناد کے ساتھ پیش کیے دیتے ہیں' ملاحظہ ہو۔

قال اخبرنامحمد بن عبید المطنافسی قال اخبرنا سالم المرادی قال اخبرنا بعض اصحابنا قال جاء عبد اللہ بن سلام وقد صلی علی عمر فقال واللہ لئن کنتم سبقتمونی بالصلوۃ علیہ لا تسبقونی بالثناء علیہ. (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۶۹ مطبوعہ بیروت جدید)

حضرت عبداللہ بن سلام جب آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی جا چکی تھی تو انہوں نے موجود حضرات سے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ سے سبقت لے گئے ہو تو دعا میں مجھے پیچھے نہ چھوڑنا۔

نوٹ: روایت مذکورہ کے راویوں کی پوری چھان بین کی گئی اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم ان کے حالات ترک کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ روایت ''حدیث صحیح'' ہے۔ اس کے بعد منکرین ومخالفین کے لیے کوئی گنجائش انکار اختلاف نہیں رہتی۔

اگر کوئی منکر یا مخالف یہ کہہ دے کہ اس روایت میں ''دعا'' کا لفظ موجود نہیں بلکہ ''ثناء'' کا لفظ ہے لہٰذا میت کی نماز جنازہ کے بعد ''ثناء'' کا ثبوت تو ہوگا دعا ثابت نہ ہوگی۔ اس وہم کا جواب یوں ہوگا کہ یہ بات تو منکرین نے تسلیم کر لی کہ نماز جنازہ کے بعد ''ثناء'' کی گنجائش ہے لہٰذا ان کے انکار کی علت ''تاخیر دفن'' تو یہاں بھی پائی گئی۔ اب ان کی بیان کردہ علت خود ان کو نقصان دے رہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر کی نماز جنازہ میں عبداللہ بن سلام کی شمولیت چھوٹ جانا اور پھر آپ کا موجود حضرات کو کچھ کہنا وہ اس روایت میں ''لا تسبقونی بالثناء علیہ'' الفاظ کے ساتھ ہے لیکن بعینہٖ یہی واقعہ اور انہی کا حاضرین کو فرمانا دوسری روایت میں (جو ہم المبسوط سے ذکر کر چکے ہیں) ''لا تسبقونی بالدعاء علیہ'' کے ساتھ مروی ہے جس سے واضح ہوا کہ ثناء سے مراد بھی دعا ہی ہے اور اگر ثناء سے مراد یہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرنا تو اس معنی میں یہاں اس کا ذکر درست معلوم نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوسکتا ہے کہ کاتب کی غلطی سے دعا کی بجائے ثناء لکھا گیا ہو اور اگر ثناء سے مراد واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفت کرنا ہے تو اس قسم کے شواہد بھی کتب حدیث میں موجود ہیں مثلاً یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے فرزند جناب عبداللہ کو فرماتے ہیں میرے مرنے کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہونا اور عرض کرنا کہ عمر کہتا ہے یہ نہ کہنا کہ خلیفۃ المسلمین کہتا ہے کہ اگر مجھے حضور ﷺ کے ساتھ حجرہ میں دفن کرنے کی اجازت عطاء ہو تو کرم نوازی ہوگی۔ اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب قریب الوصال تھیں تو حضرت حسان بن ثابت حاضر ہوئے تو مائی صاحبہ نے انہیں اندر آنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ اگر یہ آ گیا تو میری تعریف اور ثناء کرے گا جس کو میں پسند نہیں کرتی جب عبداللہ بن عباس آئے تو انہیں بھی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ یہ میرے متعلق کوئی حدیث سنا دے گا۔ بہر حال اس ثناء سے میت کو دعا زیادہ پسند ہوتی ہے۔

ہاں اگر کہا جائے کہ صحیح بخاری ومسلم میں ایک حدیث موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جنازہ گزرا لوگوں نے اس کی تعریف کی آپ نے فرمایا: وجبت وجبت دوسرا گزرا۔ لوگوں نے اس کی مذمت کی۔ آپ نے فرمایا: وجبت وجبت۔ انس بن مالک کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا: پہلے کے لیے جنت اور دوسرے کے لیے دوزخ واجب ہوگئی۔ اگر ثناء کو اس معنی پر محمول کیا جائے تو بھی نماز جنازہ کے بعد دعا کے یہ خلاف نہیں کیونکہ دونوں کا مقصد میت کی بھلائی اور اخروی سرخروئی ہے۔ بہر صورت اگر میت کے لیے جنازہ ہو جانے کے بعد ثناء کا جواز تسلیم کر لیا جائے تو دعا کے جواز پر کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

دلیل ششم: حضور ﷺ بنفس نفیس میت کی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

عن ابراهيم الهجری عن عبد الله بن ابی اوفی قال توفيت بنت له فتبعها علی بغلة يمشی خلف الجنازة والنساء يرثينها فقال يرثين اولا يرثين فان رسول الله ﷺ نهی عن المراثی ولتفض احداكن من عبراتها ماشاءت ثم صلی عليها فكبر عليها اربعا ثم قام بعد الرابعة قدر ما بين التكبيرتين يستغفر لها ويدعو وقال كان رسول الله ﷺ يصنع هكذا هذا حديث صحيح ولم يخرجاه ۵

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ابراہیم ہجری بیان کرتے ہیں کہ ان کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک خچر پر سوار ہو کر جنازہ کے پیچھے پیچھے ہولیے اور عورتیں بین کر رہی تھیں۔ فرمایا: یہ بین کریں یا نہ کریں بے شک رسول اللہ ﷺ نے بین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں ان کو جس قدر ہوسکتا ہے آنسو بہالیں پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ ادا فرمائی۔ چوتھی تکبیر کے بعد دو تکبیروں کے درمیانی وقفہ تک کھڑے رہے۔ اس میت کے لیے دعائے مغفرت

وابراهيم عن مسلم الهجرى لم ينقم عليه بحجة.
(المستدرک ج ۱ ص ۳۶۰ کتاب الجنائز مطبوعہ بیروت جدید)

فرماتے رہے اور فرمایا: حضور ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے نقل نہیں کیا اور ابراہیم بن مسلم ہجری پر کسی نے دلیل کے ساتھ کوئی جرح نہیں کی۔

دلیل ہفتم: فتوی دار العلوم دیو بند۔

سوال: عیدین کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ یا آپ کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے دعا مانگی ہے کہ نہیں اگر مانگی ہے تو تحریر کی جائے اور اگر نہیں مانگی تو مسلمانوں کو مانگنی جائز ہے کہ نہیں اگر جائز ہے تو کیا عید کی نماز کے بعد یا عید کے خطبہ کے بعد؟ اور اگر نا جائز ہے تو کیا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی ہے یا حرام؟ بینو او توجروا

جواب: احادیث قولیہ میں تو نبی کریم ﷺ سے باسانید صحیحہ ہر نماز کے بعد جس میں نماز عید بھی شامل ہے دعا مانگنے کی فضیلت وثواب منقول ہے۔ اگر چہ احادیث فعلیہ کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں اس لیے احادیث قولیہ پر عمل کرنا اور ہر نماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز اور مستحب ہوگا۔ (فتوی دار العلوم دیو بند ص ۳۳۵ ج ۱)

دلیل ہشتم: بعد نماز عیدین (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی کریم ﷺ اوران کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول نہیں مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا۔

(مدنی اصلی بہشتی زیور حصہ گیارہواں ص ۴۸ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی)

خلاصہ کلام: دلیل ہفتم وہشتم دونوں ان لوگوں کی کتب معتبرہ سے پیش کی گئی ہیں جو نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو نا جائز کہتے پھرتے ہیں۔ ان دونوں دلائل میں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ احادیث قولیہ مطلقاً ہر نماز کے بعد دعا مانگنے کو نا جائز کہتے ہیں۔ چاہے وہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو ثابت کرتی ہیں۔ چاہے وہ نماز عید ہی کیوں نہ ہو اس لیے جب تک ممانعت کی کوئی حدیث نہ آئے تو اس کا جواز واستحباب ثابت رہے گا گویا منع کے لیے مستقل دلیل ہونی چاہیے۔ ہم اس کی روشنی میں پوچھ سکتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے اور حدیث قولی کے تحت اس کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ثابت ہوتا ہے ادھر نہ مانگنے پر کوئی روایت نہیں تو اس طریقہ استدلال سے بھی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ہوا حالانکہ نہ مانگنے کے خلاف مانگنے پر ہم بہت سے آثار واحادیث گزشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں تو جب اثبات پر شواہد بھی ہیں پھر بھی اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی اور تعصب ہی کہلائے گا لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور تا حال اس پر مسلمان عمل پیرا ہیں۔ اس کی مخالفت کرنے والوں کو باز آجانا چاہیے۔ آخر اللہ سے مانگنے سے کیوں روک رہے ہیں اور دنیا سے جاچکے مسلمان کی خیر خواہی سے کیوں روکتے ہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۰۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ سَلَّمَ حَتّٰى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيْهِ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کی نماز جنازہ پڑھاتے تو سلام اتنی آواز سے کہتے تھے کہ قریب والے نمازی سن لیتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَيَسَارِهٖ وَيُسْمِعُ مَنْ يَلِيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ دائیں بائیں سلام پھیرا جائے اور اتنی آواز سے کہتے تھے کہ قریب سن سکیں اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

نماز جنازہ کے بارے میں حضرات صحابہ کرام سے ایک طرف یعنی دائیں طرف سلام پھیرنے کا ذکر ملتا ہے بلکہ مطلقاً فرضی

نمازوں میں بھی ایسی روایات ملتی ہیں لیکن ان احادیث وروایات سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ داہنی طرف سلام پھیرنا ذرا بلند آواز سے ہوتا تھا۔ جسے قریب والے نماز بخوبی سن لیتے تھے اور بائیں طرف سلام ہوتا تھا لیکن آہستہ ہونے کی وجہ سے اس کی سماعت نہ ہوتی تھی۔ امام محمد رضی اللہ عنہ نے ان روایات کے بعد کہ جن میں ایک طرف سلام پھیرنے کا ذکر تھا۔ یہ کہہ کر کہ سلام دونوں طرف پھیرا جائے۔ بعض لوگوں کے اس خدشہ کو دور کر دیا کہ سلام صرف ایک ہی طرف ہونا چاہیے لہٰذا اصل یہی ہے کہ ہر نماز میں سلام دونوں جانب پھرا جائے۔ اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل روایات ہیں۔

عن مرثد قال صليت خلف جابر ابن زيد فسلم تسليمة اولهما عن يمينه واخرهما عن شماله.

مرثد بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن زید کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ انہوں نے دو سلام پھیرے ایک داہنی اور دوسرا بائیں جانب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۷ باب فی التسلیم علی الجنازۃ کم ھو)

عن حريث قال رأيت عامر اصلى على جنازة فسلم عن يمينه وعن شماله. عن ابى الهيثم عن ابراهيم انه كان يسلم على الجنازة عن يمينه وعن يساره. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۸)

حریث بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب عامر کو نماز جنازہ پڑھتے دیکھا تو آپ نے ایک سلام داہنی اور ایک بائیں جانب پھیرا۔ ابو ہیثم بھی جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ وہ نماز جنازہ میں داہنی اور بائیں جانب سلام پھیرا کرتے تھے۔

عن ابى موسى قال صلينا مع رسول الله ﷺ على جنازة فسلم عن يمينه وعن شماله' عن ابن مسعود رضى الله عنه قال خلال كان يفعلهن رسول الله ﷺ تركهن الناس احداهن تسليم الامام فى الجنازة مثل تسليمه فى الصلوة رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله ثقات.

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴ باب صلوۃ الجنازۃ)

جناب موسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کی اقتداء میں ایک میت کی نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے داہنی اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کی اقتداء میں ایک جواب لوگوں نے ترک کر دیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ نماز جنازہ میں امام کا فرضی نمازوں کی طرح سلام پھیرنا۔ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہے۔

قارئین کرام! ابن ابی شیبہ کی روایت میں اگرچہ ایک راوی خالد بن نافع اشعری کو ضعیف کہا گیا جس کی بنا پر روایت میں ضعف آ گیا لیکن بحوالہ مجمع الزوائد یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کر رہے ہیں اور اس روایت کا کوئی راوی ضعیف نہیں بلکہ سبھی ثقہ ہیں تو اس روایت نے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کا ضعف دور کر دیا۔ اگر یہ روایت اکیلی ہی ہوتی تب بھی قابل استشہاد تھی۔ اب جبکہ اور روایات بھی اسی مضمون کی موجود ہیں تو ان کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ نماز جنازہ میں بھی دونوں طرف سلام پھیرنا (عام نمازوں کی طرح) جائز و ثابت ہے۔ یہی مسلک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنا اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کا بیان فرما رہے ہیں۔ یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بلکہ حضور ﷺ کا بھی یہی معمول شریف تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۰۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُصَلِّيْ عَلَى الْجَنَازَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ اِذَا صُلِّيَتَا لِوَقْتِهِمَا.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عصر اور صبح کی نماز کے بعد نماز جنازہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہوئی ہوں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلٰى

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ ان دونوں اوقات میں

الْجَنَازَةِ فِيْ تَيْنِكَ السَّاعَتَيْنِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ أَوْتَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ لِلْمَغِيْبِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے جبکہ سورج طلوع نہ ہوا ہو یا ڈوبنے کے قریب ہونے کی وجہ سے اس میں رنگت کی تبدیلی نہ آئی ہو اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

دواوقات مکروہہ یعنی نماز صبح ادا کرنے اور نماز عصر ادا کرنے کے بعد نماز جنازہ پڑھ لینے کی اجازت کی تشریح کچھ اس طرح ہے کہ نماز صبح ادا کرنے کے بعد جب تک سورج طلوع نہ ہوا ہو' اس سے قبل نماز جنازہ کی اجازت ہے اور نماز عصر ادا کرنے کے بعد جب تک سورج میں تغیر نہ آئے' جائز ہے اور اگر تغیر آجائے تو پھر جائز نہیں ہے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر جنازہ ان اوقات میں ہی تیار ہوا تو فوراً ادائیگی کی صورت میں اوقات مکروہہ میں بھی جائز ہوگا اور اگر تیار پہلے ہو چکا تھا اب ان اوقات میں پڑھنا چاہتے ہوں تو اس صورت میں یہ اوقات مکروہہ نکلنے کے بعد ادا کیا جائے گا۔ یہی مسلک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اخذ فرمایا ہے یعنی سورج کی رنگت تبدیل نہ ہونے پر نماز جنازہ کو ادا کرنا دیگر احادیث بھی اس کی تائید وتوثیق میں موجود ہیں۔

عن ابی بکر یعنی ابن حفص قال کان عبد الله بن عمر اذا کانت الجنازة صلی العصر ثم قال عجلوابها قبل الشمس. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۸۸ ما قالوانی الجنازۃ یصلی علیہا عند طلوع الشمس وعند غروبہا)

ابوحفص بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ نماز عصر کے وقت اگر جنازہ حاضر ہو جاتا تو آپ نماز عصر ادا فرماتے اور حاضرین سے کہتے کہ جلدی جلدی نماز جنازہ پڑھو ایسا نہ ہو کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہو جائے۔

اخبرنی زیاد ان علیا اخبره ان جنازة وضعت فی مقبرة اهل بصرة حین اصفرت الشمس فلم یصل علیها حتی غربت الشمس فامر ابوبرزة المنادی فنادی بالصلوة ثم اقامها فتقدم ابو برزة فصلی بهم المغرب وفی الناس انس بن مالک وابو برزة من الانصار من اصحاب النبی ﷺ ثم صلوا علی الجنازة. (بیہقی شریف ج ۴ ص ۳۲ مطبوعہ دکن من کرہ صلوٰۃ القبر فی الساعۃ الثلاث)

مجھے زیاد نے علی سے خبر دی کہ سورج کے پیلا پڑنے کے وقت ایک جنازہ بصری لوگوں کے مقبرہ میں رکھا گیا اس کی اس وقت نماز جنازہ نہ پڑھی گئی۔ غروب شمس کے بعد جناب ابو برزہ نے منادی کروائی' لوگ آئے اور آپ نے نماز مغرب کی امامت فرمائی۔ ان حاضرین میں حضرت انس بن مالک اور ابو برزہ رضی اللہ عنہما انصاری صحابی تھے ان سب نے نماز جنازہ ادا کی۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا معمول تھا کہ سورج کے پیلا پڑنے کے بعد نماز مغرب سے پہلے نماز جنازہ ادا نہیں فرمایا کرتے تھے۔ یہی امام محمد کا مسلک اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے جو صحابہ کرام کے فعل کے بالکل مطابق ہے۔

اعتراض

عن عائشة قال رایت رسول الله ﷺ صلی علی جنازة ومانری الشمس الاعلی اطراف الحیطان رواه الطبرانی فی الاوسط. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۶ باب الصلوۃ علی الجنازۃ بعد العصر)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز جنازہ پڑھاتے دیکھا جبکہ اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ سورج دیواروں کے کنارے تک جھک گیا ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے نماز عصر کے بعد ایسے وقت میں نماز جنازہ پڑھائی جب سورج غروب کے قریب ہو

چکا تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے۔

جواب: صاحب مجمع الزوائد حافظ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا "وفیہ الحکم بن سعید وھو ضعیف اس میں ایک راوی حکم بن سعید ضعیف ہے"۔ جس سے روایت کا ضعیف ہونا پایا گیا تو جب اس کے مقابل ایسی روایات ہیں جن پر کوئی جرح نہیں کی گئی تو پھر انہیں چھوڑ کر ضعیف پر عمل کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اس لیے یہی ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کی سورج کے پیلا پڑنے پر ادائیگی صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ہے لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

١٠٩ - بَابُ الصَّلٰوةُ عَلَى الْجَنَازَةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے کا بیان

٣٠٧- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ مَا صُلِّيَ عَلٰى عُمَرَ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی گئی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يُصَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ وَكَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَمَوْضِعُ الْجَنَازَةِ بِالْمَدِيْنَةِ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ الْمَوْضِعُ الَّذِيْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ عَلَى الْجَنَازَةِ فِيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت پہنچی اور مدینہ منورہ میں جنازگاہ مسجد سے باہر تھی۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جس میں حضرت محمد ﷺ نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی گئی۔ اس روایت کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت موجود ہے جس میں مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت آئی ہے لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی مؤخر الذکر روایت کے پیش نظر مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی کا جواز نہیں مانتے۔ یہاں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اگر مسجد میں واقعی نماز جنازہ رکھا گیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی۔ ان روایات کی وجہ سے مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز مانا اور جناب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر اعتراض کیا۔ ہم ان روایات کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ملاحظہ ہو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشی لہ قال وکان اصحاب رسول اللہ ﷺ اذا تضایق بھم المکان رجعوا ولم یصلوا۔ عن کثیر بن عباس قال لاعرفن ماصلیت علی جنازۃ فی المسجد۔ عن صالح مولی التوام عمن ادرک ابابکر وعمر انھم کانوا اذا تضایق بھم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازۃ فی المسجد۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۴ من کرہ الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد مطبوعہ کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صاف صاف معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اسے کچھ بھی اجر نہ ملا فرمایا کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا یہ معمول تھا کہ اگر کسی کی نماز جنازہ میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ تنگ پڑ جاتی تو زائد لوگ نماز جنازہ پڑھے بغیر واپس تشریف لے آتے۔ کثیر بن عباس کہتے ہیں میں بخوبی جانتا ہوں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہیں ادا کی گئی۔ صالح مولی التوامہ بیان کرتے ہیں یہ وہ حضرت ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ اگر جنازگاہ نمازیوں سے بھر جاتی تو بقیہ لوگ نماز پڑھے بغیر واپس آجاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے۔

قارئین کرام ! روایت مذکورہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صاف صاف معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے والے حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق کوئی اجر وثواب نہیں پاتے ۔ روایت کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر نمازی اس قدر زیادہ ہوتے کہ جنازگاہ بھر جاتی تو مسجد نبوی کے قریب بلکہ جنازگاہ کے متصل ہوتے ہوئے بھی صحابہ کرام اس میں کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھنے کی بجائے واپس تشریف لے آتے ۔ یہی معمول ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔ اب ہم اعتراض کے دوسرے حصہ کی طرف آتے ہیں ۔ وہ یہ کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ مسجد میں کیوں ادا کی گئی اور حضور ﷺ نے ایک صحابی سہل بن بیضاء کی نماز مسجد میں کیوں ادا فرمائی ؟ اس کی وضاحت کیجئے ۔

حدثنا اسماعيل ابن ابان الغنوی حدثنا هشام عن عروة عن عائشة رضی الله عنها قالت ماترک ابوبکر دينارا ولا درهما ودفن ليلة الثلثاء وصلی عليه فی المسجد اسماعيل الغنوی متروک.

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۵۲ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد)

ہمیں اسماعیل ابن ابان الغنوی نے ہشام سے اور انہوں نے عروہ سے اور وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے پیچھے کوئی درہم و دینار نہ چھوڑا اور آپ کو منگل کی شب دفن کیا گیا' مسجد میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اسماعیل غنوی متروک ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث ذکر فرمانے کے بعد اس کے راوی اسماعیل غنوی کو متروک کہہ رہے ہیں' جس کی بنا پر یہ روایت سند کے اعتبار سے قابل حجت نہ رہی۔ اسی حدیث پر مزید گفتگو ''جوہر النقی'' میں یوں مذکور ہے۔

وطريق الثانی (عن هشام عن ابيه ان ابابکر صلی عليه فی المسجد) وفيه عبد الله بن وليد قال ابن معين لااعرفه لم اکتب عنه شيئا قال ابن حنبل لايحتج به وقال ابن عدی يسرق الحديث وفيه حدالثوری غرائب فی غير الجامع وفيه ايضاسفيان بن محمد اظنه الفزاری الذی يروی عن ابن وهب قال فيه ابن عدی يسرق الحديث وفی حديثه موضوعات وقال الرازی لا احدث عنه قال ابن حبان لا يجوز الاحتجاج به.

(جوہر النقی مع البیہقی ج ۴ ص ۵۲ فی ذیل البیہقی)

حدیث مذکور کی دوسری سند یہ ہے ۔ ہشام اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی گئی ۔ اس روایت کا ایک راوی عبد اللہ بن ولید ہے۔ ابن معین نے اس بارے میں کہا میں اسے نہیں جانتا' میں نے اسے کچھ بھی نہیں لکھا اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اس سے احتجاج نہیں فرمایا کرتے تھے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ راوی مذکور جناب ثوری سے اپنی جامع کے علاوہ دوسری کتاب میں غریب احادیث کی روایت کرتا ہے اور روایت مذکورہ میں ایک راوی سفیان بن محمد ہیں ۔ میں انہیں گمان کرتا ہوں کہ یہ وہی فزاری ہیں جو ابن وہب سے روایت کرتے ہیں ۔ اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث چرایا کرتا تھا اور اس کی احادیث میں موضوعات بھی ہیں اور رازی کہتے ہیں میں اس کی حدیث بیان نہیں کرتا اور ابن حبان نے کہا اس کی روایت کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہے۔

قارئین کرام ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنے والی روایت دو سندوں سے مروی ہے۔ ایک میں اسماعیل غنوی راوی مجروح ہے اور دوسری سند میں عبد اللہ بن ولید اور سفیان بن محمد دو راوی نا قابل حجت ہیں لہٰذا آپ کے متعلق روایت دونوں سندوں کے پیش نظر قابل حجت نہیں۔

سیدنا صدیق اکبر اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کیے جانے کی ایک توجیہہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان دونوں

حضرات کی میت اس جگہ رکھی ہوئی ہے جہاں یہ مدفون ہیں اور وہ جگہ مسجد نبوی سے باہر تھی۔ جب میت خارج مسجد ہوئی تو امام اور چند نمازی مسجد سے خارج اور بقیہ نمازی مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے ہوں۔ اس طرح اسے مسجد میں نماز پڑھنا بھی کہا گیا ہو۔ صورت مذکورہ میں فقہاء کا اختلاف ہے یعنی اگر میت مسجد سے خارج اور بقیہ نمازی مسجد نبوی میں ہوں تو ایسی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ بعض جائز کہتے ہیں کیونکہ اس طرح میت سے اتفاقیہ طور پر اگر کوئی نجاست نکل بھی آئے تو مسجد کے گندا ہونے کا احتمال نہیں ہوگا۔ اسی احتمال کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی کو ناجائز کہا گیا ہے لیکن بعض دوسرے فقہاء کرام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے اطلاق کے پیش نظر صورت مذکورہ میں بھی نماز کو درست نہیں قرار دیتے اور ایسی ادا کی گئی نماز کو بلا اجر وثواب کہتے ہیں۔ صاحب ردالمحتار نے اسے ہی پسند فرمایا ہے۔ بہرحال اگر شیخین کی میت حجرہ مقدسہ میں رکھی ہوئی تھی اور کچھ نمازی مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھ رہے ہوں تو دوسرے قول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے۔ اسی بات کو موطا امام مالک کے حاشیہ ''کشف الغطاء عن الوجہ الموطا'' میں یوں لکھا ہے۔

وکذالک المسجد کانت اذا کان فیه مقبرة فلا باس ان یصلی فی موضع المقابر منه علی میت الخ وفی البرهان صلوة الصحابة علی ابی بکر وعمر فی المسجد کانت العارض دفنهما عند رسول الله ﷺ.

یونہی مسجد میں اگر مقبرہ ہو تو مقبرہ کی جگہ نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ برہان میں ہے کہ صحابہ کرام کا صدیق اکبر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا جنازہ مسجد میں ادا کرنا اس عارضہ کی بناء پر تھا کہ ان دونوں کو حضور ﷺ کے ساتھ دفن کیا جانا تھا۔

(حاشیہ موطا امام مالک ص ۲۱۱ مطبوعہ آرام باغ کراچی)

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ بارش وغیرہ کے عذر کی بناء پر ان حضرات کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی گئی ہو تو معلوم ہوا کہ شیخین کی نماز جنازہ کی ادائیگی والی اول تو وہ روایت قابل حجت نہیں۔ دوم یہ عذر کی بناء پر کیا گیا لہٰذا اس سے عام حکم نکالنا درست نہ ہوگا۔

حضرت سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ کا مسجد میں ادا کرنے کا واقعہ

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان عائشة حین توفی سعد بن ابی وقاص قالت ادخلوا به المسجد حتی اصلی علیه فانکر الناس ذالک علیها فقالت لقد صلی رسول الله ﷺ علی سهل بن بیضاء فی المسجد.

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص کا انتقال ہوا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سعد کی میت مسجد میں لے آؤ تاکہ میں بھی ان کی نماز جنازہ پڑھوں۔ لوگوں نے اس کا انکار کر دیا۔ اس پر مائی صاحبہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں ہی ادا فرمائی تھی۔

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۴۹۲ باب الصلوۃ علی الجنازۃ مطبوعہ بیروت جدید)

علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل منسوخ ہو چکا ہے۔ علامہ موصوف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وانکر علیها ذالک الناس وهم اصحاب رسول الله ﷺ دفن تبعهم وکان ابوهریرة رضی الله عنه قد علم من رسول الله ﷺ نسخ الصلوة علیهم فی المسجد بقول فی المسجد بقول رسول الله ﷺ الذی سمعه منه فی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات پر موجود لوگوں نے انکار کیا حالانکہ وہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین کرام میں سے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ کا مسجد میں ادا کیا جانا منسوخ ہونا جانتے تھے کیونکہ آپ کو حضور ﷺ کا وہ قول یاد تھا جو آپ نے سن رکھا تھا اور یہ

ذالک وان ذالک الترک الذی کان من رسول الله ﷺ للصلاة علی الجنائز فی المسجد بعد ان کان یفعلها فیه ترک نسخ فذالک اولی من حدیث عائشة رضی الله عنها لان حدیث عائشة رضی الله عنها اخبار عن فعل رسول الله ﷺ فی حال الاباحة التی لم یتقدمها نهی وفی حدیثه ابی هریرة رضی الله عنه اخبار عن نهی رسول الله ﷺ الذی قد تقدمته الاباحة فصلا حدیث ابی هریرة اولی من حدیث عائشه لانه ناسخ له.

(طحاوی شریف ج۱ص۲۹۳مطبوعہ بیروت)

امر ترک کر دینا بھی حضور ﷺ کی طرف سے ہی تھا آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جبکہ اس سے پہلے نماز جنازہ مسجد میں ادا کی جاتی رہی لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس حدیث سے باعتبار عمل اولیٰ ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی کیونکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حضور ﷺ کے اس فعل کی خبر دیتی ہے جو آپ نے اباحت کے وقت سرانجام دیا تھا جس سے پہلے نہی موجود نہ تھی اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں اس اباحت کے منع ہونے کی خبر ہے جو پہلے سے چلی آ رہی تھی لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ کی حدیث سے اولیٰ ہوئی کیونکہ اس کی ناسخ ہے۔

قارئین کرام! حضور ﷺ کا ایک صحابی سہل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں ادا کرنا اس وقت کا واقعہ ہے جب اس کی اباحت تھی اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا اسی واقعہ کی خبر دے رہی ہیں لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد خود حضور ﷺ سے مسجد میں نماز جنازہ کی نہی ذکر فرما رہے ہیں جس کا صاف مطلب یہ کہ پہلی اباحت ختم ہوگئی ہے۔ اسی منسوخ ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام اور تابعین نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے کی پیش کش کو قبول نہ کیا تو معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے کی اباحت جو ابتداً تھی وہ منسوخ ہو چکی ہے اس لیے تنسیخ کے بعد اس کے جواز کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں بعض روایات کے مطابق حضور ﷺ ان دنوں معتکف تھے جس کی بناء پر آپ نے جناب سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی۔

فاعتبروا یااولی الابصار

۱۱۰ - بَابُ يَحْمِلُ الرَّجُلُ الْمَيِّتَ اَوْيُحَنِّطُهُ اَوْيُغَسِّلُهُ هَلْ يَنْقُضُ ذَالِكَ وُضُوْءَهُ

کیا میت کو اٹھانے یا اسے خوشبو لگانے یا غسل دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

۳۰۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَنَّطَ ابْنًا لِسَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَحَمَلَهُ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سعید بن زید کے بیٹے عبدالرحمٰن کی میت کو خوشبو لگائی اور اسے اٹھایا اس کے بعد آپ مسجد میں آئے اور وضو کئے بغیر نماز ادا فرمائی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَاوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ حَمَلَ جَنَازَةً وَلَا مَنْ حَنَّطَ مَيِّتًا اَوْ كَفَّنَهُ اَوْغَسَّلَهُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ عمل ہے کہ نماز جنازہ صرف باوضو ہی ادا کرنی چاہیے۔ پس اگر اچانک جنازہ کی نماز تیار ہوگئی اور آدمی بے وضو ہو تو وہ تیمم کر کے نماز جنازہ ادا کرے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۱۱۱ - بَابُ الرَّجُلُ تُدْرِكُهُ الصَّلٰوةُ عَلَى الْجَنَازَةِ وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

اچانک جنازہ آنے پر بے وضو کیا کرے؟

۳۰۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لَا يُصَلِّي الرَّجُلُ عَلٰى جَنَازَةٍ اِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ نماز جنازہ صرف باوضو آدمی ہی ادا کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ اِلَّا طَاهِرٌ فَاِنْ فَاجَاَتْهُ وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ طُهُوْرٍ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى عَلَيْهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مذہب ہے کہ جنازہ اٹھانے میت کو خوشبو لگانے اور غسل وکفن دینے والے پر وضو کرنا لازم نہیں ہے۔یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

میت کو غسل دینے والے افراد پر بوجہ غسل دینے کے کیا پھر اسے وضو کرنے کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں۔باب نمبر ۱۰۳ میں ہم اس کی تفصیل لکھ چکے ہیں۔مختصر یہ کہ ان افعال سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ہاں اگر میت کے جسم سے کوئی نجاست نکلی اور غسل دینے والے کے کپڑوں یا جسم کو لگ گئی تو اس صورت میں صرف وہ جگہ جہاں نجاست لگی ہے اس کا صاف کرنا ضروری ہے ورنہ وضو ٹوٹنے کی کوئی وجہ نہیں۔اس بارے میں رافضی مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔جس کی بنیاد یہ ہے کہ میت کا جسم وہ نجس جانتے ہیں۔اسے ہاتھ لگانا گویا نجاست کو چھونا ہے اس لیے غاسل پر نیا غسل یا وضو لازم قرار دیتے ہیں۔اس کی تفصیلی بحث ہم نے فقہ جعفریہ ج ۱ میں کر دی ہے۔وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

روایت بالا میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نماز جناز کے بارے میں یہ قول پیش فرمایا کہ جو بے وضو ہوا سے نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔اس کے بعد امام موصوف اپنا نظریہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہونا اسی طرح چاہیے کہ نماز جنازہ بغیر وضو نہ پڑھی جائے لیکن اگر صورت حال ایسی بن جائے کہ اچانک نماز جنازہ کی تیاری ہوگئی اور ایک شخص بے وضو وہاں موجود ہے۔اب اگر وہ نماز جنازہ میں باوضو شرکت کرنا چاہے تو وضو کرتے کرتے نماز کے نکل جانے کا خطرہ ہے اور اگر بغیر وضو پڑھے تو یہ بھی درست نہیں لہٰذا اس کے لیے امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ تیمم کر کے شریک جنازہ ہو جائے تو جائز ہے۔اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ ایسی نمازیں کہ جن کے رہ جانے کے بعد ان کی قضا یا بدل موجود ہے۔انہیں پانی ہوتے ہوئے تیمم ادا کر کے (بلا عذر) پڑھنا احناف کے ہاں ناجائز ہے اور جن کا بدل یا قضا نہیں۔ان میں پانی ہوتے ہوئے بھی اگر وضو کر کے پڑھنے سے وہ نماز نکل جانے کا خطرہ ہو تو اس وقت تیمم کر کے اس کی ادائیگی کی اجازت ہے۔اسی اصل کے پیش نظر نماز جنازہ کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ ارشاد ہے کہ اچانک اور فوراً نماز جنازہ شروع ہو جانے کی صورت میں تیمم کر کے شریک ہونا جائز ہے کیونکہ نماز جنازہ کی ادائیگی یا بدل نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر میت کی ایک مرتبہ نماز جنازہ ادا ہو چکی ہے تو دوسری مرتبہ نماز جنازہ کی ادائیگی جائز نہیں۔ہاں اگر ولی نے پہلی مرتبہ نماز جنازہ پڑھی جانے والی میں شرکت نہ کی اور وہ دوبارہ پڑھنا چاہتا ہو تو اس کو اجازت ہے۔اگر ولی پہلی مرتبہ شریک ہو تو اب کسی دوسرے کو دوسری مرتبہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔یہ لوگ صرف دعائے مغفرت کر سکتے ہیں جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ان حالات میں جبکہ نماز جنازہ کی قضاء بھی نہیں بدل بھی نہیں تو کوئی شخص اس نماز میں شرکت کرنا چاہے اور وضو کرتے کرتے نماز نکل جانے کا خطرہ ہو تو اسے تیمم کر کے شرکت کر لینا جائز ہے۔یہ اجازت امام محمد یا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما کی

خودساختہ نہیں بلکہ اس پر احادیث شاہد ہیں۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم وصل. عن عکرمة قال اذافجاء تک الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم وصل علیها. عن ابراهیم قال اذا فجاتک الجنازة ولست علی وضوء فان کان عندک ماء فتوضا وصل وان لم یکن عندک ماء فتیمم وصل. عن عطاء قال اذا خفت ان تفوتک الجنازة فتیمم وصل.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۵ فی الرجل یخاف ان یفوت الجنازة)

حضرت (عبداللہ) بن عباس فرماتے ہیں کہ جب تجھے نماز جنازہ کے فوت ہو جانے کا خوف ہو اور تو بے وضو ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیا کر۔عکرمہ فرماتے ہیں کہ جب اچانک جنازہ آ جائے اور تو اس وقت بے وضو ہو تو تیمم کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو جایا کر۔ابراہیم کہتے ہیں کہ جب تیرے سامنے اچانک جنازہ آ جائے اور تو بے وضو ہو تو اگر تیرے پاس پانی موجود ہے تو وضو کر کے نماز پڑھ اور اگر تیرے پاس پانی نہیں تو تیمم کر اور نماز پڑھ لے۔عطاء کہتے ہیں کہ جب تجھے نماز جنازہ کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔

نوٹ: مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے اچانک جنازہ آ جانے پر تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھنے کی مخالفت کی ہے اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں جائز کہنے والوں کے پاس کوئی ایک حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے۔قطع نظر اس کے کہ کوئی حدیث ایسی ہے یا نہیں۔اوپر ذکر کیے گئے آثار اور حضرات صحابہ کرام کے ارشادات کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے یہ سب کچھ اپنی طرف سے ہی کہا ہو گا۔ان حضرات کا عمل اور ان کے ارشادات بتاتے ہیں کہ اس کی کوئی نہ کوئی ان کے پاس اصل تھی۔ہم اس بارے میں ایک حدیث مرفوع ذکر کر رہے ہیں جو اگرچہ صحیح نہیں لیکن موضوع بھی نہیں ہے۔

عن عطاء عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال اذا فجاتک الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم وهذا مرفوع غیر محفوظ والحدیث موقوف علی ابن عباس.

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۲۶۴۰ مطبوعہ بیروت)

جناب عطاء حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تیرے پاس اچانک جنازہ آ جائے اور تو بے وضو ہو تو تیمم کر لیا کر۔یہ روایت مرفوع ہے گو اس کی سند محفوظ ہے اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔

قارئین کرام! کامل ابن عدی نے اس روایت کو مرفوع کہا ہے گو اس کی سند محفوظ نہیں۔بہرحال حتمی طور پر اس کا موقوف ہونا لازم نہیں آتا۔اگر موقوف ہی تسلیم کر لیں تو اس پر عمل کرنے سے کوئی استحالہ، گناہ یا عدم جواز لازم نہیں آتا بلکہ عمل کرنا ہی راجح ہے اور حضرات صحابہ کرام نے اس پر عمل بھی کیا اور اس کے مفہوم و مطلب کا حکم بھی دیا۔جس سے اس کا معمول بہ ہونا بالکل واضح ہے اس لیے حدیث اگرچہ مرفوع اور صحیح نہیں لیکن حضرات صحابہ کرام کے عمل کی وجہ سے قابل عمل بلکہ لازم العمل ہے اور حدیث صحیح مرفوع کی نفی سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ صحابہ کرام نے بھی ایسا کوئی عمل نہیں فرمایا۔

۱۱۲- بَابُ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمَيِّتِ بَعْدَ مَا يُدْفَنُ

دفن کر لینے کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

۳۱۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ

ہمیں امام مالک نے جناب ابن شہاب سے انہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ حضور ﷺ نے

فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ فَخَرَجَ بِهِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ عَلَیْهِ اَرْبَعَ تَكْبِیْرَاتٍ.

نجاشی کے فوت ہونے کی اسی دن خبر دی جس دن وہ فوت ہوا۔ آپ لوگوں کے ساتھ جنازگاہ کی طرف تشریف لے گئے ان کی صفیں بندھوائیں اور چار تکبیروں سے نجاشی کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

اس مرفوع حدیث پاک سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے بھی "فائدہ" کے تحت لکھا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ غائب کا جنازہ پڑھنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ احناف کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ جب تک میت یا جزو میت سامنے موجود نہ ہو نماز جنازہ ادا کرنا درست نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی احادیث میں مختلف وجوہات مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ نجاشی کی میت اور اس کے درمیان پڑنے والے تمام پردے اٹھا دیئے گئے۔ اس کی میت، رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھی آپ اسے دیکھ رہے تھے۔ دوسری یہ کہ میت کو یہاں سامنے لایا گیا جسے حضور ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام نے بھی دیکھا۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال كشف للنبی ﷺ عن سرير النجاشی حتى راه وصلى عليه ولابن حبان من حديث عمران ابن حصين فقام وصفوا خلفوهم لايظنون الاان جنازة بين يديه . عن يحيى فصلينا خلفه ونحن لانرى الاان الجنازة قدامنا.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۴۷ باب الصفوف علی الجنازة)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لیے نجاشی کی میت والی چارپائی سامنے کر دی گئی یہاں تک کہ آپ نے اسے دیکھ کر نماز جنازہ پڑھائی۔ عمران بن حصین سے ابن حبان نے روایت کی کہ حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اور ان تمام صحابہ کرام کا یہی یقین تھا کہ نجاشی کا جنازہ (میت حضور کے سامنے ہے) جناب یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یقین سے سمجھتے تھے کہ میت ہمارے سامنے ہے۔

عن حذيفة ابن سعيد ان رسول الله ﷺ بلغه موت النجاشی فقال لاصحابه ان اخاكم النجاشی قدمات فمن اراد ان يصلی عليه فليصل عليه فتوجه رسول الله ﷺ نحو الحبشة فكبر عليه اربعا قلت رواه ابن ماجه خلاء التكبير رواه الطبرانی فی الكبير واسناده حسن. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۹ باب الصلوٰۃ علی الغائب مطبوعہ بیروت طبع جدید)

حضرت حذیفہ ابن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نجاشی کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے تو جس کا ارادہ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا ہو وہ پڑھے پھر رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف منہ کیا اور چار تکبیروں سے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا لیکن تکبیر کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہیں۔

عن عمران بن حصين عن رسول الله ﷺ قال ان اخاكم النجاشی قدمات فصلوا عليه فقام ﷺ وصففنا خلفه فكبر عليه اربعا وما نحسب الجنازة الابين يديه قلت ولوجازت

حضور ﷺ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے ہم نے صفیں باندھیں آپ نے چار تکبیروں سے نماز جنازہ ادا

الصلوۃ علی غائب لصلی علیہ السلام علی من مات من اصحابہ ویصلی المسلمون شرقا وغربا علی الخلفاء الاربعة وغیرھم ولم ینقل ذالک.

(جوہر النقی ذیل بیہقی ج ۴ ص ۵۱ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد مطبوعہ حیدرآباد دکن)

فرمائی اور ہمارا یہی عقیدہ تھا کہ نجاشی کی میت آپ کے سامنے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر غائب کی نماز جنازہ جائز ہوتی تو حضور ﷺ اپنے صحابہ میں سے جو فوت ہوتا اس کی نماز جنازہ غائبانہ ضرور پڑھتے اور پھر تمام مسلمان مشرق و مغرب کے رہنے والے خلفاء اربعہ وغیرہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے حالانکہ یہ قطعاً منقول نہیں۔

والصلوۃ علی النجاشی کانت بمشھدہ ای بمشھد النبی ﷺ ای بمکان راہ وشاھدہ فیہ ﷺ رفع لہ سریرہ حتی راہ بحضرۃ .

(طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۳۵۲ باب احکام الجنائز مطبوعہ مصر)

نجاشی کی نماز جنازہ حضور ﷺ نے اس طرح ادا فرمائی کہ آپ کو اس کی میت کی جگہ نظر آ رہی تھی۔ آپ کی خاطر اس کی چارپائی اٹھائی گئی یہاں تک کہ آپ نے اسے اپنے پاس پایا۔

قارئین کرام! مذکور عبارات سے واضح ہوا کہ نجاشی کی نماز جنازہ اس طرح ادا کی گئی کہ موجود تمام صحابہ کرام یا تو اس کی میت کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے یا ان کی نظروں سے تو وہ اوجھل تھی لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے تھی۔ ان دونوں صورتوں میں بہرحال نجاشی کی میت امام (حضور ﷺ) کے سامنے تھی لہٰذا اسے "غائبانہ نماز جنازہ" کہنا قطعاً درست نہیں اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ میت یا اس کے جسم کا اکثر حصہ امام کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ نجاشی کے اس واقعہ کے بعد ہم ایک اور واقعہ بھی ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ جسے "غائبانہ نماز جنازہ" کے قائلین بطور تائید پیش کرتے ہیں۔ وہ واقعہ معاویہ ابن معاویہ کا ہے ان کی موت مدینہ میں ہوئی اور جنازہ تبوک میں ادا ہوا۔

عن انس بن مالک قال نزل جبرئیل علی النبی ﷺ قال مات معاویة ابن معاویة اللیثی فتحب ان نصلی علیہ قال نعم قال فضرب بجناحہ الارض فلم تبق شجرة ولا اکمھما الاتسعسعت قال فرفع سریرہ فنظر الیہ فکبر علیہ وخلفہ صفان من الملئکة فی کل صف سبعون الف ملک فقال النبی ﷺ یاجبرئیل بما قال ھذہ المنزلة من اللہ قال بحبہ قل ھو اللہ احد وقرأتہ ذاھبا وایاھا وجائیا وقائما وقاعدا وعلی کل حال رواہ ابو یعلی وطبرانی فی الکبیر فی اسناد ابی یعلی محمد بن ابراھیم بن العلی وھو ضعیف جدا وفی اسناد الطبرانی محبوب بن حلال قال الذھبی لایعرف وحدیثہ منکر.

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۷ باب الصلوٰۃ علی الغائب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں جبرئیل امین حاضر ہوئے' کہنے لگے حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ اس پر جبرئیل نے زمین پر اپنے پَر مارے تو روئے زمین کے درخت اور ہر ایک ٹیلہ حرکت کرنے لگ گیا۔ جبرئیل نے جناب معاویہ کی چارپائی اٹھائی آپ کے سامنے رکھی کہ آپ اس کو دیکھ رہے ہیں پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں۔ ہر ایک میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ فراغت پر حضور ﷺ نے جبرئیل سے پوچھا: اللہ تعالیٰ سے اس (معاویہ) کو یہ مقام و مرتبہ کس سبب سے حاصل ہوا؟ کہا یہ قل ھو اللہ (سورۂ اخلاص) سے بہت محبت کرتا تھا اور آتے جاتے، اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ اسے ابو یعلی نے اور طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا۔ اس کی اسناد میں ابو یعلی محمد بن ابراہیم بن العلی راوی بہت کمزور ہے اور

طبرانی کی سند میں محبوب بن حلال راوی ہے۔ذہبی کہتے ہیں کہ یہ غیر معروف ہے اور اس کی حدیث منکر ہے۔

مذکورہ واقعہ اسناد سے کتب میں موجود ہے۔ان دونوں اسناد کے بعد رجال پر سخت تنقید موجود ہے۔اس تنقید کے ہوتے ہوئے اس سے ''غائبانہ نماز جنازہ'' کے ثبوت پر استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔بصورت تسلیم پھر بھی یہ ''غائبانہ نماز جنازہ'' کے ضمن میں ہرگز نہیں آتا کیونکہ حضور ﷺ کی نظروں کے سامنے جناب معاویہ کی میت کا ہونا اس کی تردید کرتا ہے اسی لیے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ترکمانی کہتے ہیں کہ اگر نماز جنازہ غائبانہ کی گنجائش ہوتی تو حضور ﷺ اپنے دور میں فوت ہونے والے ہر صحابی کی نماز جنازہ پڑھاتے اور شرق و غرب میں ہر دور میں مسلمان خلفائے اربعہ و دیگر حضرات کی ایسی نماز جنازہ ادا کرتے لیکن اس کی کوئی نقل اور ثبوت نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ کے چند واقعات کتب حدیث میں جو مذکور ہیں جن سے کچھ لوگ ''غائبانہ نماز جنازہ'' کا استدلال کرتے ہیں وہ کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ یا تو ان میتوں کو حضور ﷺ کے سامنے لا رکھا گیا تھا یا کم از کم یہ آپ کی خصوصیات میں شمار ہوگا اس لیے ایسے واقعات پر قیاس درست نہ ہونے کی وجہ سے غائبانہ نماز جنازہ کا جواز درست نہ ہوا۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۱۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ مِسْكِيْنَةً مَرِضَتْ فَاُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَرَضِهَا قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعُوْدُ الْمَسَاكِيْنَ وَيَسْاَلُ عَنْهُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَاتَتْ فَاٰذِنُوْنِيْ بِهَا قَالَ فَاُتِيَ بِجَنَازَتِهَا لَيْلًا فَكَرِهُوْا اَنْ يُّؤْذِنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَلَمَّا اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُخْبِرَ بِالَّذِيْ كَانَ مِنْ شَاْنِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَمْ اٰمُرْكُمْ اَنْ تُؤْذِنُوْنِيْ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَرِهْنَا اَنْ نُّخْرِجَكَ لَيْلًا اَوْ نُوْقِظَكَ قَالَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى صَفَّ بِالنَّاسِ عَلٰى قَبْرِهَا فَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ.

ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے خبر دی کہ سکینہ نامی صحابیہ بیمار ہوئیں۔حضور ﷺ کو ان کی بیماری کا بتایا گیا۔راوی بیان کرتے ہیں کہ مساکین کی عیادت کرنا اور ان کے بارے میں پوچھتے رہنا آپ کا معمول تھا۔حضور ﷺ نے فرمایا: اگر یہ عورت انتقال کر جائے تو مجھے اطلاع کرنا لیکن جب اس کا جنازہ تیار ہوا تو رات کا وقت تھا اور صحابہ کرام نے آپ کو اس کی خبر دینا اچھا نہ سمجھا۔صبح ہوئی آپ کو پتہ چلا تو آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کیا میں نے تمہیں اس کے مرنے کی خبر دینے کو نہ کہا تھا؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! رات کا وقت تھا۔ہم نے آپ کو اطلاع کرنا یا بیدار کرنا مناسب نہ جانا پھر حضور ﷺ باہر تشریف لائے اس کی قبر پر پہنچے۔لوگوں نے صفیں باندھیں آپ نے قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ التَّكْبِيْرَ عَلَى الْجَنَازَةِ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّصَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ قَدْ صُلِّيَ عَلَيْهَا وَلَيْسَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ هٰذَا كَغَيْرِهٖ اَلَا يُرٰى اَنَّهٗ صَلّٰى عَلَى النَّجَاشِيِّ بِالْمَدِيْنَةِ وَقَدْ مَاتَ بِالْحَبَشَةِ فَصَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَرَكَةٌ وَّطُهُوْرٌ فَلَيْسَتْ كَغَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیریں چار ہیں اور کسی میت کی جب ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو تو دوبارہ اس کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اور حضور ﷺ اس بارے میں بھی بے مثل ہیں۔کیا معلوم نہیں کہ آپ نے نجاشی کی نماز جنازہ مدینہ منورہ میں ادا فرمائی حالانکہ اس کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا کسی کی نماز

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

جنازہ ادا فرمانا بوجہ برکت اور طہارت کے تھا اس لیے آپ کی نماز دوسروں کی نماز جیسی نہیں ہوسکتی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مذکور حدیث سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول دو مسئلے ثابت ہوئے۔ اول یہ کہ نماز جنازہ کی صرف چار تکبیریں ہیں اور دوم یہ کہ ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھی جانے کے بعد دوبارہ پڑھنا درست نہیں چونکہ اس دوسرے مسئلہ سے ذہن میں یہ سوال ابھرتا تھا کہ یہی بات ہے تو پھر حضور ﷺ کا قبر پر جا کر نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے کی کیا حکمت تھی؟ امام محمد نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ آپ کا ایسا کرنا صرف برکت اور طہارت کے لیے تھا جس میں کوئی دوسرا آپ کی مثل نہیں ہوسکتا۔ جس کی تفصیل ایک اور حدیث میں یوں مذکور ہے۔

عن ابی هريرة ان امراة سوداء كانت تقم المسجد فماتت ففقدها النبی ﷺ فسال عنها بعد ايام فقيل له انها ماتت فقال هلا كنتم اذنتمونی فاتی قبرها فصلی عليها (زاد ابن عبده) فی حديثه قال وانباء حماد حدثنا ثابت قال قال رسول الله ﷺ ان هذه القبور مملوءة ظلمة على اهلها وان الله عزوجل ينورها بصلواتی عليها.

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۴۷ باب الصلوٰۃ علی القبر مطبوعہ دکن؛ عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۸ ص ۱۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک حبشی عورت جو مسجد کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی اس کا انتقال ہوگیا تو حضور ﷺ نے اسے کئی دن نہ دیکھنے کے بعد پوچھا تو صحابہ کرام نے عرض کیا وہ انتقال کر گئی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے تم نے بتایا کیوں نہ تھا؟ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ ابن عبدہ نے اپنی حدیث میں مزید یہ لکھا کہ جناب حماد نے خبر دی ہمیں ثابت نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان قبروں میں اندھیرا بھرا ہوا تھا اور اہل قبور اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی نماز جنازہ ادا کرنے کی وجہ سے تمام قبور کو منور فرما دیا۔

عن ابی بريده عن ابيه ان النبی ﷺ مر علی قبر جديد حديث عهد بدفن ومعه ابوبكر فقال قبر من هذا؟ فقال ابوبكر يارسول الله ﷺ هذه ام محجن كانت مولعة بلفظ القذی من المسجد فقال افلا اذنتمونی فقالوا كنت نائما فكرهنا ان نهيجك قال فلا تفعلوا فان صلوتی علی موتاكم نور لهم فی قبورهم.

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۴۸ باب الصلوٰۃ علی القبر بعد ما یدفن المیت)

ابو بریدہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ایک مرتبہ ایک بالکل نئی قبر کے قریب سے گزر ہوا جس میں ابھی ابھی کوئی دفنایا گیا تھا' آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق بھی تھے' آپ نے پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ ابوبکر نے عرض کیا یہ ام محجن کی قبر ہے جو مسجد سے کوڑا کرکٹ صاف کرتی تھی آپ نے فرمایا: تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی؟ حاضرین نے عرض کیا: حضور! آپ آرام فرما رہے تھے اس لئے ہم نے آپ کو بیدا کرنا اچھا نہ سمجھا۔ فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا۔ بے شک میرا کسی کو مرنے والے پر نماز جنازہ ادا کرنا ان کے لیے ان کی قبروں میں نور ہوا کرتا ہے۔

عن يزيد بن ثابت رضی الله عنه قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فلما وردنا البقيع اذا هو بقبر جديد فسال عنه فقيل فلانة فعرفها فقال

حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ہم حضور ﷺ کی معیت میں چلتے چلتے جب جنت البقیع پہنچے تو آپ نے اچانک ایک نئی قبر کے بارے میں پوچھا (یہ کس کی ہے؟) بتایا

الا اذنتمونی بها قالوا یارسول الله کنت قائلا فکرهنا ورد نوذنک فقالا تفعلوا لایموتن فیکم میت ماکنت بین اظهر کم الا اذنتمونی به فان صلوتی علیه له رحمة. (مسند امام احمد بن حنبل ج ۷ ص ۲۲۵ باب الصلوٰۃ علی القبر بعد الرفع مطبوعہ قاہرہ)

گیا کہ فلاں عورت کی ہے آپ نے اسے جان لیا پھر فرمایا: تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ کی؟ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! آپ قیلولہ فرما رہے تھے اس لیے ہم نے آپ کو اطلاع کرنا مناسب نہ سمجھا فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا تم میں سے جب بھی کسی کا انتقال ہو جائے تو جب تک میں بنفس نفیس تم میں موجود ہوں تو مجھے ضرور اطلاع کر دیا کرنا کیونکہ کسی میت پر میرا نماز ادا کرنا اس کے لیے رحمت ہے۔

قارئین کرام! امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ حضور ﷺ کا کسی میت پر نماز جنازہ ادا فرمانا دراصل برکت اور نورانیت کے لیے تھا' بات ان کی اپنی طرف سے نہیں تھی بلکہ خود سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد گرامی کے تحت تھی۔ گویا امام موصوف کا قول دراصل احادیث کا نچوڑ ہے۔ اب ہم دوسرے مسئلے کی طرف آتے ہیں یعنی نماز جنازہ کی تکبیریں صرف چار ہیں۔ احادیث مبارکہ میں چار سے زائد تکبیرات کا ذکر موجود ہے لیکن آخر الامر حضور ﷺ کا عمل شریف چار تکبیر کہنا تھا۔ امام موصوف نے اس بحث کو اپنی دوسری تصنیف ''کتاب الآثار'' میں بالتفصیل ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان الناس کانوا یصلون علی الجنازة خمسا وستا واربعا حتی قبض النبی ﷺ ثم کبر وابعد ذالک فی ولاية ابی بکر رضی الله عنه حتی قبض ابوبکر ثم ولی عمر بن الخطاب رضی الله عنه فافعلوا ذالک فی ولاية فلما رای ذالک عمر بن الخطاب قال انکم معشر اصحاب النبی ﷺ متی ماتختلفون یختلف من بعدکم والناس حدیث عهد بالجاهلية فاجمعوا علی شیء یجتمع علیه من بعدکم فاجمع رای اصحاب محمد ﷺ ان ینظروا اخر جنازة کبر علیها النبی ﷺ حین قبض فیاخذون به فیرفضون به ماسوی ذالک فنظروا فوجد واخر جنازة کبر علیها رسول الله ﷺ اربعا قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفه رحمة الله علیه.

(کتاب الآثار ص ۴۹ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ مطبوعہ کراچی)

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں امام ابو حنیفہ نے جناب حماد اور انہوں نے جناب ابراہیم سے یہ سنایا کہ حضور ﷺ کے وصال شریف تک نماز جنازہ کی پانچ، چھ اور چار تکبیریں پڑھی جاتی تھیں پھر ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں یہی طریقہ ان کے وصال تک چلتا رہا پھر عمر بن خطاب خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ کی خلافت کے دوران یہی طریقہ جاری رہا جب انہوں نے دیکھا تو فرمایا: اے جماعت صحابہ! جب تم اختلاف کرو گے تو بعد والے خود بخود اختلاف میں پڑ جائیں گے لوگوں کے لیے دور جاہلیت قریب ہی گزرا ہے لہٰذا تم کسی ایک بات پر متفق و مجتمع ہو جاؤ تاکہ بعد والے بھی اسی پر متفق رہیں۔ حضور ﷺ کے صحابہ نے مل کر یہ سوچا کہ حضور ﷺ کے وصال فرمانے کے قبل آخری نماز جنازہ آپ نے کیسے اور کتنی تکبیروں سے ادا فرمائی ہم بھی اسی پر متفق ہو جائیں گے اور اس کے سوا کو چھوڑ دیں گے۔ آپ کے صحابہ کرام نے اتفاق سے یہ معلوم کیا کہ آپ کی آخری نماز جنازہ کی ادائیگی چار تکبیروں کے ساتھ تھی۔ امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

یاد رہے کہ روافض نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات کہتے ہیں۔ بہر حال روایات چھ تک بھی ملتی ہیں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں چار' پانچ اور چھ تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی جاتی رہی لیکن پھر تمام موجود صحابہ کرام

نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ حضور ﷺ کے آخری عمل شریف پر مجتمع ہو جانا چاہیے چنانچہ چار تکبیروں پر تمام نے اتفاق کیا جس سے معلوم ہوا کہ پانچ یا چھ تکبیرات تھیں ضرور لیکن حضور ﷺ کے آخری عمل نے ان کا منسوخ ہونا ظاہر کر دیا ہے۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۱۳- بَابُ مَارُوِیَ اَنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ

زندہ کی آہ وفغاں سے مردہ کو عذاب دیئے جانے کا بیان

۳۱۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ لَاتَبْکُوْا عَلٰی مَوْتَاکُمْ فَاِنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَھْلِہٖ عَلَیْہِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی انہیں عبد اللہ بن دینار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث سنائی کہ فرمایا اپنے مردوں پر نہ رویا کرو کیونکہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔

۳۱۳- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَمْرَۃَ ابْنَۃِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّھَا اَخْبَرَتْہُ اَنَّھَا سَمِعَتْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ وَذُکِرَلَھَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ اَنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ یَغْفِرُ اللّٰہُ لِابْنِ عُمَرَ اَمَا اِنَّہٗ لَمْ یَکْذِبْ وَلٰکِنَّہٗ قَدْ نَسِیَ اَوْ اَخْطَأَ اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی جَنَازَۃٍ یُبْکٰی عَلَیْھَا فَقَالَ اِنَّھُمْ لَیَبْکُوْنَ وَاِنَّھَا لَتُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِھَا.

ہمیں امام مالک نے عبد اللہ بن ابی بکر سے وہ اپنے والد سے اور وہ عمرہ بنت عبد الرحمٰن سے بتاتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا جبکہ ان کے سامنے یہ کہا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ زندہ کے رونے سے مردے کو عذاب دیا جاتا ہے۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابن عمر کی مغفرت فرمائے وہ جھوٹ تو نہیں بولتا لیکن وہ بھول گیا یا غلطی کھا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جنازہ کے قریب سے گزر ہوا جس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے اور اسے (میت کو) قبر میں عذاب دیا جا رہا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا نَاْخُذُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ.

امام محمد کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ذکر شدہ دونوں روایات دراصل حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان میت پر رونے اور اس کو عذاب دیئے جانے میں دونوں کے اختلاف پر مبنی ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا تھا کہ میت پر رونے کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جاتا ہے حالانکہ سیدہ عائشہ اصل بات کہ جس کے سمجھنے میں ابن عمر کو نسیان یا خطا ہوئی اسے بیان کرتی ہیں۔ حضور ﷺ کا ایک میت کو عذاب میں مبتلا دیکھنا اور دوسری طرف اس کے گھر والوں کو روتے دیکھ کر فرمانا کہ میت کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے حضرت عبد اللہ بن عمر یہ سمجھے کہ میت کو عذاب اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے ہو رہا ہے حالانکہ اسے عذاب اپنے اعمال کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ اس کو ذکر فرمانے کے بعد امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر ہے اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کو اختیار کرنے کی ایک وجہ تو وہی جو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے خود بیان فرمائی وہ یہ کہ ابن عمر کو نسیان یا خطا ہو گئی۔ دوسری وجہ کتب احادیث میں مذکور درج ذیل ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال مر رسول اللہ ﷺ بقبر فقال ان ھذا لیعذب الآن ببکاء

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کا ایک قبر کے قریب سے گزر ہوا تو فرمایا: یہ مردہ

اهله علیه فقالت عائشة غفر الله لابی عبد الرحمن انه واهم ان الله تعالی یقول ولا تزر وازرة وزر اخری انما قال رسول الله ﷺ ان هذا لیعذب الان واهله یبکون علیه.

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۷ ص ۱۵ باب ماجاء فی ان المیت یعذب ببکاء اهله)

اب عذاب میں گرفتار ہے جس کی وجہ سے اس کے گھر والوں کا اس پر روتا ہے۔ اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبد الرحمٰن کو معاف کرے انہیں وہم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا بے شک حضور ﷺ نے یوں فرمایا تھا۔ اس مردہ کو اب عذاب ہو رہا ہے اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال دو مضبوط بنیادوں پر ہے۔ یہ دوسری وجہ تو نص قطعی ہے اس لیے اس استدلال کو ترجیح ہی دینی چاہیے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک کی بنیاد بنایا۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث بھی ملاحظہ ہو جائے۔

فلما اصیب عمر دخل صهیب رضی الله عنه یبکی یقول وارخاه واصاحباه فقال عمر رضی الله عنه یاصهیب اتبکی علی وقد قال رسول الله ﷺ ان المیت لیعذب ببعض بکاء اهله علیه. قال ابن عباس فلما مات عمر رضی الله عنه ذکرت ذالک لعائشة رضی الله عنها فقالت رحمه الله عمر رضی الله عنه والله ماحدث رسول الله ﷺ ان الله یعذب المومن ببکاء اهله علیه ولکن قال رسول الله ﷺ ان الله لیزید الکافر عذابا ببکاء اهله علیه.

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۷۳ کتاب الجنائز مطبوعہ حیدر آباد دکن)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور ہائے ساتھی ہائے بھائی کہہ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا: اے صہیب! کیا تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد یہی بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے۔ خدا کی قسم! حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دے گا۔

روایت مذکورہ سے واضح ہوا کہ رونے والوں کے سبب عذاب دیا جانا صرف کافر میت کے ساتھ مخصوص ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے عذاب کو اور زیادہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ زندگی بھر اپنے خاندان کے مرنے والے افراد پر روتا ہے اور اسے اچھا جانتا رہا اسی لیے اگر کوئی مسلمان یہ سمجھتا ہو کہ میت پر رونا اچھا کام ہے اور خواہش رکھے کہ میرے مرنے پر بھی میرے ورثاء مجھ پر روئیں تو ایسے رونے کے سبب اسے بھی عذاب دیا جائے گا۔ اس کی تائید وتوثیق بیہقی شریف میں درج ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دوسری احادیث کی بہ نسبت زیادہ محفوظ ہے کیونکہ وہ کتاب وسنت کے دلائل سے مناسبت رکھتی ہے اگر پوچھا جائے کہ کتاب اللہ سے مناسبت کس طرح ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ یہ آیات اس پر دلائل ہیں۔ (۱) **لاتزر وازرة وزر اخری** (۲) **ان لیس للانسان الاماسعی** (۳) **فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره** (٤) **لتجزی کل نفس بما تسعی.**

احادیث اس پر یہ ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا: کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ عرض کی جی حضور! آپ نے فرمایا: بہرحال نہ وہ تجھ پر خیانت کرے اور نہ تو اس پر خیانت کرے۔ ہر آدمی کا اچھا برا عمل اسی کے لیے ہے نہ کہ غیر کے لیے۔

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۷۳)

رونے والی کو رونے کا عذاب

أن ابا اسلام حدثه ان اباما لک الاشعری حدثه ان النبی ﷺ قال اربعة فی امتی فی امر الجاهلیة لایترکونهن الفخر فی الاحساب. والطعن فی الانساب والاستسقاء بالنجوم والنحاحة وان النائحه اذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیامة وعلیها سربال فن قطران ودرع من جرب.

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۷۳ باب ماورد من تغلیظ فی النیاحة)

ابو مالک اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے لوگ جاہلیت کی چار باتوں نہ کو چھوڑیں گے (۱) حسب پر فخر کرنا (۲) نسب میں طعن کرنا (۳) ستاروں سے بارش طلب کرنا (۴) اور میت پر رونا۔ میت پر رونے والی اگر اپنے مرنے سے پہلے اس فعل سے توبہ نہیں کرے گی (اور مر جائے گی) تو قیامت کے دن یوں کھڑی ہو گی کہ تارکول کی قمیص اور خارش دار چادر پہنے ہوئے ہو گی۔

روایت مذکورہ سے بھی یہی ثابت ہوا کہ رونے سے رونے والی کو ہی عذاب ہو گا' میت کو اس کے رونے سے عذاب نہ ہو گا۔ اس قسم کی بہت سی احادیث ''مصنف ابن ابی شیبہ'' ج ۳ ص ۳۹۰ پر منقول ہیں۔ علاوہ ازیں حضور ﷺ کا عورتوں سے بیعت لینے میں ایک شرط یہ بھی موجود ہے کہ میت پر روئیں گی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ باآواز بلند تصنع اور بناوٹ سے میت پر رونا قطعاً پسندیدہ عمل نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے رونے والیوں کو عذاب ہو گا اور یہ بھی کہ اس فعل کی سزا اس کے کرنے والوں تک محدود رہے گی۔ میت کا اس میں کوئی حصہ نہیں جبکہ وہ زندگی میں اسے ناپسند سمجھتا رہا اور اس سے بچتا رہا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۱۱۴ - بَابُ الْقَبْرُ يُتَّخَذُ مَسْجِدًا اَوْ يُصَلّٰى اِلَيْهِ اَوْيُتَوَسَّدُ

قبور کو مسجد بنانا، اس پر نماز پڑھنا یا ٹیک لگانے کا بیان

۳۱۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے وہ سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

حدیث مذکور میں قبروں کو مسجدیں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنائی جائیں یہ بھی ممنوع ہیں اور اسی طرح قبر کی طرف بلاحجاب منہ کر کے نماز پڑھنا اور ان کے ساتھ تکیہ لگانا بھی ممنوع ہے۔ رہا یہ کہ کسی پیغمبر یا ولی اللہ کی قبر کے نزدیک مسجد بنانا تو یہ نہ ناجائز ہے اور نہ ہی حدیث پاک کا یہ مدعیٰ ہے۔ غیر مقلد اور دیو بند ایسی احادیث سے یہی مطلب اخذ کرتے ہیں۔ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولوی عطاء اللہ غیر مقلد لکھتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی نیک آدمی مر جاتا اس کی قبر پر وہ مسجد بنا لیتے نیز بخاری اور مسلم میں ابو مرثد غنوی سے مروی روایت لکھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو یعنی مجاورت نہ کرو پھر اس پر خانہ ساز تشریح جڑی کہ مراد یہ ہے کہ قبروں کے پاس مساجد بنانا اور قبروں کی مجاورت کرنا منع ہے۔

درحقیقت ان خیالات ونظریات کے حامل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام کے مزارات پر جو مساجد ہیں یا تعمیر کی جاتی ہیں یہ ناجائز ہیں۔ ان میں نماز پڑھنے والے، صاحب قبور سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے وہاں نمازیں ادا کرتے ہیں اور یہ شرک ہے کیونکہ نماز میں صاحب قبر کا خیال ان کے نزدیک بہت بری بات ہے جیسا کہ ان کا ایک پیشوا اسماعیل دہلوی ''صراط مستقیم'' میں لکھ چکا ہے کہ نماز میں حضور ﷺ کا تصور آ جانا گدھے اور گائے کے تصور سے بدتر ہے۔ (معاذ اللہ) کیونکہ آپ کا خیال و

تصور از روئے تعظیم آئے گا اور نمازی تعظیم کرے گا۔ ایسی تعظیم ان کے نزدیک شرک ہے۔ اس کے خلاف اگر گائے یا گدھے کا خیال آیا تو تعظیم کے بغیر آئے گا لہٰذا یہ خیال اول الذکر سے بہت کم درجہ کا ہے۔ ہم سب سے پہلے اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ اہل اللہ کی قبور کے نزدیک نماز ادا کرنے اور دفن ہونے میں کچھ فوائد ہیں یا کہ نہیں۔ نیز ان کے نزدیک مسجد کی تعمیر کی کیا حیثیت ہے؟

حضرات انبیاء اور اولیاء کی قبور کے پاس مدفون ہونے اور وہاں مساجد تعمیر کرنے کی برکات کے اثبات پر دلائل

قال ابن عباس تنازعوا فی النبیان قال المسلمون نبنی عند هم مسجد الانهم کانوا علی دیننا وقد ماتوا مسلمین وقال المشرکین نبنی علیهم بنیانا یسکنه الناس ویتخذونه قریة اوعلی باب کهفهم بنیانا یمنع الناس من التطرق الیهم ظنا بتربتهم لانهم من اهل نسبنا کما قال الله تعالی فقالوا ای المشرکون من اهل القریة ابنوا علیهم بنیانا ربهم اعلم بهم قال الذین غلبوا علی امرهم ای المسلمون بید وسیس واصحابه فانهم کانوا اصحاب ملک و ثروة و حکومة حینئذ نتخذن علیهم مسجدا یصلی فیه المسلمون ویتبرکون بهم.

(تفسیر مظہری ج ۶ ص ۲۴ پارہ ۱۵، معارف القرآن ج ۵ ص ۵۶۴ از مفتی محمد شفیع کراچی)

(قرآن کریم میں اصحاب کہف کے متعلق تفصیلی واقعہ مذکور ہے۔ اس کا ایک حصہ یہ کہ جب لوگوں نے ان کا اس غار میں معائنہ کیا جہاں وہ آرام فرما تھے تو انہیں بہترین حالت میں پایا پھر لوگوں میں یہ اختلاف ہوا کہ ان کی قبر پر کیا بنانا چاہیے؟) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ تعمیر کرنے پر ان کا اختلاف ہوا۔ مسلمانوں کا کہنا تھا کہ ہم ان کے قریب مسجد بنائیں گے کیونکہ یہ حضرات ہمارے دین کے ماننے والے تھے اور ان کا وصال بھی اس حالت اسلام پر ہوا ہے اور مشرک بولے کہ ہم ان پر کوئی رہائشی جگہ تعمیر کریں گے لوگ اس میں سکونت رکھیں گے اور پھر یہ بستی بن جائے گی یا ان کے غار کے دروازہ پر ایسی عمارت تعمیر کریں گے جو لوگوں کو ان کے پاس آنے سے رکاوٹ کا کام دے گی۔ یہ ظن کرتے ہوئے کہ یہاں ان کی قبریں ہیں کیونکہ وہ ہمارے ہی نسب سے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس بستی کے مشرک کہنے لگے۔ ان پر کوئی عمارت کھڑی کر دو ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے۔ مسلمان کہنے لگے یعنی بیدوسیس اور اس کے ساتھی کہنے لگے جو اس وقت صاحب ملک اور مالدار تھے اور اس وقت ان کی حکومت تھی۔ ہم ضرور بالضرور ان پر مسجد تعمیر کریں گے مسلمان اس میں نماز ادا کیا کریں گے اور ان سے برکت حاصل کیا کریں گے۔

صاحب تفسیر مظہری وغیرہ مفسرین کی تفسیر سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

(۱) لنتخذن علیهم مسجدا یعنی قبر پر مسجد بنانے کا مطلب قبر کے نزدیک مسجد بنانا ہے جیسا کہ تمام ایسی مساجد جو کسی مزار پر بنائی گئیں ان کے مشاہدہ سے ثابت ہے۔

(۲) صاحب مزار کے مزار کے قریب تعمیر مسجد کا مقصد یہ کہ وہاں لوگ نماز ادا کریں گے اور ان سے برکت حاصل کریں گے۔

(۳) اصحاب کہف کے غار پر مسجد تعمیر کرنے والے مسلمان تھے۔

(۴) ان کے غار کے قریب یا غار کے منہ پر مسجد کی بجائے عام تعمیر کرنے والے مشرکین تھے۔

(۵) مسجد کی تعمیر اور اصحابِ کہف کے مزار کی زیارت سے روکنے والے بھی مشرکین تھے۔
(٦) اللہ تعالیٰ نے تعمیر مسجد کے معتقدین کو غلبہ عطاء فرمایا جس کی وجہ سے وہاں مسجد ہی تعمیر ہوئی۔
ان امور میں غور کیا جائے تو حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب مساجد کی تعمیر شریعت محمدیہ کے آنے سے پہلے بھی مسلمانوں کا عمل تھا اور بعد میں تا قیامت مسلمانوں کا ہی یہ عمل رہا ہے اور رہے گا۔ اس کی مخالفت پہلے بھی بے دین کرتے رہے اور آج بھی کرتے ہیں۔ برصغیر اور اس سے باہر شاید ہی کوئی مشہور ولی کی قبر ایسی ہو جس کے قریب مسجد تعمیر نہ ہوئی ہو۔ اس بارے میں مسجد نبوی کی مثال عظیم مثال ہے جس میں سرکار ابد قرار ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی قبور مقدسہ ہیں۔ اسی مسجد نبوی کے بارے حدیث پاک شاہد ہے کہ یہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر خود حضور ﷺ نے مقرر فرمایا نیز یہ بھی موجود کہ بالترتیب یہاں چالیس نمازیں ادا کرنے والے کے لیے آپ کی شفاعت لازم ہے۔ یہ برکت اور ثواب کی زیادتی صرف اور صرف اس لیے ہے کہ اس میں رحمۃ للعالمین جلوہ فرما ہیں۔

در شرح شیخ ابن حجر هیثمی مکی در شرح حدیث لعن الله الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء هم مساجدا . گفة است که این بر تقدیر است که نماز گزارد بجانب قبر از جهت تعظیم وے که آن حرام است بالاتفاق واما اتخاذ مسجد در جوار پیغمبر یا صالح ونماز گزاردن نزد قبر وے نه بقصد تعظیم قبر از توجه بجانب قبر بلکه بنیت حصول مدد از وے تا کامل شود ثواب عبادت ببرکت قبر و مجاورت مر آں روح پاک را حرج نیست.
(اشعۃ اللمعات ج ا ص ۷۶۳ باب زیارۃ القبور)

ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پاک لعن اللہ الیہود کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لعنت اس وقت ہوگی جب کوئی شخص قبر کی جانب از روئے تعظیم صاحب قبر نماز ادا کرے کیونکہ یہ فعل بالاتفاق حرام ہے لیکن کسی پیغمبر یا ولی اللہ کے مزار کے قریب مسجد تعمیر کرنا اور اس کے قریب نماز ادا کرنا جبکہ نماز صاحب مزار کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کر کے پڑھنے سے خالی ہو تو اس صاحب مزار سے حصول مدد کی نیت سے ادا کی جانے والی نماز درست ہے کیونکہ اس سے نماز کامل ہوگی اور قبر کی برکت اور اس میں مدفون کی روح کی قربت سے ثواب میں اضافہ ہوگا۔ یہ سب درست ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ حدیث نبوی ﷺ کی وہ تشریح جو برصغیر کے مشہور محدث، محقق جناب شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے کی۔ مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے اس کے خلاف چل کر ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کی کوشش کی۔ شیخ عبدالحق نے واضح لکھ دیا کہ صاحب مزار کے قریب نماز ادا کرنے میں اگر نیت یہ بھی ہو کہ اس سے میری نماز میں زیادہ ثواب ہوگا تو یہ درست ہے۔

قال البیضاوی لما کانت الیهود والنصاری یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانهم ویجعلونها قبلة یتوجهون فی الصلوة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم النبی ﷺ ومنع المسلمین عن مثل ذالک فاما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرک بالقرب منه لا للتعظیم ولا للتوجه الیه فلا یدخل فی الوعید المذکور.
(باب من احب ان یدفن فی الارض المقدس)

بیضاوی نے کہا کہ جب یہودی اور عیسائی حضرات انبیاء کرام کی قبروں کو ان کی حالت شان کے پیش نظر سجدہ گاہ بنائے ہوئے تھے اور انہوں نے ان کی قبور کو نماز کے لیے دوران نماز قبلہ بنا لیا تھا اور پھر انہوں نے ان کی قبور کو بت بنا لیا تو اب حضور ﷺ نے ان پر لعنت بھیجی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا لیکن کسی بزرگ کے مزار کے گرد و نواح کوئی مسجد تعمیر کر لینا تا کہ صاحب مزار کے قرب کی برکتیں حاصل ہو جائیں یہ قرب قبر والے کی تعظیم کے لیے ہو اور اس کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا

بھی مقصود نہ ہوتو یہ اس حدیث کی وعید میں شامل نہیں۔

وکذالک مایمکن من مدافن الانبیاء وقبور الشھداء والاولیاء تمینا بالجوار وتعرضا للرحمۃ النازلۃ علیھم اقتداء بموسی علیہ السلام انتھاء وھذا نباء علی ان المطلوب القرب من الانبیاء الذین دفنوا بیت المقدس وھو الذی رجحہ عیاض.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۶۱ باب من احب الدفن فی الارض المقدسہ)

اور یونہی حضرات انبیاء کرام کی آرام گاہیں، شہداء کی قبریں اور اولیاء کرام کے مزارات سے جس قدر ممکن ہو ان کے قرب و جوار کی برکتوں اور ان پر اترنے والی رحمتوں کو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ انتھی۔ اس بات کا دار و مدار اس پر ہے کہ اصل مقصد ومطلوب ان پیغمبروں کا قرب حاصل کرنا ہے جو بیت المقدس میں مدفون ہیں۔ اسی کو قاضی عیاض نے ترجیح دی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا ایک واقعہ یا دعا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنے وصال شریف کے بالکل قریب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی۔ اے اللہ! مجھے بیت المقدس کے قریب پتھر پھینکے جانے کی مقدار پر کردے۔ آپ کا اس دعا سے یہ مطلب تھا کہ وہاں مدفون نیک حضرات کے قرب کی وجہ سے ان پر اترنے والی رحمتیں اور برکتیں ہر دفن ہونے والے کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ بہرحال تفسیر اور اس کی شروحات سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اور بزرگان دین کے مزارات کے قریب دفن ہونے والے، بیٹھنے والے اور ذکر کرنے والے پر ان گنت رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ان مساجد میں جو ایسے پاکیزہ حضرات کے قرب و جوار میں بنائی گئیں ان میں نماز کی ادائیگی اور جگہ کی نسبت ادا کی گئی نمازوں سے ثواب و برکت میں کہیں زیادہ ہے۔

مذکورہ مسئلہ پر احادیث مبارکہ کی شہادت

عن علی رضی اللہ قال امرنا رسول اللہ ﷺ ان ندفن موتانا وسط قوم صالحین .... وعن ابی ھریرۃ مرفوعا ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجوار السوء کما یتاذی الحی بجوار السوء.

(اعلاء السنن ج ۸ ص ۲۶۸ باب النھی عن تجصص القبور والقعود)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہ ہمیں حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اپنے مردوں کو نیک لوگوں کے درمیان دفن کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اپنے مردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو کیونکہ بے شک جس طرح زندہ اپنے برے ہمسایہ سے اذیت پاتا ہے اسی طرح مردہ بھی اپنے برے پڑوس سے دکھی ہوتا ہے۔

ان دونوں احادیث سے میت کے قرب کا فائدہ ونقصان معلوم ہوا۔ اچھوں کے پاس دفن ہونے والا ان پر اترنے والی برکتوں سے بہرہ ور اور بُروں کے قریب ان پر پڑنے والی سختیوں سے بدمزہ ہوگا اسی لیے حضور ﷺ نے اچھوں کی قربت کا مرنے کے بعد بھی حکم دیا ہے۔ ان احادیث کے پیش نظر محدثین کرام نے نیکوں کے پاس دفن ہونے کو اچھا عمل کہا ہے۔

فسال اللہ تعالی الدنو من بیت المقدس لیدفن فیہ دنو الوری رام الحجر من ذالک الموضع الذین ھو الان موضع قبرہ لوصل الی بیت المقدس وانما سال ذالک بفضل من دفن فی الارض المقدسۃ من الانبیاء والصالحین فاستحب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس سے پتھر پھینکے جانے تک کے فاصلہ پر دفن ہونے کی دعا مانگی۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں آپ اس وقت آرام فرما ہیں۔ اس دعا کی وجہ یہ تھی کہ وہ فضیلت حاصل ہو جائے جو اس مقدس زمین میں مدفون حضرات کو حاصل تھی یعنی حضرات انبیاء کرام اور دوسرے بہت سے اللہ تعالیٰ

مجاورتهم فی المماة کمافی الحیاة ولان الناس یقصدون المواضع الفاضلة ویزورون قبورها ویدعون لاھلھا. (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۴۹ باب من احب ان یدفن فی الارض المقدس)

کے برگزیدہ بندوں کی قربت حاصل ہو جائے تو آپ نے یہ پسند فرمایا کہ ان پاکیزہ لوگوں کا پڑوس زندگی کی طرح زندگی کے بعد بھی اچھا ہے اور اس لیے بھی کہ لوگ ان مقدس مقامات کی زیارت کرنے آتے ہیں' ان کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور ان میں مدفون حضرات کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اما من اتخذ مسجدفی جوار صالح اوصلی فی مقبرۃ وقصد الاستظھار بروحہ اووصول اثرما من اثرعبادتہ الیہ لالتعظیم لہ والتوجہ نحوہ فلاحرج علیہ الاتری ان مرقد اسماعیل علیہ السلام فی المسجد الحرام عند الحطیم ثم ان ذالک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلوتہ. (مرقات شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۲۰۲ باب المساجد مکتبہ امدادیہ ملتان' حاشیہ نسائی محمد محدث تھانوی ج ۱ ص ۱۱۵)

بہر حال کسی بزرگ کے مزار کے قریب مسجد بنانے یا اس کی قبر کے احاطہ میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس سے مقصد اس بزرگ کی روح سے مدد طلب کرنا یا عبادت میں اثر انگیزی ہو نہ کہ اس کی تعظیم اور اس کی طرف توجہ کر کے نماز پڑھنا مقصد اصلی ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مرقد منور بیت اللہ شریف میں حطیم کے اندر ہے پھر وہ مسجد حرام افضل ترین جگہ ہے کہ ہر نمازی وہاں نماز ادا کرنے کا مشتاق ہے۔

فاما من اتخذ مسجد اقرب رجل صالح اوصلی فی مقبرتہ قصدا للتبرک باثارہ واجابۃ دعا رھناک فلا حرج فی ذالک واضع لذالک بان قبراسماعیل علیہ السلام فی المسجد الحرام عند الحطیم ثم ان ذالک الموضع افضل مکان للصلوۃ فیہ. (اکمال اکمال المعلم شرح المسلم ج ۲ ص ۲۲۴)

بہر حال جو شخص کسی بزرگ کے مزار کے قریب مسجد تعمیر کرتا ہے یا اس کے جوار میں نماز پڑھتا ہے اور یہ اس لیے کرتا ہو کہ اس بزرگ سے برکت کا حصول ہو اور ان کے قرب کی بدولت دعا میں قبولیت آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے جواز پر حجت یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر انور بیت اللہ شریف میں حطیم کے اندر ہے پھر یہ جگہ نماز کے لیے افضل ترین قرار دی گئی۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے مزار کے قریب مسجد کی تعمیر اور وہاں نماز وغیرہ نیک افعال کی ادائیگی اس غرض سے کہ ایسا کرنے سے اس فعل میں برکت اور اس بزرگ پر اترنے والے فیوض و برکات کا حصہ ملے گا' کوئی گناہ نہیں بلکہ یہ امر مستحسن ہے اور اس کی دلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزار کی جگہ کو بیت اللہ شریف کا افضل ترین مقام قرار دیا جاتا ہے لہٰذا اس نیت کے ساتھ کام انجام دینے والوں کو روکنا اور اسے بدعت کہنا دراصل سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف چلنے پر اکسانا ہے اور دلوں سے اہل اللہ کی محبت نکالنا' ان کی عظمت سے منہ چڑانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا حرام ہے اور قبروں کے نزدیک مسجد بنانا جائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تا کہ لوگ ان کے قریب عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں۔ (معارف القرآن از شیخ الحدیث محمد ادریس کاندھلوی۔ زیر آیت لنتخذن علیھم مسجد ا)

فی المغنی لابن قدامۃ ویستحب الدفن فی

مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ ایسے قبرستان میں دفن ہونا بہت

المقبرة التي يكثر فيها الصالحون والشهداء لتناله بركتهم وكذالک في البقاع الشريفة وقد روى الشيخان باسناد هما ان موسى عليه السلام لما حضره الموت سال الله تعالى ان يدنيه الى الارض المقدسة رمية بحجر قال وجمع الاقارب في الدفن حسن لقول النبي ﷺ لما دفن عثمان بن مطعون ادفن اليه من مات من اهلي.

(اعلاءالسنن ج۸ص۲۶۸'مغنی ج۲ص۳۸۹)

اچھا ہے جس میں صالحین اور شہداء کرام کی قبور زیادہ ہوں تا کہ ان کی برکات کو وہ دفن ہونے والا بھی پالے ۔ یونہی دیگر مقامات مقدسہ میں دفن ہونا بھی بہت اچھا ہے ۔ بخاری و مسلم نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے اللہ! مجھے بیت المقدس کے قریب پتھر پھینکنے کی مسافت پر قبر نصیب کرنا نیز لکھا کہ اقارب کا ایک دوسرے کے قریب دفن ہونا بھی اچھی بات ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے دفنائے جانے کے بعد فرمایا تھا کہ میرے اہل میں سے جو انتقال کر جائے گا اسے میں اس کے ساتھ دفن کروں گا ۔

اس کے بعد صاحب اعلاء السنن نے لکھا: قلت ورواه ابو داود واسناده حسن میں کہتا ہوں اس روایت کو ابوداؤد نے لکھا اور اس کی اسناد حسن ہیں ۔

قارئین کرام! محدثین کرام نے اس بات کی تصریح فرمادی کہ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ کسی گناہ گار کی قبر بن جانا زہے نصیب کی بات ہے تا کہ ان کی برکات سے یہ بھی بہرہ ور ہو اور حضرات محدثین کا اس امر کو مستحب فرمانا اپنی طرف سے نہیں بلکہ حدیث حسن سے انہوں نے استدلال فرمایا ہے جیسا کہ ابھی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی گزرا ۔ حضور ﷺ کے مذکورہ ارشاد گرامی کو سن کر صحابہ کرام نے اپنے اپنے اقارب کو عثمان بن مظعون کے قریب دفن کرنا شروع کر دیا تھا لہٰذا حضرات اولیاء کرام کی بعد از وصال مجاورت بھی نہایت مفید اور باعث اجر وثواب ہے ۔ ایسا کیوں نہ ہو آخر رسول اللہ ﷺ ،صحابہ کرام ،محدثین اور علماء ملت کے نزدیک یہ سعادت بہت بابرکت اور اس کا انجام انتہائی مفید ہے ۔ اس مسئلہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بعد از وصال اللہ کے نیک بندے اپنے قرب میں بسنے اور آنے والوں کو مستفید فرماتے ہیں اور وہ باذن اللہ صاحب تصرف ہیں ۔ اس ذیلی مسئلہ کو ہم مختصر بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔

اولیاء کرام اپنی قبور میں تصرف کرنے میں زندگی میں تصرف کرنے سے زیادہ متصرف ہوتے ہیں

امام شافعی گفتہ است قبر موسیٰ کاظم تریاق مجرب است مر اجابت دعا رو حجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے درحیات استمداد کردہ می شود بوے بعد از وفات و یکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکند در قبور خود مانند تصرفائے ایشاں درحیات خود یا بیشتر شیخ معروف کرخی و شیخ عبد القادر جیلانی و دو کس دیگرے را از اولیائے شمردہ ومقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ یافتہ است گفتہ وسیدی احمد بن مرزوق کہ از اعاظم فقہاء وعلماء ومشائخ دیا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سیدنا امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تیر بہدف علاج ہے اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے اس کی اپنی زندگی میں طلب مدد کی جاتی رہی اس سے اس کے وصال کے بعد بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے ۔ مشائخ عظام میں ایک عظیم شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے چار مشائخ کرام کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی قبروں میں زندگی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تصرف کرتے ہیں اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو اور

مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابوالعباس حضرمی ازمن پرسید کہ امداد حی اقوی است یا امداد میت من بگفتم کہ قومے میگویند امداد حی قوی تراست و من میگوئم کہ امداد میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق است و در حضرت اوست ونقل درایں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازاں است کہ حصر واحصاء کردہ شود ویافتہ نمی شود در کتاب وسنت واقوال، سلف صالح کہ معانی ومخالفت ایں باشد ورد کند ایں را وتحقیق ثابت شدہ است بایات واحادیث کہ روح باقی است واورا علم وشعور بزائراں واحوال ایشاں ثابت است وارواح کاملاں راقربے ومکانتے درجناب حق ثابت است چنانکہ درحیات بود یابیشتر ازاں و اولیاء را کرامات وتصرف دراکوان حاصل است وآں نیست مگر ارواح ایشاں را وارواح باقی است ومتصرف حقیقی نیست مگر خدائے عزوجل وہما بقدرت اوست وایشاں فانی اند درجلال حق درحیات و بعداز ممات ۔ پس اگر دادہ شود مراحدے راچیزے بوساطت یکے از دوستان حق ومکانتے کہ نزد خدادارد دورنباشد چنانچہ درحالت مگر حیات بود۔ نیست فعل وتصرف درہردوحالت مگر حق راجل جلالہ وعم نوالہ ونیست چیزے کہ

فرق کند میاں ہر دو حالت

ویافتہ نشدہ است براں

(اشعۃ اللمعات ج ۱ص ۷۱۲ باب زیارۃ القبور)

حضرات کا انہوں نے نام لیا تھا لیکن چار کہنے سے مقصود صرف اتنے ہی ہونا نہیں ہے بلکہ یہ وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور دیکھی جانے والی امداد کے اعتبار سے فرماتے ہیں ۔ سیدی احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ جو کہ دیار مغرب کے عظیم فقیہ، عالم اور شیخ ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب ابوعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا بتاؤ زندہ کا مدد کرنا زیادہ قوی ہے یا فوت شدہ کا؟ میں نے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ کی امداد زیادہ قوت والی ہے۔ اس پر شیخ نے کہا ہاں بات یہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب خاص اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں۔ اس مسئلہ کے بارے میں ان حضرات سے اس قدر واقعات منقول ہیں۔ جن کا شمار کرنا طاقت سے باہر ہے اور کتاب وسنت میں اور سلف صالحین کے اقوال و ارشادات میں سے کوئی ایک حوالہ بھی اس کے خلاف اور اس کی نفی کرنے والا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کوئی ایسا قول موجود ہے جو کہ اس کا رد کرے اور آیات واحادیث سے یہ بات بالتحقیق ثابت شدہ ہے کہ روح نہیں مرتی اور اس کا علم اور زائرین کو جان لینا اور ہر آنے والی کی حالت معلوم کر لینا بھی روح کے لیے ثابت ہے اور کامل حضرات کی روحوں کا اللہ تعالیٰ کے حضور ایک خاص مقام ومرتبہ اور قربت بھی ثابت شدہ بات ہے ۔ یہ اسی طرح کا قرب ومقام ہے جو انہیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل تھا یا اس سے بھی اب زیادہ ہو گیا ہے اور حضرات اولیاء کرام کو اکوان عالم میں تصرف اور کرامات کا حصول بھی میسر ہے اور یہ سب باتیں ان کی ارواح کو حاصل ہیں اور وہ بہر حال زندہ ہیں اور حقیقی تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ سب کچھ اسی کی قدرت سے ہے اور یہ لوگ اپنی ظاہری زندگی اور وصال کے بعد دونوں میں اللہ تعالیٰ کے جلال میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں لہٰذا اگر کسی کو کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے ان دوستوں کے واسطہ سے اور ان کے اس مرتبہ ومکان کے ذریعہ جو انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاصل ہے دی جائے تو عقل ونقل سے بعید نہیں ہے ۔ یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح ان کی حیات دنیوی میں اللہ تعالیٰ ان کی وساطت اور

ان کے مقام ومرتبہ کی وجہ سے لوگوں کی ضروریات پوری فرماتا رہا۔ ان کی زندگی اور موت کے بعد دونوں حالتوں میں تصرفات دراصل اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کا تصرف ہوتا ہے اور ان دونوں حالتوں میں فرق کرنے والی کوئی دلیل موجود نہیں اور نہ ہی مل سکتی ہے۔

مذکورہ حوالہ سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

(۱) جو ولی ظاہری زندگی میں متصرف ہے وہ بعد از وصال بھی متصرف ہوتا ہے۔
(۲) سلف صالحین اور مشائخ اہل سنت کا مسلک ہے کہ اللہ کا بندہ قبر میں جا کر بھی تصرف کرتا ہے۔
(۳) انتقال کے بعد تصرف فرمانے والے حضرات کی گنتی نہیں ہو سکتی یعنی ایسے لاتعداد لوگ ہیں۔
(٤) ایک ولی انتقال کے بعد تصرف کرنے میں اپنی زندگی میں تصرف کرنے سے زیادہ قوت والا ہو جاتا ہے۔
(٥) کتاب وسنت میں بعد از وصال بزرگان دین کے تصرف نہ کرنے پر کوئی دلیل موجود نہیں۔
(٦) بعد از وصال روح مرتی نہیں اس لیے اس کا علم وشعور بدستور موجود ہوتا ہے۔
(٧) اولیاء کرام زندگی اور موت کے بعد دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے جلال میں مستغرق ہوتے ہیں۔
(٨) ان حضرات کے توسط سے کسی کو جو کچھ ملتا ہے درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے۔
(٩) زندگی میں متصرف ہونا اور ماننا اور فوت ہونے کے بعد اس کی نفی کرنا اس پر کوئی دلیل نہیں۔
(١٠) زائر کو جاننا' ان کی حالت کا علم ہو جانا اس کا تعلق روح ولی کے ساتھ ہے وہی متصرف بھی ہے کیونکہ وہ باقی ہے۔

تلک عشرۃ کاملہ .فاعتبروا یا اولی الابصار

مزارات اولیاء پر گنبد بنانے کا جواز

حضرات اولیاء کرام کے مزارات پر گنبد نما عمارت کی تعمیر پر بھی وہی لوگ اعتراض کرتے ہیں جو ان کے قرب وجوار میں مساجد کی تعمیر کو ناجائز کہتے ہیں۔ مساجد کی تعمیر کے جواز کے بعد ہم نے مناسب سمجھا کہ مزارات اولیاء کرام پر قبہ جات کو حرام کہہ کر انہیں گرا دینے کا حکم دینے والوں کے دلائل بمعہ جواب ذکر کر دیئے جائیں تاکہ یہ موضوع مکمل ہو جائے۔

مانعین دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نھی رسول اللہ ﷺ ان یجلس القبروان یبنی علیہ وان یقعد علیہ رواہ صحیح مسلم ترجمہ: حضور ﷺ نے قبر کو گچ چونا کرنے، اس پر تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے"۔ جب کہ اس ارشاد نبوی میں صاف صاف مذکور ہے کہ قبروں پر کسی قسم کی تعمیر ممنوع ہے تو پھر یہ گنبد والی عمارتیں (قبہ جات) تعمیر کرنا خلاف شرع ہوا۔ آیئے! ذرا اس حدیث پاک کی تشریح اور مقصود معلوم کرنے کی کوشش کریں تاکہ واضح ہو سکے۔ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشھورین لیزورھم الناس ویستریحوا بالجلوس فیہ. (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۹ باب دفن المیت)

سلف صالحین نے مشائخ عظام اور مشہور علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آیا کریں اور ان تعمیر شدہ عمارتوں کے سایہ میں آرام وسکون حاصل کر سکیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مزارات پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس تعمیر کی وجہ سے صاحب قبر عالم دین یا

بزرگ ہستی اوروں سے ممتاز ہو جائے گی۔ اس امتیاز کی بنا پر لوگ ان کی زیارت کرنے آئیں گے اور پھر اس عمارت کا یہ فائدہ بھی اٹھائیں گے کہ گرمی سردی میں یہاں ٹھہر کر اور بیٹھ کر راحت و سکون حاصل کریں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کرام اور مشائخ عظام کی قبور پر قبہ جات بنتے چلے آرہے ہیں اور جو نہ عالم دین اور نہ ہی کسی طریقت کے راہ رو ہوں۔ ان کی قبریں بغیر گنبدوں کے ہوتی ہیں کیونکہ نہ وہ قبروں پر جانا جائز سمجھتے ہیں نہ کوئی وہاں جاتا ہے لہٰذا وہاں استراحت کی خاطر قبہ تعمیر کرنا بیکار ہے۔ پچھلی وجہ جواز کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں۔

قلت ویستفاد منه اذا کانت الخیمة لفائدة مثل ان یقعدا القراۃ تحتھا فلا تکون منھیا.

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کوئی قبر پر لگایا گیا خیمہ کسی فائدہ کے لیے لگایا گیا ہو مثلاً یہ کہ اس کے نیچے بیٹھ کر قاری صاحبان قرآن کریم کی تلاوت کریں تو یہ ممنوع نہیں۔

وھی الاشارة الی ان ضرب الفسطاط ان کان لغرض صحیح قد تستر من الشمس مثلا للاحیاء لالاظلال المیت فقد جاز فکانه یقول اذا کان علی القبور لغرض صحیح لا لقصد المباحات جاز کما یجوز القعود علیه لغرض صحیح لالمن احدث علیه۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۸ ص ۱۸۳ باب الجرید علی القبر)

اور یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ قبر پر خیمہ نصب کرنا اگر کسی صحیح غرض کے لیے ہو مثلاً زندہ لوگوں کو دھوپ سے بچاؤ کے لیے نہ کہ میت پر سایہ کرنے کے لیے تو یہ یقیناً جائز ہے گویا کہتا ہے کہ جب قبر پر خیمہ وغیرہ کسی صحیح غرض کے لیے نصب کیا جائے نہ کہ فخر وریاء کی خاطر تو یہ جائز ہے جیسا کہ صحیح غرض کی خاطر قبر پر بیٹھنا جائز ہے نہ کہ اس پر بیٹھ کر بول و براز کیا جائے۔

نوٹ: علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری نے درج بالا تشریح ایک حدیث پاک کے ضمن میں لکھی جس میں حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم صحابہ میں سے چھلانگ لگانے میں سب سے زیادہ قوی وہ ہوتا جو حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ لیتا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ عثمان بن مظعون کی قبر پھلانگنی اس لیے مشکل تھی کہ وہ عام قبروں سے زیادہ اونچی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر بہت بڑا پتھر بطور نشانی رکھا تھا جسے کوئی اٹھا نہیں سکتا تھا۔ یہ پتھر ان کی یادگار نشانی کے طور پر تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی قبر گرانا یا توڑنا رسول اللہ ﷺ کے عمل کے خلاف ہے اور حضرات صحابہ کرام کے عمل کے بھی خلاف ہے کیونکہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر حضرات صحابہ کرام کے دور میں تعمیر ہوئی جس پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ یہاں ایک تاریخی واقعہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا وہ یہ کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک ایک مرتبہ جنت البقیع میں آیا اور دیکھا کہ عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے اتنا اونچا پتھر موجود ہے جس کی وجہ سے ان کی قبر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی قبر سے بھی بلند دکھائی دیتی تھی خلیفہ کو غصہ آیا اس نے وہاں سے پتھر ہٹانے کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پتھر وہاں سے ہٹا دیا کسی نے بلند آواز سے کہا اے خلیفہ! یہ وہ پتھر ہے جسے سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے دست اقدس سے یہاں رکھا تھا۔ یہ سن کر وہ نادم ہوا اور خود اس پتھر کو اٹھا کر دوبارہ اسی جگہ نصب کر دیا۔ یہ واقعہ اور اس سے قبل کے حوالہ جات اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ کسی نیک بندے کی قبر پر قبہ، خیمہ یا اور کوئی ایسی چیز جو اس کی نشانی کے طور پر کام آسکے تاکہ لوگ وہاں زیارت کرنے آئیں آرام و سکون پائیں اور دیگر فوائد حاصل کریں تو وہ تعمیر جائز اور مستحسن ہے۔

لایکرہ البناء اذا کانت المیت من المشائخ والعلماء والسادات . والیوم اعتادوا التسنیم باللبن صیانة للقبر عن النبش وراوا ذالک حسنا. وقال

میت جب مشائخ عظام، علماء کرام اور سادات میں سے وہ کسی کی ہو تو اس پر تعمیر کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ان دنوں لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ اینٹوں سے قبر کی کوہان ایسی بلندی تک پختہ کی

ﷺ ماراٰی المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن . (ردالمحتار ج۲ص۲۳۷ مطلب فی دفن المیت کتاب الجنائز)

جاتی ہے تاکہ قبر کو خرد برد ہونے سے بچایا جاسکے اور علماء نے اسے اچھا عمل سمجھا ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہی ہوتا ہے۔

قال الشیخ عبد الغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ماخلاصتہ ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ المقصود للشرع تسمی سنۃ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستر والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقر واصاحب ھذا القبر وکذاایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد فیھا مقصد حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیمالھم محبۃ فیہ جائز ایضالا ینبغی النھی عنہ. (روح البیان ج۳ص۴۰۰ زیرآیت انما یعمر مساجداللہ)

سیدی شیخ عبد الغنی النابلسی نے "کشف النور عن اصحاب القبور" میں لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اچھا اور نیا کام جو شریعت کے موافق ہو اسے سنت کہا جاتا ہے۔ پس علماء کرام، اولیاء عظام اور بزرگان دین کی قبور پر قبہ جات کی تعمیر، ان پر چادریں ڈالنا' پگڑیاں رکھنا اور دوسرے کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ ان کاموں سے مقصد یہ ہو کہ صاحب قبر کی عوام میں عظمت اجاگر ہو جائے تاکہ وہ اس میں مدفون بزرگ کو حقیر نہ جانیں۔ یونہی قندیل اور شمع کا ان کی قبور کے پاس روشن کرنا یہ بھی ان اولیاء کرام اور بزرگان دین کی تعظیم اور بزرگی کی خبر دیتا ہے لہٰذا ان افعال کے مقاصد اچھے ہیں اور تیل و شمع ان کی قبور کے قریب جلانے کی نذر ماننا اور ان کی تعظیم کے پیش نظر اور ان کی محبت کی علامت کے طور پر ہو تو یہ بھی جائز ہے اس سے روکنا نہیں چاہیے۔

درآخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام برظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز ہا افزودند تا از آنچہ ہیبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصا در دیار ہند کہ اعداء دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔

(سفرالسعادات ص۲۷۲ مطبوعہ نوریہ رضویہ باب زیارۃ القبور)

اس آخری زمانہ میں جبکہ عوام کی نظر صرف ظاہر پر ہی ہوتی ہے حضرات مشائخ عظام اور دیگر بزرگان دین کے مزارات تعمیر کرنا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنا ایسی اور بہت سی باتیں علماء کرام نے بڑھائیں تاکہ اس سے مسلمانوں اور دین داروں کی ہیبت اور ان کا رعب دکھائی دے خصوصاً متحدہ ہندوستان کے شہروں میں کہ جہاں ہندو اور دوسرے کافر بہت سے بستے ہیں ان کے درمیان اللہ کے نیک بندوں کی شان کو بلند کرنا اور ان کے مزارات کو بارعب بنا کر ان کے سامنے سرنگوں ہونے کی علامت کو رواج دینا بہت ضروری ہے اور بہت سے کام اور تعمیرات جو سلف صالحین کے زمانہ میں مکروہات کے قبیلہ میں شمار ہوتی تھیں ان کے بعد والے زمانہ میں وہی کام مستحسن ہو گئے ہیں۔

گذشتہ حوالہ جات سے جو امور سامنے آتے ہیں کہ جن کی بنا پر قبہ جات کی تعمیر مستحسن قرار پائی وہ یہ ہیں۔

(۱) بزرگان دین کے مزارات پر قبہ جات بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ زائرین کو عوام و خواص میں فرق محسوس ہوگا۔
(۲) ان تعمیر شدہ گنبد نما عمارتوں کے سایہ میں زائرین و مسافر آرام کیا کریں گے۔
(۳) قرآن کریم کی تلاوت اور دیگر اذکار ان میں بیٹھ کر پڑھنے میں آسانی رہے گی۔

(٤) ان علامات سے صاحب قبر کا رعب غیر مسلموں پر پڑے گا۔
(٥) عوام ان حضرات کی قبور کو خرد برد ہونے یا کرنے سے اجتناب کریں گے۔
(٦) قبہ جات کی طرح ان حضرات کی قبور پر چراغ جلانا، غلاف چڑھانا اور جھنڈے وغیرہ نصب کرنا ان کی تعظیم و اجلال کے اظہار کی علامتیں ہیں۔
(٧) ان مقاصد حسنہ کے پیش نظر علماء متاخرین نے ان تمام امور کو مستحسن قرار دیا ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی اعتراض میں ہم نے تحریر کیا تھا جس کی روشنی میں عرف زمانہ سے جاہل لوگ اولیاء کرام کے مزارات پر قبہ جات اور وہاں روشنی کرنے کو بدعت سیئہ کہہ کر روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جناب شیخ محقق نے اس کا خوب جواب دیا کہ بہت سے کام جو سلف صالحین کے دور میں مکروہ تھے متاخرین نے انہیں مستحسن قرار دیا کیونکہ اب وہ حالات نہ رہے جن کی وجہ سے ان میں کراہت تھی بلکہ دیگر بہت سے فوائد چونکہ ان کاموں سے متعلق ہو چکے تھے جن کی بنا پر ان کے جواز کا قول کیا گیا مثلاً ائمہ مساجد قرآن کریم کی تعلیم دینے والے حضرات اور علوم دینیہ کے مدرسین کی تنخواہ زمانہ سلف میں معیوب و مکروہ تھی لیکن حالات کی تبدیلی کی وجہ سے خطرہ محسوس ہوا کہ اگر ان لوگوں کے وظائف مقرر نہ کئے گئے تو مسجدیں بے رونق اور مدارس غیر آباد ہو جائیں گے اس لیے شیخ محقق وغیرہ حضرات نے ایک طرف احادیث کے مقصود پر بھی نگاہ رکھی اور دوسری طرف حالات و ضروریات کو بھی پیش نظر رکھ کر جو کہا وہ مقاصد شریعت کے بالکل مطابق ہے اسی لیے صاحب درمختار نے ج ۲ ص ۲۳۷ اور مراقی الفلاح میں علامہ طحطاوی نے مزارات پر قبہ جات وغیرہ کی تعمیر اور عدم تعمیر دونوں اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھا۔ "**لاباس به وهو المختار** ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہی قول مختار ہے"۔

وكان سيدى على واخى افضل الدين يكرهان بناء القبه على القبر ووضع التابوت الخشب والستر عليه ونحو ذالك لاحادالناس ويقولون هذا لايليق الابالانبياء ومن ادناهم من الاولياء الاكابروامانحن فمقامنا الدفن تحت نعال الناس فى الشوارع. (لواقع الانوار القدسیہ الشعرانی مطبوعہ مصر)

میرے شیخ علی اور میرے بھائی افضل الدین دونوں عام لوگوں کی قبر پر قبہ بنانے اور لکڑی کا صندوق رکھنے اور چادر وغیرہ ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ سلوک صرف حضرات انبیاء کرام اور ان کے قریب مرتبہ والے اولیاء کاملین کے ساتھ ہی ہونا چاہیے رہے، ہم تو ہمیں عام لوگوں کے قدموں میں کسی راستے میں دفن کر دینا چاہیے۔

سیدی علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ جو دسویں صدی کے عظیم بزرگ اور یکتا عالم ہوئے ہیں وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ قبہ جات ہر کس و ناکس کی قبر پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کاملین کے مزارات اس شان والے ہیں کہ لوگوں کے لیے عام و خاص کی قبر میں امتیاز کی خاطر ان کے مقابر پر قبہ جات کی تعمیر اچھی ہے لہٰذا جو لوگ عام و خاص کے لیے کوئی امتیاز کیے بغیر سب کے بارے میں یہی حکم لگاتے ہیں کہ کسی قبر پر بھی قبہ بنانا ناجائز ہے وہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں جناب حسن مثنیٰ کا واقعہ ذکر کرنا استفادہ سے خالی نہ ہوگا۔ بخاری شریف میں تعلیقاً یہ روایت موجود ہے۔

قال لما مات الحسن بن حسن بن على رضى الله عنه ضربت امراته القبة اى الخيمة على قبره سنة الظاهر انه لاجتماع الاحباب للذكر والقراة وحضور الاصحاب للدعاء والمغفرة والرحمة واما

جب حسن مثنیٰ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ لگائے رکھا۔ ظاہراً یہی معلوم ہوا کہ یہ خیمہ دوستوں کے لیے لگایا گیا ہوگا جو اجتماعی طور پر ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرتے ہوں گے اور ان لوگوں کے لیے نصب کیا گیا ہوگا جو

حمل فعلها علی العبث المکروہ کما فعل ابن حجر فغیر لائق بصنیع اھل البیت۔ (مرقات شرح مشکوۃ ج ۴ ص ۱۰۵ باب البکاء علی المیت مطبوعہ امدادیہ ملتان)

دعائے مغفرت اور طلب رحمت کے لیے آتے ہوں گے لیکن آپ کی بیوی کا خیمہ لگانا اسے بیکار اور مکروہ فعل کہنا جیسا کہ ابن حجر نے کہا۔ اہل بیت کے کردار کے لائق نہیں۔

جناب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مزارات پر قبہ جات یا خیمہ جات بنانے اور لگانے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ ان کو جائز اور مفید کاموں میں استعمال کیا جائے لہٰذا غرض صحیح کی خاطر قبہ جات کی تعمیر جائز ہے۔ جب جواز کے مواقع ہوں تو پھر خواہ مخواہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح انہیں یکطرفہ مکروہ اور عبث کہنا قطعاً درست نہ ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کے حکم سے قبروں کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لاتدع تمثا لا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الاسویتہ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ کتاب الجنائز)

ابو الہیاج اسدی کہتے ہیں کہ مجھے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسے کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ کسی مورتی کو مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کسی قبر کو جو بلند نظر آئے اسے برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اونچی بنی ہوئی قبریں زمین کے ساتھ ہموار کرائیں اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی ابو الہیاج سے یہی کام کروایا تو پتہ چلا کہ قبروں پر گنبد وغیرہ عمارات تعمیر کرنا ناجائز ہیں اور ان کا گرا دینا مسنون ہے۔

جواب اول: حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلند قبروں کے مسمار کرنے کا جو حکم دیا وہ از روئے زجر و تنبیہ تھا کیونکہ کچھ لوگوں نے طریقہ اپنا لیا تھا کہ وہ قبریں اونچی بنا کر اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ آپ کے ارشاد گرامی سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ قبریں حد سے زیادہ بلند کرنے پر فخر کرنا درست نہیں۔ نفس قبر کو جو حد اعتدال پر بنی ہو اسے زمین کے برابر کر دینا نہ آپ کا مقصد تھا اور نہ ہی ایسا کرنے کا آپ نے حکم دیا۔ اگر ایسی احادیث کو ہر قبر کے مسمار کرنے پر دلیل بنایا جائے تو پھر یہ احادیث خلاف سنت ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہ رہیں گی اسی لیے شارحین کرام نے اس کی تشریح میں یہی انداز اختیار فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔

فیہ مبالغۃ للزجر علی البناء والا فلا یجوز تسویتہ بالارض حقیقۃ اذا السنۃ ان یعلم القبروان یرفع شبرا کقبرہ علیہ السلام کما رواہ ابن حبان فی صحیحہ. قال ابن الھمام ھذا الحدیث محمول علی ما کانوا یفعلونہ من تعلیۃ القبور بالبناء العالی ولیس مرادنا ذالک بتنیم القبر بل بقدر ما یبدو من الارض ویتمیز عنھا واللہ سبحانہ اعلم. وقد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشھورین لیزورھم الناس ولیستریحوا بالجلوس فیہ.

اس حدیث پاک میں قبر پر تعمیر کرنے میں مبالغہ پر ڈانٹ ہے ورنہ کسی قبر کو حقیقۃً زمین کے ساتھ ہموار کر دینا جائز نہیں کیونکہ سنت یہ ہے کہ قبر عام زمین سے ممتاز ہونی چاہیے یعنی کچھ بلند ہونی چاہیے اور تقریباً ایک بالشت سطح زمین سے اونچی ہونی چاہیے جیسا کہ خود حضور ﷺ کی قبر انور ہے جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کی روایت کی ہے۔ ابن حبان نے کہا۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے تاکہ کچھ لوگ قبور کی بلند تعمیرات سے شیخی اور تکبر کیا کرتے تھے۔ ہم جو قبر کو اونٹ کی کوہان کے برابر بلند کرنے کا کہتے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ قبر عام زمین کی سطح سے اتنی اونچی ہونی چاہیے کہ وہ دور سے نظر آئے اور زمین سے علیحدہ دکھائی دے۔

(مرقات ج ۴ ص ۶۸ تا ۶۹ باب دفن المیت فصل اول)

واللہ اعلم۔ سلف صالحین نے مشائخ عظام اور مشہور علماء کی قبور پر تعمیر کو مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کرنے جایا کریں اور ان میں بیٹھ کر آرام حاصل کیا کریں۔

جناب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ کی خوب وضاحت فرمادی جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا ابو ہیاج اسدی نے جن قبور کو گرایا وہ اتنی بلند تھیں جو ضرورت سے زیادہ اور وہ بھی شیخی بگھارنے کے لیے تھیں۔ ان میں نہ ایسے لوگ مدفون تھے جو عوام سے ممتاز ہوں اور نہ ان کی اغراض ایسی تھیں جو قابل تعریف ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی کہ قبروں کو سطح زمین سے ممتاز رکھو یعنی تقریباً ایک بالشت بلند بناؤ۔ آپ کی قبر انور بھی سطح زمین سے بلند بنائی گئی جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں بنی تو اگر مقصد یہ ہوتا کہ قبر کو بالکل زمین سے پیوست کر دو تو پھر سطح زمین سے ممتاز رکھنے والی احادیث سے ان کا ٹکراؤ ہوگا اس لیے نتیجہ یہی نکلا کہ عام آدمی کی قبر سطح زمین سے بالشت بھر اونچی رکھنا سنت ہے اور مشائخ عظام و علماء کرام کی قبور پر اگر اس لیے کوئی تعمیر بنائی جائے کہ لوگ وہاں آرام و سکون پائیں اور ذکر و اذکار کی رونق جمائیں تو ان مقاصد کی خاطر ان پر تعمیر سلف صالحین نے مباح قرار دی ہے۔

جواب دوم: بخاری شریف میں امام بخاری نے "باب ہل تنبش قبور مشرک الجاہلیہ" میں ایک حدیث پاک روایت کی کہ مسجد نبوی کے وقت وہاں موجود یہود و نصاریٰ کی قبور اکھاڑ دی گئیں ہیں۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی رقمطراز ہیں۔

لان معناه ظاهر وهو جواز نبش قبور المشركين لانهم لاحرمة لهم فيستفاد منه عدم جواز نبش قبور غيرهم سواء كانت قبور الانبياء اوقبور غيرهم من المسلمين لمافيه من الاهانة لهم فلا يجوز ذالك لان حرمة المسلم لاتزول حيا وميتا۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۴ ص ۱۷۲ مطبوعہ بیروت باب ہل تنبش قبور مشرک الجاہلیہ)

اس کا معنیٰ واضح ہے اور وہ یہ کہ مشرکین کی قبور کو اکھاڑ پھینکنا جائز ہے کیونکہ ان کی قطعاً کوئی عزت نہیں۔ سو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ مشرکین کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر چاہے وہ پیغمبروں میں سے کسی کی ہو یا عام مسلمانوں میں سے کسی مسلمان کی اس کو منہدم کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں ان کی اہانت ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگی۔ دلیل یہ کہ مسلمان کی عزت و حرمت اس کی حیات و ممات دونوں میں قائم رہتی ہے۔

قارئین کرام! شروح احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جن قبور کے مسمار کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا تھا یا انہوں نے ابو ہیاج اسدی کو جو حکم دیا۔ اس کا تعلق مشرکین و کفار کی قبور کے ساتھ تھا۔ ان کے غیر کے لیے ہرگز نہ تھا کیونکہ مشرکین و کفار زندگی اور موت دونوں حالتوں میں قابل عزت نہیں ہوتے لہٰذا ان کی قبور کو مسمار کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن عام مسلمان اپنی حیات و ممات دونوں میں اللہ کے نزدیک معزز و مکرم ہوتا ہے تو ان کی قبور کو مسمار کرنا ان کی اہانت کے مترادف ہوگا اور اس سے بڑھ کر حضرات انبیاء کرام کی قبور مقدسہ کو مسمار کرنے کا معاملہ ان کی اہانت متصور ہوگی جس سے مسمار کرنے والا اور کرانے والا دونوں اہانت پیغمبر کے مرتکب ہونے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے لہٰذا ایسا اہانت بھرا کام نہ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے متوقع اور نہ ہی ایسے کام کا حکم دینا ان سے جائز اس لیے جو لوگ اس حدیث سے بزرگان دین کی قبور کو مسمار کرنے اور انہیں اکھاڑ پھینکنے کا فتویٰ دیتے ہیں وہ کسی طرح بھی اہانت مسلم سے بچ نہیں سکتے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔

جواب سوم: حضور ﷺ کا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قبروں کو مسمار کرنے کا حکم دینا۔ اگر ہر ایک قبر کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو پھر خود رسول اللہ ﷺ کا عمل شریف اور مشاہدہ مبارکہ اس کے خلاف جائے گا کیونکہ طبقات ابن سعد وغیرہ کتب احادیث میں

یہ بات واضح الفاظ میں موجود ہے کہ حضور ﷺ حضرات صحابہ کرام کی نماز جنازہ پڑھاتے اور ان کی قبریں بننے کے بعد واپس تشریف لاتے۔ آپ کی موجودگی میں صحابہ کرام کی قبور سطح زمین سے بلند بنائی گئیں اور آپ نے انہیں پیوست کرنے اور مسمار کرنے کا حکم نہ دیا۔ اگر ہر قبر منہدم کرنے کا حکم ہوتا تو پھر آپ کی موجودگی میں کسی صحابی کی قبر کو نہ اونچا بنایا جاتا اور نہ اونچا رہنے دیا جاتا لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کا حکم مشرکین کی قبور کے لیے تھا۔

جواب چہارم: حضور ﷺ نے ایک صحابی حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر عام حالت سے زیادہ اونچی بنوائی۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

قال خارجة بن زيد رايتني ونحن شبان في زمان عثمان رضي الله عنه وان اشدنا وثبة الذي يثب قبر عثمان ابن مظعون حتى يجاوزه فتح الباری وفيه جواز تعلية القبر ورفعه عن وجه الارض. ومناسبة من وجه ان وضع الجريد على القبر يرشد الى جواز وضع مايرتفع به ظهر القبر عن الارض.

(بخاری مع فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۷۳ باب الجریدۃ مطبوعہ مصر)

حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ ہم بہت سے ساتھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اپنے میں سے اس ساتھی کو سب سے بڑا طاقتور اور چھلانگ لگانے میں سب سے زیادہ کامیاب قرار دیا کرتے تھے جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر سے چھلانگ لگا کر دوسری طرف چلا جاتا۔ اس حدیث پاک میں قبر کو عام حالت سے زیادہ لند کرنا اور زمین سے اونچا کرنے کا جواز ملتا ہے۔ عنوان کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ قبر پر ٹہنی گاڑنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ قبر پر کوئی ایسی چیز رکھنا یا بنانا کہ جس سے وہ (قبر) سطح زمین سے ابھری ہوئی دکھائی دے۔

قارئین کرام! سیدنا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کی بلندی بہرحال عام حالات سے کہیں زیادہ تھی ورنہ ایک بالشت تک سطح زمین سے اونچی قبر کو چھلانگ لگا کر عبور کر لینا کوئی طاقتوری اور ناموری نہیں یہ تو بچہ بھی کر سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی قبر انور کی بلندی چھ سات فٹ تک ہوگی جسے پھلانگنے والا سب سے زیادہ اونچی چھلانگ لگانے والا بن جاتا تھا۔ ایک ان کی قبر کی بلندی اور دوسری بات رسول اللہ ﷺ کا ایک مسلمان کی قبر پر سبز ٹہنی گاڑنا ان دونوں احادیث اور فعل رسول ﷺ سے امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ مسئلہ استنباط فرماتے ہیں کہ مسلمان کی قبر سطح زمین سے بلند کرنا یا اس پر کوئی ایسی علامت نصب کرنا جو دور سے دکھائی دیتی ہو جائز اور مشروع ہے لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جو حکم دیا گیا وہ مسلمانوں کی قبور کے لیے نہ تھا کیونکہ ان کے گرانے اور مسمار و منہدم کرنے میں ان کی توہین ہوتی ہے۔

جواب پنجم:

عن كثير بن زيد المدني عن المطلب قال لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازته فدفن فامر النبي ﷺ رجلا ان ياتيه بحجر فلم يستطع حمله فقام اليها رسول الله ﷺ وحسر عن ذراعيه قال كثير قال المطلب قال الذي يخبرني ذالک عن رسول الله ﷺ قال كاني انظر الى

کثیر بن زید مدنی جناب مطلب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ ان کا جنازہ اٹھایا گیا پھر نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد دفن کیے گئے تو حضور ﷺ نے ایک شخص کو پتھر لانے کا حکم دیا وہ گیا لیکن پتھر نہ اٹھا سکا۔ تب خود حضور ﷺ اٹھے اور آستین چڑھا کر اسے اٹھانے لگے۔ راوی مطلب بیان کرتے ہیں کہ جس نے مجھے

بیاض ذراعی رسول الله ﷺ حین حسر عنهما ثم حملها فوضعها عند راسه وقال اتعلم بها قبر اخی وادفن الیه من مات من اهلی.

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۱ باب جمع الموتی فی قبر مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی)

یہ واقعہ بیان کیا وہ یہاں تک واقعہ سنانے کے بعد کہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ میں اب بھی آپ ﷺ کے مبارک بازوؤں کی سپیدی دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے وہ پتھر اٹھا کر جناب عثمان کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا: اس نشانی کی وجہ سے میرے بھائی کی قبر پہچانی جائے گی اور میرے اہل وعیال میں سے جس کا انتقال ہوا میں اسے اس کے ساتھ دفن کروں گا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی قبر کو باقی اور دیر تک قائم رکھنے کے لیے کوئی نشانی مقرر کر دینا جائز ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نیک آدمی کے قرب وجوار میں دفن ہونا باعث برکت ہے۔ بہرحال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو مسمار نہیں کیا گیا بلکہ اس کے سرہانے ایک بڑا پتھر رکھا گیا جس کی وجہ سے وہ قبر پہچانی جاتی رہی۔ اگر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دینے کا مطلب یہ لیا جائے کہ کسی کی قبر کو باقی نہ رہنے دیا جائے اور سب قبریں پیوست زمین کر دی جائیں تو پھر حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پتھر رکھنے کا کیا معنیٰ ہوگا؟ لہٰذا ان دونوں اقسام کی احادیث کو تطبیق دی جائے گی اور وہ یہ کہ مشرکین کی قبور کو مسمار کر دینا جائز ہے' مسلمانوں کی قبور کا انہدام درست نہیں۔ بات واضح ہے کہ جب صالحین کی قبور کے پاس مرنے والے کو دفنانے کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے تو اگر کسی صالح یا غیر صالح کی قبر ہی باقی نہ چھوڑی جائے تو پھر اس ارشاد گرامی کا مطلب کیا ہوگا؟

ایک شبہ

ابوداؤد کی مذکورہ روایت مجہول ہے کیونکہ راوی مطلب کہتا ہے ''مجھے اس نے خبر دی جس نے یہ واقعہ دیکھا'' یہ دیکھنے والا نامعلوم ہے لہٰذا روایت مجہول ہوئی جس سے استنباط واستدلال درست نہیں۔

جواب: جناب مطلب کے بیان سے یہ بات تو صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی صحابی رسول ہے اور قانون یہ ہے کہ صحابی کا نام نہ لیا جانا سند میں جرح پیدا نہیں کرتا۔ یہی جواب اعلاء السنن میں حدیث مذکور کے تحت ظفر احمد عثمانی دیو بندی نے بھی دیا ہے۔

واسناده حسن لیس فیه الا کثیر بن زید راویه عن المطلب وهو صدوق وقد بین المطلب ان مخبرا اخبره به ولم یسمه ولا یضر ابهام الصحابی فقال صاحب ردالمحتار فان الکتابة طریق الی تعرف القبر.

(اعلاء السنن ج ۸ ص ۲۶۷ باب النہی عن تجصیص القبور)

اس روایت کی اسناد حسن ہیں۔ اس میں کثیر بن زید نے جناب مطلب سے روایت کی اور وہ صدوق ہے اور مطلب نے بیان کیا ''کہ بتانے والے نے مجھے بتایا''۔ اس کا نام نہیں لیا اور صحابی کے ابہام سے کوئی ضرر نہیں آتا۔ پس صاحب ردالمحتار نے لکھا کہ قبر پر کتبہ لگانا بھی ایک طریقہ ہے جس سے قبر کی پہچان ہوتی ہے۔

جواب ششم:

ابن القصار البناء علی القبر وفوقه انما یکره فی مقابر المسلمین للتضیق علیهم واما فی ملک الرجل فجائز وافتی ابن رشد بوجوب هدم مابنی فی مقابر المسلمین من السقائف والقبب والروضات وان لایبقی من جدرانها الاما یمیزه

ابن القصار نے کہا کہ قبر پر کوئی عمارت بنانا اور اسے اونچا کرنا مسلمانوں کے قبرستان میں بایں وجہ مکروہ ہے کہ ایسا کرنے سے ان پر تنگی کا اندیشہ ہے اگر قبر کی جگہ کسی کی اپنی ملکیت ہے تو پھر یہ جائز ہے۔ ابن رشد نے فتویٰ دیا ہے، کہ مسلمانوں کے قبرستان میں چبوترے، گنبد اور روضہ جات کا گرانا واجب ہے اور صرف اس

الرجل قبر قريبه لان لاياتي من يريد الدفن في ذالك الموضع وقدر ما يدخل معه من كل جهته دون باب ونقض ذالك لربه قال فان كان في ملك الرجل فحكمه حكم بناء الدور. واماالحائط اليسير الارتفاع للتميز مابين القبور فلا باس لما صح الحاكم في مستدركه احاديث النهي عن البناء والكتب قال وليس عليهما العمل لان ائمة المسلمين شرقا وغربا مكتوبا على قبورهم وهو عمل اخذه الخلف عن السلف.

(اکمال الاکمال ج ۳ ص ۹۸ مطبوعہ بیروت احادیث البناء علی القبر)

قدر قبر کی دیوار اونچی رکھی جائے کہ اس کے قریب والی قبر اور اس کے درمیان امتیاز باقی رہے تاکہ کوئی یہاں نئے مردے کو دفنانے کا ارادہ نہ کر بیٹھے اور اندازہ اس کا کہ داخل ہو اس کے ساتھ ہر طرف سے سوائے دروازے کے توڑنے سے (جس جگہ دفن کیا گیا ہے اگر وہ جگہ) اس مرنے والے کی ملکیت میں ہے تو اس کا حکم مکانات بنانے کا ہے لیکن معمولی سی دیوار جو قبروں کے درمیان امتیاز کرتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب حاکم نے مستدرک میں تعمیر اور کتابت کی نہی کے بارے میں وارد احادیث کی تصحیح کی تو کہا کہ اب دونوں پر عمل نہیں کیونکہ مسلمانوں کے پیشواؤں کی قبور پر مشرق و مغرب میں ان دونوں باتوں کا وقوع ہے۔ یہ وہ عمل ہے جسے سلف صالحین سے ان کے خلفاء نے حاصل کیا۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا حوالہ سے وہ ممانعت جو سامنے آئی وہ یہ کہ عام قبرستان میں موجود کسی قبر کے اردگرد کوئی تعمیر کی گئی یا باغیچہ وغیرہ بنایا گیا تو پھر مسلمانوں کو اپنے فوت شدہ افراد کے دفنانے میں جگہ کی کمی کی وجہ سے دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا جبکہ وہ جگہ جہاں کوئی تعمیر کی گئی سب کے مشترکہ استعمال کے لیے تھی اور اگر یہ خدشہ نہ ہو تو پھر بناء علی القبر میں کراہت نہیں کیونکہ ہر قبر کا کچھ نہ کچھ امتیاز رہنا چاہیے تاکہ اس کا احترام کیا جاسکے اور نئے فوت ہونے والے کو وہاں دفن کرنے سے احتراز ہو سکے۔ شارح مسلم آخر میں لکھتے ہیں کہ قبر پر بناء اور کتابت والی احادیث اگرچہ صحیح ہیں لیکن ائمہ مسلمین عرصہ دراز سے اس پر عمل نہیں کر رہے اس لیے کہ سلف صالحین کو انہوں نے ایسا کرتے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جن قبور کے گرانے کا حکم دیا گیا وہ مسلمانوں کی نہ تھیں بلکہ کفار و مشرکین کی تھیں۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔

جواب ہفتم: علمائے دیوبند سے جب پوچھا گیا کہ ہمیں یہ افواہ پہنچی۔ ہمارے دیوبندی اکابر فرماتے ہیں کہ بناء علی القبور اگرچہ منع ہے لیکن اگر بن جائیں تو ان کے گرانے کا ثبوت کہیں نہیں آتا۔ اس کے مطابق علمائے دیوبند نے حرمین طیبین میں قبہ جات کو گرانا اچھا نہ سمجھا۔ اس بارے میں ان کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

زمانہ قریب میں ابن سعود نے جو حجاز میں قبہ جات گرائے ان کا گرانا بھی اسی مصلحت شرعیہ کے تحت ہمارے اکابر نے پسند نہیں کیا کہ ذرا سی منکر کے ازالہ کے لیے سینکڑوں منکرات میں تمام عالم اسلام مبتلا ہو گیا۔ تمام دنیا کے مسلمانوں میں باہمی فتنے واختلافات اور جنگ وجدل پھیل گیا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ کراچی)

لمحہ فکریہ: قارئین غور فرمائیں ایک طرف اکابرین دیوبند کے نزدیک روضہ جات کی تعمیر ایک معمولی منکر ہے دوسری طرف ان کی ضد اور ہٹ دھرمی دیکھئے کہ اپنے اکابر کے بالکل خلاف اب یہ لوگ بالکل حرام قرار دے رہے ہیں اور ان کی حرمت کے فتوے بلا دلیل دینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

بزرگان دین کی قدم بوسی اور مقدس مقامات کو چومنا جائز اسے شرک وکفر کہنا خلاف حدیث اور خلاف عمل صلحاء ہے

حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام اور بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا بہت سی احادیث اور اقوال ائمہ سے ثابت ہے۔ ہم بطور اختصار ان میں سے چند کا ذکر کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

وعن ذراع وكان في وفد عبد القيس قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله ورجله.

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲ فصل ثانی باب المصافحہ والمعانقہ)

حضرت ذراع رضی اللہ عنہ جو عبد القیس کے وفد میں شامل تھے۔ فرماتے ہیں جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو اپنی اپنی سواریوں سے اترنے میں ایک دوسرے پر سبقت لینے لگے تاکہ حضور ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک کا بوسہ لے لیں۔

قال رسول الله ﷺ لابل انتم العكارون قال فدنونا فقبلنا يده.

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۴۴ فصل ثانی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم لوٹنے والے ہو۔ (آپ نے یہ بات ابن عمر کے اس قول کے جواب میں ارشاد فرمائی۔ ہم بھاگنے والے ہیں) فرماتے ہیں پھر ہم حضور ﷺ کے نزدیک ہوئے اور آپ کے دست اقدس کے بوسے لیے۔

سفیان بن عسال سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: میرے ساتھ اس پیغمبر کے ہاں چلو۔ اس نے کہا تم انہیں پیغمبر نہ کہو کیونکہ اگر تمہاری یہ بات انہوں نے سن لی تو پھولے نہیں سمائیں گے۔ ہم نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آپ سے روشن آیات کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اس شخص کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ ہاں حق کی بنا پر قتل کر سکتے ہو۔ کسی بے گناہ کو حاکم وقت کے پاس اس لیے نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کر دے، نہ جادو کرو، نہ سود کھاؤ، نہ پاک دامن پر زنا کی تہمت دھرو، نہ جنگ کے وقت بھاگو۔ تم یہودیوں کے لیے ان باتوں کے علاوہ ایک خاص حکم یہ ہے کہ ہفتہ کے دن زیادتی سے بچو۔ (راوی کہتے ہیں) "**فقبل يديه ورجليه وقال نشهد انك نبي** اس نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے پیغمبر ہیں"۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۷ فصل ثانی باب الکبائر وعلامات النفاق)

مذکورہ تین احادیث سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے دست اقدس اور قدم مبارک کے بوسے لیے۔ ان تینوں واقعات میں کسی واقعہ میں اگرچہ آپ نے چومنے والوں کو نہ روکا اور نہ ہی اسے بُرا منایا۔ اس اعتبار سے یہ فعل "سنت" کا درجہ پا گیا۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ ان واقعات میں اگرچہ آپ نے منع نہیں فرمایا لیکن اجازت صریحہ بھی تو موجود نہیں تو ہم اس پر ایک حدیث مزید پیش کرتے ہیں جس میں اجازت ملنے پر صحابہ کرام نے دست بوسی کی۔ ملاحظہ ہو۔

فقال الاعرابي اءذن لي اسجدلك قال لو امرت احدا ان يسجد لاحد لامرت المراة ان تسجد لزوجها قال فاذن لي ان اقبل يديك ورجليك فاذن له.

(شفاء شریف ج ۱ ص ۱۹۶ فصل فی کلام الشجر)

اعرابی نے عرض کیا حضور! مجھے اجازت دی جائے تاکہ میں آپ کو سجدہ کروں فرمایا اگر میں کسی کو دوسرے کے لیے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اعرابی نے عرض کیا پھر مجھے آپ اپنے ہاتھ پاؤں چومنے کی اجازت دے دیں آپ نے اس کو اس بات کی اجازت دے دی۔

ان احادیث کے بعد چند اقوال شارحین وفقہاء کرام کے پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

استنبط بعضهم مشروعية تقبيل الاركان جواز تقبيل كل من يستحق التعظيم من ادمى وغيره واما تقبيل يدالادمى فياتى فى كتاب الادب واما غيره فنقل عن امام احمد انه سئل عن تقبيل منبر رسول الله وتقبيل قبره فلم يربه باسا. ونقل عن ابى الصيف اليمانى احدعلماء مكة من الشافعية جواز تقبيل المصحف واجزاء الحديث وقبور الصالحين وبالله التوفيق.

(فتح الباری شرح البخاری ج ۳ ص ۳۷۳ باب من اشار الی الرکن)

ہاتھ پاؤں چومنے کی مشروعیت سے بعض حضرات نے یہ استنباط فرمایا کہ ہر مستحق تعظیم کا بوسہ لینا جائز ہے خواہ وہ آدمی ہو یا کوئی اور چیز بہرحال انسان کے ہاتھ پاؤں چومنا تو اس کے متعلق ''کتاب الادب'' میں حدیث آرہی ہے اور انسان کے علاوہ دیگر اشیاء کو چومنے کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ان سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف اور قبر انور کا بوسہ لینا جائز ہے؟ تو انہوں نے اس میں کوئی حرج و گناہ نہ بتایا۔ ابو الصیف الیمانی سے منقول ہے جو شافعی المسلک علماء مکہ میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور اجزائے حدیث کو چومنا جائز ہے اور بزرگوں کی قبور کا بوسہ لینا بھی جائز ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اقبل مروان يوما فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر فقال اتدرى ماتصنع فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب فقال نعم جئت رسول الله ﷺ ولم ات الحجر.

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۲۲ مطبوعہ بیروت حدیث ابی حمید ساعدی ایک صفحہ پہلے)

ایک دن مروان حضور ﷺ کی قبر انور کے قریب آیا وہاں اسے ایک آدمی نظر آیا جس نے اپنا چہرہ آپ کی قبر انور پر رکھا ہوا تھا، یہ دیکھ کر کہنے لگا اے شخص! تجھے خبر ہے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کے قریب گیا، تو دیکھا کہ وہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ میں تو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوں' کسی پتھر کے پاس نہیں۔

ان حوالہ جات سے ایک قاعدہ کلیہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا وہ یہ کہ قابل تعظیم واکرام آدمی بلکہ ہر معظم چیز کا بوسہ لینا جائز ہے جیسا کہ کعبہ شریف، ملتزم، حجر اسود، قرآن کریم، منبر رسول اور قبر انور ﷺ۔ جب ان بے جان اشیاء معظمہ کا بوسہ لینا جائز ہوا تو ایک ولی کامل اور دین کے پیشوا کے ہاتھ پاؤں چومنے میں کیا حرج ہے؟ جب صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری سرکار دوعالم ﷺ کی قبر انور پر رخسار رکھنا باعث تسکین اور موجب اجر سمجھتے ہیں تو ہم عام آدمی اسے ناجائز کیونکر سمجھیں یہ تو قبر انور تھی؟ ''اشعۃ اللمعات'' میں محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ والدین کی قبر کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔ فاعتبروا يا اولى الابصار

میت کے چہرہ کو بوسہ دینا بھی جائز ہے

عن عائشة رضى الله عنها ان النبى ﷺ قبل عثمان بن مظعون وهو ميت وهو يبكى اوقال عيناه تذرفان وفى الباب عن ابن عباس وجابر وعائشة قالوا ان ابا بكر قبل النبى ﷺ وهو ميت قال ابو عيسى حديث عائشة حسن صحيح.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کی میت کو بوسہ دیا اور روئے یا کہا دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ اسی موضوع پر حضرت ابن عباس، جابر، عائشہ رضی اللہ عنہم سے ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دوعالم ﷺ کے وصال

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱۸ باب ماجاء فی تقبیل المیت)

شریف کے بعد آپ کے جسم اطہر کے بوسے لیے۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قارئین کرام! حدیث صحیح سے جب یہ ثابت ہے کہ میت کا بوسہ لینا جائز ہے تو زندگی میں کیوں جائز نہ ہوگا؟ اگر غور سے دیکھا جائے تو منع کرنے والوں کا خدشہ زندہ کی نسبت مردے میں زیادہ ہے یعنی زندہ کے ہاتھ چومنے میں مشابہت سجدہ یا رکوع نہ ہونے کے برابر ہے لیکن میت کو بوسہ دیتے وقت بہر حال جھکنا پڑے گا لہٰذا جب زیادہ جھکاؤ والا بوسہ جائز ہوا تو اس سے کم والا کیونکر شرک و کفر ہو جائے گا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۱۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ یَتَوَسَّدُ عَلَیْهَا وَیَضْطَجِعُ عَلَیْهَا قَالَ بِشْرٌ یَعْنِی الْقُبُوْرَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے یہ روایت پہنچی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قبر سے تکیہ لگاتے اور اس پر سو جایا کرتے تھے۔ راوی بشر نے کہا یعنی قبروں پر سو جایا کرتے تھے۔

قبر پر بیٹھنا اور اس سے تکیہ لگانا منع ہے جو حدیث مرفوع سے ثابت ہے بلکہ ایسا کرنے والے کے لیے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ اس پر چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لان يجلس احدكم على جمرة فتحرق ثيابه وتخلص الى جلده خيرله من ان يجلس على قبر رواه مسلم وابوداود والنسائی وابن ماجه. (الترغیب الترہیب ج ۴ ص ۳۷۳ باب الترہیب من الجلوس علی القبر مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اگر انگارے پر بیٹھ جائے وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے یہ اس کے لیے کسی قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ اسے ابوداؤد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لان امشی على جمرة اوسيف او اخسف نعلی برجلی احب الى من ان امشی على قبر. رواه ابن ماجه بسند جيد.

(الترغیب الترہیب ج ۴ ص ۳۷۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں انگارے پر چلوں یا تلوار کی دھار پر پاؤں رکھوں یا میری جوتیاں میرے پاؤں میں دھنس جائیں یہ میرے نزدیک قبر پر چلنے سے زیادہ بہتر ہے۔

وعن عمارة بن حزم رضی الله عنه قال رانی رسول الله ﷺ جالسا على قبر فقال يا صاحب القبر انزل من القبر لاتؤذی صاحب القبر. رواه الطبرانی فی الكبير. (الترغیب الترہیب ج ۴ ص ۳۷۴)

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے! نیچے اتر جا۔ قبر والے کو تکلیف مت دو۔

روی عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ كسر عظم الميت ككسره حيا. (الترغیب الترہیب ج ۴ ص ۳۷۵)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مردے کی ہڈی توڑنا اتنا ہی تکلیف دہ ہے جس قدر حالت زندگی میں اس کی ہڈی توڑی جائے۔

عن ابی العلی بن شخير بن الشخير قال يا

ابو العلی سے روایت کہ انہوں نے کسی سے کہا کیا تم قبروں پر

فلان تمشون علی قبورکم قلت نعم کیف تمطرون. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۳۹)

چلتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگا پھر تم پر بارش کیسے ہوتی ہے؟

عن هشام عن الحسن ومحمد انهما کانا یکرهان القعود والمشی علیها.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۳۹)

ہشام نے حسن اور محمد سے بیان کیا کہ یہ دونوں حضرات قبروں پر بیٹھنے اور ان پر چلنے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔

عن مکحول انه کان یکره القعود علی القبور وان یمشی علیها. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۳۹)

مکحول سے ہے کہ وہ قبروں پر بیٹھنے اور ان پر چلنے کو مکروہ کہا کرتے تھے۔

اول الذکر چار احادیث جو سب مرفوع اور صحاح ستہ میں مروی ہیں۔ ان میں حضور ﷺ کی زبان اقدس سے قبر پر بیٹھنے اور چلنے والے کے لیے شدید وعیدات دیکھنے میں آئیں۔ (انگارے پر چلنا، تلوار کی دھار پر پاؤں رکھنا وغیرہ) اس کے بعد تین عدد آثار میں اکابرین امت نے اس پر کراہت کا اظہار کیا ہے۔ ان وعیدات وکراہیت کے ہوتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قبر پر بیٹھنا، تکیہ لگانا یا سوجانا معلوم ہوتا ہے کسی عذر کی بنا پر ہوگا ورنہ حضور ﷺ کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی وعیدات سے انہیں لاپرواہ کہنا پڑے گا جو انتہائی غلط ہے۔ آپ کے اس عمل کی تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ ان حضرات کو یہ احادیث نہیں پہنچی تھی۔

لہٰذا امام بخاری کا ''الجریدۃ علی القبر'' کے باب میں تعلیقاً یہ بیان کرنا کہ ''ابن عمر رضی اللہ عنہما قبروں پر بیٹھتے تھے'' یہ اس پر محمول ہوگا کہ ابھی انہیں اس سے منع کی روایت نہ ملی ہوگی لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قبور پر بیٹھنا اس وقت کی بات تھی جب انہیں منع کا علم نہ ہوا تھا۔ ایک احتمال تو یہ ہوا اور دوسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل ''نفس جواز'' کے لیے ہو جو کراہیت کے خلاف نہیں ہوتا کیونکہ مکروہات میں نفس جواز پایا جاتا ہے ورنہ نہی اور نفی میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

والقبح انما یثبت فی النهی اقتضاء ضرورة حکمة الناهی فینبغی ان لا لتحقق هذا القبح علی وجه یبطل به المقتضی النهی لانه اذا اخذ القبح قبحا لعینه صار النهی نفیا. واختیار الافعال الشرعیة ان یکون اختیار الفعل فیه من جانب الشارع ومع ذالک ینهاه عنه فیکون ماذونا فیه وممنوعا عنه جمیعا ولا یجتمعان قط الاان یکون ذالک الفعل مشروعا باعتبار اصله وذاته وقبیحا باعتبار وصفه.

(نورالانوار ص ۶۳ بحث النہی مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

نہی میں قباحت اقتضاءً ثابت ہوتی ہے کیونکہ منع کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی حکمت کے پیش نظر یہ ضروری ہے لہٰذا اس قباحت کو اس طرح متحقق نہیں ہونا چاہیے کہ جس سے نہی باطل ہو جائے کیونکہ جب نہی میں قباحت لعینہ لی جائے گی تو نہی پھر نفی بن جائے گی۔ افعال شرعیہ کا اختیار جانب شارع سے ہوگا۔ اس اختیار کے ہوتے ہوئے وہ اس سے روک رہا ہے لہٰذا وہ ایک کام ایک طرف سے ممنوع اور دوسری طرف سے کرنے کی اجازت سے متصف ہوگا اور یہ دونوں باتیں (منع بھی اور اجازت بھی) صرف اسی صورت میں جمع ہوسکتی ہیں کہ وہ کام اپنے اصل اور اپنی ذات میں تو جائز ہو اور اپنے وصف کی بناء پر منع ہو۔

''نورالانوار'' کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کاموں سے شریعت نے منع کیا ان کاموں کے کرنے کا اختیار من جانب شارع پہلے ہونا چاہیے اگر وہ کام کرنے کی کسی میں قدرت ہی نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس کو کرنے سے روکا گیا تو ایسا روکنا نہی نہیں بلکہ نفی کہلاتا ہے۔ اسی فرق کی بناء پر ممنوعات شرعیہ میں قباحت بالذات نہیں ہوتی بلکہ اپنی ذات کے اعتبار سے ان میں مشروعیت ہوتی

ہے۔اس کی مثال یہ رہے گی کہ اوقات مکروہہ میں نماز کی ادائیگی سے منع کیا گیا۔اذان جمعہ کے بعد کاروبار منع کیا گیا۔یہ دونوں کام اپنی اصلیت کے اعتبار سے جائز ہیں۔صرف ایک عارضے کی بناپر ان میں قباحت آگئی۔اسی طرح حضرت علی المرتضی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا مذکورہ فعل نفس جواز کے لیے ہو جو کراہیت اور قباحت کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض

عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال من قعد علی قبر فتغوط عليه اوبال فكانما قعد علی جمرة فثبت بذالک ان الجلوس المنهی عنه فی الاثار الاول هو هذا الجلوس فاما الجلوس لغير ذالک فلم يدخل فی ذالک النهی وهذا قول ابی حنيفة رحمة الله عليه وابی يوسف رحمة الله عليه ومحمد رحمة الله عليه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قبر پر بیٹھ کر پاخانہ یا پیشاب کرے گا وہ یوں سمجھے کہ وہ انگارے پر بیٹھا ہے۔پس اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس روایت سے پہلے ذکر کیے گئے آثار میں جس بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے۔وہ یہی بیٹھنا ہے اور اس غرض کے سوا کسی دوسرے مقصد کی خاطر قبر پر بیٹھنا مذکورہ نہی میں داخل نہ ہوگا (لہٰذا جائز ہوگا) اور یہی قول ائمہ ثلاثہ یعنی ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(طحاوی شریف ج اص ۵۱۷ مطبوعہ بیروت باب جلوس علی القبور)

امام طحاوی کا انداز یہ ہے کہ پہلے وہ مخالفین کی طرف کے تائیدی آثار پیش کر کے بعد میں اپنے مؤید آثار و روایات لاتے ہیں۔مذکورہ روایات سے قبل امام موصوف نے وہ تمام روایات ذکر کیں جن میں قبور پر بیٹھنے کی ممانعت اور اس کے ضمن میں اس پر وعیدات کا ذکر تھا۔فراغت پر امام موصوف نے اپنے مسلک کی تائید میں روایات ذکر کیں۔ان میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد احناف کا اس بارے میں مسلک ذکر کرتے ہیں کہ قبر پر بغرض بول و براز بیٹھنے کی ممانعت اور اس پر وعیدات ہیں لہٰذا اس غرض کے سوا کسی دوسری غرض یا ویسے ہی کوئی قبر پر تکیہ لگاتا ہے تو یہ ناجائز نہیں۔یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔اب حنفی کہلانے والے کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اور مطلقاً بیٹھنے کی ممانعت کا قول نہیں کرنا چاہیے۔

جواب اول: روایت مذکورہ (یعنی بول و براز کی خاطر قبر پر بیٹھنے کی ممانعت والی) ضعیف ہے اور اس کے خلاف مطلقاً ممانعت کی روایات، مرفوع اور صحیح ہیں اس لیے ضعیف روایات سے مرفوع وصحیح روایت کو رد کر دینا درست نہیں۔اس کے ضعف کا حوالہ ملاحظہ ہو۔

رواه الطحاوی من طريق محمد بن كعب قال انما قال ابو هريرة من جلس علی قبر يبول عليه او يتغوط فكانما جلس علی جمرة لكن اسناده ضعيف. (فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۴ باب الجريد علی القبر)

امام طحاوی نے محمد بن کعب سے ایک روایت ذکر کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قبر پر بیٹھ کر پیشاب یا پاخانہ کرے گا وہ یوں کہ گویا وہ انگارے پر بیٹھا لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

جواب ثانی: امام طحاوی کے مذکورہ قول سے جو انہوں نے بطور نتیجہ ذکر فرمایا۔اس سے یہ ثابت کرنا کہ بول و براز کے سوا قبر پر بیٹھنے کو ائمہ ثلاثہ نے بغیر کراہت جائز قرار دیا ہے یہ درست نہیں بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بول و براز کے لیے قبر پر بیٹھنا حرام ہے اس کے سوا بیٹھنا حرام نہیں۔اب حرام نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ بالکل ہی جائز اور کراہت سے خالی ہو گیا۔حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

قلت لكن قد علمت ان الواقع فی كلامهم التعبير بالكراهة لابلفظ الحرمة وحينئذ فقديوفق

میں کہتا ہوں کہ جن علماء کرام نے مطلقاً قبر پر بیٹھنے سے منع کیا ہے انہوں نے ایسے کرنے کو لفظ کراہیت سے تعبیر کیا ہے۔اب

بـان مـاعـزاه الامـام الـطحاوی الی ائمتنا الثلاثة من حـمـل الـنهـی عـلی الجلوس لقضاء الحاجة یرادبه نهی التحریم وما ذکره غیره من کراهة الوطء والقعود یرادبه کراهیة التنزیه فی غیر قضاء الحاجة وغایة مافیه اطلاق الکراهیة علی ما یشمل المعنیین وهـذا کثیـر فـی کـلامهـم ومنهم قولهم مکروهات الـصلوة. (ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۲۴۵ مطلب فی اهداء ثواب القراۃ للنبی ﷺ)

دونوں باتوں میں تطبیق ہو جائے گی یعنی امام طحاوی نے حضرات ائمہ ثلاثہ کی طرف سے قبر پر بغرض بول و براز بیٹھنے کی نہی جوذکر کی وہ نہی تحریم کے لیے ہو اور جو دوسرے علماء نے فرمایا کہ قبر پر بیٹھنا اور اسے پاؤں تلے روندنا مکروہ ہے تو اس سے مراد کراہیت تنزیہی ہو اور قضائے حاجت کے لیے ایسا کرنا حرام ہو۔ اس تطبیق پر زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ فقط کراہیت کو تنزیہی اور تحریمی دونوں پر بولا گیا ہے لیکن یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ ایسا فقہا کرام کے کلام میں بکثرت موجود ہے جیسا کہ ان کا مکروہات نماز کہنا۔

قوله خیر مـن ان یجلس علی قبر الخ الظاهر عـمـومـه وفی الاظهار نقلا عن بعض العلماء الاولی ان یـحـمـل مـن هـذا الـحـدیـث مافیه التغلیظ علی الـجـلـوس لـلحدث فانه یحرم وما لاتغلیظ فیه علی الجلوس المطلق فانه مکروه وهذا تفصیل حسن. (فتح الملہم ج ۲ ص ۵۰۷ احادیث البناء علی القبر مکتبہ رشیدیہ)

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی "خیـر مـن ان یجلـس عـلـی قبـر" بظاہر اپنے عموم پر ہے اور اظہار میں بعض علماء سے منقول ہے کہ جن احادیث میں قبر پر بیٹھنے کی شدید ممانعت اور وعید آئی اس سے مراد بول و براز کے لیے بیٹھنا ہے اور جن میں ایسی شدت نہیں ان سے مراد مطلقاً بیٹھنا ہے کیونکہ یہ بھی مکروہ ہے اور یہ تفصیل بہت اچھی ہے۔

دیوبندی مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ بول و براز کے لیے قبر پر بیٹھنا حرام اور ایسے بیٹھنا مکروہ ہے۔ اسی تطبیق کے پیش نظر جب ہم احناف کے محقق علی الاطلاق ابن ہمام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ اس مسئلہ پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

ووطوه حینـئـذ فما یصنع الناس ممن دفنت اقـاربـه ثم دفن حوالیهم خلق من وطء تلک القبور الـی ان یصل الی قبر قریبه مکروه والنوم عند القبور وقضاء الحاجة بل اولی.

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۷۳)

ان دنوں قبر پر چڑھنا جیسا کہ عام لوگ کرتے ہیں وہ لوگ جن کے عزیز و اقارب دفن کیے گئے پھر ان کے ان اقارب کے ارد گرد اور بہت سے لوگ دفن کیے گئے۔ اب جب یہ لوگ اپنے عزیز و اقارب کی قبر پر جائیں گے تو قبروں پر چڑھیں گے تب جا کر اپنے عزیز و اقارب کی قبر تک پہنچیں گے تو ان کا ایسا کرنا مکروہ ہے اور قبر پر سونا اور بول و براز کرنا بطریقہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔

تو معلوم ہوا کہ یوں بول و براز کے سوا بھی قبر پر بیٹھنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ "الترغیب والترہیب" ج ۴ ص ۳۷۴ پر ایک حدیث مذکور ہے جس میں حضور ﷺ نے جوتے پہن کر قبرستان میں جانے کی ممانعت فرمائی۔ اس میں علت یہی ہو سکتی ہے کہ ایسا کرنے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔ جب جوتے پہن کر چلنا ممنوع ہے تو پھر قبر پر لیٹنا اور سونا کس طرح مطلقاً جائز ہو سکتا ہے؟ میت کے تکلیف پہنچنے کا مسئلہ صاحب مرقات نے یوں ذکر کیا ہے۔

عن ابـن مـسـعـود رضـی الله عنه انه سئل عن الـوطء عـلـی الـقبـر قال کما اکره اذی المؤمن فی حیاته فانی اکره اذاه بعد موته.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ قبر کو لتاڑنا کیسا ہے؟ فرمایا: جس طرح کسی مسلمان کو زندہ ہوتے ہوئے اذیت دینا مکروہ ہے۔ اسی طرح میں اس کے مرنے کے بعد اذیت

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۹ باب دفن المیت) دینے کو مکروہ جانتا ہوں۔

جناب ملاعلی قاری نے یہاں وہ حدیث بھی ذکر کی جس میں حضور ﷺ کا ارشاد اس طرح ہے کہ قبر پر بیٹھنے والے اتر جا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے تجھ سے یا تجھے اس سے تکلیف پہنچے۔ مختصر یہ کہ قبر پر بول و براز کے سوا بھی بیٹھنا جمہور کے نزدیک کراہیت سے خالی نہیں اور جمہور کا یہ مسلک حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ فتح الباری کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وصرح النووی فی شرح المهذب بان مذهب ابی حنيفة كالجمهور. (فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۴)

امام نووی نے شرح المہذب میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک جمہور کی طرح ہی ہے۔

ان تمام عبارات کے پیش نظر امام طحاوی کی عبارت کی تشریحات جو فقہاء کرام اور علماء عظام نے کیں۔ ان میں یہی تطبیق دی گئی لہٰذا امام طحاوی پر بھی کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ان کی عبارت سے بول و براز کے سوا قبر پر بیٹھنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

اعتراض

قلت فعلى هذا ماذكره اصحابنا فی كتبهم من ان اوطاء القبور حرام وكذا النوم عليها ليس كما ينبغی فان الطحاوی هو اعلم الناس بمذهب العلماء ولا سيما لمذهب ابی حنيفة.

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۸۴ باب الجرید علی القبر مطبوعہ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس طرح جو ہمارے حنفی احباب نے لکھا کہ قبور کا مطلقاً لتاڑنا حرام ہے یونہی ان پر سونا بھی حرام ہے۔ یہ نہیں لکھنا چاہیے تھا کیونکہ امام طحاوی جو مذہب علماء کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ خاص کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو بخوبی جاننے والے ہیں۔ (انہوں نے اس کی حرمت علی الاطلاق کا قول نہیں کیا۔)

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کا صاف صاف رد کیا ہے جو قبور پر بیٹھنے یا چڑھنے کو مطلقاً ممنوع کہتے ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں امام طحاوی کا قول پیش کیا ہے اور امام طحاوی کو مسلک احناف کا سب سے زیادہ جاننے والا کہہ کر ان کے خلاف قول کی تردید کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ بول و براز کے سوا قبر پر بیٹھنا جائز ہے۔

جواب اول: فقہاء احناف نے مطلقاً قبر پر بیٹھنے کو حرام نہیں کہا بلکہ بول و براز کے لیے بیٹھنا حرام قرار دیا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ اور امام طحاوی کا مسلک ہے۔ اس کے سوا بیٹھنے کی حرمت کا کوئی بھی قائل نہیں لہٰذا علامہ عینی کا لکھنا حقیقت سے دوری ہے۔ جب عام فقہاء اور ائمہ ثلاثہ اس پر متفق ہیں کہ بول و براز کے لیے بیٹھنا حرام ہے اور اس کے سوا کے لیے ائمہ ثلاثہ سے حرمت کی اور عدم حرمت کی تصریح نہیں صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ حرام نہیں۔

جواب دوم: امام طحاوی کو اپنے دور میں ائمہ ثلاثہ کی جس قدر کتب میسر آئیں ان کے پیش نظر انہوں نے ائمہ ثلاثہ کا مسلک بیان کر دیا۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے فتاوی و اقوال تقریباً سبھی امام محمد نے نقل فرمائے۔ اس دور میں ان کی کتب صرف چند لوگوں کے پاس دستی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ اب جبکہ ان حضرات کی کتب منظر عام پر آرہی ہیں تو ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ مطلقاً قبر پر چڑھنے کو جائز نہ کہتے تھے مثلاً امام محمد کی تصنیف ''کتاب الآثار'' کی عبارت ملاحظہ ہو۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال كان يقال ارفعوا القبر حتى يعرف انه قبر فلايوطا قال محمد وبه ناخذ.

امام محمد کہتے ہیں ہمیں امام ابوحنیفہ نے جناب حماد سے انہیں جناب ابراہیم نے خبر دی کہ کہا جاتا تھا کہ قبر کو اتنا بلند کرو کہ پتہ چل جائے وہ قبر ہے تا کہ اسے روندا نہ جائے۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی

(کتاب الآثار ص ۵۲ باب تسنیم القبور) پر عمل ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عمل اور مسلک یہی ذکر کیا ہے کہ قبر پر چڑھنا منع ہے۔ اس میں بول و براز کی کوئی قید نہیں اور اسی عموم کی خاطر قبر کو سطح زمین سے اونچا کرنے کا حکم بھی دیا تا کہ اس کا احترام باقی رہے۔ اس پر بھی اگر کوئی نادان کہے کہ امام محمد نے تو صرف لتاڑنے کو منع فرمایا' مکروہ نہیں لکھا۔ یہ سوال اگرچہ جہالت ظاہر کرتا ہے پھر بھی ہم اسی کتاب سے صراحۃً کراہت کا حکم دکھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال كان عبد الله بن مسعود رضي الله عنه يقول لان اطاء على جمرة احب الي من ان اطاء على قبر متعمدا قال محمد وبه ناخذ ليكره الوطأ على القبور متعمدا وهو قول ابي حنيفة.

(کتاب الآثار ص ۵۲)

امام محمد کہتے ہیں ہمیں امام ابوحنیفہ نے جناب حماد سے انہیں جناب ابراہیم نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کسی انگارے پر چڑھنا مجھے قبر پر جان بوجھ کر چڑھنے سے اچھا لگتا ہے۔ امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے۔ جان بوجھ کر قبر کو لتاڑنا مکروہ ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

اس حوالہ میں بول و براز کی خاطر قبر پر چڑھنا مذکور نہیں بلکہ بلاوجہ جان بوجھ کر قبر پر چڑھنا امام محمد نے مکروہ فرمایا اور یہی امام اعظم کا مسلک بتایا لہٰذا معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بول و براز کے سوا بھی قبور پر چڑھنا اور بیٹھنا مکروہ ہے اس لیے فقہائے متاخرین کا اسے مکروہ کہنا ائمہ ثلاثہ کی تردید نہ بنے گا بلکہ ان کے مسلک کی ترویج کہلائے گا لہٰذا دلائل سے ثابت ہے کہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ احناف بول و براز کے سوا قبور پر چڑھنے کو جائز کہتے ہیں یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ بہرحال ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امام طحاوی کو امام محمد کی تمام کتب اپنے دور میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یہ قول کرنا پڑا۔ اگر کتاب الآثار دیکھ لیتے تو یہ قول نہ کرتے۔

آخری اعتراض

موطا امام محمد میں مذکور جس اثر پر گفتگو ہو رہی ہے اس میں صاف صاف مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قبر پر لیٹ جایا کرتے تھے تو جس طرح کتاب الآثار امام محمد کی تصنیف اسی طرح موطا بھی ان کی تصنیف ہے۔ جب دونوں ایک ہی شخص کی تصانیف ہیں تو پھر ان میں ان کا مسلک بھی ایک ہوگا لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ کتاب الآثار میں قبر پر چڑھنے کو جو مطلقاً ذکر فرمایا کہ مکروہ ہے۔ اس طرح موطا میں علی الاطلاق علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قبر پر بیٹھنا ذکر فرمایا۔ اس لیے ائمہ ثلاثہ کا مسلک وہی ہوا جو موطا میں مذکور ہے۔

جواب: موطا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قبر پر سو جانا ذکر کرنے کے بعد امام محمد نے آخر میں اپنا یا امام اعظم کا مسلک و عمل ذکر نہیں کیا (یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل ہمارا بھی عمل ہے یا نہیں) لیکن کتاب الآثار میں آپ نے اپنے اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کا عمل و مسلک واشگاف الفاظ میں تحریر فرمایا اس لیے جو اعتراض کیا گیا وہ نا سمجھی کی بناء پر کیا گیا ہے۔ آخر مسلک ثابت کرنے کے لیے امام موصوف سے کوئی صراحت دیکھی ہوتی جہاں مسلک کے بارے میں "ہاں" "نہیں" کہا معترض نے اسے راجح بنا لیا اور جہاں واضح طور پر عمل و مسلک کا ذکر فرمایا اسے مرجوح کہہ دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلاوجہ اور جان بوجھ کر کسی مسلمان کی قبر پر بیٹھنا، چڑھنا اور سونا کراہیت سے خالی نہیں ہے اور اگر قبر پر بول و براز کے لیے چڑھا گیا تو پھر حرام و سخت گناہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

۳-کِتَابُ الزَّکٰوۃِ

زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی مفہوم

لفظ زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ صاحب النہایہ علامہ مجد الدین محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا ہے۔

اصل الزکوۃ فی اللغۃ الطھارۃ والنماء والبرکۃ والمدح وکل ذالک قد استعمل فی القران والحدیث ووزنھا فعلۃ کصدقۃ.

لغت میں لفظ زکوٰۃ کا حقیقی معنیٰ، طہارت، بڑھنا، برکت اور تعریف ہے۔ یہ تمام معانی قرآن و حدیث میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا وزن فعلۃ ہے جیسا کہ صدقۃ۔

(النہایہ ج ۲ ص ۳۰۷ مطبوعہ بیروت باب الزای الکاف مطبوعہ بیروت)

اس کا شرعی معنیٰ علامہ بدر الدین عینی یوں ذکر کرتے ہیں۔

وھی شرعا اعطاء جزء من نصاب الحولی الی فقیر غیر ھاشمی ثم لھا رکن وسبب وشرط وحکم وحکمۃ فرکنھا للہ تعالی بالاخلاص وسببھا المال وشرطھا نوعان شرط السبب وشرط من تجب علیہ فالاول ملک النصاب الحولی والثانی العقل والبلوغ والحریۃ وحکمھا سقوط الواجب فی الدنیا وحصول ثواب فی الاخرۃ وحکمتھا کثیرۃ منھا التطھر من ادناس الذنوب والبخل ومنھا ارتفاع الدرجۃ والقربۃ ومنھا الاحسان الی المحتاجین ومنھا استرقاق الاحرار فان الانسان عبید الاحسان. (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۸ ص ۲۲۳ کتاب الزکوٰۃ وجوب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ، شرع میں سال بھر گزرنے والے نصاب میں سے کچھ حصہ کسی فقیر غیر ہاشمی کو دینا ہے پھر زکوٰۃ کا رکن، سبب، شرط اور حکمت بھی ہے۔ اس کا رکن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص کے ساتھ ادا کی جائے اور اس کا سبب مال ہے اور اس کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔ ایک شرط سبب اور دوسری جس پر واجب ہے۔ اس کی شرط پس پہلی شرط نصاب حولی ہے اور دوسری عقل، بلوغ اور آزادی ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں فرض کی ادائیگی اور آخرت میں حصول ثواب اور اس کی حکمتیں بہت سی ہیں جن میں سے ایک یہ کہ گناہوں اور کنجوی کے میل سے حصول طہارت۔ دوسری یہ کہ بلندی درجات اور قربت الٰہی کا حصول تیسری یہ کہ ضرورت مندوں پر احسان کرنا اور چوتھی آزاد لوگوں کا بن خریدے ماتحت بن جانا کیونکہ آدمی احسان کا غلام ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی پر ثواب اور ترک پر عتاب

(۱) بہار شریعت ج ۵ ص ۷ تا ۹ بخاری اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور بندہ کسی کا قصور معاف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھائے اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ تعالیٰ اسے بلند کرے گا۔

(۲) طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے لیے چھ چیزوں کی کفالت

کرے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں میں نے عرض کی وہ کیا ہیں۔ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: نماز، زکوٰۃ، امانت، شرمگاہ، شکم اور زبان۔

(۳) ابوداؤد اور حسن بصری سے مرسلاً اور طبرانی اور بیہقی نے ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ دے کر اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو اور اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو اور بلا نازل ہونے پر دعا اور تضرع سے استعانت کرو۔

(٤) ابن خزیمہ اپنی صحیح میں اور طبرانی اوسط اور حاکم مستدرک میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی اللہ تعالیٰ نے اس سے شر کو دور فرما دیا۔

(۵) نسائی ابن ماجہ اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ وابن حبان اپنی صحیح میں اور حاکم نے افادہ تصحیح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور یہ فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تین مرتبہ اور پھر سر جھکا لیا تو ہم سب نے سر جھکا لیے اور رونے لگے کہ آپ نے کس چیز پر قسم کھائی ہے؟ حضور ﷺ نے سر اٹھایا اور چہرہ انور میں خوشی نمایاں تھی تو ہمیں یہ بات سرخ اونٹوں سے زیادہ پیاری تھی اور فرمایا جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہے اور رمضان شریف کا روزہ رکھتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور ساتوں کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا۔

زکوٰۃ نہ دینے پر عتاب

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝ (التوبہ:۳۴۔۳۵)

یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ جس دن آتش جہنم میں وہ تپائے جائیں گے اور ان سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا یہ وہ ہے جو تم نے اپنے نفسوں کے لیے جمع کیا تھا اب اس کا مزا چکھو جو جمع کرتے تھے۔

(۱) زکوٰۃ کے بارے میں اور بھی آیات ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

(آل عمران:۱۸۰)

یعنی جو لوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لیے برا ہے۔ اس چیز کا قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا جس کے ساتھ وہ بخل کرتے تھے۔

(۲) بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں بنا دیا جائے گا جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی (سانپ جب ہزار برس کا ہوتا ہے تو اس کے سر پر بال نکلتے ہیں جب دو ہزار سال کا ہوتا ہے تو وہ بال گر جاتے ہیں یہ معنی ہیں گنجے سانپ کے) وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ولا یحسبن الذین الخ. اس کی مثل

نسائی ابن ماجہ ترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۳) طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو قوم زکوٰۃ نہ دے گی اللہ تعالیٰ اسے قحط میں مبتلا فرمائے گا۔

(٤) طبرانی میں امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: فقیر ہرگز ننگے بھوکے ہونے کی تکلیف نہ اٹھائیں گے مگر مالداروں کے ہاتھوں' سن لو ایسے تونگروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا۔

(٥) طبرانی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھوں سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے ہمارے حقوق جو تو نے ان پر فرض کیے تھے انہوں نے ظلماً نہ دیئے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا مجھے اپنے عزوجلال کی قسم تمہیں اپنا قرب عطا کروں گا اور انہیں دور رکھوں گا۔

(٦) ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے۔ ایک وہ تونگر ہے جو اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا۔

(٧) بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام شافعی اور بزار اور بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: زکوٰۃ کسی مال میں نہ ملے گی مگر اسے ہلاک کر دے گی۔ بعض ائمہ نے اس حدیث کا یہ معنی کیا ہے کہ زکوٰۃ جس پر واجب ہوئی اور ادا نہ کی اور اپنے مال میں ملائے رہا تو یہ حرام اس مال کو ہلاک کر دے گا۔ امام احمد نے یہ فرمایا کہ مالدار شخص مال زکوٰۃ لے تو یہ مال زکوٰۃ اس کے مال کو ہلاک کر دے گا بلکہ اس مال کو کھانے سے عبادت نماز' روزہ اور حج وغیرہ کی ادائیگی بھی ناقص ہوگی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١١٥ - بَابُ زَكٰوةِ الْمَالِ

مال کی زکوٰۃ کے بیان میں

٣١٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ هٰذَا شَهْرُ زَكٰوتِكُمْ فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيُؤَدِّ دَيْنَهٗ حَتّٰى تَحْصُلَ اَمْوَالُكُمْ فَتُؤَدُّوْا مِنْهَا الزَّكٰوةَ.

ہمیں امام مالک نے جناب زہری سے خبر دی انہیں حضرت سائب بن یزید نے بتایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے یہ تمہارا زکوٰۃ ادا کرنے کا مہینہ ہے سو جس شخص پر قرضہ ہو وہ اپنا قرض ادا کرے یہاں تک کہ اسے مال مل جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا کرو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَهٗ مَالٌ فَلْيَدْفَعْ دَيْنَهٗ مِنْ مَّالِهٖ فَاِنْ بَقِيَ بَعْضُ ذَالِكَ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَفِيْهِ زَكٰوةٌ وَتِلْكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ اَوْ عِشْرُوْنَ مِثْقَالًا ذَهَبًا فَصَاعِدًا وَّاِنْ كَانَ الَّذِيْ بَقِيَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ بَعْدَ مَا يَدْفَعُ مِنْ مَّالِهِ الدَّيْنَ فَلَيْسَتْ فِيْهِ الزَّكٰوةُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ جس پر قرض ہو اور اس کے پاس کچھ مال بھی ہو تو اسے اپنے مال سے پہلے قرض ادا کرنا چاہیے پھر اگر اس مال کا کچھ حصہ بچ جائے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ دو سو درہم یا بیس مثقال سونا یا اس سے زائد ہونا چاہیے اور اگر قرض ادا کرنے کے بعد اتنا باقی بچا جو مذکورہ مقدار سے کم ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٣١٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ عَنْ رَّجُلٍ لَّهٗ مَالٌ وَّعَلَيْهِ مِثْلُهٗ

ہمیں امام مالک نے یزید بن خصیفہ سے خبر دی کہ انہوں نے سلیمان بن یسار سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا کہ جس کے

مِنَ الدَّیْنِ اَعَلَیْهِ الزَّکٰوۃُ فَقَالَ لَا.

پاس مال تو ہو لیکن اس پر اتنا ہی قرض بھی ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دونوں روایات میں بطریقہ اختصار یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مقروض کے پاس اگر اتنا مال ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد نصاب باقی رہتا ہے تو اس پر بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور اگر نصاب سے کم بچتا ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ نصاب دراہم کے اعتبار سے دوسو دراہم اور سونے کے حساب سے بیس مثقال ہے۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

١١٦ - بَابُ مَایَجِبُ فِیْهِ الزَّکٰوۃُ
جن اشیاء میں زکوٰۃ لازم ہے

٣١٨- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَّلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَّلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ.

امام مالک نے ہمیں محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابی صعصعہ سے خبر دی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ وسق سے کم کھجوروں کی زکوٰۃ نہیں اور نہ ہی پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر زکوٰۃ ہے اور نہ ہی پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَکَانَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ یَاْخُذُ بِذٰلِکَ اِلَّا فِیْ خَصْلَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاِنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ فِیْمَا اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ الْعُشْرُ مِنْ قَلِیْلٍ اَوْ کَثِیْرٍ اِنْ کَانَتْ تُشْرَبُ سَیْحًا اَوْ تَسْقِیْهَا السَّمَاءُ وَاِنْ کَانَتْ تُشْرَبُ بِغَرْبٍ اَوْ دَالِیَةٍ فَنِصْفُ عُشْرٍ وَّهُوَ قَوْلُ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ وَمُجَاهِدٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔ صرف ایک مسئلہ میں آپ فرماتے تھے ایسی زمین جو عشری ہو اگر اسے آسمانی بارش یا سیلاب سے سیراب کیا گیا ہو تو اس میں عشر ہے اور اگر اسے ڈول یا کنوئیں سے سیراب کیا گیا تو اس میں نصف عشر ہے اور یہی قول ابراہیم نخعی اور مجاہد کا ہے۔

سونے اور چاندی پر زکوٰۃ واجب اس وقت ہوتی ہے جب ان کا نصاب مکمل ہو اور مال تجارت پر بھی نصاب مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس پر تمام ائمہ متفق ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر یا زمینی پیداوار (مثلاً گندم کھجور وغیرہ) پر امام اعظم کے نزدیک نصاب نہیں بلکہ قلیل وکثیر سب کی زکوٰۃ ہوگی۔ اس کا دارومدار زمین کی سیرابی پر ہوگا اگر بارش سے پیداوار ہوتی ہے تو اس میں دسواں حصہ ہے اور اگر کنوئیں یا دیگر انسانی محنت سے اسے سیراب کیا جاتا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا ہوگا۔ دیگر ائمہ کے نزدیک یہاں بھی نصاب ہے جو پانچ وسق ہے ایک وسق میں ساٹھ صاع غلہ ہوتا ہے جب کہ ایک صاع اسی تولہ والے سیر کے حساب سے تقریباً ساڑھے چار سیر بنتا ہے۔ اس حساب سے ایک وسق میں چھ من تیس سیر غلہ آیا اور پانچ وسق میں تینتیس من تیس سیر غلہ ہوا۔ ان ائمہ کے نزدیک اس سے کم مقدار غلہ پر زکوٰۃ نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی بنیاد یہ نہ سمجھی جائے کہ محض قیاس پر ہے بلکہ قرآن وحدیث اس پر گواہ ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ زمین میں سے جو کچھ ہم نے پیدا کیا تمہیں اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ آیت مذکورہ کے الفاظ میں پانچ وسق یا کم زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے۔ ''مااخرجته الارض ففیه العشر۔ زمین جو بھی اگائے اس میں عشر ہے''۔ یہ بھی آیت مذکورہ کی طرح مطلق پیداوار پر زکوٰۃ کے

واجب ہونے پر دلالت کر رہی ہے نیز ''بخاری شریف'' ج ا ص ۲۰۱ باب العشر فیما یسقی من ماء السماء مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی میں مذکور ہے۔ ''فیما سقت السماء او العلون او کان عشریا العشر وفیما سقی بالنزع نصف العشر. یعنی جسے بارش یا چشمے کا پانی سیراب کرتا ہو یا وہ زمین نم دار ہو تو اس کی پیداوار پر عشر ہے اور جسے ڈول وغیرہ سے سیراب کیا جاتا ہو نصف عشر ہے''۔ اسی طرح ''مسلم شریف'' ج ا ص ۳۱۶ کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔ ''فیما سقت الانهار والغیم العشر وفیما سقی بالنزع نصف العشر. جس زمین کو نہروں یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں عشر ہے اور جسے ڈول وغیرہ سے سیراب کیا گیا' نصف عشر ہے''۔

عبد الرزاق عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال فی کل شیٔ انبتت الارض العشر.

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۱۲۱ باب الخضر رقم الحدیث ۱۹۵ے مطبوعہ بیروت)

زمین تھوڑا بہت جو کچھ پیدا کرے اس میں عشر ہے۔

ان روایات میں بھی کوئی نصاب مقرر نہیں کیا گیا لہٰذا مذکورہ آیت اور روایات ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مذہب کے بنیاد ہیں۔

اب ہم ان روایات کی طرف آتے ہیں جن میں پانچ وسق سے کم مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب نہ ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ پانچ وسق کی مقدار تاجر حضرات کے لیے مقرر کی گئی تھی یعنی مال تجارت پر زکوٰۃ اس وقت لازم ہوگی جب وہ پانچ وسق تک ہو۔ حضور ﷺ کے دور میں کھجوروں کے ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی اور پانچ وسق دوسو دراہم کے برابر ہوئے جو چاندی کا نصاب ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ تاجر کے مال تجارت پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس کی مالیت دوسو درہم کے برابر ہو اور اگر یہ تاویل نہ کی جائے بلکہ پانچ وسق زمین کی پیداوار سے مراد ہو تو پھر پانچ وسق والی روایات اور جو ہم نے مطلقاً پیداوار والی ایک آیت اور احادیث ذکر کی ہیں ان میں تعارض آئے گا اس صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول احتیاط پر مبنی ہوگا یعنی بہتر ہے کہ قلیل وکثیر پیداوار کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اس میں غرباء کا بھی بھلا ہے اور دینے والے کو بھی بہرحال ثواب ضرور ملے گا۔ واجب کا نہ سہی نفلی صدقہ کا ثواب لازماً عطا ہوگا۔ تیسری قسم کی پیداوار جو دیرپا نہ ہو جیسا کہ سبزیاں ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں ان پر بھی قلیل و کثیر کی زکوٰۃ ہے اور اس کی دلیل بھی وہی آیت مذکورہ اور روایات مطلقہ ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب محض قیاس پر مبنی نہیں بلکہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔ ائمہ کرام کے اس قسم کے اختلاف کے بارے میں علمائے اصول نے ایک ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے۔ ہم اسے من وعن ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قاعدہ کلیہ

ومن الاصحاب من جعله منسوخ ولهم فی تقریره قاعدة ذکرها السغناقی نقلا عن الفوائد الظهیریة اذا ورد حدیثان احدهما عام والاخر خاص فان علم تقدیم العام علی الخاص خص العام بالخاص کمن یقول لعبده لا تعط احداشینا ثم قال له اعط زیدا درهما فان هذا تخصیص لزید وان علم تاخیر العام کان العام ناسخاللخاص کمن قال لعبده

اس کا جواب وہ ہے کہ جو ذیل میں دیا گیا ہے۔ کچھ حضرات نے اسے منسوخ کہا ہے۔ ان کا اپنے مسلک کی تقریر پر ایک قاعدہ ہے جسے استغناقی نے ذکر کیا وہ بھی فوائد ظہیریہ سے منقول ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی کے بارے میں دو حدیثیں وارد ہوں۔ ان میں سے ایک عام اور دوسری خاص ہو تو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ عام پہلے تھی تو پھر بعد میں آنے والی خاص اس عام کو بھی خاص کر دے گی جیسا کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہتا ہے کسی کو مت کچھ دینا پھر کہتا ہے

اعط زیدا درھما ثم قال له لاتعط احدا شیئا فان ھذا ناسخ للاول ھذا مذھب عیسی بن ابان وھو الماخوذ به قال محمد بن شجاع التلجی ھذا اذا علم التاریخ اما اذا لم یعلم فان العام یجعل اخرا لما فیه من الاحتیاط وھنا لم یعلم التاریخ فیجعل اخرا احتیاطا واللہ اعلم انتھی کلامه۔ (نصب الرایہ ج۲ص ۳۸۵ باب زکوٰۃ الزروع والثمار مطبوعہ گجرات ہند)

زید کو ایک درہم دے دو تو یہ کہنا زید کے لیے تخصیص بن جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ عام حدیث بعد میں وارد ہوئی تھی تو اس صورت میں عام، پہلے خاص کی ناسخ بن جائے گی۔ اس کی مثال یہ کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہتا ہے۔ زید کو ایک درہم دے دو پھر کہتا ہے کسی کو کچھ مت دینا تو یہ دوسرا قول پہلے کا ناسخ ہو جائے گا۔ یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے اور اسی پر عمل بھی ہے۔ محمد بن شجاع بلخی نے کہا یہ تفصیل اس وقت کام دیتی ہے جب عام اور خاص روایت کی تاریخ معلوم ہو اور اگر تاریخ کا علم نہ ہو سکے تو عام کو بعد میں کہی جانے والی ازروئے احتیاط سمجھیں گے۔ ہمارے زیر بحث مسئلہ زکوٰۃ میں تقدیم و تاخیر کا کوئی علم نہیں اس لیے احتیاطاً عام کو مؤخر کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام: یہ ہوا کہ زمین کی پیداوار کے بارے میں عام اور خاص دونوں طرح کی روایات موجود ہیں جن میں سے تقدیم و تاخیر کا صحیح علم نہیں لہٰذا احتیاط عام کو مؤخر سمجھنے میں ہے اس لیے قلیل و کثیر پیداوار کا صدقہ اگر دے دیا گیا تو اس میں ائمہ ثلاثہ کو بھی اعتراض نہیں کیونکہ وہ صرف وجوب کا انکار کرتے ہیں۔ اسی احتیاط کے پیش نظر پانچ وسق والی روایات کی تین تاویلیں کی گئی ہیں۔ (۱) وہ منسوخ ہے (۲) یہ کہ اس سے مال تجارت کا نصاب بیان کرنا مقصود ہے (۳) کہ یہ حدیث مؤول ہے اور اصول فقہ کے اعتبار سے مؤول پر نص کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا عام پیداوار والی روایت راجح ہو کر معمول بہ قرار پائے گی۔

۱۱۷- بَابُ الْمَالُ مَتٰی تَجِبُ فِیْهِ الزَّکٰوۃُ

مال میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

۳۱۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَاتَجِبُ فِیْ مَالٍ زَکٰوۃٌ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْهِ الْحَوْلُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں جس پر پورا سال نہ گزر جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِلَّا اَنْ یَکْتَسِبَ مَالًا فَیَجْمَعَهٗ اِلٰی مَالٍ عِنْدَهٖ مِمَّا یُزَکّٰی فَاِذَا وَجَبَتِ الزَّکٰوۃُ فِی الْاَوَّلِ زُکِّیَ الثَّانِیْ مَعَهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا

امام محمد رحمۃ اللہ کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سوائے اس کے کہ کسی کو نیا مال دستیاب ہو اور وہ اسے پہلے مال کے ساتھ ملالے جس سے زکوٰۃ ادا کرنی ہو۔ پھر جب پہلے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو اس کے ساتھ دوسرے مال کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔

مذکورہ اثر کی توضیح میں جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آدمی ابتدائے سال میں مالک نصاب ہو تو سال پورا ہونے تک سال کے درمیان جو آمدنی اس نصاب سے ملتی رہے گی اس پر سال گزرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ابتداءِ سال میں جو نصاب تھا اس کے ساتھ ہی درمیان سال آمدنی ملنے والے کی بھی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔

۱۱۸ - بَابُ الرَّجُلُ يَكُوْنُ لَهُ الدَّيْنُ هَلْ عَلَيْهِ فِيْهِ زَكٰوةٌ

کیا قرض لیے ہوئے مال پر زکوٰۃ ہے؟

۳۲۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ مَوْلَى الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُكَاتَبٍ لَهُ قَاطَعَهُ بِمَالٍ عَظِيْمٍ قَالَ قُلْتُ هَلْ فِيْهِ زَكٰوةٌ قَالَ الْقَاسِمُ اَنَّ اَبَابَكْرٍ كَانَ لَايَاْخُذُ مِنْ مَّالٍ صَدَقَةً حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ قَالَ الْقَاسِمُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا اَعْطَى النَّاسَ اَعْطِيَاتِهِمْ يَسْاَلُ الرَّجُلَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ مَالٍ قَدْ وَجَبَتْ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَاِنْ قَالَ نَعَمْ اَخَذَ مِنْ عَطَائِهٖ زَكٰوةَ ذَالِكَ الْمَالِ وَاِنْ قَالَ لَا سَلَّمَ اِلَيْهِ عَطَاءَهٗ.

ہمیں امام مالک نے محمد بن عقبہ مولیٰ زبیر سے خبر دی کہ انہوں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ میرے مکاتب سے میں نے بہت بڑے مال کے ساتھ مقاطعہ کیا ہے تو اس میں زکوٰۃ ہے؟ قاسم کہنے لگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال کی زکوٰۃ اس پر سال گزرنے سے قبل نہیں لیا کرتے تھے۔ قاسم نے مزید کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو ان کے وظائف دیتے تو آپ پوچھتے کیا تمہارے پاس اتنا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں اتنا مال ہے تو اس کے وظیفہ سے زکوٰۃ کی مقدار کاٹ لیتے اور اگر وہ کہتا کہ اتنا مال نہیں تو اس کو اس کا وظیفہ مکمل دے دیتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

۳۲۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِىْ عُمَرُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُوْنٍ عَنْ اَبِيْهَا قَالَ كُنْتُ اِذَا قَبَضْتُ عَطَائِىْ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ سَاَلَنِىْ هَلْ عِنْدَكَ مَالٌ وَجَبَ عَلَيْكَ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَاِنْ قُلْتُ نَعَمْ اَخَذَ مِنْ عَطَائِىْ زَكٰوةَ ذَالِكَ الْمَالِ وَاِلَّا دَفَعَ اِلَىَّ عَطَائِىْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے عمر بن حسین نے عائشہ بنت قدامہ نے اپنے والد سے بتایا کہ میں جب حضرت عثمان غنی سے اپنا وظیفہ وصول کرتا تو آپ مجھ سے دریافت فرماتے کیا تمہارے پاس اتنا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو؟ پھر میں اس کے جواب میں اگر ہاں کہتا تو میرے وظیفہ سے زکوٰۃ کاٹ لیتے ورنہ میرا وظیفہ عطا فرما دیتے۔

ان دونوں روایات میں سے پہلی روایت میں صاف الفاظ میں موجود ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جس پر سال گزر جائے۔ یہ بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جناب قاسم بن محمد نے فرمائی جب ان سے مکاتب سے ملنے والی کثیر رقم کے بارے میں پوچھا گیا چونکہ یہ رقم وصول کئے ابھی سال نہ گزرا تھا اور اس کے سوا نصاب زکوٰۃ بھی نہ تھا اس لیے زکوٰۃ کے وجوب کا قول نہ کیا گیا۔ اسی پر قاسم بن محمد نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک اور ارشاد سنایا کہ آپ وظیفہ لینے والے سے پوچھتے کہ تمہارے پاس گھر میں پڑے ہوئے مال میں سے کسی پر زکوٰۃ آتی ہے یعنی نصاب زکوٰۃ پر سال گزر گیا ہے؟ تو اس کے جواب میں وظیفہ خوار اگر ہاں کہتا تو آپ اس کے وظیفہ سے زکوٰۃ کی مقدار کاٹ لیتے۔ بہرحال ان دونوں باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی جنس نصاب پر سال گزر جائے یعنی سال کے شروع اور آخر میں نصاب کامل ہو اور دوران سال اسی جنس میں اضافہ ہو جائے تو اس اضافہ کی زکوٰۃ، نصاب کے ساتھ ادا کرنا پڑے گی اگرچہ اس پر سال نہیں گزرا۔ یہی وجہ ہے کہ مکاتب کی ادا کردہ رقم کے علاوہ چونکہ اسی جنس کی رقم پر نصاب کامل ہونے کی صورت میں سال نہ گزرا تھا۔ یا نصاب تھا ہی نہیں تو ابھی ابھی مکاتب سے ملنے والی رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ اس پر سال گزرا ہی نہیں۔ اسی کو امام محمد اپنا اور امام ابوحنیفہ کا مسلک قرار دے رہے ہیں یعنی اگر کسی جنس کے نصاب پر سال گزر

گیا۔ دورانِ سال اسی جنس کے اضافہ پر بھی سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ اضافہ پر سال گزرنا شرط نہیں بلکہ اصل نصاب پر سال گزرنا ضروری ہے۔ اگر اضافہ غیر جنس کے ہو تو پھر اضافہ پر مستقل سال گزرنا شرط ہوگا۔ مثلاً بکری، بھینس وغیرہ حیوانات میں سے کسی کا نصاب شروع سال سے آخر تک قائم رہا درمیان میں اس کی غیر جنس مثلاً نقدی ہاتھ آگئی اب اس نقدی کو بکری بھینس میں شامل نہ کریں گے بلکہ اس کی زکوٰۃ کے لیے اس پر سال گزرنے کا اعتبار کریں گے کیونکہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ اجناس ہیں۔

اس صاف اور واضح مطلب کے ہوتے ہوئے بعض غیر مقلد گستاخانہ لب ولہجہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے ہیں۔ موطا کا ایک غیر مقلد شارح مولوی عطاء اللہ بھی معترض ہے کہ تنخواہ سے زکوٰۃ وصول کرنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدعت ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ کاش غیر مقلدیت نے اندھا نہ کیا ہوتا اور وہ اس باب کی مذکورہ دونوں روایات کو نظر انصاف سے دیکھتا۔ قاسم بن محمد صاف صاف فرما رہے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تنخواہ دینے کے بعد پوچھتے کیا اس کے سوا تمہارے پاس نصاب زکوٰۃ پر سال گزر جانے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر وہ ہاں کرتا تو اس سے زکوٰۃ وصول کر لیتے بصورت دیگر اس کا وظیفہ مکمل اسے عطا فرما دیتے۔ غیر مقلدوں کا خیال یہ ہے کہ جنس یا غیر جنس کوئی سا بھی اضافہ ہو اس اضافہ پر بھی سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ ان کے اس نظریہ کو بغور دیکھا جائے تو زکوٰۃ ادا کرنے والا نہایت مشکل میں پڑ جائے گا۔ ایک کاروباری آدمی روزانہ کی آمدنی اور اضافے کا کھاتہ الگ بنائے گا پھر جس اضافہ پر سال پورا ہو گیا اس کی زکوٰۃ دے گا۔ یوں ہر روز اسے اضافہ کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ آج ایک اضافہ پر سال گزر گیا۔ کل دوسرے پر اور پرسوں تیسرے اضافہ پر۔ اس طرح وہ اسی اضافہ کا حساب کتاب رکھنے میں پڑ جائے گا اور کاروبار تباہ کر بیٹھے گا۔ اس کے برخلاف احناف کا مسلک یہ ہے کہ جنس کا اضافہ جنس میں شامل کر کے سال کے بعد مجموعہ کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ اضافہ، اصل نصاب کے ضمن میں شامل ہو جائے گا۔ اس مسلک پر مذکورہ دونوں روایات شاہد ہیں۔ علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ میں اس تداخل کا ذکر یوں موجود ہے۔

حدثنا ابوبکر قال حدثنا معمر عن برد عن مکحول قال اذا کان للرجل شھر یزکی فیه فاصاب مالا فانفقه فلیس علیه زکوٰۃ مانفق ولکن ماوافی الشھر الذی یزکی فیه ماله زکوٰۃ.

مکحول سے روایت ہے کہ اگر کسی آدمی نے زکوٰۃ دینے کے لیے کوئی مہینہ مقرر کر لیا ہے اسے کچھ مال مل گیا پھر اسے خرچ کر ڈالا تو اس پر اس مال کی زکوٰۃ نہیں جسے وہ خرچ کر بیٹھا۔ ہاں وہ مال جو زکوٰۃ کے مہینہ تک بچ گیا اس پر زکوٰۃ ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۵۹۔۱۶۰ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

یاد رہے اس پر اجماع منعقد ہے کہ دورانِ سال اضافہ اگر نصاب کے مال کا ہی اضافہ ہے جیسا کہ تجارت میں نفع اور چرنے والے جانوروں کے بچے تو اس اضافہ کو اصل نصاب میں ملانا واجب ہے لہٰذا اصل مال پر ہی سال گزرنا اعتبار کیا جائے گا۔ ہم اس میں کسی کا خلاف کرنا نہیں جانتے۔ ابن قدامہ نے "المغنی" میں کہا اگر مستفاد (اضافہ) اس جنس کا نہیں جو زکوٰۃ دینے والے کے پاس موجود ہے تو اس ضافہ میں حکم مستقل ہوگا۔ اسے پہلے سے موجود نصاب کے ساتھ بھی نہیں ملایا جائے گا اور نہ ہی اس اصل پر سال گزرنا اس پر سال گزرنا شمار کیا جائے گا بلکہ اگر اس اضافہ پر مستقل سال گزرا تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور اگر پہلے سے کوئی سا بھی نصاب موجود نہیں پھر اس کی جنس میں اتنا اضافہ ہوا کہ اب نصاب مکمل ہو گیا تو اسے بالاتفاق اس کے ساتھ ملایا جائے گا اور اس کا سال گزرنا اب اس وقت سے شروع ہوگا پھر جب سال مکمل ہو گیا تو اسے مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قارئین کرام! ابن قدامہ نے جو تفصیل بیان فرمائی اس کو ہم مختصر یوں کہہ سکتے ہیں۔

(۱) دورانِ سال اضافہ اگر اسی جنس سے ہوا جو شروع سال مکمل نصاب والی تھی تو اس اضافہ کو اصل کے ساتھ ملا کر اصل پہ سال مکمل

ہونے پر دونوں کی مجموعی زکوٰۃ ادا کریں گے۔

(۲) اگر اضافہ جنس میں نہیں ہوا تو اس اضافہ کو شامل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا اپنا سال اور اپنا نصاب علیحدہ مستقل شمار ہوگا۔

(۳) اگر پہلے سے نصاب سے کم مال تھا لیکن دوران سال اسی میں اضافہ ہوا کہ دونوں کو ملا کر نصاب مکمل ہوگیا۔ اس اضافہ کو پہلے مال سے نہیں ملائیں گے بلکہ اضافہ ہونے کے وقت سے ایک سال شمار کر کے زکوٰۃ دیں گے۔

مال مستفاد کو اصل سے ملانے کے لیے ہمیں دو باتیں دیکھنا پڑیں گی۔ ایک یہ کہ کیا اس کی جنس پہلے سے موجود تھی دوسری یہ کہ وہ بقدر نصاب تھی۔ جب ان دونوں باتوں کو ہم مذکورہ روایات میں وظیفہ کی صورت میں دیکھتے ہیں تو اگر صاحب وظیفہ کے پاس وصول وظیفہ سے قبل مال زکوٰۃ بقدر نصاب ہوتا تو اس وظیفہ کو اس کے ساتھ شامل کر کے مجموعہ کی زکوٰۃ وصول کر لی جاتی کیونکہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اگر مال نہ ہوتا تو وظیفہ کی زکوٰۃ نہ کاٹی جاتی کیونکہ ابھی اس پر سال نہیں گزرا۔ اس صاف مطلب کے ہوتے ہوئے غیر تقلیدی ذہن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے بیٹھ گیا۔ اس گستاخی کی سزا خدا کے ہاں بہت سخت ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احکام شریعت'' میں لکھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گستاخ ''کلب من کلب هاویه. هاویه (جہنم) کے کتوں میں سے ایک کتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام اور اولیاء امت کی تعظیم وتوقیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

باب کی دوسری حدیث کا چونکہ پہلی حدیث کے ساتھ مضمون ملتا جلتا ہے اس لیے اب اس کی تشریح کی ضرورت نہ رہی۔

۱۱۹- بَابُ زَكٰوةِ الْحُلِيِّ

زیورات کی زکوٰۃ کا بیان

۳۲۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَلِيْ بَنَاتِ اَخِيْهَا يَتَامٰى فِيْ حُجْرِهَا لَهُنَّ حُلِيٌّ فَلَا تُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكٰوةَ.

ہمیں امام مالک نے عبد الرحمٰن بن قاسم سے انہوں نے اپنے والد سے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی بھتیجیوں کی پرورش کرتی تھیں۔ جو یتیم تھیں۔ ان کے کچھ زیورات بھی تھے تو آپ ان کے زیورات کی زکوٰۃ نہیں نکالا کرتی تھیں۔

۳۲۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَلِّيْ بَنَاتِهٖ وَجَوَارِيَهٗ فَلَا يُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكٰوةَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حدیث سنائی بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادیوں اور لونڈیوں کو زیور پہنایا کرتے تھے اور ان کی زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَمَّا مَا كَانَ مِنْ حُلِيٍّ جَوْهَرٍ وَلُؤْلُؤٍ فَلَيْسَ فِيْهِ الزَّكٰوةُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَاَمَّا مَا كَانَ مِنْ حُلِيِّ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ فَفِيْهِ الزَّكٰوةُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ ذٰلِكَ يَتِيْمًا اَوْ يَتِيْمَةً لَمْ يَبْلُغَا فَلَا تَكُوْنُ فِيْ مَالِهَا زَكٰوةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں زیورات اگر موتی یا مونگے کے ہوں تو ان میں زکوٰۃ کسی صورت میں نہیں اور اگر سونے یا چاندی کے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے بشرطیکہ پہننے والا بچہ یا بچی بالغ ہو اور اگر نابالغ ہے تو اس کے مال میں زکوٰۃ نہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مال یتیم میں زکوٰۃ نہیں۔ اس مسلک پر قرآن وحدیث سے دلائل موجود ہیں جو عنقریب ذکر ہوں گے لیکن بعض لوگ اس پر معترض ہیں جیسا کہ مولوی عطاء اللہ شارح نے بھی لکھا کہ جو لوگ یتیم کے مال پر زکوٰۃ کے قائل نہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ان معترضین کو آنے والے دلائل آنکھیں کھول کر دیکھنے چاہئیں۔

اعتراض

حدثنا سعيد بن عفير حدثنا يحيى ابن ايوب

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے

عن المثنی بن الصباح عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبد الله بن العاص ان رسول الله ﷺ قام فخطب الناس فقال من ولی یتیما له مال فلیتجر له ولا یترکه حتی تاکله الصدقة.

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا جو کسی یتیم کی تربیت کرتا ہے اور اس یتیم کا اپنا ذاتی مال بھی ہو تو اسے تجارت میں لگا دینا چاہیے یونہی پڑا نہ رہنے دے کیونکہ اس طرح اس کو صدقہ کھا جائے گا۔

(دارقطنی ج۲ ص۱۱۰ باب وجوب الزکوٰۃ فی مال صبی)

حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے مال کا صدقہ دیا جائے گا۔ تبھی تو فرمایا کہ اسے تجارت میں لگا دو ورنہ پڑا رہنے کی صورت میں ہر سال زکوٰۃ نکلتی رہے گی اور بالآخر وہ زکوٰۃ میں ختم ہو جائے گا۔

جواب اول: حدیث مذکورہ مرفوع اور مسند ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی مثنیٰ بن صباح ہے۔ اس کے متعلق دارقطنی کی تعلیق میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔

وفی اسناده مقال لان المثنی یضعف فی الحدیث وقال صاحب التنقیح قال مهنا سالت احمد بن حنبل عن هذا الحدیث فقال لیس بصحیح.

اس کی اسناد میں اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ مثنیٰ کو فن حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے۔ اور صاحب تنقیح نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ صحیح نہیں ہے۔

لہٰذا یہ مرفوع حدیث جب ''صحیح'' نہ ہوئی تو اس سے نہ استدلال درست ہوگا اور نہ ہی احناف کے مسلک کے خلاف یہ بطور حجت پیش ہو سکتی ہے۔

جواب ثانی: حضور ﷺ کا ارشاد گرامی کہ یتیم کے مال کو تجارت میں لگا دو تا کہ اس کو صدقہ نہ کھا جائے۔ اس صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ خود یتیم پر اٹھنے والے اخراجات ہیں اور صدقہ بمعنی نفقہ احادیث میں مستعمل ہے۔ ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

عن المقدام بن معد یکرب قال قال رسول الله ﷺ ما اطعمت نفسک فهو لک صدقة وما اطعمت ولدک فهو لک صدقة وما اطعمت زوجک فهو لک صدقة وما اطعمت خادمک فهو لک صدقة.

جناب مقدام بن معد یکرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تو خود کھائے وہ بھی تیرا صدقہ اور جو تو اپنی اولاد کو کھلائے وہ بھی صدقہ اور جو تو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی تیرا صدقہ اور جو تو اپنے غلام کو کھلائے وہ بھی تیرا صدقہ ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۴ ص۱۳۱ مطبوعہ بیروت)

حضور ﷺ نے یہاں نفقہ کے لیے لفظ صدقہ ارشاد فرمایا تو جس طرح یہاں صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ اخراجات ہیں اسی طرح مذکورہ روایت میں بھی نفقہ ہی مراد ہے۔

جواب ثالث:

وقال طائفة من اهل العلم لیس فی مال الیتیم زکوة وبه قال سفیان الثوری وعبد الله بن المبارک قلت وبه قال ابو حنیفة واصحابه وهو قول ابی وائل وسعید بن جبیر والنخعی والشعبی

علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں۔ جناب سفیان ثوری اور عبد اللہ بن مبارک نے بھی یہی فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور ابو وائل، سعید بن جبیر، نخعی، شعبی اور حسن بصری بھی اسی کے

والحسن البصری وحکی عنه اجماع الصحابة وقال سعید بن المسیب لا تجب الزکوة الاعلی من تجب علیه الصلوة والصیام وذکر حمید بن زنجویه النسائی انه مذهب ابن عباس وفی المبسوط وهو قول علی ایضا وعن جعفر بن محمد عن ابیه مثله وبه قال شریح ذکره النسائی. (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۸ص ۲۳۷ کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ)

قائل ہیں۔ ان سے اس پر صحابہ کرام کا اجماع بھی منقول ہے۔ جناب سعید بن میسب کہتے ہیں زکوٰۃ اسی پر واجب ہوتی ہے جس پر نماز اور روزے لازم ہوں اور حمید بن زنجویہ نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عباس کا بھی یہی مذہب ہے اور المبسوط میں ہے کہ حضرت علی المرتضٰی کا بھی یہی قول ہے۔ جناب جعفر بن محمد کے والد جناب امام باقر سے بھی اسی طرح کا قول موجود ہے۔ قاضی شریح نے بھی یہی کہا ہے اسے نسائی نے ذکر کیا۔

قارئین کرام! ''عمدۃ القاری'' سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ نہ ہونے کا مذہب علماء کی بہت بڑی جماعت کے علاوہ جلیل القدر تابعین اور حضرات صحابہ کرام کا بھی ہے بلکہ امام حسن بصری تو اس پر صحابہ کرام کا اجماع نقل فرمار ہے ہیں تو معلوم ہوا کہ احناف کا قول محض قیاسی نہیں اور نہ ہی ان تمام حضرات کے اقوال کو خلاف کتاب وسنت کہا جاسکتا ہے۔

اعتراض

حدثنا مندل عن ابی اسحاق الشیبانی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ احفظوا الیتامی فی اموالهم لا تاکله الزکوة. (دار قطنی ج ۲ص ۱۱۰ باب وجوب الزکوٰۃ فی مال الصبی والیتیم)

ہمیں ابو اسحاق نے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت سناتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یتیموں کے مال کی حفاظت کرو اسے زکوٰۃ نہ کھا جائے۔

پچھلی روایت میں اگر چہ صدقہ کو نفقہ کے معنی میں لیا گیا تھا لیکن یہاں تو صاف زکوٰۃ کا لفظ موجود ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جواب: اسی روایت کی تعلیق میں امام دارقطنی رقمطراز ہیں۔

فیه عبید بن اسحاق وهو ضعیف ومندل قال ابن حبان کان یرفع المراسیل ویسند الموقوفات من سوء حفظه فلما فحش ذالک منه استحق الترک.

روایت مذکورہ کا ایک راوی عبید بن اسحاق ہے اور وہ ضعیف ہے اور دوسرے راوی مندل کے بارے میں ابن حبان نے کہا کہ وہ مرسل احادیث کو مرفوع بنا کر اور موقوف کو مسند بنا کر پیش کرتا تھا کیونکہ اس کی یادداشت بہت خراب تھی لہٰذا جب یہ عیب اس میں معروف ومشہور ہے تو اس کی روایت ترک کرنے کی مستحق ہوگئی۔

اس حدیث مرفوع کو متروک کہا جائے گا تو متروک حدیث کو احناف پر حجت بنا کر پیش کرنا کب تسلیم ہوگا جبکہ احناف کے ہاں قرآن وسنت کے علاوہ صحابہ کرام، تابعین اور علماء کی بہت بڑی جماعت کی تائید موجود ہے۔ آثار دیکھنے ہوں تو ''مصنف ابن ابی شیبہ'' ج ۳ص ۱۵۰، ۱۵۱ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان تمام دلائل وشواہد کے ہوتے ہوئے مولوی عطاء اللہ غیر مقلد کا لکھنا کہ احناف کے پاس اپنے مسلک کی کوئی دلیل نہیں، کذب صریح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیا اس شارح کو موطا امام محمد میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا محمد بن ابی بکر کی یتیم بچیوں کے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ نظر نہ آیا لہٰذا معلوم ہوا کہ غیر مقلد کی اندھی تقلید کو خود موطا امام محمد میں موجود احادیث بھی نظر نہ آئیں جس کی شرح لکھنے بیٹھ گیا۔ مذکورہ حدیث موطا امام محمد میں دوسری بات جواہرات اور ہیروں کی زکوٰۃ کی ہے یعنی اگر کسی عورت نے لعل وجواہر کا ہار پہن رکھا ہو تو خواہ کتنا

ہی قیمتی ہو اس کی زکوٰۃ نہیں۔ اس کے خلاف اگر سونے چاندی کے زیورات اگر بقدر نصاب ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس مسئلہ پر "مصنف ابن ابی شیبہ" میں بہت سے آثار منقول ہیں۔

عن عکرمة قال ليس في حجر اللؤلو ولا حجر الزمرد زكوة الا ان يكون للتجارة فان كانا للتجارة ففيهما زكوة حدثنا شريك عن سالم عن سعيد بن الجبير قال ليس في الخرز واللؤلو زكوة الاان يكون للتجارة. عن شعبة عن الحكم انه كان لايرى في الحلي زكوة الا في الذهب والفضة ولا يراه في الجواهر واللؤلو.

حضرت عکرمہ سے ہے فرمایا: لؤلؤ اور زمرد کے پتھروں پر زکوٰۃ نہیں اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو پھر زکوٰۃ ہوگی۔ ہمیں شریک نے سالم سے انہوں نے سعید بن جبیر سے حدیث بیان کی فرمایا: خرز اور لؤلؤ میں تجارت کے بغیر زکوٰۃ نہیں۔ حکم سے شعبہ بیان کرتے ہیں کہ زیورات میں ماسوا سونا اور چاندی کے وہ زکوٰۃ کے قائل نہ تھے اور لؤلؤ اور موتیوں پر بھی زکوٰۃ کے قائل نہ تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۴۳ باب فی اللؤلؤ والزمرد)

لہٰذا ثابت ہوا کہ پتھر کی تمام اقسام پر خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ ہاں اگر تجارت کے لیے ہیں تو مال تجارت سمجھ کر ان کی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ اسی طرح ثابت ہوا کہ یتیم کے مال پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۲۰- بَابُ الْعُشْرِ
عشر کا بیان

۳۲۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ كَانَ يَأْخُذُ مِنَ النَّبَطِ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالزَّيْتِ نِصْفَ الْعُشْرِ يُرِيْدُ اَنْ تُكْثِرَ الْحَمْلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَيَأْخُذُ مِنَ الْقِطْنِيَّةِ الْعُشْرَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب زہری نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبطی سے گندم اور تیل پر نصف عشر وصول کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ مدینہ کی طرف بوجھ زیادہ نہ ہونے پائے اور قطنیہ سے عشر وصول کیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يُؤْخَذُ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ مِمَّا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لِلتِّجَارَةِ مِنْ قِطْنِيَّةٍ اَوْ غَيْرِ قِطْنِيَّةٍ نِصْفُ الْعُشْرِ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ وَمِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ اِذَا دَخَلُوْا اَرْضَ الْاِسْلَامِ بِاَمَانٍ الْعُشْرُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَكَذٰلِكَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ زِيَادَ بْنَ حُدَيْرٍ وَاَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِيْنَ بَعَثَهُمَا عَلٰى عُشُوْرِ الْكُوْفَةِ وَالْبَصْرَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ذمی لوگوں سے جو سامان تجارت لے جاتے ہیں خواہ وہ قطنیہ ہوں یا غیر قطنیہ ان سے نصف عشر (بیسواں حصہ) ہر سال لیا جائے گا اور اہل حرب سے جبکہ وہ دار الاسلام میں امن لے کر داخل ہوں۔ ان اشیاء کا مکمل عشر لیا جائے گا۔ اس طرح کا حکم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جناب زیاد بن حدیر اور انس بن مالک کو دیا تھا جب انہیں کوفہ اور بصرہ کے لوگوں سے عشر جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

نبطی وہ کافر جو قبیلہ نبط سے تعلق رکھتے تھے۔ قطنیہ سے مراد ایسے دانے جن کو پکا کر کھایا جاتا ہو جیسا کہ مسور، چنے وغیرہ۔

روایت مذکورہ کے آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبطی کفار کے مال تجارت سے یعنی گندم اور زیتون سے عشر کی بجائے بیسواں حصہ اس لیے لیتے تھے کہ یہ لوگ شام سے مذکورہ اشیاء لے کر آتے تھے جس سے طویل سفر کی مشکلات کا انہیں سامنا کرنا پڑتا تھا لہٰذا دسویں حصہ کی بجائے ان سے اس

کا نصف یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا رہا۔ ان اشیاء کے علاوہ دانے والی اشیاء پر پورا عشر لیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ ذمی کفار سے ہر قسم کے غلہ پر نصف عشر لیا جائے گا اور حربیوں سے دارالاسلام میں آنے پر پورا عشر لیا جائے گا۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارے اس مذہب کی بنیاد دراصل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ارشادات پر ہے۔ یہی مسلک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۲۱- بَابُ الْجِزْيَةِ

جزیہ کا بیان

۳۲۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَخَذَ مِنْ مَجُوْسِ الْبَحْرَيْنِ الْجِزْيَةَ وَاَنَّ عُمَرَ اَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ فَارِسَ وَاَخَذَهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنَ الْبَرْبَرِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں امام زہری نے بتایا بے شک حضور ﷺ نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا اور عمر بن خطاب نے ایران اور حضرت عثمان بن عفان نے بربر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔

۳۲۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلٰى اَهْلِ الْوَرَقِ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا وَعَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَمَعَ ذَالِكَ اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِيْنَ وَضِيَافَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع نے اسلم مولیٰ عمر سے ہمیں بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاندی والوں پر چالیس درہم اور سونے والوں پر چار دینار جزیہ مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے کھانے پینے کی ضروریات پورا کرنا اور تین دن ان کی مہمان نوازی کرنا بھی ان پر مقرر فرمایا۔

۳۲۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُؤْتٰى بِنَعَمٍ كَثِيْرَةٍ مِنْ نَعَمِ الْجِزْيَةِ قَالَ مَالِكٌ اُرَاهُ تُؤْخَذُ مِنْ اَهْلِ الْجِزْيَةِ فِيْ جِزْيَتِهِمْ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں زید بن اسلم نے اپنے والد سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاں جزیہ کی صورت میں بہت سے اونٹ آیا کرتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ اونٹ جزیہ دینے والوں سے بطور جزیہ لیے جاتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلسُّنَّةُ اَنْ تُؤْخَذَ الْجِزْيَةُ مِنَ الْمَجُوْسِ مِنْ غَيْرِ اَنْ تُنْكَحَ نِسَاءُهُمْ وَلَا تُؤْكَلُ ذَبَائِحُهُمْ وَكَذَالِكَ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَضَرَبَ عُمَرُ الْجِزْيَةَ عَلٰى اَهْلِ سَوَادِ الْكُوْفَةِ عَلَى الْمُعْسِرِ اِثْنَا عَشَرَ دِرْهَمًا وَعَلَى الْوَسَطِ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَعَلَى الْغَنِيِّ ثَمَانِيَةً وَّاَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا. وَاَمَّا مَا ذَكَرَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ مِنَ الْاِبِلِ فَاِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ لَمْ يَاْخُذِ الْاِبِلَ فِيْ جِزْيَةٍ عَلِمْنَاهَا اِلَّا مِنْ بَنِيْ تَغْلِبَ فَاِنَّهُ اَضْعَفَ عَلَيْهِمُ الصَّدَقَةَ فَجَعَلَ ذَالِكَ جِزْيَتَهُمْ فَاَخَذَ مِنْ اِبِلِهِمْ وَبَقَرِهِمْ وَغَنَمِهِمْ.

امام محمد کہتے ہیں سنت یہ ہے کہ مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا جائے لیکن ان کی عورتوں سے شادی نہ کی جائے نہ ہی ان کے ہاتھوں کا ذبح شدہ جانور کھایا جائے۔ یونہی ہمیں حضور ﷺ سے روایت پہنچی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے سرسبز علاقہ جات کے تنگ دستوں پر بارہ درہم، درمیانی حالت والوں پر چوبیس درہم اور امیروں پر اڑتالیس درہم جزیہ مقرر فرمایا تھا لیکن جو امام مالک نے ذکر فرمایا کہ اونٹ بھی جزیہ میں آتے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جزیہ میں کوئی اونٹ قبول نہیں فرمایا۔ ہاں بنی تغلب سے کہ ان پر جزیہ دوگنا کر دیا تھا تو ان سے اونٹ وغیرہ کی صورت میں جزیہ لیا گیا۔

جزیہ کی وصولی یا اس کی ادائیگی صرف مجوسیوں پر لازم ہے۔ یہ بات خود حضور ﷺ اور حضرت عمر وغیرہ خلفاء سے ثابت

ہے۔ چاندی کے کاروبار والوں سے چالیس درہم اور سونے والوں سے چار دینار مقرر فرمائی تھی۔ حضرت عمر نے اس مقدار کے ساتھ ساتھ دو باتیں اور بڑھائیں۔ ایک یہ کہ مجوسیوں کے ہاں رہنے والے مسلمانوں کی ضروریات زندگی پورا کرنے کے وہ پابند ہوں گے اور بطور مہمان آنے والے مسلمان کی تین دن تک مہمان نوازی بھی لازمی ہوگی۔ بہرحال جزیہ کی یہ مقدار بطور قیمت تھی۔ جانوروں کی صورت میں جزیہ کی وصولی نہ تھی۔ یہاں امام مالک سے امام محمد اپنے اختلاف کا ذکر فرماتے ہیں کہ امام مالک جزیہ میں اونٹ وغیرہ جانور دیئے جانے کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جزیہ کے مال میں اونٹ بکثرت ہونا بتاتے ہیں لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف بنی تغلب سے اونٹ وغیرہ جزیہ میں قبول کیے وہ بھی اس لیے کہ ان پر جزیہ دوگنا کر دیا گیا تھا جسے وہ نقدی کی صورت میں ادا کرنا مشکل جانتے تھے تو آپ نے کچھ حصہ اونٹوں، گائیوں وغیرہ کی صورت میں ان سے لیا۔ یہ لینا بطور سزا تھا۔ خلاصہ یہ کہ جزیہ کی مقدار کا دارومدار خلیفہ وقت پر منحصر ہے اور بصورت نقدی لیا جائے گا۔ جانوروں کی صورت میں جزیہ وصول نہیں ہوگا بقیہ دو مسائل کہ مجوسیوں کی عورتوں سے نکاح نہ کرنا اور ان کا ذبیحہ نہ کھانا تو اس کی ممانعت قرآن و حدیث میں آ چکی ہے کیونکہ یہ کافر ہیں۔

۱۲۲- بَابُ زَكٰوةِ الرَّقِيْقِ وَالْخَيْلِ وَالْبَرَاذِيْنِ

عام گھوڑے، ترکی گھوڑے اور غلاموں کی زکوٰۃ کا بیان

۳۲۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَاَلْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ صَدَقَةِ الْبَرَاذِيْنِ فَقَالَ اَوَفِى الْخَيْلِ صَدَقَةٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن دینار نے بتایا کہ میں نے سعید بن مسیب سے ترکی گھوڑوں کی زکوٰۃ کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا کیا گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے؟

۳۲۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِىْ عَبْدِهٖ وَلَا فِىْ فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عبداللہ بن دینار نے سلیمان بن یسار سے انہوں نے عراک بن مالک سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَيْسَ فِى الْخَيْلِ صَدَقَةٌ سَائِمَةً كَانَتْ اَوْ غَيْرَ سَائِمَةٍ وَاَمَّا فِىْ قَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةً يُطْلَبُ نَسْلُهَا فَفِيْهَا الزَّكٰوةُ اِنْ شِئْتَ فِىْ كُلِّ فَرَسٍ دِيْنَارٌ وَاِنْ شِئْتَ فَالْقِيْمَةُ ثُمَّ فِىْ كُلِّ مِائَتَىْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَهُوَ قَوْلُ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِىِّ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا عمل یہ ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ خواہ وہ چرنے والے یا گھر بندھے چارہ کھانے والے ہوں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر گھوڑے باہر چر کر گزارا کرتے ہوں اور ان کے پالنے سے مقصد نسل بڑھانا ہو تو ان میں زکوٰۃ ہے۔ مالک اگر چاہے تو ہر گھوڑے کی زکوٰۃ ایک دینار ادا کرے اور اگر چاہے تو قیمت لگا کر دو سو درہم میں پانچ درہم دیدے اور یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔

۳۳۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِىْ بَكْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنْ لَّا يَاْخُذَ مِنَ الْخَيْلِ وَلَا الْعَسَلِ صَدَقَةً.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن ابی بکر نے اپنے باپ سے بتایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی طرف لکھا کہ گھوڑوں اور شہد میں زکوٰۃ نہ لینا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَمَّا الْخَيْلُ فَهِيَ عَلٰى مَا وَصَفْتُ وَاَمَّا الْعَسَلُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ اِذَا اَصَبْتَ مِنْهُ الشَّيْءَ الْكَثِيْرَ خَمْسَةَ اَفْرَاقٍ فَصَاعِدًا وَاَمَّا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ فِيْ قَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهِ الْعُشْرُ وَقَدْ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ جَعَلَ فِي الْعَسَلِ الْعُشْرَ.

امام محمد کہتے ہیں گھوڑوں کے متعلق وہی جو میں کہہ چکا ہوں اور شہد تو اس میں عشر ہے۔ یہ اس وقت جب اس کی مقدار پانچ افراق یا اس سے زیادہ ہو اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ قلیل وکثیر شہد میں زکوٰۃ کا قول فرماتے ہیں اور ہمیں بھی حضور ﷺ سے یہ روایت پہنچی کہ آپ نے شہد میں عشر مقرر فرمایا تھا۔

۳۳۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ اَهْلَ الشَّامِ قَالُوْا لِاَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ خُذْ مِنْ خَيْلِنَا وَرَقِيْقِنَا صَدَقَةً فَاَبٰى ثُمَّ كَتَبَ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ عُمَرُ اِنْ اَحَبُّوْا فَخُذْهَا مِنْهُمْ وَارْدُدْهَا عَلَيْهِمْ يَعْنِيْ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ وَارْزُقْ رَقِيْقَهُمْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابن وہب نے سلیمان بن یسار سے بتایا کہ شامیوں نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کہا آپ ہمارے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ وصول کریں تو آپ نے انکار کر دیا اور ایک رقعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اگر وہ یہ پسند کرتے ہیں تو زکوٰۃ لے کر ان کے غرباء پر خرچ کر دو اور ان کے غلاموں کے کھانے پینے کا اس سے بندوبست کر دو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْقَوْلُ فِيْ هٰذَا الْقَوْلِ الْاَوَّلِ وَلَيْسَ فِيْ فَرَسِ الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ وَلَا فِيْ عَبْدِهٖ اِلَّا صَدَقَةَ الْفِطْرِ.

امام محمد کہتے ہیں اس بارے میں میرا وہی پہلا قول ہے کہ مسلمان کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں غلام کا صدقہ فطر ہے۔

مذکورہ روایات میں گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ کا مسئلہ آیا ہے۔ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ گھوڑے اگر صرف مذکر ہی ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں اور اگر نر مادہ ملے جلے ہوں تو پھر ان کی زکوٰۃ دینے میں مالک کو اختیار ہے کہ فی گھوڑا ایک دینار ادا کرے یا قیمت کا چالیسواں حصہ دیدے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما گھوڑوں پر زکوٰۃ کے قائل نہیں لیکن مذکورہ اختلاف عام پالتو گھوڑوں میں ہے ورنہ اگر بغرض تجارت ہوں تو بالاتفاق زکوٰۃ ہے اور اگر بغرض جہاد ہوں تو بلااتفاق زکوٰۃ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک پر بہت سے دلائل موجود ہیں اور ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو صاف الفاظ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ کا پتہ دیتی ہیں۔ آثار بھی بہت سے ہیں مثلاً

عن ابن جريج قال اخبرني عبد الله بن ابي حسين عن ابن شهاب اخبره ان عثمان كان يصدق الخيل وان السائب ابن اخت النمر اخبره كان ياتي عمر بصدقة الخيل.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۵۲ ما قالوا فی زکوٰۃ الخیل)

ابن جریج سے کہ مجھے عبداللہ بن ابی حسین نے ابن شہاب سے خبر دی۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ گھوڑوں کی زکوٰۃ لیا کرتے تھے اور سائب بن اخت نمر نے اسے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ میں گھوڑے آتے تھے۔

عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جابر قال قال رسول الله ﷺ في الخيل السائمة في كل فرس دينار. (بیہقی ج ۴ ص ۱۱۹)

جعفر بن محمد اپنے باپ سے وہ حضرت جابر سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چرنے والے گھوڑوں کے متعلق فرمایا: ہر گھوڑے کی ایک دینار زکوٰۃ ہے۔

قال ابو عمر قد روى جويرية عن مالك فيه

ابوعمر نے کہا کہ جویریہ نے اس بارے میں مالک سے ایک

حدیث صحیح ذکر دارقطنی عن ابی بکر شافعی عن معاذ بن المثنی عن عبد الله بن محمد بن اسماء عن جویریة عن مالک عن الزهری ان السائب بن یزید اخبره قال لقدرایت ابی یقیم الخیل ثم یدفع صدقتها الی عمر.

(جوہرالنقی ذیل البیہقی ج۴ص۱۲۰من رأی فی الخیل صدقۃ)

صحیح حدیث روایت کی ہے۔ دارقطنی نے ابوبکر شافعی سے وہ معاذ بن مثنی سے وہ عبداللہ بن محمد بن اسماء سے وہ جویریہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ مالک سے وہ زہری سے بیان کرتے ہیں کہ سائب بن یزید نے انہیں خبر دی کہ میں نے اپنے والد کو گھوڑوں کی قیمت لگاتے پایا۔ وہ پھر ان کی زکوٰۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ادا کرتے تھے۔

ان جیسے اور بہت سے آثار اس پر ناطق ہیں کہ گھوڑوں پر زکوٰۃ ہے اور موطا کی مذکورہ روایات اس کی نفی کرتی ہیں بظاہر ان میں تعارض نظر آتا ہے۔ اس تعارض کو علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اچھے انداز میں حل فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں:

ان زید بن ثابت لما بلغه حدیث ابی هریرة رضی الله عنه قال صدق رسول الله ﷺ انما اراد فرس الغازی قال ومثل هذا لایعرف بالرای فثبت انه مرفوع. عن ابی طاؤس عن ابیه انه قال سالت ابن عباس رضی الله عنه عن الخیل افیها صدقة فقال لیس علی فرس الغازی فی سبیل الله صدقة. (نصب الرایہ ج۲ص۳۵۷ فصل فی الخیل)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت پہنچی کہنے لگے حضور ﷺ نے سچ فرمایا آپ کی مراد غازی کا گھوڑا تھا۔ اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی تو معلوم ہوا کہ یہ مرفوع ہے۔ ابو طاؤس اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گھوڑوں کے بارے میں زکوٰۃ کا پوچھا تو فرمانے لگے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے والے (غازی) کے گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جن گھوڑوں کی زکوٰۃ نہ ہونے کا قول ہے ان سے مراد جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑے ہیں۔ ''مصنف ابن ابی شیبہ'' ج۳ص۱۵۲ پر اس قسم کے الفاظ منقول ہیں اور جن گھوڑوں پر زکوٰۃ کا قول امام اعظم نے کیا ہے ان سے مراد غازی کے گھوڑوں کے سوا مراد ہیں جو سال کا اکثر حصہ چر کر گزارہ کرتے ہوں۔ کتاب الآثار میں اس کی تائید درج ذیل الفاظ سے موجود ہے۔

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم انه کان فی الخیل سائمة التی یطلب نسلها ان شئت فی کل فرس دینارا وان شئت عشرة الدراهم خمسة دراهم فی کل فرس ذکر او انثی.

(کتاب الآثار ص۶۱ باب زکوٰۃ الدواب العوامل)

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ چرنے والے گھوڑوں میں جبکہ وہ تجارت کے لیے ہوں ان میں اگر تو چاہے تو ایک گھوڑے کی ایک دینار زکوٰۃ دے دیا کر اور اگر تو چاہے تو دس درہم اور اگر تو چاہے تو قیمت لگا کر ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ دے دیا کر ان کی مونث و مذکور برابر ہیں۔

قارئین کرام! روایت مذکورہ سے یہ تفصیل سامنے آئی کہ گھوڑے اگر نسل بڑھانے کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ نسل کی افزائش اس وقت تک ناممکن ہوگی جب ان کے ساتھ گھوڑیاں نہ ہوں لہٰذا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول مطابق حدیث مرفوع ہوا کہ گھوڑے اکیلے ہوں تو زکوٰۃ نہیں اور اگر دونوں (نر، مادہ) ہوں تو افزائش نسل کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ یہ روایت ایک عظیم تابعی جناب ابراہیم سے مروی ہے اور تابعی کی ایسی روایت جو عقل ورائے سے پہچانی جا سکتی ہو وہ بالاتفاق مرفوع حدیث کے حکم

میں ہوتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مخصوص گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے اور جو حضرات گھوڑوں پر زکوٰۃ کا انکار کرتے ہیں وہ علی الاطلاق ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی تجارت کی وجہ سے پالے جانے والے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب ہے اس لیے انکار واقرار میں تطبیق ہوگئی۔

دوسرا مسئلہ جو زیر بحث روایت موطا کا ہے وہ شہد کی زکوٰۃ کا ہے۔ گھوڑے کی طرح شہد کی زکوٰۃ بھی مختلف فیہ ہے۔ بعض نے سرے سے اس میں زکوٰۃ کا انکار کیا اور کچھ دوسرے حضرات پانچ افراق وزن پر زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ شہد پر بہر حال زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔"ما اخرجته الارض ففيه العشر. زمین جو پیدا کرے اس میں عشر ہے"۔ اس میں پیداوار کا نہ وزن مقرر کیا گیا اور نہ کوئی دوسری قید لگائی گئی۔ اسی طرح کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں یوں مذکور ہے۔

حدثنا ابن المبارک عن عطاء الخراسانی عن عمر قال فی العسل عشر. عن سعد بن ابی ذباب انه قدم علی قومه فقال لهم فی العسل زکوة فانه لاخیر فی مال لایزکی. قال قالوا فکم تری قلت العشر فاخذتهم العشر فقدم به علی عمر واخبره بما فیه قال فاخذه عمر وجعله فی صدقات المسلمین حدثنا وکیع عن ابی ذهب عن الزهری قال فی العسل العشر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۴۱-۱۴۲ مطبوعہ دار القرآن کراچی فی عسل ہل فی زکوۃ ام لا)

ہمیں ابن مبارک نے عطاء خراسانی سے وہ عمر سے بیان کرتے ہیں کہ شہد میں عشر ہے۔ سعد بن ابی ذباب ایک قوم کے پاس آئے تو انہیں کہا شہد میں بھی زکوٰۃ ہے کیونکہ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی گئی اس میں خیر نہیں لوگوں نے پوچھا آپ پھر کتنی زکوٰۃ بتاتے ہیں؟ میں نے کہا دسواں حصہ پھر انہوں نے ان لوگوں سے شہد کا دسواں حصہ لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور بتایا کہ فلاں چیز لایا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لیا لیا اور مسلمانوں کے مال زکوٰۃ میں ڈال دیا۔ ہمیں جناب وکیع نے ابو ذہب انہوں نے امام زہری سے حدیث سنائی کہ شہد میں زکوٰۃ ہے۔

قارئین کرام! ان آثار میں شہد پر زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے جس کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی جس کا صاف صاف مطلب یہ کہ شہد پر زکوٰۃ ہے۔ خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لہٰذا ان آثار کو دیکھ کر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو ہی ترجیح ہوگی۔

۱۲۳ - بَابُ الرِّكَازِ

کان اور دفینہ کی زکوٰۃ

۳۳۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا رَبِيْعَةُ بْنُ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَقْطَعَ لِبَلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ مِنْ مَّعَادِنِ الْقَبَلِيَّةِ وَهِيَ مِنْ نَّاحِيَةِ الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ اِلَى الْيَوْمِ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا اِلَّا الزَّكٰوةُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن وغیرہ نے بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے جناب بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کے لیے فرع کے میدان کی ایک کان بطور جاگیر عطا فرمائی۔ اس کان سے آج تک صرف زکوٰۃ ہی وصول کی جاتی رہی ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْحَدِيْثُ الْمَعْرُوْفُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا الرِّكَازُ قَالَ الْمَالُ الَّذِيْ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْاَرْضِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي

امام محمد کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے حدیث مشہور ہے۔ فرمایا: رکاز پر خمس ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! رکاز کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: وہ مال جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں چھپا دیا ہو جب سے زمین وآسمان کو پیدا کیا یعنی کانیں ان میں خمس ہے اور یہی امام

هٰذِهِ الْمَعَادِنِ فَفِيْهَا الْخُمُسُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَآمَّةِ مِنْ فُقَهَآئِنَا.

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رکاز اور معدن میں فرق کرتے ہیں۔ معدن وہ جو کہ زمین میں پیدائشی مدفون ہو جیسا کہ سونا چاندی وغیرہ کی کانیں اور رکاز وہ دفینہ ہے جسے کسی نے زمین میں چھپایا ہو۔ اس فرق کے پیش نظر آپ فرماتے ہیں کہ رکاز میں خمس ہے معدن میں نہیں ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دونوں میں خمس ہے۔ آپ کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ رکاز میں خمس کے لزوم سے مراد مال غنیمت کے حکم میں ہونا ہے۔ مال غنیمت ہونے میں معدن اور رکاز دونوں یکساں ہیں کیونکہ کفار کی زمینیں جب ہم مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو وہ اور ان تمام دفینوں اور معدنیات کے ساتھ ہمارے لیے غنیمت کا مال ہوں گی۔ اگر قدرۃً اس میں کوئی کان ہے تو وہ بھی غنیمت کا مال شمار ہوگی اور اگر کسی نے رکھی تھی تو وہ بھی زمین کے ضمن میں مال غنیمت ہی شمار ہوگی اور غنیمت کے مال میں بہرحال خمس ہے لہٰذا خمس کا جس بات پر دارومدار ہے وہ دونوں میں موجود ہے اس لیے دونوں کا خمس لیا جائے گا۔ بہرصورت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہی راجح ہے کیونکہ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ زمین اور اس کی چھپی ہر چیز میں خمس واجب ہے کیونکہ وہ مال غنیمت ہے اور مال غنیمت میں خمس واجب ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۲۴- بَابُ صَدَقَةِ الْبَقَرِ

گائے وغیرہ کی زکوٰۃ کا بیان

۳۳۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ طَاؤُسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذَ ابْنَ الْجَبَلِ اِلَى الْيَمَنِ فَاَمَرَ اَنْ يَّاْخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلٰثِيْنَ بَقَرَةً تَبِيْعًا وَمِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً فَاُتِیَ بِمَا دُوْنَ ذٰلِكَ فَاَبٰى اَنْ يَّاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا وَقَالَ لَمْ اَسْمَعْ فِيْهِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا حَتّٰى اَرْجِعَ اِلَيْهِ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ اَنْ يَّقْدِمَ مُعَاذٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی انہیں حمید بن قیس نے جناب طاؤس سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو حکم دیا کہ تیس گائیوں میں سے ایک تبیعہ زکوٰۃ لینا اور چالیس پر سے ایک مسنہ زکوٰۃ لینا۔ آپ کے پاس اس نصاب سے کم کی زکوٰۃ لائی گئی تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اس بارے میں میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا واپس جا کر دریافت کروں گا۔ ان کے حاضر ہونے سے قبل سرکار دو عالم ﷺ وصال فرما چکے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَيْسَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِ زَكٰوةٌ فَاِذَا كَانَتْ ثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا تَبِيْعٌ اَوْ تَبِيْعَةٌ وَالتَّبِيْعُ الْجَذَعُ الْحَوْلِیُّ اِلٰى اَرْبَعِيْنَ فَاِذَا بَلَغَتْ اَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا مُسِنَّةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَآمَّةِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا یہ مذہب ہے کہ تیس سے کم گائیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب تیس ہو جائیں تو ان میں ایک نر یا مادہ ایک سال عمر کا چالیس تک زکوٰۃ ہے اور چالیس ہو جائیں تو ان میں دو سالہ نر یا مادہ ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور عام فقہاء کرام کا ہے۔

روایت مذکورہ میں اگرچہ لفظ ''بقرۃ'' آیا ہے لیکن اس سے مراد گائے بیل، بھینس بھینسا سبھی ہیں۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ ان چارپایوں کی زکوٰۃ کے لیے نصاب مقررہ کے ساتھ ساتھ ''سائمہ'' ہونا بھی شرط یعنی سال کا اکثر حصہ چر کر گزارہ کرتے ہوں۔ ان کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ دونوں میں سے کوئی ایک دینا جائز ہے لیکن اونٹ کی زکوٰۃ میں صرف مونث ہی زکوٰۃ کے طور پر لی جاتی ہے۔ گائے بھینس وغیرہ میں مادہ سے دودھ اور نر سے کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا ہے۔ اونٹ نر ہو تو کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی اور مادہ سے آگے نسل چلائی جا سکتی ہے لہٰذا مفاد مختلف ہونے سے کچھ فرق ہے۔ ائمہ کا اس بارے میں کوئی خاص اختلاف بھی نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۲۵- بَابُ الْکَنْزِ

دفینہ یا خزانہ کی زکوٰۃ کا بیان

۳۳۴- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ الْکَنْزِ قَالَ هُوَ الْمَالُ الَّذِیْ لَا تُؤَدّٰی زَکٰوتُهٗ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کنز کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: یہ وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہیں دی جاتی۔

۳۳۵- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ دِیْنَارٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَنْ کَانَ لَهٗ مَالٌ وَلَمْ یُؤَدِّ زَکَاتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یَطْلُبُهٗ حَتّٰی یُمْکِنَهٗ فَیَقُوْلُ اَنَا کَنْزُکَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں بیان کیا عبداللہ بن دینار ابوصالح سے کہ ابوہریرہ نے کہا جس کے پاس مال ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہیں دیتا تو وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں جس کے سر پر دو نقطے ہوں گے۔ اس زکوٰۃ نہ دینے والے پر مسلط کیا جائے گا جو اس کے پیچھے لگا رہے گا حتیٰ کہ اس پر غلبہ پا کر (چباتے ہوئے) کہے گا میں تیرا (وہی) خزانہ ہوں۔

لفظ کنز کا ایک معنیٰ مال جمع کرنا اور دوسرا معنیٰ مال کو زمین میں دفن کرنا آتا ہے اور شرعی معنیٰ یہ کہ ایسا مال جس پر زکوٰۃ واجب تھی لیکن اس کی زکوٰۃ دی نہیں گئی۔

قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (التوبہ:۳۴)

اور وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو جمع کر رکھتے تھے ان کو فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے۔

یعنی ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس آیت کریمہ سے کنز کی تعریف سامنے آتی ہے یعنی وہ سونا چاندی جو نصاب تک پہنچتا ہو اور مالک اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بھی آئی ہے کہ جو آدمی مال جمع کرے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مال اس کے لیے کل قیامت کو گنجا سانپ بن کر آئے گا جس کی آنکھوں پر دو کالے داغ ہوں گے۔ وہ اپنے مالک کو تلاش کرے گا پکڑنے پر کہے گا کہ میں تیرا وہی مال ہوں جو تو نے جمع کر رکھا تھا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تھی لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ مال کا نصاب ہونے پر اور سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ ادا کردے ورنہ کل قیامت کو وہ ان سزاؤں سے نہ بچ سکے گا جو قرآن وحدیث نے اس کے لیے بیان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر صاحب نصاب مسلمان کو زکوٰۃ ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اسے کنز بنانے کی عادت سے چھٹکارا عطا فرمائے۔ آمین

۱۲۶- بَابُ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ

صدقہ کون لے سکتا ہے؟

۳۳۶- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِیٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَیْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ لَهٗ جَارٌ مِسْکِیْنٌ تُصُدِّقَ عَلَی الْمِسْکِیْنِ فَاَهْدٰی اِلَی الْغَنِیِّ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عطاء بن یسار سے زید بن اسلم نے بیان کیا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی ہوتے ہوئے پانچ اشخاص کے سوا کسی اور کو صدقہ لینا حلال نہیں (۱) اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا (۲) صدقات پر مقرر کیا گیا کارندہ (۳) مقروض (۴) وہ شخص جو قیمتاً اسے اپنے مال سے خریدے (۵) یا ایسا شخص کہ اس کے پڑوس میں کسی مسکین کو صدقہ دیا جائے

اور وہ ہدیہ کے طور پر اس کو دیدے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَالْغَازِيُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِذَا كَانَ لَهٗ عَنْهَا غِنًى يَقْدِرُ بِغِنَاهُ عَلَى الْغَزْوِ لَمْ يُسْتَحَبَّ لَهٗ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا شَيْئًا وَّكَذٰلِكَ الْغَارِمُ إِنْ كَانَ عِنْدَهٗ وَفَاءٌ بِدَيْنِهٖ وَفَضْلٌ تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ لَمْ يُسْتَحَبَّ لَهٗ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا شَيْئًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا۔ اگر اس قدر مال رکھتا ہو کہ وہ اس کے ہوتے ہوئے جہاد پر قدرت رکھے تو اسے مال زکوٰۃ سے کچھ بھی نہیں لینا چاہیے۔ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ یونہی مقروض کے پاس اگر قرض ادا کرنے کے لیے رقم ہو اور کچھ فالتو بھی ہو کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو تو اس کے لیے بھی مستحب یہ ہے کہ مال زکوٰۃ میں سے کچھ بھی نہ لے اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

صدقہ (زکوٰۃ) کا مال کن لوگوں کو لینا جائز ہے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک حدیث پاک بیان کی جس میں پانچ آدمیوں کا ذکر ہے جو غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

(۱) غازی اگرچہ اپنے گھر میں صاحب نصاب ہو تب بھی اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اگر زکوٰۃ لیے بغیر اس کا گزر ہو سکتا ہے تو نہ لینا بہتر ہے۔

(۲) وہ عامل جسے حکومت نے زکوٰۃ وصدقات جمع کرنے پر مقرر کیا ہے اگر وہ صاحب نصاب ہو تو بھی زکوٰۃ میں سے کچھ لے سکتا ہے لیکن اس کے لیے بھی نہ لینا بہتر ہے۔

(۳) مقروض کو جب قرض اتنا دینا ہے کہ جو کچھ گھر میں نقدی وغیرہ ہے۔ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب کی مقدار باقی نہیں بچتا۔ اسے زکوٰۃ لینی جائز ہے اور اگر قرض ادا کرنے کے بعد باقی مال یا نقدی اتنی بچی کہ وہ نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو اب اسے زکوٰۃ لینا درست نہیں۔

(٤) وہ شخص جو مال زکوٰۃ کسی غریب سے خریدتا ہے یعنی کسی صاحب نے اپنی زکوٰۃ غریب وفقیر کو دے دی اور اسے اس کا مالک بنا دیا۔ اب وہی غریب زکوٰۃ میں وصول کیا گیا مال کسی امیر کو فروخت کر دیتا ہے تو امیر کے لیے یہ خرید وفروخت جائز ہے۔

(٥) کسی نے مستحق کو زکوٰۃ ادا کر دی پھر اس مستحق نے وہی مال زکوٰۃ کسی غنی کو بطور ہدیہ تحفہ دے دیا تو اس غنی کا اس تحفہ کو قبول کرنا درست ہے۔

مختصر یہ کہ مال زکوٰۃ میں حیلہ شرعی جائز ہے جیسا کہ سید کو براہ راست زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اگر اس کی مال زکوٰۃ سے مدد کرنا پڑے تو مال زکوٰۃ پہلے کسی مستحق کی ملکیت کریں گے پھر وہ مستحق وصول شدہ مال زکوٰۃ کو بطور ہدیہ سید کو دیدے تو یہ طریقہ جائز ہے۔ مدارس اسلامیہ میں زکوٰۃ کی رقم میں یہی حیلہ بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لوگ مال زکوٰۃ مدرسہ کے مہتمم کو دے جاتے ہیں۔ مہتمم اسی مال زکوٰۃ کو طلباء میں سے غیر سید اور مستحق کی ملکیت میں دے دیتا ہے پھر اگر وہی مستحق طالب علم اپنی خوشی سے وہ رقم مدرسہ کو یا مہتمم کو واپس کر دیتا ہے تو یہ واپسی بطور ہدیہ ہو گی۔ اب مہتمم اسے جہاں چاہے خرچ کرے شرعاً جائز ہے لیکن مال زکوٰۃ اس حیلہ کے بغیر اگر کوئی شخص مدرسہ کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ پر خرچ کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی کیونکہ زکوٰۃ کا مال وصول کرنے والے کا صاحب قبضہ ہونا اور مستحق ہونا ضروری ہے۔ مدرسہ کی عمارت صاحب قبضہ نہیں اور مدرسین عام طور پر مستحقین میں شامل نہیں ہوتے۔ اس حیلہ کی اصل وہ حدیث پاک ہے جو صحاح ستہ میں مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کسی نے صدقہ کا گوشت بھیجا انہوں نے اسے پکایا حضور ﷺ نے پوچھا کہ ہنڈیا میں کیا پک رہا ہے؟ عرض کی گوشت ہے۔ فرمایا اس میں سے مجھے بھی

کھلاؤ۔ عرض کی یہ صدقہ کا ہے اور صدقہ آپ کے لیے جائز نہیں۔ فرمایا تمہارے لیے صدقہ تھا اور اب تم ہمیں دو گی تو وہ صدقہ نہیں بلکہ ہدیہ ہوگا۔ اس سے علمائے اصول نے ایک قانون نکالا کہ ملک کی تبدیلی سے مملوکہ چیز کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔

اشکال: یہاں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقروض اگر قرضہ ادا کر دے اور پھر بھی بقدر نصاب اس کے پاس مال ہو تو اسے زکوٰۃ لینا بہتر نہیں یعنی جائز ہے۔ حالانکہ اس سے قبل باب ۱۱۵ میں ایسے شخص پر خود اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کو واجب فرمایا۔ ایک طرف زکوٰۃ کی ادائیگی واجب اور دوسری طرف دوسروں سے زکوٰۃ لینا بھی جائز یہ دونوں باتیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں لہٰذا ان دونوں کا کیا مفہوم ہوگا؟

جواب: اس باب میں "فضل تجب فیه الزکوٰۃ" میں حرف "لا" کاتب سے سہواً رہ گیا اور یہ ریت ایسی چلی کہ ہر آنے والے نے اسی کو اپنایا۔ اگر اس حرف کو یہاں لکھا جاتا تو مفہوم یہ ہوتا کہ مقروض کے پاس جب قرض ادا کرنے کے بعد اتنا مال بچ جائے کہ اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اور "لا" کی غیر موجودگی میں مفہوم بالکل درست نہیں۔ اسی بات کو تفصیل کے ساتھ احکام القرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

فثبت ان المراد الغریم الذی لا یفضل له عمالی یده بعد قضاء دینه مقدار مائتی درهم او ما یساویها فیجعل المقدار المستحق بالدین مما فی یده کانه فی غیر ملکه وما فضل عنه فهو فیه بمنزلة من لا دین علیه۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۶ از زیر آیت انما الصدقات للفقراء)

لہٰذا ثابت ہوا کہ قرض دار سے مراد ایسا شخص ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس دو سو درہم یا اس کے مساوی کی مالیت نہ بچے اب جو کچھ اس کے پاس ہے وہ تو قرضہ ہونے کی وجہ سے یوں ہوگا کہ وہ اس کی مالیت ہی نہیں اور جو کچھ قرضہ سے بچ گیا وہ ایسا کہ اس پر قرضہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں تطبیق کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اس باب میں " فضل تجب الخ " میں "لا تجب " اختیار کیا جائے۔

۱۲۷ - بَابُ زَکٰوةِ الْفِطْرِ

صدقۂ فطر کا بیان

۳۳۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یَبْعَثُ بِزَکٰوةِ الْفِطْرِ اِلَی الَّذِیْ تُجْمَعُ عِنْدَهٗ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمَیْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع نے بتایا کہ آپ صدقۂ فطر اس کے عامل کے پاس عید الفطر سے دو یا تین دن پہلے ہی بھیج دیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ یُعْجِبُنَا تَعْجِیْلُ زَکٰوةِ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ یَّخْرُجَ الرَّجُلُ اِلَی الْمُصَلّٰی وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے۔ صدقۂ فطر کا ادا کرنا قبل اس کے کہ کوئی شخص عید گاہ کی طرف نماز عید پڑھنے جائے ہم ایسی جلدی کو پسند کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لفظ فطر یا تو افطار سے یا فطرۃ سے ماخوذ ہے کیونکہ اس کا وجوب ماہ رمضان المبارک کے گزرنے یا عید کے دن سے افطار شروع ہونے پر واجب ہوتا ہے اس لیے اسے صدقۂ فطر کہا گیا۔ اصطلاح شرع میں اس کے وجوب کا تعلق عید کے دن کے ساتھ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک دن کی خوراک پر قادر ہونے والے پر بھی لازم ہے۔ امام مالک صاحب نصاب پر لزوم کا قول فرماتے ہیں۔ اس کا نصاب نامی ہو یا غیر نامی عام ہے اور امام ابوحنیفہ کے ماننے والے (احناف)

بھی ہر صاحب نصاب پر اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ خواہ نصاب پر سال گزر چکا ہو یا نہ۔ صدقہ فطر کی مقدار بمطابق حدیث یہ ہے کہ ایک صاع کھجوریں یا جو اور نصف صاع گندم، آٹا وغیرہ۔ اس کی ادائیگی ہر مسلمان صاحب نصاب پر اپنی طرف سے اپنے غلاموں اور اپنی زیر تربیت اولاد کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ نے عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے اس کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے۔

''صاع'' سرزمین حجاز میں ان دنوں ایک پیمانہ کا نام تھا۔ ہم اپنی پنجابی زبان میں جس طرح ''ٹوپا'' کہتے ہیں۔ اس پیمانہ کے ذریعے مختلف اشیاء (گندم، جو، چاول وغیرہ) ماپ کر خریدی بیچی جاتی تھیں۔ صاع چونکہ مختلف عربی ممالک میں مستعمل تھا۔ عراق، یمن اور حجاز کے صاع میں باہم فرق تھا چونکہ رسول اللہ ﷺ سرزمین حجاز سے تعلق رکھتے تھے اس لیے آپ کے ارشاد گرامی میں صاع سے مراد صاع حجازی ہوگا۔ اس میں سمانے والی چیز کی وزن کے اعتبار سے مقدار تین سو اکاون تولہ بنتی ہے۔ یعنی پاکستانی سیر جو چاندی والے اسی روپے کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک ''صاع'' چار سیر ڈیڑھ پاؤ اور ایک تولہ ہوا۔ اس حساب سے جن اشیاء کا پورا صاع دینے کا حکم ہے۔ وہ مذکورہ مقدار ادا کرے اور جن میں نصف صاع کا ارشاد ہے۔ ان میں دو سیر تین چھٹانک اور چھ ماشہ ادا کرے۔ یہ تحقیق ''فتاویٰ رضویہ'' ج ۴ سے اخذ کی گئی ہے مزید وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

صدقۂ فطر عید پڑھنے سے پہلے ادا کر دینا بہت بہتر ہے کیونکہ اس طرح غرباء اور فقراء بھی عید کے لیے خرید و فروخت کر سکیں گے۔ نیز احادیث میں آتا ہے کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی کے بغیر روزے معلق رہتے ہیں۔ ان کی بارگاہ الٰہی میں شرفیابی صدقۂ فطر کی ادائیگی کے ساتھ ہے لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے بھی جلدی ادا کرنے میں بہت فائدہ ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں صدقۂ فطر کو روزوں کا میل دور کرنے کا ذریعہ بھی فرمایا گیا۔ بہرحال عید کے دن سے پہلے ادا کر دینا اچھا ہے۔ اگرچہ اس کا وجوب عید الفطر کی رات کے اختتام اور صبح صادق کے شروع کے ساتھ ہے۔ اس لیے ہر اس شخص پر سے صدقۂ فطر ختم ہو جائے گا جو عید الفطر کی صبح صادق سے پہلے انتقال کر گیا اور جو اس وقت سے پہلے پیدا ہو گیا اس کا صدقۂ فطر ادا کرنا پڑے گا۔

۱۲۸ - بَابُ صَدَقَةِ الزَّيْتُوْنِ

زیتون کی زکوٰۃ کا بیان

۳۳۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ صَدَقَةُ الزَّيْتُوْنِ الْعُشْرُ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے خبر دی کہ زیتون کی زکوٰۃ عشر ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ خَمْسَةُ اَوْسُقٍ فَصَاعِدًا وَلَا يُلْتَفَتُ فِيْ هٰذَا اِلَى الزَّيْتِ اِنَّمَا يُنْظَرُ فِيْ هٰذَا اِلَى الزَّيْتُوْنِ وَاَمَّا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَفِيْ قَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهِ الْعُشْرُ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ مذہب ہے کہ جب زیتون پانچ وسق یا اس سے زائد نکلے۔ (تو اس پر عشر ہے) اس بارے میں زیتون کے تیل کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ زیتون کے پھل کا لحاظ ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ زیتون خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر ہے۔

روایت مذکورہ میں موجود اختلاف ''باب ما یجب فیه الزکوة'' کا حصہ ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ زمین سے قلیل و کثیر نکلنے والی چیز پر عشر کا قول فرماتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کی پانچ وسق مقدار (کم از کم) مقرر فرماتے ہیں۔ نئی بات یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہاں زیتون کے تیل کے پانچ وسق نہیں بلکہ اس کے پھل کے پانچ وسق لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ سرزمین عرب میں زیتون اور اس سے نکلنے یا بنائے جانے والا تیل دونوں فروخت ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ کے متعلق چند ضروری مسائل

مسئلہ نمبر ۱: زکوٰۃ کی اشیاء مختلف ہیں۔ (۱) جانوروں کے نصاب پر زکوٰۃ کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ بہرحال چار پائے ایسے ہونے چاہئیں جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارہ کرتے ہوں (۲) مال تجارت (۳) سونا (۴) چاندی۔ ان اقسام کے لیے بھی سال گزرنا شرط ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۲۲۲ کی طویل عبارت کا خلاصہ)

مسئلہ نمبر ۲: گھر میں استعمال ہونے والا سامان بشرطیکہ وہ سونا چاندی کا نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ان کی مقدار خواہ کتنی ہو۔

مسئلہ نمبر ۳: کارخانہ کی مشینری، مکانات اور ہر قسم کے آلات جو ذریعہ کمائی ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں زمین بھی انہی میں داخل ہے خواہ کتنے ہی مربع زمین ہو۔ ہاں ان سے حاصل ہونے والی آمدنی، کرایہ وغیرہ جب نصاب تک پہنچ جائیں تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے جبکہ سال گزر جائے۔ دوکانیں، ٹیکسی رکشا وغیرہ میں بھی یہی مسئلہ ہے کیونکہ یہ سب اشیاء تجارتی اشیاء نہیں ہیں۔

(طحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۲)

مسئلہ نمبر ٤: مذکورہ اشیاء اگر تجارت کے لیے ہیں ذریعہ کاروبار نہیں تو ان کی اصل مروجہ قیمت لگا کر نصاب ہونے کی صورت میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہے۔ عام کتب فقہیہ۔

نوٹ: مال تجارت یا نقدی کا نصاب معلوم کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ساڑھے باون تولے چاندی کی موجودہ قیمت کے برابر ہے تو نصاب مکمل ہو گیا۔ اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں اور اگر زائد ہے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہو گی۔

مسئلہ نمبر ۵: کسی نے قرض دیا لیکن قرض دیتے وقت کوئی تحریر یا گواہ نہ بنایا۔ مقروض نے قرض ادا کرنے کی جتنی مہلت طلب کی تھی وہ بھی گزر گئی۔ اب قرض کی وصولی میں مایوسی ہو گئی۔ اس مایوسی پر دیئے گئے قرض کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہ رہے گی یعنی اگر قرض دینے والا اپنا قرض وصول کرنے سے ناامید ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہ رہی اور اگر ناامیدی نہیں بلکہ تاخیر ہے تو اس قرض کی زکوٰۃ واجب ہو گی لیکن ادائیگی فی الحال ضروری نہیں ہاں جب قرض وصول ہو گا تو گزشتہ عرصہ (سالوں) کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ضروری ہو گی۔

مسئلہ نمبر ٦: زکوٰۃ کے معاملہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جا رہی ہے وہ صاحب قبضہ ہو لہٰذا براہ راست مسجد، سرائے وغیرہ کی تعمیر و ترقی پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ دینی مدارس کی تعمیر اس کی کتب کی خریداری وغیرہ پر مال زکوٰۃ جب براہ راست نہیں لگتا تو اس کے لیے مہتمم مدرسہ نے حیلہ شرعی پر عمل کیا جس کا تذکرہ ہم گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ جب ناظم یا مہتمم حیلہ شرعی کے لیے کسی مستحق طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دیتا ہے۔ اگر اس وقت یہ شرط لگا دے کہ میں تمہیں یہ رقم اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تم اسے واپس میری ملکیت میں دیدو اور پھر میں اسے مدرسہ کی ضروریات پر خرچ کروں تو اس شرط لگانے سے یہ حیلہ درست نہ رہے گا۔ اس کی وضاحت پر قرآن کریم کی آیت پیش کی جاتی ہے۔ **فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره**۔ اگر خاوند اپنی بیوی کو تیسری طلاق دیدے تو وہ عورت اس وقت تک اس کے لیے حلال نہ ہو گی۔ جب تک کسی دوسرے خاوند سے وطی نہ کرے (اور اس سے طلاق مل جائے اور عدت گزر جائے) شریعت مطہرہ نے تین طلاقوں والی عورت کی واپسی کا طریقہ "حلالہ" تجویز فرمایا۔ اس کی صورت یہ ہو گی کہ تین طلاق دینے والا خاوند یا وہ عورت کوئی ایسا آدمی دیکھیں جس سے نکاح درست ہو اور پھر طلاق دینے کی امید بھی ہو۔ اب نکاح ہو گیا۔ ہم بستری کے بعد اس نے طلاق دے کر عورت کو فارغ کر دیا۔ عدت گزرنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرنا جائز ہو گا لیکن اس صورت میں حلالہ کرنے والے پر شرط لگا دینا کہ تم اس سے نکاح کر کے اگر فارغ کر دو تو نکاح کرتے ہیں ورنہ نہیں یہ شرط قطعاً درست نہیں۔ اسی طرح اگر غریب طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دیتے وقت اسے واپس کرنے کا پابند کر دیا تو یہ درست نہ ہو گا۔ اسے اپنے اختیار پر چھوڑ دیا جائے پھر جب اپنے اختیار سے وہ

مدرسہ کے ناظم کو دے دیتا ہے تو یہ اس کا تمام طلبہ اور مدرسہ کے لیے ہدیہ ہوگا اور اس کا ثواب پائے گا اور اگر اس مال زکوٰۃ کو مکمل یا جزوی طور پر اپنے خرچ میں لاتا ہے تو قطعاً گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ اپنی ملکیت میں اسے تصرف کرنے کا اختیار شرع نے دیا ہے۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیت اور صحاح ستہ میں مذکورہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے گوشت کا واقعہ (جو ہم بیان کر چکے ہیں) حیلہ شرعی کا جواز پیش کرتے ہیں۔ یہی صورت حال تھی کہ جب محکمہ زکوٰۃ نے مختلف دینی مدارس کو زکوٰۃ دی تو پابندی لگائی کہ اس رقم کو صرف مستحقین طلباء پر خرچ کیا جائے۔ مدرسین کی تنخواہیں، مدرسہ کی کتب پر اٹھنے والے اخراجات، تعمیر وترقی پر لگنے والی رقم یہ اس زکوٰۃ سے نہیں ہوگی۔ دینی مدارس اس سے بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ ایک طرف یہ پابندی اور دوسری طرف لوگوں نے زکوٰۃ وغیرہ دینا بند کر دیا۔ زکوٰۃ سے طلباء مستحقین کو ہی اگر کھانا دیا جائے گا تو انہیں پڑھانے والوں کو مشاہرہ کہاں سے دیا جائے گا۔ ان کتابوں کو کیسے خریدا جائے گا۔ ان کی رہائش کے لیے کمرہ جات کس رقم سے تعمیر ہوں گے؟ ان تمام حالات کے پیش نظر دینی مدارس کے ناظم یا مہتمم صاحبان مذکورہ حیلہ شرعی کو بروئے کار لا کر مدارس دینیہ کے تمام اخراجات پورے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مدارس کو اور ان میں پڑھنے پڑھانے والوں کو مزید خدمت کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

مسئلہ نمبر ۷: سونا اور چاندی کے زیورات میں اگر قیمتی نگینہ اور موتی جڑے ہوئے ہیں تو اس صورت میں صرف سونے یا چاندی کی زکوٰۃ بشرط نصاب دی جائے گی۔ موتیوں کو اس میں شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ موتیوں اور نگینوں کی زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر ۸: سونا یا چاندی پر زکوٰۃ جبکہ نقدی کی صورت میں ادا کی جائے تو نقدی کا اعتبار کب سے ہوگا کیونکہ ان کے بھاؤ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے تو اس بارے میں قانون وضابطہ شرعیہ یہ ہے کہ جب زکوٰۃ واجب ہوئی۔ اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ ادا کرنے کے وقت کی بیشی کو نہیں لیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کے پاس آٹھ تولہ سونا سال بھر رہا۔ سال پورا ہونے پر اس کی قیمت فی تولہ تین ہزار رہے تو کل مالیت چوبیس ہزار روپے ہوئے۔ اب شخص مذکورہ نے فوری زکوٰۃ ادا نہ کی۔ دو مہینہ گزرنے پر فی تولہ پانچ سو روپے بڑھ گئے۔ اب کل موجود قیمت اٹھائیس ہزار روپے ہوگی۔ اس صورت میں وہ چوبیس ہزار کی زکوٰۃ دے گا نہ کہ اٹھائیس ہزار کی۔ (عام کتب فقہ)

مسئلہ نمبر ۹: مال زکوٰۃ بہتر ہے کہ اپنے قریبی کو دیا جائے یعنی ایسا رشتہ دار جو زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے۔ اس بارے میں قانون یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی اصل اور اپنی فرع کو چھوڑ کر دیگر رشتہ دار حضرات کو زکوٰۃ دے تو دوہرے ثواب کا حامل ہے۔ اصول سے مراد والد، دادا، والدہ، نانی اوپر تک اور فروع سے اپنی اولاد اور ان کی اولاد خواہ کتنے ہی واسطوں سے ہو۔ اصول وفروع کے غریب ہونے کی صورت میں ازروئے شرع آدمی ان کی دیکھ بھال کرنے کا بہرحال پابند ہے۔ ان حضرات کے علاوہ بہن، بھائی ان کی اولاد، چچا، ماموں ان کی اولاد انہیں بصورت استحقاق زکوٰۃ دینا بہت اجر وثواب کا ذریعہ ہے۔ نیز زکوٰۃ دیتے وقت مستحق میں اس بات کا بھی پتہ لگا لینا چاہیے کہ وہ مال زکوٰۃ کو کہیں حرام طریقہ پر خرچ تو نہیں کرتا۔ اس صورت میں بچنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰: میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے کیونکہ ان کا مال اکثر طور پر مشترک ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولا بینھما ولا اداوز وجیۃ ولو مبانۃ یعنی ایسے دو آدمیوں میں نہیں لگے گا۔ جو باہم اولاد کا تعلق رکھتے ہوں یا ان کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ ہو اور بحوالہ شامی اگرچہ ابھی صرف طلاق بائنہ ہوئی ہو یا مغلظہ (تین طلاق) اور مذکورہ عورت ابھی عدت میں ہو۔

مسئلہ نمبر ۱۱: فرض کیجئے ایک شخص رمضان شریف میں زکوٰۃ نکالتا ہے۔ اس سال وہ حج پر جانا چاہتا ہے اور حکومت چونکہ چھ ماہ تقریباً قبل ہی حج کی رقم وصول کر لیتی ہے اس طرح اس رمضان میں مثلاً پچاس ہزار روپے برائے حج اس نے حکومت کے خزانے میں جمع کرا دیئے تو کیا یکم رمضان کو وہ ان کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہ کرے گا؟ اس بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ حج کے وہ اخراجات جو کرایہ اور معلم کی فیس وغیرہ کے لیے کاٹے گئے۔ جو حج پر جانے کی صورت میں حاجی کو واپس نہیں مل سکتے ان کی زکوٰۃ نہ دے۔ ان کے سوا جو

رقم واپس مل جاتی ہے اس کا یکم رمضان کے نصاب کے ساتھ حساب لگا کر زکوٰۃ دے۔ شامی میں اس بارے میں یوں لکھا ہوا ہے۔

اذا امسکه ينفق منه کلها يحتاج فحال الحول وقد بقی معه نصاب فانه يزکی ذالک الباقی وان کان قصده الانفاق منه ايضا فی المستقبل لعدم استحقاق صرفه الی حوائج الاصلية وقت حولان الحول.

(ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۱۲ مطلب فی زکوٰۃ لمن المسیح دفاء مطبوعہ مصر)

اگر کسی نے مال اس لیے جمع کئے رکھا کہ بوقت ضرورت اس میں سے خرچ کرے گا پھر اس پر سال گزر گیا اور اس کے پاس نصاب بھی موجود ہے تو اس باقی ماندہ مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اگرچہ آئندہ بھی زمانہ مستقبل میں اس کا اس میں خرچ کرنا مقصد ہو۔ وجہ یہ ہے کہ سال گزرنے پر وہ اسے اپنی اصلی ضرورتوں میں خرچ نہ کر سکا۔

مسئلہ نمبر ۱۲: بعض دفعہ جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہوا سے اگر یہ کہہ دیا گیا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ خاص کر جب وہ یار دوست یا قریب کا رشتہ دار ہو تو وہ اسے قبول کرنا گوارا نہیں کرتا۔ حالانکہ بہت زیادہ حقدار بھی ہے تو اس کے لیے شامی میں ایک محتاط طریقہ لکھا گیا ہے۔ **فلو سماها هبة او قرضا تجزيه فی الاصح** اگر زکوٰۃ دینے والا مال زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا نام دینے کی بجائے ہبہ یا قرض کہہ کر دے دیتا ہے تو یہ زکوٰۃ ہو جائے گی۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ جب کسی نے بصورت قرض، زکوٰۃ کی رقم کسی کو دی حالانکہ دل میں نیت زکوٰۃ ہی ہے تو مقروض جب گنجائش ملنے پر یہی رقم واپس کرنے لگے تو اسے لینا درست نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے یہ قرض تمہیں معاف کر دیا تھا۔ (کتب فقہ)

مسئلہ نمبر ۱۳: مقروض کو زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ قرضہ میں سے اتنی رقم میں نے اسے بطور زکوٰۃ دے دی بقیہ واپس لوں گا۔ یہ طریقہ درست نہیں۔ اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ درست طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مقروض کے حوالہ کرے۔ وہ قبضہ کرنے کے بعد جس قدر چاہے اسے قرض ادا کرنے کی صورت میں واپس کر دے یا قرضہ لینے والا قرض دی گئی رقم بہ نیت وصولی قرض مقروض سے لے کر قبضہ میں لے لے پھر واپس لوٹائے اور اب کے لوٹاتے وقت نیت زکوٰۃ کر کے مقروض کے قبضہ میں دیدے۔ بہر حال قرض معاف کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس کی تفصیل درمختار مع ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۷۰ ۲ کی عبارت کا خلاصہ۔

مسئلہ نمبر ۱۴: کسی مقروض نے صاحب نصاب سے کہا کہ میں نے فلاں آدمی کا اتنا قرض ادا کرنا ہے۔ مجھے حق دار سمجھتے ہوئے تم زکوٰۃ دے دو یا میری طرف سے فلاں کا قرض، زکوٰۃ کے مال سے ادا کر دو۔ اس نے ایسا کیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر مقروض کو اطلاع کیے بغیر اس کی رضامندی کے بغیر اس کا قرض کسی نے مال زکوٰۃ سے ادا کر دیا تو اس صورت میں زکوٰۃ نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۱۵: سید محتاج ہو تو اسے زکوٰۃ دی جائے یا نہ؟ اگرچہ بعض علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور اقدس میں غریب سادات کے لیے خمس نکالا جاتا تھا جس سے ان کی ضروریات پوری ہوا کرتی تھیں۔ اب خمس کا معاملہ ختم ہو گیا لہٰذا ان کو زکوٰۃ دینی جائز ہے لیکن فتویٰ یہ ہے کہ سید کو زکوٰۃ نہیں لینی چاہیے خواہ وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر مذکورہ حیلہ جو ہم نے بیان کر دیا ہے اس پر عمل کر کے لے لے تو درست ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے فتاویٰ رضویہ میں اس کو شرح وبسط سے تحریر فرماتے ہیں جس میں سے چند سطور پیش خدمت ہیں۔

زکوٰۃ سادات کرام اور سارے بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلاثہ بلکہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع قائم ہے۔ امام شعرانی "میزان" میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے فرض صدقہ کو بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب پر حرام بالاتفاق کہا اور وہ پانچ شاخیں ہیں۔ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب اور یہ مسئلہ مسائل اجماع واتفاق سے ہے۔ اول تا آخر تمام متون مذہب بے شذوذ عامہ شروح معتمدہ اور فتاویٰ مستندہ اس حکم پر ناطق ہیں اور خود حضور ﷺ سے

متواتر حدیثیں اس باب میں وارد ہیں۔اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے۔بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضور ﷺ سے نقل کی ہیں (ان سب کا ذکر فرمانے کے بعد آپ فرماتے ہیں) بالجملہ جب حدیث وہ کہتی ہے اور فقہ یہ' پھر خلاف کی طرف راہ کہاں؟ اب جو صاحب جواز پر فتویٰ دیں ان کا منشاء غلط ہے۔ایک مجروح' مقدوح' متروک روایت ہے جوابو عصمہ نوح بن ابی مریم جامع نے امام رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہمارے زمانہ میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہے کہ سبب حرمت مال غنیمت سے خمس ملنا تھا۔اب کہ وہ نہیں ملتا زکوٰۃ نے عود کیا۔(یعنی آپ فرماتے ہیں کہ جب خمس بند ہوگیا تو مانع زکوٰۃ اب جواز زکوٰۃ بن جائے گا) یہ روایت جو امام سے ذکر کی گئی ہے۔یہ روایت درایۃً صحیح نہیں اور جبکہ امام طحاوی کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ امام طحاوی یہاں تک کہتے ہیں کہ بنی ہاشم کے غلام اور موالی پر بھی زکوٰۃ حرام ہے پھر اس کے جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

(فتاویٰ رضویہ ج۴ص۳۹۱)

مسئلہ نمبر ۱۶ : اگر کسی کی والدہ سیدہ ہے لیکن والد غیر سید ہے تو اس صورت میں اولاد غیر سید ہے تو اس صورت میں اولاد غیر سید ہو گی کیونکہ نسب کا تعلق والد کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں ان دونوں میاں بیوی کی اولاد بوجہ غیر سید ہونے کے بصورت غربت حق دار زکوٰۃ ہوگی اور ان کو سید نہیں کہلوانا چاہیے۔

مسئلہ نمبر ۱۷ : کسی ایسے بدمذہب کو زکوٰۃ دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں جس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچ چکی ہو۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔''ردالمحتار'' ج۲ص۲۳۳ پر ہے۔''لا یجوز ولم یذکر فیه خلافا وبه علم انه ظاهر الروایة عن الکل . زکوٰۃ ادا کرنا بدمذہب کو جائز نہیں، اس میں کوئی اختلاف مذکور نہ ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ یہی تمام سے ظاہر روایت ہے''۔

مسئلہ نمبر ۱۸ : آج کل گلی گلی میں ڈسپنسریاں کھلی ہوئی ہیں۔ان کے چلانے والے زکوٰۃ بھی وصول کرتے ہیں اور قربانی کی کھالیں بھی لیتے ہیں۔اس بارے میں اہم مسئلہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قربانی کے جانور کی کھال جب قربانی دینے والا بیچ ڈالتا ہے۔اس کی رقم اور زکوٰۃ دونوں کا مصرف ایک ہی ہے لہٰذا ان دونوں اقسام کے پیسوں سے اس شفاخانے کے ملازمین کی تنخواہ، ڈاکٹروں کی تنخواہ کمرہ جات کی تعمیر اور فرنیچر وغیرہ کی خرید پر اسے صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے پھر ایسے شفاخانوں میں پرچی لے کر امیر وغریب کوئی بھی بلا امتیاز مفت دوا لے جاسکتا ہے لہٰذا ایسے پیسوں سے دوائی خانہ چلانا ممنوع ہے ورنہ زکوٰۃ والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس کے جوابدہ دواخانہ چلانے والے بھی ہوں گے اور حقیقت حال پر مطلع ہونے پر زکوٰۃ دینے والے بھی نہ بچ سکیں گے۔

مسئلہ نمبر ۱۹ : مال زکوٰۃ سے دینی کتب خرید کر کسی لائبریری میں رکھ دینے سے بھی ادائیگی زکوٰۃ نہ ہوگی اگرچہ صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا رہے گا۔زیادہ سے زیادہ یہ کتب وقف ہو جائیں گی اور وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا لیکن زکوٰۃ میں مال زکوٰۃ کا کسی مستحق کو مالک بنانا نہایت ضروری ہے۔ہاں اس طرح کے کاموں میں صرف کرنے کے لیے صاحب ردالمحتار نے ایک طریقہ ذکر فرمایا ہے۔اس پر عمل کر کے دونوں فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

ان یتصدق بمقدار زکوته علی فقیر ثم یامره بعد ذالک فی الصرف فی هذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الزکوة وللفقیر ثواب هذه الصرف کذافی المحیط. (ردالمحتار ج۲ص۳۴۵)

صاحب زکوٰۃ، زکوٰۃ کی رقم کسی فقیر کو دیدے پھر اس سے کہے کہ اس کو مذکورہ باتوں پر خرچ کرو۔اس میں زکوٰۃ دینے والے کو اپنا ثواب اور فقیر کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا الگ ثواب ملے گا۔

مسئلہ نمبر ۲۰ : اگر کسی نے کچھ نقدی وغیرہ اپنی بچیوں کی شادی کے لیے رکھی ہوئی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ہاں اگر مذکورہ حصہ لڑکیوں کی ملکیت کر دیتا ہے اور لڑکیاں ابھی نابالغ ہیں تو پھر اس کی زکوٰۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ باپ کی ملکیت ختم ہوگئی اور نابالغ کے

مال کی ویسے ہی زکوۃ نہیں۔ یونہی اگر کسی عورت کو والدین یا سسرال کی طرف سے زیور ملا تو اس کی چونکہ وہی مالکہ ہے لہٰذا زکوۃ اسے ہی دینا پڑے گی خاوند کو نہیں کیونکہ عورت خود بالغہ ہے اور صاحب نصاب بھی ہے اور خاوند اس کا مالک نہیں۔ ان چند مسائل کے علاوہ اگر آپ تفصیل سے دیکھنا چاہیں تو ''فتاویٰ رضویہ'' ج ۴ مصنفہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا مطالعہ کرلیں۔

✿✿✿✿✿

٤- كِتَابُ الصِّيَامِ

روزوں کے احکام کا بیان

١٢٩- بَابُ الصَّوْمِ لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ وَالْاِفْطَارِ لِرُؤْيَتِهٖ

چاند دیکھ کر روزہ شروع کرنا اور چاند دیکھ کر ہی رمضان ختم ہونا

٣٣٩- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَاتَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع اور عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان پاک کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے شروع نہ کرو اور چاند دیکھے بغیر روزے ختم نہ کرو اور اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو جائے تو اس کی گنتی کرلو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

چاند دیکھ کر رمضان شروع ہونا اس بارے میں ائمہ نے اختلاف فرمایا امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما صرف ایک آدمی کی گواہی سے رمضان شروع ہونے کا قول فرماتے ہیں اور ایک ہی کی گواہی سے رمضان کا چاند بھی ثابت ہونے کے قائل ہیں۔ ان دونوں اوقات میں خواہ مطلع ابر آلود ہو یا صاف ہو۔ امام مالک رضی اللہ عنہ ہر حال میں دو کی گواہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تفصیل یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے کے لیے بصورت مطلع ابر آلود ہونے کے ایک عادل کی گواہی کافی ہے اور صاف ہونے کی صورت میں جم غفیر کی گواہی ضروری ہے۔

عید کے چاند کے لیے بصورت ابر آلود ہونے کے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اور مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی گواہی لازمی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب مطلع صاف ہے اور عوام کی غالب اکثریت دیکھنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے تو اس صورت میں ایک دو کا دیکھنا اور دوسروں کا نہ دیکھ پانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ کوئی رکاوٹ نہیں۔

اختلاف مطالع کا بیان

مطالع مختلف ہونے کی صورت میں ایک جگہ دیکھا گیا چاند دوسری جگہ کے لیے معتبر ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ حضرات کا اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں حقیقت کے قریب جو بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جن دو شہروں یا مقامات میں ایسی دوری نہ ہو جو انہیں بالکل الگ الگ کر دے بلکہ قریب قریب ہونے کی وجہ سے وہ ایک شہر کا حکم رکھتے ہوں۔ ان میں سے کسی ایک جگہ چاند کا دیکھا جانا دوسری جگہ بھی اعتبار کر لیا جائے گا۔ اگر دونوں میں دوری ہے جیسا کہ مکہ و بغداد اس صورت میں ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لیے ناکافی ہوگی۔ اس کے پیش نظر موجودہ ترقی یافتہ نہایت تیز رفتار وسائل کے ہوتے ہوئے مثلاً کسی نے جدہ میں چاند دیکھا اور چار ساڑھے چار گھنٹوں میں وہ پاکستان آ کر چاند دیکھے جانے کی گواہی دیتا ہے تو اس کی گواہی پر پاکستان میں چاند ہونے کا حکم نہیں دیا

جائے گا۔ یہاں کے باشندوں کو اپنی سرزمین پر دیکھنا ضروری ہے خواہ ایک دن بعد یا دو دن بعد نظر آئے۔

رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان کا حکم

پاکستان میں کافی سالوں سے رؤیت ہلال کمیٹی مقرر ہے جو چاند ہونے یا نہ ہونے کے اعلان کی ذمہ دار ہے۔ طریقہ کار کچھ یوں ہے کہ ایک مرکزی کمیٹی اور اس کے تحت چار صوبائی کمیٹیاں پھر ان کے تحت زونل کمیٹیاں ہیں۔ مقرر کردہ کسی کمیٹی کے پاس اگر چاند دیکھنے کی گواہی آتی ہے تو وہ جانچ پڑتال کے بعد اس سے مرکزی کمیٹی کو مطلع کرتی ہے پھر مرکزی کمیٹی کا چیئرمین ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اپنے فیصلہ کا اعلان کرتا ہے۔ اس اعلان پر پورے ملک کے مسلمان عمل کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار پر بعض علمائے کرام کو اعتراض ہے۔ ان کا اولاً یہ کہنا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کی خبر ہی معتبر نہیں لہٰذا ان پر کیا گیا اعلان بھی غیر معتبر ہے حالانکہ اعلان اور شہادت دو الگ الگ باتیں ہیں۔ اگر ایک شخص ریڈیو یا ٹیلیویژن پر آ کر کہتا ہے کہ میں چاند دیکھے جانے کی گواہی دیتا ہوں اسے تسلیم کر لیا جائے۔ یہ گواہی ہے اور قابل تسلیم نہیں لیکن دو چار آدمی گواہی کسی قاضی کے پاس جا کر ادا کرتے ہیں اور قاضی ان کی چھان بین کرنے کے بعد گواہی کو قبول کرے اور ثبوت شرعی مل جانے کے بعد ریڈیو وغیرہ پر اعلان کرتا ہے تو اعلان کرنے میں کوئی خرابی نہیں لہٰذا شہادت خبر اور اعلان کے مابین فرق ملحوظ نہ رکھنا درست نہیں۔ ہم اس موقعہ پر ماہنامہ ضیائے حرم ۱۹۸۵ء کے شمارہ سے علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جس سے حقیقت حال سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

ضیائے حرم (رسالہ)

فقہائے کرام نے جب توپ کی گونج دار آواز اور قندیلوں کی روشنی کو طرق موجبہ میں شمار کیا ہے جو رؤیت ہلال کے لیے شرعی شہادت ہیں تو ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے اعلانات کو طرق موجبہ میں شمار نہ کرنا بے انصافی کی انتہا ہے۔ رؤیت ہلال کمیٹی شرعی شہادات کے بعد رؤیت کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کا چیئرمین صاف الفاظ میں اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہم نے شرعی ثبوت کی بنا پر رؤیت کے متحقق ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل رمضان ہوگا یا عید ہوگی۔ اس کے بیان سے جو علم شرعی یعنی غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے وہ اس علم شرعی سے بدرجہا اقوی وارفع ہے جو توپ کی گونج سے حاصل ہوتا ہے۔ باقی رہا اعلان رؤیت یہ بھی حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کی تعمیل ہے کہ جس میں یوں آیا ہے کہ ایک اعرابی نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! پھر فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! حضور ﷺ نے فرمایا: اے بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ اس حدیث کو صحاح ستہ میں سے پانچ نے ذکر کیا ہے اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اعلان کو اس بنا پر نظر انداز کر دیا گیا ہو کہ نہ ہم نے چاند کو خود دیکھا ہے نہ ہمارے سامنے دو گواہوں نے شہادت دی ہے۔ اس لیے ہم اس اعلان پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ اعلان معتبر نہ ہوتا تو صادق برحق حضرت محمد ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے کا حکم نہ دیتے۔ حاکم اسلام کے فیصلہ کا اعلان سنت بلال رضی اللہ ہے اور اس پر عمل کرنا جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ کی سنت ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ گواہ کا گواہی دیتے وقت قاضی کی عدالت میں موجود ہونا ضروری ہے تاکہ قاضی اس پر جرح کر سکے۔ اس کے عادل یا فاسق، صادق یا کاذب ہونے کا فیصلہ کر سکے۔ تار، ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعہ اگر کوئی شہادت دے گا تو شرعاً معتبر نہیں ہے لیکن اگر گواہ قاضی کی عدالت میں پیش ہو کر گواہی دیتا ہے اور قاضی اس پر جرح کر کے اس کی گواہی کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے مطابق شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے تو اس کے بعد قاضی یا قاضی کے نائب سے ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ یہ اعلان کرنا کہ شرعی شہادت

کے مطابق چاند کی رؤیت ثابت ہوگئی ہے اور میں اعلان کرتا ہوں کہ ماہ رمضان یا ماہ شوال کا آغاز ہوگیا ہے۔ ایسے اعلان کی حجت موجبہ لعلم الشرعی ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے منادی کے اعلان توپوں کے فائر اور قندیل روشن کرنے کو بھی طرق موجبہ میں قرار دیا ہے۔ اسی طرح کوئی اور علامت مقرر کرنے کو بھی جائز رکھا ہے۔ مولوی عبدالحی لکھنوی نے اپنے فتاویٰ ''معلم الفقہ'' میں لکھا ہے توپوں کی آواز سن کر افطار کرنا درست ہوگا کیونکہ توپوں کا چلنا عادت شائع کے مطابق عہد بموجب ظن ہے اور غلبہ ظن عمل کے لیے کافی ہے۔ جب توپوں کے گولوں کی گڑگڑاہٹ جو محض علامت ہے' طرق موجبہ میں شمار ہوتی ہے جبکہ یہاں نہ کوئی عبارت ہے اور نہ کوئی نص تو جب مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا چیئرمین خود نمودار ہوتا ہے اور اپنی آواز سے رؤیت کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے اعلان کو طرق موجبہ میں شمار کیوں نہ کیا جائے؟ آسانی کے لیے حسب ذیل تنقیحات ملاحظہ کرلیں۔

(۱) کوئی شہادت اس وقت تک معتبر نہیں جب تک گواہ قاضی کے روبرو بذات خود پیش نہ ہو۔ ٹی وی، ریڈیو، تار ٹیلی فون وغیرہ پر شہادت نہ شرعاً معتبر ہے اور نہ ہی اس پر عمل ہوتا ہے۔

(۲) قاضی کی عدالت میں گواہوں کی شہادتوں کو معتبر سمجھتے ہوئے رؤیت ہلال کے بارے میں جو فیصلہ کیا جائے اس کا اعلان ملک کے جس جس حصہ میں پہنچے گا وہاں اس پر عمل کرنا ضروری ہے (یعنی شرعاً عمل کرنا ضروری ہے)۔

(۳) اگر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں مگر اہل تحقیق کا فتویٰ یہ ہے کہ جن ممالک میں بہت ہی زیادہ دوری ہو۔ ان میں اختلاف مطالع کا خیال رکھا جائے گا۔ اگر زیادہ دوری نہ ہو تو ملک کے ایک حصہ میں چاند نظر آنے سے تمام ملک میں اس کے مطابق عمل ہوگا۔ زونل کمیٹی جو مرکزی ہلال کمیٹی کو ٹیلی فون پر اپنے فیصلہ سے مطلع کرتی ہے یا ریڈیو، ٹیلی ویژن پر چاند کی رؤیت یا عدم رؤیت کا اعلان کرتی ہے۔ وہ اطلاع یا اعلان شہادت نہیں ہے۔

قارئین کرام! مولانا علامہ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر کے پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اعلان' اطلاع اور شہادت میں فرق ہے۔ معترضین اعلان کو شہادت سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں جو درست نہیں۔

۱۳۰ - بَابُ مَتٰی یَحْرُمُ الطَّعَامُ عَلَی الصَّائِمِ

روزہ رکھنے والے پر کس وقت کھانا حرام ہوجاتا ہے؟

۳٤۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ بِلَالًا یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال رات کو اذان دیتا ہے تو تم اس کے بعد کھایا پیا کرو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی آواز آئے۔

۳٤۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ مِثْلَهٗ قَالَ وَکَانَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ لَا یُنَادِیْ حَتّٰی یُقَالَ لَهٗ قَدْ اَصْبَحْتَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی ہمیں سالم سے زہری نے اسی طرح کی حدیث بیان کی کہا کہ ابن ام مکتوم اس وقت تک اذان نہ دیتے تھے جب تک انہیں یہ نہ کہا جاتا کہ تحقیق صبح ہوگئی ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ کَانَ بِلَالٌ یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِسُحُوْرِ النَّاسِ وَکَانَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ یُنَادِیْ لِلصَّلٰوةِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ، فَلِذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں لوگوں کو سحری کرنے کے لیے اذان دیا کرتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم طلوع فجر کے بعد نماز کے لیے اذان دیا کرتے تھے اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا: کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم

اذان دیں۔

مذکورہ روایت میں رمضان شریف میں دومرتبہ اذان کہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ایک سحری کے لیے اور دوسری نماز فجر کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طلوع فجر سے پہلے رات کے وقت اذان دینا اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام مالک، امام شافعی اور کچھ اورفقہاء اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اذان وقت سے قبل جائز ہے یعنی کسی نماز کے وقت شروع ہونے سے قبل اگر اذان کہی گئی تو وہی اذان کافی ہوگی اعادہ کی ضرورت نہیں۔امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے دی گئی اذان نامعتبر ہے لہٰذا وقت شروع ہونے پر دوبارہ کہی جائے گی کیونکہ اذان کی مشروعیت کی وجہ یہی ہے کہ اس سے نماز کے وقت کے دخول کی خبر دی جائے تاکہ لوگ جماعت میں شامل ہونے کی تیاری کریں۔رہا حضرت بلال رضی اللہ کا وقت صبح سے قبل اذان کہنا تو یہ لوگوں کو سحری کھانے کے لیے اور اٹھنے کی اطلاع کے لیے تھا نہ اس لیے کہ اس سے صبح کی نماز کا وقت شروع ہونا بتایا جارہا تھا۔حدیث پاک میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے۔

عن سمرة بن جندب رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ولا يغرنكم اذان بلال ولا هذا البياض لعمود الصبح حتى يستطير. (صحیح مسلم ج ا ص ۳۵۰ باب بیان ان الدخول فی صوم مطبوعہ نور محمد کراچی)

جناب سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بلال کی اذان تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ ہی صبح کی عمودی روشنی یہاں تک کہ وہ پھیلنا شروع ہو جائے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لايمنعن احدا منكم اذان بلال اوقال نداء بلال من سحوره فانه يؤذن اوقال ينادى ليرجع قائمكم ويوقظ نائمكم. (صحیح مسلم ج ا ص ۳۵۰)

عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ اذان اس لیے دیتا ہے تاکہ رات عبادت کرنے والے گھر آ کر سحری کھالیں اور اس لیے تاکہ سونے والے اٹھ کھڑے ہوں۔

صحیح مسلم میں مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان نماز صبح کے لیے نہ ہوتی تھی بلکہ تہجد گزاروں کو سحری کھانے کی اطلاع کرنے کے لیے کہ اب وہ سحری کھالیں اور ان لوگوں کو جو آرام کر رہے ہوں انہیں بیدار کرنے کے لیے تاکہ اٹھ کر سحری تیار کریں اور روزہ رکھیں۔دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ صبح کی نماز کا وقت اس سپیدی کے نمودار ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے جو چوڑائی میں ہو۔اسے صبح صادق کہا جاتا ہے اور یہیں وقت سحور ختم ہوتا ہے۔اس کے بعد کھانا پینا ممنوع ہو جاتا ہے اور نوافل بھی ادا نہیں کیے جاسکتے۔امام محمد نے موطا میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بارے میں جو فرمایا: وہ بالکل احادیث کے مضامین کے مطابق ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک احادیث کے مطابق ہے اس لیے وقت سے پہلے دی گئی اذان، وقت شروع ہونے پر دوبارہ دی جائے گی۔

۱۳۱- بَابُ مَنْ اَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا فِیْ رَمَضَانَ

رمضان کے دنوں میں جان بوجھ کر کھانے پینے کا بیان

۳۴۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَفْطَرَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّكَفِّرَ بِعِتْقِ رَقَبَةٍ اَوْ صِيَامِ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اَوْ اِطْعَامِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں حمید بن عبد الرحمٰن سے زہری اور انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک شخص نے رمضان شریف کے مہینہ میں روزہ توڑ دیا تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا کفارہ ادا کرو۔ایک غلام آزاد کر دیا دو

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا. قَالَ لَا أَجِدُ فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَقٍ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا أَجِدُ أَحَدًا أَحْوَجَ إِلَيْهِ مِنِّيْ قَالَ كُلْهُ.

مہینہ متواتر روزے رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اس نے عرض کی مجھے ہمت نہیں پس حضور ﷺ کے ہاں کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا آپ نے اسے فرمایا: یہ لو اور اسے صدقہ کر دو۔ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! اپنے سے بڑھ کر کسی کو ضرورت مند نہیں پاتا ہوں۔ فرمایا: کھالو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِذَا أَفْطَرَ الرَّجُلُ مُتَعَمِّدًا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِأَكْلٍ أَوْ شُرْبٍ أَوْ جِمَاعٍ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ يَوْمٍ مَكَانَهٗ وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ أَنْ يُّعْتِقَ رَقَبَةً فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ حِنْطَةٍ أَوْ صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے کہ جب کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان شریف کا روزہ کھانے، پینے یا جماع کرنے سے توڑتا ہے تو اس پر اس دن کی قضا بھی ہے اور کفارۂ ظہار کی طرح کفارہ بھی یعنی ایک غلام آزاد کرے اگر نہ طاقت ہو تو دو مہینہ کے متواتر روزے رکھے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یا کھجوروں یا جَو کا پورا صاع دے۔

روایت مذکورہ میں دو باتیں تفصیل طلب ہیں پہلی یہ کہ روزہ توڑنے کا جو واقعہ مذکور ہے وہ دوسری احادیث کی روشنی میں ایسے شخص کا واقعہ ہے جس نے اپنی بیوی سے رمضان کا روزہ رکھ کر دن کے وقت عمداً ہم بستری کی تھی۔ اس شخص کو حضور ﷺ نے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کے پیش نظر غیر مقلد یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ کفارہ صرف عمداً جماع سے متعلق ہے۔ جان بوجھ کر کھانا اور پینا اس کا حکم یہ نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے بعد جو اپنا مسلک بیان کیا کہ رمضان کے روزہ میں جان بوجھ کر جماع کرنے والے، کھانے اور پینے والے سب پر کفارہ ایک جیسا ہے۔ اس پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں لہٰذا موطا امام محمد کے ایک غیر مقلد شارح مولوی عطاء اللہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور لکھا ''کہ حنفیہ نے کھانے پینے کو بھی جماع پر قیاس کیا ہے لیکن قیاس سے کسی چیز کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی'' اس تنقید کا واضح مقصد یہ ہے کہ احناف احادیث کی بجائے اپنے قیاس سے مسائل ثابت کرتے ہیں اور یہاں تک کہ فرضیت تک قیاس سے ثابت کر جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم احناف یہ کہتے ہیں کہ حالت مذکورہ میں جب گناہ لازم ہوتا ہے تو قابل غور یہ بات ہے کہ اس کی علت کیا بنی؟ ہمارے نزدیک کفارہ کی علت جماع نہیں بلکہ روزہ ٹوٹنا ہے تو روزہ جس طرح جماع کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح کھانے اور پینے سے بھی (عمداً) ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا علت ایک ہونے کی وجہ سے جماع اور عمداً کھانے پینے کا حکم بھی ایک ہوگا۔ اس پر پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی قیاس ہی ہوا تو ہم کہیں گے کہ عمداً کھانے پینے سے روزہ ٹوٹنا اور اس پر کفارہ کا لازم ہونا صریح احادیث میں موجود ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

عن حميد بن عبد الرحمن ان اباهريرة رضى الله عنه حدثنا ان النبى ﷺ امر رجلا افطر فى شهر رمضان بان رقبة اوصيام شهرين متتابعين او اطعام ستين مسكينا رواه مسلم فى الصحيح.

(بیہقی شریف ج ۴ ص ۲۲۵ مطبوعہ دکن)

حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے حدیث سنائی کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو جس نے رمضان شریف کے مہینہ میں روزہ توڑ دیا تھا۔ فرمایا: کہ غلام آزاد کرو یا دو ماہ متواتر روزے رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال جاء رجل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ ایک

الی النبی ﷺ فقال انی افطرت یوما من رمضان قال من غیر عذر ولا سفر قال نعم قال بئسما صنعت قال فما تامرنی قال اعتق رقبۃ قال والذی بعثک بالحق ماملکت رقبۃ قط قال فصم شھرین متتابعین قال فاطعم ستین مسکینا قال والذی بعثک بالحق ماشبع اھلی قال فاتی النبی ﷺ بمکیل فیہ تمر فقال تصدق بھذا علی ستین مسکینا قال الی من ادفعہ قال الی افقر من تعلم قال والذی بعثک بالحق ما بین قرنیھا اھل بیت احوج منا قال فتصدق بہ علی عیالک رواہ ابو یعلی والطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالہ ثقات. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۷۔۱۶۸ باب فی من افطر فی شھر رمضان متعمداً او جامع مطبوعہ بیروت)

شخص رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے رمضان کا ایک روزہ توڑ ڈالا ہے پوچھا کیا کوئی عذر تھا یا سفر کی وجہ سے توڑا؟ کہنے لگا بلا عذر و سفر توڑا ہے۔ فرمایا: بہت بُرا کیا ہے۔ عرض کیا پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: ایک غلام آزاد کر۔ کہنے لگا اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے کبھی غلام خریدا ہی نہیں فرمایا: پھر دو ماہ کے متواتر روزے رکھ عرض کرنے لگا مجھے اس کی طاقت نہیں ہے فرمایا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کہنے لگا قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میرے گھر والے سیر ہو کر کھانے سے محروم ہیں اتنے میں آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا آپ نے فرمایا: جاؤ انہیں ساٹھ مسکینوں پر تقسیم کر دو پوچھا: حضور کن کو دوں؟ فرمایا: جسے تو زیادہ محتاج سمجھتا ہے کہنے لگا! بخدا! مدینہ کے دونوں جوانب کے اندر بسنے والوں میں میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج اور کوئی نہیں آپ نے فرمایا: چلو اپنے گھر والوں پر ہی صدقہ کر دو۔ اس روایت کو ابو یعلیٰ نے اور طبرانی نے کبیر و اوسط میں ذکر کیا۔ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ دو عدد روایات میں روزہ توڑنے کا کفارہ کہیں بھی صرف جماع کے ساتھ معتبر نہیں بلکہ ان میں مطلقاً جان بوجھ کر توڑنے کے الفاظ ہیں۔ خواہ وہ جماع کے ذریعہ ہو یا عمداً کھانے پینے سے۔ اور موطا کا باب بھی توڑنے پر باندھا گیا ہے لہٰذا غیر مقلدین کا احناف پر یہ اعتراض کرنا کہ عمداً کھانے پینے سے کفارہ کا لزوم ان کے نزدیک محض قیاس ہے' غلط ہے۔ اس بارے میں ہم نے احادیث پیش کیں جن کے رجال ثقہ ہیں۔

زیر بحث مسئلہ میں جو کفارہ جات بیان ہوئے ان میں ترتیب لازماً ملحوظ ہے یعنی سب سے پہلے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کی طاقت و استطاعت نہ ہونے پر متواتر دو ماہ کے روزے اور ان کی استطاعت نہ ہونے پر ساٹھ مساکین کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔

حضور ﷺ نے سائل کو جو خود اور اپنے اہل و عیال کو کھانے پینے کا حکم دیا۔ اس بارے میں میں گزارش ہے کہ کفارہ کی ادائیگی کا یہ طریقہ صرف اور صرف اسی سائل کے ساتھ مخصوص تھا اور حضور ﷺ کے امور تشریعیہ میں اختیار پر اس کا دارومدار تھا۔ آپ کی اجازت سے اس کا کفارہ تو ہو گیا لیکن اب قیامت تک کسی اور کے لیے ایسی صورت میں کفارہ کی ادائیگی ہرگز نہ ہوگی۔ "ہدایہ مع فتح القدیر" ج ۲ ص ۷۰ پر مذکور ہے۔ "کل انت وعیالک تجزیک ولا تجزی احدا بعدک یعنی تو کھا اور اپنے بال بچوں کو کھلا یہ صرف تیرا کفارہ ہو جائے گا تیرے بعد کسی کے لیے ایسا کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا"۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

انما ھذا رخصۃ لہ خاصۃ ولو ان رجلا فعل ذالک الیوم لم یکن لہ بدا من التکفیر.

بے شک یہ اس کے لیے مخصوص رخصت تھی اور اگر کوئی شخص آج ایسا کفارہ ادا کرتا ہے تو اس کو کفارہ ادا کیے بغیر چھٹکارا نہ ہوگا۔

(مرقات شرح مشکوۃ ج ۴ ص ۲۶۴)

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو امور تشریعی میں بھی اختیار عطا فرمایا ہے اور آیت کریمہ "ما اتاکم الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا جو اللہ کے رسول تمہیں حکم دیں اس پر کاربند ہو جاؤ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ" اس کی شاہد ہے۔ آپ نے اسی اختیار کے تحت حرم مکہ کی حدود میں شکار کرنا، درخت کا ٹنا وغیرہ ممنوع فرما دیئے۔ اس پر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ کیا اذخر (ایک بوٹی کا نام ہے) بھی اکھیڑنا حرام ہے؟ فرمایا تم کہتے ہو تو اس کی حرمت ختم کر دی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ حلال جانور۔ اسی طرح قربانی کے جانوروں کی عمر کا جب مسئلہ درپیش آیا۔ آپ کے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے بکرا بکری (مذکر و مؤنث) کی عمر ایک سال مقرر فرمائی ہے۔ میرے پاس تو چھ ماہ کا ایک بھیڑ کا بچہ ہے فرمایا: جائز ہے۔ یونہی ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں تو عید کی نماز سے قبل ہی قربانی کر چکا ہوں فرمایا: ٹھیک ہے ہو گئی لیکن تیرے علاوہ کوئی ایسا نہ کرے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۲ - بَابُ الرَّجُلُ يَطْلُعُ لَهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ

حالت جنابت میں رمضان کے اندر صبح صادق ہو جانے کا بیان

۳۴۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ عَنْ اَبِيْ يُوْنُسَ مَوْلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الْبَابِ وَاَنَا اَسْمَعُ اِنِّيْ اَصْبَحْتُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِيْدُ الصَّوْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا اُصْبِحُ جُنُبًا ثُمَّ اَغْتَسِلُ فَاَصُوْمُ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنَّكَ لَسْتَ مِثْلَنَا فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَعْلَمَكُمْ بِمَا اَتَّقِيْ.

امام مالک نے ہمیں عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن معمر سے انہیں ابو یونس مولیٰ عائشہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دروازہ پر کھڑے ہونے کی حالت میں پوچھا میں یہ گفتگو سن رہی تھی۔ پوچھا میں نے حالت جنابت میں صبح کی اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا بھی ہے (اب کیا کروں؟) فرمایا: مجھے بھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے میں پھر غسل کر کے روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا آپ ہماری مثل تو نہیں ہیں۔ آپ کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سارے ہونے والے گناہ معاف کر دیئے ہیں حضور ﷺ کو غصہ آ گیا اور فرمایا: خدا کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے بہتر جانتا ہوں کہ پرہیز گاری کن اشیاء سے حاصل ہوتی ہے؟

۳۴۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سُمَيٌّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُوْلُ كُنْتُ اَنَا وَاَبِيْ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَهُوَ اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ فَذُكِرَ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ مَنْ اَصْبَحَ جُنُبًا اَفْطَرَ فَقَالَ مَرْوَانُ اَقْسَمْتُ عَلَيْكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَتَذْهَبَنَّ اِلٰى اُمَّيِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَتَسْاَلُهُمَا عَنْ ذٰلِكَ قَالَ فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابو بکر بن عبد الرحمٰن کے مولیٰ سمی نے بتایا کہ انہوں نے ابو بکر بن عبد الرحمٰن کو کہتے سنا کہ میں اور میرے ابا جان ایک مرتبہ مروان بن حکم کے پاس بیٹھے تھے۔ ان دنوں یہ مدینہ منورہ پر حاکم تھا۔ ذکر کیا گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس نے حالت جنابت میں صبح کی وہ روزہ دار نہیں۔ یہ سن کر مروان نے کہا اے عبد الرحمٰن! تجھے قسم تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس لازماً جا اور انہیں اس مسئلہ کے

وَذَهَبْتُ مَعَهُ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى عَائِشَةَ فَسَلَّمْنَا عَلٰى عَائِشَةَ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنَّا عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَذُكِرَ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ مَنْ اَصْبَحَ جُنُبًا اَفْطَرَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ قَالَتْ لَيْسَ كَمَا قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ اَتَرْغَبُ عَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ قَالَتْ فَاَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يَصُوْمُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ قَالَ ثُمَّ خَرَجْنَا حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَسَاَلَهَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَتْ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَخَرَجْنَا حَتّٰى جِئْنَا مَرْوَانَ فَذَكَرَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ مَا قَالَتَا فَقَالَ اَقْسَمْتُ عَلَيْكَ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ لَتَرْكَبَنَّ دَابَّتِيْ فَاِنَّهَا بِالْبَابِ فَلْتَذْهَبَنَّ اِلٰى اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَاِنَّهُ بِاَرْضِهِ بِالْعَقِيْقِ فَلْتُخْبِرَنَّهُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَكِبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَرَكِبْتُ مَعَهُ حَتّٰى اَتَيْنَا اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَتَحَدَّثَ مَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ سَاعَةً ثُمَّ ذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَا عِلْمَ لِيْ بِذٰلِكَ اِنَّمَا اَخْبَرَنِيْهِ مُخْبِرٌ

بارے میں پوچھ۔ راوی کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن اور میں دونوں چل پڑے حتیٰ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوگئے۔ انہیں سلام کیا پھر عبد الرحمٰن نے عرض کیا اے ام المومنین! ہم مروان بن حکم کے پاس بیٹھے تھے کہ ذکر کیا گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے حالت جنابت میں صبح کی اس کا روزہ نہیں۔ فرمانے لگیں مسئلہ یوں نہیں جس طرح ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے اے عبد الرحمٰن! کیا تو حضور ﷺ کے عمل شریف سے منہ موڑے گا؟ عرض کیا خدا کی قسم ہرگز نہیں فرمانے لگیں میں گواہی دیتی ہوں کہ حضور ﷺ صبح کیا کرتے تھے اور آپ اس وقت بغیر احتلام کے یعنی ہم بستری کرنے کی وجہ سے ابھی جنبی ہوتے تھے پھر اس دن کا آپ روزہ بھی رکھا کرتے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم پھر یہاں سے چل کر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے بھی اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سا جواب عنایت فرمایا پھر ہم وہاں سے نکلے اور مروان کے پاس آگئے، مروان کو عبد الرحمٰن نے دونوں ازواج مطہرات کے جوابات بتائے۔ جواب سن کر مروان نے کہا: اے ابو محمد! تجھے قسم دیتا ہوں کہ میرے گھوڑے پر جلدی سوار ہو جاؤ جو اس وقت دروازہ پر باندھا ہوا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ وہ اس وقت العقیق میں اپنی زمین پر موجود ہیں انہیں جا کر اس بارے میں مطلع کرو۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ابو محمد عبد الرحمٰن سوار ہوئے میں بھی ان کے ساتھ سوار ہو گیا ہم دونوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبد الرحمٰن نے گفتگو کی اور سارا واقعہ سنا ڈالا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں مجھے تو ایک بتانے والے نے بتایا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ اَصْبَحَ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ مِنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثُمَّ اغْتَسَلَ بَعْدَ مَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَكِتَابُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے کہ جس نے ہم بستری کی اور حالت جنابت میں صبح کی اور یہ حالت رمضان شریف میں ہوئی ہو پھر اس شخص نے طلوع فجر کے بعد غسل کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: رمضان شریف کی راتوں میں تمہارے لیے

لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْاٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ يَعْنِي الْجِمَاعَ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ يَعْنِي الْوَلَدَ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ يَعْنِيْ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ. فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ قَدْ رُخِّصَ لَهٗ اَنْ يُّجَامِعَ وَيَبْتَغِيَ الْوَلَدَ وَيَاْكُلَ وَيَشْرَبَ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ فَمَتٰى يَكُوْنُ الْغُسْلُ اِلَّا بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَهٰذَا لَا بَاْسَ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

اپنی بیویوں سے ہم بستری کرنا جائز و حلال کر دیا گیا۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔اللہ کو بخوبی علم ہے کہ تم اپنے بارے میں خیانت کرتے ہو سو اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا پس اب اپنی بیویوں سے ہم بستری کرو اور ان سے اولاد تلاش کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح صادق صبح کاذب سے الگ ہو جائے یعنی صبح صادق تک کھا پی سکتے ہو۔ جب ایک آدمی کو اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے اور اولاد تلاش کرنے اور کھانے پینے کی صبح صادق تک اجازت دی گئی ہے تو اس صورت میں غسل، صبح صادق کے بعد ہی ہوگا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

مذکورہ باب میں مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ ایک شخص رمضان شریف میں رات کو جنبی ہو جاتا ہے اور حالت جنابت میں صبح صادق ہو جاتی ہے تو کیا اس کا اس دن کا روزہ رکھنا جائز ہے؟ اس بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایات ہیں جن کے مطابق حضور ﷺ اس حالت میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ان سے واضح طور پر جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں عدم جواز کا ذکر ہے۔

اعتراض

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے حضور ﷺ کے بارے میں صورت مذکورہ میں روزہ رکھنے کا جواز سنا تو اپنی روایت کردہ حدیث کے بارے میں فرمایا کہ میں نے کسی بتانے والے سے ایسے ہی سنی تھی۔اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سنی سنائی باتوں پر فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔آپ کا یہ عمل درست نہیں؟۔

جواب: یہاں موطا کی شرح کرتے ہوئے مولوی عبدالحیٔ لکھنوی نے تاویلی جواب دیا ہے جو درست نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول یا روایت کا یہ معنیٰ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ہم بستری کر رہا ہے اور ادھر صبح صادق ہو گئی اور وہ اس وقت بھی مصروف ہے تو ایسے شخص کا اس دن کا روزہ نہ ہوا۔ یہ جواب اس لیے درست نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں من اصبح جنبا کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بوقت صبح صادق وہ حالت جنابت میں تھا کہ رمضان میں اس وقت جماع میں مصروف ہونا نہ فرمایا۔ درست جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابھی یہی حکم معلوم تھا کہ رمضان شریف کی راتوں میں ہم بستری منع ہے۔اس کی تنسیخ کا علم نہ تھا تو آپ نے وہی حکم بتایا جس کا آپ کو علم تھا حالانکہ یہ منسوخ ہو چکا تھا۔ گویا آپ کا فتویٰ پہلے حکم پر تھا جب تنسیخ کا علم ہوا تو پھر مذکورہ فتویٰ نہ دیا۔حوالہ ملاحظہ ہو۔

وذكر ابن خزيمة ان بعض العلماء توهم ان ابا هريرة غلط في هذا الحديث ثم رد عليه بانه لم يغلط بل احال على رواية صادقة الى ان الخبر منسوخ لان الله تعالى عند ابتداء فرض الصيام كان

ابن خزیمہ نے ذکر کیا کہ بعض علماء کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں غلط ہونے کا وہم پڑا پھر ابن خزیمہ نے ان کا رد کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی غلط بیانی نہیں کی بلکہ آپ کی روایت سچی ہے لیکن یہ منسوخ ہو گئی تھی۔ وجہ یہ

منع فی لیل الصوم من الاکل والشرب والجماع بعد النوم قال فیحتمل ان یکون خبر الفضل کان حینئذ ثم اباح الله ذالک کله الی طلوع الفجر فکان للمجامع ان یستمر الی طلوعه فیلزم ان یقع اغتساله بعد طلوع الفجر فدل علی ان حدیث عائشة رضی الله عنها ناسخ لحدیث الفضل ولم یبلغ الفضل ولا اباهریرة رضی الله عنه الناسخ فاستمر وابو هریرة علی الفتوی به ثم رجع عنه بعد ذالک لما بلغه.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۱۱۹ مطبوعہ مصر)

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداً فرضیت رمضان میں رات کے وقت سو کر اٹھنے پر کھانا پینا اور جماع کرنا منع کیا تھا لہٰذا حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی کہ جنبی کا روزہ نہیں ہوتا وہ اس دور کی ہے جب مذکورہ باتیں ممنوع تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ تمام باتیں طلوع صبح صادق تک کرنے کی اجازت دے دی۔ اجازت کی صورت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے والا صبح صادق تک جماع کر سکتا ہے۔ جب آخری وقت سحر پر وہ جماع سے فارغ ہوا تو اب غسل لازماً طلوع فجر کے بعد کرے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو ہریرہ کی مروی حدیث کی ناسخ ہے لیکن یہ تنسیخ نہ تو فضل بن عباس کو اور نہ ہی ابو ہریرہ کو پہنچی اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہلے حکم پر ہی فتویٰ دیتے رہے پھر جب منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تو آپ نے اس سے رجوع فرما لیا۔

عن ابی بکر بن المنذر انه قال احسن ماسمعت فی هذا ان یکون ذالک محمول علی النسخ وذالک ان الجماع کان فی اول الاسلام محرما علی الصائم فی اللیل بعد النوم کالطعام والشراب فلما اباح الله عزوجل الجماع الی طلوع الفجر جاز للجنب اذا اصبح قبل ان یغتسل ان یصوم ذالک الیوم لارتفاع الحظر فکان ابو هریرة یفتی بما سمعه من الفضل بن عباس رضی الله عنه علی الامر الاول ولم یعلم بالنسخ فلما سمع خبر عائشة وام سلمة رضی الله عنهما صار الیه. (بیہقی شریف ج ۴ ص ۲۱۵ کتاب الصوم باب من اصبح جنبا فی شهر رمضان)

ابوبکر بن منذر سے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں جو جوابات میں نے سنے ان میں سے یہ جواب سب سے اچھا ہے وہ یہ کہ اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا وہ اس طرح کہ شروع اسلام میں رمضان کی رات کو سونے کے بعد کھانے پینے کی طرح جماع کی بھی ممانعت تھی پھر جب اللہ تعالیٰ نے طلوع فجر تک جماع کرنے کی اجازت دے دی تو اب جنبی کے لیے جبکہ وہ صبح صادق کے وقت غسل نہ کر سکا۔ یہ جائز ہے کہ اس دن کا روزہ رکھے کیونکہ ممانعت اٹھ گئی پس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی حکم پر فتویٰ دیتے رہے جو انہوں نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے سن رکھا تھا یعنی آپ کو صرف ابتدائی حکم کا علم تھا اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ تھا پھر جب انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت سنی تو اس طرف لوٹ آئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات بھی درست تھی اور آپ کا فتویٰ اپنے علم کے مطابق صحیح تھا کیونکہ اس کے منسوخ ہونے کا آپ کو علم نہ ہوا تھا جب پتہ چل گیا تو پھر کبھی پہلے والا فتویٰ نہ دیا۔

نوٹ: اس باب کی حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور ﷺ ''جماع سے جنبی ہوتے نہ کہ احتلام سے'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ عام آدمیوں کی طرح رسول اللہ ﷺ بھی کبھی جماع اور کبھی احتلام سے جنبی ہوتے تھے بلکہ

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف جماع سے جنبی ہوتے تھے احتلام آپ کو کبھی نہ ہوا کیونکہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور حضرات انبیاء کرام شیطان کے اثر سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں لہٰذا اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت انبیاء کرام کو احتلام نہیں ہوتا تھا۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۳ - بَابُ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لیے بوسہ لینے کا بیان

۳۴۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلًا قَبَّلَ امْرَاَتَهٗ وَهُوَ صَائِمٌ فَوَجَدَ مِنْ ذَالِكَ وَجْدًا شَدِيْدًا فَاَرْسَلَ امْرَاَتَهٗ تَسْاَلُ لَهٗ عَنْ ذَالِكَ فَدَخَلَتْ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَاَخْبَرَتْهَا اُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ فَرَجَعَتْ اِلَيْهِ فَاَخْبَرَتْهُ بِذَالِكَ فَزَادَهٗ ذَالِكَ شَرًّا فَقَالَ اِنَّا لَسْنَا مِثْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُحِلُّ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ مَاشَاءَ فَرَجَعَتِ الْمَرْاَةُ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَوَجَدَتْ عِنْدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَابَالَ هٰذِهِ الْمَرْاَةِ فَاَخْبَرَتْهُ اُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَ اَلَا اَخْبَرْتِهَا اِنِّيْ اَفْعَلُ ذَالِكَ قَالَتْ قَدْ اَخْبَرْتُهَا فَذَهَبَتْ اِلٰى زَوْجِهَا فَاَخْبَرَتْهُ فَزَادَهٗ ذَالِكَ شَرًّا وَقَالَ اِنَّا لَسْنَا مِثْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُحِلُّ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ مَاشَاءَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَعْلَمُكُمْ بِحُدُوْدِهٖ.

امام مالک نے ہمیں زید بن اسلم سے انہیں عطاء بن یسار نے خبر دی کہ ایک شخص نے حالت روزہ میں اپنی بیوی کو چوم لیا اس سے اسے سخت پریشانی ہوئی۔ اس نے اپنی بیوی کو اس بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، حضرت ام سلمہ نے اسے بتایا کہ حضور ﷺ روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ (لہٰذا کوئی حرج نہیں) وہ واپس آئی اور اپنے خاوند کو آ کر یہ بتایا۔ یہ سن کر اس کے خاوند کی پریشانی اور بڑھ گئی کہنے لگا ہم حضور ﷺ کی مثل تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو چاہے حلال فرما دے۔ وہ عورت دوبارہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ بنفس نفیس وہاں جلوہ فرما رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: اس عورت کا کیا معاملہ ہے؟ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا فرمایا: کیا تم نے اسے نہیں بتایا کہ میں یہ کرتا ہوں۔ عرض کیا حضور! بتایا تھا۔ یہ واپس خاوند کے پاس گئی اسے جا کر اطلاع کی تو اس کی پریشانی میں اضافہ ہوا اور کہنے لگا ہم حضور ﷺ کی مثل نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو چاہے حلال کر دے۔ یہ سن کر حضور ﷺ سخت غصہ میں آئے اور فرمایا: خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا ہوں اور اس کی حدود کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

۳۴۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَائِشَةَ ابْنَةَ طَلْحَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَدَخَلَ عَلَيْهَا زَوْجُهَا هُنَالِكَ وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَتْ لَهٗ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَدْنُوَ اِلٰى اَهْلِكَ تُقَبِّلُهَا وَتُلَاعِبُهَا قَالَ اُقَبِّلُهَا وَاَنَا صَائِمٌ قَالَتْ نَعَمْ.

امام مالک نے ہمیں نضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ سے خبر دی کہ عائشہ بنت طلحہ نے خبر دی کہ وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی کہ وہاں اس کا خاوند آ گیا یعنی عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تجھے اپنی بیوی سے بوس و کنار سے کون سی چیز روکتی ہے؟ کہا: کیا میں حالت روزہ میں اسے چوموں؟ فرمایا: ہاں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَأْسَ بِالْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ إِذَا مَلَكَ نَفْسَهُ عَنِ الْجِمَاعِ فَإِنْ خَافَ أَنْ لَّا يَمْلِكَ نَفْسَهُ فَالْكَفُّ أَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ قَبْلَنَا.

امام محمد کہتے ہیں روزہ دار کو اگر اپنے اوپر بھروسہ ہو کہ وہ بوس وکنار سے جماع کی طرف نہیں بڑھے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ خوف ہو کہ وہ جماع کی طرف بڑھ جائے گا تو پھر رکنا افضل ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سے پہلے علماء کا قول ہے۔

۳۴۷- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَنْهٰى عَنِ الْقُبْلَةِ وَالْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر سے خبر دیتے ہیں کہ وہ (ابن عمر) روزہ دار کو بوسہ لینے اور مباشرت سے منع کیا کرتے تھے۔

اس روایت سے پہلے روزہ دار کے لیے بوسہ لینے کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے جس میں ایسے شخص کو اس کی اجازت تھی جو اپنے اوپر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو ورنہ بچنا چاہیے لیکن مذکورہ روایت میں مطلقاً بوسہ لینے سے روکا جا رہا ہے اور اسی طرح کی اور بہت سی روایات آئی ہیں مثلاً

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال نهی النبی ﷺ ان يقبل الرجل وهو صائم.
(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۵ باب القبلة والمباشرة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے۔

ان دونوں اقسام کی احادیث میں بظاہر مخالفت نظر آتی ہے لیکن حقیقت حال یہ نہیں بلکہ بوسہ لینے کی اجازت بھی مشروط اور نہ لینے کا حکم بھی احتیاط کے پیش نظر ہے۔

''مجمع الزوائد'' میں ج ۳ ص ۱۲۶ میں ایک روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ سے ایک نوجوان نے جب روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت نہ دی پھر ایک بوڑھا آدمی یہی سوال کر بیٹھا تو آپ نے اس کو اجازت دے دی۔ صحابہ کرام ان دو مختلف جوابات میں پریشان ہوئے۔ آپ نے اس پر فرمایا: ''ان الشاب ليس كالشيخ. ان الشيخ يملك نفسه. بیشک نوجوان بوڑھے کی طرح تو نہیں کیونکہ بوڑھا اپنے اوپر قابو کی صلاحیت رکھتا ہے'' لہٰذا دونوں اقسام کی روایات اپنے اپنے اعتبار سے درست ہیں جن سے مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر اپنی بیوی سے بوس وکنار کرتا ہے اور اس سے وہ جماع کی طرف نہیں رخ کرتا بلکہ اپنے اوپر قابو رکھتا ہے تو اسے ایسا کرنا جائز ہے اور قابو نہ پانے کی صورت میں رکنا چاہیے۔ روایت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے لیے مخصوص احکام کا جب تک علم نہ ہو۔ اسے عام آدمی کے لیے حکم سمجھنا چاہیے۔ اس مقام پر یہ بھی یاد رہے کہ اگر بے احتیاطی سے بوس وکنار کی وجہ سے کسی کو انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس کی صرف قضا دینا پڑے گی۔ کفارہ نہیں آئے گا۔

۱۳۴- بَابُ الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کا پچھنے لگوانے کا بیان

۳۴۸- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ. ثُمَّ أَنَّهُ كَانَ يَحْتَجِمُ بَعْدَ مَا تَغْرُبُ الشَّمْسُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں نافع نے ابن عمر سے بیان کیا کہ وہ (ابن عمر) حالت روزہ میں پچھنے لگوایا کرتے تھے پھر غروب آفتاب کے بعد پچھنے لگواتے تھے۔

۳۴۹- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ أَنَّ سَعْدًا وَابْنَ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں زہری نے بتایا کہ حضرت

عُمَرَ كَانَا يَحْتَجِمَانِ وَهُمَا صَائِمَانِ.

سعد اور ابن عمر دونوں حالت روزہ میں پچھنے لگوایا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَأْسَ بِالْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ وَإِنَّمَا كُرِهَتْ مِنْ اَجْلِ الضُّعْفِ فَإِذَا اُمِنَ ذَالِكَ فَلَا بَأْسَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کراہت صرف اس لیے ہے کہ کہیں کمزوری نہ آجائے لہٰذا اگر کمزوری کا خطرہ نہ ہو تو پھر کوئی گناہ نہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۳۵۰۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ مَارَأَيْتُ اَبِيْ قَطُّ اِحْتَجَمَ اِلَّا وَهُوَ صَائِمٌ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے بتایا کہ میں نے اپنے والد کو صرف روزہ کی حالت میں پچھنے لگواتے دیکھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اعتراض

ان روایات میں روزہ دار کو پچھنے لگوانے کی اجازت موجود ہے لیکن حضور ﷺ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن شداد بن اوس قال مررت مع رسول الله ﷺ فی ثمان عشرة خلت من رمضان فابصر رجلا احتجم فقال رسول الله ﷺ افطر الحاجم والمحجوم.

شداد بن اوس سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اٹھارہ رمضان المبارک کو کہیں جا رہا تھا آپ نے ایک شخص کو پچھنے لگواتے دیکھا اس پر فرمایا: پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۹ من کرہ ان تحجم)

اس روایت میں تو حضور ﷺ سے صاف صاف منقول ہے کہ روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا موطا میں مذکورہ روایات اور اس روایت کے مابین تعارض آ گیا۔ اس کے ہوتے ہوئے امام محمد کا اپنا مسلک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بیان کرنا اس روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے صحیح نہ ہوا؟

جواب اول: پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹنے والی حدیث کی شارحین نے تاویل کی ہے لہٰذا وہ مؤولہ ہوئی اور ایسی روایت سے استدلال درست نہیں ہوا کرتا۔ تاویل یہ ہے کہ پچھنے لگانے والا سنگی کو منہ میں لے کر اس قدر کھینچے کہ اس سے خون یا ریشہ وغیرہ اس کے منہ میں چلا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس سے لازماً روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس امر کے پیش نظر اسے ناقض روزہ قرار دیا گیا اسی طرح جس نے پچھنے لگوائے وہ اس سے اس قدر کمزور ہو گیا کہ بقیہ روزہ پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہو گیا اور اس کو ضعف کی وجہ سے روزہ توڑنا پڑا۔ یہی تاویل ابن حجر بھی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اما الحاجم فلانه لا يامن من وصول شیء من الدم الی جوفه عند المص واما المحجوم فلانه لایامن من ضعف قوته بخروج الدم فیاول امره الی ان یفطر. (فتح الباری شرح البخاری ج ۴ ص ۱۴۴)

سنگی لگانے والے کا روزہ ٹوٹنا اس لیے ہے کہ جب وہ سنگی لگا کر چوسے گا تو خون تھوڑا بہت اس کے منہ میں جائے گا اس سے وہ بچ نہیں سکتا۔ رہا سنگی لگوانے والے کا روزہ ٹوٹنا تو وہ اس لیے کہ سنگی لگوانے سے وہ بہر حال کمزور ہو جائے گا کیونکہ اس سے خون نکل

گیالہٰذا یہ بھی روزہ توڑنے کی طرف پلٹے گا۔

جواب دوم: اعتراض میں ذکر کی گئی حدیث منسوخ ہے۔ فتح الباری میں اسی مقام کے تحت لکھا گیا۔

قال ابن عبد البر وغيره فيه دليل على ان حديث افطر الحاجم والمحجوم منسوخ.

یعنی ابن عبدالبر وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں سنگی لگانے اور لگوانے والے کے روزہ ٹوٹ جانے کا ذکر آیا ہے وہ منسوخ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ موطا امام محمد میں جو احادیث مذکور ہوئیں وہ بعد کی احادیث ہیں جن میں دونوں کا روزہ باقی رہنے کا ذکر ہے۔ گویا حاجم ومحجوم کے روزہ ٹوٹ جانے کی روایات فتح مکہ کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں اور جن میں نہ ٹوٹنے کا ذکر ہے وہ حجۃ الاسلام کے دور کی ہیں۔ ان دونوں میں تقریباً دو سال کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل امام بیہقی نے یوں پیش فرمائی۔

عن ابن عباس رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ احتجم محرما صائما قال الشافعى وسماع ابن عباس عن النبى ﷺ عام الفتح ولم يكن يومئذ محرما ولم يصحبه محرما قبل حجة الاسلام فذكر ابن عباس حجامة النبى ﷺ حجة الاسلام سنة عشر وحديث افطر الحاجم والمحجوم سنة ثمان قبل حجة الاسلام بسنتين فان كان ثابتين فحديث ابن عباس ناسخ وحديث افطر الحاجم والمحجوم منسوخ. (بیہقی شریف ج ۴ ص ۲۶۸ باب مایستدل بہ علی نسخ الحدیث مطبوعہ حیدر آباد دکن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احرام اور روزے کی حالت میں سنگی لگوائی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضور ﷺ سے سماعت کرنا فتح مکہ کے سال تھا اور وہ ان دنوں نہ محرم تھے اور نہ ہی انہوں نے حجۃ الاسلام سے قبل آپ کی سنگت اختیار کی لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضور ﷺ کے پچھنے لگوانے کا ذکر کرنا ۱۰ھ حجۃ الاسلام کے موقعہ پر تھا اور حدیث افطر الحاجم والمحجوم ۸ھ یعنی حجۃ الاسلام سے دو سال قبل کی ہے۔ پس اگر دونوں حدیثیں ثابت ہوں تو پھر حضرت ابن عباس والی روایت ناسخ ہوگی اور افطر الحاجم والمحجوم والی منسوخ ہوگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی موطا میں نقل کیا وہ حق ہے اور اس کی تائید وتوثیق بھی موجود ہے اور اعتراض میں جو روایت ذکر کی گئی وہ یا تو مؤول ہے یا صحیح ہونے کی صورت میں منسوخ ہو چکی لہٰذا قابل حجت وعمل نہ رہی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۵ - بَابُ الصَّائِمِ يَذْرَعُهُ الْقَيْئُ اَوْيَتَقَيَّأُ

روزہ دار کو قے آجانا یا خود قے لانا، اس کا بیان

۳۵۱ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنِ اسْتَقَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَمَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْئُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْئٌ.

امام مالک نے ہمیں نافع سے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جس نے جان بوجھ کر قے کی اس حال میں کہ وہ روزے سے تھا تو اس پر روزہ کی قضا ہے اور جس کو خود بخود قے آ گئی اس پر کچھ بھی نہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اسی کو ہم قبول کرتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

روایت بالا میں دو مسئلے بیان ہوئے۔(۱) جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے (۲) خود بخود آئے تو کچھ حرج نہیں۔ کتب احناف میں اس کی تفصیل مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قے یا تو قصداً ہوگی یا بلاقصد ہے تو منہ بھر کر ہے یا تھوڑی مقدار میں ہے۔ یہی دوصورتیں بلاقصد میں بھی ہیں۔ ان چار حالتوں میں سے ہر ایک کی دو دو حالتیں ہوں گی وہ یہ کہ قے کو کیا پھر قصداً واپس لوٹایا یا بلاقصد اس کا کچھ حصہ اندر چلا گیا۔ کل سولہ اقسام بنیں۔ (ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۴۱۴ مطبوعہ مصر) اگرچہ ان سولہ صورتوں کی بعض فقہاء کرام نے مزید صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً قے کے وقت اسے روزہ دار ہونا یاد تھا یا یاد نہیں تھا۔ بہر صورت مذکورہ سولہ صورتوں میں سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک حالت میں روزہ ٹوٹتا ہے یعنی قے قصداً آئے اور منہ بھر کر آئے اور قصداً اسے لوٹائے خواہ واپس لوٹائی جانے والی قے ایک چنے برابر ہی ہو اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے۔

اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ احناف کے تینوں ائمہ نے جس صورت قے پر اتفاق کیا اس میں منہ بھر کر آنا اور پھر لوٹانا دو باتیں ہیں۔ دوسری بات ''لوٹانے والی'' اس کا ذکر حدیث پاک میں نہیں ہے۔ اس لیے احناف کی یہ پابندی خود ساختہ ہے لیکن یاد رہے کہ اسے خود ساختہ کہنا دراصل احادیث سے لاعلمی کی خبر دیتا ہے۔ یہ دونوں باتیں احادیث میں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ومن تقیئ فقد افطر. عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا استقیئ الصائم ثم اعاد.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸ باب ماجاء فی الصائم یتقی الخ)

جس نے جان بوجھ کر قے کی اس نے اپنا روزہ توڑ لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس روزہ دار نے قصداً قے کی پھر اسے لوٹایا۔ اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔

عن عکرمة الافطار مما دخل ولیس مما خرج. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۹)

جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روزہ اس سے ٹوٹتا ہے جو چیز اندر جائے نہ اس سے کہ جو خارج ہو۔

حدثنا السلمی عن بکربن وائل انها سمعت عائشة رضی الله عنها تقول دخل علی رسول الله ﷺ فقال یاعائشة رضی الله عنها هل من کسرة فاتیته بقرص فوضعه فی فیه وقال یا عائشة رضی الله عنها هل دخل بطنی منه شئ کذالک قبلة الصائم انما الافطار مما دخل ولیس مما خرج انتهی ووقفه عبد الرزاق فی مصنفه علی ابن مسعود رضی الله عنه فقال اخبرنا الثوری عن وائل بن داود عن ابی هریرة عن عبد الله بن مسعود قال انما الوضوء مما خرج ولیس مما دخل والفطر فی الصوم مما دخل ولیس مما خرج.

(نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۵۴ کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ)

بکر بن وائل سے سلمٰی روایت کرتی ہیں کہ اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! روٹی ہے؟ میں نے روٹی پیش کی۔ آپ نے اسے اپنے منہ میں رکھ لیا اور فرمایا اے عائشہ! کیا اس میں سے کچھ میرے پیٹ میں تو نہیں گئی؟ (عرض کی نہیں) آپ نے فرمایا: اسی طرح روزہ دار کا بوسہ لینا ہے۔ روزہ تو کسی چیز کے پیٹ میں جانے سے ٹوٹتا ہے پیٹ سے نکلنے سے نہیں ٹوٹتا۔ انتہی۔ اس روایت کو عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف کیا ہے۔ لکھا ہے۔ ہمیں ثوری نے وائل بن داؤد سے انہوں نے ابو ہریرہ سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ وضو اس سے ٹوٹتا ہے جو جسم سے نکلے اور جو خارج نہ ہو اس سے نہیں ٹوٹتا۔ ہاں روزہ اس سے ٹوٹتا ہے جو پیٹ میں داخل ہو اور جو نکلے اس سے نہیں ٹوٹتا۔

عن عمر بن الحکم بن ثعبان سمع ابا هریرة

عمر بن حکم بن ثعبان سے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی

رضی الله عنه اذا قاء فلا یفطر انما یخرج ولا یولج ویذکر عن ابی هریرة انه قال یفطروا الاول اصح وقال ابن عباس وعکرمة الصوم مما دخل ولیس مما خرج.

(صحیح بخاری ج ۱ص ۲۶۰ باب الحجامۃ)

اللہ عنہ سے سنا فرمایا: جب کوئی قے کرے۔ (خود بخود قے آجائے) تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ وہ تو کچھ پیٹ سے نکلا ہے داخل تو نہیں ہوا اور حضرت ابو ہریرہ سے مذکور ہے فرمایا: اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن عباس اور عکرمہ دونوں فرماتے ہیں کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو پیٹ میں جائے نہ کہ اس سے جو پیٹ سے نکلے۔

قارئین کرام! مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں قے کر کے اسے لوٹانے کے صریح الفاظ موجود ہیں جو مسلک احناف کی دلیل بنتے ہیں پھر نصب الرایہ میں روئی کا ٹکڑا رکھنا اور پھر حضور ﷺ کا فرمانا کہ میرے پیٹ میں تو کوئی چیز نہیں گئی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز منہ کے ذریعہ پیٹ میں جائے نہ کہ جو اندر سے نکل کر باہر گر جائے۔ اپنی عورت سے بوس و کنار بھی اسی حکم کی مثال ہے۔ صحیح بخاری میں قے آنے سے روزہ ٹوٹنے کے بعد میں قے آ کر لوٹانے سے ٹوٹ جانے کی روایات موجود ہیں لیکن امام بخاری نے قے آنے سے روزہ ٹوٹنے کے مقابلہ میں قے آ کر لوٹانے سے روزہ ٹوٹنے کو اقوی اور ارجح قرار دیا ہے۔ اس کی دلیل بھی واضح ہے کہ روزہ خارج ہونے والی چیز سے نہیں بلکہ داخل ہونے والی سے ٹوٹتا ہے۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ قے جب آتی ہے تو منہ سے باہر نکل جانے کے بعد اسے اٹھا کر کوئی بھی اندر پیٹ میں لے جانا گوارا نہیں کرتا اور جو منہ میں سے ہی کچھ واپس ہو گئی یا واپس لوٹا لی گئی وہ تو تھوک کے حکم میں ہونی چاہیے۔ خارج سے منہ میں ڈال کر نگل جانا اس پر صادق نہیں آتا۔

لہٰذا مذکورہ قاعدہ کے مطابق کسی صورت میں بھی قے کو نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ اس بارے میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ قے لوٹانے کی دو حالتیں جو فقہاء احناف نے ذکر فرمائیں۔ ایک تھوڑی قے جو منہ بھر کر نہ ہو اس میں سے کچھ نگل جانا اور دوسری حالت یہ کہ منہ بھر کر آئے اور اس میں سے کچھ واپس پیٹ میں لے جانا۔ ان دونوں صورتوں میں سے احناف دوسری صورت میں روزہ ٹوٹنے کا قول فرماتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ منہ بھر کر آنے والی قے میں سے کچھ واپس کر لی۔ منہ بھر کر آنے والی قے وہی ہوتی ہے جو روکنے سے رک نہ سکے لہٰذا نہ رک سکنے والی قے کو خارج کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا کو داخل کا حکم دیا گیا لہٰذا جب کسی نے قصداً قے کی اور منہ بھر کر آئی اور قصداً اسے واپس کیا گیا۔ ان میں سے دو قیود کا اثبات احادیث میں موجود ہے اور تیسری کا ثبوت دونوں کے اجتماع سے موجود ہے کیونکہ خارج سے داخل ہونے کا مفہوم سوائے منہ بھر کر قے آنے کے نہیں بنتا لہٰذا ثابت ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک متفق علیہ صورت جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ منہ بھر کر قے آئے اور اس کو قصداً لوٹایا جائے۔ اسی صورت کو مولانا امجد علی صاحب نے ''بہار شریعت'' میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ صاحبین کے مابین اختلاف ہے جس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے لیکن صورت مذکورہ میں ان دونوں اماموں کا بھی اتفاق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کی متفق علیہ صورت یہ ہوگی کہ قصداً قے کی جائے' منہ بھر کر آئے اور پھر قصداً اس کو لٹایا جائے اگرچہ لوٹنے والی چنے کی مقدار کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۶ - بَابُ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ

سفر میں روزہ کے احکام کا بیان

۳۵۲ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَصُوْمُ فِي السَّفَرِ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ ابن عمر سے خبر دیتے ہوئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔

۳۵۳۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ خَرَجَ عَامَ فَتْحِ مَکَّۃَ فِیْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ الْکَدِیْدَ ثُمَّ اَفْطَرَ فَاَفْطَرَ النَّاسُ مَعَهٗ وَکَانَ فَتْحُ مَکَّۃَ فِیْ رَمَضَانَ قَالَ وَکَانُوْا یَاْخُذُوْنَ بِالْاَحْدَثِ فَالْاَحْدَثِ مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ.

امام مالک نے ہمیں امام زہری سے خبر دی وہ عبید اللہ بن عبداللہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ سے رمضان میں فتح مکہ کے سال باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ جب مقام کدید پہنچے تو افطار کرنا شروع کر دیا۔ آپ کو دیکھ کر لوگوں نے بھی روزہ نہ رکھا۔ فتح مکہ رمضان شریف میں ہوئی تھی نیز فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ وہ حضور ﷺ سے وقوع پذیر ہونے والا ہر نیا کام اپنایا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ شَاءَ صَامَ فِی السَّفَرِ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ وَالصَّوْمُ اَفْضَلُ لِمَنْ قَوِیَ عَلَیْهِ وَاِنَّمَا بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَفْطَرَ حِیْنَ سَافَرَ اِلٰی مَکَّۃَ لِاَنَّ النَّاسَ شَکَوْا اِلَیْهِ الْجُهْدَ مِنَ الصَّوْمِ فَاَفْطَرَ لِذٰلِکَ وَقَدْ بَلَغَنَا اَنَّ حَمْزَۃَ الْاَسْلَمِیَّ سَاَلَهٗ عَنِ الصَّوْمِ فِی السَّفَرِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ فَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَالْعَامَّۃِ مِنْ قَبْلِنَا.

امام محمد کہتے تھے سفر میں اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے اس کی بھی اجازت ہے اور نہ چاہے تب بھی جائز ہے لیکن روزہ رکھنا اس شخص کے لیے افضل ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔ بیشک ہمیں حضور ﷺ کی یہ روایت پہنچی کہ حضور ﷺ نے جب مکہ جانے کا ارادہ فرما کر سفر شروع کیا۔ روزہ چھوڑ دیا کیونکہ لوگوں نے روزہ رکھنے کی وجہ سے پیش آنے والی مشقت کا ذکر کیا تو آپ نے اس بنا پر روزہ نہ رکھا اور ہمیں یہ بھی روایت پہنچی ہے کہ حضرت حمزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دوران سفر روزہ رکھنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: تمہاری مرضی اگر چاہو تو رکھ لو ورنہ افطار کر لو۔ امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سے قبل عام لوگوں کا۔

اشکال: باب میں ذکر شدہ دونوں روایات میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت ابن عمر دوران سفر روزہ نہیں رکھتے تھے اور حضور ﷺ نے بھی صحابہ کرام کی مشقت کی شکایت کے پیش نظر نہ خود روزہ رکھا اور نہ ہی آپ کے ارشاد کے مطابق صحابہ کرام نے روزہ رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران سفر روزہ نہیں رکھنا چاہیے لیکن امام محمد اس کے خلاف روزہ رکھنے کو افضل بتا رہے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ امام محمد کا قول احادیث کے خلاف ہے۔ اس کی مزید تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس سے حضور ﷺ نے سفر میں روزہ رکھنے کو "نیکی نہ ہونے" کی بات فرمایا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

عن کعب بن عاصم قال قال رسول اللہ ﷺ لیس من البر الصیام فی السفر.

کعب بن عاصم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۴ باب من کرہ الصیام فی السفر)

جواب: موطا کی مذکورہ روایت میں اگر غور کیا جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید موجود ہے وہ اس طرح کہ جب صحابہ کرام نے روزہ رکھنے کی مشقت کا ذکر کیا تو آپ نے افطار کا حکم دیا لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر روزہ رکھنے سے مسافر مشقت میں پڑ جائے گا اور اس میں سفر جاری رکھنے کی طاقت کم ہو جائے گی تو ایسی حالت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے لیکن امام محمد تو طاقت والے کا روزہ رکھنا

افضل بتارہے ہیں لہٰذاان دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔''مصنف ابن ابی شیبہ'' کی روایت کا معاملہ تو اس میں اجمال ہے اگر اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو وہ بھی اسی کتاب میں یوں مذکور ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ في سفر فراى رجلا قداجتمع الناس عليه وقد ظل عليه فقال ماله قالوا رجل صائم فقال رسول الله ﷺ ليس من البران تصوموا.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک سفر کے دوران ایک آدمی پر بہت سے لوگ جمع ہوئے دیکھے جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ روزہ دار ہے تو آپ نے فرمایا: یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم دوران سفر روزہ رکھو۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ دوران سفر روزہ رکھنا وہ روزہ نیکی سے خالی ہے جو اس قسم کی مشقت پیدا کرے اور اگر مشقت پیدا نہ کرے تو پھر اس پر یہ حکم نہیں ہوگا۔اس کی تائید ایک اور حدیث کے الفاظ یوں کرتے ہیں۔

عن عاصم قال سئل انس عن الصوم في السفر فقال من افطر فرخصة ومن صام فالصوم افضل حدثنا سهل بن يوسف عن حميد عن ابن ابى مليكة قال صحبت عائشة رضى الله عنها فى السفر فما افطرت حتى دخلت مكة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۴۔ ۱۵ من کان یصوم فی السفر)

عاصم سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دوران سفر روزہ رکھنے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جو روزہ نہ رکھے اسے اس کی رخصت ہے اور جو روزہ رکھے تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ ہمیں سہل بن یوسف نے حمید اور انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سفر میں موجود تھا آپ نے مکہ میں داخل ہونے تک روزہ نہ چھوڑا۔

ان احادیث سے بالکل واضح اور صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ دوران سفر قوت رکھنے والے کے لیے روزہ رکھ لینا افضل ہے۔ حضرات صحابہ کرام کا عمل بھی اس پر گواہ ہے بلکہ قرآن کریم میں اس کی صاف صاف تائید موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''**فمن تطوع خيرا فهو خير له.** پس سفر میں جو روزہ کی طاقت رکھے اس کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے''۔لہٰذا ثابت ہوا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا موطا میں مذکور مسلک قرآن واحادیث اور عمل صحابہ سے ثابت ہے۔

نوٹ: دورانِ سفر روزہ نہ رکھنے کی رخصت اور نماز میں قصر اس بارے میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ یہ رعایت ہر مسافر کے لیے ہے خواہ وہ سفر اطاعت ہو یا سفر معصیت؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سفر معصیت میں اس کے قائل نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ سفر معصیت کا مسافر روزہ بھی رکھے گا اور نماز بھی پوری پڑے گا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس میں دونوں کا ایک ہی حکم بیان فرماتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے اسے یوں بیان فرمایا ہے۔

والعاصى والمطيع فى سفر هما فى الرخصة.

(ہدایہ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۵ باب صلوٰۃ المسافر)

گناہ گار اور اطاعت گزار اپنے اپنے سفر میں رخصت کے دونوں حق دار ہیں۔

اس کی تفصیل جو صاحب فتح القدیر نے اسی مقام پر بیان فرمائی اس کا ترجمہ یہ ہے۔ہم احناف کی دلیل یہ ہے۔

''کہ رخصت کے بارے میں نازل ہونے والی آیات مطلق ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ ان دونوں کے برابر بعد میں گن کر روزے رکھ لے اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا: مسافر تین دن اور تین رات مسح کرے۔ہم نے جو ابھی پہلے ایک حدیث مبارک بیان کی ہے وہ ''سفر'' کے ساتھ نماز کی قصر کو معلق کرتی ہے لہٰذا اسے مطلق سمجھ کر اس کے اطلاق پر عمل

کرنا واجب ہے ہاں اگر کوئی قید پائی جاتی (جو یہاں موجود نہیں) تو پھر عمل مطلق کی بجائے مقید پر ہوتا"۔

عبارت مذکورہ اس طرف مشیر ہے کہ قرآن کریم اور احادیث میں مسافر کے لیے جہاں رخصت کا ذکر فرمایا گیا اس کو مقید نہیں کیا گیا یعنی سفر کو اطلاق سے نکال کر اسے سفر اطاعت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا لہٰذا ہم بھی اسے اطلاق پر رکھیں گے اور اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ سفر خواہ کسی قسم کا ہو اس میں روزہ اور نماز کی رخصت موجود ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۷ - بَابُ قَضَاءِ رَمَضَانَ هَلْ يُفَرَّقُ

رمضان کی قضا میں کیا تفریق کی جائے گی؟

۳۵٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ لَا يُفَرَّقُ قَضَاءُ رَمَضَانَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع نے بیان کیا کہ وہ قضاء رمضان میں تفریق نہ کرتے تھے۔

۳۵۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا هُرَيْرَةَ اِخْتَلَفَا فِيْ قَضَاءِ رَمَضَانَ قَالَ اَحَدُهُمَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُ وَ قَالَ الْاٰخَرُ لَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے خبر دی کہ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قضاء رمضان میں اختلاف ہوا ایک فرمانے لگے کہ ان میں تفریق کرنی چاہیے اور دوسرے فرمانے لگے کہ ان میں نہیں ہونی چاہیے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْجَمْعُ بَيْنَهُ اَفْضَلُ وَاِنْ فَرَّقْتَهُ وَاَحْصَيْتَ الْعِدَّةَ فَلَا بَأْسَ بِذَالِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ قَبْلَنَا.

امام محمد کہتے ہیں قضاء رمضان کو متصل یعنی اکٹھا ادا کرنا افضل ہے اور اگر تو الگ الگ قضا کرے اور گنتی پوری کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ہم سے پہلے بزرگوں نے بھی یہی فرمایا ہے۔

رمضان کے چھوٹے ہوئے روزے بہرحال قضا کرنے لازم ہیں۔ رہا یہ کہ قضا مسلسل روزے رکھ کر کرے یا درمیان میں ناغہ کرے۔ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ کا اپنا اپنا نظریہ ہے۔ ان کا اختلاف درجہ استحباب میں ہے نہ کہ وجوب میں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اکٹھے رکھنا افضل ہے اور یہی علماء متقدمین کا قول ہے۔ امام اعظم بھی اسی کے قائل ہیں ان حضرات کے پیش نظر یہ بات ہے کہ لگاتار روزہ رکھنے میں آسانی ہوتی ہے اور جب ایک آدھ روزہ رکھ کر چھوڑ دیا تو دو چار دن کھا پی کر روزہ رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ عین ممکن ہے کہ آج کل کرتے کرتے اس کے روزے بہت پیچھے رہ جائیں حتیٰ کہ دوسرا رمضان آ جائے یا یہ بھی ممکن کہ روزہ رکھنے کی مہلت ہی نہ مل سکے یا کوئی اور عذر آن پڑے لہٰذا جس قدر جلد ہو اس سے عہدہ برآ ہونا چاہیے اس لیے عید کے بعد اکٹھے رکھنے میں یہ تمام خدشات مفقود ہیں لہٰذا اسے افضل فرمایا۔ معلوم ہوا کہ دونوں صحابیوں کا اختلاف اور ان میں سے ایک کے نظریہ کو امام محمد کا قبول کر لینا کوئی سخت اختلاف نہیں صرف امر مستحسن میں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۸ - بَابُ مَنْ صَامَ تَطَوُّعًا ثُمَّ اَفْطَرَ

نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینے کا حکم

۳۵٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ اَنَّ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَصْبَحَتَا صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ فَاُهْدِيَ لَهُمَا طَعَامًا فَاَفْطَرَتَا عَلَيْهِ فَدَخَلَ عَلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ حَفْصَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَبَدَرَتْنِيْ بِالْكَلَامِ وَكَانَتِ ابْنَةَ اَبِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ

امام مالک نے ہمیں خبر امام زہری سے دی کہ ام المومنین سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ نفلی روزہ رکھا۔ صبح ہو گئی تو کسی نے انہیں کچھ کھانا بطور ہدیہ بھیجا۔ ان دونوں نے اسے کھا کر روزہ توڑ لیا۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے میں حفصہ رضی اللہ عنہا مجھ سے سبقت لے گئی۔ آخر وہ اپنے

اَصْبَحْتُ اَنَا وَعَائِشَةُ صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ فَاُهْدِىَ لَنَا طَعَامٌ فَاَفْطَرْنَا عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْضِيَا يَوْمًا مَّكَانَهٗ.

باپ (عمر) کی بیٹی تھی۔ بہرحال حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں نے نفلی روزہ رکھا اور روزہ کی حالت میں صبح ہوئی پھر کسی نے کچھ کھانا بطور ہدیہ ہمیں بھیجا تو ہم نے اسے کھا کر روزہ توڑ دیا۔ (اب کیا حکم ہے؟) اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کی جگہ ایک روزہ قضاء رکھ لینا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ صَامَ تَطَوُّعًا ثُمَّ اَفْطَرَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ قَبْلَنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیتا ہے تو اس پر صرف قضا ہے اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سے پہلے علماء کرام کا ہے۔

نفلی روزہ رکھ کر توڑنے کے متعلق احناف اور غیر احناف میں اختلاف ہے کہ کیا اس کی قضا ہوگی؟ قضا نہ ہونے کے قائلین حضرات یوں استدلال کرتے ہیں کہ "نفل" ایسی عبادت یا عمل ہے جو کرنے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ کرے گا تو ثواب پائے گا اور نہ کرے گا تو عذاب وعتاب کچھ بھی نہیں۔ جب اس کی اصلیت ہی فاعل کی مرضی پر ہے تو اس کو توڑنے سے وجوب نہیں آئے گا لہٰذا نفلی روزہ کی قضا واجب نہ ہوگی۔ احناف کہتے ہیں کہ نفل اگرچہ شروع کرنے سے قبل فاعل کے دائرہ اختیار میں تھا۔ شروع کرتا یا نہ کرتا لیکن جب اپنی مرضی اور اختیار سے اسے شروع کر لیا اور اس کا کچھ حصہ ادا کر لیا۔ اب اس کو توڑ دینے پر اس کی قضا واجب ہوگی کیونکہ شروع کر لینے کے بعد "نفل" کا مکمل کرنا لازم ہو جانے کی وجہ سے وہ درجہ وجوب کو پہنچ گیا اور واجب ہو جانے کی بنا پر اس کو توڑنے سے قضا واجب ہوگی۔ اس کے وجوب کی قرآن وحدیث سے دلیل موجود ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ "لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ اپنے اعمال باطل نہ کرو"۔ اعمال کا جب بطلان منع ہے تو پھر ان کا اتمام واکمال لازم وواجب ہوگا چونکہ نفل شروع کرنے کے بعد وہ بھی ایک عمل کہلاتا ہے لہٰذا اسے توڑنے کے بعد اگر قضاء کے وجوب کا قول نہ کیا جائے تو اس عمل کا بطلان لازم آئے گا اس لیے قرآن کریم کے اس ارشاد کے پیش نظر نفل کی قضا واجب بنتی ہے۔ حدیث پاک سے اس کا ثبوت یہی موطا کی روایت ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے نفلی روزہ توڑنے پر حضور ﷺ نے ان کو اس کے بدلہ میں روزہ رکھنے کا حکم دیا اس بارے میں ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں۔

عن انس بن سيرين انه صام يوم عرفة فعطش عطشا شديدا فافطر فسال عدة من اصحاب النبى ﷺ فامروا ان يقضى يوما مكانه. عن الحسن قال اذا تسحر الرجل فقد وجب عليه الصوم فان افطر فعليه القضاء.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۔۳۰ فی الرجل یصوم تطوعا ثم یفطر)

انس بن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے یوم عرفہ کو روزہ رکھا پھر سخت پیاس لگی تو روزہ توڑ دیا۔ اس کے بعد بہت صحابہ کرام سے اس بارے میں پوچھا تو سب نے حکم دیا کہ اس کی بجائے ایک روزہ واجب رکھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص سحری روزہ کی نیت سے کھالیتا ہے تو اس پر روزہ واجب ہو جاتا ہے پھر اگر توڑے گا تو قضا لازم ہوگی۔

مذکورہ روایات سے بھی ثابت ہوا کہ نفلی روزہ رکھ کر توڑنے پر وجوب قضا کا حکم حضرات صحابہ کرام دیا کرتے تھے اور حسن بصری رضی اللہ عنہ تو صاف صاف نفلی روزہ کے توڑنے پر قضا کے وجوب کے قائل ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ احناف کا مسلک خود ان کی کتاب سے ملاحظہ ہو۔

عن ابی سعید خدری قال صنع رجل طعاما ودعا رسول اللہ ﷺ واصحابہ فقال رجل انی صائم فقال رسول اللہ ﷺ اخوک تکلف وصنع لک طعاما ودعاک افطر واقض یوم مکانہ انتھی ورواہ کذالک الدار قطنی فی سننہ.

(نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الصوم مطبوعہ دار المامون قاہرہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے ایک ساتھی نے کھانا تیار کیا اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کی دعوت کی ان میں سے ایک صحابی کہنے لگے میں روزہ دار ہوں اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: تیرے بھائی نے پرتکلف کھانا تیار کیا اور تیری دعوت کی لہٰذا تو روزہ توڑ دے اور اس کی جگہ ایک روزہ رکھ لینا۔

ان روایات واحادیث سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت خواہ وہ نماز ہو یا روزہ توڑنے پر اس کی قضا واجب ہو جاتی ہے کیونکہ شروع کرنے کے بعد اس کا اتمام واکمال لازم ہو گیا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۳۹- بَابُ تَعْجِيْلِ الْإِفْطَارِ — روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے کا بیان

۳۵۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْاِفْطَارَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ابو حازم بن دینار نے سہل بن سعد سے ہمیں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ جب تک جلد افطاری کرتے رہیں گے اس وقت تک وہ بھلائی پر رہیں گے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَصَلٰوةُ الْمَغْرِبِ اَفْضَلُ مِنْ تَاْخِيْرِهِمَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں افطار میں اور نماز مغرب میں جلدی ان میں تاخیر سے افضل ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔

۳۵۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا يُصَلِّيَانِ الْمَغْرِبَ حِيْنَ يَنْظُرَانِ اللَّيْلَ الْاَسْوَدَ قَبْلَ اَنْ يُّفْطِرَا ثُمَّ يُفْطِرَانِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فِيْ رَمَضَانَ.

ابن شہاب سے ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ انہیں حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف نے بتایا کہ حضرت عمر بن خطاب اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما دونوں رات کی سیاہی کے دیکھتے ہی نماز مغرب ادا کیا کرتے تھے پھر رمضان شریف میں نماز مغرب کے بعد افطاری کیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا كُلُّهٗ وَاسِعٌ فَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ بَعْدَهَا وَكُلُّ ذَالِكَ لَا بَاْسَ بِهٖ.

امام محمد کہتے ہیں اس تمام میں وسعت وگنجائش ہے کہ جو شخص نماز مغرب سے قبل افطاری کرنا چاہے کر سکتا ہے اور جو نماز مغرب کے بعد چاہے تو اس وقت افطاری کر لے۔ ان تمام صورتوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باب کی پہلی حدیث میں افطار جلد کرنے کو افضل اور بھلائی کا کام قرار دیا گیا اور دوسری میں دو جلیل القدر خلیفہ اور صحابی یعنی حضرت عمر بن خطاب اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کا رمضان شریف میں افطار کرنے میں دیر لگانا مذکور ہوا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا عمل، حضور ﷺ کے ارشاد کردہ افضل طریقہ کے خلاف ہے۔ اسی ظاہری مخالفت کی وجہ سے بعض کوتاہ نظر لوگوں نے اس مسئلہ میں ان دونوں کے فعل پر اعتراض کیا اور عجیب بھونڈے انداز سے ان کے عمل کو حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مقابل لا کھڑا کیا اور لکھا کہ نبی پاک ﷺ کی پیروی مقدم ہے عمر اور عثمان کی پیروی سے" موطا کی اسی روایت کی

شرح کرتے ہوئے عطاء اللہ غیر مقلد نے یہی انداز اپنایا ہے۔ بصیرت سے خالی ان اندھوں کوفوراً اعتراض سوجھتا ہے یہ کوشش نہیں کرتے کہ کسی طرح اس میں تقابل کی بجائے تطبیق کا راستہ نکالا جائے ۔اگر ان جلیل القدر صحابی حضرات کو یہی حضور ﷺ کے خلاف چلنے والے ثابت کر دیا جائے تو پھر "اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"۔ کے ارشاد نبوی کا کیا مفہوم ہوگا؟ محدثین کرام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ایسے مقامات میں وہ تطبیق کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے اس فعل کی تین تاویلیں ذکر فرمائی ہیں۔

و اما ماصح ان عمر و عثمان رضی الله عنهما کانا برمضان یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود ثم یفطران بعد الصلوة فهو لبیان جواز التاخیر لئلا یظن وجوب التعجیل ویمکن ان یکون وجهه انه علیه الصلوة والسلام کان یفطر فی بیته ثم یخرج الی الصلوة المغرب وانهما کانا فی المسجد ولم یکن عندهما تمر ولا ماء او کانا غیر معتکفین ورایا الاکل والشرب لغیر المعتکف مکروهین.

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ص ۲۵۶ باب فی مسائل الحفر قہ من کتاب الصوم فصل ثانی)

اور جو بروایت صحیحہ آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما رات کی سیاہی دیکھ کر رمضان شریف میں پہلے نماز مغرب ادا فرمایا کرتے تھے پھر روزہ افطار کیا کرتے تھے تو ان حضرات کا ایسے کرنا دراصل تاخیر سے روزہ افطار کرنے کا جواز بیان فرمانا تھا تا کہ افطار میں جلدی کو کوئی واجب نہ گمان کر بیٹھے اور ممکن ہے کہ اس تاخیر کی وجہ یہ بھی ہو کہ حضور ﷺ اپنے کا شانۂ اقدس میں روزہ افطار فرما کر نماز مغرب کے لیے تشریف لاتے ہوں اور یہ دونوں حضرات مسجد نبوی میں ہوں اس وقت ان کے پاس روزہ افطار کرنے کے لیے کھجور، پانی وغیرہ کچھ نہ ہوتا ہو یا یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ ان دونوں کی حالت غیر معتکف کی ہو اور ان کی رائے یہ ہو کہ مسجد میں معتکف کے علاوہ دوسروں کے لیے کھانا پینا مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا تینوں باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے روزہ کی افطاری میں تاخیر کوئی معیوب نہیں اور نہ ہی اس سے حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کی مخالفت بنتی ہے۔ان دونوں جلیل القدر، مجتہد اور خلفاء صحابی حضرات کا مذکورہ عمل سے زیادہ سے زیادہ افطاری میں" افضل" کے خلاف ہے' کوئی واجب کا ترک لازم نہیں آتا کہ جس کی وجہ سے انہیں حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مقابل لا کھڑا کیا جائے بلکہ ان حضرات نے مقتدا ہونے کے پیش نظر عام مسلمانوں کو افطار کے بارے میں وجہ جواز بیان کرنا ضروری سمجھا تا کہ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ افطاری میں تاخیر کوئی گناہ نہیں۔یہ تو اس وقت ہوگا جب انہوں نے جان بوجھ کر ''جواز'' سمجھانے کی خاطر ایسے کیا اور یہ بھی ممکن کہ ان دونوں حضرات نے مجبوراً ایسا کیا ہو اور مجبوری کی دو صورتیں رہی ہیں جو ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ افطاری کے لیے کوئی چیز پاس نہ ہوتی اور حضور ﷺ ایک آدھ کھجور یا پانی کے گھونٹ سے افطاری فرما کر نماز پڑھانے تشریف لے آئے۔انہیں اتنا وقت ہی نہ ملتا کہ نماز سے قبل گھر جا کر کچھ کھا پی آئیں لہٰذا حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو غنیمت جانتے ہوئے اسے پڑھا پھر فراغت پر روزہ افطار کر لیا یا پاس کچھ ہوتا بھی لیکن مسجد میں کھانے پینے کو جائز نہ سمجھتے کیونکہ یہ حالت اعتکاف میں نہ ہوتے۔ پہلے نماز ادا کرتے پھر باہر تشریف لے جا کر روزہ افطار فرماتے۔ ''مشکوٰۃ شریف'' میں بھی اسی طرح کی ایک روایت کی امام طیبی نے ایسی ہی تاویل فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو۔

عن ابی عطیة قال دخلت انا ومسروق علی

ابو عطیہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مسروق دونوں حضرت

عائشة رضي الله عنها فقلنا يا ام المؤمنين رجلان من اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم احدهما يعجل الصلوة الافطار ويعجل الصلوة والاخر يوخر الافطار ويوخر الصلوة قالت ايهما يعجل الافطار ويعجل الصلوة؟ قلنا عبد الله بن مسعود قالت هكذا صنع رسول الله ﷺ والاخر ابو موسى رواه مسلم.

(مشکوٰۃ شریف مع مرقات ج ۴ ص ۲۵۸ الفصل الثالث)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا! اے ام المؤمنین! حضور ﷺ کے دو صحابی ایسے ہیں کہ ان میں ایک افطار کرنے اور نماز مغرب ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے اور دوسرا دونوں میں تاخیر سے کام لیتا ہے فرمانے لگیں دونوں میں سے افطار اور نماز میں جلدی کرنے والا کون ہے؟ ہم نے عرض کیا عبد اللہ بن مسعود' فرمانے لگیں اسی طرح حضور ﷺ نے کیا۔ دوسرے صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ روایت امام مسلم نے ذکر کی ہے۔

اس روایت پر علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا اسے ملا علی قاری بیان کرتے ہیں۔

قال الطيبي الاول عمل بالعزيمة والسنة والثاني بالرخصة وهذا انما يصح لو كان الاختلاف في الفعل فقط اما اذا كان الخلاف قوليا فيحمل على ان ابن مسعود اختار المبالغة في التعجيل وابو موسى اختار عدم المبالغة فيه والا فالرخصة متفق عليه عند الكل والاحسن ان يحمل عمل ابن مسعود رضي الله عنه على السنة وعمل ابي موسى على بيان الجواز كما سبق من عمل عمر وعثمان رضي الله عنهما.

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۵۹ الفصل الثالث مطبوعہ ملتان)

علامہ طیبی نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل، عزیمت اور سنت تھا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رخصت کو اپنایا اور یہ تطبیق اس وقت درست اور صحیح ہوگی جب ان دونوں حضرات کے درمیان اختلاف صرف فعل میں ہو اور اگر اختلاف قولی ہو تو پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل افطاری میں جلدی کرنا بطور مبالغہ سمجھا جائے گا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کا غیر مبالغہ ہوگا ورنہ رخصت تو ان دونوں کے نزدیک بالاتفاق ہے اور احسن یہ کہ حضرت ابن مسعود کا عمل سنت پر محمول کیا جائے اور ابو موسیٰ کا بیان جواز پر محمول کیا جائے جیسا کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے عمل کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

قارئین کرام! معلوم ہوا کہ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد افطاری کرنے میں جواز کا کوئی مخالف نہیں صرف افضلیت کا ترک لازم آتا ہے اور وہ بھی مخصوص حالتوں میں مذکورہ تین عدد توجیہات کے علاوہ بعض علماء کرام نے حضرت عمر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے مذکورہ عمل کی ایک اور توجیہ بھی بیان فرمائی وہ یہ کہ معمولی سی کسی چیز کے ساتھ روزہ کھولنا تو یہ دونوں حضرات نماز مغرب سے پہلے ہی کر لیتے تھے لیکن سیر ہو کر اور پوری خوراک کھانا یہ نماز مغرب کے بعد ہوتا تھا لہٰذا مکمل اور سیر ہو کر کھانے کو افطاری سے تعبیر کیا گیا۔ بہر حال حضرات صحابہ کرام سے ایسے عمل کی توقع کرنا جو حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے خلاف ہو' غلط ہے اس لیے جن نام نہاد شارحین نے تقابل بنا کر صحابہ کرام کے عمل کو خلاف سنت اور مرجوع قرار دیا تو بے ادبی سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی بے ادبی سے بچائے۔ آمین۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۰- بَابُ الرَّجُلُ يُفْطِرُ قَبْلَ الْمَسَاءِ وَيُظَنُّ اَنَّهُ قَدْ اَمْسٰى

غروبِ آفتاب سے قبل غروبِ آفتاب ہو جانے کے ظن پر روزہ افطار کرنا

۳۵۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَفْطَرَ فِيْ يَوْمِ رَمَضَانَ فِيْ

امام مالک نے ہمیں زید بن اسلم سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں ایک دن موسم ابر آلود

يَوْمٍ غَيْمٍ وَرَاٰى اَنَّهٗ قَدْ اَمْسٰى اَوْغَابَتِ الشَّمْسُ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَاۤاَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَالَ الْخَطْبُ يَسِيْرٌ وَقَدِ اجْتَهَدْنَا.

ہونے کی وجہ سے روزہ کھول لیا۔ آپ سمجھے کہ شام ہو چکی ہے یا سورج غروب ہو گیا ہے پھر ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! سورج ابھی موجود ہے یہ سن کر فرمایا: قضا آسان ہے۔ ہم نے تو بہت کوشش کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ اَفْطَرَ وَهُوَ يَرٰى اَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَابَتْ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا لَمْ تَغِبْ لَمْ يَاْكُلْ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ وَلَمْ يَشْرَبْ وَعَلَيْهِ قَضَاءُهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ جو شخص یہ سمجھتے ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا ہے روزہ کھول لیتا ہے پھر اسے معلوم ہو گیا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تو اسے غروب آفتاب تک بقیہ وقت کھانا پینا بند کر دینا چاہیے اور اس پر اس دن کی قضا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

روایت مذکورہ میں موجود مسئلہ متفق علیہ ہے کہ غلطی سے غروب ہو جانا سمجھ کر روزہ افطار کرنے والے پر اس روزہ کی قضاء واجب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ جیسا واقعہ بروایت بخاری حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اس صورت میں قضاء کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ باقی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ ایسا شخص بقیہ دن کھانے پینے سے رکے۔ یہ صرف رمضان پاک کے ادب کے پیش نظر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا روزہ اس بھول سے نہیں ٹوٹا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۱- بَابُ الْوِصَالِ فِى الصِّيَامِ

لگا تار روزے رکھنے کا بیان

۳۶۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْوِصَالِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّىْ لَسْتُ كَهَيْاَتِكُمْ اِنِّىْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى.

جناب نافع سے امام مالک نے ہمیں خبر دی وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا آپ تو لگا تار روزے رکھتے ہیں۔ (ہمیں منع کیوں فرماتے ہیں؟) فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اللہ کی طرف سے کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

۳۶۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِىْ اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ اِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّىْ لَسْتُ كَهَيْاَتِكُمْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ فَاكْلَفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا لَكُمْ بِهٖ طَاقَةٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے اعرج سے ابو الزناد نے بتایا اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صوم وصال سے اجتناب کرو' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ خود لگا تار روزے رکھتے ہیں؟ فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں رات بسر کرتا ہوں درآں حالیکہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے لہٰذا تم وہ کام کرو جس کی تمہیں طاقت ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ الْوِصَالُ مَكْرُوْهٌ وَهُوَ اَنْ يُّوَاصِلَ الرَّجُلُ بَيْنَ يَوْمَيْنِ فِى الصَّوْمِ لَا يَاْكُلُ فِى اللَّيْلِ شَيْئًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ مذہب ہے کہ صوم وصال مکروہ ہیں اور وہ یوں کہ کوئی شخص دو روزے اس طرح لگا تار رکھے کہ رات میں کچھ بھی نہ کھائے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لگاتار روزے رکھنے کا طریقہ کہ جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ کہ شام افطاری کے وقت کچھ بھی نہ کھایا جائے یہ نہیں کہ رمضان شریف کی طرح ایک مہینہ کے لگاتار روزے رکھنا یا اس سے کم وبیش اس طرح رکھنا کہ افطاری کی اور سحری کو بھی کھا پی لیا۔ یہ صوم وصال نہیں۔ اسی لیے امام محمد نے صوم وصال کی تشریح فرمائی ہے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ بہرحال اس کا واقعہ احادیث کے مطابق یوں ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ نے صوم وصال رکھنے شروع کر دیئے۔ جب صحابہ کرام کو اس عمل شریف کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایسا کرنا شروع کر دیا۔ چند دن متواتر روزہ رکھنے کی وجہ سے ان کے چہروں پہ کچھ کمزوری کے آثار نظر آنے لگے۔ حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا ہم بھی آپ کی اتباع میں لگاتار روزہ رکھ رہے ہیں جس کی وجہ سے کمزوری آگئی اس پر آپ نے فرمایا: دیکھو اپنے آپ کو مجھ پر قیاس نہ کرو مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ تم میں میری مثل کون ہوسکتا ہے؟ لہٰذا یاد رہے کہ حضور ﷺ کے اعمال شریفہ کو اپنے اعمال جیسا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس معاملہ کی ایک حدیث مشکوٰۃ شریف میں ان الفاظ سے موجود ہے۔

عن ابی قتادة ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال کیف تصوم فغضب رسول الله ﷺ من قوله فلما رای عمر غضبه قال رضينا بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا نعوذ بالله من غضب رسوله فجعل عمر يردد هذا الكلام حتى سكن غضبه.

(مشکوٰۃ شریف ص۱۷۹ فصل اول باب صیام التطوع)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ کیسے روزہ رکھتے ہیں؟ اس پر حضور ﷺ غصہ میں آئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو غصہ کی حالت میں پایا تو فوراً زبان پر یہ الفاظ لائے ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں اسلام کے دین ہونے پر راضی اور حضرت محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے پر راضی ہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کلمات کو بار بار کہتے رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔

حضور ﷺ کی ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ شخص مذکور نے آپ سے آپ کے فعل شریف کی کیفیت پوچھی۔ طریقہ یہ تھا کہ وہ یوں عرض کرتا کہ حضور میں روزہ رکھنے کی ترکیب سیکھنا چاہتا ہوں مجھے روزہ رکھنے کا طریقہ سکھلائیں۔ شیخ محقق دہلوی لکھتے ہیں۔

پس درخشم آمد آنحضرت ازیں گفتن آں مرد و پرسیدن وے از حضرت کہ چگونہ روزہ می داری چہ حق سوال آن بود کہ سوال می کرد از حال خود کہ گوید کیف اصوم تا جواب میکرد آنحضرت آنچہ موافق حال وے بود نہ آنکہ از حال آنحضرت سوال کنند و در فعل آنحضرت در قلت و کثرت اسرار و مصالح است کہ بحال دیگراں صلاحیت ندارد۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۱۰۶ باب القضاء فصل اول مطبوعہ نولکشور)

اس آدمی کے پوچھنے کے انداز سے حضور ﷺ غصہ میں آئے اس کا یہ پوچھنا کہ آپ روزہ کیسے رکھتے ہیں؟ اس لیے اس کا حق یہ تھا کہ سوال یوں کرتا کہ حضور! میں روزہ کیسے رکھوں؟ تاکہ حضور ﷺ اس کے حالات کے جو موافق ہوتا جواب میں ارشاد فرما دیتے اس کا یہ حق نہ تھا کہ حضور ﷺ کی حالت کا سوال کرتا۔ حضور ﷺ کے عمل شریف میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ بہت سے راز اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ دوسروں کی حالت ان کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی تشریح میں مزید فرمایا۔ مع ما فيه من سوء الادب لوجود المصالح. دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ اس انداز سوال میں مصلحتوں کے موجود ہونے کے بارے میں پوچھنا بے ادبی بھی ہے۔ شیخ موصوف نے اس

مقام پر نفیس گفتگو فرمائی جس کا ذکر کر دینا نہایت ضروری ہے۔

بدانکہ ایں جاادبے وقاعدہ ایست کہ بعض از اصفیاء واز اہل تحقیق ذکر کردہ اند وشناخت آں درغایت آں موجب حل اشکال وسبب سلامت حال است وآں ایں است کہ از جناب ربوبیت جل وعلا خطابے وعتابے وسطاتی وسلطنتی واستغنائی واستعلائی واقع شود مثل انک لاتھتدی ولیحبطن عملک۔لیس لک من الامرشئ ترید زینت الحیوۃ الدنیا وامثال آں یااز جانب نبوت عبودیتی وانکساری وافتقاری وعجزی ومسکنتے بوجود آید مارانباید کہ درآں دخل بشر مثلکم،اغضب کمایغضب العبد۔ولا اعلم ماوراءھذہ الجدار۔ومااادری مایفعل بی ولا بکم ومانندآں بوجود آید مارا نباید کہ درآں دخل کنیم و اشتراک جوئیم وانبساط نمائیم بلکہ برحدادب وسکوت وتحاشی توقف نمائیم خواجہ رامی رسد کہ با بندہ خود ہرچہ خواہد بگوید وبکند واستیلاء واستعلاء نماید وبندہ نیز باخواجہ بندگی وفروتنی کند دیگرے راچہ مجال ویارای آں کہ دریں مقام درآید ودخل کندواز حدادب بیروں رود دریں مقام پائے لغز بسیارے از ضعفاء وجہلا ونفرایشاں است۔ومن اللہ العصمۃ والعوان۔

(مدراج النبوۃ ج ۱ص ۸۳ باب سوم دربیان فضل وشرافت مطبوعہ نولکشور لکھنو ہند)

جاننا چاہیے کہ یہاں ایک قاعدہ اور ادب ہے جو بعض صوفیاء کرام اور محققین عظام سے مذکور ہے۔ اس کی پہچان بہت سے اشکال کا حل لازماً پیش کرتی ہے اور اس کی معرفت سے ایمان ومحبت کی حالت سلامت رہتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ عالیہ سے جو خطاب،عتاب،رعب ودبدبہ،شہنشاہیت،بے پروائی اور بلندی کے پیش نظر حضور ﷺ کے لیے واقع ہوا جیسا کہ **انک لا تھدی، لیحبطن عملک ، لیس لک من الامر شیٔ. ترید زینت الحیوۃ الدنیا** اوران کی مانند آیات مبارکہ یا کوئی ایسی بات جو حضور ﷺ کی طرف سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی عبودیت انکساری،عاجزی،مسکنت وغیرہ کے طور پر ذکر ہوئی۔جیسا کہ **انما انا بشر مثلکم، اغضب کما یغضب العبد، لا اعلم ماوراء ھذا لجدار، وما ادری ما یفعل بی ولا بکم** اوراس قسم کی دوسری آیات مقدسہ ہم امتیوں کو ان میں دخل نہیں دینا چاہیے اور اشتراک نہیں ڈھونڈنا چاہیے اور اظہار خوشی نہیں کرنا چاہیے بلکہ ادب کی حد میں رہتے ہوئے خاموشی کو اپناتے ہوئے اور اللہ سے پناہ طلب کرتے ہوئے خاموش رہنا چاہیے اور سپردِ خدا اور رسول کرنا چاہیے۔ مالک کو زیب دیتا ہے کہ اپنے بندے سے جو مرضی میں آئے کہے اور جو چاہے کرے۔ کسی دوسرے کو کیا مجال اور کیسی ہمت اور بندہ بھی اپنے مالک کے حضور جو بھی بندگی اور عاجزی کرے کسی دوسرے کو کیا مجال اور کیسی ہمت کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور ادب کی حد کو پھلانگے،یہ ہے وہ مقام کہ جہاں بہت سے ضعیف العقیدہ اور جاہل لوگ پھسل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہی بچاؤ اور مدد کی درخواست ہے۔

قارئین کرام! شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ آیات اور احادیث لکھ کر مقام باری تعالیٰ جل جلالہٗ اور نزاکت مرتبہ مصطفیٰ ﷺ کو کس ایمانی اور ایقانی انداز میں بیان فرمایا؟ یہی وہ آیات واحادیث ہیں جن کے بارے میں دور حاضر کے نام نہاد علماء ومحدث اپنے جاہلانہ خیالات اور ضعف ایمانی کا مظاہرہ کرتے وقت صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالتے ہیں حتیٰ کہ حضور ﷺ کو ''بڑے بھائی'' کے مقام پر لے آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے انہیں جھاڑ پلاتے دکھاتے ہیں' حضور ﷺ کو اپنی مثل بشر کہنے میں گستاخانہ انداز اپناتے ہیں۔آپ ﷺ سے مماثلت میں اگر غور کرتے تو صاف ظاہر ہے کہ حقیقت محمدیہ میں آپ بے مثل ہیں۔شان ومرتبہ میں لاثانی ہیں۔اوصاف کمالات میں یکتا ہیں' زیادہ سے زیادہ یہی کہ آپ کا جسم ظاہری،آنکھ،ہاتھ اور پاؤں وغیرہ دیگر انسانوں کے اعضاء کی طرح

ہیں لیکن محبت ایمانی اور مرتبہ محبوبیت کبریٰ کے پیش نظر ان اعضا میں بھی آپ بے مثل ہیں۔ آپ کے لعاب دہن سے کھارے کنوئیں میٹھے ہوئے' خشک جاری ہو گئے' حضرت جابر کی ہنڈیا میں پڑا تو اس کے شوربے میں برکت اور اضافہ ہو گیا' صدیق اکبر کے سانپ کاٹنے کی جگہ پر لگا تو تریاق ہو گیا' عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہڈی پر لگا تو اسے جوڑ دیا' علی المرتضیٰ کی دکھتی آنکھ کے لیے شفا بن گیا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل گئی تو حضور ﷺ نے اپنے لعاب مبارک سے آنکھ دوبارہ اپنے مقام سے جوڑی اور تادم آخر دوسری آنکھ کی بینائی تو کم ہوئی لیکن اس آنکھ کی بینائی صحیح حالت میں قائم رہی۔ پسینہ مبارک مشک وغیرہ سے بڑھ کر خوشبو والا، فضلات مبارکہ طاہر اور انہیں نوش کرنے والوں کو آپ نے خود مختلف خوشخبریاں دیں۔ اس بارے میں ایک حوالہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

بہت سی احادیث وارد ہیں کہ حضور ﷺ کے مبارک خون کو بہت سے حضرات نے نوش فرمایا۔ ان میں سے ابوطیبہ حجام اور قریش کا ایک حجام غلام بھی ہے جس نے حضور ﷺ کے سنگھی لگائی۔ عبداللہ بن زبیر نے آپ کا خون مبارک نوش فرمایا۔ اسے نبرا، طبرانی، حاکم، بیہقی اور حلیہ میں ابونعیم نے ذکر کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ کا خون مبارک نوش فرمایا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ام ایمن نے آپ کا پیشاب مبارک پی لیا تھا۔ اسے حاکم، دارقطنی، طبرانی، ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ طبرانی نے اوسط میں نقل کیا کہ ابورافع کی بیوی سلمٰی نے حضور ﷺ کے غسل شریف کا بچا پانی پیا۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے جسم کو آگ پر حرام کر دیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ حضور ﷺ کا معاملہ عام تکالیف شرعیہ میں عام مسلمانوں کی طرح ہی ہے۔ ہاں مگر وہ احکام کہ جن کی تخصیص کسی دلیل سے ثابت ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اس طرح تو لازم آئے گا کہ عام لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کے مساوی ہو جائیں اور یہ بات تو صرف وہی کہے گا جو نرا جاہل اور بے وقوف ہو۔ کہاں حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ اور کہاں عام لوگوں کا؟ اور یہ کہاں لازم ہے کہ خصوص کی دلیل لازماً نقلی ہونی چاہیے۔ عقل کو بھی تو حضور ﷺ کے ممتاز ہونے میں دخل ہے لہٰذا اس قسم کی اشیاء میں حضور ﷺ کا دوسروں پر امتیاز ازروئے عقل ہے۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ ان باتوں میں آپ پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ اگرچہ اس کے خلاف قول کرتے ہیں لیکن میرے کان ایسے قول سے بہرہ ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۳ ص ۳۵ باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان مطبوعہ مصر)

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو امور تکلیفیہ میں بھی آپ ﷺ کو دوسروں کی مثل نہ تسلیم کیا بلکہ ایسا نظریہ رکھنے والوں کو جاہل اور غبی کہا ہے اور فرمایا کہ دلیل نقلی تخصیص کے لیے نہ ملے تو کیا عقلی بے کار ہو گی۔ ہر عقلمند حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کو دلیل نقلی کے بغیر بھی ارفع و اعلیٰ جانتا ہے بہرحال ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر اعتبار سے بے مثل ہیں۔ جب آپ کی نسبت کی وجہ سے آپ کی ازواج مطہرات تمام کائنات کی عورتوں سے بے مثل ہیں۔ **ینساء النبی لستن کاحد من النساء الایۃ** (الاحزاب) اس پر شاہد ہے تو خود آپ کی مثل ونظیر کہاں ہو گی؟ **انما انا بشر مثلکم** آیت قرآنی کا سہارا لے کر آپ کے مقام و مرتبہ کا لحاظ نہ کرتے ہوئے عام آدمی کے برابر لا کھڑا کرنا انتہائی حماقت اور پرلے درجے کی جہالت ہے۔ یہ تھی فضلات نبی کریم ﷺ کی طہارت ادھر عام آدمی کا بول و براز لیا کہ ایک درہم برابر کپڑے پر لگا ہو تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا ناجائز' اس کا ایک قطرہ پینا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور ﷺ کے ادب و احترام کا خوگر بنائے کیونکہ آپ کی شان میں ادنیٰ توہین بھی موجب کفر ہے۔ ''خلاصۃ الفتاویٰ'' ج ۲ ص ۴۷۵ پر ہے کہ اگر کسی نے حضور ﷺ کے بال (شعر) کو شعیر کہا تو یہ قائل بطور اہانت کافر ہے کتاب ''محیط'' پر ہے کہ اگر کسی نے سرکار دو عالم ﷺ کو گالی دی' اہانت کی یا عیب جوئی کی اور امور دینیہ میں کوئی نقص نکالا خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابی یا ذمی ہو یا حربی۔ اس کا یہ عمل خواہ عمداً ہو یا سہواً وہ بہرحال ناقابل معافی ہے اور وہ پکا کافر ہے۔ اس کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہیں ہے۔'' **ان تاب لم تقبل توبتہ ابدا لا عند اللہ ولا عند الناس وحکمہ فی**

الشریعة المطهرة عند المجتهدین وعند المتقدمین القتل قطعاولا یداهن السلطان ونابه فی حکم قتله یعنی ایسے شخص کی ہرگز ہرگز توبہ قبول نہیں ہوتی نہ اللہ کے نزدیک اور نہ ہی لوگوں کے ہاں اور شریعت مطہرہ میں اس کا حکم مجتہدین اور علمائے متقدمین کے نزدیک قطعاً قتل ہے اور بادشاہ وقت یا اس کے کسی نائب کو اس کے حکم قتل میں نرمی نہیں دکھانی چاہیے"۔ یہ سب کچھ قرآن کریم کے ارشادگرامی "اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ" سے ماخوذ ہے۔ جب گستاخ رسول کے تمام نیک کام ضائع اور بیکار کر دیے گئے تو اس کے جہنمی ہونے میں کون سی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۲ - بَابُ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَةَ

نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا

۳۶۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا سَالِمٌ اَبُو النَّضْرِ عَنْ عُمَیْرٍ مَوْلَی ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ ابْنَةِ الْحَارِثِ اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا فِیْ صَوْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ صَائِمٌ وَقَالَ اٰخَرُوْنَ لَیْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلَتْ اُمُّ الْفَضْلِ بِقَدَحٍ مِّنْ لَبَنٍ وَّهُوَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں سالم اور ابونضر نے ابن عباس کے مولیٰ عمیر سے بیان کیا۔ وہ ام الفضل سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ کے یوم عرفہ کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں شک گزرا۔ بعض نے کہا آپ روزہ سے ہیں۔ دوسروں نے کہا کہ آپ روزہ سے نہیں ہیں۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے دودھ سے بھرا ایک پیالہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ اس وقت عرفات میں وقوف فرما رہے تھے۔ آپ نے اسے پی لیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ شَاءَ صَامَ یَوْمَ عَرَفَةَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ اِنَّمَا صَوْمُهٗ تَطَوُّعٌ فَاِنْ کَانَ اِذَا صَامَهٗ یُضْعِفُهٗ ذَالِکَ عَنِ الدُّعَاءِ فِیْ ذَالِکَ الْیَوْمِ فَالْاِفْطَارُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ.

امام محمد کہتے ہیں عرفہ کے دن اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تب بھی اجازت ہے اور نہ رکھنے کی بھی اجازت ہے کیونکہ یہ روزہ نفلی ہے۔ ہاں اگر اسے روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزوری کا احتمال ہو جس کی وجہ سے وہ دعاؤں میں کمی محسوس کرے تو ایسے شخص کے لیے اس دن روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

ذی الحجہ کی نو تاریخ جب میدان عرفات میں حاجی صاحبان وقوف کرتے ہیں اس دن روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں مختلف احادیث مروی ہیں۔ بعض اس روزہ کا بہت زیادہ ثواب بیان کرتی ہیں اور بعض میں اس کی ممانعت بھی مذکور ہے۔ دونوں اقسام کی روایات پھر ان میں تطبیق ملاحظہ ہو۔

عن ابی قتادة ان النبی ﷺ سئل عن صیام عرفة فقال احتسب علی الله ان یکفر سنتین سنة ماضیة وسنة مستقبلة عن عائشة قالت ما من السنة یوم احب الی ان اصومه من یوم عرفة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۹۶ کتاب الصیام ما قالوا فی صیام یوم عرفہ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ سے عرفہ کے روزہ کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف کر دے گا۔ سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے مروی ہے فرماتی ہیں یوم عرفہ سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی اور دن نہیں کہ جس میں میں روزہ رکھوں۔

حدثنا عکرمة قال کنا عند ابی هریرة رضی الله عنه فی بیته فحدثنا ان رسول الله ﷺ

ہمیں حضرت عکرمہ نے بتایا کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے گھر ان کے پاس حاضر تھے تو انہوں نے ہمیں حدیث

نهی عن صوم یوم عرفة. عن ابی هریرة رضی الله عنه قال نهی رسول الله ﷺ عن صوم یوم عرفة بعرفات.

(بیہقی ج ۴ ص ۲۸۴ باب الاختیار للحاج فی ترک صوم)

سنائی۔ وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمادیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے یوم عرفہ میدان عرفات میں یوم عرفہ کو روزہ رکھنے سے منع فرمادیا ہے۔

قارئین کرام! یوم عرفہ یعنی ۹ ذوالحجہ کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں دونوں طرح کی احادیث آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں معمولی غور وفکر رکھنے والا بھی یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ ۹ ذی الحجہ کو حج کا اہم رکن وقوف عرفہ ادا کیا جاتا ہے اس دن تمام حاجی میدان عرفات میں موجود ہوتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا وانکساری میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں لہٰذا ان حاجی صاحبان کے لیے اگر روزہ رکھنا دعا والتجا میں کمی اور سستی کا باعث بنے تو انہیں روزہ نہیں رکھنا چاہیے تاکہ اصل مقصد میں دل جمعی سے مصروف رہا جا سکے اور اگر روزہ رکھنے سے وقوف ودعا وغیرہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے اسی لیے غیر حاجی صاحبان کے لیے بھی اس دن کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے وہ فضیلت آتی ہے جس میں دو سال کے گناہوں کا کفارہ مذکور ہوا ہے۔ اس طرح دونوں اقسام کی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۳ - بَابُ الْاَيَّامِ الَّتِيْ يُكْرَهُ فِيْهَا الصَّوْمُ

وہ دن جن میں روزہ رکھنا مکروہ ہے

۳۶۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صِيَامِ اَيَّامِ مِنًى.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابو النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ نے سلیمان بن یسار سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ کے دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمادیا ہے۔

۳۶۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ اَبِيْ مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ دَخَلَ عَلٰى اَبِيْهِ فِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ فَقَرَّبَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لِاَبِيْهِ اِنِّيْ صَائِمٌ قَالَ كُلْ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُنَا بِالْفِطْرِ فِيْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں یزید بن عبد اللہ بن ہاد نے ابو مرہ مولیٰ عقیل بن ابی طالب سے بتایا کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ اپنے والد کے پاس ایام تشریق میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کے لیے کھانا لگایا پھر فرمایا عبد اللہ! کھاؤ۔ عبد اللہ نے اپنے والد سے عرض کیا میں روزہ سے ہوں والد نے فرمایا: کھاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ان دنوں میں روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُصَامَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ لِمُتْعَةٍ وَلَا لِغَيْرِهَا لِمَا جَاءَ مِنَ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ قَبْلِنَا وَقَالَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ يَصُوْمُهَا الْمُتَمَتِّعُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ الْهَدْيَ اَوْ فَاتَتْهُ الْاَيَّامُ الثَّلٰثَةُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے کہ ایام تشریق میں حج تمتع کرنے والے اور دوسروں کے لیے روزہ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ سے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے پہلے عام فقہاء کرام کا ہے اور امام مالک بن انس کہتے ہیں کہ وہ حج تمتع کرنے والا جسے ہدی نہ ملے یا قربانی کے دن سے پہلے تین دن اس کے قربانی کے جانور فوت ہو گئے وہ ان دنوں کا روزہ رکھے گا۔

ذوالحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو ایام نحر کہتے ہیں اور گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ان چار دنوں میں سے پہلا یعنی دسویں ذی الحجہ صرف یوم نحر کہلاتا ہے یوم تشریق نہیں اور تیرھواں دن صرف یوم تشریق ہے یوم نحر نہیں۔ درمیانے دو دن یعنی گیارہ اور بارہ تاریخ یوم نحر اور تشریق دونوں بنتے ہیں۔

مذکورہ باب کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اختلافی مسئلہ بیان فرمایا وہ یہ کہ ایام تشریق (۱۱۔۱۲۔۱۳) کا روزہ ذی الحجہ کے مہینہ میں احناف کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے خواہ حج مفرد والا ہو یا تمتع والا اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک متمتع کے لیے ان دنوں کا روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ متمتع کے روزوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔''**فان لم يجد فصيام ثلثة ايام فى الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة كاملة.** یعنی حج تمتع والا اگر قربانی نہ پائے تو اس کی جگہ اسے تین روزے ایام حج میں اور سات روزے واپسی پر رکھ کر پورے دس روزے کرنے ہیں''۔ یہ اس کی قربانی کا بدل ہو جائیں گے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متمتع (جس کو قربانی نہ مل سکی) اگر پہلے تین روزے نہ رکھ سکا حتیٰ کہ ایام تشریق آگئے تو وہ ان دنوں میں روزے رکھ لے کیونکہ ایام تشریق بھی ایام حج میں شامل ہیں لہٰذا یہ تین روزے وہیں رکھ لے اور سات واپس آکر رکھے گا۔ یوں اس کا حج تمتع ہو جائے گا۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں امام مالک نے یہ مسلک اختیار فرمایا۔ علاوہ ازیں اس کی تائید میں کچھ احادیث بھی وہ نقل فرماتے ہیں۔ ان میں سے بطور نمونہ صرف دو کو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

حدثنا يحيى بن سلام قال حدثنا شعبة عن ابن ابى ليلى عن الزهرى عن سالم عن ابيه ان رسول الله ﷺ قال فى المتمتع اذا لم يجد الهدى ولم يصم فى العشر انه يصوم ايام التشريق.

(بحذف اسناد) رسول اللہ ﷺ نے متمتع کے بارے میں فرمایا کہ جب اسے قربانی نہ ملے اور وہ دس ذی الحجہ تک تین روزے بھی نہ رکھ سکا تو وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے۔

حدثنا يزيد بن سنان قال حدثنا ابو كامل فضيل بن الحسين الجحدرى قال حدثنا ابو عوانة عن عبد الله بن عيسى عن الزهرى عن عروة عن عائشة رضى الله عنها وعن سالم عن ابن عمر رضى الله عنهما قال لم يرخص رسول الله ﷺ فى صوم ايام التشريق الا المحصرا والمتمتع.

(بحذف اسناد) حضور ﷺ نے ایام تشریق کے روزے رکھنے کی کسی کو بجز محصر اور متمتع کے رخصت عطا نہیں فرمائی۔

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۲۴۳ باب المتمتع الذی لا یجد ید)

اعتراض

مذکورہ آیت اور احادیث سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے ایام تشریق میں قربانی نہ پانے والے متمتع کو روزہ رکھنے کی دلیل پیش فرمائی لیکن احناف ان دنوں میں محصر اور متمتع سمیت کسی کو روزہ رکھنے کی اجازت نہ دے کر آیت اور احادیث کی مخالفت کر رہے ہیں؟

جواب اول: امام مالک اور ان کے متبعین حضرات آیت کریمہ کے ضمن میں مذکورہ اقسام کی احادیث جو گنتی میں چند ہی ہیں' سے استدلال کرتے ہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خلاف ایسی پچیس احادیث ذکر فرمائی ہیں جن میں ایام تشریق میں مطلقاً روزہ رکھنے کی ممانعت مذکور ہے۔ ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں۔

عن على بن ابى طالب رضى الله عنه قال

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور

خرج منادی رسول الله ﷺ فی ایام التشریق فقال ان هذه الایام ایام اکل وشرب. حدثنا اسماعیل بن محمد بن سعد ابن ابی وقاص رضی الله عنه عن ابیه عن جده قال امرنی رسول الله ﷺ ان انادی ایام منی انها ایام اکل وشرب وبعال فلا صوم فیها یعنی ایام التشریق.

(طحاوی شریف ج۲ص۲۴۴مطبوعہ بیروت)

ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے ایام تشریق میں اعلان کرتے اور کہتے کہ یہ دن کھانے پینے کے دن ہیں۔ اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ایام منیٰ میں حکم دیا کہ منادی کر دو کہ یہ کھانے پینے اور مشغولیت اور مصروفیت کے دن ہیں۔

قارئین کرام! مالکی حضرات کا بعض قیود وشرائط کے ساتھ متمتع کو ایام تشریق کا روزہ رکھنے کی اجازت دینا ان احادیث کے خلاف ہے کیونکہ ان میں ہر قسم کے حاجیوں کے لیے اعلان تھا۔ ان میں مفرد بھی اور متمتع بھی شامل تھے۔ جب حضور ﷺ نے کسی کی تخصیص نہیں فرمائی تو پھر یہ اپنے عموم واطلاق پر حکم رہے گا۔

جواب دوم: بعض قیود کے ساتھ متمتع کو روزہ رکھنے کی اجازت جن احادیث میں مذکور ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے بعض راوی ثقہ نہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

قیل له من قبل صحة ماجاء فی هذا وتواتر الاثار به وفساد ماجاء فی الفصل الاول من ذالک حدیث یحیی بن سلام عن شعبة فهو حدیث منکر لا یثبته اهل العلم بالروایة لضعف یحیی بن سلام عندهم وابن ابی لیلی وفساد حفظهما مع انی لا احب ان اطعن علی احد من العلماء بشیء ولکن ذکرت ماتقول اهل الروایة فی ذالک.

(طحاوی شریف ج۲ص۲۴۶مطبوعہ بیروت)

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ باعتبار صحت کے جو کچھ اس کے بارے میں تواتر کے ساتھ آچکا ہے اور فصل اول میں جو آئی ہیں۔ ان کا فساد ان میں سے ایک حدیث بروایت یحییٰ بن سلام عن شعبہ ہے یہ منکر حدیث ہے اسے اہل علم روایت کے اعتبار سے ثابت نہیں کرتے کیونکہ یحییٰ بن سلام ضعیف ہے اور ابن ابی لیلیٰ بھی ان کے نزدیک ضعیف ہے۔ ان دونوں کی قوت حافظہ بھی درست نہ تھی۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ علماء میں سے کسی پر کسی قسم کا طعن کروں لیکن میں اہل علم کا قول جو روایت کے بارے میں تھا وہ ذکر کر دیا ہے۔

جواب سوم: ایام تشریق میں متمتع کو روزہ رکھنے کے بارے میں مجوزین نے جو مستثنیٰ قرار دیا۔ اس کا استثناء انہوں نے ممکن ہے کہ فصیام ثلثۃ ایام الایہ سے مستنبط کیا ہو کہ ایام حج میں انہوں نے ایام تشریق کو بھی شمار کیا ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا اس کے بعد جو توشیقی بیان تھا وہ ان پر مخفی رہا ہو کہ جس نے اپنے اطلاق کے اعتبار سے ایام تشریق کو ایام حج سے نکال دیا ہو لیکن یہ جواب آثار کے معانی کی تصحیح کے طریقہ سے ہے۔

جواب چہارم: نظر وفکر کے اعتبار سے بھی ایام تشریق میں مطلقاً روزہ رکھنا ممنوع نظر آتا ہے چنانچہ منقول ہے۔

واما من طریق النظر فان قد رایناهم اجمعوا ان یوم النحر لا یصام فیه شیء من ذالک وهو الی ایام الحج اقرب من ایام التشریق لما جاء عن الرسول ﷺ عن النهی عن صومه فکما کان نهی

بہرحال نظر وفکر کے ذریعہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ تمام نے اس پر اتفاق واجماع کیا ہے کہ یوم نحر کو کسی قسم کا روزہ نہ رکھا جائے اور وہ ایام تشریق کی نسبت ایام حج سے زیادہ قریب ہے کیونکہ حضور ﷺ سے واضح آیا ہے کہ آپ نے یوم نحر کا روزہ رکھنے سے

رسول الله ﷺ فی ذالک یدخل فیه المتمتعون والقارنون والمحصورون کان کذالک نهیه عن صیام ایام التشریق یدخلون فیه ایضا.

(طحاوی شریف (ج ۲ ص ۲۴۷)

منع فرمایا ہے تو جس طرح اس نہی میں متمتع، قارن اور محصور سبھی داخل ہیں اسی طرح ایام تشریق کے روزوں میں بھی یہ سب داخل و شامل ہوں گے۔

جواب پنجم:

عن سعید بن المسیب ان رجلا اتی عمر بن الخطاب رضی الله عنه یوم النحر فقال یا امیر المؤمنین انی تمتعت ولم اهد ولم اصم فی العشر فقال سل فی قومک ثم قال یا معیقیب اعطه شاة افلا تری ان عمر لم یقل له هذه ایام التشریق فصمها فدل ترکه ذالک وامره ایاه بالهدی ان ایام الحج عنده التی امر الله عزوجل المتمتع بالصوم فیها هی قبل یوم النحر وان یوم النحر وما بعده من ایام التشریق لیس منها.

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ بیروت)

سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یوم نحر کو آیا۔ کہنے لگا یا امیر المؤمنین! میں متمتع ہوں اور نہ تو ہدی ہے اور نہ ہی پہلے دس دنوں میں روزہ رکھ سکا۔ (اب کیا کروں؟) فرمایا: اپنی قوم سے پوچھو پھر فرمایا: اے معیقیب! اسے بکری دے دو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ یہ ایام تشریق ہیں۔ ان میں روزہ رکھ لو لہٰذا اس میں دلیل ہے کہ ان دنوں میں روزہ نہیں آپ نے اسے قربانی کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے متمتع کو روزے رکھنے کا فرمایا وہ یوم نحر سے پہلے کے دن ہیں اور یوم نحر اور اس کے بعد والے دن ایام تشریق ہیں جو ایام حج نہیں ہیں۔

لہٰذا ان جوابات سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں روزے رکھنا درست نہیں اور متمتع کو ہدی نہ پانے کی صورت میں جو تین روزے ایام حج میں رکھنے کا حکم دیا گیا ان سے مراد یوم نحر سے پہلے کے دن ہیں۔ یہی مفہوم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔ علاوہ ازیں متمتع کے لیے بعض قیود کے ساتھ جو روایت روزہ رکھنے کی مؤید ہیں وہ قوی نہیں۔ ان کے مقابل منع کی روایات نہایت مضبوط ہیں۔ آثار متواترہ بھی منع کی تائید کرتے ہیں اس لیے امام مالک اور ان کے متبعین کا یہ نظریہ مضبوط نہیں لہٰذا متمتع کے لیے صورت مذکورہ میں روزوں کی بجائے قربانی دینے کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں رہ جاتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۴- بَابُ النِّيَّةِ فِي الصَّوْمِ مِنَ اللَّيْلِ

رات سے ہی نیت روزہ کرنے کا بیان

۳۶۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَا يَصُوْمُ اِلَّا مَنْ اَجْمَعَ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ابن عمر سے جناب نافع نے بیان کیا کہ روزہ درست نہیں جب تک طلوع فجر سے پہلے نیت نہ کر لی جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَمَنْ اَجْمَعَ اَيْضًا عَلَى الصِّيَامِ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ فَهُوَ صَائِمٌ وَقَدْ رَوٰى ذَالِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِى حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ قَبْلَنَا.

امام محمد کہتے ہیں جو شخص زوال شمس سے پہلے پہلے نیت کر لیتا ہے اس کا روزہ بھی درست ہے۔ ایسی روایت بہت سے حضرات نے بیان کی ہے اور امام ابوحنیفہ اور ہم سے پہلے عام علماء کا بھی یہی قول ہے۔

روزہ کی تین اقسام ہیں۔ فرض، نفل اور واجب۔ نفلی روزہ کے متعلق تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ اگر کچھ کھایا پیا نہیں تو زوال شمس

رسول الله ﷺ فی ذالک یدخل فیه المتمتعون والقارنون والمحصورون کان کذالک نهیه عن صیام ایام التشریق یدخلون فیه ایضا.

(طحاوی شریف (ج ۲ ص ۲۴۷)

منع فرمایا ہے تو جس طرح اس نہی میں متمتع، قارن اور محصور سبھی داخل ہیں اسی طرح ایام تشریق کے روزوں میں بھی یہ سب داخل و شامل ہوں گے۔

جواب پنجم:

عن سعید بن المسیب ان رجلا اتی عمربن الخطاب رضی الله عنه یوم النحر فقال یا امیر المؤمنین انی تمتعت ولم اهد ولم اصم فی العشر فقال سل فی قومک ثم قال یا معیقیب اعطه شاة افلا تری ان عمرلم یقل له هذه ایام التشریق فصمها فدل ترکه ذالک وامره ایاه بالهدی ان ایام الحج عنده التی امرالله عزوجل المتمتع بالصوم فیها هی قبل یوم النحر وان یوم النحر وما بعده من ایام التشریق لیس منها.

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ بیروت)

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یوم نحر کو آیا۔ کہنے لگا یا امیر المؤمنین! میں متمتع ہوں اور نہ تو ہدی ہے اور نہ ہی پہلے دس دنوں میں روزہ رکھ سکا۔ (اب کیا کروں؟) فرمایا: اپنی قوم سے پوچھو پھر فرمایا: اے معیقیب! اسے بکری دے دو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ یہ ایام تشریق ہیں۔ ان میں روزہ رکھ لو لہٰذا اس میں دلیل ہے کہ ان دنوں میں روزہ نہیں آپ نے اسے قربانی کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے متمتع کو روزے رکھنے کا فرمایا وہ یوم نحر سے پہلے کے دن ہیں اور یوم نحر اور اس کے بعد والے دن ایام تشریق ہیں جو ایام حج نہیں ہیں۔

لہٰذا ان جوابات سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں روزے رکھنا درست نہیں اور متمتع کو ہدی نہ پانے کی صورت میں جو تین روزے ایام حج میں رکھنے کا حکم دیا گیا ان سے مراد یوم نحر سے پہلے کے دن ہیں۔ یہی مفہوم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔ علاوہ ازیں متمتع کے لیے بعض قیود کے ساتھ جو روایت روزہ رکھنے کی مؤید ہیں وہ قوی نہیں۔ ان کے مقابل منع کی روایات نہایت مضبوط ہیں۔ آثار متواترہ بھی منع کی تائید کرتے ہیں اس لیے امام مالک اور ان کے متبعین کا یہ نظریہ مضبوط نہیں لہٰذا متمتع کے لیے صورت مذکورہ میں روزوں کی بجائے قربانی دینے کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں رہ جاتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۴ - بَابُ النِّيَّةِ فِي الصَّوْمِ مِنَ اللَّيْلِ

رات سے ہی نیت روزہ کرنے کا بیان

۳٦٥ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَا يَصُوْمُ اِلَّا مَنْ اَجْمَعَ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ابن عمر سے جناب نافع نے بیان کیا کہ روزہ درست نہیں جب تک طلوع فجر سے پہلے نیت نہ کر لی جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَمَنْ اَجْمَعَ اَيْضًا عَلَى الصِّيَامِ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ فَهُوَ صَائِمٌ وَقَدْ رَوٰى ذَالِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ قَبْلَنَا.

امام محمد کہتے ہیں جو شخص زوال شمس سے پہلے پہلے نیت کر لیتا ہے اس کا روزہ بھی درست ہے۔ ایسی روایت بہت سے حضرات نے بیان کی ہے اور امام ابوحنیفہ اور ہم سے پہلے عام علماء کا بھی یہی قول ہے۔

روزہ کی تین اقسام ہیں۔ فرض، نفل اور واجب۔ نفلی روزہ کے متعلق تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ اگر کچھ کھایا پیا نہیں تو زوال شمس

سے قبل روزہ کی نیت کر لینے سے روزہ ہو جائے گا۔ واجب (قضاء، کفارہ کے روزے) کے لیے بھی اس پر اتفاق ہے کہ رات کو اس کی نیت ضروری ہے۔ رمضان شریف کے روزوں کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دوپہر تک اس کی نیت کرنے سے روزہ ہو جائے گا۔ دوسرے ائمہ اس کے لیے رات کو نیت کرنا ضروری قرار دیتے ہیں جیسا کہ امام محمد نے اس بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل فرمائی ہے۔ رمضان شریف کے روزہ کے بارے میں احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ ان روزوں کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین ہو چکے ہیں لہٰذا جس طرح دوپہر سے قبل تک نیت کرنے سے فرضی روزہ ادا ہو جائے گا اسی طرح ان دنوں میں اگر فرضی کی بجائے نفلی روزہ کی نیت کرے گا تو بھی فرضی ہی ہوگا چونکہ نفلی روزہ کے لیے کوئی تعیین نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص دوپہر سے قبل کسی دن کھائے پیئے بغیر بقیہ دن روزہ کی نیت کر لیتا ہے تو یہ نفلی روزہ درست ہو جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں دن کا اکثر حصہ نیت روزہ سے گزرتا ہے لیکن قضاء اور کفارہ کے وجوبی روزوں کے لیے کوئی دن معین و مقرر نہیں ہوتا اس لیے ان کی نیت رات میں ضروری ہے۔

سوال: اب اختلاف یہ ہوا کہ رمضان شریف کے فرضی روزوں میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نیت نہ کرنے والے کا روزہ نہیں ہوتا لیکن احناف اس کے لیے دوپہر تک کا وقت بڑھاتے ہیں یہ کیوں کر درست ہے؟

جواب اول: یہ ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں بلکہ مضطرب ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا ہے۔

وخالفهم فی ذالک اخرون فقالوا هذا الحديث لایرفعه الحفاظ الذين یروونه عن ابن شهاب ویختلفون عنه فيه اختلافا یوجب الاضطراب الحديث بما هو دونه.

اس میں دوسروں نے پہلوں کی مخالفت کی۔ پس کہا کہ یہ حدیث جن حفاظ نے ابن شہاب سے روایت کی وہ اس کو مرفوع نہیں کہتے اور اس میں بہت زیادہ اختلاف کرتے ہیں جو اضطراب کو واجب کرتا ہیں جو اس کے سوا ہے۔

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۵۵)

لہٰذا معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ ایک تو مرفوع نہیں اور دوسری یہ مضطرب ہے۔ علاوہ ازیں رات سے نیت کرنے والی حدیث کو حضرات ائمہ نے ان روزوں کے ساتھ مخصوص کیا جو قضاء رمضان اور کفارہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ائمہ احناف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کرتے ہیں۔

عن ابی الاحوص عن عبد الله رضی الله عنه قال متی اصبحت یوما فانت علی احد النظرین مالم تطعم اوتشرب ان شئت فصم وان شئت فافطر.

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۵۶)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جناب احوص بیان کرتے ہیں فرمایا کہ جب تو صبح کرے تو تجھے دو باتوں کا اختیار ہے لیکن یہ اختیار اس وقت جب تو نے کھایا پیا نہ ہو۔ اختیار یہ ہے کہ تو روزہ رکھ لے یا چاہے تو نہ رکھے۔

عن ابی عبد الرحمن ان حذيفة بداء له الصوم بعد ما زالت الشمس فصام. رجل من بنی اسد عن رجل منهم انه لزم غريما له فاتی ابن مسعود فقال انی لزمت غريما لی من مراد الی قريب من الظهر ولم اصم ولم افطر قال ان شئت فانظر.

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۵۶)

ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے زوال شمس کے بعد روزہ رکھنے کی نیت کر کے روزہ رکھ لیا۔ بنی اسد کا ایک شخص روایت کرتا ہے کہ اس نے اپنے مقروض کو پکڑ لیا۔ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنے مقروض کو پکڑے رکھا جو قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہے اور یہ پکڑنا ظہر کے قریب تک رہا نہ ہو۔ اس وقت تک روزہ کی نیت کی اور نہ ہی

کھایا پیا۔ آپ نے فرمایا: تیری مرضی ہے اگر روزہ رکھ لے تو وہ ہو جائے گا ورنہ افطار کرے۔

جواب دوم:

وقد روی عن رسول الله ﷺ ایضاانه امر الناس یوم عاشوراء بعد ما اصبحوا ان یصوموا وهو حینئذ علیهم صومه فرض کما صار صوم رمضان من بعد ذالک علی الناس فرضا ورویت عنه فی ذالک اثار سنذ کرها فی باب صوم یوم عاشوراء فیما بعد هذا الباب من هذا الکتاب انشاء الله تعالی. (طحاوی شریف ج ۲ص ۵۷)

حضور ﷺ سے ہی مروی ہے کہ آپ نے لوگوں کو عاشورا کے دن صبح ہو جانے کے بعد حکم دیا کہ وہ روزہ رکھ لیں اور عاشورا کا روزہ ان دنوں فرض تھا جیسا کہ اس کے بعد رمضان کے روزے لوگوں پر فرض ہو گئے اس بارے میں بہت سے آثار بھی منقول ہیں جن کو ہم انشاء اللہ یوم عاشورا کے روزہ کے باب میں ذکر کریں گے جو اس باب کے بعد آ رہا ہے۔

قارئین کرام! روایت بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت سے قبل عاشورا کے دن کا روزہ فرض تھا۔ اس فرضی روزہ کی نیت صبح ہو جانے کے بعد خود حضور ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ فرضی روزہ کی نیت دن کے وقت بھی کر لی جائے۔ یہی روایت مرفوعاً حضور ﷺ سے ''عمدۃ القاری'' میں منقول ہے۔ اس کے لیے (عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۱۲۰ باب صیام یوم عاشورہ) دیکھا جا سکتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الا بصار

١٤٥- بَابُ الْمَدَاوَمَةِ عَلَى الصِّيَامِ

روزوں پر ہمیشگی اختیار کرنے کا بیان

٣٦٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتّٰى يُقَالَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى يُقَالَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهٗ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ.

امام مالک نے ہمیں ابو النضر سے وہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے رکھنا شروع کرتے تو نظر آتا کہ آپ کسی دن کا ناغہ نہیں کریں گے اور اگر روزہ چھوڑ دیتے تو لگاتار یوں چھوڑ دیتے کہ نظر آتا آپ اب روزہ رکھیں گے ہی نہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکمل مہینہ کا روزہ صرف رمضان کا رکھتے دیکھا اور مہینہ کے اکثر دنوں کا روزہ صرف شعبان میں رکھتے۔

حدیث بالا میں حضور ﷺ کا کسی کام کو لگاتار کرنے کا ذکر ملتا ہے اور رمضان شریف کے علاوہ کسی مہینہ میں بکثرت روزے رکھنا شعبان میں آپ کا معمول ہوتا۔ شعبان میں بکثرت روزے رکھنے کی محدثین کرام نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر ماہ ایام بیض کے روزے رکھتے لیکن جب باہر سے ملاقات کے لیے آنے والے وفود کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور دوسری طرف لڑائیوں کا سلسلہ بھی بڑھ گیا تو آپ ان میں مصروف ہونے کی بنا پر ایام بیض کے چھوٹے ہوئے روزے اکٹھے شعبان میں رکھ لیا کرتے تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ شعبان میں روزوں کی کثرت رمضان شریف کی آمد اور اس کی تعظیم کی وجہ سے تھی۔

عن انس قال سئل عن رسول الله ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ

عن افضل الصیام فقال صیام شعبان تعظیما لرمضان. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۳ کتاب الصوم دائرۃ القرآن مطبوعہ کراچی)

سے پوچھا گیا کہ افضل روزے کون سے ہیں؟ فرمایا: شعبان کے جو رمضان شریف کی تعظیم وتکریم کے لیے ہوتے ہیں۔

''مصنف ابن ابی شیبہ'' کے اسی صفحہ پر شعبان کے بکثرت روزے رکھنے کی خود حضور ﷺ سے ایک اور وجہ ذکر کی گئی ہے فرمایا: ''وذالک انہ تنسخ فیہ اجال من یموت فی السنۃ. یہ اس لیے کہ اس مہینہ میں آئندہ سال مرنے والوں کی موت کا وقت مقرر کیا جاتا ہے''۔ بہرحال اور بھی بہت سی حکمتیں ہوسکتی ہیں اس لیے آپ کی اقتدا میں ہمیں بھی شعبان میں نفلی روزے بکثرت رکھنا چاہیے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۶- بَابُ صِیَامِ یَوْمِ عَاشُوْرَآءَ

محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھنے کا بیان

۳۶۷- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِھَابٍ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّہٗ سَمِعَ مُعَاوِیَۃَ ابْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ عَامَ حَجَّ وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ یَا اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَیْنَ عُلَمَاؤُکُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ لِھٰذَا الْیَوْمِ ھٰذَا یَوْمُ عَاشُوْرَآءَ لَمْ یَکْتُبِ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ صِیَامَہٗ وَاَنَا صَائِمٌ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُفْطِرْ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے انہیں حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بتایا کہ میں نے معاویہ بن ابی سفیان کو ایک سال حج کے موقعہ پر یہ کہتے سنا کہ وہ اس وقت منبر پر تھے۔ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا کہ یہ دن عاشورا کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ رکھنا فرض نہیں قرار دیا اور میں روزہ دار ہوں سو جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ صِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَآءَ کَانَ وَاجِبًا قَبْلَ اَنْ یُّفْتَرَضَ رَمَضَانُ ثُمَّ نَسَخَہٗ شَھْرُ رَمَضَانَ فَھُوَ تَطَوُّعٌ مَنْ شَاءَ صَامَہٗ وَمَنْ شَاءَ لَمْ یَصُمْہُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَالْعَامَّۃِ قَبْلَنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ عاشورا کے دن کا روزہ رمضان کی فرضیت سے قبل واجب تھا پھر رمضان کے مہینہ سے اسے منسوخ کر دیا گیا لہٰذا اب وہ نفلی روزہ ہے جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور ہم سے پہلے عام علماء کرام کا ہے۔

روایت مذکورہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ حج بیت اللہ کیا۔ خلیفہ بننے کے بعد پہلی مرتبہ ۴۴ھ میں اور دوسری اور آخری مرتبہ ۵۷ھ میں خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ مذکورہ خطبہ آپ کے آخری حج کے موقعہ پر تھا۔ اس خطبہ کی وجہ یہ تھی کہ یوم عاشورا کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد کچھ حضرات اس کی فرضیت کے بدستور سابق، قائل تھے اور بعض دوسرے اس کے بالکل برعکس اس دن کا روزہ حرام سمجھتے تھے۔ آپ نے اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا اور پوچھا کہ لوگو! تمہارے اہل علم حضرات کہاں گئے وہ تمہیں کیوں نہیں بتاتے کہ یوم عاشورا کے روزہ کی فرضیت ختم ہو چکی ہے؟ اور اب یہ صرف نفلی روزہ کے درجہ میں ہے کیونکہ دیکھو میں خود آج روزہ سے ہوں۔ علامہ عینی نے یہی ذکر فرمایا ہے۔

قال النووی الظاھر انما قال ھذا لما سمع من یوجبہ او یحرمہ او یکرھہ فاراد اعلامھم بانہ لیس بواجب ولا محرم ولا مکروہ.

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۱ باب صیام یوم عاشورا)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) نے یہ بات اس لیے فرمائی تھی کہ آپ نے سنا تھا کہ کچھ لوگ یوم عاشورا کے روزہ کو واجب، کچھ حرام اور کچھ مکروہ کہتے ہیں لہٰذا آپ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ اس

دن کا روزہ نہ واجب، نہ حرام اور نہ مکروہ کچھ بھی نہیں بلکہ نفل ہے۔

اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تبحر علمی اور حضور ﷺ کی احادیث کے ماہر ہونے کا جہاں ثبوت ملتا ہے وہیں ان کی قوت فیصلہ اور اختلاف کو دور کرنے کی صلاحیت بھی عیاں ہوتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۷- بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ
لیلۃ القدر کا بیان

۳۶۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

امام مالک نے ہمیں عبد اللہ بن دینار سے اور وہ عبد اللہ بن عمر سے خبر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان شریف کی آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔

۳۶۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے یہ بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان شریف کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔

''لیلۃ القدر'' کے ضمن میں دو باتوں کی تشریح وتفصیل ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس کا نام ''لیلۃ القدر'' کیوں رکھا گیا؟ دوسرا یہ کہ یہ رات کب اور کون سی ہے؟ جہاں تک اس کے نام کی وجہ ہے تو اس بارے میں علامہ بدر الدین عینی ''عمدۃ القاری شرح البخاری'' میں ج ۱۱ ص ۱۲۸ باب فضل الیلۃ القدر پر رقمطراز ہیں کہ قدر بمعنی مقام ومرتبہ استعمال ہوتا ہے۔ ''قدرت فلانا میں نے اس کو بہت بڑا مقام ومرتبہ دیا'' اور دوسرا معنی قدر وقیمت بھی ہے۔ ''المؤمن یکون ذا قدر وقیمته عند الله لکونه مقبولة فیها یعنی مؤمن کی اپنے رب کے حضور بہت قدر وقیمت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس میں مقبول ہوتا ہے'' تو اس معنی کے اعتبار سے ''لیلۃ القدر'' کا مفہوم یہ نکلا کہ یہ وہ رات ہے جس میں نیک اعمال کی قدر وقیمت عام حالات سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں قدر والی کتاب نازل کی گئی۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اس کی تائید کرتی ہے۔ ان کے علاوہ اور معانی بھی علماء نے بیان فرمائے ہیں۔

دوسرا مسئلہ اس رات کی تعیین کا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک پورے سال میں ایک مرتبہ آتی ہے اور مختلف تاریخوں اور مہینوں میں آتی رہتی ہے۔ صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی موجود ہے۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کرام کو اس رات کی نشاندہی کرنے اور مقرر وقت بتانے تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں دو آدمیوں کو دست وگریباں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ ان کے بگڑنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ''لیلۃ القدر'' کو امت محمدیہ سے چھپالیا اور اس کی صحیح تاریخ واپس لے لی۔ اس کے خلاف اکثر علماء اور محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ رات سارے سال میں نہیں بلکہ صرف رمضان شریف کے مہینہ میں آتی ہے وہ اسے قرآن کریم سے ہی ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کے مہینہ میں قرآن کریم اتارا گیا''۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ ہم نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں اتارا''۔ ان دونوں آیات کو ملانے سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ''لیلۃ القدر'' رمضان شریف کی ہی کوئی رات ہے۔ اس رات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عرش بریں سے آسمان اول پر یکبارگی نازل فرما کر پھر تقریباً ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا۔

سورۃ القدر کے نزول کا سبب بروایت مجاہد یہ نقل کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے ایک ہزار سال تک مسلح ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا۔ صحابہ کرام کو سن کر رشک آیا۔ کاش ہماری بھی اتنی طویل عمریں ہوتیں اور ہم بھی اسی طرح خدا کی راہ میں جہاد کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کی خاطر سورۃ القدر نازل فرمائی۔

بعض مفسرین نے اس کا شان نزول یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ پہلے زمانہ کے ایک متقی شمعون نامی شخص کا ذکر فرمایا اور بیان فرمایا کہ انہوں نے ایک ہزار مہینہ متواتر اللہ کے دین کی خاطر جہاد کیا۔ اس طویل عرصہ میں انہوں نے نہ کپڑے اتارے اور نہ ہی ہتھیار رکھے۔ اس پر حضرات صحابہ کرام نے اپنی کم عمروں پر افسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تلافی اس سورت کے اتارنے سے فرمائی۔ یوں مسلمانوں کو ایک رات دی گئی جو فضیلت و مرتبہ میں ہزار مہینہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کی مزید تفصیل و تحقیق مختلف تفاسیر کے علاوہ "عمدۃ القاری" ج ۲ص ۱۲۹ مطبوعہ بیروت پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

"لیلۃ القدر" کے شان نزول اور اس کی عظمت و فضیلت کی روشنی میں ہمیں یہ مسئلہ مل جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک ہزار ماہ جہاد کرنے والے مجاہد سے امت محمدیہ کے اس شخص کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے جسے لیلۃ القدر مل جائے۔ دوسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر کو یہ مقام و مرتبہ از روئے قرآن دو باتوں سے حاصل ہوا۔ ایک قرآن کریم کا اترنا اور دوسرا جبرئیل سمیت اور بہت سے فرشتوں کا اللہ کی رحمتوں کو لیے زمین پر تشریف لانا۔ جب آمد قرآن اور آمد جبرئیل سے اس رات کو اتنی عظمت مل گئی تو جس رات صاحب قرآن اور پیشوائے جبرئیل جلوہ فرما ہوئے۔ اس کی عظمتوں اور مراتب کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مواہب لدنیہ" کے ابتداء میں تحریر فرمایا کہ لیلۃ القدر سے کہیں بڑھ کر میلاد النبی ﷺ کی رات ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۴۸ - بَابُ الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کے بیان میں

۳۷۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِيْ اِلَيَّ رَاْسَهٗ فَاُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے انہیں عروہ بن زبیر نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے خبر دی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور ﷺ جب اعتکاف بیٹھتے تو آپ میری طرف اپنا سر انور جھکاتے۔ میں آپ کے بالوں کی کنگھی کرتی تھی اور حضور ﷺ انسانی حاجت کے بغیر گھر تشریف نہ لاتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلُ اِذَا اعْتَكَفَ اِلَّا لِلْغَائِطِ اَوِ الْبَوْلِ وَاَمَّا الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ فَيَكُوْنُ فِيْ مُعْتَكَفِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے کہ اعتکاف بیٹھنے والا صرف بول و براز کے لیے باہر جا سکتا ہے اور رہا کھانا پینا تو وہ اعتکاف خانے میں ہی کرے گا اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۳۷۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْوُسْطَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتّٰى اِذَا كَانَ لَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِيْ يَخْرُجُ فِيْهَا مِنْ اِعْتِكَافِهٖ قَالَ مَنْ كَانَ اِعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ وَقَدْ رَاَيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا وَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مِنْ صُبْحِهَا

امام مالک نے ہمیں یزید بن عبداللہ بن ہاد سے انہوں محمد بن ابراہیم سے اور وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے خبر دیتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ رمضان شریف کے درمیانے عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے۔ ایک سال اعتکاف بیٹھے جب اکیسویں رات ہوئی یہ وہ رات تھی کہ آپ اس رات اپنے اعتکاف خانہ سے باہر تشریف لائے تھے۔ ارشاد فرمایا: جو شخص میرے ساتھ اعتکاف بیٹھا ہے اسے چاہیے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے۔ مجھے یہ رات (لیلۃ القدر) دکھائی

اَسْجُدُ فِیْ مَاءٍ وَّطِیْنٍ فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِیْ كُلِّ وِتْرٍ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ مِنْ تِلْكَ اللَّیْلَةِ وَكَانَ الْمَسْجِدُ سَقْفُهُ عَرِیْشًا فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَاَبْصَرَتْ عَیْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْصَرَفَ وَعَلٰی جَبْهَتِهٖ وَاَنْفِهٖ اَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ مِنْ صُبْحِ لَیْلَةِ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ.

گئی اور پھر بھلا دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس رات کی صبح میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرر ہا ہوں لہٰذا تم اس رات کو آخری عشرہ میں تلاش کرو اور ہر طاق رات کی صبح میں ڈھونڈو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس رات آسمان سے بارش آئی اور مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ بارش کا پانی مسجد کی چھت سے ٹپکا۔ ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا آپ نماز سے فارغ ہوئے اور آپ کی پیشانی اور ناک پر پانی اور مٹی کے نشانات تھے۔ یہ اکیسویں رات کی صبح کا واقعہ ہے۔

۳۷۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ سَاَلْتُ ابْنَ شِهَابٍ الزُّهْرِیَّ عَنِ الرَّجُلِ الْمُعْتَكِفِ یَذْهَبُ لِحَاجَتِهٖ تَحْتَ سَقْفٍ قَالَ لَابَاْسَ بِذٰلِكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ میں نے ابن شہاب زہری سے معتکف کے بارے میں پوچھا کہ کیا حاجت انسانی پورا کرنے کے لیے چھت کے نیچے جاسکتا ہے؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ لِلْمُعْتَكِفِ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّقْضِیَ الْحَاجَةَ مِنَ الْغَائِطِ اَوِالْبَوْلِ اَنْ یَّدْخُلَ الْبَیْتَ اَوْاَنْ یَّمُرَّ تَحْتَ السَّقْفِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا مسلک یہ ہے کہ معتکف جب قضائے حاجت یعنی بول و براز کے لیے مسجد سے نکل کر گھر چلا جائے یا چھت کے نیچے جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اعتکاف کا لغوی معنی ''مطلقاً ٹھہرنا'' ہے اور شرعی معنی یہ ہے کہ اللہ کے لیے مسجد میں نیت کے ساتھ ٹھہرنا۔ معتکف کے لیے مسلمان، عاقل ہونا شرط ہے اور جنابت، حیض ونفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے' بالغ ہونا شرط نہیں لہٰذا نابالغ بھی اعتکاف بیٹھ سکتا ہے جیسا کہ نابالغ نماز پڑھ سکتا ہے۔

مذکورہ روایات سے اعتکاف کے متعلق چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ حالت اعتکاف میں مسجد کی حدود میں رہتے ہوئے مسجد سے باہر کسی سے کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اپنے بالوں میں کنگھی کروائی۔ دوسرا یہ کہ انسانی ضروریات وحاجات کے لیے جو مسجد میں پوری ہونا ناممکن ہوں معتکف کو مسجد سے جانے کی اجازت ہے اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ بول و براز کے لیے معتکف کا گھر جانا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ضرورتیں حدود مسجد میں پوری کرنا انتہائی معیوب ہیں اور کھانا پینا اگرچہ ضروریات انسانی میں شامل ہیں لیکن ان کے لیے مسجد سے نکلنے کی ضرورت نہیں لہٰذا معتکف کے لیے اگر مسجد میں کھانے پینے کا بندوبست کسی طرح ہوسکتا ہے تو اسے کر لینا چاہیے اس کی خاطر نکلنا درست نہیں ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ ہاں اگر کوئی بندوبست نہیں ہوسکتا تو پھر اجازت ہے۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ لیلۃ القدر کے بارے میں بھی ان احادیث میں کچھ ارشادات ہیں۔ صحابہ کرام کی عادت مبارکہ تھی کہ درمیانہ عشرہ میں آپ کے ساتھ اعتکاف میں شامل ہو جاتے۔ ایک سال آپ نے ان حضرات کو فرمایا کہ اس دفعہ اکیسویں رات کو گھر نہیں جانا کیونکہ لیلۃ القدر آنے والی ہے۔ علامت یہ بیان فرمائی کہ جس رات کی صبح میرے اعضاء سجدہ (ماتھا اور ناک) پر پانی اور مٹی ملی جلی دیکھو یہ اس رات کی نشانی ہے۔ چنانچہ اکیسویں شب خوب بارش ہوئی اور مسجد کی چھت کچی ہونے کی وجہ سے ٹپکی اور زمین گیلی ہوگئی۔ حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور آپ کے چہرۂ انور پر

مذکورہ علامت دیکھی گئی پھر آپ نے اس رات کی تلاش کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف ارشادات فرمائے۔ بہرحال آخری عشرہ اور اس کی طاق راتیں ان کی زیادہ تاکید کی گئی ہے لہٰذا آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھ کر اس رات کی تلاش میں کوشش کرنی چاہیے۔ یہ طریقہ بہت بہتر ہے۔

فضائل اعتکاف

معتکف چونکہ مسجد میں آن ڈیرا لگاتا ہے اور مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتی ہیں لہٰذا معتکف خدا تعالیٰ کا مہمان ہوا تو جس طرح ہر گھر والا اپنے مہمان کو نوازتا ہے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نوازتا ہے کیونکہ اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ اپنے اختیار وقوت کے مطابق اپنے گھر آنے والے کی حوصلہ افزائی اور نوازشات کی بارش برساتا ہے۔ وہ چاہے تو معتکف کے چھوٹے بڑے تمام گناہ معاف کردے۔ فضائل اعتکاف میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

روی عن علی بن حسین رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ من اعتکف عشرا فی رمضان کان کحجتین وعمرتین.

(الترغیب ج۲ص۱۴۹ باب الترغیب فی الاعتکاف)

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان میں دس دن کا اعتکاف کیا وہ یوں جیسا کہ اس نے دو حج اور دو عمرے کیے۔

ومن اعتکف یوما ابتغاء وجه الله تعالی جعل الله بینه وبین النار ثلاث خنادق ابعد ممابین الخافقین رواه الطبرانی فی الاوسط والبیهقی والحاکم مختصرا وقال صحیح الاسناد.

(الترغیب ج۳ص۱۵۰)

جس نے محض رضائے خدا کے لیے ایک دن کا اعتکاف کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کی آگ کے درمیان تین خندقیں کر دے گا۔ ان کے درمیان اس سے زیادہ فاصلہ ہوگا جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی اور حاکم نے مختصر طور پر بیان کیا ہے اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

لان الاعتکاف تقرب الی الله تعالی بمجاورة بیته والاعراض عن الدنیا والاقبال علی خدمته لطلب الرحمة والمغفرة حتی قال عطاء الخراسانی مثل الذی القی نفسه بین یدالله تعالی یقول لا ابرح حتی یغفرلی ولانه عبادة لمافیه من اظهار العبودیة لله تعالی بملازمة الاماکن المنسوبة الیه والعزیمة فی العبادات القیام بها بقدر الامکان.

(البدائع الصنائع ج۲ص۱۰۸ کتاب الاعتکاف مطبوعہ بیروت)

اس لیے کہ اعتکاف اللہ تعالیٰ کے گھر کا مجاور بن کر اس کا تقرب حاصل کرنا ہے اور دنیا سے منہ موڑنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طلب رحمت ومغفرت کے لیے آگے بڑھنے کا نام ہے۔ یہاں تک کہ جناب عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک تو مجھے بخشے گا نہیں میں یہاں سے اٹھوں گا نہیں اور اس لیے بھی کہ اعتکاف عبادت بھی ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے اور وہ بھی ایسی جگہوں میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں اور عبادت میں عزیمت (اصل) یہ ہے کہ بقدر امکان اس کو ادا کیا جائے۔

قارئین کرام! فضائل اعتکاف میں بطور اختصار ہم نے چند فضیلتیں بیان کی ہیں جس کام پر دو حج' دو عمرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور خدا کی مہمانی کا شرف ملے اس سے بڑھ کر کوئی عمل کیا ہوگا؟ جب کوئی شخص کسی دنیادار کے پاس اپنی غلطی کی خاطر گر پڑتا ہے تو سخت سے سخت دل بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔ یہاں اس اللہ کے حضور پالتی مار کر بیٹھنا ہے۔ جو ہے ہی غفور' رحیم' کریم' ستار اور

غفار اس لیے امید واثق اور یقین کامل ہونا چاہیے کہ اعتکاف کی بدولت معتکف درِ خداوندی سے ہرگز ہرگز خالی نہیں اٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ یہ سعادت ہمیں بھی بار بار عطائے فرمائے۔ آمین

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

(۱) جسم کو ٹھنڈک پہنچانے کی خاطر مسجد سے نکل کر غسل کرنا جائز نہیں۔ حاجت انسانی کے لیے نکلنا جائز ہے۔ مثلاً بول و براز کے لیے یا غسل جنابت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا درست ہے۔ اگر صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے معتکف غسل کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک صورت جائز ہوسکتی ہے وہ یہ کہ مسجد میں ہی کوئی بڑا برتن رکھ لیا جائے اور اس میں بیٹھ کر اس طرح غسل کیا جائے کہ پانی کا کوئی ایک قطرہ بھی مسجد میں گرنے نہ پائے یا پلاسٹک اور موی کاغذ کی بنی ہوئی بڑی سی چادر ہو اور اس کے دو کونے احباب پکڑے رکھیں۔ اس طرح کہ سطح مسجد سے کچھ اٹھے ہوئے ہوں اور اس کے دوسرے دونوں کونے احاطہ مسجد سے باہر زمین پر رکھے ہوں۔ اس میں بیٹھ کر غسل کیا جائے تو پانی مسجد سے باہر گرے گا۔ بہرحال اس احتیاط کے ساتھ غسل کرنا اعتکاف کو نہیں توڑتا۔ درمختار میں اس مسئلہ کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

حرم عليه الخروج الالحاجة الانسان طبيعية كبول وغائط وغسل لواحتلم ولا يمكنه الاغتسال فى المسجد.

معتکف کے لیے مسجد سے ضرورت انسانی طبعی کے بغیر نکلنا حرام ہے جیسا کہ بول و براز کے احتلام کے غسل کے لیے نکلنا (جائز) ہے اور غسل احتلام کے لیے اس وقت جائز ہے جب مسجد میں اس کی کوئی امکانی صورت نہ ہو۔

قوله فلو امكنه من غير ان يتلوث المسجد فلاباس به بدائع اى بان كان فيه بركة ماء اوموضع معد للطهارة اواغتسل فى اناء بحيث لايصيب المسجد الماء المستعمل قال فى البدائع فان كان بحيث يتلوث بالماء المستعمل يمنع منه لان تنظيف المسجد واجب والتقييد بعدم الامكان يفيد انه لوامكن كما قلنا فخرج انه يفسد.

(ردالمحتار شامی ج۲ ص۴۴۵ کتاب الصوم باب الاعتکاف مطبوعہ بیروت)

شامیہ میں ہے کہ اگر مسجد کے آلودہ ہونے کے بغیر غسل کرنا ممکن ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بدائع میں ہے کہ اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مسجد میں پانی کا تالاب ہے یا کوئی اور جگہ طہارت کے لیے بنائی گئی ہے وہاں غسل کر لیتا ہے یا کسی بڑے برتن میں غسل کرتا ہے لیکن اس طرح کہ استعمال شدہ پانی مسجد میں نہیں گرتا۔ بدائع میں ہے کہ اگر استعمال شدہ پانی سے مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے تو پھر مسجد میں غسل کرنا ممنوع ہے کیونکہ مسجد کی صفائی بہرحال واجب ہے اور ہم نے کہا کہ اگر مسجد میں غسل کرنا ناممکن ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر مسجد میں غسل کرنا ممکن ہے اور پھر اس کے باوجود معتکف مسجد سے نکل گیا تو اس سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ غسل خواہ کسی قسم کا ہو فرض ہو یا نفل اگر مسجد میں کیا جانا ممکن ہو تو پھر معتکف کا باہر نکل کر غسل کرنا فسادِ اعتکاف کا سبب بن جائے گا۔ ہاں اگر فرضی غسل کے لیے مسجد میں کوئی امکانی صورت نظر نہیں آتی تو مسجد سے نکل کر غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن نفلی غسل (محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے) اگر خارج مسجد میں کیا گیا تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۲) حاجت شرعیہ کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا جائز ہے۔

او شرعية اى لحاجة شرعية كعيد واذان لوموذنا وباب المنارة خارج المسجد

(درمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۴۴۵)

یا حاجت شرعیہ کے لیے معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے جیسا کہ عید کے لیے اور اذان دینے کے لیے اگر معتکف ہی مؤذن ہو اور اذان کے منارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو۔

اما اذا كان داخله فكذالك بالاولى . قال فى البحر وصعود الماذنة ان كان بابها فى المسجد لايفسد والا فكذالك فى ظاهر الرواية ولو قال الشارح واذان ولوغير موذن وباب المنارة خارج المسجد لانها منه لانه يمنع فيها قلت بل ظاهر البدائع ان الاذان ايضا غير شرط فانه قال ولو صعد المنارة لم يفسد بلا خلاف وان كان بابها خارج المسجد لانها منه لانه يمنع فيها من كل مايمنع فيه من البول ونحوه فاشبه زاوية من زاويا المسجد لكن ينبغى فيما اذا كان بابها خارج المسجد ان يقيدبما اذا خرج للاذان لان المنارة وان كانت فى المسجد لكن خروجه الى بابها لا للاذان خروج منه بلاعذر وبهذا لايكون كلام الشارح مفرعا على الضعيف ويكون قوله وباب المنارة الخ جملة حالية معتبرة المفهوم فافهم.

(ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۴۴۵ تا ۴۴۶ باب الاعتکاف)

اور اگر منارہ کا دروازہ مسجد کے اندر ہی ہے تو مسئلہ پھر بھی یہی ہوگا بلکہ بطریقہ اولیٰ جائز ہوگا۔ بحر میں کہا کہ منارہ پر چڑھا جبکہ اس کا دروازہ مسجد میں ہو تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا اور اگر دروازہ باہر ہو تو تب بھی نہیں ٹوٹے گا۔ ظاہر الروایہ میں ایسے ہی ہے۔ اگر شارح یوں فرماتے کہ اذان کے لیے مسجد سے باہر نکلنا درست ہے۔ اگر چہ معتکف مؤذن نہ بھی ہو اور منارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو یہ کہنا اولیٰ ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ بدائع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اذان بھی شرط نہیں ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اگر معتکف منارہ پر چڑھا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور یہ مسئلہ بلا خلاف ہے اگر چہ منارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ منارہ حکم مسجد میں داخل ہوتا ہے کیونکہ جس طرح بول وغیرہ مسجد میں ممنوع ہیں اسی طرح منارہ میں بھی یہ ممنوع ہیں لہٰذا منارہ کی مشابہت مسجد کے کونے کے ساتھ ہوگئی لیکن جب منارہ کا دروازہ مسجد سے خارج ہو تو یہ پابندی لگانی چاہیے کہ نکلنے والا اذان کے لیے نکلے کیونکہ منارہ بے شک مسجد میں شامل ہے لیکن معتکف کا منارہ کے دروازے کی طرف نکلنا جو کہ اذان کے لیے نہ ہو وہ مسجد سے بلا عذر نکلنا متصور ہوگا۔ اس طرح شارح کی کلام ضعیف پر تفریع نہ ہوگی اور اس کا قول وباب المنارۃ الخ جملہ حالیہ ہوگا جس کا مفہوم معتبر ہوگا۔

قارئین کرام! ضرورت شرعیہ کے ضمن میں امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے عید کے لیے نکلنا بطور مثال ذکر فرمایا کیونکہ عید اگر مسجد میں نہیں پڑھی جاتی جیسا کہ سنت بھی ہے کہ کھلے میدان میں ادا کی جائے اور معتکف نے اگر اعتکاف ایسا کیا ہے جس میں عید کا دن بھی اسے لازماً اعتکاف میں گزارنا ہے تو اب یہ معتکف نماز عید باجماعت ادا کرنے کے لیے عید گاہ جا سکتا ہے اور اگر اعتکاف صرف رمضان شریف کے لیے تھا تو وہ عید کی رات چاند نظر آنے سے خود بخود ختم ہوگیا اس کے لیے نکلنا یا نہ نکلنا کوئی معنی نہیں رکھتا اسی لیے عام کتب میں ضرورت شرعیہ کی مثال نماز جمعہ اور اذان سے بیان کی گئی ہے۔ صاحب درمختار نے اس بارے میں اذان دینے کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اذان دینے کی جگہ پر پہنچنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا پڑتا ہے تو معتکف اذان دینے کی خاطر باہر نکل کر اذان دینے کی جگہ پر اذان دیتا ہے تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا اور اگر اذان دینے کی جگہ مسجد کے اندر ہی ہے تو بطریق اولیٰ جائز ہے۔ جیسا کہ آج کل لاؤڈ سپیکر رکھنے کی جگہ احاطہ مسجد میں ہی کسی کونے میں بنی ہوتی ہے اور اگر اذان کی جگہ جانے کے لیے دروازہ احاطہ مسجد سے باہر ہے تو اس صورت میں اذان دینے کی غرض نہیں بلکہ ویسے ہی بلاضرورت معتکف باہر نکل کر دروازہ سے داخل

ہوکر منارہ وغیرہ پر چڑھتا ہے تو یہ چونکہ ضرورت شرعیہ کے بغیر ہوگا لہٰذا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۳) جن عبادات کے لیے وضو شرط ہے ان کی ادائیگی کے لیے مسجد سے باہر نکل کر وضو کرنا جائز ہے جبکہ مسجد میں کوئی انتظام نہ ہو۔ اس میں عبادت فرضی یا نفلی دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے باوضو ہونا شرط ہے۔ ان عبادات کے علاوہ جن کی ادائیگی کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ ان کی ادائیگی کے لیے وضو کرنے کے لیے حدود مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً زبانی قرآن کریم کی تلاوت کرنا، کلمہ شریف کا وظیفہ یا دیگر وظائف پڑھنا وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ جن عبادات کی ادائیگی وضو کیے بغیر ناممکن ہے ان کی ادائیگی کے لیے اگر وضو کرنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا پڑے تو جائز ہے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(٤) بیمار کی عیادت اور نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہے خواہ بیمار کتنا ہی عزیز وقریبی کیوں نہ ہو اور خواہ مرنے والا والد، یا والدہ یا کوئی استاد پیر ومرشد ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں تیمارداری کے لیے بلاقصد ایک صورت بن سکتی ہے۔ مثلاً معتکف اپنی ضرورت انسانی یا ضرورت شرعی (جن کا مختصراً تذکرہ ہو چکا ہے) کی خاطر مسجد سے باہر نکلا اور آتے جاتے کسی مریض کا حال بھی پوچھ لیا لیکن اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ مریض کے پاس ٹھہرے نہیں اور نہ ہی مسجد کی طرف آنے جانے کے راستہ سے ادھر ادھر ہٹ کر مریض کی عیادت کرے۔ بعض علماء نے نماز جنازہ کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے یعنی ضرورت شرعیہ یا انسانیہ کے لیے معتکف مسجد سے نکلا اور راستہ میں جنازہ تیار دیکھا۔ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا تو اس صورت میں نماز جنازہ پڑھنے سے اعتکاف پر کوئی اثر نہ پڑے گا لیکن یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ مریض کی عیادت چلتے چلتے کرنے کی اجازت ہے لیکن نماز جنازہ چلتے چلتے ادا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لیے ایک جگہ کھڑے ہو کر قصداً رکنا ہے لہٰذا نماز جنازہ کی ادائیگی سے معتکف کو بچنا چاہیے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت كان النبى ﷺ يعود المريض وهو معتكف فيمر كما هو فلا يعرج عنه يسئل عنه رواه ابو داود وابن ماجه.

(مشکوۃ ص۸۳ باب الاعتکاف کتاب الصوم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حالت اعتکاف میں بیمار کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ آپ اپنی چلت پر چلتے رہتے اور راستہ سے ادھر ادھر نہ ہوتے یہاں تک کہ اس طرح جا کر بیمار کی عیادت فرماتے۔ اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ذکر کیا۔

قال الحسن والنخعى يجوز للمعتكف الخروج لصلوة الجمعة وعيادة المريض وصلوة الجنازة وعند الائمة الاربعة اذا خرج لقضاء الحاجة واتفق له عيادة المريض والصلوة على الميت فلم ينحرف عن الطريق ولم يقف اكثر من قدر الصلوة لم يبطل الاعتكاف والابطل ذكره الطيبى ولا دلالة فى الحديث على صلوة الجنازة فكانهم قاسوها على العيادة بجامع انهما فرض كفاية ولكن بينهما فرق فان العيادة يمكن ان تكون

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام حسن بصری اور امام نخعی کہتے ہیں کہ معتکف کے لیے نماز جمعہ، بیمار کی عیادت اور نماز جنازہ کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے اور چاروں ائمہ کے نزدیک جب کوئی معتکف قضائے حاجت کے لیے مسجد سے نکلا اور اتفاقیہ بیمار کی عیادت بھی کر لی اور نماز جنازہ پڑھی اور ان کی خاطر وہ راستہ سے ادھر ادھر نہ ہٹا اور نماز پڑھنے کی مقدار وقت سے زیادہ نہ ٹھہرا تو اس کا اعتکاف باطل نہ ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔ اسے طیبی نے ذکر کیا۔ حدیث پاک میں نماز جنازہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ گویا علماء کرام نے نماز جنازہ کو بیمار کی عیادت پر قیاس کیا ہے۔ دونوں

بلاوقوف بخلاف الصلوة ولذایفسد عند ابی حنیفة رضی الله عنه بالصلوة خلافا لصاحبیه قال میرک وفی سنده لیث بن ابی سلیم وبتقدیر ضعفه ومنجبر بما فی مسلم عن عائشة رضی الله عنها ان کنت لا دخل البیت للحاجة وفیه المریض فما اسئل عنه الا وانا مارة.

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۳۴۰)

میں جامع (علت مشترک) یہ ہے کہ دونوں فرض کفایہ ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ عیادت مریض ٹھہرے بغیر کر لینا ممکن ہے لیکن نماز جنازہ پڑھنے سے معتکف کا اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ میرک کا کہنا ہے کہ اس روایت کی سند میں لیث بن سلیم ہے (جو ضعیف ہے) اور اس کے ضعیف قرار دینے کے ساتھ ساتھ مسلم شریف کی روایت سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ وہ روایت ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں گھر میں حالت انسانی کے لیے داخل ہوتی اور اگر اس میں کوئی بیمار ہوتا تھا تو میں اس کی بیماری وغیرہ کے بارے میں دریافت کرتی لیکن یہ سب کچھ چلتے چلتے ہوتا۔

قارئین کرام! خلاصہ یہ ہوا کہ معتکف قضائے حاجت شرعیہ یا انسانیہ کے لیے مسجد سے نکلا اور چلتے چلتے اور راستہ سے انحراف کیے بغیر کسی بیمار کی تیمارداری کر لی یا کسی کا حال احوال پوچھ لیا تو اس سے اعتکاف میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن نماز جنازہ کو اگرچہ فقہاء اور ائمہ کرام نے اسی پر قیاس کیا ہے لیکن احناف کے نزدیک راجح قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے وہ یہ کہ نماز جنازہ پڑھنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ کام عیادت مریض کی طرح چلتے چلتے اور انحراف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(۵) مسجد سے باہر کتنی دیر ٹھہرنے سے اعتکاف ٹوٹتا ہے؟

احناف کے ائمہ کرام کے مابین اس مدت میں اختلاف ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ نصف دن سے زیادہ دیر ٹھہرنے والے کا اعتکاف ٹوٹے گا۔ اس سے کم مدت ٹھہرنے والے کا اعتکاف درست رہے گا لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ایک ساعت بھر رہنے سے اعتکاف کے فساد کا قول فرماتے ہیں اور مفتی بہ قول بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہی ہے۔ صاحب المبسوط علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں اطراف کے دلائل نقل کیے ہیں جن میں قوت اور دلائل کی مضبوطی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف نظر آتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فاما اذا خرج ساعة من المسجد فعلی قول ابی حنیفة رحمة الله علیه یفسد اعتکافه وعند ابی یوسف ومحمد لایفسد مالم یخرج اکثر من نصف الیوم وقول ابی حنیفة اقیس وقولهما اوسع قالا ایسر من الخروج عفو لدفع الحاجة فانه اذا خرج لحاجة الانسان لایومر بان یسرع المشی وله ان یمشی علی التودة فظهر ان القلیل من الخروج عفو والکثیر لیس بعفو فجعلنا الحد الفاصل اکثر من نصف یوم فان اللاقل تابع للاکثر فاذا کان فی اکثر الیوم فی المسجد جعل کانه فی جمیع الیوم فی

جب معتکف کچھ دیر کے لیے مسجد سے نکل گیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور صاحبین کے قول کے مطابق آدھے دن سے جب زیادہ باہر نہیں رہتا اعتکاف نہیں ٹوٹے گا اور امام اعظم کا قول قیاس کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے اور صاحبین کا قول بہت گنجائش اور سہولت والا ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مختصر اور تھوڑے وقت کے لیے نکلنا جب کہ ضرورت پورا کرنے کے لیے ہو۔ معاف ہے دیکھئے کہ جب کوئی انسان اپنی حاجت انسانی پورا کرنے کے لیے مسجد سے باہر جاتا ہے تو اسے یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ جلدی جلدی چلو بلکہ وہ اپنی عادت کے مطابق چلے گا تو اس سے ظاہر ہوا کہ تھوڑے وقت کے

المسجد كما قلنا في نيته الصوم في رمضان اذا وجدت في اكثر اليوم جعل كوجودها في جميع اليوم وابو حنيفة رحمة الله عليه يقول ركن الاعتكاف هو المقام في المسجد والخروج ضده فيكون مفوتا ركن العبادة والقليل والكثير في هذا سواء كالاكل في الصوم والحدث في الطهارة.

(مبسوط سرخسی ج ۳ ص ۱۱۸۔۱۱۹ مطبوعہ مصر باب الاعتکاف)

لیے نکلنا قابل معافی ہے لہٰذا ہم نے تھوڑے اور زیادہ کی حد فاصل اس طرح رکھی کہ نصف دن سے زیادہ ٹھہرنا زیادہ اور اس سے کم کم ٹھہرنا ہے کیونکہ قلیل، کثیر کے تابع ہوتا ہے تو جب معتکف دن کا اکثر حصہ مسجد میں ہی رہا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ پورا وقت مسجد میں رہا جیسا کہ ہم نے روزہ کی نیت کے بارے میں کہا ہے وہ یہ کہ رمضان کے روزہ کی نیت اگر دن کے اکثر حصہ میں پائی گئی تو روزہ ہو جائے گا کیونکہ اکثر حصہ میں اس کا پایا جانا گویا کل وقت میں پایا جانا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کا رکن ''مسجد میں ٹھہرنا'' ہے اور مسجد سے نکلنا، ٹھہرنے کی ضد ہے لہٰذا مسجد سے نکلنا مفسد اعتکاف ہوگا کیونکہ رکن فوت ہوگیا اور رکن کے فوت ہونے میں قلیل و کثیر برابر ہیں جیسا کہ روزہ کی حالت میں کھانا پینا اور طہارۃ میں حدث ہے۔

اس اقتباس سے دونوں طرف کے دلائل سامنے آتے ہیں۔ مختصر یہ کہ صاحبین کے نزدیک نصف دن سے زیادہ باہر رہنے والے معتکف کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا جبکہ وہ بلاضرورت شرعی وانسانی اتنی دیر باہر رہا لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بلاضرورت ایک ساعت کے لیے مسجد سے باہر رہنا اعتکاف کو توڑ دے گا۔

(۶) اعتکاف ٹوٹ جانے یا توڑ دینے پر قضاء کا مسئلہ کیا ہے؟

اعتکاف کبھی تو خود بخود بغیر اپنی مرضی کے ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ کسی عورت معتکف کو حالت اعتکاف میں حیض آنا شروع ہوگیا۔ یا ولادت ہوئی اور نفاس شروع ہوگیا اور کبھی معتکف خود اعتکاف توڑ دیتا ہے۔ بہرحال اعتکاف کسی طرح بھی ٹوٹ جائے تو اس کی قضاء واجب ہے لہٰذا جس دن اعتکاف ٹوٹا اس دن کے بدلہ ایک دن بمعہ رات اعتکاف بیٹھے۔

(۷) اعتکاف کے لیے مسجد میں بیٹھنا لازم ہے

اگرچہ اعتکاف ہر مسجد میں بیٹھا جا سکتا ہے لیکن ایسی مسجد جہاں باقاعدہ جماعت واذان ہوتی ہے وہاں اعتکاف کرنا بہت بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں اسے نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دوسری مسجد میں جانا نہیں پڑے گا یاد رہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا بھی ضرورت شرعیہ میں شامل ہے جس کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ اگر مسجد میں جمعہ بھی ادا ہوتا ہے تو پھر ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھنا اور بھی اچھا ہے تاکہ جمعہ کے لیے بھی اسے دوسری مسجد میں نہ جانا پڑے۔

(۸) اعتکاف کی اقسام

اعتکاف تین قسم کا ہے۔ واجب، سنت کفایہ اور نفل، واجب وہ جو کہ نذر مان کر کسی نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہو اور سنت کفایہ وہ جو رمضان شریف کی بیسویں تاریخ کا سورج غروب ہونے سے عید کا چاند نکلنے تک ہوتا ہے اور نفلی وہ کہ جو جب چاہے جتنے وقت کے لیے چاہے ادا کرلے لہٰذا مسجد میں کسی مقصد کی خاطر آنے والا اگر داخل ہوتے وقت نیت اعتکاف کرلیتا ہے تو جتنی دیر کے لیے وہ مسجد میں رہا معتکف شمار ہوگا اس کے لیے معتکف کی رعاتیں حاصل ہوں گی وہ کھا پی سکتا ہے اور آرام بھی کرسکتا ہے۔ اعتکاف مسجد

سے نکلنے پر ٹوٹتا نہیں ہاں جس قدر مسجد میں وقت بسر کرے گا ثواب ضرور پائے گا۔ بقیہ دو اقسام واجب اور سنت کے لیے وہی مسائل ہیں جو گزر چکے یعنی ضرورت شرعیہ یا انسانیہ کے بغیر مسجد سے نہیں نکل سکتا ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۹) سنت کفایہ اعتکاف

محلہ میں سے کوئی ایک شخص بیٹھ جائے تو بقیہ افراد بری ہو جائے گے اور اگر مسجد بالکل خالی رہی تو راجح قول کے مطابق تمام اہل محلہ تارک سنت گردانے جائیں گے جیسا کہ تراویح کا مسئلہ ہے کہ اگر محلہ میں تراویح کی جماعت ہو گئی تو جماعت میں شرکت نہ کرنے والے اہل محلہ تارک سنت نہ ہوں گے۔ ان دونوں مسئلوں میں اگر چہ دو اور بھی قول ہیں لیکن جو راجح تھا ہم نے ذکر دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۞۞۞۞۞

٥- كِتابُ الْحَجِّ
حج کا بیان

حج کا لغوی اور شرعی معنیٰ

از روئے لغت حج کا مطلقاً قصد و ارادہ کرنے کے ہیں اور شریعت مطہرہ کے نزدیک حج کی تعریف یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف اعمال مشروعہ کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا اور قصد کرنا حج کہلاتا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

الحج هو القصد حج الينا فلان اى قدم ثم تعرف استعماله فى القصد الى مكة للنسك والحج الى البيت خاصة تقول حج يحج حجاوالحج قصد التوجه الى البيت بالاعمال المشروعة فرضا وسنة تقول حججت البيت احجه حجا اذا قصدته.

(لسان العرب ج ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ بیروت لفظ حج)

حج کا معنیٰ قصد کرنا ہے کہتے ہیں حج الینا فلان یعنی ہمارے پاس آیا پھر اس کا استعمال مکہ کی طرف احکام حج کو ادا کرنے کے قصد پر بولا جانے لگا اور حج، بیت اللہ کے لیے خاص ہے یعنی حج شرعی یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف توجہ کا قصد کرنا جو اعمال مشروعہ سے بجالایا جائے خواہ وہ فرض ہو یا سنت۔

الحج فى اللغة القصد الى كل شى فخصه الشرع بقصد معين ذى شروط معلومة وفيه لغتان الفتح والكسر.

(النھایۃ لابن اثیر ج ا ص ۳۴۰ باب الحاء مع الجیم)

حج کے لغوی معنی کسی چیز کی طرف ارادہ وقصد کرنے کے ہیں پھر شریعت نے اسے معین قصد کے لیے مخصوص کیا جو شرائط معلومہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لفظ کی ادائیگی دو طرح سے لغت میں آتی ہے۔ حاء کی فتح اور کسرہ کے ساتھ۔

هو زيارة بقاع مخصوصة بفعل مخصوص فى اشهره وهى شوال وذو القعدة وعشر ذى الحجة. (نور الایضاح ص ۱۶۶ کتاب الحج)

حج شریعت میں ایک مخصوص مقام کی مخصوص فعل کے ساتھ اس کے مہینوں میں زیارت کرنے کا نام ہے۔ وہ مہینے شوال ذو القعدہ اور ذوالحج کے پہلے دس دن ہیں۔

نوٹ: حج میں جو افعال فرض وواجب یا سنت ہیں۔ اگر ان میں سے ہر ایک کا پس منظر دیکھیں گے تو ہمیں وہاں کوئی نہ کوئی اللہ تعالیٰ کا مقبول ومحبوب بندہ نظر آئے گا جس سے مذکورہ فعل کسی وجہ سے سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ کو اس بندے کی یہ ادا اتنی پسند آگئی کہ ان سب کو ملا کر حج کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ طواف کعبہ ہو یا صفا ومروہ کی سعی، وقوف عرفات ہو یا قیام منیٰ، قربانی ہو یا شیطان کو کنکریاں مارنا ہر ایک کے پیچھے اللہ کے ایک نہ ایک بندے کی ادا ہے۔ حضور ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد مکہ شریف عمرہ کی غرض سے تشریف لائے تو مکہ کے کفار کہنے لگے کہ مسلمان ہجرت کے بعد مدینہ جا کر بہت کمزور اور ناتواں ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ اچھی طرح چل بھی نہیں سکتے۔ اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے طواف کے پہلے تین چکر لگاتے وقت یہ کیفیت اختیار فرمائی کہ آپ نے اپنے کندھوں اور بازوؤں کو پہلوانوں کی طرح ہلا ہلا کر چکر لگائے اور پاؤں کے اگلے حصہ یعنی انگلیوں پر بوجھ ڈال

کر چلے۔ اسے فقہی اصطلاح میں ''رمل'' کہتے ہیں۔ آپ نے اسی طرح تین ابتدائی چکروں میں صحابہ کرام کو بھی رمل کا حکم دیا کیونکہ تین چکر رمل کرتے دیکھ کر کفار کو اپنے خیال پر ندامت آئی اور دل میں سوچا کہ یہ لوگ جس پہلوانی انداز سے چل رہے ہیں شاید حملہ نہ کر دیں وہ وہاں سے چل دیئے تو حضور ﷺ نے رمل ترک کر دیا۔ اب ہر طواف کہ جس کے بعد سعی ہو اس کے پہلے تین چکروں میں یہی کیفیت ہر حاجی کے لیے بہت اہم ہے اور اسے ترک نہیں کرنا چاہیے۔ اس واقعہ کو دیکھئے اور دوسری طرف خانہ کعبہ کا تقدس وعظمت سامنے رکھیے کہ جہاں لبیک اللھم لبیک کی صداؤں کے ساتھ انتہائی عاجزانہ انداز میں ہر حاجی اپنے رب کے سامنے سراپا بندہ بنا ہوا ہے اسی اللہ کے گھر میں اسی کے سامنے یہ اکڑ اکڑ کر چلنے کی بات عقل میں نہیں آتی لیکن اس اللہ کو اپنے گھر میں اپنے محبوب کے محبوبوں کو کمزوری کا طعنہ دینے والوں کے جواب میں اکڑ اکڑ کر تین چکر لگانا پسند آ گیا تو اسے ہر حاجی کے لیے افعال حج میں شامل کر دیا گیا۔ اب نہ وہ کفار رہے اور نہ ہی ان کا وہ طعنہ لیکن پھر بھی رمل کیا جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کا اپنے لخت جگر کی پیاس مٹانے کے لیے کبھی صفا کبھی مروہ پر چڑھنا اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا اور اسے قرآن کریم کی آیات کی صورت میں نازل فرما کر قیامت تک عمرہ وحج کرنے والوں کے لیے افعال حج وعمرہ میں شامل کر دیا۔ اب صفا ومروہ کے چکر لگانے والا پانی کی تلاش کے لیے نہیں بلکہ سنت ہاجرہ پر عمل کرنے کے لیے جسے اللہ نے باقی رکھا ایسا کرتا ہے۔ میدان عرفات میں وقوف کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ سامنے آتا ہے۔ ذوالحجہ کی ۹ تاریخ' عرفات کا میدان اور ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ آپ نے وہاں اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع فرمایا تو اس طریقہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر رہتی دنیا تک ہر حاجی کے لیے رکن اعظم قرار دے دیا۔ مختصر یہ کہ حج کے تمام مناسک کسی نہ کسی اللہ کے بندے کی کوئی ادا تھی جسے باقی رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کی محبت سے سرشار فرمائے اور ان کے وسیلہ جلیلہ سے بخشش عطاء فرمائے۔ آمین

حج کے بعض فضائل

(۱) بخاری ومسلم وغیرہما میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا وہ گناہوں سے پاک ہو کر لوٹے گا گویا آج ہی وہ ماں کے پیٹ سے نکلا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۳ کتاب الحج مطبوعہ بیروت)

(۲) حضور ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ غربت ومحتاجی کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کا میل دور کر دیتی ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۵ کتاب الحج)

(۳) حضور ﷺ نے فرمایا: حاجی کو بخش دیا جاتا ہے اور اسے بھی جس کی حاجی مغفرت چاہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۷)

(٤) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: اے اللہ! جب تیرے بندے تیرے گھر کی زیارت کرنے آئیں تو انہیں کیا عطا فرمائے گا؟ فرمایا: ہر زیارت کرنے والے کا اس پر حق ہے جس کی زیارت کو جاتا ہے۔ ان حاجیوں کا مجھ پر حق ہے میں انہیں دنیا میں عافیت وآرام عطاء کروں گا اور جب مجھ سے ملیں گے تو ان کی مغفرت کر دوں گا۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۹)

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسجد منیٰ میں حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ ایک انصاری اور ثقفی نے حاضر بارگاہ ہو کر سلام عرض کیا اور کہنے لگے۔ ہم پوچھنے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں از خود بتا دوں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ اور اگر تم چاہو تو میں نہ بتاؤں اور تم خود ہی سوال کر لو۔ ان دونوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ خود ہی بتلا دیجئے ارشاد ہوا کہ تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ اگر کوئی شخص گھر سے بیت اللہ شریف کا قصد کرے تو اسے کتنا ثواب ہوگا اور طواف کے بعد دو رکعت میں کتنا ثواب ہے اور یہ کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کا ثواب کتنا

ہے۔عرفہ کی شام کے وقوف میں کیا اجر ثواب ہے۔قربانی میں،طواف افاضہ میں کیا اجر وثواب ہے؟اس شخص نے سن کر عرض کیا یارسول اللہ! بخدا بندہ اسی لیے حاضر ہوا ہے۔ارشاد فرمایا: جب تو گھر سے بیت اللہ کا قصد کر کے نکلے گا تو اونٹ کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے کے بدلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک خطا مٹائی جائے گی اور طواف کے بعد دو رکعت کا اجر یوں سمجھو جیسے کسی نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی غلام کو آزاد کر دیا ہو۔صفا و مروہ کے درمیان سعی ستر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ثواب کی حامل ہے اور وقوف عرفہ کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن آسمان دنیا پر خاص تجلی فرماتا ہے اور ملائکہ پر تمہاری وجہ سے فخر فرماتا ہے اور فرماتا ہے دیکھو! میرے بندے دور دراز سے پراگندہ اور غبار آلودہ حالت میں میری رحمت کی امید لیے حاضر ہوئے ہیں۔اگر ان کے گناہ ریت کے ذروں اور بارش کے قطرات کے برابر بھی ہوں تو میں انہیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! واپس جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ہے اور اس کی بھی مغفرت کر دی جس کی تم نے سفارش کی نیز فرمایا کہ جمرات پر ہر کنکری مارنے کے بدلہ اللہ تعالیٰ ایک کبیرہ گناہ معاف کر دیتا ہے جو ہلاک کر دینے والا ہو اور قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور ذخیرہ ہے اور سر کے بال منڈوانے میں ہر بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ مٹایا جاتا ہے۔اس کے بعد خانہ کعبہ کے طواف کا حال یہ ہے کہ تو طواف کر رہا ہے اور تیرا ایک بھی گناہ باقی نہیں رہنے دیا گیا۔ایک فرشتہ آئے گا اور تیرے شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا۔تیرے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے اب آئندہ کے لیے جو عمل کرنا ہے کر۔

(الترغیب والترہیب ج۲ص۱۷۰۔۱۷۶)

نوٹ: روایت بالا مختلف طریقوں سے مروی ہے ہم نے جو سب سے اچھا طریقہ تھا اس کے مطابق ذکر کیا ہے۔اس طریقہ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(٦) حضور ﷺ نے فرمایا: جو حج کے لیے نکلا اور انتقال کر گیا تو قیامت تک کا اس کے نامۂ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لیے نکلا اور فوت ہو گیا وہ قیامت تک عمرہ کا ثواب پائے گا۔(الترغیب والترہیب ج۲ص۱۷۸)

(٧) سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمایا: جو حج کے لیے نکلا اور فوت ہو گیا اس کی نہ پیشی ہو گی اور نہ ہی اس سے حساب لیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔(الترغیب والترہیب ج۲ص۱۷۸)

تبصرہ

حج کے فضائل اور اس کی برکات کتب حدیث میں بکثرت وارد ہیں۔ہم نے ان میں سے سات احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں سے حج کی بات کچھ نرالی ہے۔بس یوں سمجھئے کہ حاجی دراصل عشق الٰہی کا مظہر ہوتا ہے اور عاشقوں کی طرح کبھی اونچا بولتا ہے کبھی ادھر ادھر پھرتا ہے کبھی دوڑتا ہے کبھی روتا ہے۔یہی کیفیت حاجی کی بھی کہ وہ تلبیہ کہتا ہے۔کبھی طواف کعبہ اور سعی میں مشغول ہوتا ہے کبھی اپنے گناہوں کو سامنے لا کر روتا ہے کبھی اپنی قسمت پہ فخر کرتا ہے پھر سب سے بڑھ کر روح ایمان، جان جان، رحمۃ للعالمین حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ کی حاضری سے شرف یاب ہوتا ہے اور من زار قبری وجبت له شفاعتی ومن وجبت له شفاعتی وجبت له الجنة کی خوشخبری پاتا ہے۔روایت مذکورہ سے جب یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت دخول جنت کی رسید ہے تو ان حضرات کا مقام کتنا بلند و بالا ہو گا جنہوں نے صاحب قبر ﷺ کی بلا حجاب صورت مبارکہ کی زیارت کی ہو گی اس لیے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام غوث قطب ابدال ایک طرف اور رسول کریم ﷺ کی نگاہ ایمانی سے زیارت کرنے والے کی ایک دفعہ کی زیارت ایک طرف ان کا باہم مقابلہ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ حضرات کی محبت اور ان کے اسوہ مبارکہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

فاعتبروا یا اولی الابصار

١٤٩ - بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

احرام باندھنے کے مقامات

٣٧٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُهِلُّ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَيُهِلُّ اَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَيُهِلُّ اَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَيَزْعُمُوْنَ اَنَّهُ قَالَ وَيُهِلُّ اَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ نافع مولیٰ عبد اللہ نے ہمیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل مدینہ کے احرام باندھنے کی جگہ ذوالحلیفہ، اہل شام کی جحفہ اور اہل نجد کی قرن ہے۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ لوگوں کا یقین ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل یمن کے احرام باندھنے کی جگہ یلملم ہے۔

٣٧٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّهُ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّهِلُّوْا مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَاَهْلَ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَاَهْلَ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَمَّا هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثُ فَسَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاُخْبِرْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَاَمَّا اَهْلُ الْيَمَنِ فَيُهِلُّوْنَ مِنْ يَلَمْلَمَ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار سے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو ذوالحلیفہ، اہل شام کو جحفہ اور اہل نجد کو قرن سے احرام باندھنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ان تین مقامات کا تو میں نے حضور ﷺ سے اپنے کانوں سے سنا اور مجھے یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔

٣٧٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَحْرَمَ مِنَ الْفُرْعِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے میرے نزدیک ثقہ راوی نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مقام فرع سے احرام باندھا۔

٣٧٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِي الثِّقَةُ عِنْدِي اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَحْرَمَ مِنْ اِيْلِيَاءَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے میرے نزدیک ثقہ راوی نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مقام ایلیا (بیت المقدس) سے احرام باندھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ هٰذِهٖ مَوَاقِيْتُ وَقَّتَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يُّجَاوِزَهَا اِذَا اَرَادَ حَجًّا اَوْ عُمْرَةً اِلَّا مُحْرِمًا فَاَمَّا اِحْرَامُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مِنَ الْفُرْعِ وَهُوَ دُوْنَ ذِي الْحُلَيْفَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَاِنَّ اَمَامَهَا وَقْتٌ اٰخَرُ وَهُوَ الْجُحْفَةُ وَقَدْ رُخِّصَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّحْرِمُوْا مِنَ الْجُحْفَةِ لِاَنَّهَا وَقْتٌ مِّنَ الْمَوَاقِيْتِ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ مَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَمْتِعَ بِثِيَابِهٖ اِلَى الْجُحْفَةِ فَلْيَفْعَلْ اَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ اَبُوْ يُوْسُفَ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ اَبِيْ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ یہ وہ احرام باندھنے کی جگہیں ہیں جن کی تقرری رسول کریم ﷺ نے فرمائی ہے لہٰذا حج پر جانے والا یا عمرہ کی نیت کر کے جانے والا کوئی شخص ان مقامات سے احرام باندھے بغیر نہ گزرے۔ رہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام فرع سے احرم باندھنا جو ذوالحلیفہ سے مکہ کی جانب سے ذرا آگے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میقات سے آگے ایک اور جگہ احرام باندھنے کی ہے جس کا نام ذوالحلیفہ ہے۔ حضور ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے یہ رعایت عطا فرمائی کہ وہ مقام جحفہ سے احرام باندھ سکتے ہیں کیونکہ یہ بھی احرام باندھنے

جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص تم میں سے عام کپڑے پہنے ہوئے مقام جحفہ تک جانا چاہے اس کو اجازت ہے۔اس کی روایت ہمیں ابو یوسف نے اسحاق بن راشد سے اور وہ ابو جعفر محمد بن علی سے اور وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

مواقیت جمع ہے اس کا مفرد میقات ہے جو لفظ سے ماخوذ ہے۔اس کا لغوی اور شرعی معنیٰ درج ذیل ہے۔

التوقیت والتاقیت ان یجعل للشیٔ وقت یختص به وبیان مقدار المدة یقال وقت الشیٔ یوقته اذا بین حده ثم اتسع فیه فاطلق علی المکان فقیل للموضع میقات. ومنه قوله تعالی کتابا موقوتا ای موقتا مقدار وقد یکون وقت بمعنی اوجب ای اوجب علیهم الاحرام فی الحج.

(النہایہ ج۵ص۲۱۲ باب الواؤ مع القاف مطبوعہ بیروت)

التوقیت اور التاقیت کسی چیز کے لیے وقت مختص کرنے کو کہتے ہیں اور مقدار مدت کے بیان کو بھی کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے وقت الشی موقته جب اس کی حد بیان کی جائے پھر اس کے معنی میں وسعت کی گئی اور صرف ''مکان'' پر یہ لفظ بولا جانے لگا اور موضع کو بھی میقات کہا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا قول کتابا موقوتا یعنی وقت مقرر اسی سے ہے اور کبھی بمعنی واجب کرنے بھی آتا ہے یعنی لوگوں پر حج کے دوران احرام واجب کر دیا گیا ہے۔

والمیقات الوقت المضروب للفعل والموضع یقال هذا میقات اهل الشام للموضع الذی یحرمون منه وفی الحدیث انه وقت لاهل المدینة ذا الحلیفة.

(لسان العرب ج۲ص۱۰۷فصل الواؤ)

کسی کام کے لیے مقرر شدہ وقت کو اور جگہ کو میقات کہتے ہیں اور مقدار مدت کے بیان کو بھی کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ یہ اہل شام کی میقات ہے یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں سے یہ لوگ احرام باندھتے ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ میقات مقرر کیا گیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ میقات کا لغوی معنی اگرچہ مطلق وقت مقرر کرنا ہے لیکن از روئے شرع میقات ان مقامات کا نام ہے کہ حج اور عمرہ کرنے والے یا مکہ میں داخل ہونے والے ہر انسان پر جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے ورنہ اسے دم دینا پڑے گا۔ حج کے میقات کچھ تو مخصوص جگہیں ہیں جن کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے اور دوسرے میقات بمعنی وقت وہ حج کے مہینے ہیں یعنی شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کے پہلے دس دن۔چونکہ میقات کا معنی حد بندی ہے جو وقت اور جگہ دونوں کے اعتبار سے ہوسکتی ہے لہٰذا حج کے لیے دونوں طرح کی حد بندیاں ہیں۔مقامات سے احرام باندھے بغیر گزرنا جس طرح درست نہیں۔اسی طرح مذکورہ مہینوں کے علاوہ ارکان حج ادا کرنے سے حج نہیں ہوسکتا۔اب ہم میقات سے گزرنے کے بارے میں چند احکام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

میقات سے گزرنے کے چند احکام

حضور ﷺ نے کعبہ شریف کی چار اطراف میں مختلف جگہوں کو میقات مقرر فرمایا۔اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل یمن کے لیے یلملم اور اہل نجد کے لیے قرن مقرر ہوا۔ائمہ اربعہ کا متفق علیہ مسلک ہے کہ حج یا عمرہ کے لیے ان مقامات سے باہر کا کوئی شخص آنا چاہے تو اسے ان مقامات میں سے جو میقات راستے میں آتی ہو وہاں سے احرام باندھ کر آگے آنا واجب ہے۔اگر بغیر احرام کے گزر آیا تو اسے ایک دم (قربانی) لازماً دینا پڑے گا۔گناہ گار ہونے کی وجہ سے اسے توبہ بھی کرنی پڑے

گی۔ ہاں اگر کوئی شخص ان جگہوں سے گزرتا ہے لیکن وہ حج یا عمرہ کے لیے نہیں آتا تو کیا اس کے لیے بھی احرام لازماً باندھنے کا حکم ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسے شخص کے لیے بھی احرام باندھنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر گزرنا حرام ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حج اور عمرہ کے سوا کسی مقصد کے لیے آنے والے پر احرام باندھنا لازمی نہیں۔ بہر حال حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ میں چونکہ مطلق ارشاد ہے۔ خواہ وہ کسی مقصد کے لیے ان مقامات سے گزرے لہٰذا اس اطلاق کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہر ایک کے لیے احرام باندھ کر گزرنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل علامہ سرخسی نے بیان فرمائی۔ اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

حضور ﷺ سے ہمیں یہ حدیث پہنچی کہ آپ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرن اور اہل یمن کے لیے یلملم اور اہل عراق کے لیے ذات عرق بطور میقات مقرر فرمائیں۔ یہ حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے لیکن ایک روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس میں پانچویں میقات یعنی اہل عراق کے لیے ذات عرق کا ذکر نہیں ملتا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تین میقات کا ذکر فرمایا ہے اور دو یعنی یلملم اور ذات عرق کو ذکر نہیں فرمایا۔ ان آثار میں اس امر پر دلیل ہے کہ جو شخص مکہ شریف جانے کا ارادہ رکھتا ہے وہ ان میقات سے احرام باندھ کر گزرے کیونکہ حضور ﷺ کا احرام کے لیے ان مواقیت کو مقرر فرمانا حکمت سے خالی نہیں ہے۔ ان مقامات سے احرام باندھے بغیر گزرنا منع ہے۔

ہاں ان سے پہلے ہی اگر کوئی احرام باندھ لیتا ہے تو اس میں گنجائش ہے۔ کوئی گناہ نہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو افضل ہے جیسا کہ اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ بطور میقات مقرر ہے لیکن اگر کوئی مدینہ منورہ سے یا حضور ﷺ کی مسجد پاک سے ہی احرام باندھ کر عازم مکہ ہوتا ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ان مواقیت سے آگے گزر کر پھر احرام باندھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ میقات سے قبل احرام باندھنے کے بارے میں ایک صریح حدیث بھی موجود ہے۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مسجد اقصیٰ سے بیت اللہ (مسجد الحرام) تک احرام باندھا اس کے تمام گناہ معاف کر دیے گئے لہٰذا اگر یہ بشارت مغفرت مسجد اقصیٰ کی وجہ سے ہے تو مسجد نبوی سے احرام باندھنے والے کے لیے بطریقہ اولیٰ ہونی چاہیے۔ مقصد یہ ہے کہ میقات سے قبل احرام باندھنا تو درست ہے لیکن ان سے گزر کر باندھنا ممنوع ہے۔ مسجد اقصیٰ جو جانب شام میں ہے اس طرف سے آنے والے شامی لوگوں کا میقات جحفہ ہے جو مسجد اقصیٰ سے تقریباً ایک ہزار میل دور جانب کعبہ شریف ہے۔ جب اتنی دور سے حضور ﷺ نے احرام باندھنے کی اجازت عطا فرمائی تو معلوم ہوا کہ میقات سے خواہ کتنی دوری پر احرام باندھا جائے وہ درست ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آیت "اتموا الحج والعمرة لله". کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ افضل ہے کہ آدمی گھر سے احرام باندھ کر نکلے۔ علامہ سرخسی مزید فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث بھی پہنچی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم نے جس کے لیے میقات کو مقرر کیا وہ اس کے لیے بھی اور وہاں سے ہر گزرنے والے کے لیے بھی میقات ہے بشرطیکہ اس نے حج یا عمرہ کا ارادہ کیا ہو۔ اس حدیث پاک میں یہ دلیل ہے کہ جو بھی مکہ شریف جانے کا قصد کرے اسے ان مواقیت سے احرام باندھے بغیر گزرنا ممنوع ہے خواہ وہ اس میقات کے اہل میں سے ہو یا نہ ہو۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جو باہر کا رہنے والا مکہ شریف میں احرام کے بغیر رہ رہا ہو۔ جب وہ حج کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے عین مکہ احرام باندھنے کے لیے میقات ہے۔ بہر صورت احناف کا یہی مسلک ہے کہ میقات سے احرام باندھے بغیر کسی کا بھی گزرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ابن شریح خزاعی بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن دوران خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان پیدا کیے اس وقت

سے مکہ کو حرم بنایا ہے۔ مجھ سے قبل اور مجھ سے بعد کسی کو بھی مکہ میں قتال کرنا جائز نہیں۔ میرے لیے دن کی ایک ساعت کے لیے مکہ میں قتال کرنا حلال کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تا قیامت حرام ہے۔ حضور ﷺ کو مکہ میں قتال کی رخصت عطا فرمائی تھی اس سے معلوم ہوا کہ قتال کے لیے مکہ میں احرام باندھے بغیر داخل ہونا صرف حضور ﷺ کے لیے مخصوص تھا۔ یہ خصوصیت اسی وقت برقرار رہ سکتی ہے جب آپ کے سوا باقی ہر ایک مکہ آنے والے کے لیے احرام باندھ کر آنا لازم قرار دیا جائے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں احرام باندھے بغیر میقات سے اندر آ گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میقات کو واپس چلا جا اور تلبیہ کہو ورنہ تمہارا حج صحیح نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہوا ہے کہ کوئی شخص بغیر احرام باندھے میقات سے نہ گزرے لہٰذا اس پاک زمین کی عظمت اور شرف و عزت کے اظہار کے لیے احرام باندھنا لازم ہے۔ بغیر احرام باندھے افعال حج کرنا نہ کرنا ایک جیسا ہے اس لیے مکہ شریف میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لیے میقات سے احرام باندھنا واجب ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حدود میقات کے اندر رہائش رکھتا ہے وہ اپنی ضرورت کی وجہ سے مکہ میں احرام باندھے بغیر داخل ہو سکتا ہے جبکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول میں یہ بات جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے لکڑیاں چننے والے کو احرام باندھے بغیر مکہ شریف میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی اور ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ میقات سے باہر نہیں جاتے لہٰذا معلوم ہوا کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے مکہ شریف میں داخل ہونے کے لیے احرام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ شریف سے مدینہ منورہ جانے کے لیے باہر تشریف لائے جب آپ مقام قدید پر پہنچے تو آپ کو مدینہ منورہ میں جھگڑے کی خبر ملی۔ آپ وہاں سے احرام باندھے بغیر واپس مکہ میں تشریف لے آئے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو حدود میقات کے اندر رہائش رکھتا ہے وہ گویا مکہ میں ہی رہنے والا ہے کیونکہ اس کا مکہ شریف میں آنا جانا بکثرت رہتا ہے اس کی ضروریات بھی اہل مکہ کی سی ہوتی ہیں تو جس طرح اہل مکہ کے لیے بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے لیے بھی جو اہل مکہ کے حکم میں ہیں بغیر احرام باندھے آنا جائز ہے اور اگر ان لوگوں پر ہر مرتبہ مکہ شریف میں داخلہ کے لیے احرام باندھنے کی پابندی لگائی جائے تو اس میں واضح ضرر اور نقصان ہوگا۔

(المبسوط ج ۴ ص ۱۶۷۔ ۱۶۸ باب المواقیت مصنفہ علامہ شمس الدین سرخسی مطبوعہ بیروت)

نوٹ: حدود میقات سے باہر رہنے والا اگر کوئی شخص ایسے راستہ سے مکہ آنا چاہتا ہے جس میں مذکورہ میقات میں سے کوئی بھی راستہ میں نہیں پڑتی تو اس کے لیے میقات کے مقابل جگہ سے احرام باندھنا لازم ہوگا اور اگر میقات کے مقابل جگہ کی تعیین مشکل ہو تو مکہ سے تقریباً دو منزل دوری سے احرام باندھ لینا چاہیے۔

(وان لم يعلم المحاذات) فانه لايتصور عدم المحاذات فعلى مرحلتين من مكة كجدة.

(ارشاد الساری مناسک ملا علی قاری ص ۵۶ باب المواقیت مطبوعہ بیروت)

اگر میقات کے مقابل جگہ کا علم نہ ہو تو عدم محاذات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ محاذات کا پایا جانا ضروری ہے تو پھر مکہ سے اندازاً دو مرحلہ سے باندھ لیا جائے جیسے مکہ سے جدہ ہے۔

زیر تشریح موطا کی حدیث میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام فرع سے احرام باندھنا ذکر فرمایا اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ انہوں نے حدود میقات سے گزر کر احرام باندھا تھا اور پھر اسے دلیل بنا کر میقات کے اندر احرام کو جائز قرار دیا جائے بلکہ مقام فرع وہ ہے جو مدینہ منورہ کے دو میقات میں سے ایک سے آگے اور دوسرے سے پیچھے ہے۔ مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے ایک میقات مدینہ منورہ کے قریب ہے اور وہ ذوالحلیفہ ہے اور دوسرا میقات مدینہ اور مکہ

کے درمیان ہے اس کا نام جحفہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مقام فرع سے جو احرام باندھا وہ جحفہ سے پہلے ہی ہے اس لیے میقات سے آپ احرام باندھ کر گزرے اسی لیے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص احرام باندھے بغیر ذوالحلیفہ سے گزرنا چاہے وہ گزر سکتا ہے کیونکہ مقام جحفہ ابھی آ رہا ہے وہ وہاں سے احرام باندھ لے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵۰ - بَابُ الرَّجُلِ يُحْرِمُ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ وَحَيْثُ يَنْبَعِثُ بِهٖ بَعِيْرُهٗ

نماز کے بعد اونٹ پر سوار ہو کر احرام باندھنے کا بیان

۳۷۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ فَاِذَا انْبَعَثَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ اَحْرَمَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب نافع نے بتایا کہ وہ مسجد ذوالحلیفہ میں نماز ادا فرمایا کرتے۔ پھر جب اپنی سواری پر بیٹھتے تو احرام باندھ لیا کرتے۔

۳۷۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ بَيْدَاءُ كُمْ هٰذِهِ الَّتِيْ تَكْذِبُوْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهَا وَمَا اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ.

امام مالک نے ہمیں موسیٰ بن عقبہ سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں تم رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہو اور حضور ﷺ نے اسی مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يُحْرِمُ الرَّجُلُ اِنْ شَاءَ فِيْ دُبُرِ صَلٰوتِهٖ وَاِنْ شَاءَ حِيْنَ يَنْبَعِثُ بِهٖ بَعِيْرُهٗ وَكُلٌّ حَسَنٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ آدمی چاہے تو نماز کے بعد احرام باندھ لے اور اگر چاہے تو اس وقت باندھے جب اس کی سواری اٹھ کھڑی ہوتی ہے دونوں طریقے اچھے ہیں۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔

حدیث بالا میں لفظ ''اھل'' آیا ہے۔ یہ بمعنی احرام کے لیے آتا ہے۔ صاحب نہایہ نے اس کا لغوی اور شرعی معنی یوں بیان کیا ہے۔

الاھلال وھو رفع الصوت بالتلبية يقال اھل المحرم بالحج يھل اھلاله اذا لبى ورفع صوته المھل بضم الميم موضع الھلال وھو الميقات التي يحرمون منه.

تلبیہ کے ذریعہ آواز بلند کرنے کو ''اھلال'' کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ محرم نے اہلال کیا یعنی تلبیہ کہا اور آواز بلند کی۔ المھل میم کے ضمہ کے ساتھ اسم ظرف بمعنی احرام باندھنے کی جگہ یعنی میقات ہے۔

(النہایہ ج ۵ ص ۲۷۱ باب الہاء مع اللام مطبوعہ بیروت)

كل شيء ارتفع صوته فقد استھل والاھلال بالحج رفع الصوت بالتلبية وكل متكلم رفع صوته فقد اھل واستھل وفي الحديث الصبي اذا ولدلم يورث ولم يرث حتى يستھل صارخا. انما قيل للاحرام اھلال لرفع المحرم صوته بالتلبية

جب بھی کوئی شخص آواز بلند کرتا ہے تو اسے ''استھل'' سے تعبیر کرتے ہیں اور حج کے لیے اہلال کا معنی یہ ہے کہ تلبیہ کی ادائیگی بلند آواز سے کی گئی اور ہر متکلم جب بلند آواز سے کلام کرتا ہے تو اسے استھل اور اھل سے تعبیر کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی نومولود پیدا ہو تو وہ اس وقت تک نہ وارث بنے گا

والاهلال التلبية واصل الاهلال رفع الصوت و كل رافع صوة فهو مهل و كذالک قوله عزوجل وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ هوما ذبح للالهته و ذالک لان الذابح كان يسميها عند الذبح فذالک هو الاهلال.

(لسان العرب ج ۱۱ ص ۷۰۱ لفظ ھلل مطبوعہ بیروت جدید)

اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا جب تک وہ آواز سے چیخ نہ مارے۔ احرام کو اہلال اس لیے کہا گیا ہے کہ محرم تلبیہ کی ادائیگی کے وقت اپنی آواز بلند کرتا ہے اور تلبیہ کو بھی اہلال کہتے ہیں اور اہلال کا حقیقی معنی آواز بلند کرنا ہے اور ہر آواز بلند کرنے والا ہر شخص ''مہل'' ہے۔ قرآن کریم کی آیت ''ما اهل لغير الله به الخ'' بھی یہی مفہوم رکھتی ہے یعنی وہ جانور جنہیں معبودان باطلہ کے لیے ذبح کیا جائے وہ حرام ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان کو ذبح کرنے والا ان باطل معبودوں کا ذبح کرتے وقت نام لیا کرتا تھا لہٰذا یہی ''اہلال'' ہے۔

کتب لغت سے جب ''اہلال'' کا معنی آپ نے ملاحظہ فرمایا تو حدیث زیر بحث میں لفظ ''اہلال'' کو احرام باندھنے کے معنی میں لیا جائے گا۔ اگرچہ اس لفظ کا معنی مطلقاً آواز بلند کرنا ہے۔ بہرحال اس لفظ کے معنی کے بعد ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ارشاد کی طرف آتے ہیں جس میں آپ نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا کہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کا نظریہ تھا کہ حضور ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ سے نہیں بلکہ اس کے قریب واقع جنگل سے احرام باندھا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو چونکہ آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تحقیق تھی اس لیے فرمایا: جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جنگل سے احرام باندھا وہ حضور ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ آپ نے بالتحقیق مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا۔ صرف اسی بات پر آپ نے یہ سخت لفظ بولے ورنہ آپ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ مسجد ذوالحلیفہ کے بغیر اس کے گرد ونواح سے احرام باندھنا ہی درست نہیں۔ حدیث شریف کے آخر میں امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک کوئی شخص دو نفل پڑھ کر احرام باندھ لے تب بھی ٹھیک ہے اور اگر دو نفل پڑھ کر سواری پر سوار ہو کر احرام باندھا تب بھی درست ہے۔

نوٹ: صرف دو اَن سِلی چادریں اوڑھنے کا نام ''احرام باندھنا'' نہیں بلکہ ان کو پہن کر نیت احرام سے بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کہنے کا نام ''احرام باندھنا'' ہے یعنی بنیت احرام' بلند آواز سے تلبیہ کہنا احرام کی شرط ہے خواہ یہ نماز کے بعد یا سواری پر سوار ہو کر مکمل کیا جائے۔

۱۵۱- بَابُ التَّلْبِيَةِ

تلبیہ کہنے کا بیان

۳۷۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ تَلْبِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَزِيْدُ فِيْهَا لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب نافع نے بیان کیا کہ حضور ﷺ کے تلبیہ کے یہ الفاظ تھے۔ لبيک اللهم لبيک لبيک لا شريک لک لبيک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شريک لک اور فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس میں ان الفاظ کا اضافہ فرمایا کرتے تھے۔ لبيک لبيک وسعديک والخير بيديک والرغباء اليک.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ التَّلْبِيَةُ هِيَ التَّلْبِيَةُ الْاُوْلٰى الَّتِىْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا زِدْتَّ

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے کہ تلبیہ وہی اول الذکر تلبیہ ہے جو حضور ﷺ سے روایت کیا گیا اور جو الفاظ حضرت

فحسن وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا.

عبداللہ بن عمر سے زائد منقول ہوئے ان کا اضافہ کر لینا اچھا ہے یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

تلبیہ کا معنی ہم بیان کر چکے ہیں اس کے لیے جو الفاظ حضور ﷺ کی زبان اقدس سے ہم تک پہنچے ہیں ان کی ادائیگی ضروری ہے اوران پر اگر کوئی لفظ زائد کیا جائے تو یہ جائز ہے اور جو مختلف الفاظ آپ ﷺ سے منقول ہیں ان کا پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کی جگہ تسبیح وتہلیل سے بھی ذبح جائز ہو جاتا ہے۔

ایجاد تلبیہ کی تاریخ

حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندا کا جواب ہیں۔آپ نے تعمیر کعبہ سے جب فراغت پائی تو بحکم خدا آپ نے اعلان حج فرمایا۔اس اعلان کو سب نے سنا اور لبیک کہہ کر حاضر ہونے کا اظہار کیا۔صاحب روح البیان رقمطراز ہیں۔

روی ان ابراهیم علیه السلام لما فرغ من بناء البیت قال الله تعالی له اذن فی الناس بالحج قال یارب وما یبلغ صوتی قال تعالی علیک الاذان وعلی البلاغ فصعد ابراهیم علیه السلام علی الصفاء وفی روایة ابا قبیس وفی اخری علی المقام فارتفع المقام حتی صار کطول الجبال فادخل اصبعیه فی اذنیه واقبل بوجهه یمینا وشمالا وشرقا وغربا وقال یاایها الناس الا ان ربکم قدبنی بیتا وکتب علیکم الحج الی البیت العتیق فاجیبوا ربکم وحجوا بیت الحرام لیصیبکم به الجنة ویجیرکم من النار فسمعه اهل مابین السماء والارض فما بقی شیء سمع صوته الا اقبل یقول لبیک اللهم لبیک فاول من اجاب اهل یمن فهم اکثر الناس حجا ومن ثم جاء فی الحدیث الایمان یمان ویکفی شرفا للیمن ظهور اویس القرنی منه والیه الاشارة بقوله علیه السلام انی لاجد نفس الرحمان من قبل الیمن قال مجاهد من اجاب مرة حج مرة ومن اجاب مرتین اواکثر یحج مرتین او اکثر بذالک المقدار قال فی اسئلة الحکم فاجابوا من ظهور الاباء وبطون الامهات فی عالم الارواح.

(روح البیان ج ۶ ص ۲۴-۲۵ سورۃ الحج)

مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا لوگوں میں اعلان حج کر دو۔عرض کی اے پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرا کام اعلان کرنا ہے اور پہنچانا میری ذمہ داری ہے پھر آپ صفا پر یا کوہ ابوقبیس پر یا مقام ابراہیم پر چڑھے۔وہ اتنا بلند ہو گیا کہ پہاڑ کی بلندی تک اونچا ہو گیا۔آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالیں اور اپنا چہرہ چاروں طرف پھیرا اور اعلان کیا لوگو! آگاہ ہو جاؤ تمہارے پروردگار نے ایک گھر آباد کیا ہے اور تم پر حج فرض کیا ہے آؤ کعبہ کی طرف۔اپنے رب کی پکار کا جواب دو اور اس کے گھر "بیت الحرام" کا حج کرو تا کہ اس کی وجہ سے تمہیں جنت ملے اور دوزخ کی آگ سے پناہ مل جائے۔آپ کی اس آواز کو زمین وآسمان کے درمیان ہر چیز نے سنا جس نے بھی یہ آواز سنی اسی نے یہ کہنا شروع کر دیا: لبیک اللھم لبیک سب سے پہلے اس آواز کا جواب دینے والے اہل یمن تھے لہٰذا زیادہ حج یہی کرتے ہیں اسی لیے حدیث میں آیا ہے الایمان یمن اور یمن کی بزرگی کے لیے یہی امر کافی ہے کہ اس میں حضرت اویس قرنی تشریف فرما ہوئے۔حضور ﷺ کا اسی کی طرف اشارہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ہوا یمن سے پاتا ہوں۔امام مجاہد کہتے ہیں کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار کا ایک مرتبہ جواب دیا وہ ایک مرتبہ حج کرے گا اور جس نے دو یا تین یا زیادہ مرتبہ جواب دیا وہ اتنی ہی دفعہ حج کی سعادت پائے گا۔"اسئلة الحکم"

میں ہے کہ حضرت ابراہیم کی آواز کا جواب ان لوگوں نے بھی دیا جو ابھی اپنے آباؤ واجداد کی پشت میں تھے اور ان لوگوں نے بھی جو اپنی ماؤں کے رحم میں تھے۔ گویا عالم ارواح میں بھی آپ کی آواز گونجی۔

خلاصہ کلام یہ کہ تلبیہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے جواب میں کہا گیا اور اسی کو ہر حاجی کے لیے دوران حج کہنا باقی رکھا گیا نیز معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز اس وقت موجود انسانوں کے علاوہ انہوں نے بھی سنی جو ابھی عالم ارواح میں تھے اور جن کے دنیا میں آنے میں ہزاروں سال لگیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کی آواز قیامت تک آنے والے انسانوں نے سنی اور اس میں کوئی شرک کی بات نہیں تو حضور ﷺ کے لیے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ گنبد خضراء میں تشریف فرما ہوتے ہوئے روئے زمین کے درود شریف پڑھنے والوں کا درود شریف سنتے ہیں تو اس میں کوئی شرکیہ بات نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٥٢- بَابُ مَتٰی تَقْطَعُ التَّلْبِيَةُ

تلبیہ کس وقت ختم کیا جائے؟

٣٨٠- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَأَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ اِلٰى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ كَانَ يُهِلُّ الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ.

امام مالک نے ہمیں محمد بن ابی بکر ثقفی سے خبر دی انہوں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا ہم دونوں اس وقت عرفات سے منیٰ کی طرف جا رہے تھے پوچھا کہ اس دن تم لوگ حضور ﷺ کی معیت میں کیا کرتے تھے؟ فرمانے لگے ہم میں سے تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا تھا۔ اسے کوئی نہ روکتا اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا اسے تکبیر سے کوئی نہ روکتا۔

٣٨١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ رَاَيْتُ النَّاسَ يَفْعَلُوْنَهٗ فَاَمَّا نَحْنُ فَنُكَبِّرُ.

قَالَ مُحَمَّدٌ بِذَالِكَ نَاْخُذُ عَلٰى اِنَّ التَّلْبِيَةَ هِيَ الْوَاجِبَةُ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ اِلَّا اَنَّ التَّكْبِيْرَ لَا يُنْكَرُ عَلٰى حَالٍ مِنَ الْحَالَاتِ وَالتَّلْبِيَةُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ تَكُوْنَ اِلَّا فِيْ مَوْضِعِهَا.

امام مالک نے ہمیں ابن شہاب سے وہ عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دیتے ہیں کہ فرمایا: میں نے لوگوں کو ایسا کرتے پایا بہرحال ہم تو تکبیر کہیں گے۔

امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل یہ ہے کہ تلبیہ کہنا اس دن بھی واجب ہے مگر تکبیر کہنے میں خواہ وہ کسی وقت ہو کوئی حرج نہیں سمجھتے لیکن تلبیہ بہرحال اپنے مقام پر ہی کہنا چاہیے۔

٣٨٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَدَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْحَجِّ اِذَا انْتَهٰى اِلَى الْحَرَمِ حَتّٰى يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ يُلَبِّيْ حَتّٰى يَغْدُوَ مِنْ مِنًى اِلٰى عَرَفَةَ فَاِذَا غَدَا تَرَكَ التَّلْبِيَةَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ مجھے نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ وہ حج میں تلبیہ اس وقت بند کر دیتے تھے جب آپ حرم میں داخل ہوتے اور طواف بیت اللہ کر لیتے اور صفا اور مروہ کی سعی کرتے وقت بھی تلبیہ نہ کہتے پھر تلبیہ شروع کر دیتے پھر جب منیٰ سے عرفات کو جاتے تو تلبیہ ترک کر دیتے۔

٣٨٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن قاسم نے

الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَتْرُكُ التَّلْبِيَةَ اِذَا رَاحَتْ اِلَى الْمَوْقِفِ.

اپنے والد سے بیان کیا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تلبیہ کہنا عرفات کی طرف جاتے وقت ختم کر دیتیں۔

۳۸۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ اَبِيْ عَلْقَمَةَ اَنَّ اُمَّهٗ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَنْزِلُ بِعَرَفَةَ بِنَمِرَةَ ثُمَّ تَحَوَّلَتْ فَنَزَلَتْ فِي الْاَرَاكِ فَكَانَتْ عَائِشَةُ تُهِلُّ مَا كَانَتْ فِيْ مَنْزِلِهَا وَمَنْ كَانَ مَعَهَا فَاِذَا رَكِبَتْ تَوَجَّهَتْ اِلَى الْمَوْقِفِ تَرَكَتِ الْاِهْلَالَ وَكَانَتْ تُقِيْمُ بِمَكَّةَ بَعْدَ الْحَجِّ فَاِذَا كَانَ قَبْلَ هِلَالِ الْمُحَرَّمِ خَرَجَتْ حَتّٰى تَاْتِيَ الْجُحْفَةَ فَتُقِيْمُ بِهَا حَتّٰى تَرَى الْهِلَالَ فَاِذَا رَاَتِ الْهِلَالَ اَهَلَّتْ بِالْعُمْرَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ علقمہ بن ابی علقمہ نے ہمیں خبر دی کہ ان کی والدہ بتاتی ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میدان عرفات میں مقام نمرہ پر اترتی تھیں پھر وہاں سے مقام اراک میں اترنے لگیں۔ آپ جب تک اپنی قیام گاہ میں تشریف فرما ہوتیں تو آپ اور آپ کے ساتھ آنے والے لبیک اللھم لبیک کہتے رہتے پھر جب سوار ہو کر موقف کی طرف متوجہ ہوتیں تو تلبیہ ترک کر دیتیں۔ آپ مکہ شریف میں حج سے فارغ ہو کر قیام پذیر ہو جاتیں۔ پھر جب محرم کا چاند نکلنے والا ہوتا تو ایک دن قبل ہی آپ مقام جحفہ تشریف لے آتیں وہاں چاند نظر آنے تک قیام فرماتیں۔ جب چاند نکل آتا تو آپ عمرہ کا احرام باندھ لیتیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ اَوْ قَرَنَ لَبّٰى حَتّٰى يَرْمِيَ الْجَمْرَةَ بِاَوَّلِ حَصَاةٍ رَمٰى يَوْمَ النَّحْرِ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ مُفْرَدَةٍ لَبّٰى حَتّٰى يَسْتَلِمَ الرُّكْنَ لِلطَّوَافِ بِذٰلِكَ جَاءَتِ الْاٰثَارُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں جو شخص حج قران کا احرام باندھتا ہے وہ جمرہ پر پہلی کنکری مارنے تک تلبیہ کہتا رہے گا جو قربانی کے دن ماری جاتی ہے۔ کنکری مارتے وقت تلبیہ ختم کر دے گا اور جس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا۔ وہ رکن یمانی کے استلام تک تلبیہ کہتا رہے گا۔ اسی کیفیت کی تائید میں حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم سے بہت سے آثار وارد ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

احرام باندھتے وقت تلبیہ کی ادائیگی ضروری ہے حتیٰ کہ احرام کی صحت کا دارومدار احناف کے نزدیک تلبیہ کی ادائیگی پر موقوف ہے تلبیہ کہہ کر احرام شروع ہوا۔ اب یہ تلبیہ کب تک کہنا پڑے گا؟ یہ ذوالحج کی دسویں تاریخ کو جب جمرہ عقبیٰ پر پہلی کنکری مارنے کا ارادہ کیا جائے تو اس وقت جاری رہے گا۔ ہاں طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کے دوران اگرچہ تلبیہ کہنا ممنوع نہیں لیکن اس کی بجائے طواف کی اور سعی کی منقول دعائیں پڑھنا افضل ہے اور جب منیٰ سے جانب عرفات روانگی ہو تو اس دوران تلبیہ کی ادائیگی زیادہ اچھی ہے کیونکہ عرفات کی حاضری کے وقت تلبیہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر کی عملی کیفیت کے مظہر ہوتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں تلبیہ کے ختم کرنے پر مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب ابوبکر ثقفی نے پوچھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ۹ ذوالحجہ کو عرفات کی طرف روانگی کے دوران بعض صحابہ کا تلبیہ کہنا اور بعض کا تکبیر کہنا ذکر فرمایا لیکن ایک دوسرے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس دن تکبیر کہنا صراحۃً منقول ہے۔ ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کو تلبیہ کا وقت ہے اور تکبیر کے لیے کوئی مخصوص وقت نہیں' تلبیہ جمرہ عقبیٰ کو پہلی کنکری مارنے تک جاری رہتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''کہ نویں کو تلبیہ واجب ہے'' کا فقیر نے مطلب بیان کیا ہے کہ اس دن تلبیہ ثابت ہے یہ اس لیے تاکہ تعارض ختم ہو جائے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نویں کو تلبیہ واجب نہیں

ہے بلکہ پڑھنا ثابت ہے۔ اسی لیے اس دن تکبیر کہنے والے کو تکبیر کہنے سے منع نہیں کیا گیا۔ شیخ ولی الدین کہتے ہیں کہ خطابی کا ظاہری قول یہی ہے۔ ''ان العلماء اجمعوا علی ترک العمل بهذا الحديث وان السنة فی الغدو من منی الی عرفات التلبية فقط بے شک علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ اس حدیث پر عمل متروک ہے اور سنت یہ ہے کہ جب کوئی منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو تو وہ صرف تلبیہ کہے'' (اگر چہ تکبیر کہنا ممنوع نہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جو عمل ذکر ہوا کہ آپ حرم میں پہنچ کر تلبیہ ختم کر دیتے یہاں تک کہ طواف کر لیتے اور صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو جاتے پھر دوبارہ تلبیہ شروع کر دیتے۔ آپ کے اس عمل کو احناف نے لیا ہے۔ ان دو مقامات پر ادعیہ ماثورہ پڑھنا افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے تلبیہ نہ کہنا ان کا ذاتی عمل ہے۔ اس کے خلاف بہت سی احادیث وارد ہیں کچھ درج ذیل ہیں۔

عن ابن عباس قال قال فضل ابن عباس كنت ردف النبی عليه السلام فمازلت اسمعه يلبی حتی رمی الجمرة العقبة فلما رماها قطع التلبية.

(ابن ماجہ ص ۱۲۸ باب حتی یقطع الحاج التلبیہ)

ابن عباس سے روایت کہ انہوں نے فرمایا کہ فضل ابن عباس نے کہا کہ میں نبی علیہ السلام کے پیچھے سوار تھا تو میں ہمیشہ آپ کے تلبیہ کو سنتا رہا یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبیٰ کی رمی کی تو جب اس کی رمی کر چکے تو آپ نے تلبیہ ختم کر دیا۔

من حديث ابن مسعود رضی الله عنه قال رمقت النبی ﷺ فلم يزل يلبی حتی رمی جمرة العقبی باول حصاة روی جابر انه عليه السلام قطع التلبية عند اول حصاة رمی بها جمرة العقبی.

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۷۸ الحدیث الحادی وستون مطبوعہ قاہرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو بغور دیکھا آپ نے جمرہ عقبیٰ کی پہلی کنکری تک لگا تار تلبیہ ادا فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب جمرہ عقبیٰ پر پہلی کنکری ماری تو آپ نے تلبیہ منقطع فرما دیا۔

نوٹ: عمرہ کرنے والا حجر اسود کے استلام کے بعد تلبیہ ختم کر دے گا۔ کتاب الآثار میں یہ مسئلہ ان الفاظ سے مذکور ہے۔

اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال يقطع المحرم التلبية بالعمرة اذا استلم الحجر ويقطع التلبية بالحج فی اول حصاة يرمی بها جمرة العقبی. (کتاب الآثار ص ۶۹ باب متی یقطع التلبیہ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی پاکستان)

ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے وہ ابراہیم سے خبر دیتے ہیں فرمایا عمرہ کا احرام باندھنے والا استلام حجر اسود کے وقت تلبیہ ختم کر دے اور حج کا احرام باندھنے والا جمرۃ العقبیٰ کی پہلی کنکری مارتے وقت تلبیہ بند کر دے۔

معلوم ہوا کہ حج کا احرام باندھنے والا تلبیہ کہتا رہے گا اور اس وقت تک کہتا رہے گا جب تک وہ جمرہ عقبیٰ پر کنکریاں مارنے کی ابتدا نہیں کرتا۔ اس عرصہ میں تلبیہ کہنے کا ثبوت بکثرت احادیث مرفوعہ سے ہے اور اس رمی سے قبل ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ہاں طواف اور سعی کے دوران نہ پڑھنا افضل ہے۔ مختصر یہ کہ راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ جمرہ عقبیٰ کی رمی تک تلبیہ پڑھنا جائز اور اس کی اجازت ہے۔ بعض مقامات پر عام حالت سے زیادہ تلبیہ کہنے کا بھی ثبوت ہے۔

عن جابر رضی الله عنه قال كان رسول الله ﷺ يكبر اذا لقی ركبا او صعد اكمه اوصبط

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی علیہ السلام جب کسی قافلہ کی ملاقات کرتے یا کسی ٹیلے پر چڑھتے یا بلندی سے

واديا وفي ادبار المكتوبة واخر الليل.

اترتے اور ہر فرضی نماز کے بعد اور آخر رات میں تلبیہ پڑھتے۔

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۳ باب الاحرام الحدیث الحادی عشر)

ان مقامات کے علاوہ بھی احادیث میں مقامات مزکور ہیں مثلاً صبح صادق کی سپیدی نمودار ہونے اور رات کی سیاہی چھا جانے کے وقت' ساتھیوں سے علیحدہ ہونے کے وقت، اٹھتے، بیٹھتے وقت۔

نوٹ: جب کوئی تلبیہ ادا کر رہا ہو تو اسے سلام کرنا مکروہ ہے اور تلبیہ پڑھنے والے کو چاہیے کہ تلبیہ تین مرتبہ ضرور پڑھے اور آخر میں سرکار ابد قرار ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے پھر اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا کرے۔

۱۵۳ - بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ

بلند آواز سے تلبیہ کہنا

۳۸۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ خَلَّادَ بْنَ السَّائِبِ الْاَنْصَارِيَّ ثُمَّ مِنْ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِيْ اَوْمَنْ مَّعِيَ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ بِالتَّلْبِيَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن ابی بکر نے کہا کہ عبدالملک بن ابی بکر بن الحارث بن ہشام نے بتایا کہ خلاد بن سائب انصاری پھر بنی الحارث بن الخزرج سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ اور ساتھیوں کو فرما دیں کہ تلبیہ کہتے وقت اپنی آوازوں کو اونچا کر لیا کریں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ اَفْضَلُ مِنْ اِخْفَاضِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی یہی عمل ہے کہ بلند آواز سے تلبیہ کہنا آہستہ کہنے سے افضل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

مذکورہ روایت میں حضرت جبرئیل امین نے حضور ﷺ کو جو کہا کہ لوگوں کو تلبیہ بلند آواز سے کہنے کا حکم دو اس حکم دینے سے مراد وجوب نہیں بلکہ استحباب ہے یعنی بلند آواز سے تلبیہ کہنا افضل ہے جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک اسی روایت کے آخر میں بیان فرمایا ہے لیکن یہ ایسا مستحب عمل ہے کہ صحابہ کرام نے ہمیشہ اس پر عمل کیا لہٰذا اس کا مقام و مرتبہ سنت مؤکدہ تک پہنچ گیا۔ ''نصب الرایہ'' میں لکھا ہے۔

عن خلاد بن السائب عن ابيه ان رسول الله ﷺ قال اتاني جبرئيل عليه السلام الحديث عن ابي قلابة عن انس قال صلى النبي ﷺ بالمدينة الظهر اربعا والعصر بذى الحليفة ركعتين وسمعتهم يصرخون بها جميعا.

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵ مطبوعہ قاہرہ)

خلاد بن سائب اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے۔ الحدیث۔ حضرت انس سے ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں نماز ظہر کی چار رکعت ادا فرمائیں اور مقام ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت ادا فرمائیں اور میں نے ان تمام حضرات کا بلند آواز سے تلبیہ کہنا سنا۔

موطا کے اسی باب کے حاشیہ پر مولوی عبدالحی نے بھی احادیث نقل کی ہیں۔

اخرج ابن ابي شيبة قال ابن حجر اسناده صحيح عن بكر بن عبد الله المزني كنت مع عبد

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ذکر کی کہ ابن حجر نے اس کی اسناد کو صحیح کہا بکر بن عبداللہ مدنی کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ

الله بن عمر رضی الله عنهما فلبی حتی سمع مابین الجبلتین واخرج ایضا باسناد صحیح عن المطلب بن عبد الله قال کان اصحاب النبی ﷺ یرفعون اصواتهم بالتلبیة حتی تنح اصواتهم وفی الباب اخبار کثیرة واثار شهیرة.

عنہما کے ساتھ تھا۔آپ نے اتنی بلند آواز سے تلبیہ کہا کہ دو پہاڑوں کے درمیان ہر ایک نے سنا۔ابن ابی شیبہ نے یہ روایت بھی ذکر کی اور اس کی اسناد بھی صحیح ہیں کہ مطلب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابی تلبیہ کہتے وقت اتنی بلند آواز سے کہتے کہ ان کی آوازیں بیٹھ جاتیں اس بارے میں اور بھی بہت سی خبریں اور آثار ہیں۔فاعتبروا یا اولی الابصار

١٥٤- بَابُ الْقِرَانِ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھنے کا بیان

٣٨٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ الْاَسَدِيُّ اَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ كَانَ مِنْ اَصْحَابِهٖ مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَمَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنْهُمْ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَحَلَّ مَنْ كَانَ اَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمْ يَحِلُّوْا.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل اسدی نے خبر دی کہ سلیمان بن یسار نے اسے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن صحابہ کرام نے حجۃ الوداع کا سفر کیا ان میں بعض نے حج کا احرام باندھا بعض نے عمرہ اور بعض نے حج اور عمرہ دنوں کا احرام باندھا تو جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اس نے احرام ختم کر دیا اور جس نے حج یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا انہوں نے احرام نہ کھولا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

روایت مذکورہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابہ کرام کا احرام تین قسم کا تھا۔صرف عمرہ،صرف حج اور حج اور عمرہ دونوں کا۔عمرہ کا احرام باندھنے والوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا اور بقیہ دونوں قسم کے حضرات نے دسویں ذوالحجہ کو منیٰ میں حلق کروا کر احرام کھولا۔ حضور ﷺ نے حج فرض ہونے کے بعد صرف ایک مرتبہ حج ادا فرمایا۔اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے کونسا حج ادا فرمایا؟ علامہ سرخسی اس کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

محدثین کرام نے حضور ﷺ کے حج کرنے کی روایات کو جمع فرمایا۔تیس صحابہ کرام سے آپ کے حج کرنے کی روایات ملتی ہیں۔دس صحابہ کرام کا بیان ہے کہ آپ نے قران کیا۔دس نے صرف حج کرنے کا تذکرہ کیا اور دس نے تمتع کرنا روایت کیا۔ان روایات مختلفہ میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عمرہ کے ساتھ تلبیہ ادا فرمایا جسے بعض صحابہ کرام نے سنا۔بعد میں آپ کو حج کرتے دیکھا پھر انہوں نے گمان کیا کہ آپ نے تمتع کیا تھا اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق آپ کے فعل کی روایت کی بعد میں آپ نے حج کا تلبیہ کہا جس کو دوسرے صحابہ نے سنا انہوں نے گمان کیا کہ آپ نے حج مفرد کیا ہے پھر آپ نے حج اور عمرہ کو ملا کر تلبیہ کہا جس کو ایک گروہ نے سنا انہوں نے یقین کر لیا کہ آپ نے قران کیا ہے اور ہر ایک دیکھنے والے نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا۔(المبسوط ج ۴ ص ۲۶ باب القران مطبوعہ السعد ہ مصر)

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے تیس صحابہ کرام کی روایات مختلفہ اور ان کے درمیان تطبیق کا طریقہ بیان کیا۔اس کا ماخذ مختلف

احادیث کے اس سلسلہ میں ''ابوداؤد'' کی ایک روایت پیش خدمت ہے۔

عن سعید بن جبیر قال قلت لعبد الله بن عباس یا ابا العباس عجبت لاختلاف اصحاب رسول الله ﷺ فی اهلال رسول الله ﷺ حین اوجب فقال انی لاعلم الناس بذالک انها انما کانت من رسول الله ﷺ حجة واحدة فمن هناک اختلفوا خرج رسول الله ﷺ حاجا فلما صلی فی مسجده بذی الحلیفة رکعیة اوجب فی مجلسه فاهل بالحج حین فرغ من رکعیة فسمع ذالک منه اقوام فحفظته عنه ثم رکب فلما استقلت به ناقته اهل وادرک ذالک منه اقوام وذالک ان الناس انما کانوا یأتون ارسلا فسمعوه حین استقلت به ناقته یهل فقالوا انما اهل حین استقلت به ناقته ثم مضی رسول الله ﷺ فلما علا علی شرف البیداء اهل وادرک ذالک منه اقوام فقالوا انما اهل حین علا علی شرف البیداء وایم الله لقد اوجب فی مصلاه واهل حین استقلت به ناقته واهل حین علاعلی شرف البیداء قال سعید فمن اخذ بقول ابن عباس اهل فی مصلاه اذا فرغ من رکعتیه.

(ابوداؤد ج ۱ص ۲۴۲ کتاب الحج باب وقت الاحرام مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: اے ابوالعباس! مجھے حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے اختلاف نے تعجب میں ڈال دیا جو انہوں نے حضور ﷺ کے احرام باندھنے کی جگہ میں اختلاف بیان کیا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اس مسئلہ کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ حضور ﷺ نے ایک ہی حج ادا فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں میں اختلاف ہوا۔ حضور ﷺ مدینہ منورہ سے بہ نیت حج باہر تشریف لائے۔ آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ آپ نے تلبیہ کہا اور احرام باندھ لیا۔ آپ کا تلبیہ کہنا بہت سے موجود لوگوں نے سنا میں نے بھی اسے محفوظ کر لیا پھر آپ اونٹنی پر سوار ہوئے جب اس پر جم کر بیٹھ گئے تو آپ نے پھر تلبیہ کہا۔ اس تلبیہ کے وقت جو لوگ آئے وہ سمجھے کہ آپ نے ابھی احرام باندھا ہے کیونکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر خدمت ہو رہے تھے تو ان نئے آنے والوں نے آپ کا تلبیہ اونٹنی پر سواری کی حالت میں سنا تو انہوں نے آپ کے احرام باندھنے کو جس طرح دیکھا اسی طرح آگے بیان کیا اس کے بعد پھر حضور ﷺ چل پڑے اور مقام ''البیداء'' پر پہنچے تو آپ نے پھر تلبیہ کہا تو جو لوگ اب پہنچے تھے انہوں نے گمان کیا کہ آپ نے شاید ''البیداء'' پر احرام باندھا ہے اور خدا کی قسم! آپ ﷺ نے احرام اسی جگہ سے باندھا تھا جہاں آپ نے دو رکعت نفل ادا کیے تھے۔ (یعنی مسجد ذوالحلیفہ میں) آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر بھی تلبیہ کہا تھا اور مقام البیداء پر بھی تلبیہ کہا تھا۔ راوی حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل کرتا ہے وہ مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل ادا کرنے کے بعد احرام باندھتا ہے۔

قارئین کرام! ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اختلاف صحابہ کا سبب بیان فرمایا اور پھر آخر میں حلفیہ بیان کیا کہ آپ نے احرام مسجد ذوالحلیفہ سے باندھا تھا اور علامہ سرخسی نے جو کیفیت حج میں اختلاف ذکر کیا اور پھر اس میں جو تطبیق بیان فرمائی ان دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آپ نے مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھا اور آپ کا یہ حج ''حج قران'' تھا

اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ آپ نے صرف ایک ہی مرتبہ حج کیا اور وہ بھی قران کی صورت میں ادا فرمایا اس لیے احناف کے نزدیک قران بقیہ دونوں اقسام یعنی تمتع اور مفرد حج سے افضل ہے۔ اگر چہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مفرد حج کو قران سے افضل فرماتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک تمتع سب سے افضل ہے۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''المبسوط'' ج ۴ ص ۲۶ پر قران کی افضلیت پر دلیل بیان فرماتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضور ﷺ سے صرف عمرہ کا تلبیہ سنا اور بعد میں آپ کو حج کرتے دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ آپ نے حج تمتع ادا فرمایا ہے۔ ان حضرات کا فیصلہ آپ کے فعل شریف کو دیکھ کر ہے اور اگر آپ کے قول اور فعل میں تعارض دکھائی دے تو ترجیح آپ کے قول کو ہوتی ہے۔ ہم احناف نے حضور ﷺ کی حدیث قولی کو لیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا میں اس وقت وادی عقیق میں تھا اس نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھیے اور حج اور عمرہ کو ملا کر احرام باندھیے (اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قران کا احرام باندھا اور بیان بھی کیا)۔

قران کے افضل ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک عبادت کا الگ ثواب اور دوسری کا الگ ہوتا ہے۔ جب دونوں کو ملا کر ادا کیا جائے تو ثواب میں اضافہ ہوگا جیسا کہ کوئی شخص رمضان شریف کا روزہ بھی رکھے اور ان دنوں کا اعتکاف بھی بیٹھے یا کوئی مجاہد سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ تہجد کی بھی پابندی کرتا ہے۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ قران کی افضلیت کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس میں حج و عمرہ کے علاوہ قربانی کا وجوب بھی ہے جو حج مفرد یا عمرہ میں نہیں ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا بھی ارشاد عالی ہے۔ ''**افضل الحج العج والسج** یعنی افضل حج وہ ہے جس میں تلبیہ بھی اور قربانی بھی ہو''۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ قران کی افضلیت کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لقوله عليه السلام فمن كان معه هدى فليهل بالحج مع العمرة وهذا هو القران وان فيه الجمع بين النسكين فى سفرة واحدة قال القرطبى ظاهره انه صلى الله عليه وسلم امرهم بالقران وقوله ثم لايحل حتى يحل منهما جميعا هذا هو حكم القران بلانزاع وممن ذهب الى تفضيل القران به وبالاحاديث التى ذكرناها الدال على افضلية القران وعلى ان النبى ﷺ كان قارنا فى حجة الوداع شفيق بن سلمة وثورى وابو حنيفة وابو يوسف ومحمد واسحاق والمزنى من اصحاب الشافعى وابو اسحاق المروزى وابن المنذر وهو قول على بن ابى طالب رضى الله تعالى عنهم. وفى المجرد واما حج النبى ﷺ فاختلف فيه بحسب المذاهب والاظهر قول محمد لاشك انه كان قارنا.

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کو قربانی میسر ہو اسے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھنا چاہیے۔ یہی قران کہلاتا ہے کیونکہ اس میں ایک ہی سفر کے اندر دو عبادتوں کو اکٹھا کرنا پایا جاتا ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو قران کا ہی حکم دیا تھا اور آپ کا قول کہ احرام اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک دونوں کا احرام ختم نہ کیا جائے۔ یہ قران کا ایسا حکم ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور جن حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن افضل ہے۔ ان کے پاس یہ روایت اور اس کے علاوہ دوسری بہت سی احادیث ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جن کا یہ مسلک ہے کہ حضور ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر قارن تھے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں شفیق بن سلمہ، ثوری، ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد، اسحاق، المزنی جو شافعی المذہب ہیں۔ ابو اسحاق مروزی، ابن منذر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور مجرد میں ہے کہ حضور ﷺ کے حج شریف میں باعتبار مذاہب

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۹ ص ۱۸۴ باب کیف تحل الحائض مطبوعہ بیروت) اختلاف ہے اور امام محمد کا واضح قول یہ ہے کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ قارن تھے۔

قارئین کرام! بہت سی احادیث اور بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے حج قران فرمایا اگر قران افضل نہ ہوتا تو آپ اسے اختیار نہ فرماتے۔''زاد المعاد'' میں ابن قیم نے اکیس (۲۱) روایات ایسی جمع کی ہیں جو صحیح ہیں اور صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے حج قران کا احرام باندھا تھا۔ ہمارے پاس جو''زاد المعاد'' کا نسخہ ہے۔ وہ زرقانی شرح مواہب الدنیہ کے حاشیہ پر ہے جو بیروت کی مطبوعہ ہے۔ اس کی ج ۲ ص ۲۰۸۔ ۲۱۸ روایات مذکورہ پھیلی ہوئی ہیں سب کا ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا۔ چند کا ذکر کرنا ضروری خیال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم نے کچھ چاندی حاصل کی پھر جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رنگے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا اور گھر میں خوشبو بھی لگا رکھی تھی۔ انہوں نے کہا: آپ کو کیا ہوا؟ کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو احرام کھول کر حلال ہونے کا حکم دیا ہے اور انہوں نے احرام اتار دیا ہے۔ (زاد المعاد برحاشیہ زرقانی ج ۲' ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۰ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

(۲) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں اس لیے اکٹھے ادا کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ مجھے یہی صرف ایک مرتبہ ہی حج کرنا ہے۔ اس کی تائید میں یحییٰ بن قطان اور ابن عیینہ کے علاوہ اور بہت سے طرق ہیں جو سب کے سب صحیح ہیں۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۱۲)

(۳) حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حج اور عمرہ اس لیے جمع کیے کہ آپ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اس سال کے بعد میں حج نہیں کروں گا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۱۳)

(٤) جس سال حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے حج کیا اسی سال حضرت سعد اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما باہم عمرہ اور قران پر گفتگو کر رہے تھے۔ ضحاک نے کہا کہ قران وہی کرے گا جسے احکام الٰہیہ سے بے خبری ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا بھتیجے! تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اس پر ضحاک بولے کہ قران سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع کیا کرتے تھے یہ سن کر حضرت سعد نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے قران کیا اور آپ کے ساتھیوں نے بھی قران کیا۔ اس روایت کو امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔''**ومراده بالتمتع ههنا بالعمرة الى الحج احد نوعيه وهو تمتع القران فانه لغة القرآن.** یعنی (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) کی تمتع سے یہاں مراد عمرہ اور حج کو اکٹھا کرنا ہے جو اس کی ایک قسم ہے یہ قرآن کریم کی لغت ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔''**تمتع رسول الله** ﷺ **بالعمرة الى الحج فبدا فاهل بالعمرة ثم اهل بالحج** ۔حضور ﷺ نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ آپ نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا''۔ اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اور امام احمد نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جو حج کیا وہ تمتع مع القران تھا۔ اس پر مسلم اور بخاری کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا اور ہم نے بھی تمتع کیا اور عمران بن حصین نے مطرف سے کہا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے نفع عطا فرمائے وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حج اور عمرہ جمع کیے پھر اس سے منع نہیں فرمایا حتیٰ کہ آپ نے انتقال فرمایا یہ

حدیث صحیح مسلم میں ہے انہوں نے قران کو تمتع اور حج وعمرہ کو جمع کرنے سے تعبیر فرمایا۔

صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جو حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ یہ کہ حضرت علی المرتضٰی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اصفہان میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمتع اور قران سے منع کیا کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کام کو حضور ﷺ نے کیا ہے تم اس سے منع کیوں کرتے ہو؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اس بات کو ذکر نہ کریں اور چھوڑ دیں۔ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر "**اھل بھما جمیعا** حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا"۔

یہ بخاری اور مسلم دونوں کے الفاظ ہیں بلکہ یہاں تک فرمایا: "**ما کنت ادع سنة رسول الله ﷺ لقول احد**. میں کسی کی بات کی خاطر سرکار دو عالم ﷺ کی سنت مبارکہ نہیں چھوڑ سکتا" تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حج اور عمرہ کو اکٹھا ادا کرتا ہے وہ ان حضرات کے نزدیک متمتع ہوتا تھا اور یہ وہی طریقہ ہے جسے حضور ﷺ نے ادا فرمایا تھا۔

قارئین کرام! مذکورہ تحقیق اور روایات سے آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ قران وہ حج ہے کہ جس میں طواف عمرہ سے قبل حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لیا جائے اور دس ذوالحجہ سے قبل احرام نہ کھولے بلکہ اس تاریخ کو حلق کے بعد احرام سے فارغ ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ جن حضرات نے حضور ﷺ کے حج مبارکہ کو "تمتع" سے تعبیر کیا ہے ان کی مراد لغۃً تمتع ہے یعنی حج کو عمرہ کے ساتھ ملا کر احرام باندھ کر ایک ہی احرام سے دوہرا نفع حاصل کیا جائے۔ اس طویل روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا حج "قران" تھا اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اسی کو بیان فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ "قران" کیا تھا چونکہ حضور ﷺ نے صرف ایک ہی مرتبہ ادا فرمایا لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ نے "حج قران" کیا تھا۔ رہا حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قران سے منع فرمایا کرتے تھے تو اس کی تحقیق وتفصیل عنقریب آرہی ہے۔ (زاد المعاد ص ۲۱۴)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام بخاری و مسلم ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہمیں نماز ظہر چار رکعت کے ساتھ پڑھائی اور مقام ذوالحلیفہ میں نماز عصر دو رکعت سے پڑھائی' رات وہی بسر فرمائی' صبح اپنی سواری پر سوار ہوئے اور چلتے چلتے مقام "بیداء" میں سواری رک گئی وہاں آپ نے حمد و تسبیح کہی پھر حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔

اس روایت سے بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے دونوں (حج اور عمرہ) کا اکٹھا احرام باندھا اور یہی قران کہلاتا ہے۔ ہم نے اکیس روایات میں سے صرف پانچ ذکر کیں۔ ابن قیم اکیس روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"**فھولاء ستة عشر نفسا من الثقات کلھم متفقون عن انس ان لفظ النبی ﷺ کان اھلالا بحج وعمرة معا** یعنی سولہ جلیل القدر ثقہ حضرات' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ نے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا"۔ وہ یہ ہیں۔ حسن بصری۔ ابو قلابہ۔ حمید بن ہلال۔ حمید بن عبد الرحمٰن الطویل۔ قتادہ۔ یحیٰی بن سعید انصاری۔ ثابت بنانی۔ بکر بن عبد اللہ مدنی "عبد العزیز بن صہیب۔ سلیمان تیمی۔ یحیٰی بن ابی اسحاق۔ زید بن اسلم۔ مصعب بن سلیم۔ ابو اسماء۔ ابو قدامہ۔ ابو قزعہ سوید بن حجر باہلی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے "قران" ادا فرمایا تھا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو

قتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ہرماس بن زیاد رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان سترہ صحابہ کرام میں سے بعض نے آپ کا فعل اور بعض نے آپ کا قول (حکم) ذکر فرمایا۔ سولہ تابعین کرام اور سترہ صحابہ کرام اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے حج قران ادا فرمایا اور آپ کا حج قران ادا فرمانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم تھا کہ آپ آئندہ سال وصال کر جائیں گے اس لیے آپ نے چاہا کہ جب ایک ہی حج کرنا ہے تو ایسا کیا جائے جو سب سے افضل و بہتر ہو۔ یہی احناف کا مسلک ہے۔

حضرت عثمان غنی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تمتع سے منع کرنے کی حکمت

دونوں حضرات جس قسم کے تمتع سے روکتے تھے وہ اصطلاحی اور معروف تمتع نہ تھا بلکہ اس کی حضرات محدثین کرام نے دو صورتیں ذکر فرمائیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنے سے روکتے تھے اور اس کی بھی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کے روکنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ حج کے دنوں کے علاوہ بھی عمرہ کرتے رہیں لیکن یہ وجہ (تاویل) اتنی مضبوط نہیں ہے کیونکہ بعض روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمتع کرنے والوں کو مارتے بھی تھے۔ ہاں یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ کسی نے احرام باندھا ہو حج کرنے کے لیے اور پھر اسے توڑ کر عمرہ کا احرام باندھ لیا ہو تو ایسے شخص کو آپ مارا کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

قال المازری اختلف فی المتعة التی نهی عنها عمر فی الحج فقیل هی فسخ الحج للعمرة وقیل هی العمرة فی عشرة الحج من عامه وعلی هذا انما نهی عنها ترغیبا فی الافراد الذی هو افضل لا انه یعتقد بطلانها اوتحریمها وقال القاضی العیاض ظاهر حدیث جابر وعمران وابی موسی ان المتعة التی اختلفوا فیها انما هی فسخ الحج الی العمرة قال وبهذا کان عمر رضی الله عنه یضرب الناس علیها ولا یضربهم علی مجرد التمتع فی اشهر الحج وانما ضربهم علی مااعتقده هو وسائر الصحابة ان فسخ الحج الی العمرة کان خصوصا فی تلک السنة للحکمة التی قدمنا ذکرها قال ابن عبد البر لا خلاف بین العلماء ان التمتع المراد بقول الله تعالی فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی وهو الاعتمار فی اشهر الحج قبل الحج قال ومن التمتع القران لانه تمتع بسکوت سفره للنسک الاخر من بلده.

(نووی علی المسلم ج ا ص ۳۹۴ مطبوعہ اصح المطابع کراچی باب

مازری کہتے ہیں کہ جس تمتع سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع کیا کرتے تھے اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون سا تھا؟ ایک یہ قول کیا گیا ہے کہ وہ یہ صورت تھی کہ حج کو عمرہ کے لیے فسخ کر دیا جائے (یعنی احرام حج کے لیے باندھا تھا پھر اسے توڑ کر عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے) اور دوسرا قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد حج کے دس دن میں عمرہ کرنا اور پھر اسی سال انہی دنوں میں حج بھی کرنا ہے۔ اس قول کے مطابق آپ کے منع فرمانے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس طریقہ سے آپ حج مفرد کی ترغیب دینا چاہتے تھے جو افضل ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ آپ اس قسم کے تمتع کے بطلان یا حرام ہونے کے معتقد تھے۔ جناب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر، عمران اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کی حدیث سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمتع جس میں اختلاف کیا گیا وہ یہ ہے کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ کیا جائے۔ مزید فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی بنا پر ایسا کرنے والوں کو مارا کرتے تھے اور آپ حج کے دنوں میں تمتع کرنے والے کو نہیں مارتے تھے۔ آپ کا مارنا بایں وجہ تھا کہ آپ کا عقیدہ یہ تھا کہ مفرد حج تمتع سے افضل ہے۔ آپ کا مع تمام صحابہ کرام یہ نظریہ تھا کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ ادا کرنا صرف اسی سال کے لیے تھا (جس میں مکہ والوں نے حضور ﷺ کو حج سے

حجۃ النبی علیہ السلام)

روکا تھا۔) اس کی بھی ایک حکمت تھی جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ علماء کے مابین اس بارے میں قطعاً اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''**فمن تمتع بالعمرة الى الحج** الایۃ'' سے مراد حج سے قبل حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا ہے مزید کہا کہ تمتع یہ بھی ہے کہ حج قران کیا جائے کیونکہ اس میں بھی ایک سفر میں دوہرا فائدہ اٹھاتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے مطابق معلوم یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلقاً تمتع سے منع نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ اس کی وہی صورت ہے جو انہوں نے ذکر کی۔ آخر وہ منع مطلقاً تمتع سے کیسے کر سکتے تھے جبکہ قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے اور قرآن کریم کے خلاف عمل کرنا اور لوگوں کو عمل کرنے پر مجبور کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ سے کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ حج کے احرام کو توڑ کر عمرہ کا احرام باندھنا۔ یہ بات صحابہ کرام کے ساتھ خاص تھی عام مسلمان کے لیے اس کی اجازت نہیں۔ اسی سے حضرت عثمان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے منع فرمایا۔ بہت سی روایات اس کی تائید میں موجود ہیں۔

انه قال لو حججت لتمتعت ثم لو حججت لتمتعت ذكره الاثرم فى سننه وغيره وذكره عبد الرزاق فى مصنفه عن سالم بن عبد الله انه سئل عن نهى عمر عن متعة الحج قال لا ابعد كتاب الله تعالى وذكر عن النافع ان رجلا قال له انهى عمر عن متعة الحج قال لا وذكر ايضا عن ابن عباس رضى الله عنهما انه قال هذا الذى يزعمون انه نهى عن المتعة يعنى عمر سمعته يقول لو اعتمرت ثم حججت لتمتعت.

(زادالمعاد ج ۲ ص ۳۱۹ علی حاشیہ زرقانی مطبوعہ بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اگر حج کروں تو تمتع کروں گا پھر اگر حج کرنا نصیب ہو تو پھر بھی تمتع ہی کروں گا۔ اثرم وغیرہ نے اسے اپنی سنن میں ذکر کیا اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر کیا کہ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تمتع کے روکنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ نہیں روکتے تھے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمتع کے ہونے پر بھی منع کر سکتے ہیں؟ جناب نافع سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمتع سے منع فرماتے تھے؟ فرمایا: نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے تمتع سے روکا میں نے انہیں یہ کہتے پایا کہ اگر میں عمرہ کروں پھر حج کروں تو لازماً تمتع کروں گا۔

رہا یہ معاملہ کہ جس تمتع سے حضرت عثمان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما منع فرمایا کرتے تھے وہ صرف صحابہ کرام کے لیے جائز قرار دیا گیا تھا۔ تو دعوئے اختصاص پر بھی ابن قیم نے بہت سی روایات ذکر کی ہیں۔ دو درج ذیل ہیں۔

عن ابى ذر انه قال كان فسخ الحج من رسول الله ﷺ لنا خاصة. عن ابى ذر قال لم يكن لاحد بعدنا ان يجعل حجة فى عمرة انها كانت رخصة لنا اصحاب محمد ﷺ .عن يزيد بن شريك قلنا لابى ذر كيف تمتع رسول الله ﷺ وانتم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا احرام حج کو توڑ کر عمرہ کا احرام باندھنا صرف ہمارے لیے مخصوص تھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے بعد کسی کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنا حج، عمرہ میں تبدیل کرے۔ یہ رخصت صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ

معه فقال ما انتم وذاک انما ذاک شیٔ رخص لنا فیه.

(زادالمعاد علی حاشیہ زرقانی ج ۲ ص ۳۱۹ فصل العذر الثانی دعوی اختصاص ذالک بالصحابۃ)

کے صحابہ کرام کے لیے تھی۔ یزید بن شریک سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا جب تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے کیسے تمتع فرمایا؟ فرمایا: تمہارے لیے اس کی اجازت نہیں وہ تو صرف ہمیں رخصت دی گئی تھی۔

عن الحارث بن بلال عن ابیہ قال قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افسخ الحج لناخاصۃ ام للناس عامۃ قال بل لنا خاصۃ.

(زادالمعاد بر حاشیہ زرقانی ج ۲ ص ۳۲۱)

حارث بن بلال رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حج کا احرام باندھ کر اسے توڑنا (اور عمرہ کا احرام باندھ لینا) ہمارے لیے مخصوص ہے یا سب لوگوں کے لیے ہے؟ فرمایا: بلکہ ہمارے لیے مخصوص ہے۔

قارئین کرام! ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان غنی اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما جس تمتع سے روکتے تھے وہ حج کا احرام باندھ کر پھر اسے توڑ کر اس کی جگہ عمرہ کا احرام باندھنا تھا۔ کیونکہ یہ امر صرف حضرات صحابہ کرام کے لیے مخصوص تھا' عام لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جب عام مسلمانوں کو اجازت نہ تھی تو ایسا کرنے والے کو روکنا ضروری ہو جاتا ہے اور اسی لیے بعض دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر سختی سے عمل کرواتے تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۳۸۷۔ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ خَرَجَ فِی الْفِتْنَۃِ مُعْتَمِرًا وَقَالَ اِنْ صُدِدْتُّ عَنِ الْبَیْتِ صَنَعْنَا کَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَخَرَجَ فَاَھَلَّ بِالْعُمْرَۃِ وَسَارَ حَتّٰی اِذَا ظَھَرَ عَلٰی ظَھْرِ الْبَیْدَآءِ اِلْتَفَتَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَقَالَ مَا اَمْرُھُمَا اِلَّا وَاحِدٌ اُشْھِدُ کُمْ اَنِّیْ قَدْ اَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَۃِ فَخَرَجَ حَتّٰی اِذَا جَاءَ الْبَیْدَاءَ طَافَ بِہٖ اَوْطَافَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ سَبْعًا سَبْعًا لَمْ یَزِدْ عَلَیْہِ وَرَاٰی ذَالِکَ مُجْزِیًا عَنْہُ وَاَھْدٰی.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنہ کے دور میں عمرہ کرنے تشریف لے گئے اور فرمایا اگر مجھے کعبہ پاک سے روک دیا گیا تو ہم وہی کچھ کریں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہم نے کیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر تشریف لے گئے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب آپ مقام بیداء میں پہنچے آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: حج اور عمرہ کا معاملہ تقریباً ایک جیسا ہی ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ اپنے اوپر حج بھی لازم کر لیا ہے پھر آپ تشریف لے گئے یہاں تک کہ مقام بیداء میں پہنچے' خانہ کعبہ آئے اور اس کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے سات چکر لگائے' اس پر زیادتی نہ فرمائی اور آپ نے یہی سمجھا کہ یہی کافی ہے اور قربانی دی۔

حجاج بن یوسف نے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی ٹھانی مقابلہ میں اس نے بہت سا ناحق خون بہایا حتیٰ کہ کعبہ پاک پر بھی پتھر پھینکے اور اس کی توہین کی گئی۔ اس ماحول میں جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حج پہ جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ کے صاحبزادوں نے روکا کہ فتنہ کا دور ہے اس لیے اب نہ جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: میں جاؤں گا اگر مجھے خانہ کعبہ میں نہ جانے دیا گیا تو پھر وہی طریقہ اپناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت اپنایا تھا بہرحال آپ بغیر

رکاوٹ کے کے پہنچ گئے۔ راستہ میں آپ نے عمرہ کے ساتھ حج کو بھی ادا کرنے کی نیت کر کے اس پر اپنے ساتھیوں کو گواہ بنایا اس طرح آپ نے حج قران ادا فرمایا اور آپ نے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی ادا فرمائی۔ یہاں ہم احناف پر اعتراض ہوتا ہے کہ تم قارن کے لیے دو طواف اور دو مرتبہ سعی واجب کہتے ہو لہٰذا تمہارا یہ کہنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قارن کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کو کافی قرار دینا یہ چند صحابہ کرام کا نظریہ ہے۔ اکثریت کا یہ مسلک ہے کہ قارن پر طواف اور سعی دو مرتبہ کرنے لازم ہیں۔ یہی مسلک حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔ امام نووی نے ''مسلم شریف'' کی شرح میں ج ۱ص ۳۸۷ پر اسے نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس کی تائید میں احادیث ذکر کی ہیں۔

عن زیاد بن مالک ان علیا و ابن مسعود رضی الله عنهم قال فی القارن یطوف طوافین. عن الحسن بن علی قال اذا قرنت بین الحج و العمرة فطف طوافین واسع سعیین. عن ابراهیم و عن اسماعیل عن الشعبی قالا یطوف طوافین وسعی سعیین. عن ابی جعفر قال القارن یطوف طوافین ویسعی سعیین. عن ابراهیم فی القارن قال طوافان وسعیان. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ حصہ ا ص ۳۳۵ فی القارن من قال یطوف طوافین مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

زیاد بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم دونوں فرماتے ہیں کہ قارن کے لیے دو طواف ہیں۔ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب تو قران کرے یعنی حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرے تو دو مرتبہ طواف کر اور دو ہی مرتبہ سعی کر۔ جناب ابراہیم اور اسماعیل جناب شعبی سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے قارن کے متعلق فرمایا کہ دو مرتبہ سعی کرے۔ ابوجعفر کہتے ہیں کہ قارن دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرے گا۔ قارن کے بارے میں جناب ابراہیم سے ہے کہ اس پر دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرنا ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه قال اذاهللت بالحج و العمرة فطف لهما طوافین واسع لهما سعیین بالصفا و المروة قال منصور فلقیت مجاهدا وهو یفتی بطواف واحد لمن قرن فحد ثته بهذا الحدیث فقال لو کنت سمعت لم افت الا بطوافین واما بعد الیوم فلا افتی الا بهما قال محمد وبهذا نأخذ وهو قول ابی حنیفة رحمة الله علیه. (کتاب الآثار مصنفہ امام محمد ص ۶۶-۶۷ باب القران وبفضل الاحرام)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ جب تو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے تو ان دونوں کے لیے دو مرتبہ طواف کعبہ اور دو مرتبہ صفا و مروہ کی سعی کرنا۔ منصور بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت مجاہد سے ملا۔ آپ قارن کے لیے ایک طواف کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ میں نے انہیں یہ روایت سنائی کہنے لگے اگر میں نے یہ روایت پہلے سے سن رکھی ہوتی تو میں یقیناً دو ہی طواف کرنے کا فتویٰ دیتا بہرحال آج کے بعد میں دو طواف کرنے کا ہی فتویٰ دوں گا۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قال مجاهد وجابر بن زید وشریح القاضی وشعبی ومحمد بن علی بن حسین والنخعی والاوزاعی والثوری والاسود بن یزید والحسن بن حیی وحماد بن سلمة وحماد ابن سلیمان والحکم بن عیینة وزیاد بن مالک وابن شبرمة وابن ابی لیلی وابو حنیفة واصحابه لابدللقارن من طوافین.

جناب مجاہد، جابر بن زید، قاضی شریح، شعبی، محمد بن علی بن حسین، نخعی، اوزاعی، ثوری، اسود بن یزید، حسن بن حیی، حماد بن سلمہ، حماد بن سلیمان، حکم بن عیینہ، زیاد بن مالک، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سبھی کہتے ہیں کہ قارن کو دو طواف اور دو مرتبہ سعی لازم ہے۔ یہی بات حضرت عمر، علی المرتضیٰ، آپ کے دونوں صاحبزادے حسن و حسین اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کہتے

وسعيين وحكى ذالك عن ابن عمر وعلى وابنيه الحسن والحسين وابن مسعود رضى الله عنهم ورواية عن احمد وروى مجاهد عن ابن عمر انه جمع بين الحج والعمرة وقال سبيلهما واحد وطاف لهما طوافين وسعى لهما سعيين وقال هكذا رايت رسول الله ﷺ وكذا عن العلقمة عن ابن مسعود رضى الله عنه قال طاف رسول الله ﷺ لعمرته وحجته طوافين وسعى سعيين وابوبكر وعمر و على ۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج۹ ص۲۴۸ باب کیف تحل الحائض)

ہیں۔ امام احمد سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ جناب مجاہد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حج اور عمرہ دونوں جمع کیے اور فرمایا ان دونوں کا طریقہ ایک ہی ہے۔ ان دونوں نے دومرتبہ طواف کیا اور دومرتبہ سعی کی اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول کریم ﷺ کو کرتے دیکھا جس طرح میں نے کیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ نے حج اور عمرہ دونوں اکٹھے کیے اور اسی طرح کیا (دوطواف اور دومرتبہ سعی) پھر فرمایا اسی طرح میں نے رسول کریم ﷺ کو کرتے دیکھا۔ اسی طرح جناب علقمہ بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمرہ کا ایک طواف اور حج کا ایک طواف اور دونوں کی دومرتبہ سعی ادا فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب اور علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی طریقہ اور عمل تھا۔

لمحۂ فکریہ: روایت متعددہ اور بکثرت صحابۂ کرام اور تابعین کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ حج قران میں دو (۲) مرتبہ طواف اور دو (۲) مرتبہ سعی ہے اور حضور ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قارن ہونے کی حالت میں ایک طواف اور ایک سعی کرنا جو موطا امام محمد کی زیر بحث حدیث میں ہے وہ یا تو قابل عمل نہیں کیونکہ خود ان سے ہی کتاب الاثار میں منقول ہے۔ (جو آپ پڑھ چکے ہیں) کہ انہوں نے دوطواف اور دومرتبہ سعی کی اور اسے حضور ﷺ کا عمل بیان فرمایا یا پھر اس کی تاویل کی جائے گی وہ یہ کہ آپ نے ہر ایک کے لیے ایک ایک طواف اور ایک ایک سعی کی۔ بہر حال تاویل کے بغیر روایت مذکورہ نا قابل عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایت مذکورہ کے بعد آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں لکھا کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے بلکہ آپ نے کتاب الاثار کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارا عمل اور امام ابوحنیفہ کا عمل ہے کیونکہ یہاں قارن کے لیے دوطواف اور دومرتبہ سعی کرنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت تھا۔

۳۸۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ يَسَارٍ الْمَكِّيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَدَخَلْنَا عَلَيْهِ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمَيْنِ اَوْثَلٰثَةٍ وَدَخَلَ عَلَيْهِ النَّاسُ يَسْاَلُوْنَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ ثَائِرُ الرَّاسِ فَقَالَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنِّىْ ضَفَرْتُ رَاْسِىْ وَاَحْرَمْتُ بِعُمْرَةٍ مُفْرَدَةٍ فَمَا ذَاتَرٰى قَالَ ابْنُ عُمَرَ لَوْكُنْتُ مَعَكَ حِيْنَ اَحْرَمْتَ لَاَمَرْتُكَ اَنْ تُهِلَّ بِهِمَا جَمِيْعًا فَاِذَا قَدِمْتَ طُفْتَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَكُنْتَ عَلٰى اِحْرَامِكَ لَا تَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَتّٰى تَحِلَّ مِنْهُمَا

امام مالک نے ہمیں خبر دی ہمیں صدقہ بن یسار مکی نے بتایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا۔ ہم ان کے پاس آٹھویں ذوالحج سے دو یا تین دن قبل حاضر ہوئے آپ کے پاس بہت سے لوگ مختلف مسائل دریافت کرنے آ رہے تھے۔ اتنے میں ایک یمنی شخص آیا جس کے سر کے بال پراگندہ تھے کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے اپنے بال گوندھ لیے ہیں اور صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تو نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اگر میں وہاں تیرے پاس ہوتا تو میں تجھے حج اور عمرہ دونوں کا

جَمِيعًا يَوْمَ النَّحْرِ وَتَنْحَرَ هَدْيَكَ وَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ خُذْمَا تَطَايَرَ مِنْ شَعْرِكَ وَاَهْدِ فَقَالَتْ لَهُ امْرَاَةٌ فِي الْبَيْتِ وَمَا هَدْيُهُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ هَدْيُهُ ثَلٰثًا كُلَّ ذَالِكَ يَقُوْلُ هَدْيُهُ قَالَ ثُمَّ سَكَتَ ابْنُ عُمَرَ حَتّٰى اِذَا اَرَدْنَا الْخُرُوْجَ قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا شَاةً لَكَانَ اُرٰى اَنْ اَذْبَحَهَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَصُوْمَ.

احرام باندھنے کا کہتا پھر جب تو بیت اللہ شریف میں آتا طواف کرتا اور صفا ومروہ کی سعی کرتا اور تو بدستور اپنے احرام میں ہوتا۔ تیرے لیے یوم النحر سے قبل کوئی بھی چیز حلال نہ ہوتی تو اپنے ہاتھ سے قربانی کرتا۔ حضرت ابن عمر نے اسے فرمایا: اپنے گوندھے بالوں کو کتر واڈالو اور قربانی دے دو۔ گھر میں سے ایک عورت نے پوچھا: ہدی کیا ہوتی ہے اے ابوعبدالرحمٰن! آپ نے فرمایا اس کی قربانی۔ عورت نے تین مرتبہ پوچھا۔ آپ نے تین مرتبہ یہی جواب دیا پھر حضرت ابن عمر خاموش ہوگئے یہاں تک کہ ہم نے وہاں سے آنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر مجھے ذبح کرنے کے لیے کوئی بکری مل جائے تو میرے نزدیک اس کا ذبح کرنا روزہ رکھنے سے افضل ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ الْقِرَانَ اَفْضَلُ كَمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَاِذَا كَانَتِ الْعُمْرَةُ وَقَدْ حَضَرَ الْحَجُّ فَطَافَ لَهَا وَسَعٰى فَلْيُقَصِّرْ ثُمَّ يُحْرِمْ بِالْحَجِّ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ حَلَقَ وَشَاةٌ تُجْزِيْهِ كَمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل ہے کہ قران افضل ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا پھر جب عمرہ کا احرام باندھ کر تمتع کا ارادہ کرے تو طواف اور سعی کر کے بال کتر وائے پھر حج کے لیے نئے سرے سے احرام باندھے۔ عید کے دن (یوم نحر) حلق کر کے یعنی سر منڈوا کر ایک بکری ذبح کرنا بھی درست اور جائز ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا مسلک اور قول ہے۔

روایت مذکورہ میں قران افضل ہونے کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حج تمتع کا بھی طریقہ بتلایا گیا ہے۔ سائل کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر بوقت احرام میں تیرے پاس ہوتا تو تجھے صرف عمرہ کا احرام باندھنے کی بجائے قران کا احرام باندھنے کا حکم دیتا لیکن اب چونکہ عمرہ کا احرام باندھ کر تو طواف بھی کر چکا ہے بلکہ صفا ومروہ کی سعی سے بھی فارغ ہوگیا ہے لہٰذا قران کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی کیونکہ قران ان دونوں باتوں سے قبل احرام باندھنے کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ اب عمرہ سے فارغ ہو جا اور اپنے سر کے بال اتار کر احرام کھول دے اس کے بعد دوبارہ حج کا احرام باندھ کر حج تمتع کرلے جس کے آخر میں تجھے قربانی دینا پڑے گی۔ آپ نے جب قربانی دینے کا اسے حکم دیا تو یقیناً اسے حج تمتع کرنے پر امادہ کیا ہوگا۔ ورنہ صرف عمرہ کرنے والے کو قربانی نہیں کرنا پڑتی۔ اس سے حج تمتع کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوگیا اور افضلیت قران بھی واضح ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے آخر میں اپنا اور اپنے مسلک کے فقہاء کرام کا قول ذکر فرمایا کہ ''قران'' تمتع اور مفرد حج سے افضل ہے۔

۳۸۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حَدَّثَنَا اَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَالضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ عَامَ حَجَّةَ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ وَهُمَا يَذْكُرَانِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے بتایا کہ محمد بن عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حج کرنے کے دوران باہمی گفت گو سنی۔

اَنَّ الْمُتْعَةَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَقَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ لَا يَصْنَعُ ذَالِكَ اِلَّا مَنْ جَهِلَ اَمْرَاللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ بِئْسَ مَاقُلْتَ قَدْ صَنَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَصَنَعْنَاهَا مَعَهٗ.

وہ یہ مذاکرہ کر رہے تھے کہ تمتع (قران) کیا ہے؟ جناب ضحاک نے کہا کہ تمتع (قران) وہی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بے خبر ہو۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا تم نے بہت بری بات کہی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے تمتع کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْقِرَانُ عِنْدَنَا اَفْضَلُ مِنَ الْاِفْرَادِ بِالْحَجِّ وَاِفْرَادِ الْعُمْرَةِ فَاِذَا قَرَنَ طَافَ بِالْبَيْتِ لِعُمْرَتِهٖ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَطَافَ بِالْبَيْتِ لِحَجَّتِهٖ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ طَوَافَانِ وَسَعْيَانِ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ طَوَافٍ وَاحِدٍ وَسَعْيٍ ثَبَتَ ذَالِكَ بِمَا جَاءَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ اَمَرَ الْقَارِنَ بِطَوَافَيْنِ وَسَعْيَيْنِ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں قران ہمارے نزدیک اکیلے حج اور اکیلے عمرہ سے افضل ہے۔ جب کوئی حج قران کا ارادہ کرے تو اسے بیت اللہ شریف کے دو طواف اپنے عمرہ اور حج کے لیے کرنے چاہیں اور صفا و مروہ کے درمیان دو دفعہ سعی کرنی چاہیے یہ فعل ہمارے نزدیک ایک مرتبہ طواف کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہے۔ آپ نے قران کرنے والے کو دو مرتبہ طواف کرنے اور دو مرتبہ سعی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہمارا اس پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ضحاک بن قیس میں جو گفتگو ہوئی اور جناب ضحاک نے جس تمتع پر اعتراض کیا۔ اس میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ اس تمتع سے مراد لغوی تمتع ہے یعنی عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھ کر دونوں ادا کرنا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت ضحاک نے جس تمتع یعنی قران پر اعتراض کیا اس کی صورت وہی ہے جو ہم حضرت عثمان اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کے قول کی تشریح میں عرض کر چکے ہیں یعنی حج کا احرام باندھ کر اسے توڑ دینا اور اس کی جگہ عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرنا ورنہ جس بات کی قرآن کریم میں افضلیت اور حضور ﷺ کا عمل اس کی تائید میں موجود ہے۔ اس کی تائید نہیں کی بلکہ جو صحیح طریقہ جاری و ساری ہے اس کا ذکر فرمایا اس لیے دونوں کی گفتگو میں جو بظاہر تعارض نظر آتا تھا وہ نہیں ہے۔ روایت کے آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حسب سابق قران کی افضلیت بیان فرمائی اور ساتھ ہی ان لوگوں کی تردید بھی کی جو قارن کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کا قول کرتے ہیں۔ آپ نے اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول پیش فرمایا۔ مختصر یہ کہ قران میں چونکہ ایک ہی احرام میں دو مرتبہ طواف اور دو مرتبہ سعی کرنے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے جو حج مفرد اور عمرہ میں نہیں اس لیے یہ ان دونوں سے بہرحال افضل ہے اور یہی تمام احناف اور فقہاء کرام کا مسلک ہے۔

۳۹۰۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِفْصِلُوْا بَيْنَ حَجِّكُمْ وَعُمْرَتِكُمْ فَاِنَّهٗ اَتَمُّ لِحَجِّ اَحَدِكُمْ وَاَتَمُّ لِعُمْرَتِهٖ اَنْ يَّعْتَمِرَ فِيْ غَيْرِ اَشْهُرِ الْحَجِّ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے وہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے اور وہ حضرت عمر بن الخطاب سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اپنے حج اور عمرہ کے درمیان فاصلہ کیا کرو۔ اس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنا حج مکمل کرے گا اور عمرہ بھی پورا کر لے گا۔ طریقہ یہ ہے کہ حج کے مہینوں کے سوا عمرہ کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْتَمِرُ الرَّجُلُ وَيَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ ثُمَّ

امام محمد کہتے ہیں آدمی عمرہ ادا کر لینے کے بعد واپس اہل و

يَحُجَّ وَيَرْجِعُ إِلَى أَهْلِهِ فَيَكُونُ ذَالِكَ فِي سَفَرَيْنِ أَفْضَلُ مِنَ الْقِرَانِ وَلٰكِنَّ الْقِرَانَ أَفْضَلُ مِنَ الْحَجِّ مُفْرِدًا وَالْعُمْرَةِ مِنْ مَكَّةَ وَمِنَ التَّمَتُّعِ وَالْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ لِأَنَّهُ إِذَا قَرَنَ كَانَتْ عُمْرَتُهُ وَحَجَّتُهُ مِنْ بَلَدِهِ وَإِذَا تَمَتَّعَ كَانَتْ حَجَّتُهُ مِنْ مَكَّةَ وَإِذَا أَفْرَدَ بِالْحَجِّ كَانَتْ عُمْرَتُهُ مَكِّيَّةً فَالْقِرَانُ أَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

عیال کے پاس اپنے گھر چلا جائے پھر واپس آ کر حج کرے پھر اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ جائے تو اس طرح حج اور عمرہ دو مختلف اور مستقل سفروں میں ادا کرنا قران سے افضل ہے لیکن حج مفرد سے، مکہ سے عمرہ کرنے سے اور مکہ مکرمہ سے تمتع کرنے سے قران افضل ہے کیونکہ جب کوئی قران کرے گا تو اس کا عمرہ اور اس کا حج دونوں اس کے اپنے شہر سے ہوگا اور تمتع کی صورت میں حج مکہ شریف سے ہوگا اور جب کوئی شخص صرف حج کرتا ہے تو اس کا عمرہ مکہ سے ہوگا اور قران افضل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمرہ اور حج کے درمیان فرق رکھنا چاہیے تاکہ دونوں کے لیے دوہری مشقت برداشت کرنا پڑے۔ یہ مشقت چونکہ حج تمتع اور مفرد سے بڑھ کر ہے اس لیے قران ان دونوں سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق جبکہ ایک شخص حج کے مہینوں کے سوا عمرہ ادا کرتا ہے پھر گھر لوٹ جاتا ہے پھر اسی سال حج بھی کرتا ہے چونکہ اس نے حج اور عمرہ کے لیے دو مستقل سفر اختیار کیے اس لیے اس کی افضلیت بڑھ گئی۔ آپ کی اس سے یہ مراد نہیں کہ اس طرح کرنے سے حج تمتع ہوتا ہے کیونکہ حج تمتع کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا عمرہ حج کے مہینوں میں ادا ہو اور عمرہ کے بعد اور حج کرنے سے قبل درمیانی مدت میں واپس گھر نہ لوٹا جائے۔ اگر یہ شرائط نہ پائی گئیں تو حج تمتع نہیں ہوگا۔ اس کی تفصیل اور توضیح مختلف روایات میں موجود ہے۔

محمد اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم في الرجل اذا اهل بالعمرة في غير اشهر الحج ثم اقام حتى يحج اورجع الى اهله ثم حج فليس بمتمتع واذا اهل بالعمرة في اشهر الحج ثم رجع الى اهله ثم حج فليس بمتمتع واذا اعتمر في اشهر الحج ثم اقام حتى يحج فهو متمتع قال محمد وبهذا كله ناخذ وهو قول ابي حنيفة رحمة الله عليه.

(کتاب الآثار مصنفہ امام محمد ص ۶۹ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

امام ابوحنیفہ نے ہمیں جناب حماد سے وہ جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عمرہ کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھا پھر عمرہ کرنے کے بعد وہ مکہ میں مقیم رہا یہاں تک کہ حج کیا یا مقیم نہ رہا بلکہ عمرہ کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کے پاس گھر آ گیا پھر دوبارہ جا کر حج کیا تو ایسا شخص متمتع نہیں ہے اور جب کسی نے عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھا پھر عمرہ کر لینے کے بعد واپس گھر آ گیا پھر حج کیا تو یہ بھی متمتع نہیں اور جب کسی نے حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کیا پھر مکہ شریف میں ہی ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے حج کیا تو یہ شخص متمتع ہے۔ امام محمد کہتے ہیں ان تمام مسائل پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

حدثنا يوسف عن ابيه عن ابي حنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال اذا احرمت بالعمرة في اشهر الحج وانت لست من اهل مكة ثم اقمت

امام ابو یوسف نے اپنے والد سے وہ امام ابوحنیفہ سے وہ حماد سے اور وہ جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ جب تو حج کے مہینوں میں عمرہ کرتا ہے اور تو مکہ میں مستقل رہائش پذیر نہیں پھر تو

حتی یحج فانت متمتع وعلیک مااستیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلثۃایام فی الحج اخرھا یوم عرفۃ وان ھو اھل بالعمرۃ فی اشھر الحج ثم رجع الی اھلہ ثم اھل من عامہ ذالک لحج یکن متمتعا ولم یکن علیہ ھدی قال حدثنا یوسف عن ابیہ عن ابی حنیفۃ عن ابراھیم انہ قال اذا اھل الرجل بالعمرۃ فی غیر اشھر الحج وطاف لھا فی اشھر الحج ثم اقام حتی یحج من عامہ فھو متمتع.
اخرجہ الامام ابو یوسف ایضافی صفحۃ ۱۰۲ من اثارہ.
(التعلیق بالمبسوط مصنف امام محمد ص ۵۳۸ ج ۲ الجمع بین احرامین)

عمرہ کے بعد وہیں مکہ شریف میں ٹھہر جاتا ہے یہاں تک کہ تو حج کرتا ہے تو' تو متمتع ہے اور تجھ پر جو آسانی سے قربانی مل سکے وہ دینا لازمی ہے اور اگر نہ ملے تو پھر حج کے دنوں میں تین روزے رکھنا ہے وہ اس طرح کہ تیسرا روزہ نویں ذی الحجہ کو رکھا جائے گا اور اگر کسی نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا پھر عمرہ کر کے گھر لوٹ آیا پھر اسی سال حج کا احرام باندھ کر حج کر لیا تو یہ شخص متمتع نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر قربانی دینا لازم ہے۔ امام محمد نے کہا کہ ہمیں امام ابو یوسف نے اپنے والد سے وہ امام ابوحنیفہ سے اور وہ جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کسی شخص نے حج کے مہینوں کے سوا عمرہ کا احرام باندھا اور طواف عمرہ اس نے حج کے مہینوں میں کیا پھر عمرہ ادا کر کے مکہ شریف میں ہی ٹھہر گیا حتیٰ کہ اسی سال حج بھی کیا تو یہ بھی متمتع ہے امام ابو یوسف نے یہ روایت اپنے آثار میں ص ۱۰۲ پر بیان فرمائی۔

مذکورہ روایات میں حج تمتع کے لیے وہی دو شرائط ذکر کی گئیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں پہلی یہ کہ حج تمتع کا عمرہ حج کے مہینوں میں ہی ادا کیا جائے خواہ اس کا احرام پہلے ہی باندھ لیا ہو اور دوسری یہ کہ عمرہ کرنے کے بعد گھر واپس نہ لوٹا جائے بلکہ مکہ شریف میں رہ کر اسی سال حج بھی کر لیا جائے۔ حج تمتع کی ان شرائط کے پیش نظر موطا کی زیر بحث حدیث میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب اور واضح ہو جاتا ہے کہ آپ جو صورت بیان فرما رہے ہیں وہ نہ تو حج قران اصطلاحی ہے اور نہ ہی حج تمتع بلکہ دو مختلف سفروں میں عمرہ اور حج ادا کرنا ہے جبکہ حج قران میں عمرہ اور حج کے لیے ایک ہی سفر ہوتا ہے اور حج تمتع کے لیے اصل سفر عمرہ کے لیے تھا، ساتھ ہی اسی سال کا حج بھی کر لیا ثواب چونکہ مشقت کے اعتبار سے ہے اس لیے حضرت عمر بن خطاب کا بتلایا ہوا طریقہ قران سے بھی افضل ہے اور قران بقیہ دو طریقوں (تمتع، مفرد حج) سے افضل ہے کیونکہ قارن احرام باندھتے وقت حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھتا ہے اور یہ احرام یا گھر سے یا کم از کم میقات سے اکٹھا باندھا جاتا ہے۔ عمرہ اور حج کے درمیان احرام کھولا نہیں جاتا لیکن حج تمتع میں احرام صرف عمرہ کا باندھا گیا پھر عمرہ کی ادائیگی کے بعد بغیر احرام مکہ میں رہائش رکھی اور حج کے لیے نئے سرے سے مکہ سے ہی احرام باندھا۔ ان دونوں میں زیادہ مشقت بہر حال قران میں ہے لہٰذا قران، تمتع سے افضل ہے اور حج مفرد کرنے والا جب عمرہ کرتا ہے تو وہ عمرہ مکی ہوتا ہے کیونکہ مکی قران اور تمتع نہیں کرتا لہٰذا حج مفرد سے بھی قران افضل ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حج کی تین اقسام ہیں اور ان میں افضلیت کی ترتیب احناف کے نزدیک اس طرح ہے کہ سب سے افضل قران پھر تمتع اور پھر حج مفرد۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵۵ - بَابُ مَنْ اَهْدٰى هَدْيًا وَّهُوَ مُقِيْمٌ

گھر سے قربانی کا جانور بھیجنے کا بیان

۳۹۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عُمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ زِيَادَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ كَتَبَ اِلٰى

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں عبد اللہ بن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم نے بتایا کہ عبد الرحمٰن کی صاحبزادی عمرہ نے بتایا کہ زیاد بن ابی سفیان نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف لکھ

عَائِشَةَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ اَهْدٰی هَدْیًا حَرُمَ عَلَیْهِ مَایَحْرُمُ عَلَی الْحَاجِّ وَقَدْ بَعَثْتُ بِهَدْیٍ فَاکْتُبِیْ اِلَیَّ بِاَمْرِكِ اَوْمُرِیْ صَاحِبَ الْهَدْیِ قَالَتْ عَمْرَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ لَیْسَ کَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْیِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِیْ ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِهٖ وَبَعَثَ بِهَامَعَ اَبِیْ ثُمَّ لَمْ یَحْرُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَیْئٌ کَانَ اَحَلَّهُ اللّٰهُ حَتّٰی نَحَرَ الْهَدْیَ.

بھیجا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جس نے ہدی بھیج دی تو اس پر ہر وہ چیز حرام ہوگئی جو حج کرنے والے پر ہوتی ہے۔ میں نے بھی ہدی بھیجی ہے لہٰذا آپ اپنا فتویٰ لکھ کر بتا دیں یا کسی کے ہاتھ کہلا بھیجیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسئلہ وہ نہیں جو ابن عباس نے بتایا ہے۔ میں نے حضور ﷺ کی ہدی کے پٹے خود اپنے ہاتھوں سے بٹے تھے پھر حضور ﷺ نے اپنے دست اقدس سے انہیں قربانی کے جانوروں کے گلے میں ڈالا اور میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ انہیں روانہ کر دیا پھر اس کے بعد حضور ﷺ پر کوئی چیز حرام نہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دی تھی یہاں تک ہدی کو ذبح کیا گیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَاِنَّمَا یَحْرُمُ عَلَی الَّذِیْ یَتَوَجَّهُ مَعَ هَدْیِهٖ یُرِیْدُ مَکَّةَ وَقَدْ سَاقَ بُدْنَةً وَقَلَّدَهَا فَهٰذَا یَکُوْنُ مُحْرِمًا حِیْنَ یَتَوَجَّهُ مَعَ بُدْنَتِهِ الْمُقَلَّدَةِ بِمَا اَرَادَ مِنْ حَجٍّ اَوْعُمْرَةٍ فَاَمَّا اِذَا کَانَ مُقِیْمًا فِیْ اَهْلِهٖ لَمْ یَکُنْ مُحْرِمًا وَلَمْ یَحْرُمْ عَلَیْهِ شَیْئٌ حَلَّ لَهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے کہ حرام اس شخص پر ہوتی ہے جو اپنی ہدی کے ساتھ مکہ کا ارادہ کر کے چل پڑے۔ اس نے بدنہ بھی بھیجا ہو اور اسے قلادہ بھی ڈالا ہو تو ایسا کرنے والا تب محرم ہوگا جب وہ اپنی قربانی کے بھیجے جانے والے جانور کے ساتھ جانب مکہ روانہ ہو خواہ اس کا ارادہ حج کا ہو یا عمرہ ادا کرنے کا قصد ہو اور اگر وہ جانور بھیج کر خود اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہے تو وہ محرم نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی اشیاء سے اس پر کوئی چیز حرام نہ ہوگی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

روایت مذکورہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین قربانی کا جانور بھیجنے والے شخص کے محرم ہونے میں اختلاف بیان ہوا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مسئلہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نظریہ کو اپنا مسلک قرار دیا ہے یعنی قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ ڈال کر بھیج دینے والا محرم نہیں ہوتا بلکہ اس وقت محرم شمار ہوگا جب خود بھی جانب مکہ شریف اس جانور کے ساتھ چل پڑے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اسی روایت کے تحت ''بخاری شریف'' کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں یوں لکھتے ہیں۔

روایت مذکورہ سے اس کے امر کا جواز ملتا ہے کہ احرام باندھنے سے قبل قربانی کے جانور کے گلا میں قلادہ ڈالنا اور اشعار کرنا درست ہے۔ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لے لیا وہ میقات پر پہنچ کر اس کے گلے میں قلادہ ڈالے اور یہ بھی ایسے شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ احرام میقات سے باندھے۔ یونہی وہ شخص جس نے بیت اللہ شریف ہدی بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن حج اور عمرہ کا ارادہ نہیں کیا وہ اپنے شہر میں مقیم ہے اس کے لیے بھی جائز ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈالے اور وہیں شہر میں اس کا اشعار کرے پھر روانہ کر دے جیسا کہ حضور ﷺ نے قلادہ ڈال کر قربانی کے جانور کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ اس پر حضور ﷺ نے اپنے اوپر احرام کو

واجب نہیں کیا تھا لہٰذا محرم والی کوئی چیز بھی حرام نہ ہوئی۔ یہی مسلک مفتیان کرام کی جماعت کا ہے۔ امام مالک، ابوحنیفہ، اوزاعی، ثوری، شافعی، احمد اسحاق، ابوثور سب کا یہی مسلک ہے اور ان حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو قبول نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ص ۷۰ ۳باب من اشعر وقلا بذی الحلیفہ ثم احرم کتاب الحج مطبوعہ بیروت)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فتویٰ پر صرف احناف کا ہی عمل نہیں بلکہ ائمہ مجتہدین اور جلیل القدر تابعین کرام کا بھی یہی قول ہے۔ اسی پر سب کا اجماع ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵٦ - بَابُ تَقْلِيْدِ الْبُدْنِ وَاَشْعَارِهَا

قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ ڈالنا اور اونٹ کی کوہان زخمی کرنا

۳۹۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اَهْدٰى هَدْيًا مِّنَ الْمَدِيْنَةِ قَلَّدَهٗ وَاَشْعَرَهٗ بِذِى الْحُلَيْفَةِ يُقَلِّدُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّشْعِرَهٗ وَذٰلِكَ فِىْ مَكَانٍ وَّاحِدٍ وَّهُوَ مُوَجِّهُهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ يُقَلِّدُهٗ بِنَعْلَيْنِ وَيُشْعِرُهٗ مِنْ شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ يُسَاقُ مَعَهٗ حَتّٰى يُوْقَفَ بِهٖ مَعَ النَّاسِ بِعَرَفَةَ ثُمَّ يُدْفَعُ بِهٖ مَعَهُمْ اِذَا دَفَعُوْا فَاِذَا قَدِمَ مِنًى مِنْ غَدَاةِ يَوْمِ النَّحْرِ نَحَرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّحْلِقَ اَوْ يُقَصِّرَ وَكَانَ يَنْحَرُ هَدْيَهٗ بِيَدِهٖ يَصُفُّهُنَّ قِيَامًا وَّيُوَجِّهُهُنَّ اِلَى الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَاْكُلُ وَيُطْعِمُ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ وہ جب مدینہ منورہ سے ہدی (قربانی کا جانور) بھیجنا چاہتے تو اس کے گلے میں پٹہ ذوالحلیفہ میں ڈالتے۔ وہیں اونٹ کی کوہان کو زخم لگاتے پھر اس کا قلادہ ڈالتے اور یہ ایک ہی جگہ کرتے آپ اس وقت جانب کعبہ متوجہ ہوتے' دو نعل کا قلادہ ڈالتے اور اونٹ کی کوہان بائیں جانب سے زخمی کرتے پھر آپ ساتھ ساتھ چل پڑتے یہاں تک کہ تمام لوگوں کے ساتھ میدان عرفات میں آپ بھی وقوف فرماتے پھر لوگوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑتے یہاں تک کہ جب قربانی کے دن یعنی ذی الحج کی دس تاریخ کو منیٰ میں تشریف لاتے تو سر منڈوانے یا (بال) کتروانے سے قبل اسے قربان کر دیتے۔ آپ خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے' ان کی صفیں بناتے اور جانب قبلہ ان کا منہ کرتے پھر ذبح کرنے کے بعد خود کھاتے اور لوگوں کو بھی کھلاتے۔

۳۹۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا وَخَزَ فِىْ سَنَامِ بَدَنَتِهٖ وَهُوَ يُشْعِرُهَا قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے قربانی کے جانور (اونٹ) کی کوہان کو زخمی کرنے کے لیے چیرتے تو بسم اللہ واللہ اکبر پڑھتے۔

۳۹۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُشْعِرُ بُدْنَهٗ فِى الشِّقِّ الْاَيْسَرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صِعَابًا مُّقَرَّنَةً فَاِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْنَهَا اَشْعَرَ مِنَ الشِّقِّ الْاَيْمَنِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُّشْعِرَهَا وَجَّهَهَا اِلَى الْقِبْلَةِ قَالَ فَاِذَا اَشْعَرَهَا قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَكَانَ يُشْعِرُهَا بِيَدِهٖ وَيَنْحَرُهَا بِيَدِهٖ قِيَامًا۔

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے قربانی کے اونٹ کی بائیں طرف زخم لگایا کرتے تھے۔ ہاں اگر وہ انتہائی سخت ہوتی اور ہڈیوں کے ساتھ ملی ہونے کی وجہ سے اسے زخم لگانا دشوار ہو جاتا تو آپ دائیں جانب کوہان میں زخم لگاتے اور جب اشعار کا ارادہ فرماتے تو اونٹ کا منہ قبلہ کی طرف پھیر دیتے پھر جب اشعار شروع کرتے تو بسم اللہ

واللہ اکبر پڑھ لیتے۔آپ اپنے ہاتھ سے اشعار بھی کرتے تھے اور کھڑے اونٹ کوذبح بھی کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ التَّقْلِيْدُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِشْعَارِ وَالْاِشْعَارُ حَسَنٌ وَالْاِشْعَارُ مِنَ الْجَانِبِ الْاَيْسَرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صِعَابًا مُقَرَّنَةً لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَدْخُلَ بَيْنَهُمَا فَلْيُشْعِرْهَا مِنَ الْجَانِبِ الْاَيْسَرِ وَالْاَيْمَنِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ ڈالنا اسے زخمی کرنے سے بہتر ہے اور زخمی کرنا بھی اچھی بات ہے اور اشعار بائیں جانب میں کرنا چاہیے۔ہاں اگر وہ سخت اور ہڈیوں سے ملی ہوئی ہو اور اس میں زخم لگانے کا کوئی طریقہ کارگر نہ ہوتا ہو تو پھر دائیں طرف اور بائیں طرف اشعار کرنا درست ہے۔

اس باب میں اونٹ کو اشعار کرنے کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔احناف کے نزدیک یہ فعل جائز اور مباح ہے یعنی اسے سنت نہیں سمجھتے۔اشعار کرنے کے بارے میں احادیث مبارکہ میں اختیار دیا گیا ہے کہ کرلو تب بھی اور نہ کرو تب بھی دونوں طرح کا اختیار ہے۔

عن ليس عن عطاء وطاؤس ومجاهد قالوا اشعر الهدى ان شئت وان شئت فلا تشعر. عن عائشة رضى الله عنها انها ارسل اليها اتشعر يعنى البدنة فقالت ان شئت انما تشعر لتعلم انه بدنة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۶۱ حصہ اول فی الاشعار واجب اولا دائرۃ القران کراچی)

جناب لیس رحمۃ اللہ علیہ حضرت عطاء طاؤس اور مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ ان سب نے فرمایا: تمہاری مرضی ہے اگر چاہتے ہو تو اشعار کرلو اور اگر چاہتے ہو تو نہ کرو۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیجا گیا تا کہ دریافت کرے کہ کیا آپ بدنہ کا اشعار کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے تو اشعار کرلے۔اشعار اس لیے ہے تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ اونٹ قربانی کے لیے ہے۔

غلط فہمی پر مبنی اعتراض

جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اشعار سنت نہیں بلکہ کرلے تو مباح ہے اور نہ بھی کرے تو کوئی گناہ نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف کرنا ذکر نہیں فرمایا جس سے صاف ظاہر کہ اشعار کی اباحت ان کے نزدیک بھی مسلم ہے کیونکہ اگر وہ اسے ناجائز فرماتے تو امام محمد اس کی صراحت کر دیتے جیسا کہ ان کا طریقہ ہے لیکن ابن حزم نے ''المحلی'' ج ۷ ص ۱۱۱۔۱۱۲ پر امام اعظم رضی اللہ عنہ پر نہایت رکیک حملہ کیا اور ان کا مسلک اشعار کے بارے میں یہ سمجھ کر اعتراض کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اشعار ایک طرح کا مثلہ ہے اور مثلہ بہرحال ممنوع ہے۔ابن حزم کی عبارت کا کچھ ترجمہ اس طرح ہے۔

دو قیامتوں میں سے سب سے بڑی قیامت یہ ہے کہ جس کام کو حضور ﷺ نے بنفس نفیس کیا ہو اسے مثلہ کہا جائے۔ہر اس عقل پر افسوس ہے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کا تعاقب کرتی ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ کی تقلید میں مبتلا کر دیا ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

ابن حزم کی اس خیالی تصویر اور بلا تحقیق بات پر حاشیہ آرائی کا علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بخاری شریف'' کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں یوں جواب دیا۔

قلت هذا سفاهة وقلة حياء لان الطحاوى

میں کہتا ہوں کہ ابن حزم کا قول نری بے وقوفی اور حیا کی کمی کا

الذی ھو اعلم الناس بمذاھب الفقھاء ولا سیما بمذھب ابی حنیفة لم یکرہ اصل الاشعار ولا کونه سنته وانما کرہ ما یفعل علی وجه یخاف منه ھلاکھا لسرایة الجرح لا سیما فی احد الحجازمع الطعن بالسنان او الشفرة فاراد سد الباب علی العامة لانھم لایراؤن الحدفی ذالک واما من وقف علی الحدفقطع الجلددون اللحم فلا یکرھه.

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۳۵-۳۶ من ساق البدن معه)

آئینہ دار ہے کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہیں جو تمام فقہاء کرام کے مذاہب کو عموماً اور بالخصوص امام ابوحنیفہ کے مذہب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ انہوں نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہا اور نہ ہی اس کی سنیت کا قول کہا ہے۔ ہاں یہ بات ناپسندیدہ کہی ہے کہ جو لوگ اشعار اس بے دردی سے کرتے ہیں کہ جس سے جانور کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو جائے اور زخم بہت گہرا لگائیں۔ خاص کر نیزہ یا چھری وغیرہ سے غیر محتاط طریقہ سے زخم لگانا۔ تو آپ (امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے) عام لوگوں کے اس غیر محتاط فعل کے سد باب کے لیے ایسا قول کیا ہے کیونکہ وہ اس بارے میں زیادتی کے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن وہ شخص جو زخم لگانے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ صرف کھال کاٹے اور گوشت تک زخم نہ پہنچائے تو اس کی کراہت نہیں کہی۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ صفحہ پر مزید لکھا کہ امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اشعار کو مستحسن فرماتے تھے اور یہ روایت دوسری روایات کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔ نیز لکھا کہ جو شخص اشعار کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تعاقب کرتا ہے بلکہ جس نے بھی امام صاحب کے مسلک کو بیان کرنے کا ارادہ کیا تو ان تمام معترضین نے حد اعتدال کی بجائے تعصب کو اپنایا۔ اس طرح انہوں نے جلیل القدر امام کے بارے میں دوراز کار باتیں کہیں جو انہیں کرنا زیب نہیں دیتی ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مقولہ ہے کہ:

''لا اتبع الرای والقیاس الا اذا لم اظفر بشیء من الکتاب والسنة والصحابة رضی الله عنھم. یعنی میں جب تک کسی مسئلہ کو کتاب اللہ، سنت مصطفیٰ اور حضرات صحابہ کرام سے نہیں پالیتا ہوں۔ قیاس اور رائے کو دخل نہیں دیتا'' اور دوسری جگہ حدیث میں آیا ہے اور زیر نظر مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے ہدی والے اشعار کرنے اور نہ کرنے میں اختیار عطا فرمایا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں جلیل القدر حضرات اشعار کو نہ تو سنت قرار دیتے تھے اور نہ ہی مستحب۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قربانی کے جانور (اونٹ) کے اشعار کے بارے میں مخالفین نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرضی نظریہ پر جو لے دے کی ہے وہ بالکل بے محل اور حقائق سے دور ہے۔ آپ صرف اناڑی اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا راستہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس قسم کی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور آپ کے مقلدین و معتقدین کو بغاوت پر ابھارنا درست قرار دیا جائے تو کیا ان لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اشعار میں حد سے تجاوز کرنے والوں نے اشعار کی آڑ میں جو ایک جاندار کو تکلیف دی اور اس بے زبان پر ظلم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی بلکہ حضور ﷺ کے عمل شریف کو اس زیادتی کے جواز کی دلیل بنایا وہ اس ظلم کی کہیں حوصلہ افزائی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ بہرحال امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صحیح روایت وہی ہے جو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی وہ یہ کہ اشعار جائز ہے جبکہ اس کی حد میں رہتے ہوئے اسے کیا جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵۷- بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ قَبْلَ اَنْ يَحْرُمَ

احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگانے کا بیان

۳۹۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَجَدَ رِيْحَ طِيْبٍ وَهُوَ بِالشَّجَرَةِ فَقَالَ مِمَّنْ رِيْحُ هٰذَا الطِّيْبِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ مِنِّيْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مِنْكَ لَعَمْرِيْ قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ طَيَّبَتْنِيْ قَالَ عَزَمْتُ عَلَيْكَ لَتَرْجِعَنَّ فَلْتَغْسِلَنَّهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں اسلم مولیٰ عمر بن خطاب سے جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مقام شجرہ میں خوشبو محسوس ہوئی تو پوچھا۔ یہ خوشبو کس نے لگائی ہے؟ حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ مجھ سے آ رہی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقعی تم سے آ رہی ہے؟ کہا اے امیر المؤمنین! حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ خوشبو لگائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ اور اسے دھو ڈالو۔

۳۹۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا الصَّلْتُ بْنُ زُبَيْدٍ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِّنْ اَهْلِهٖ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَدَ رِيْحَ طِيْبٍ وَهُوَ بِالشَّجَرَةِ وَاِلٰى جَنْبِهٖ كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ فَقَالَ مِمَّنْ رِيْحُ هٰذَا الطِّيْبِ قَالَ كَثِيْرٌ مِّنِّيْ لَبَّدْتُ رَأْسِيْ وَاَرَدْتُّ اَنْ لَّا اَحْلِقَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاذْهَبْ اِلٰى شَرَبَةٍ فَادْلُكْ مِنْهَا رَأْسَكَ حَتّٰى تُنَقِّيَهٗ فَفَعَلَ كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں صلت بن زبید نے بتایا کہ انہوں نے اپنے بہت سے رشتہ داروں سے بتایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقام شجرہ میں کسی سے خوشبو محسوس کی۔ اس وقت ان کے پہلو میں کثیر بن صلت موجود تھے۔ آپ نے پوچھا: یہ خوشبو کس سے آ رہی ہے؟ کثیر نے عرض کیا: مجھ سے آ رہی ہے۔ میں نے اپنے سر کے بالوں کو باہم چپکایا تھا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ میں سر نہیں منڈ واؤں گا۔ حضرت عمر نے فرمایا: مقام شربہ پر جاؤ اور سر کے بال مل کر دھو ڈالو یہاں تک کہ وہ خوب صاف ہو جائیں تو جناب کثیر بن صلت نے اس پر عمل کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا اَرٰى اَنْ يَّتَطَيَّبَ الْمُحْرِمُ حِيْنَ يُرِيْدُ الْاِحْرَامَ اِلَّا اَنْ يَّتَطَيَّبَ ثُمَّ يَغْتَسِلُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاَمَّا اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ كَانَ لَا يَرٰى بِهٖ بَأْسًا.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارا عمل یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت اگر محرم خوشبو لگا لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس خوشبو کو بعد میں دھو لینا چاہیے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احرام کے وقت خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مذکورہ دو عدد آثار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے احرام سے قبل خوشبو لگانے سے منع فرمایا اور پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں لکھا کہ میرا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ احرام سے قبل خوشبو لگانے کو جائز کہتے ہیں۔ فتویٰ بہرحال امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر ہی ہے اور اس کی تائید میں بہت سی صحاح کی احادیث موجود ہیں۔ امام مسلم نے تو ایک مستقل باب باندھا ہے۔ "باب استحباب الطيب قبيل الاحرام" اس باب کے تحت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی احادیث ذکر فرمائیں۔

حدثنا محمد بن رافع حدثنا ابن ابی فدیک رضی الله عنه اخبرنا ضحاک عن ابی الرجال عن

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو احرام باندھتے وقت اور طواف افاضہ سے

امہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت طیبت رسول اللہ ﷺ لحرمہ حین احرم ولحلہ قبل ان یفیض باطیب ماوجدت. عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کانی انظر الی وبیض الطیب فی مفرق رسول اللہ ﷺ وھو محرم ولم یقل خلف وھو محرم ولکنہ قال وذالک طیب احرامہ.

(صحیح مسلم ج ا ص ۳۷۸ استحباب الطیب قبیل الاحرام مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

قبل احرام کھولتے وقت ایسی خوشبو لگائی جو مجھے سب سے بہتر ملی۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گویا اب بھی حضور ﷺ کے احرام باندھ لینے کے بعد آپ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔ راوی خلف نے "وھو محرم" کے لفظ نہیں کہے لیکن یہ کہا ہے کہ یہ خوشبو آپ کے احرام کی خوشبو تھی۔

اعتراض

بعض لوگوں نے مذکورہ روایات کے بارے میں دوطرح کی تاویل کی ہے۔ ایک یہ کہ آپ کا خوشبو استعمال فرمانا (احرام سے قبل) احرام کے لیے نہ تھا بلکہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لیے تھا یعنی اپنی ازواج مطہرات کی خوش طبعی مقصود تھی نہ کہ احرام احرام پیش نظر تھا۔ دوسری تاویل یہ کہ مذکورہ خوشبو برائے نام تھی جو لگانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ختم ہوگئی یعنی احرام باندھنے سے قبل لگائی لیکن وہ ناقص خوشبو ہونے کی وجہ سے احرام باندھنے کے بعد بالکل زائل ہوگئی لہٰذا ان روایات سے ہر محرم کے لیے خوشبو استعمال کرکے احرام باندھنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو صرف برائے نام کی خوشبو استعمال کرنے کا حالانکہ امام ابوحنیفہ وغیرہ ہر احرام باندھنے والے کے لیے احرام سے قبل بہترین خوشبو لگانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ایسی کہ جس کا اثر کافی عرصہ موجود رہتا ہو۔

جواب: ان دونوں باتوں کا جواب مذکورہ روایت میں ہی موجود ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "طیبت رسول اللہ ﷺ لحرمہ حین احرم. میں نے حضور ﷺ کو احرام باندھتے کے وقت احرام کے لیے خوشبو لگائی"۔ اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خوشبو لگانا ازواج مطہرات کی خوش طبعی کے لیے نہیں بلکہ احرام کی خاطر تھا۔ دوسری بات کا جواب "کانی انظر الی وبیض الطیب فی مفرق رسول اللہ ﷺ وھو محرم" میں ہے یعنی سیدہ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے سرانور میں لگی خوشبو کی چمک اس وقت بھی دیکھتی تھی کہ جب آپ احرام میں ہوتے۔ گویا وہ خوشبو تادیر رہنے والی تھی۔ مزید فرماتی ہیں کہ میں آپ کو وہ خوشبو لگاتی جو اچھی سے اچھی مجھے ملتی۔ کیا ایک آدھ منٹ رہنے والی خوشبو "بہترین خوشبو" کہلاتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک و مذہب احادیث اور روایات کے بالکل مطابق ہے۔ "مسلم شریف" میں اسی مضمون کی احادیث کے تحت امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں۔

فیہ دلالۃ علی استحباب الطیب عند ارادۃ الاحرام وانہ لاباس باستدامۃ بعد الاحرام وانما یحرم ابتداء ہ فی الاحرام وھذا مذھبنا وبہ قال خلائق من الصحابۃ والتابعین وجماھیر المحدثین والفقھاء منھم سعد بن ابی وقاص وابن عباس، وابن الزبیر ومعاویۃ وعائشۃ وام حبیبۃ وابو حنیفۃ وثوری وابو یوسف واحمد وداؤد وغیرھم رضی

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ احرام باندھنے کا ارادہ کرتے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے اور یہ بھی کہ یہ خوشبو احرام باندھنے کے بعد اگر تادیر رہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں ممنوع وہ خوشبو لگانا ہے جو احرام باندھ لینے کے بعد لگائی جائے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرات صحابہ کرام و تابعین کا قول ہے اور جمہور محدثین و فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں جن میں چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عباس، حضرت ابن

اللہ تعالی عنہم اجمعین۔
(نووی مع صحیح مسلم ج ا ص ۳۷۸ باب استحباب قبیل الاحرام)

زبیر، حضرت معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت ثوری، حضرت ابویوسف، حضرت امام احمد اور حضرت داؤد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری'' ج ۹ ص ۱۰۸ پر اسی موضوع کے تحت بہت سی روایات ذکر فرمائیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں جناب عائشہ بنت طلحہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم احرام باندھنے سے قبل اپنے اپنے چہروں پر خوشبو ملتی تھیں پھر احرام باندھ لیتیں پھر پسینہ آتا اور وہ ہمارے چہروں سے ٹپکتا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہرگز منع نہ کیا حالانکہ آپ ہمارے ساتھ تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتے (اور احرام باندھنے سے قبل) اپنے چہروں پر خوشبو لگاتے۔ بعد میں پسینہ کے قطرے ہمارے چہروں سے ٹپکتے۔ (جس سے خوشبو پھیلتی) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں منع نہ فرماتے۔ ان احادیث وروایات سے بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اس لیے آپ کا مسلک بالکل احادیث کے موافق اور مطابق ہے اور احرام باندھنے والے کے لیے احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگانا اور وہ بھی احرام کے لیے اور وہ بھی تادیر رہنے والی، یہ جائز اور مستحب ہے اور حضرات صحابہ کرام، تابعین اور محدثین وفقہاء عظام کا یہی قول ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵۸ - بَابُ مَنْ سَاقَ هَدْيًا فَعَطِبَ فِي الطَّرِيْقِ اَوْ نَذَرَ بُدْنَةً

ہدی کا دورانِ سفر ہلاک ہو جانا یا چلنے سے عاجز آجانا اور بدنہ کی نذر ماننے کا بیان

۳۹۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ سَاقَ بُدْنَةً تَطَوُّعًا ثُمَّ عَطِبَتْ فَنَحَرَهَا فَلْيَجْعَلْ قَلَادَتَهَا وَنَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ يَتْرُكْهَا لِلنَّاسِ يَاْكُلُوْنَهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ فَاِنْ هُوَ اَكَلَ مِنْهَا اَوْ اَمَرَ بِاَكْلِهَا فَعَلَيْهِ الْغُرْمُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں سعید بن مسیب سے ابن شہاب نے بتایا کہ وہ کہا کرتے تھے جس نے نفلی بدنہ جانب مکہ روانہ کیا پھر وہ چلنے سے عاجز آ گیا اور ذبح کر دیا تو چاہیے کہ اس کی گلے کی نشانی (قلادہ) اور اس کے کھروں کو اس کے خون سے رنگ دے پھر لوگوں کے کھانے کے لیے اسے چھوڑ دے اور اس پر کوئی جرمانہ وغیرہ نہیں اور اگر اس نے اس میں سے کچھ گوشت کھا لیا یا کسی کو کھانے کا حکم دیا تو اس پر فدیہ لازم ہوگا۔

۳۹۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ صَاحِبَ هَدْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهٗ كَيْفَ نَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْحَرْهَا وَاَلْقِ قَلَادَتَهَا اَوْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا وَخَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا يَاْكُلُوْنَهَا.

امام مالک نے ہمیں ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے خبر دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی لے جانے والے نے آپ سے پوچھا کہ اگر ہدی راستہ میں ہلاک ہونے کے قریب پہنچ جائے تو اس کا کیا کیا جائے؟ تو اس کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ذبح کر دے اور اس کا قلادہ یا اس کا کھر اس کے خون سے آلودہ کر اور اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دے کہ وہ کھالیں۔

۳۹۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ كُنْتُ اَرَى ابْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُهْدِيْ فِي الْحَجِّ

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے خبر دی کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حج کی ہدی کے لیے

اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔
(نووی مع صحیح مسلم ج ا ص ۳۷۸ باب استحباب قبیل الاحرام)

زبیر، حضرت معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت ثوری، حضرت ابو یوسف، حضرت امام احمد اور حضرت داؤد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری'' ج ۹ ص ۱۰۸ پر اسی موضوع کے تحت بہت سی روایات ذکر فرمائیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں جناب عائشہ بنت طلحہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم احرام باندھنے سے قبل اپنے اپنے چہروں پر خوشبو ملتی تھیں پھر احرام باندھ لیتیں پھر پسینہ آتا اور وہ ہمارے چہروں سے ٹپکتا تھا لیکن حضور ﷺ نے ہمیں ہرگز منع نہ کیا حالانکہ آپ ہمارے ساتھ تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جاتے (اور احرام باندھنے سے قبل) اپنے چہروں پر خوشبو لگاتے۔ بعد میں پسینہ کے قطرے ہمارے چہروں سے ٹپکتے۔ (جس سے خوشبو پھیلتی) لیکن حضور ﷺ ہمیں منع نہ فرماتے۔ ان احادیث و روایات سے بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اس لیے آپ کا مسلک بالکل احادیث کے موافق اور مطابق ہے اور احرام باندھنے والے کے لیے احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگانا اور وہ بھی احرام کے لیے اور وہ بھی تادیر رہنے والی، یہ جائز اور مستحب ہے اور حضرات صحابہ کرام، تابعین اور محدثین و فقہاء عظام کا یہی قول ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۵۸ - بَابُ مَنْ سَاقَ هَدْيًا فَعَطِبَ فِي الطَّرِيْقِ اَوْ نَذَرَ بُدْنَةً

ہدی کا دورانِ سفر ہلاک ہو جانا یا چلنے سے عاجز آجانا اور بدنہ کی نذر ماننے کا بیان

۳۹۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ سَاقَ بُدْنَةً تَطَوُّعًا ثُمَّ عَطِبَتْ فَنَحَرَهَا فَلْيَجْعَلْ قَلَادَتَهَا وَنَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ يَتْرُكُهَا لِلنَّاسِ يَاْكُلُوْنَهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ فَاِنْ هُوَ اَكَلَ مِنْهَا اَوْ اَمَرَ بِاَكْلِهَا فَعَلَيْهِ الْغُرْمُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں سعید بن مسیب سے ابن شہاب نے بتایا کہ وہ کہا کرتے تھے جس نے نفلی بدنہ جانب مکہ روانہ کیا پھر وہ چلنے سے عاجز آ گیا اور ذبح کر دیا تو چاہیے کہ اس کی گلے کی نشانی (قلادہ) اور اس کے کھروں کو اس کے خون سے رنگ دے پھر لوگوں کے کھانے کے لیے اسے چھوڑ دے اور اس پر کوئی جرمانہ وغیرہ نہیں اور اگر اس نے اس میں سے کچھ گوشت کھا لیا یا کسی کو کھانے کا حکم دیا تو اس پر فدیہ لازم ہوگا۔

۳۹۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ صَاحِبَ هَدْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ كَيْفَ نَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْحَرْهَا وَاَلْقِ قَلَادَتَهَا اَوْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا وَخَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا يَاْكُلُوْنَهَا.

امام مالک نے ہمیں ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے خبر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ہدی لے جانے والے نے آپ سے پوچھا کہ اگر ہدی راستہ میں ہلاک ہونے کے قریب پہنچ جائے تو اس کا کیا کیا جائے؟ تو اس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اسے ذبح کر دے اور اس کا قلادہ یا اس کا کھر اس کے خون سے آلودہ کر اور اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دے کہ وہ کھالیں۔

۳۹۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ كُنْتُ اَرَى ابْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُهْدِيْ فِي الْحَجِّ

امام مالک نے ہمیں عبداللہ بن دینار سے خبر دی کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حج کی ہدی کے لیے

بُدْنَتَيْنِ بُدْنَتَيْنِ وَفِي الْعُمْرَةِ بَدَنَةً بَدَنَةً قَالَ وَرَاَيْتُهُ فِي الْعُمْرَةِ يَنْحَرُ بُدْنَتَهُ وَهِيَ قَائِمَةٌ فِي حَرْفِ دَارِ خَالِدِ بْنِ اَسِيْدٍ وَكَانَ فِيْهَا مَنْزِلُهُ وَقَالَ لَقَدْ رَاَيْتُهُ طَعَنَ فِي لَبَّةِ بُدْنَتِهِ حَتّٰى خَرَجَتْ سِنَّةُ الْحَرْبَةِ عَنْ تَحْتِ كَتِفِهَا.

دو اونٹ اور عمرہ کے لیے ایک اونٹ بھیجا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے عمرہ کی ہدی کو ذبح کیا جب کہ وہ حضرت خالد بن اسید کے گھر کے پاس ایک طرف کھڑی تھی۔ آپ کا یہاں پڑاؤ تھا۔ راوی نے مزید کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے اس اونٹ کی گردن میں اس قدر بھرپور طریقہ سے نیزہ مارا کہ اس کا پھل ہدی کے بازو سے دوسری طرف جا نکلا۔

۴۰۰۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَبُوْ جَعْفَرٍ الْقَارِيُّ اَنَّهُ رَاٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ اَبِيْ رَبِيْعَةَ اَهْدٰى عَامًا بُدْنَتَيْنِ اِحْدٰهُمَا بَخْتِيَّةٌ.

امام مالک نے ہمیں ابو جعفر قاری سے خبر دی کہ انہوں نے عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ کو ایک سال دو اونٹ قربانی کے لیے دیئے۔ ان میں سے ایک بختی تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ كُلُّ هَدْيٍ تَطَوُّعٍ عَطِبَ فِي الطَّرِيْقِ صُنِعَ كَمَا صَنَعَ وَخُلِّيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ يَاْكُلُوْنَهُ وَلَا يُعْجِبُنَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهُ اِلَّا مَنْ كَانَ مُحْتَاجًا اِلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ عمل ہے کہ ہر وہ ہدی جو نفلی ہو اور راستہ میں وہ قریب الہلاک ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا جائے جو بیان کیا گیا اور اس کو لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دے۔ ہمیں یہ عجیب سا لگتا ہے کہ اس میں سے خود بھی کھائے۔ ہاں وہ شخص جو بہت ضرورت مند ہو وہ کھا سکتا ہے۔

دورانِ سفر جو قربانی کا جانور کسی وجہ سے چلنے سے معذور ہو جائے اور اس کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو تو اس کو ذبح کر دینا چاہیے اور اس کا گوشت مساکین کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ واجب ہے قربانی دینے والے اور اس کے ساتھیوں کا اس میں سے خود کھانا حرام ہے۔ موطا کی روایت کی طرح امام مسلم نے بھی اسی مضمون کی روایت ذکر کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت ذویب ابوقبیصہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی ہدی میرے ساتھ بھیج دیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر راستہ میں یہ ہلاک ہو جانے کے قریب ہو جائے تو پھر میں اس کا کیا کروں؟ فرمایا: اسے ذبح کر دینا اور اس کے گلے میں پڑی ہوئی نعل (قلادہ) اس کے خون سے آلودہ کر کے اس کی کوہان پر لگا دینا اور تم اور تمہارے ساتھی ہرگز اس کا گوشت نہ کھانا۔ ان روایات کے پیش نظر احناف کا مسلک یہی ہے کہ راستہ میں تھک ہار جانے والے قربانی کے جانور کو ذبح کر دیا جائے گا اور علامت کے طور پر اس کے قلادہ کو خون آلودہ کر دیا جائے گا تاکہ کوئی غنی اسے نہ کھائے بلکہ وہ صرف فقرا کے لیے ہے کیونکہ امیر و غریب دونوں کے لیے اس قربانی (ہدی) کا گوشت کھانا جائز ہے۔ جو حدود حرم میں پہنچ کر ذبح کی گئی ہو۔ یہ قربانی چونکہ راستہ میں ذبح کرنا پڑی اس لیے نشانی لگائی جائے گی تاکہ اس علاقہ کے مساکین اسے قربانی کا جانور سمجھ کر کھالیں۔ یہ حکم نفلی ہدی کا ہے۔ اگر ہدی کا جانور واجب تھا اور پھر اس کی ہلاکت کے پیش نظر راستہ میں اسے ذبح کر دیا گیا تو اب اس کے عوض میں چونکہ قربانی دینا پڑے گی لہٰذا ذبح شدہ قربانی کا جانور مالک کی ملک میں رہے گا جسے وہ خود بھی کھا سکتا ہے اور اس کے ساتھی بھی کھا سکتے ہیں اس میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے اور نفلی میں ذبح شدہ جانور کی جگہ دوسرا ذبح کرنا کوئی لازم و واجب نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ مسئلہ مذکورہ میں امام ابوحنیفہ، امام مالک۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم متفق ہیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی ہدی جو کہ راستہ میں حرم کی حدود سے قبل ہی ذبح کر دی گئی اسے مالک سمیت سبھی کھا سکتے ہیں اور اگر ہدی واجب تھی تو اس کا خود کھانا اور ساتھیوں کو کھلانا جائز نہیں گویا دیگر ائمہ کے بالکل عکس ہے۔

۴۰۱۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ الْهَدْيُ مَاقُلِّدَ اَوْ اُشْعِرَ اَوْ وُقِفَ بِهٖ بِعَرَفَةَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ ہدی وہ ہے جس کے گلے میں قلادہ ڈالا گیا ہو یا اشعار کیا گیا ہو اور اسے عرفات میں کھڑا کیا گیا ہو۔

۴۰۲۔ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ نَذَرَ بُدْنَةً فَاِنَّهٗ يُقَلِّدُهَا نَعْلًا وَيُشْعِرُهَا ثُمَّ يَسُوْقُهَا فَيَنْحَرُهَا عِنْدَ الْبَيْتِ اَوْ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لَيْسَ لَهٗ مَحِلٌّ دُوْنَ ذٰلِكَ وَمَنْ نَذَرَ جَزُوْرًا مِنَ الْاِبِلِ اَوِ الْبَقَرِ فَاِنَّهٗ يَنْحَرُهَا حَيْثُ شَاءَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جناب نافع نے بتایا کہ انہوں نے فرمایا جس نے بدنہ کی نذر مانی تو اسے اس کو قلادہ ڈالنا چاہیے اور اس کا اشعار کرنا چاہیے پھر اسے جانب مکہ روانہ کر دے پھر اسے بیت اللہ شریف کے نزدیک ذبح کرے یا قربانی کے دن منیٰ میں ذبح کرے۔ اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہے اور جس نے اونٹ یا گائے کی نذر مانی وہ جہاں چاہے ذبح کر سکتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هُوَ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَقَدْ جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَنْ غَيْرِهٖ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَنَّهُمْ رَخَّصُوْا فِيْ نَحْرِ الْبُدْنَةِ حَيْثُ شَاءَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَلْهَدْيُ بِمَكَّةَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ وَلَمْ يَقُلْ ذٰلِكَ فِي الْبُدْنَةِ فَالْبُدْنَةُ حَيْثُ شَاءَ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ الْحَرَمَ فَلَا يَنْحَرُهَا اِلَّا فِيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ وَمَالِكِ بْنِ اَنَسٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ.

امام محمد کہتے ہیں کہ مذکورہ قول جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حضور ﷺ سے اور آپ کے صحابہ کرام سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے بدنہ کی قربانی جہاں چاہے ہر جگہ کرنے کی رخصت عطا فرمائی ہے اور بعض کا قول ہے کہ ہدی بہر حال مکہ میں ذبح ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھدیا بالغ الکعبة اور بدنہ میں یہ نہیں فرمایا۔ لہٰذا بدنہ کو جہاں چاہے ذبح کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اس نے حرم میں ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو پھر اسے حرم میں ہی ذبح کرنا چاہیے اور یہی قول امام ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی، مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔

روایت مذکورہ میں قربانی کے جانور کے مختلف نام آئے ہیں۔ بدنہ، ہدی، جزور، عربی لوگ اپنے ہاں "بدنہ" کا استعمال اونٹ یا گائے پر بولتے ہیں۔ جب کوئی شخص اس کی نذر مانتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ حرم میں ذبح کرنے کی نیت کرے اور دوسرا یہ کہ خاص حرم میں ذبح کرنے کی نیت نہیں کی بلکہ جہاں چاہے وہاں کر لینے کی نیت کی۔ اگر دوسری صورت ہو تو امام ابو حنیفہ، امام مالک بن انس اور امام نخعی فرماتے ہیں کہ اس جانور کو نذر ماننے والا جہاں چاہے ذبح کرے۔ جائز ہے اور صورت اولیٰ میں نیت کے مطابق حرم میں ذبح کرنا واجب ہے اور اگر کسی نے لفظ "جزور" کے ساتھ نذر مانی تو اس پر ہدی کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ بخلاف بدنہ کے کہ اگر اس میں حرم کے اندر ذبح کرنے کی نیت کی گئی تو اسے ہدی کہیں گے لہٰذا لفظ جزور بولنے کے بعد اس کے لیے حرم کی قید نہیں ہو گی بلکہ یہ لفظ غیر ہدی کے لیے مخصوص ہے اور اگر کوئی شخص نذر مانتے وقت لفظ "ہدی" کہتا ہے تو اس کے لیے بقول بعض مکہ مخصوص ہے اس بارے میں امام محمد کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں "ھدیا بالغ الکعبة" کے الفاظ ہیں لیکن ان کا مطلب یہ نہیں کہ کعبہ شریف کو جائے ذبح کے طور پر مختص کیا جائے اور نہ ہی کسی نے اس سے مراد لی ہے کہ ہدی کو خانہ کعبہ کے اندر ہی ذبح کرنا ضروری ہے بلکہ وہ بھی اس سے مراد مکہ شریف ہی لیتے ہیں۔ اس لیے امام محمد فرماتے ہیں کہ کعبہ بول کر مراد مکہ شریف لیا جائے اس سے بہتر ہے کہ اس سے مراد حرم لیا جائے یعنی جہاں تک حرم کی حد ہے اس میں کہیں بھی ہدی کو ذبح کرنا درست ہے۔ اس بارے میں موطا امام مالک کے الفاظ

ملاحظہ ہوں۔

انه بلغه ان رسول الله ﷺ قال لمنی هذا المنحر وكل منى منحر وقال فی العمرة هذا المنحر يعنى المروة وكل فجاج مكة وطرقها منحر.

(موطا امام مالک ص۳۱۶ ماجاء فی النحر فی الحج مطبوعہ میر محمد کراچی)

(امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) حدیث مرفوع بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: منیٰ قربان گاہ ہے اور تمام منیٰ قربان گاہ ہے اور عمرہ میں آپ نے فرمایا: یہ یعنی مروہ قربان گاہ ہے اور مکہ شریف کی تمام گلیاں اور شاہراہیں یہ بھی قربانی کرنے کے مقامات ہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ اور صفا مروہ اور مکہ بھی حدود حرم میں شامل ہونے کی وجہ سے قربان گاہ ہیں'' خلاصہ'' یہ ہے کہ عرب کے استعمال میں لفظ'' جزور'' کے لیے حرم شرط نہیں۔ لفظ ہدی کے لیے حرم شرط ہے اور لفظ بدنہ میں دارومدار نیت پر ہے۔ اگر حرم کی نیت ہو تو اس کی حدود کے ساتھ خاص ورنہ ہر جگہ ذبح کرنا جائز ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نذر ماننے کی صورت میں قربانی کے مقامات کا ذکر فرمایا۔ جس سے باب کے ساتھ ان کا تعلق ہوگیا ہے۔

۴۰۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ عُبَیْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیُّ اَنَّهٗ سَاَلَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ عَنْ بُدْنَةٍ جَعَلَتْهَا اِمْرَاَتُهٗ عَلَیْهَا قَالَ فَقَالَ سَعِیْدٌ الْبُدْنُ مِنَ الْاِبِلِ وَمَحِلُّ الْبُدْنِ الْبَیْتُ الْعَتِیْقُ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ سَمَّتْ مَكَانًا مِّنَ الْاَرْضِ فَلْتَنْحَرْهَا حَیْثُ سَمَّتْ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ بُدْنَةً فَبَقَرَةٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ بَقَرَةٌ فَعَشْرٌ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ سَاَلْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ غَیْرَ اَنَّهٗ قَالَ اِنْ لَّمْ تَجِدْ بَقَرَةً فَسَبْعٌ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ جِئْتُ خَارِجَةَ ابْنَ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ سَالِمٌ قَالَ ثُمَّ جِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے عمرو بن عبید اللہ انصاری نے بتایا کہ انہوں نے حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ سے بدنہ کے بارے میں پوچھا جس کی ان کی بیوی نے نذر مانی تھی۔ فرمایا کہ بدنہ اونٹ سے ہوتا ہے اور اس کی قربان گاہ خانہ کعبہ ہے۔ ہاں اگر صاحب بدنہ نے کسی مخصوص مقام کا ارادہ کیا ہو تو پھر اسے اسی جگہ ذبح کرنا چاہیے اور اگر اونٹ نہ ملے تو گائے اور اگر گائے بھی میسر نہ آئے تو دس بکریاں ہوں گی۔ راوی نے کہا پھر میں نے یہی مسئلہ حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی وہی کہا جو حضرت سعید بن میسب نے کہا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ انہوں نے گائے نہ ملنے کی صورت میں دس کی بجائے سات بکریوں کا ذکر کیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد حضرت خارجہ بن زید بن ثابت کے پاس آیا اور ان سے بھی یہی سوال پوچھا تو انہوں نے وہی جواب عطا فرمایا جو حضرت سالم بن عبد اللہ نے دیا تھا پھر میں حضرت عبد اللہ بن محمد بن علی کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی حضرت سالم بن عبد اللہ کا ہی جواب دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْبُدْنُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَلَهَا اَنْ تَنْحَرَهَا حَیْثُ شَاءَتْ اِلَّا اَنْ تَنْوِیَ الْحَرَمَ فَلَا تَنْحَرُهَا اِلَّا فِی الْحَرَمِ وَیَكُوْنُ هَدْیًا وَالْبَدَنَةُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ تُجْزِیْ عَنْ سَبْعَةٍ وَلَا تُجْزِیْ عَنْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ

امام محمد کہتے ہیں کہ بدنہ اونٹ اور گائے سے ہوتا ہے اور اس کو جہاں چاہے ذبح کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر حرم کی نیت کی ہو تو پھر صرف حدود حرم میں ہی ذبح کرنا جائز ہوگا اور یہ ہدی ہوگا اور اونٹ گائے کے بدنہ میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہے۔ اس سے زائد کی شرکت جائز نہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور

فُقَهَائِنَا. ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

روایت مذکورہ کے مضمون کی تشریح گزر چکی ہے۔ صرف ایک مسئلہ قابل تشریح ہے وہ یہ کہ کیا ایک اونٹ یا گائے میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں؟ حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کے بقول دس آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ یا گائے ذبح کی جاسکتی ہے لیکن حضرت سالم بن عبداللہ' خارجہ بن زید اور عبداللہ بن محمد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ صرف سات آدمیوں کی شرکت جائز ہے اور اسی کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے لیا ہے۔ مختلف کتب احادیث میں اسی کو بیان کیا گیا ہے جسے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنایا ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال نحرنا مع رسول الله ﷺ عام الحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. عن جابر بن عبد الله قال كنا نتمتع في عهد رسول الله ﷺ بذبح البقرة عن سبعة نشترك فيها.

(بیہقی شریف ج۵ ص۲۳۴ باب اشتراک الھدی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عام الحدیبیہ کو حضور ﷺ کے ساتھ بدنہ (اونٹ) سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں حج تمتع کرتے تھے اور ایک گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرتے تھے یعنی اس میں سات آدمی شریک ہوتے تھے۔

عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه اشتركنا مع النبى ﷺ فى الحج والعمرة سبعة فى بدنة فقال رجل لجابر رضى الله عنه ايشترك فى البدنة مايشترك فى الجزور قال ماهى الا من البدن وحضر جابر رضى الله عنه الحديبية قال نحرنا يومئذ سبعين بدنة اشتركنا كل سبعة فى بدنة.

(مسلم شریف ج۱ ص۴۲۴ جواز الاشتراک فی البدن مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے جب حضور ﷺ کی معیت میں حج اور عمرہ کیا تھا تو ہم میں سے سات آدمی اونٹ یا گائے میں شریک ہوئے تھے۔ اس پر ایک شخص نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا بدنہ میں جتنے آدمی شریک ہوسکتے ہیں اتنے جزور میں بھی ہوسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جزور بھی تو بدنہ ہی ہوتا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں موجود تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس دن ستر اونٹ ذبح کیے اور ایک ایک اونٹ میں سات سات آدمی شریک تھے۔

ان روایات سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے میں سات تک آدمی شرکت کرسکتے ہیں۔ وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ بدنہ دونوں (اونٹ اور گائے) پر بولا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں شرکت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سات آدمیوں کی شرکت علی الاطلاق جائز ہے۔ یعنی قربانی خواہ نفلی ہو یا واجب، خواہ سب کی نیت عبادت مقصودہ کی ہو یا بعض کی صرف گوشت کھانے کی نیت ہو۔ ہر قسم کا اشتراک جائز ہے۔ خود امام مالک رضی اللہ عنہ کے کچھ پیروکار فرماتے ہیں کہ نفلی قربانی میں اشتراک جائز اور واجب میں ناجائز ہے۔ خود امام مالک رضی اللہ عنہ اشتراک کو مطلقاً جائز نہیں مانتے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نفلی اور واجب دونوں میں اشتراک درست ہے جبکہ نیت تمام شرکاء کی عبادت ہو اور اگر سات میں سے ایک کی بھی نیت محض گوشت کھانے کی ہوئی تو وہ سب کو لے ڈوبے گا یہی تفصیل امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسلم شریف'' کی شرح ج۱ ص۴۲۴ پر تحریر فرمائی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٥٩- بَابُ الرَّجُلِ يَسُوْقُ بُدْنَةً فَيَضْطَرُّ اِلٰى رُكُوْبِهَا

قربانی کے جانور پر بوجہ مجبوری سوار ہونے کا بیان

٤٠٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا اضْطُرِرْتَ اِلٰى بُدْنَتِكَ فَارْكَبْهَا رُكُوْبًا غَيْرَ قَادِحٍ.

امام مالک نے ہمیں ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے خبر دیتے ہیں فرمایا کہ جب تو قربانی کے لیے بھیجے جانے والے اونٹ پر سوار ہونے کے لیے مجبور ہو جائے تو اس پر سوار ہو جا لیکن ایسی سواری کہ جس سے اس کو تکلیف ہو وہ نہیں ہونی چاہیے۔

٤٠٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ يَسُوْقُ بُدْنَتَهٗ فَقَالَ لَهُ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بُدْنَةٌ فَقَالَ لَهٗ بَعْدَ مَرَّتَيْنِ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابوالزناد نے اعرج سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ حضور ﷺ کا گزر ایک شخص کے قریب سے ہوا جو اونٹ کو ہانک رہا تھا۔ (اور خود پیدل تھا) آپ نے اسے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ۔ عرض کرنے لگا۔ حضور! یہ قربانی کا اونٹ ہے۔ آپ نے اسے دو مرتبہ پھر ارشاد فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا اس پر سوار ہو جاؤ۔

٤٠٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا نُتِجَتِ الْبُدْنَةُ فَلْيُحْمَلْ وَلَدُهَا مَعَهَا حَتّٰى يُنْحَرَ مَعَهَا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ لَهٗ مَحْمَلًا فَلْيَحْمِلْهُ عَلٰى اُمِّهٖ حَتّٰى يُنْحَرَ مَعَهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب قربانی کی اونٹنی بچہ دے دے تو اسے بھی اس اونٹنی کے ساتھ رکھنا چاہیے یہاں تک کہ اونٹنی کے ساتھ ذبح کر دیا جائے اور اگر اس بچے کے لیے کوئی اٹھانے کی چیز میسر نہ آئے تو اسے اس کی ماں پر ہی لاد دیا جائے یہاں تک کہ وہ بھی اس کے ساتھ ذبح کر دیا جائے۔

٤٠٧- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَوْ عُمَرَ شَكَّ مُحَمَّدٌ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ اَهْدٰى بُدْنَةً فَضَلَّتْ اَوْ مَاتَتْ فَاِنْ كَانَتْ نَذْرًا اَبْدَلَهَا وَاِنْ كَانَتْ تَطَوُّعًا فَاِنْ شَاءَ اَبْدَلَهَا وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر یا خود حضرت عمر (یہ شک امام محمد کو پڑا) فرمایا کرتے تھے کہ جس نے قربانی کے لیے اونٹ بھیجا اور وہ گم ہو جائے یا مر جائے۔ اگر وہ نذر کے پورا کرنے کے ارادہ سے تھا تو اس کی جگہ اور لے کر قربانی کے لیے بھیجے اور اگر نفلی قربانی تھی تو پھر چاہیے کہ تو اور لے لے اور چاہے تو نہ لے (دونوں طرح درست ہے)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَمَنِ اضْطُرَّ اِلٰى رُكُوْبِ بُدْنَتِهٖ فَلْيَرْكَبْهَا فَاِنْ نَقَصَهَا بِذٰلِكَ شَيْئًا تَصَدَّقَ بِمَا نَقَصَهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور جو شخص اونٹ (جو قربانی کے لیے ہے) پر سوار ہونے کو مجبور ہو جائے تو اسے سوار ہو جانا چاہیے پھر اگر سوار ہونے سے کچھ اونٹ کا نقصان ہو جائے تو اس نقصان کے مطابق صدقہ کر دے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونے یا نہ ہونے کے متعلق علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری'' میں پانچ قول نقل

فرمائے حوالہ کے لیے "عمدۃ القاری شرح البخاری" ج ۱۰ ص ۲۹ باب من تمتع بالعمرۃ الی الحج دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱) قربانی کے جانور پر مطلقاً سوار ہونا جائز ہے۔ یہ مسلک امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غیر مقلدین کا ہے۔

(۲) ضرورت کے بغیر سواری کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ مذہب امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

(۳) بغیر ضرورت سوار ہونا مکروہ ہے۔ اس کے قائل امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔

(٤) بقدر ضرورت سواری جائز اور ضرورت پوری ہونے پر اترنا لازم ہے۔ یہ قول محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(٥) قربانی کے جانور پر سواری کرنا لازم اور واجب ہے۔ یہ ظاہریہ کا مسلک ہے۔

ان مذاہب و مسالک میں سے امام اعظم اور امام شافعی کے مذہب و مسلک میں قوت ہے کیونکہ اس کی تائید مسلم شریف میں مذکور ایک حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے۔

اخبرنی ابو الزبیر قال سالت جابر رضی اللہ عنہ عن رکوب الھدی قال سمعت النبی ﷺ یقول ارکبھا بالمعروف حتی تجد ظھرا۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۲۶ باب جواز رکوب البدنۃ)

حضرت ابوالزبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے سنا۔ فرمایا: معروف طریقہ سے اس پر سوار ہو جاؤ اور اس وقت تک سواری کرنا جائز ہے جب تک تمہیں کوئی اور سواری نہ ملے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی کے اونٹ پر بوقت ضرورت سوار ہونا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو سوار نہیں ہونا چاہیے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

۱۶۰- بَابُ الْمُحْرِمِ یَقْتُلُ قَمْلَۃً اَوْ غَیْرَھَا اَوْ یَنْتِفُ شَعْرًا

محرم کا جوں وغیرہ مارنے اور بال اکھیڑنے کا بیان

٤٠٨- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ قَالَ اَلْمُحْرِمُ لَا یَصْلُحُ لَہٗ اَنْ یَّنْتِفَ مِنْ شَعْرِہٖ شَیْئًا وَلَا یَحْلِقُہٗ وَلَا یُقَصِّرُہٗ اِلَّا اَنْ یُّصِیْبَہٗ اَذًی مِّنْ رَّاْسِہٖ فَعَلَیْہِ فِدْیَۃٌ کَمَا اَمَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یُّقَلِّمَ اَظْفَارَہٗ وَلَا یَقْتُلَ قَمْلَۃً وَّلَا یَطْرَحُھَا مِنْ رَّاْسِہٖ اِلَی الْاَرْضِ وَلَا مِنْ جَسَدِہٖ وَلَا مِنْ ثَوْبِہٖ وَلَا یَقْتُلَ الصَّیْدَ وَلَا یَاْمُرُ بِہٖ وَلَا یَدُلُّ عَلَیْہِ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع فرماتے ہیں کہ محرم کے لیے اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے بال اکھیڑے اور نہ ہی سر منڈوانے اور بال کٹوانے کی اجازت ہے۔ ہاں اگر سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس کی خاطر بال کٹوانے یا منڈوانے پر فدیہ لازم آئے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا حکم دیا ہے اور محرم کے لیے اپنے ناخن کاٹنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی جوں مارنے کی اجازت ہے اور نہ ہی جوں کو سر سے نکال کر زمین پر پھینکنے اور نہ ہی جسم اور کپڑے پر سے پکڑ کر زمین پر پھینکنے کی اجازت ہے اور نہ ہی شکار کرنے، اس کا حکم دینے اور اس کا نام و نشان بتانے کی اجازت ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِھٰذَا نَاْخُذُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی یہی عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

روایت مذکورہ اگرچہ بظاہر حضرت نافع رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن آپ نے جن افعال کی محرم کے لیے ممانعت کا ذکر فرمایا ان

میں سے ہرایک کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ چند ایک احادیث ملاحظہ ہوں۔

اصبھانی حدثنی عبد الله بن موکل حدثنی کعب بن عجرة رضی الله عنه انه خرج مع النبی ﷺ محرما فقمل راسه ولحیته فبلغ ذالک النبی ﷺ فارسل الیه فدعا الحلاق وحلق راسه ثم قال له هل عندک نسک قال ما اقدر علیه فامره ان یصوم ثلثة ایام او یطعم ستة مساکین لکل مسکین صاع فانزل عزوجل فیه خاصة فمن کان منکم مریضا اوبه اذی من راسه ثم کانت للمسلمین عامة.

(مسلم شریف ج ۱ص ۳۸۲ باب جواز حلق الراس مطبوعہ دہلی)

اصبھانی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن موکل نے مجھے حدیث سنائی اور انہیں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے جا رہے تھے کہ سر اور داڑھی میں جوئیں پڑ گئیں۔ جب اس کی خبر حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ نے مجھے اپنے پاس بلوا بھیجا پھر آپ نے حجام بلوایا اور اس نے میرے سر کے بال مونڈ دیئے پھر آپ نے مجھے فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی قربانی دینے کے لیے جانور ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اتنی قدرت نہیں کہ قربانی دے سکوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اس طرح کہ ہر مسکین کو ایک صاع بھر غلہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خاص طور پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ فمن کان منکم مریضا اوبه اذی من راسه الایة. پھر حضور ﷺ نے فرمایا آیت کریمہ میں مذکور حکم تمام اس جیسے مسلمانوں کے لیے ہے۔

صحیح مسلم کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت محرم کے لیے سر کے بال اتارنے یا اتروانے کی اجازت ہے اور اس پر بھی اسے فدیہ دینا پڑے گا جس سے صاف ظاہر کہ بلاضرورت سر کے بالوں کو کٹوانا یا خود کاٹنا حالت احرام میں ناجائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جوؤں کے پڑ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے صرف سر کے بال صاف کروانے کا حکم دیا تھا حالانکہ حضرت کعب بن عجرہ کی داڑھی شریف میں بھی یہ شکایت تھی۔ آپ نے اس کو نہ منڈوایا لہٰذا معلوم ہوا کہ داڑھی کا حلق یا مشت سے کم کا قصر قطعاً درست نہیں ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جوؤں کو مارنے اور نکال کر زمین وغیرہ پر پھینکنے کا حکم نہ دیا جس سے معلوم ہوا کہ محرم کو جوں مارنے یا نکال کر پھینکنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ ان امور کی تائید ''صحیح مسلم'' سے حاصل ہو گئی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف ''المبسوط'' میں اسی سلسلہ کے بارے میں درج ذیل الفاظ مذکور ہیں۔

واذا اخذ المحرم من شاربه او من راسه شیئا او لمس لحیته فانتشر منها شعر قال علیه فی کل ذالک صدقة فان اخذ ثلث راسه اوثلث لحیته فعلیه دم.

(المبسوط ج ۲ص ۴۳۲ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

اگر کوئی شخص حالت احرام میں اپنی مونچھوں کے بال یا سر کے بالوں میں سے کچھ کاٹتا ہے یا اس نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے کچھ بال ہاتھ میں آ گئے۔ فرمایا: ایسے شخص پر ان میں سے ہرایک فعل کا صدقہ ہے اور اگر سر کے بالوں کا ایک تہائی حصہ یا داڑھی کا ایک تہائی حصہ کاٹ دیا تو پھر اس پر دم (قربانی) لازم ہو گی۔

عن هشام عن الحسن وعطاء انهما قال فی ثلاث شعرات دما الناسی والمتعمد سواء.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ حصہ اول ص ۲۲۲ باب فی المحرم

جناب ہشام حضرت حسن اور عطاء رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا جو شخص حالت احرام میں تین بال اکھیڑتا ہے تو اس پر قربانی کرنا لازم ہے۔ اس میں

بطعف ثلاث شعرات مطبوعہ دائرۃ القرآن) بھول کر کرنے والا اور جان بوجھ کر کرنے والا دونوں برابر ہیں۔

مذکورہ امور کے علاوہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نافع سے شکار کے ممنوع ہونے پر بھی ان کا قول نقل فرمایا تو جنگلی شکار کی ممانعت خود قرآن میں موجود ہے۔''لا تقتلوا الصید وانتم حرم . حالت احرام میں شکار والی چیز کا مت شکار کرو''۔اس آیت کریمہ کے اجمال کو حضور ﷺ کی ایک روایت نے کھول کر بیان کیا۔ہم ''صحیح مسلم'' میں مذکور اس روایت کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی معیت میں چلتے چلتے مقام ''قاحہ'' پر پہنچے۔ہم میں سے کچھ احرام باندھے ہوئے اور کچھ بغیر احرام کے تھے۔اچانک میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھے کی تاک میں ہیں۔میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور نیزہ لیے سوار ہو گیا۔اچانک میرا چابک گر گیا۔ساتھیوں سے میں نے کہا کہ مجھے پکڑا دو۔احرام والے ساتھیوں نے حلفیہ انکار کر دیا لہٰذا میں پھر گھوڑے سے اترا اور چابک اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے جنگلی گدھے کے پیچھے سرپٹ دوڑایا۔میں نے اسے ٹیلے کے پیچھے پایا' زور سے نیزہ مارا اور اس کی کوچیں کاٹ دیں' اٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا۔بعض نے اسے کھانے پر آمادگی کا اظہار کیا اور بعض نے نہ کھانے کی تلقین کی۔چونکہ حضور ﷺ ہم سے کچھ فاصلہ پر آگے تشریف فرما تھے میں جلدی سے گھوڑا دوڑا کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس شکار کے متعلق پوچھا۔آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اسے کھالو۔(صحیح مسلم ج ا ص ۳۷۹ باب تحریم الصید الاکدل)

اس روایت میں حضرت قتادہ کا شکار کرنا' بعض کا روکنا اور دوسروں کا خاموش رہنا نہ ان کا اشارہ کرنا، نہ شکار کرنے پر اکسانا اور نہ ہی اس کے لیے ساز و سامان میں مدد کرنا۔ان تمام باتوں سے امام محمد کی موطا کے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔گویا محرم نہ خود شکار کر سکتا ہے نہ اس کی طرف اشارہ کر سکتا ہے نہ اس میں معاونت کر سکتا ہے۔ہاں اگر کوئی محرم از خود شکار کر کے احرام والوں کو کھانے کی دعوت دیتا ہے تو اس صورت میں محرم کو کھانا جائز ہے۔اسی مضمون کی ایک روایت (صحیح ابن خزیمہ میں ج ۴ ص ۱۸۰ حدیث ۲۶۴ مطبوعہ بیروت) بھی ہے۔وہ یہ کہ عبدالرحمٰن تیمی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' ہم حالت احرام میں تھے' ہمیں ایک پرندہ بطور ہدیہ اور تحفہ کسی نے دیا۔ہم میں سے بعض نے اسے کھایا اور بعض نے نہ کھایا۔حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے بھی کھانے والوں کا ساتھ دیا اور فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس طرح کا کھانا کھایا ہے۔موطا امام محمد کی آخری بات ناخن کاٹنے والی ہے۔سو اس کے بارے میں بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے۔

عن لیس عن عطاء وطاؤس ومجاهد انهم قالوا فی المحرم اذا نطف ابطه اوقلم اظفاره فان علیه فدیة.

جناب لیس، عطاء' طاؤس اور مجاہد یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی محرم اگر اپنے بغلوں کے بال نوچتا ہے یا اپنے ناخن لیتا ہے تو اس پر فدیہ ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ حصہ اول ص ۹۷ فی الحرم ینطف ابطہ)

مبسوط میں مزید تفصیل ہے کہ اگر کوئی محرم دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے ناخن لیتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہے اور اگر ایک یا دو ناخن لیے تو گندم کا نصف صاع صدقہ کرنا واجب ہے۔اگر یہ کام کرنے والا قارن ہے تو اس کا فدیہ دوگنا ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں جن باتوں کا ذکر فرمایا وہ سب احادیث اور آثار سے ماخوذ ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۶۱- بَابُ الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کا پچھنے لگوانا

۴۰۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ

كَانَ يَقُوْلُ لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ اِلَّا اَنْ يُّضْطَرَّ اِلَيْهِ مِمَّا لَا بُدَّ مِنْهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محرم کو سنگی بغیر مجبوری کے نہیں لگوانی چاہیے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَاْسَ بِاَنْ يَحْتَجِمَ الْمُحْرِمُ وَلٰكِنْ لَايَحْلِقُ شَعْرًا بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ محرم کو سنگی لگوانے میں کوئی حرج نہیں لیکن سنگی لگوانے کے لیے بال نہیں مونڈنے چاہئیں۔ ہمیں حضور ﷺ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے روزہ کی حالت میں اور احرام کی حالت میں سنگی لگوائی۔ لہٰذا ہمارا عمل اس پر ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

روایت مذکورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے ہٹ کر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کا مسلک بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں ثبوت کے لیے حضور ﷺ کا فعل شریف پیش فرمایا۔ حضور ﷺ کا حالت احرام میں پچھنے لگوانا (جس کا امام محمد نے ذکر فرمایا ہے) وہ صحیح مسلم کے درج ذیل الفاظ سے منقول ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ احتجم وھو محرم. عن ابن بجینۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ احتجم بطریق مکۃ وھو محرم وسط راسہ.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۳ باب جواز الحجامۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حالت احرام میں سنگی (پچھنے) لگوائی۔ حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حالت احرام میں مکہ شریف کے راستہ میں اپنے سر انور کے درمیان پچھنے لگوائے۔

امام نووی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ ضرورت کے وقت محرم کو پچھنے لگوانے کی بالاتفاق اجازت ہے اور اگر سنگی لگوانے سے بال کٹ جائیں تو فدیہ دینا پڑے گا اور اس کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے۔ ''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْنُسُكٍ یعنی جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو (بال منڈوا سکتا ہے لیکن) روزوں یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں اسے فدیہ دینا ہوگا''۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ سنگی لگاتے وقت بال مونڈنے پر فدیہ ہے ورنہ محض سنگی لگوانے سے کوئی نقص نہیں پڑتا۔ یہی احناف کا مسلک ہے۔

۱۶۲ - بَابُ الْمُحْرِمِ يُغَطِّيْ وَجْهَهٗ
محرم کا اپنا سر منہ ڈھانپنا

۴۱۰ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَخْبَرَهٗ قَالَ رَاَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْعَرْجِ وَهُوَ مُحْرِمٌ فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ قَدْ غَطّٰى وَجْهَهٗ بِقَطِيْفَةٍ اُرْجُوَانٍ ثُمَّ اُتِيَ بِلَحْمِ صَيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا قَالُوْا لَا تَاْكُلُ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنَّمَا صِيْدَ مِنْ اَجْلِيْ.

ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن ابی بکر سے خبر دی کہ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے مجھے بتایا کہا میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقام عرج میں حالت احرام میں سخت گرمیوں کے دنوں میں اپنے چہرہ پر سرخ چادر ڈالے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں آپ کے پاس شکار کا گوشت کہیں سے آیا تو فرمایا کھاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا آپ نہیں کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا: میرا معاملہ تم سا نہیں ہے۔ یہ شکار میری وجہ سے کیا ہوا ہے۔

۴۱۱ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَافَوْقَ الذَّقَنِ مِنَ الرَّاْسِ فَلَا يُخَمِّرْهُ

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ٹھوڑی سے اوپر کا حصہ

الْمُحْرِمُ.

سر کے حکم میں ہے لہٰذا محرم اس کو نہیں ڈھانپے گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

باب کی روایت اولیٰ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دوعمل مذکور ہوئے۔ ایک یہ کہ آپ نے حالت احرام میں سخت گرمی کے دن چہرہ ڈھانپا ہوا تھا اور روایت ثانیہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول یہ کہ محرم کو ٹھوڑی کے اوپر منہ اور سر دونوں حالت احرام میں کھلے ہونے چاہئیں۔ ان دونوں روایات میں چونکہ تعارض ہے۔ اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو احناف کا معمول بہ قرار دیا کیونکہ اس کی تائید احادیث نبویہ سے ہوتی ہے۔ باقی رہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا چہرہ ڈھانپنا تو اسے ہم ان کے ذاتی عمل پر معمول کریں گے۔ احناف کی تائید یا مسلک کی دلیل میں ''صحیح مسلم'' کی ایک حدیث پیش ہے۔

''میدان عرفات میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی سے گر کر شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں غسل دینے کا حکم دیا اور مزید فرمایا کہ نہ تو اس کو خوشبو لگانا اور نہ ہی اس کے سر کو ڈھانپنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کو اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ کہہ رہا ہوگا''۔ (صحیح مسلم ج ۱ص ۳۸۴)

اس روایت میں حضور ﷺ نے خوشبو لگانے اور سر ڈھانپنے سے منع فرمایا اور قیامت کو احرام باندھے ہوئے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا اٹھنا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لیے جس طرح خوشبو لگانا ممنوع ہے اسی طرح حالت احرام میں سر کو ڈھانپنا بھی ممنوع ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ کیا محرم گوشت کھا سکتا ہے؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی محرم شکار کرتا ہے لیکن صرف اپنے لیے ایسا کرے تو یہ شخص اگر اپنے لیے شکار کیے گئے جانور کا گوشت کسی محرم کو بطور ہدیہ دیتا ہے تو محرم کا اسے کھالینا درست ہے لیکن محرم نے اگر غیرمحرم کی شکار کرنے میں کسی طرح مدد کی' شکار کی طرف اشارہ کیا' اس پر دلالت کی تو پھر محرم کے لیے ایسے شکار سے کھانا ممنوع ہے۔ اسی بات کو باب کی روایت اولیٰ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل سے بیان کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شکار چونکہ میری وجہ سے کیا گیا ہے اس لیے میرے لیے اسے کھانا درست نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ایک استدلال فرمایا کہ ''جو شکار محرم کے لیے کیا جائے وہ محرم پر حرام ہے'' لیکن احناف اس کی حلت کے قائل ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ باب ۱۷۲ میں آ رہی ہے۔

۱٦۳- بَابُ الْمُحْرِمِ یَغْسِلُ رَأْسَهٗ اَوْ یَغْتَسِلُ

محرم کا سر کے بال دھونا یا نہانا

۴۱۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا یَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ اِلَّا مِنَ الْاِحْتِلَامِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ آپ احتلام کے بغیر حالت احرام میں سر نہیں دھوتے تھے۔

۴۱۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا زَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَیْنٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ رَضِیَ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں زید بن اسلم نے ابراہیم بن عبد اللہ بن حنین سے خبر دی وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت مسور رضی اللہ عنہما نے مقام

اللّٰهُ عَنْهُ تَمَارَيَا بِالْاَبْوَاءِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهٗ وَقَالَ الْمِسْوَرُ لَا فَاَرْسَلَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ اِلَى اَبِيْ اَيُّوْبَ يَسْاَلُهٗ فَوَجَدَهٗ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ. قَالَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُنَيْنٍ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَسْاَلُكَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الثَّوْبِ وَطَاْطَاَهٗ حَتّٰى بَدَا لِيْ رَاْسُهٗ ثُمَّ قَالَ لِاِنْسَانٍ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ اُصْبُبْ فَصَبَّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثُمَّ حَرَّكَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ فَاَقْبَلَ بِيَدِهٖ وَاَدْبَرَ فَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُهٗ يَفْعَلُ.

ابواء میں باہم اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا تھا کہ محرم اپنے سر کو دھوسکتا ہے اور حضرت مسور رضی اللہ عنہ اس کے منکر تھے پھر حضرت ابن عباس نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس مجھے بھیجا تا کہ اس مسئلہ میں ان سے پوچھا جائے۔ جب میں ان کے ہاں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ دو لکڑیوں کے درمیان کپڑا سے پردہ کیے غسل فرما رہے تھے جو کنوئیں پر گری ہوئی تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حنین ہوں۔ حضرت ابن عباس نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ دریافت کرسکوں کہ حضور ﷺ حالت احرام میں کیسے اپنے سر انور کو دھویا کرتے تھے؟ یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے کپڑا اوپر اٹھایا۔ یہاں تک کہ مجھے آپ کا سر نظر آنے لگا پھر آپ نے ایک شخص کو فرمایا کہ میرے سر پر پانی ڈالو۔ اس نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے آپ کے سر پر پانی ڈالا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے سر کو ملا۔ پہلے ہاتھ اگلی طرف لائے پھر پیچھے لے گئے پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ اَبِيْ اَيُّوْبَ نَاْخُذُ لَا نَرٰى بَاْسًا اَنْ يَغْسِلَ الْمُحْرِمُ رَاْسَهٗ بِالْمَاءِ وَهَلْ يَزِيْدُهُ الْمَاءُ اِلَّا شَعَثًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے قول پر ہمارا عمل ہے کہ محرم اگر اپنا سر پانی سے دھولیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ صرف پانی ڈال کر سر کے بال دھونے سے بال صاف نہیں بلکہ مزید پراگندہ ہو جائیں گے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔

٤١٤ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ نِ الْمَكِّيُّ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِيَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ وَهُوَ يَصُبُّ عَلٰى عُمَرَ مَاءً وَعُمَرُ يَغْتَسِلُ اُصْبُبْ عَلٰى رَاْسِيْ قَالَ لَهٗ يَعْلٰى اَتُرِيْدُ اَنْ تَجْعَلَهَا فِيَّ اِنْ اَمَرْتَنِيْ صَبَبْتُ قَالَ اُصْبُبْ فَلَمْ يَزِدِ الْمَاءُ اِلَّا شَعَثًا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا حمید بن قیس مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطاء بن ابی رباح سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یعلیٰ بن منیہ سے کہا جب کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پانی ڈال رہے تھے اور وہ غسل کر رہے تھے۔ میرے سر پر پانی ڈالو یعلیٰ نے ان سے کہا آپ مجھ سے گناہ کرانا چاہتے ہو اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں پانی ڈال دوں گا۔ آپ نے فرمایا: پانی ڈالو اس سے بالوں کے پراگندہ ہونے کے علاوہ کچھ اور نہ ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا نَرٰى بِهٰذَا بَاْسًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہم اس میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے۔ یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

باب کی تینوں روایات میں محرم کے لیے سر دھونے یا نہ دھونے کا مسئلہ بیان ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بوجہ ضرورت اور عذر اس کے قائل تھے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے مطلقاً جواز کے قائل تھے اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بھی بلاضرورت دھونے کے قائل نہ تھے۔ دوسری روایت جس میں مؤخر الذکر دونوں صحابیوں کا اختلاف بیان ہوا یہی حدیث ''صحیح مسلم'' ج ۱ ص ۳۸۳ مطبوعہ اصح المطابع دہلی پر بھی موجود ہے۔ ان دونوں نے اپنا اختلاف ختم کرنے کے لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو بھیجا تو انہوں نے حضور ﷺ کے عمل شریف سے محرم کے لیے مطلقاً سر دھونا جائز فرمایا جس سے صاف ظاہر کہ سر دھونے میں عمل اسی پر ہے کہ یہ بہرحال محرم کے لیے جائز ہے لیکن غسل کرتے وقت کچھ احتیاط کرنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ غسل کرتے وقت سر کے بال نہ گرنے پائیں ورنہ فدیہ دینا پڑے گا۔ دوسرا یہ کہ پانی میں کوئی ایسی چیز نہ ڈالے جس سے خوشبو آنی شروع ہو جائے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ڈالی جائے جس سے جوئیں مر جائیں۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' ج ۴ ص ۱۲۴۔ ۱۲۵ مطبوعہ بیروت پر ان احتیاطات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

''محرم اگر اپنے سر یا داڑھی کے بالوں کو خطمی (خوشبودار چیز) سے دھوئے گا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسے دم دینا واجب ہوگا لیکن صاحبین دم کی بجائے وجوب صدقہ کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خطمی خوشبو نہیں بلکہ بال صاف کرنے کی ایک بوٹی ہے جیسا کہ صابون یا سوڈا وغیرہ ہوتا ہے۔ جب اصل میں یہ خوشبو نہیں تو اس کے استعمال سے چونکہ خوشبو آنے لگتی ہے لہٰذا دونوں حضرات وجوب صدقہ کا کہتے ہیں لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ خطمی کے استعمال سے دم یا صدقہ کچھ بھی واجب نہیں ہوتا لیکن امام موصوف کا یہ قول مؤول ہے۔ تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد قربانی کے دن رمی کے بعد خطمی سے بال دھونا ہے۔ یہ تاویل اس لیے کی گئی ہے کہ خود یہی امام موصوف اس وقت سے خطمی کے ساتھ سر/داڑھی دھونے والے کے لیے وجوب صدقہ کے قائل ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ خطمی ایسی چیز ہے جو طبعی طور پر خوشبودار ہے اور مزید یہ کہ اس کے استعمال سے جوئیں بھی مر جاتی ہیں اس لیے اس کا استعمال کرنا وجوب دم کا سبب بنتا ہے''۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج کل حجاج کرام کے لیے حالت احرام میں غسل کرتے وقت خوشبودار صابون کا استعمال جائز نہیں ہے ورنہ دم لازم آئے گا کیونکہ ایسے صابون کے استعمال کے بعد بھی جسم سے خوشبو آتی رہتی ہے۔ ہاں اگر عذر کی وجہ سے استعمال کیا تو دم کی جگہ صدقہ ادا کرنا پڑے گا۔ رہا صرف غسل کرنا تو اس کے جواز میں کوئی اعتراض نہیں جبکہ بال گرنے نہ پائیں۔ خالص پانی سے غسل کرنے سے کوئی خوبصورتی نہیں آتی بلکہ تیل استعمال نہ کرنے اور صابون نہ لگانے کی وجہ سے ان میں زیادہ پراگندگی ہو جائے گی اور حاجی کی یہ پراگندہ حالت اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ ان پراگندہ بالوں، غبار آلود لوگوں کا فرشتوں میں تذکرہ فرماتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٦٤ - بَابُ مَا يُكْرَهُ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ

محرم کے لیے کونسا لباس پہننا مکروہ ہے؟

٤١٥ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَاذَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا کپڑے محرم پہن سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: محرم کو قمیص، پگڑی، شلوار (پاجامہ) ٹوپی اور موزے نہیں پہننے چاہئیں۔ ہاں اگر کسی کو جوتی

الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ.

نہ میسر آئے تو وہ موزے پہن سکتا ہے لیکن اسے چاہیے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے اور تمہیں زعفران اور ورس لگی خوشبو والا کپڑا بھی نہیں پہننا چاہیے۔

٤١٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّلْبَسَ الْمُحْرِمُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا بِزَعْفَرَانٍ اَوْ وَرْسٍ وَقَالَ مَنْ لَّمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ يَلْبَسُ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ.

امام مالک کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن دینار نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جناب رسول کریم ﷺ نے محرم کو زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جسے جوتیاں نہ مل سکیں وہ موزے پہن لے لیکن ٹخنوں کے نیچے سے انہیں کاٹ لے۔

٤١٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لَا تَنْتَقِبُ الْمَرْاَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا نافع نے کہ عبداللہ بن عمر فرماتے تھے عورت حالت احرام میں نہ منہ پر نقاب ڈالے اور نہ دستار پہنے۔

٤١٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَسْلَمَ يُحَدِّثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَاٰى عَلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ عُمَرُ مَا هٰذَا الثَّوْبُ الْمَصْبُوْغُ يَا طَلْحَةُ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّمَا هُوَ مِنْ مَدَرٍ قَالَ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الرَّهْطُ اَئِمَّةٌ يَقْتَدِيْ بِكُمُ النَّاسُ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا جَاهِلًا رَاٰى هٰذَا الثَّوْبَ لَقَالَ اَنَّ طَلْحَةَ كَانَ يَلْبَسُ الثِّيَابَ الْمُصَبَّغَةَ فِي الْاِحْرَامِ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے وہ اسلم مولیٰ عمر بن خطاب سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو رنگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا اور وہ اس وقت محرم تھے۔ فرمایا اے طلحہ! یہ رنگا ہوا کپڑا کیا ہے؟ کہا یا امیر المؤمنین! یہ رنگ مٹی کا ہے۔ فرمایا اے لوگو! تم لوگوں کے مقتدا اور پیشوا ہو اور اگر کوئی انجان آدمی اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ حضرت طلحہ نے دوران احرام رنگا ہوا کپڑا پہن رکھا تھا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يُكْرَهُ اَنْ يَّلْبَسَ الْمُحْرِمُ الْمُشَبَّعَ بِالْعُصْفُرِ وَالْمَصْبُوْغَ بِالْوَرْسِ اَوِ الزَّعْفَرَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ شَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ قَدْ غُسِلَ فَذَهَبَ رِيْحُهٗ وَصَارَ لَا يَنْفُضُ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَّلْبَسَهٗ وَلَا يَنْبَغِيْ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَنْتَقِبَ فَاِنْ اَرَادَتْ اَنْ تُغَطِّيَ وَجْهَهَا فَلْتُسْدِلِ الثَّوْبَ سَدْلًا مِّنْ فَوْقِ خِمَارِهَا عَلٰى وَجْهِهَا وَتُجَافِيْهِ عَنْ وَجْهِهَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ محرم کے لیے معصفر اور ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ ہاں اگر ایسا کپڑا دھو لیا گیا اور اس سے خوشبو ختم ہو گئی اور لوگوں کو اس سے خوشبو محسوس نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اور عورت کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنا بھی درست نہیں ہے اور اگر کوئی عورت اپنا چہرہ ڈھانپنا چاہتی ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے دوپٹہ کے اوپر سے اس طرح کپڑا لٹکائے کہ وہ کپڑا اس کے چہرہ سے ذرا ہٹا ہوا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔

٤١٩ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ الْمَكِّيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ اَنَّ اَعْرَابِيًّا جَاءَ اِلَى

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں حمید بن قیس مکی نے عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ ایک اعرابی مقام حنین میں حضور

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ بِحُنَيْنٍ وَعَلَى الْاَعْرَابِيِّ قَمِيْصٌ بِهٖ اَثَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ اَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ فَكَيْفَ تَأْمُرُنِيْ اَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْزِعْ قَمِيْصَكَ وَاغْسِلْ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ عَنْكَ وَافْعَلْ فِيْ عُمْرَتِكَ مِثْلَ مَا تَفْعَلُ فِيْ حَجِّكَ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ يَنْزِعُ قَمِيْصَهٗ وَيَغْسِلُ الصُّفْرَةَ الَّتِيْ بِهٖ.

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اس وقت زرد رنگ کا کرتا پہن رکھا تھا جس میں سے اس رنگ کی خوشبو باقی تھی۔ عرض کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ! میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے آپ مجھے ارشاد فرمائیں کہ میں کیسے کروں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس قمیص کو اتارو اور اس پر لگا زرد رنگ دھوڈالو۔ (پھر پہن لو) اور جیسے تم حج کے کام کرتے ہو ویسے ہی عمرہ کے کرو۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ اس قمیص کو اتار دو اور لگا ہوا زرد رنگ دھوڈالو۔

زیر بحث باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حالت احرام میں محرم مرد اور عورت کے لیے جو لباس ممنوع ہے۔ اس کے ضمن میں حضور ﷺ نے جس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا اس میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ محرم کیا لباس پہن سکتا ہے؟ تو چونکہ لباس ممنوع کے افراد گنے چنے تھے اس لیے آپ نے استعمال ہونے والے لباس کی بجائے ممنوع لباس گنوا دیئے جس سے سائل سمجھ گیا کہ ان کو چھوڑ کر باقی لباس کا استعمال جائز ہے۔ مختصر یہ کہ مرد حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا۔ عورت کے ستر کے پیش نظر اسے اس کی اجازت ہے۔ مرد عمامہ، ٹوپی وغیرہ بھی استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ حالت احرام میں سر ننگا ہونا ضروری ہے اور ان اشیاء سے سر چھپ جاتا ہے لیکن عورت کے لیے سر نہیں بلکہ چہرہ کھلا رکھنا ضروری ہے اس لیے وہ دوپٹہ تو اوڑھے گی لیکن منہ نہیں چھپائے گی اور اگر وہ چھپانا چاہے تو دوپٹے پر سے چادر اس طرح منہ پر لٹکائے کہ چہرہ سے وہ ہٹی ہوئی رہے۔ جوتی پہننا درست ہے کیونکہ محرم کے ٹخنے ننگے ہونے چاہئیں اور جوتی پہننے میں ٹخنے ننگے رہتے ہیں لیکن موزے یا ایسی کوئی جوتی جو ٹخنوں کو بھی چھپائے ہوئے ہو۔ اگر اسے پہننا چاہتا ہے تو ٹخنوں پر سے اسے کاٹنا ضروری ہے۔ نیز محرم (مرد اور عورت) کے لیے خوشبودار رنگ والے کپڑے پہننے کی ممانعت ہے کیونکہ اس میں ایک خوشبو کا استعمال پایا جاتا ہے جو منع ہے اور دوسرا اشتہاء اور زیب و زینت کا یہ موجب بنتا ہے حالانکہ محرم کو سراسر متواضع اور زیب و زینت سے دور رہنا مقصود ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے پیش نظر احرام کے ممنوعات ہر احرام کے لیے ہیں خواہ وہ عمرہ کا احرام ہو یا حج کا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٦٥ - بَابُ مَا رُخِّصَ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَّقْتُلَ مِنَ الدَّوَآبِّ

محرم کے لیے کن جانداروں کا مارنا جائز ہے؟

٤٢٠ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ خَمْسٌ مِنَ الدَّوَآبِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيْ قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ اَلْغُرَابُ وَالْفَارَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْحِدَاءَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ.

امام مالک نے ہمیں عبد اللہ بن دینار سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: پانچ جانداروں کے مارنے والے محرم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کوا، چوہا، بچھو، چیل اور باؤلا کتا۔

٤٢١ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ خَمْسٌ مِنَ الدَّوَآبِّ مَنْ قَتَلَهُنَّ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَلْعَقْرَبُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَاَةُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عبد اللہ بن دینار نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ جانداروں کو جو محرم مار ڈالے گا اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بچھو، چوہا، باؤلا کتا، کوا اور چیل۔

۴۲۲ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ اَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ فِی الْحَرَمِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ابن شہاب نے خبر دی کہ انہوں نے حرم میں ہر قسم کے سانپوں کو مارنے کا حکم دیا۔

۴۲۳ - اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ کَانَ یَقُوْلُ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِقَتْلِ الْوَزَغِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے خبر دی کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی مارنے کا حکم دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا کُلِّهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ان تمام ارشادات پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔

روایات مذکورہ میں سات موذی جانداروں کا محرم کے لیے مارنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ان کا ذکر دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔ ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خمس من الدواب لا جناح علی من قتلهن وهو حرام الفارة والعقرب والغراب والحداة والكلب العقور.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ جانداروں کو اگر کوئی محرم مار ڈالتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ چوہا، بچھو، کوا، چیل اور باؤلا کتا۔

عن زيد بن جبير قال سال رجل ابن عمر مايقتل المحرم من الدواب فقال حدثنی احدی نسوة النبی عليه السلام عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انه امر بقتل الفار و العقرب والكلب العقور والحداة والغراب عن سالم عن ابن عمر رضی الله عنه قال سال عمر رضی الله عنه عن قتل الحية وهو محرم فقال اقتلوهن. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ حصہ اول ۴۲۰۔ ۴۲۱ باب ما یقتل المحرم مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

حضرت زید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا محرم کیا کیا جاندار مار سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ مقدسہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہا' بچھو' باؤلا کتا' چیل اور کوا مارنے کا حکم دیا۔ جناب سالم رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا محرم سانپ مار سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: سانپوں کو مارو۔

موطا میں مذکور سات اشیاء میں سے چھ کا ذکر ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں آپ نے پڑھا۔ ان کے علاوہ اسی کتاب میں زنبور (بھڑ) کا بھی ذکر آیا ہے۔ گویا چھ متفقہ ہیں اور ساتویں بروایت موطا چھپکلی اور بروایت مصنف ابن ابی شیبہ بھڑ ہے۔ چونکہ دونوں موذی ہیں اس لیے ان روایات میں کل آٹھ جانداروں کا ذکر ملتا ہے جن کو حالت احرام میں مارنے پر کوئی گرفت نہیں۔ ان جانوروں کے قتل کرنے کے بارے میں علامہ سرخسی فرماتے ہیں۔

محرم پر اگر کوئی درندہ حملہ آور ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔ پانچ جانداروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء فرمایا یعنی یہ دکھ نہ بھی پہنچائیں تو ان کے مار ڈالنے پر کوئی گناہ یا فدیہ نہیں ہے بلکہ آپ نے حرم اور غیر حرم دونوں میں ان کے مارنے کی اجازت عطا فرمائی اور قتل کرنے والے پر فدیہ کی ادائیگی بھی معاف فرما دی کیونکہ ان جانوروں کا قتل مطلقاً مباح ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے محرم کو شکار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آیت کے اجمال کو مذکورہ احادیث نے بیان کیا۔ یوں احادیث مذکورہ اس آیت کے ساتھ بمنزلہ ملحق کے

ہوئیں۔ ہاں اگر ان پانچ جانداروں کے علاوہ کسی اور درندے کو (بصورت عدم حملہ) محرم قتل کر دیتا ہے یعنی وہ درندے کہ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو احناف کے نزدیک اسے فدیہ دینا پڑے گا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فدیہ کے قائل نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مذکورہ پانچ جانداروں کو مارنے کی اس لیے اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ موذی ہیں لہٰذا ان کے علاوہ جن میں ایذا کی علت پائی جائے گی۔ وہ ازروئے قیاس ان میں شامل ہوں گے۔ گویا قرآن کریم کی آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ موذی جانوروں کے سوا کسی کا شکار نہ کرو چونکہ شکار اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ گوشت کھایا جائے۔ اس لیے مزید تخصیص یہ کریں گے کہ ایسے موذی جانور جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا ان کا قتل جائز ہے اور جو غیر موذی اور حرام ہیں ان کا قتل ناجائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک کی تائید میں یہ بھی دلیل پیش فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے لیے دعا نقصان فرمائی۔ اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے تو آپ کی اس دعا کا اثر یہ نکلا کہ عتبہ کو ایک شیر نے چیر پھاڑ دیا لہٰذا معلوم ہوا کہ ''کتے'' میں شیر بھی شامل ہے۔ اس لیے محرم کے لیے جب باؤلا کتا مارنے کی اجازت ہے تو شیر کی بھی اجازت ہوگی کیونکہ یہ بھی اسی کے حکم میں ہے۔

احناف اپنے مسلک کی تائید میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ''۔ حالت احرام میں شکار کو مت مارو'' اور ''صید'' کا لفظ تمام وحشی جانوروں کو شامل ہے حضور ﷺ نے ان میں سے پانچ کو مستثنیٰ فرما دیا لہٰذا ان کے سوا تمام وحشی جانور قرآنی حکم میں شامل ہیں اور اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول استثنیٰ کی علت ''تکلیف پہنچانا'' ہوتی تو پھر حضور ﷺ کا پانچ مخصوص عدد کی استثناء فرمانا لا حاصل اور بے فائدہ ہوتا۔ علاوہ ازیں ان پانچ کے سوا دیگر وحشی جانوروں میں صفت ایذا نسبتاً کم بھی ہے کیونکہ مذکورہ پانچ جاندار کوئی چھیڑے نہ چھیڑے خود بخود حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کی فطرت میں ہی حملہ آور ہونا ہے لیکن ان کے سوا دیگر وحشی جانوروں کو جب تنگ نہ کیا جائے وہ حملہ نہیں کرتے اور نہ ہی ایذا کے درپے ہوتے ہیں۔

(المبسوط مصنفہ علامہ شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۹۰۔ ۹۱ باب جزاء الصید مطبوعہ بیروت)

خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک محرم کا صرف ان جانداروں کو مارنا جائز ہے اور ان کے مارنے پر نہ گناہ اور نہ فدیہ لازم آتا ہے۔ جن کی نشاندہی عدد کی صورت میں حضور ﷺ نے بیان فرما دی۔ ان کے سوا کسی وحشی جانور کو اگر محرم مارے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٦٦ - بَابُ اَلْمُحْرِمُ يَفُوْتُهُ الْحَجُّ

محرم کہ جس کا حج فوت ہو جائے اس کا بیان

٤٢٤ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ هَبَّارَ بْنَ الْاَسْوَدِ جَاءَ يَوْمَ النَّحْرِ وَعُمَرُ يَنْحَرُ بُدْنَهُ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخْطَاْنَا فِي الْعِدَّةِ كُنَّا نَرٰى اَنَّ هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمُ عَرَفَةَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذْهَبْ اِلٰى مَكَّةَ فَطُفْ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ وَانْحَرْ هَدْيًا اِنْ كَانَ مَعَكَ ثُمَّ احْلِقُوْا اَوْ قَصِّرُوْا وَارْجِعُوْا فَاِذَا كَانَ قَابِلٌ فَحُجُّوْا وَاَهْدُوْا فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعْتُمْ۔

امام مالک نے ہمیں نافع سے وہ سلیمان بن یسار سے خبر دیتے ہیں کہ ہبار بن اسود قربانی کے دن آئے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنا قربانی کا اونٹ ذبح کر رہے تھے۔ وہ کہنے لگے اے امیر المؤمنین! ہم نے ذوالحجہ کی تاریخ میں غلطی کی ہے وہ اس طرح کہ ہم نے آج کا دن (یعنی یوم نحر کو) یوم عرفہ سمجھا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا۔ جاؤ مکہ شریف میں جا کر بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کرو اور صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرو۔ یہ حکم تمہارے اور تمہارے تمام ساتھیوں کے لیے ہے اور قربانی دو۔ اگر تمہارے پاس ہو پھر سر منڈاؤ یا کتراؤ اور واپس گھروں کو لوٹ جاؤ

پھر جب اگلا سال آئے حج کرو اور قربانی بھی دو اور جسے قربانی نہ میسر آئے وہ تین دن کے روزے دوران حج اور سات دن واپس پلٹنے پر رکھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْعَآمَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا اِلَّا فِیْ خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ لَا هَدْیَ عَلَیْهِمْ فِیْ قَابِلٍ وَلَا صَوْمَ وَكَذٰلِكَ رَوَی الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ سَاَلْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الَّذِیْ یَفُوْتُهُ الْحَجُّ فَقَالَ یَحِلُّ بِعُمْرَةٍ وَعَلَیْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ وَیَذْكُرْ هَدْیًا ثُمَّ سَاَلْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ زَیْدَ ابْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ عُمَرُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَكَیْفَ یَكُوْنُ عَلَیْهِ هَدْیٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَالصِّیَامُ وَهُوَ لَمْ یَتَمَتَّعْ فِیْ اَشْهُرِ الْحَجِّ۔

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔ مگر ایک بات میں اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ اس صورت میں اگلے سال قربانی لازم نہیں آئے گی اور نہ ہی اگلے سال قربانی نہ دینے والے پر دس روزے رکھنے ضروری ہیں۔ اسی طرح جناب اعمش نے ابراہیم نخعی سے اور وہ اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس کا حج فوت ہو گیا ہو تو آپ نے فرمایا: وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اس پر آئندہ سال حج کرنا لازم ہے۔ انہوں نے قربانی کا کوئی نام نہ لیا پھر میں نے یہی مسئلہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا: انہوں نے من وعن وہی جواب دیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل یہی ہے اور ایسے شخص پر قربانی یا اس کی جگہ روزوں کا لزوم کس طرح آ سکتا ہے حالانکہ وہ حج کے مہینوں میں متمتع نہیں ہوا؟

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت مذکورہ میں حج فوت ہونے والے شخص کے متعلق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے دو مسئلے ذکر کیے ہیں۔ وہ یہ کہ حج فوت ہونے پر عمرہ کر لیا جائے اور سر منڈوا کر یا قصر کروا کر احرام کھول لیا جائے اور آئندہ سال حج کرنا لازم ہے۔ ان باتوں میں تو امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم تمام احناف کا اتفاق ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو ایک روایت میں ایسے شخص کو آئندہ سال قربانی دینے یا بصورت دیگر دس روزے رکھنے کا حکم ملتا ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں اس کا قطعاً ذکر نہیں۔ ان دونوں باہم متخالف باتوں میں سے امام محمد فرماتے ہیں کہ اول تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اول قیاس کے بھی خلاف ہے کیونکہ قربانی یا تو تمتع پر آتی ہے یا قران پر اور صورت مذکورہ دونوں میں نہیں بن سکتی۔ قران نہ بننا تو واضح اور ظاہر ہے اور تمتع اس لیے نہیں کہ اس کے لیے حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج کو جمع کرنا ہوتا ہے جس کا یہاں فقدان ہے کیونکہ حج کے مہینے شوال، ذی القعدہ اور ذوالحج کے دس دن ہیں اور صورت مذکورہ میں عمرہ کرنے والے نے حج کے دنوں کے بعد عمرہ کیا یا حج کے آخری دن عمرہ کیا لیکن اس عمرہ کے ساتھ اسی سال حج جمع نہ کر سکا اور آئندہ سال کا حج اس عمرہ کے ساتھ جمع ہونا ویسے ہی بعید ہے لہٰذا جب تمتع کی صورت نہ پائی گئی تو قربانی یا روزوں کا وجوب کہاں سے آ گیا؟ دوسرا یہ کہ دونوں روایات اس مسئلہ میں متناقض ہیں جبکہ دوسری روایت کی تائید میں اور بہت سی احادیث موجود ہیں۔

عن الاسود عن عمر وزید قالا فی الرجل یفوته الحج یحل بعمرة وعلیه الحج من قابل.

جناب اسود، حضرت عمر اور زید رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ دونوں حضرات نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ جس کا

(مصنف ابن ابی لیلیٰ عن عطاء ان نبی اللہ ﷺ)

عن ابن ابی لیلی عن عطاء ان نبی الله ﷺ قال من لم یدرک فعلیه دم ویجعلها عمرة وعلیه الحج من قابل.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ص ۲۳۷)

حج فوت ہوگیا ہو وہ اگلے سال حج کرے۔

حضرت عطاء سے جناب ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا حج فوت ہوگیا تو اس پر قربانی ہے اور اس حج کی جگہ عمرہ ادا کرے اور آئندہ سال حج لازماً کرے۔

مذکورہ دونوں روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حج کا احرام باندھ کر حج نہ کر سکنے والے کے لیے احرام توڑنے پر قربانی لازم ہے اور عمرہ کر کے احرام کھول دے لیکن آئندہ سال صرف حج ہی کرنا پڑے گا۔ قربانی یا روزے اس پر واجب نہیں ہیں۔

عن ابراهیم عن الاسود قال سئلت عمر عن رجل فاته الحج قال یحل بعمرة وعلیه الحج من قابل ثم خرجت العام المقبل فلقیت زید بن ثابت فسئلته عن رجل فاته الحج قال یحل بعمرة وعلیه الحج من قابل عن الاعمش باسناده وقال یحل بعمرة ویحج من قابل ولیس علیه هدی. عن الحارث بن عبد الله بن ابی ربیعة قال سمعت عمر رضی الله عنه وجاء ه رجل فی وسط ایام التشریق وقد فاته الحج فقال له عمر رضی الله عنه طف بالبیت وبین الصفا والمروة وعلیک الحج من قابل ولم یذکر هدیا هذه الروایة وما قبلها عن الاسود عن عمر رضی الله عنه متصلان.

(بیہقی شریف ج ۵ص ۱۷۵ باب مایفعل من فاتہ الحج مطبوعہ حیدرآباد دکن)

جناب اسود سے ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس کا حج فوت ہوگیا ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال اس پر حج لازم ہے میں پھر اگلے سال حج کے لیے آیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ان سے بھی میں نے ایسے شخص کے متعلق پوچھا جس کا حج فوت ہوگیا ہو؟ انہوں نے بھی فرمایا کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اس پر اگلے سال حج کرنا لازم ہے۔ جناب اعمش سے بھی مروی ہے کہ ایسا شخص عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال حج کرنا اس پر لازم ہے اور اس پر کوئی قربانی نہیں ہے۔ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ ان کی خدمت میں ایک شخص ایام تشریق کی درمیانی تاریخ میں حاضر ہوا اور اس کا حج فوت ہو چکا تھا۔ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیت اللہ کا طواف کر اور صفا و مروہ کی سعی بجالا اور آئندہ سال تجھ پر حج کرنا لازم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قربانی کا ذکر فرمایا۔ یہ روایت اور اس سے پہلی روایت جو جناب اسود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔ دونوں متصل ہیں۔

ان تمام روایات سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ صورت مذکورہ میں آئندہ سال حج تو لازم ہوگا لیکن اس کے ساتھ قربانی یا روزے رکھنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ مذکورہ روایات میں جناب اعمش رضی اللہ عنہ کی روایات میں قربانی کا صاف صاف انکار موجود ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جس روایت میں آئندہ سال قربانی یا روزوں کے وجوب کا قول ملتا ہے وہ روایت نا قابل عمل اور مرجوح ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۶۷- بَابُ الْحُلْمَةِ وَالْقُرَادِ يَنْزِعُهُ الْمُحْرِمُ

محرم کا قربانی کے جانور سے چیچڑ اور اس کا بچہ نکال پھینکنا

۴۲۵ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَنْزِعَ الْمُحْرِمُ حَلَمَةً اَوْقُرَادًا عَنْ بَعِيْرِهٖ.

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ بِذَالِكَ قَوْلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ هٰذَا اَعْجَبُ اِلَيْنَا مِنْ قَوْلِ ابْنِ عُمَرَ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محرم کے لیے اپنے اونٹ سے پسو یا جوں اتار پھینکنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

امام محمد کہتے ہیں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس بارے میں ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نسبت (ان کے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ پسندیدہ ہے۔

۴۲۶ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُقَرِّدُ بَعِيْرَهٗ بِالسُّقْيَا وَهُوَ مُحْرِمٌ فَيَجْعَلُهٗ فِيْ طِيْنٍ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَأْسَ بِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عبداللہ ابن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر ابن الخطاب نے ہم سے بیان کیا اور انہیں جناب محمد بن ابراہیم تیمی نے ربیعہ ابن عبداللہ بن ہدیر نے بتایا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حالت احرام میں اپنے اونٹ سے پسو نکال کر کیچڑ میں پھینکتے دیکھا۔

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا ہے۔

جیسا کہ آپ اس باب کی روایات سے معلوم کر چکے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان حالت احرام میں اپنے اونٹ کے بالوں میں چھپے پسو یا جوں وغیرہ نکال پھینکنے میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں احناف نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا لہٰذا اگر کوئی محرم ایسا کرتا ہے تو نہ اسے اس کی وجہ سے صدقہ دینا واجب ہوگا اور نہ ہی گناہ کا مرتکب ہوگا۔ موطا امام مالک رضی اللہ عنہ میں روایت مذکورہ کے آخر میں امام مالک نے اپنا مسلک اس بارے میں یوں بیان فرمایا۔ " انا اکرھه۔ میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں " گویا ان کا مسلک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر ہے۔ دونوں مذاہب کا نتیجہ بصورت وجوب صدقہ اور عدم وجوب نکلے گا۔ امام مالک کے نزدیک اس فعل کا مرتکب لازماً صدقہ کرے گا لیکن احناف کے نزدیک اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

۱۶۸ - بَابُ لُبْسِ الْمِنْطَقَةِ وَالْهِمْيَانِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کے لیے پیٹی اور تھیلی باندھنے کا بیان

۴۲۷ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَكْرَهُ لُبْسَ الْمِنْطَقَةِ لِلْمُحْرِمِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا اَيْضًا لَا بَأْسَ بِهٖ قَدْ رَخَّصَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْفُقَهَاءِ فِيْ لُبْسِ الْهِمْيَانِ لِلْمُحْرِمِ وَقَالَ اِسْتَوْثِقْ مِنْ نَفَقَتِكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محرم کے لیے پیٹی باندھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

امام محمد کہتے ہیں یہ عمل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ تمام فقہاء کرام نے محرم کے لیے پیٹی باندھنے کی رخصت عطا فرمائی ہے اور کہا ہے اپنا زادراہ خوب مضبوطی سے باندھو۔

محرم کے لیے پیٹی باندھنے کے مسئلہ میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق کراہت کا قول نہیں کیا کیونکہ اس بارے میں اکثر فقہاء کرام عدم کراہت کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا جائز قرار دینا از خود قیاس پر مبنی نہیں بلکہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں روایت ان حضرات کی اصل ہے جسے امام بیہقی نے ذکر فرمایا ہے۔

عن القاسم بن محمد عن عائشة رضى الله عنها انها سئلت عن الهميان للمحرم فقالت وما باس يستوثق من نفقته. عن ابن عباس رضى الله عنهما قال رخص للمحرم فى الخاتم والهميان.
(بیہقی شریف ج۵ص۶۹ باب المحرم یلبس المنطقۃ والہمیان)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جناب قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کیا محرم تھیلی وغیرہ باندھ سکتا ہے؟ فرمانے لگیں: اس میں کیا حرج ہے کہ کوئی شخص اپنا زادراہ مضبوط کرکے اپنے ساتھ لے لیتا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ محرم کے لیے انگوٹھی اور تھیلی باندھنے کی اجازت ہے۔

قارئین کرام! تھیلی یا توشہ دان اور پیٹی کی اس دور میں ضرورت تھی کیونکہ ہر شخص اپنا خرچہ اور نقدی وغیرہ دوران حج اپنے ساتھ رکھتا تھا اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ احرام کے دوران مرد کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہو جاتا ہے اس لیے احرام کے کپڑوں میں زادراہ وغیرہ کا رکھنا مشکل تھا۔ اس ضرورت کے پیش نظر توشہ دان اور تھیلی وغیرہ کو بامر مجبوری جائز قرار دیا گیا۔ اب اس دور میں اشیائے خوردونوش کو ساتھ ساتھ لیے پھرنے کی ضرورت نہیں رہی لیکن کچھ نقدی اور سفر کے ضروری کاغذات ہر وقت ساتھ رکھنا ضروری ہوتے ہیں اس لیے ان کو محفوظ رکھنے کے لیے پیٹی وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے ورنہ بہت سی پریشانیوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ ضروری بھی ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے اس کی تائید بھی ملتی ہے لہٰذا ایسا کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور نہ ہی فدیہ وغیرہ کی ضرورت۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۶۹ - بَابُ الْمُحْرِمِ يَحُكُّ جِلْدَهٗ

محرم کا اپنے جسم کو کھجلنا

۴۲۸ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تُسْئَلُ عَنِ الْمُحْرِمِ يَحُكُّ جِلْدَهٗ فَتَقُوْلُ نَعَمْ فَلْيَحْكُكْ وَيَشْدُدْ وَلَوْ رُبِطَتْ يَدَايَ ثُمَّ لَمْ اَجِدْ اِلَّا اَنْ اَحُكَّ بِرِجْلَيَّ لَاَحْتَكَكْتُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں علقمہ بن علقمہ نے اپنی والدہ سے خبر دی ہے کہ میں نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا محرم اپنے جسم کو کھجلا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ضرور کھجلائے اور خوب کھجلائے اور اگر (بالفرض) میرے ہاتھ باندھ دیئے جائیں اور میں کھجلانے کی شدید ضرورت محسوس کروں پھر مجھے اس کے سوا اور کوئی طریقہ نظر نہ آئے کہ میں اپنے پاؤں سے کھجلاؤں تو میں پاؤں سے ہی کھجلا لوں گی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بوقت ضرورت محرم اپنے آپ کو کھجلا سکتا ہے لیکن اس میں احتیاط برتنی چاہیے کہ اس فعل سے تین سے زائد بال نہ اکھڑنے پائیں۔ ورنہ دم دینا پڑے گا۔ بال اکھڑے بغیر کھجلانے کا جواز روایات میں موجود ہے۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

انباء ابن ابى يحيى ان الزبير بن العوام امر بوسخ فى ظهره فحك وهو محرم. عن جابر بن

ابن ابی یحییٰ نے بتایا کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کسی کو حکم دیا کہ وہ ان کی پشت پر موجود میل کو دور کرے تو اس نے

عبد اللہ انہ قال فی حک المحرم راسہ قال ببطن انا ملہ. (بیہقی شریف ج۵ص۶۴)

آپ کی پشت کو کھول دیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ آپ نے فرمایا کہ محرم اپنے سر کو انگلیوں کے اندرون حصہ سے کھجلا سکتا ہے۔

ان آثار وروایات سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور بعض صحابہ کرام کے عمل سے اس کی تقویت پائی گئی لہٰذا محرم اگر اپنے جسم کو کھجلاتا ہے تو اس سے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۱۷۰ - بَابُ الْمُحْرِمِ يَتَزَوَّجُ

محرم کا اپنا نکاح کرنے کا بیان

۴۲۹ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ اَخِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَرْسَلَ اِلٰى اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَاَبَانُ اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ وَهُمَا مُحْرِمَانِ قَالَ عُمَرُ اِنِّيْ اَرَدْتُّ اَنْ اُنْكِحَ طَلْحَةَ بْنَ عُمَرَ ابْنَتَ شَيْبَةَ بْنِ جُبَيْرٍ وَاَرَدْتُّ اَنْ تَحْضُرَ بِذٰلِكَ فَاَنْكَرَ عَلَيْهِ اَبَانُ وَقَالَ سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يَخْطُبُ وَلَا يُنْكِحُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں نافع نے عبد اللہ کے بھائی نبیہ بن وہب سے خبر دی کہ عمر (بن عبید اللہ) نے کسی کو ''ابان'' امیر مدینہ کی طرف بھیجا جبکہ یہ دونوں محرم تھے۔ عمر بن عبید اللہ نے کہا کہ میں طلحہ بن عمر کا نکاح شیبہ بن جبیر کی بیٹی سے کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم بھی اس میں شرکت کرو۔ ابان نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا کہا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: محرم نہ خود اپنا نکاح کرے نہ دوسرے کا نکاح کرے اور نہ ہی نکاح کا پیغام بھیجے۔

۴۳۰ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَلَا عَلٰى غَيْرِهٖ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع نے ہمیں بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محرم نہ تو نکاح کرے اور نہ اپنے نکاح کا پیغام بھیجے اور نہ ہی دوسرے کے نکاح کا پیغام بھیجے۔

۴۳۱ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا غَطَفَانُ ابْنُ طَرِيْفٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَاهُ طَرِيْفًا تَزَوَّجَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَرَدَّ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نِكَاحَهٗ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ غطفان بن طریف نے ہمیں اپنے والد کے متعلق بتایا کہ انہوں نے حالت احرام میں شادی کی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو باطل کر دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ قَدْ جَاءَ فِيْ هٰذَا اخْتِلَافٌ فَاَبْطَلَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ نِكَاحَ الْمُحْرِمِ وَاَجَازَ اَهْلُ مَكَّةَ وَاَهْلُ الْعِرَاقِ نِكَاحَهٗ وَرَوٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَلَا نَعْلَمُ اَحَدًا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ اَعْلَمَ بِتَزَوُّجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَيْمُوْنَةَ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ ابْنُ اُخْتِهَا فَلَا نَرٰى بِتَزَوُّجِ الْمُحْرِمِ بَاْسًا وَلٰكِنْ لَا يُقَبِّلُ وَلَا يَمَسُّ حَتّٰى يَحِلَّ وَهُوَ قَوْلُ

امام محمد کہتے ہیں کہ حالت احرام میں نکاح کرنے کے بارے میں اختلاف آیا ہے۔ اہل مدینہ اسے باطل قرار دیتے ہیں اور اہل مکہ وعراق اس کے جواز کے قائل ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارث سے شادی کی اور آپ اس وقت احرام میں تھے پس ہم حضور ﷺ کی حضرت میمونہ بنت حارث سے شادی کے معاملہ میں حضرت ابن عباس سے زیادہ باخبر کسی اور کو نہیں جانتے کیونکہ وہ آپ (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا) کے بھانجے تھے لہٰذا

اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَآئِنَا۔

ہم حالت احرام میں شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے لیکن شادی کے بعد بوس و کنار نہیں ہونا چاہیے جب تک احرام ختم نہ ہو جائے اور یہی قول حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

محرم کا نکاح کرنا مختلف فیہ ہے لیکن احناف اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ جس میں ان کی خالہ میمونہ سے حضور ﷺ نے حالت احرام میں شادی کی۔ اگر چہ اس دوران نکاح کے ناجائز ہونے کی بھی روایات موجود ہیں لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس کی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے اور بنفس نفیس اس نکاح کے وقت موجود تھے۔ اسی روایت کی تائید اور طرق سے بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ نکح وھو محرم.

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حالت احرام میں نکاح کیا۔

عن عطاء قال تزوج النبی ﷺ میمونة رضی اللہ عنھا وھو محرم.

حضرت عطاء روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی آپ اس وقت محرم تھے۔

عن ابراھیم عن عبداللہ انہ لم یکن یری بتزوج المحرم باسا.

جناب ابراہیم جناب عبد اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ محرم کے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

عن عبد الرحمن بن قاسم عن ابیہ قال لا باس ان یتزوج المحرم.

حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا محرم کے شادی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

عن شعبة قال سئلت الحکم وحمادا عن المحرم یتزوج قال لا باس بہ.

جناب شعبہ سے ہے کہ میں نے حکم اور حماد سے محرم کے نکاح کرنے کے متعلق پوچھا تو فرمایا: اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

عن مسروق ان النبی ﷺ تزوج وھو محرم. مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۲۔۱۲۳ فی المحرم یتزوج مطبوعہ دائرۃ القران کراچی)

جناب مسروق سے ہے کہ حضور ﷺ نے حالت احرام میں شادی کی۔

عن ابی رافع رضی اللہ عنہ قال تزوج النبی ﷺ میمونة رضی اللہ عنھا وھو محرم وکنت الرسول بینھما.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ حصہ اول ص ۱۲۳ من کرہ ان یتزوج المحرم)

ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں شادی کی اور میں ان دونوں کے درمیان پیغام لانے لے جانے والا تھا۔

مذکورہ روایات اس روایت کی تائید و توثیق کرتی ہیں جس پر احناف کے مسلک کا دار و مدار ہے۔ بہر حال محرم کے لیے حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ پھر ان روایات کا کیا جواب ہوگا جن میں نکاح محرم کی ممانعت اور ابطال آیا ہے؟ تو ان کا جواب یہ ہے کہ وہاں لفظ ''نکاح'' سے مراد ہم بستری کرنا ہے یعنی دوران احرام، محرم اپنی بیوی سے ہم بستری نہیں کر سکتا اور لفظ نکاح ''ہم بستری'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح (وطی) کر چکے ان سے تمہارا نکاح کرنا ہرگز درست نہیں ہے''۔ یہاں یہ لفظ ''شادی کرنے'' کے معنی میں نہیں

ہے کیونکہ کسی کا باپ اگر اپنی لونڈی سے ہم بستری کرتا ہے تو اس سے اس مالک کا بیٹا نکاح نہیں کر سکتا حالانکہ لونڈی سے نکاح کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح وطی حلال اور حرام دونوں کا یہی حکم ہے۔ ''نورالانوار'' ص ۱۰۱ مبحث الحقیقہ والمجاز میں ہے: ''النکاح فی الاصل الضم وھو انما یکون بالوطی یعنی نکاح لغت کے اعتبار سے ملنے کا نام ہے اور ملنا ''وطی'' سے ہوتا ہے'' لہٰذا مذکورہ احادیث میں لفظ نکاح سے مراد ''ہم بستری کرنا'' ہے محض عقد کے لیے نہیں۔ اس لیے عقد کے لیے شادی کرنا جائز اور ہم بستری وغیرہ کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ بوس وکنار احرام کھولنے کے بعد کرنا جائز ہوگا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۷۱ - بَابُ الطَّوَّفِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الْفَجْرِ

نماز صبح اور عصر کے بعد طواف کرنے کا بیان

۴۳۲ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ الْمَكِّيُّ اَنَّهٗ كَانَ يَرَى الْبَيْتَ يَخْلُوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ مَايَطُوْفُ بِهٖ اَحَدٌ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابوزبیر مکی نے بتایا کہ وہ بیت اللہ شریف کو نماز عصر اور نماز فجر کے بعد خالی دیکھتے تھے۔ اس کا کوئی بھی طواف نہ کرتا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنَّمَا كَانَ يَخْلُوْ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ الصَّلٰوةَ تِيْنِكَ السَّاعَتَيْنِ وَالطَّوَافُ لَابُدَّ لَهٗ مِنْ صَلٰوةِ رَكْعَتَيْنِ فَلَا بَأْسَ اَنْ يَّطُوْفَ سَبْعًا وَلَا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَتَبْيَضَّ كَمَا صَنَعَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اَوْ يُصَلِّيَ الْمَغْرِبَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ لوگ خالی اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان دو وقتوں میں نماز مکروہ سمجھتے تھے اور طواف کرنے کے بعد دو رکعت ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک ان دو اوقات میں طواف کے سات چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں طواف کے بعد دو رکعت ادا نہ کرے یہاں تک کہ صبح کے وقت سورج نکل آئے اور خوب روشنی ہو جائے۔ (پھر دو رکعت پڑھے) جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب نے کیا یا نماز مغرب ادا کرے۔ (پھر دو رکعت ادا کرے) اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

۴۳۳ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ طَافَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بِالْكَعْبَةِ فَلَمَّا قَضٰى طَوَافَهٗ نَظَرَ فَلَمْ يَرَى الشَّمْسَ فَرَكِبَ وَلَمْ يُسَبِّحْ حَتّٰى اَنَاخَ بِذِيْ طُوٰى فَسَبَّحَ رَكْعَتَيْنِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے بتایا کہ حمید بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ عبد الرحمٰن نے کہا انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز فجر کے بعد کعبہ شریف کا طواف کیا جب طواف مکمل کر چکے تو حضرت عمر نے جانب مشرق دیکھا تو سورج نظر نہ آیا۔ پس آپ سوار ہو گئے اور طواف کی دو رکعتیں ادا نہ فرمائیں یہاں تک کہ مقام ذی طویٰ میں پہنچ کر اپنی سواری کو بٹھایا پھر آپ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يُصَلِّيَ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَبْيَضَّ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ عمل ہے کہ ایسی حالت میں سورج طلوع ہو کر جب تک خوب روشنی نہ ہو جائے طواف کی دو رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

چونکہ نماز صبح اور نماز عصر کی ادائیگی کے وقت نوافل پڑھنے ممنوع ہیں اور طواف کے ساتھ چکر لگانے والے کے لیے دو رکعت کا بعد میں ادا کرنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا اس کا طریقہ ایک یہ ہے کہ ان اوقات میں طواف ہی نہ کیا جائے جیسا کہ موطا کی پہلی روایت میں ہے یا پھر طواف کر لیا لیکن دو رکعت سورج خوب طلوع ہونے کے بعد یا مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد پڑھی جائیں۔ اس کا ذکر دوسری روایت میں ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان دو اوقات میں طواف منع نہیں ہے لیکن طواف کی دو رکعت اوقات مکروہہ کے نکلنے پر ادا کرنا پڑیں گی۔ اس کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے۔

عن عطاء كان المسور بن المخرمة يطوف بالغداة ثلاثة اسابيع فاذا طلعت الشمس صلى لكل اسبوع ركعتين وبعد العصر يفعل ذالك فاذا غابت الشمس صلى لكل اسبوع ركعتين. عن عطاء عائشة رضى الله عنها انها قالت اذا اردت الطواف بالبيت بعد صلوة الفجر اوبعد صلوة العصر فطف واخر الصلوة حتى تغيب الشمس وحتى تطلع فصل لكل اسبوع ركعتين.

جناب عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ صبح (نماز فجر کے بعد) تین طواف سات سات چکروں سے کیا کرتے تھے پھر جب سورج طلوع ہو جاتا تو ہر ایک طواف یعنی سات چکروں کے لیے دو رکعت ادا فرماتے تھے اور عصر کے بعد بھی آپ ایسا ہی کرتے پھر جب سورج غروب ہو جاتا تو ہر سات چکر کے لیے دو رکعت ادا فرماتے۔ جناب عطاء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب تو نماز فجر یا نماز کے بعد کے طواف کا ارادہ کرے تو طواف کر لیا کر اور نماز کو سورج غروب ہونے اور سورج طلوع ہونے تک مؤخر کر لیا کر پھر ہر سات چکروں کے لیے دو رکعت ادا کر لیا کر۔

عن عطاء قال طاف عمر بن الخطاب بعد الفجر ثم ركب حتى اذا اتى ذات طوى نزل فلما طلعت الشمس وارتفعت صلى ركعتين ثم قال ركعتين مكان ركعتين.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ حصہ اول ص ۱۶۹ باب من کان یکرہ اذا طاف بالبیت بعد العصر الخ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

جناب عطاء سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز صبح کے بعد طواف کیا پھر اونٹ پر سوار ہو گئے یہاں تک کہ جب آپ مقام ذی طوی پہنچے تو اونٹ کو بٹھایا اور نیچے اترے پھر جب سورج طلوع ہو کر کافی اوپر آ گیا تو آپ نے دو رکعت پڑھیں اور فرمایا یہ دو رکعت ان دو رکعت کی جگہ پر ہیں۔

عن معاذ بن عفراء انه طاف بعد العصر او الصبح فلم يصل وقال قال رسول الله ﷺ لا صلوة بعد الغداة حتى تطلع الشمس ولا بعد العصر حتى تغرب وكره الثورى وابوحنيفة واصحابه الطواف بعد الصبح والعصر فان فعل قالوا لا يركع حتى تطلع الشمس او تغرب. (جوہر النقی مع بیہقی ج ۵ ص ۹۱ باب من رکع رکعتی الطواف حیث کان مطبوعہ حیدر آباد دکن)

حضرت معاذ بن عفراء سے مروی ہے کہ انہوں نے عصر یا صبح کے بعد طواف کیا لیکن دو رکعت نہ ادا کیں اور کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے صبح کے بعد طلوع شمس تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور امام ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے نماز صبح اور عصر کے بعد طواف کرنا مکروہ کہا ہے اور اگر کوئی شخص ان اوقات میں طواف کرتا ہے تو اسے طواف کی دو رکعتیں طلوع آفتاب یا غروب کے بعد ادا کرنی چاہییں۔

خلاصہ یہ کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد طواف کرنا جائز ہے لیکن ان اوقات میں چونکہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق نوافل ادا کرنے درست نہیں ہیں اس لیے طواف کی دو رکعتیں ان دو اوقات میں ادا نہیں کی جائیں گی بلکہ طلوع آفتاب یا

غروب آفتاب کے بعد انہیں ادا کیا جائے گا۔ اسی کی تائید مذکورہ روایات سے ہوتی ہے۔ صبح صادق ہو جانے کے بعد صرف صبح کی دو رکعت سنت جائز ہیں۔ نماز تہجد، تحیۃ الوضوا اور تحیۃ المسجد کوئی نفل جائز نہیں۔

١٧٢ - بَابُ الْحَلَالِ يَذْبَحُ الصَّيْدَ أَوْ يَصِيْدُهُ هَلْ يَأْكُلُ الْمُحْرِمُ مِنْهُ أَمْ لَا

غیر محرم شکار کو ذبح کرے یا شکار کرے تو اس میں سے محرم کھا سکتا ہے یا کہ نہیں

٤٣٤ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُ أَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانٍ فَرَدَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِيْ قَالَ إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے عبید اللہ بن عتبہ بن عبد اللہ بن مسعود سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ صعب بن جثامہ لیثی سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے حضور مقام ابواء یا ودان میں ایک حمار وحشی بطور ہدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس کر دیا پھر جب آپ نے میرے چہرہ پر ہدیہ قبول نہ کرنے کے آثار دیکھے تو فرمایا ہم بالکل واپس نہ کرتے مگر کیا کریں ہم محرم ہیں۔

٤٣٥ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ مَرَّ بِهِ قَوْمٌ مُحْرِمُوْنَ بِالرَّبَذَةِ فَاسْتَفْتَوْهُ فِيْ لَحْمِ صَيْدٍ وَجَدُوْا أَحِلَّةً يَأْكُلُوْنَهُ فَأَفْتَاهُمْ بِأَكْلِهِ ثُمَّ قَدِمَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمَ أَفْتَيْتَهُمْ قَالَ أَفْتَيْتُهُمْ بِأَكْلِهِ قَالَ عُمَرُ لَوْ أَفْتَيْتَهُمْ بِغَيْرِهِ لَأَوْجَعْتُكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے سالم بن عبد اللہ سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کر رہے تھے کہ ان کے پاس مقام ربذہ میں کچھ لوگ احرام باندھے ہوئے حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کیا ہم غیر محرم لوگوں کا شکار کیا ہوا جسے وہ کھا بھی رہے ہیں کھا سکتے ہیں؟ آپ نے انہیں اسی کے کھانے کا فتویٰ دیا پھر وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے بھی اسی مسئلہ کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ عرض کی میں نے انہیں اسے کھا لینے کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔

٤٣٦ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا أَبُو النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ مَوْلٰى أَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِيْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَاٰى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوٰى عَلٰى فَرَسِهِ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوْهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَسَأَلَهُمْ أَنْ

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابو النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ، نافع مولیٰ ابی قتادہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ آپ (حضرت قتادہ) راستہ میں تشریف لے جا رہے تھے تو آپ اپنے احرام باندھے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اور آپ خود احرام میں نہ تھے تو جناب قتادہ نے ایک حمار وحشی دیکھا۔ آپ اپنے گھوڑے پر تیار ہو

بِسَاطٍ لَوْهُ رُمْحَهُ فَأَبَوْا فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبٰى بَعْضُهُمْ فَلَمَّا أَدْرَكُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَأَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوْهَا اللّٰهُ.

کر بیٹھ گئے پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے میرا کوڑا پکڑاؤ۔ انہوں نے انکار کر دیا' آپ نے پھر کہا کہ مجھے میرا نیزہ پکڑا دو ساتھیوں نے پھر انکار کر دیا۔ آپ نیچے اترے اور اسے لے کر پھر گھوڑے پر سوار ہوئے اور حمار وحشی پر حملہ کر دیا حتیٰ کہ اسے مار ڈالا پھر اس کے گوشت خود بھی کھایا اور آپ کے بعض ساتھیوں نے بھی کھایا لیکن بعض نے ہاتھ تک نہ لگایا پھر جب یہ تمام حضرات رسول کریم ﷺ سے ملے تو آپ سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ خوراک اور کھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا جو اس نے تمہیں کھلایا ہے۔

٤٣٧ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ كَعْبَ الْأَحْبَارِ أَقْبَلَ مِنَ الشَّامِ فِيْ رَكْبٍ مُحْرِمِيْنَ حَتّٰى إِذَا كَانُوْا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ وَجَدُوْا لَحْمَ صَيْدٍ فَأَفْتَاهُمْ كَعْبٌ بِأَكْلِهِ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ مَنْ أَفْتَاكُمْ بِهٰذَا فَقَالُوْا كَعْبٌ قَالَ فَإِنِّيْ أَمَّرْتُهُ عَلَيْكُمْ حَتّٰى تَرْجِعُوْا ثُمَّ لَمَّا كَانُوْا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ طَرِيْقِ مَكَّةَ مَرَّتْ بِهِمْ رِجْلٌ مِّنْ جَرَادٍ فَأَفْتَاهُمْ كَعْبٌ بِأَنْ يَّأْكُلُوْهُ وَيَأْخُذُوْهُ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى عُمَرَ ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى أَنْ تُفْتِيَهُمْ بِهٰذَا قَالَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنْ هُوَ إِلَّا نَثْرَةُ حُوْتٍ يَنْثُرُهُ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَرَّتَيْنِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے بیان کیا کہ جناب کعب احبار شام سے احرام باندھے لوگوں کے ساتھ تشریف لائے جب وہ راستہ میں تھے تو ان کے ساتھیوں کو ایک شکار کا گوشت ملا۔ انہوں نے جناب کعب سے پوچھا تو انہوں نے اسے کھانے کا فتویٰ دیا پھر جب یہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ نے پوچھا تمہیں یہ فتویٰ کس نے دیا تھا؟ لوگوں نے کہا حضرت کعب نے' فرمایا میں نے واپسی تک انہیں تمہارا امیر مقرر کر دیا ہے پھر جب یہ لوگ مکہ کے کسی راستہ پر تھے تو ان کے پاس سے ٹڈیوں کا گزر ہوا تو حضرت کعب نے ان کے کھانے اور پکڑنے کا فتویٰ دیا پھر جب یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے تو اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تمہیں ایسا فتویٰ دینے پر کس نے مجبور کیا تھا کہا اے امیر المؤمنین! قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ مچھلی کی چھینک ہیں جو ہر سال دو مرتبہ چھینکتی ہے۔

٤٣٨ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ إِنِّيْ أَصَبْتُ جَرَادَاتٍ بِسَوْطِيْ فَقَالَ أَطْعِمْ قَبْضَةً مِّنْ طَعَامٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ حضرت زید بن اسلم نے ہم سے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں نے اپنے کوڑے کے ساتھ چند ٹڈیاں مار ڈالی ہیں۔ (اس بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا کہ کھانے کی ایک مٹھی کسی کو کھلا دو۔

٤٣٩ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَامِ كَانَ يَتَزَوَّدُ صَفِيْفَ الظِّبَاءِ فِى الْاِحْرَامِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ اِذَا صَادَ الْحَلَالُ الصَّيْدَ فَذَبَحَهٗ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَاْكُلَ الْمُحْرِمُ مِنْ لَحْمِهٖ اِنْ كَانَ صِيْدَ مِنْ اَجْلِهٖ اَوْلَمْ يُصَدْ مِنْ اَجْلِهٖ لِاَنَّ الْحَلَالَ صَادَهٗ وَ ذَبَحَهٗ وَذَالِكَ لَهٗ حَلَالٌ فَخَرَجَ مِنْ حَالِ الصَّيْدِ وَصَارَلَحْمًا فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَاْكُلَ الْمُحْرِمُ مِنْهُ وَاَمَّا الْجَرَادُ فَلَا يَنْبَغِىْ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَّصِيْدَهٗ فَاِنْ فَعَلَ كَفَّرَوَ تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ جَرَادَةٍ كَذَالِكَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهٰذَا كُلُّهٗ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے خبر دی کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حالت احرام میں بھنے ہوئے گوشت کا ہدیہ لیا کرتے تھے۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا ان تمام باتوں پر عمل ہے۔ جب کوئی غیر محرم شکار کرے اور وہی ذبح کرے تو محرم کے لیے اس کے گوشت میں سے کچھ کھا لینے پر کوئی حرج نہیں ہے خواہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو یا اس کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ غیر محرم نے ہی اسے شکار کیا اور ذبح بھی اسی نے کیا اور اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے لہٰذا وہ محرم کے لیے شکار کے حکم سے نکل گیا اور گوشت کے حکم میں ہو گیا اس لیے محرم کے کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ رہا ٹڈی کا معاملہ تو محرم کو اس کا شکار نہیں کرنا چاہیے اور اگر اس کا شکار کر لیا تو اس کے فدیہ میں کھجوریں صدقہ کرے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یونہی فرمایا ہے اور یہ سب باتیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کے قول کے مطابق بھی ہیں۔

مذکورہ باب میں چھ عدد احادیث آئی ہیں۔ ان کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد مسلک احناف کی تحقیق و تائید پیش کی جاتی ہے۔

حدیث اول کا خلاصہ

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا مطلقاً منع ہے۔ خواہ اس کے لیے شکار کیا گیا ہو یا کسی اور کے لیے۔

حدیث دوم کا خلاصہ

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا مطلقاً جائز ہے۔ خواہ اس کے لیے یا غیر کے لیے وہ شکار کیا گیا ہو۔

حدیث سوم کا خلاصہ

محرم غیر محرم کا کیا ہوا شکار اس وقت کھا سکتا ہے جب اس نے غیر محرم کی اس بارے میں کسی قسم کی اعانت نہ کی ہو۔

روایات مذکورہ کے خلاصہ جات کے بعد اس بارے میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ شکار جو محرم کے لیے کیا گیا ہو وہ محرم کے لیے کھانا حرام ہے۔ محرم نے خواہ اس کے شکار کرنے کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو اس میں شکاری کی مدد کی ہو یا نہ کی ہو۔ امام صاحب موصوف پہلی روایت پر عمل پیرا ہیں اگرچہ اس میں یہ موجود نہیں کہ لوگوں نے حضور ﷺ کی خاطر شکار کیا تھا لیکن امام موصوف اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں۔

احناف کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ جب محرم نے غیر محرم کو نہ شکار کرنے کا مشورہ و حکم دیا' نہ اشارۃً و کنایۃً اس کی طرف رہنمائی کی تو پھر محرم اس شکار کے گوشت کو کھا سکتا ہے۔ جیسا کہ باب کی تیسری حدیث کا مضمون ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ والی مذکورہ حدیث کو امام بخاری نے سوال و جواب کے ساتھ تفصیلاً ذکر فرمایا ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھئے ''صحیح بخاری'' ج ا ص ٢٤٦ نیز باب کی دوسری حدیث بھی احناف کے مسلک کی مؤید و معاون ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

شکار کے گوشت کو کھانے کا حکم دیا تھا۔ اس میں محرم کی طرف سے کسی قسم کی شرکت نہیں ملتی جواز کی تمام شرائط موجود ہیں۔ اس لیے اس کا محرم کے لیے کھانا جائز ہوا۔ بہرحال احناف کے ہاں سب سے بڑی دلیل حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ حضور ﷺ نے اس بارے میں سوال و جواب کے ذریعہ ان شرائط کی نشاندہی فرما دی جو محرم کے لیے کھانے میں منع کی وجہ بن سکتی ہیں۔ اگر وجہ حرمت یہ بھی ہوتی کہ وہ شکار محرم کے لیے کیا گیا ہو تو لازماً حضور ﷺ دوسرے سوالات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دریافت فرماتے کہ کیا شکار محرم کے لیے کیا گیا ہے یا نہیں؟ جب آپ نے یہ سوال نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ شکار کرنے والے نے شکار خواہ محرم کے لیے کیا ہو تب بھی محرم کو اس کا کھانا جائز ہے جبکہ دوسری شرائط نہ ہوں۔

تیسری اور چوتھی حدیث میں ٹڈی کا مسئلہ آیا ہے۔ حضرت کعب احبار نے اسے دریائی شکار بتایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید و تائید میں کچھ نہ فرمایا لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ٹڈی کے مارنے پر محرم کے لیے کھجوروں کا صدقہ کرنے کا ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ٹڈی دریائی شکار نہیں۔ رہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خاموش رہنا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ٹڈی کے بارے میں اس سے قبل کوئی حدیث نہیں سنی ہوئی تھی اس لیے بغیر تحقیق کچھ بولنا اچھا نہ سمجھا۔ علاوہ ازیں خود حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا اپنے قول سے رجوع ثابت ہے۔ موطا امام مالک کی شرح زرقانی کا حوالہ ملاحظہ ہو۔

لکنها احادیث ضعفها ابو داؤد والترمذی وغیرهما فلا حجة فیها لمن اجاز للمحرم صیده ولذا قال الاکثر کما لک والشافعی انه من صید البر فیحرم التعرض له وفیه قیمته وقد جاء ما یدل علی رجوع کعب عن هذا فروی الشافعی رحمة الله علیه بسند صحیح او حسن عن عبد الله بن ابی عمار اقبلنا مع معاذ بن جبل وکعب الاحبار فی اناس محرمین من بیت المقدس بعمرة حتی اذا کنا ببعض الطریق وکعب علی نار یصطلی فمرت به رجل جراد فاخذ جرادتین فقتلهما وکان قدنسی احرامه ثم ذکره فالقهما فلما قدمنا المدینة علی عمر قص علیه کعب قصة الجرادتین فقال ماجعلت علی نفسک قال درهمین قال بخ درهمان خیر من مائة جرادة.

(زرقانی علی الموطاج ۲ ص ۲۸۰ مطبوعہ دارۃ الفکر)

(جن روایات میں ٹڈی کا دریائی شکار ہونا پایا گیا) وہ سب ایسی احادیث ہیں جنہیں امام ابو داؤد اور ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا ان احادیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں جو محرم کے لیے ان کا شکار کرنا جائز کر دے۔ اسی لیے اکثر فقہاء کرام نے جیسا کہ امام مالک اور شافعی وغیرہ ہیں فرمایا کہ ٹڈی خشکی کا شکار ہے اس لیے محرم کو اس کے اذیت پہنچانے سے احتراز کرنا چاہیے اور اگر اسے محرم نے مار ڈالا تو اس کی قیمت بطور فدیہ ادا کرنا پڑے گی اور یہ بھی روایت موجود ہے کہ حضرت کعب نے اپنے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے سند صحیح یا حسن سے جناب عبد اللہ بن ابی عمار سے روایت کی ہے کہ ہم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت سے عمرہ کا احرام باندھے لوگوں کے ساتھ بیت المقدس سے آ رہے تھے یہاں تک کہ ہم ابھی راستہ ہی میں تھے اور کعب احبار رضی اللہ عنہ آگ تاپ کر سردی دور کر رہے تھے کہ آپ کے پاس سے ٹڈیوں کا گزر ہوا۔ آپ نے ان میں سے دو کو پکڑ کر مار ڈالا۔ آپ اس وقت اپنا محرم ہونا بھول گئے تھے پھر جب احرام باندھا یاد آ گیا تو آپ نے ان دونوں کو پھینک دیا پھر جب ہم مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جناب کعب احبار نے یہ قصہ بیان کیا۔ آپ نے پوچھا تو نے پھر اس شکار کرنے کا اپنے اوپر کیا فدیہ یا صدقہ لازم

کیا؟ کہا کہ دو درہم آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا: دو درہم تو ایک سونڈی سے بھی بہتر ہیں۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی حج اوعمرة فاستقبلنا رجل من جراد فجعلنا نضرب به باسياطنا وعصينا فقال النبی ﷺ كلوا فانه من صيد البحر قال ابو عيسى هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث ابی المهزم عن ابی هريرة وابو المهزم اسمه يزيد بن سفيان وقد تكلم فيه شعبة.

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۰۴ باب ماجاء فی صید البحر للمحرم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے تو راستہ میں ہمارے سامنے ٹڈیوں کا غول آ گیا۔ ہم نے انہیں اپنے کوڑوں اور ڈنڈوں سے مارا پھر حضور ﷺ نے فرمایا: انہیں کھاؤ یہ دریائی شکار ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ہمیں اس کا علم صرف ابوالمہزم سے ہوا ہے اور ابو المہزم جن کا نام یزید بن سفیان ہے۔ ان کے بارے میں جناب شعبہ نے کلام کیا ہے۔

قارئین کرام! ٹڈیوں کے دریائی شکار ہونے کے قائل جناب کعب احبار نے بقول و روایت حضرت امام شافعی رجوع فرما لیا ہے اور ان کے شکار کرنے پر خود صدقہ دے چکے ہیں لہٰذا ان کی روایت کے مطابق انہیں بدستور دریائی شکار قرار دے کر محرم کے لیے شکار کرنے کی اجازت دینا قابلِ توجہ نہیں ہے اور از روئے عقل بھی یہ درست نظر نہیں آتا کہ ٹڈیوں کی پیدائش مچھلی کے چھینک مارنے سے ہوتی ہے اور وہ سال میں دو مرتبہ چھینکتی ہے۔ علاوہ ازیں ٹڈیوں کو دریائی جانور ثابت کرنے والی روایات کو امام ابوداؤد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے ضعیف بھی قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ روایات حجت اور دلیل نہیں بن سکتیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٧٣ - بَابُ الرَّجُلِ يَعْتَمِرُ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّحُجَّ

حج کے مہینوں میں عمرہ کر کے پھر بغیر حج کئے گھر لوٹنے والے کا بیان

٤٤٠ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ اَبِيْ سَلَمَةَ الْمَخْزُوْمِيَّ اِسْتَاْذَنَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَنْ يَّعْتَمِرَ فِيْ شَوَّالٍ فَاَذِنَ لَهٗ فَاعْتَمَرَ فِيْ شَوَّالٍ ثُمَّ قَفَلَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَلَمْ يَحُجَّ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے ابن شہاب نے سعید بن مسیب سے خبر دی کہ عمر بن ابی سلمہ مخزومی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے شوال میں عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی تو انہوں نے شوال میں عمرہ کیا اور حج کیے بغیر گھر واپس آ گئے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَلَا مُتْعَةَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے۔ ایسے شخص پر حج تمتع نہیں پڑتا اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٤٤١ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ يَسَارٍ الْمَكِّيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ لَاَنْ اَعْتَمِرَ قَبْلَ الْحَجِّ وَاُهْدِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتَمِرَ فِيْ ذِي الْحِجَّةِ بَعْدَ الْحَجِّ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں صدقہ بن یسار مکی نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اگر حج سے قبل عمرہ کروں اور ہدی بھیجوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ اچھا لگتا ہے کہ ذوالحجہ میں حج کر لینے کے بعد عمرہ کروں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ كُلُّ هٰذَا حَسَنٌ وَاسِعٌ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَاِنْ شَاءَ قَرَنَ وَاَهْدٰى فَهُوَ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ.

امام محمد کہتے ہیں یہ سب اچھا اور وسعت لیے ہوئے ہے۔ اگر چاہے تو ایسا ہی کرے اور اگر چاہے تو عمرہ اور حج ملا لے اور ہدی

بھیج دے۔ یہ پہلے کی نسبت بہتر طریقہ ہے۔

٤٤٢ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَعْتَمِرْ اِلَّا ثَلٰثَ عُمَرٍ اِحْدٰهُنَّ فِيْ شَوَّالٍ وَّاثْنَتَيْنِ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے بتایا کہ حضور ﷺ نے صرف تین مرتبہ عمرہ ادا فرمایا ان میں ایک شوال اور دو ذوالقعدہ میں ادا کیے۔

باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو بہت بڑا گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس غلط تصور کو ختم کرتے ہوئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمل سے ثابت فرما دیا کہ ایسا کرنا جائز ہے لیکن حج کے ان ایام میں اگر کوئی شخص صرف عمرہ کر کے واپس گھر لوٹ جاتا ہے اور پھر حج کے دنوں میں اسی سال حج کرنے آتا ہے تو یہ متمتع نہیں کہلائے گا۔

دوسری حدیث شریف میں امام محمد نے عمرہ کی ایک صورت کو افضل فرمایا ہے۔ عمرہ اگرچہ حج کے مخصوص پانچ دن چھوڑ کر جب چاہے کوئی کرے جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص حج سے قبل حج کے مہینوں میں عمرہ کرتا ہے تو اس کے لیے متمتع یا قارن بننے کی گنجائش ہے۔ حج کے دنوں میں عمرہ کیا پھر احرام کھول دیا اور پھر حج کا احرام باندھ کر اسی سال حج کر لیا تو متمتع ہو گیا اور اگر عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد عمرہ کرنے سے قبل حج کا احرام بھی باندھ لیا تو قارن ہو جائے گا لیکن یہ وہ شخص جس نے حج کے دن گزر جانے کے بعد عمرہ کیا چونکہ اس سال اب وہ حج نہیں کر سکتا لہٰذا حج اور عمرہ کو ایک سال میں اکٹھا کرنے کا موقعہ ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے یہ صرف عمرہ ہی رہ جائے گا۔ اس میں تمتع یا قران بننے کی صلاحیت اور گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہ نسبت پہلی صورت کو افضل اور گنجائش کی حامل بتایا ہے۔

تیسری حدیث میں حضور ﷺ کے عمرہ کی تعداد تین بیان ہوئی ہے۔ ایک شوال میں اور دو ذی القعدہ کے اندر "مسلم شریف" میں بھی ایک عمرہ شوال میں ادا کرنے کی روایت موجود ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں لیکن بکثرت احادیث اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے تین نہیں بلکہ چار مرتبہ عمرہ ادا فرمایا اور یہ بھی کہ آپ نے تمام عمرے ذوالقعدہ میں ادا فرمائے۔ ایک عمرہ کی استثناء ملتی ہے کہ آپ نے حج کے ساتھ ادا فرمایا۔ ان احادیث کے اختلاف کو یوں دور کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے صرف عمرے (حج کے بغیر) تین کیے اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ ادا فرمایا۔ اس لیے جن حضرات نے تین عمرے ذکر فرمائے وہ صرف عمرے بیان کرتے ہیں اور جن حضرات نے چار کہے وہ کل بیان کرتے ہیں۔ باقی رہا شوال میں عمرہ کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ۔ شوال میں عمرہ ادا کرنے کے راوی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں تو اس میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ آپ نے حج کے ساتھ والا عمرہ شوال میں ادا کیا ہو لیکن ایک روایت میں ایک عمرہ رجب میں ادا کرنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے لیا گیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ جب ان کی یہ روایت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنائی گئی تو آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں یوں نقل فرمایا ہے۔

حدثني هارون بن عبد الله اخبرنا محمد بن بكر البرساني اخبرنا ابن جريج قال سمعت عطاء يخبر قال اخبرني عروة بن الزبير قال كنت انا و ابن عمر مستندين الى حجرة عائشة رضى الله عنها وانا لنسمع ضربها بالسواک تستن قال فقلت يا

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں ام المومنین کے مسواک کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن! (یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی

ابا عبد الرحمن اعتمر النبی ﷺ فی رجب قال نعم فقلت لعائشة رضی الله عنها ای امتاه الا تسمعین ما یقول ابو عبد الرحمن قالت وما یقول قلت یقول اعتمر النبی ﷺ فی رجب فقالت یغفر الله لابی عبد الرحمن لعمری ما اعتمر فی رجب وما اعتمر ما من عمرة الا وانه لمعه قال وابن عمر یسمع فما قال لا ولا نعم سکت.

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۰۹ باب بیان عدد عمر النبی ﷺ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

کنیت ہے) کیا حضور ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔ امی جان کیا آپ ابوعبدالرحمٰن کی بات نہیں سن رہی ہیں؟ فرمانے لگیں: وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے رجب کے مہینہ میں عمرہ کیا تھا۔ اس پر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائے مجھے قسم ہے کہ حضور ﷺ نے رجب میں عمرہ نہیں ادا فرمایا۔ آپ نے جب بھی عمرہ ادا فرمایا ہر بار ابن عمران کے ساتھ تھے۔ عروہ راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ گفتگو تمام کی تمام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سن رہے تھے تو انہوں نے نہ تردید کی اور نہ تصحیح بلکہ خاموش رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خاموشی اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجب کے مہینہ میں حضور ﷺ کے عمرہ کا انکار فرمانا ان کو بھی منظور ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ سرکار ابدقرار ﷺ نے چار عمرے ادا فرمائے۔ تین صرف عمرے اور چوتھا حج کے ساتھ اور تین ذوالقعدہ میں اور چوتھا حج کے ساتھ حج کے مہینوں میں ادا فرمایا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۷۴- بَابُ فَضْلِ الْعُمْرَةِ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان المبارک میں عمرہ کی فضیلت کا بیان

۴۴۲- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا سُمَیٌّ مَوْلٰی اَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَمِعَ مَوْلَاهُ اَبَابَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ یَقُوْلُ جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَتْ اِنِّیْ كُنْتُ تَجَهَّزْتُ لِلْحَجِّ وَاَرَدْتُّهٗ فَاُعْتُرِضَ لِیْ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَمِرِیْ فِیْ رَمَضَانَ فَاِنَّ عُمْرَةً فِیْهِ كَحَجَّةٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں سمی مولیٰ ابی بکر بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ انہوں نے اپنے مولیٰ ابوبکر بن عبدالرحمٰن کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی۔ میں نے حج کا ساز و سامان باندھا اور حج کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن کوئی رکاوٹ آن پڑی ہے۔ (جس کی وجہ سے حج پر نہیں جا سکتی تو کیا کروں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان شریف میں عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان شریف میں ایک عمرہ کرنا حج کی مانند ہے۔

روایت مذکورہ ایک عورت کے واقعہ سے متعلقہ ہے جس میں حضور ﷺ نے اسے رمضان شریف میں عمرہ کی فضیلت یہ بتائی کہ وہ حج کے برابر ہے۔ یہ عورت کون تھی؟ موطا کی روایت میں نہ اس کا نام اور نہ کنیت کچھ بھی موجود نہیں۔ بعض دیگر کتب حدیث میں اس کی کنیت ''ام سنان'' ذکر کی گئی ہے جس کا تعلق انصار سے تھا۔ ''صحیح مسلم'' اور ''الترغیب'' میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کی ایک عورت ام سنان کو فرمایا! کہ ہمارے ساتھ حج کرنے کو تمہارے ہاں کیا رکاوٹ ہے؟ عرض کرنے لگی میرے شوہر کے دو اونٹ ہیں۔ ایک کو لے کر وہ حج کرنے گیا ہے

اور دوسرے پر غلام پانی لاتا ہے۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر یا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔
(صحیح مسلم ج ا ص ۴۰۹ باب فضل العمرة فی رمضان مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا تو ایک عورت نے اپنے خاوند سے درخواست کی کہ مجھے بھی حضور ﷺ کے ساتھ حج ادا کرنے کی اجازت دیدو اس نے کہا کہ میرے پاس سواری کوئی نہیں تا کہ تمہیں وہ دے کہ حضور ﷺ کے ساتھ روانہ کردوں۔ کہنے لگی فلاں اونٹ پر مجھے روانہ کردو۔ خاوند نے کہا وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے بندھا ہوا ہے پھر اس کا خاوند حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی آپ کو صلوٰۃ و سلام بھیجتی ہے۔ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ وہ آپ کے ساتھ حج پہ جانے کا ارادہ کرتی ہے۔ میں نے سواری نہ ہونے کا ذکر کیا۔ اس نے جو اونٹ مانگا ہے وہ میں نے جہاد کے لیے باندھ رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو اسے اس اونٹ پر بھیج دے تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہوگا۔ اس نے عرض کیا کہ میں بیوی کی طرف سے اس وقت یہ پوچھنے آیا ہوں کہ کونسا عمل ایسا ہے جو آپ کے ساتھ حج پہ جانے اور حج کرنے کے برابر ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جاؤ میرا اسے سلام دینا اور کہنا کہ رمضان شریف میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ میرے ساتھ حج کرے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۸۱ الترغیب فی العمرة فی رمضان مطبوعہ لبنان)

بہر حال مختلف کتب حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں عمرہ کرنا بہت فضلیت رکھتا ہے۔ اس کا اجر حج کے برابر بلکہ ایسے حج کے برابر ہے جو سرکار دو عالم ﷺ کی ہمراہی میں ادا کیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱۷۵ - بَابُ الْمُتَمَتِّعِ مَايَجِبُ عَلَيْهِ مِنَ الْهَدْيِ

متمتع پر ہدی واجب ہونے کا بیان

٤٤٤ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ مَنِ اعْتَمَرَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ فِيْ شَوَّالٍ اَوْفِيْ ذِي الْقَعْدَةِ اَوْذِي الْحَجَّةِ فَقَدِ اسْتَمْتَعَ وَجَبَ عَلَيْهِ الْهَدْيُ اَوِ الصِّيَامُ اِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن دینار نے بتایا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا کہ جس نے حج کے مہینوں یعنی شوال یا ذوالقعدہ یا ذوالحج میں عمرہ کیا اس نے تمتع کیا اور اس پر ہدی واجب ہے اور اگر ہدی نہ پائے تو پھر روزے واجب ہیں۔

٤٤٥ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ الصِّيَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ مِمَّنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا مَابَيْنَ اَنْ يُّهِلَّ بِالْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ عَرَفَةَ فَاِنْ لَّمْ يَصُمْ صَامَ اَيَّامَ مِنًى.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے عروہ بن زبیر سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتی تھی کہ جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر ادا کیا اسے روزے رکھنا ہیں۔ (اس صورت میں) کہ وہ ہدی نہ پائے اور اس کا ہدی نہ پانا احرام باندھنے سے وقوف عرفہ تک ہو اور اگر اس نے ہدی نہ ملنے کی صورت میں (یوم عرفہ تک تین) روزے نہ رکھے تو منیٰ کے دنوں میں روزے رکھ لے۔

٤٤٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِثْلَ ذَالِكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے ہمیں ایسی ہی حدیث بیان کی۔

٤٤٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ یحیٰی بن سعد نے خبر دی کہ

سَمِعَ سَعِيْدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ مَنِ اعْتَمَرَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ فِيْ شَوَّالٍ اَوْفِيْ ذِى الْقَعْدَةِ اَوْفِيْ ذِى الْحَجَّةِ ثُمَّ اَقَامَ حَتّٰى يَحُجَّ فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اَوِ الصِّيَامِ اِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا وَمَنْ رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهِ ثُمَّ حَجَّ فَلَيْسَ بِمُتَمَتِّعٍ.

انہوں نے سعید بن میںب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا جس نے حج کے مہینوں یعنی شوال یا ذوالقعدہ یا ذوالحج میں عمرہ کیا پھر وہیں ٹھہر گیا یہاں تک کہ حج بھی کیا تو یہ شخص متمتع ہے اور اس پر جو آسان لگے قربانی دینا واجب ہے یا قربانی نہ ملنے کی صورت میں روزے رکھنا لازم ہے اور اگر عمرہ کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال میں واپس آ گیا پھر جا کر حج کیا تو یہ متمتع نہیں ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ان تمام باتوں پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

روایت اولیٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے وہ یہ کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے والا متمتع ہے۔اس سے اگر مراد عمرہ کے بعد اسی سال حج کرنا ہے تو یہ صورت تمتع احادیث صحیحہ کے مطابق ہے اور اگر اس سے مراد صرف عمرہ کرنے والے کو متمتع کہنا ہے تو پھر یہ قول جمہور صحابہ کرام کے قول کے خلاف ہوگا۔

روایت ثانیہ میں ام المومنین رضی اللہ عنہا سے جو یہ منقول ہے کہ متمتع قربانی نہ پانے کی صورت میں روزے رکھے تو اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ہدی نہ پانے والے کو دس روزے رکھنا لازم ہیں۔تین روزے اسے ذوالحج کی نو تاریخ تک پورے کرنے ہیں اور بقیہ سات گھر لوٹ کر رکھے گا۔ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جو ایک صورت ذکر فرمائی کہ اگر مذکورہ شخص تین روزے نویں ذی الحجہ تک نہ رکھ سکا تو پھر ایام منیٰ میں رکھ لے۔یہ صورت چونکہ نص قرآنی کے مطابق وموافق نہیں اس لیے احناف اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔اس کی مزید تحقیق کتاب الصیام باب ۱۴۳ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

روایت ثالثہ میں حضرت سعید بن میںب رضی اللہ عنہ سے متمتع کے بارے میں جو کچھ نقل کیا گیا۔اس مسئلہ کی تفصیل بھی ۱۵۴ باب القران بین الحج والعمرہ میں گزر چکی ہے چونکہ تینوں احادیث میں سے آخری پر احناف کا عمل ہے اس لیے اس کے آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سب باتوں پر ہمارا عمل ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام بھی اسی کے قائل ہیں۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۷۶ - بَابُ الرَّمَلِ بِالْبَيْتِ

طواف کعبہ کے دوران رمل کا بیان

٤٤٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَرَامِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب جعفر بن محمد نے اپنے والد سے ہمیں بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ الحرامی بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ الرَّمَلُ فِىْ ثَلٰثَةِ اَشْوَاطٍ مِّنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ عمل ہے کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں حجر اسود سے حجر اسود تک رمل ہوتا ہے اور یہی قول ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

رمل کیا ہے اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ احادیث میں یہ دونوں باتیں مختلف الفاظ سے بیان کی گئی ہیں۔امام بیہقی نے یوں ذکر فرمایا۔

حضور ﷺ جب قضائے عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے اور کفار نے جب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ (یعنی مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی اور اس سے کمزور ہو گئے ہیں) اس پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ طواف کے تین پہلے چکروں میں رمل کرو اور بقیہ چار چکر معمول کے مطابق بجالاؤ۔

یہ تو تھا رمل کا سبب۔ اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ اپنے پاؤں کے اگلے حصہ پر (یعنی پنجوں پر) بوجھ ڈال کر اور کندھوں کو پہلوانوں کی طرح حرکت دے کر چلنا۔ رمل کو بعض فقہاء کرام نے واجب اور دوسروں نے سنت لکھا ہے۔ احناف کا اس بارے میں یہ عمل ہے کہ ہر قدم رمل کرتے ہوئے اٹھایا جائے اور اگر بھیڑ یا کسی اور وجہ سے رکاوٹ کے دور ہونے تک انتظار کیا جائے پھر رمل کرتے ہوئے تین چکر مکمل کیے جائیں۔

اعتراض

"صحیح مسلم" میں جناب ابن طفیل سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حاجی صاحبان تین چکروں میں رمل کر رہے ہیں اور بقیہ چار چکر اپنی حالت پر لگاتے ہیں اور وہ اسے سنت سمجھتے ہیں۔ (کیا یہ درست ہے؟) آپ نے فرمایا: لوگ سچ بھی کہتے ہیں اور انہوں نے جھوٹ بھی کہا۔ مزید فرمایا کہ حضور ﷺ جب مکہ شریف تشریف لائے تو مشرکین نے طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ مسلمان کمزوری کی وجہ سے طواف بھی نہیں کر سکتے۔ اس پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو تین چکر رمل کے ساتھ اور بقیہ اپنی حالت کے مطابق کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں جو یہ فرمایا کہ لوگوں نے سچ بھی کہا۔ اس سے مراد ان کی یہ تھی کہ اس فعل کا حضور ﷺ نے کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس بارے میں لوگوں نے درست کہا لیکن جھوٹ یہ ہے کہ اسے وہ سنت قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رمل کو سنت نہیں سمجھتے تھے کیونکہ نہ کفار رہے جو کمزوری کا اعتراض کرنے والے تھے اور نہ ہی اب اس بات کو باقی رکھنے کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ اس اعتراض کا جواب صحیح مسلم کی شرح نووی میں شارح نے یوں دیا۔

جواب:

وهذا الذی قاله من کون الرمل لیس سنة مقصودة هو مذهبه وخالفه جمیع العلماء من الصحابة والتابعین واتباعهم ومن بعدهم فقالوا هو سنة فی الطوفات الثلاث من السبع فان ترکه فقد ترک سنته وفاته فضیلة.

(نووی علی المسلم ج ا ص ۴۱۱ باب استحباب الرمل فی الطواف مطبوعہ امین کمپنی دہلی)

یہ وہ قول ہے جس کے قائل حضرت عبداللہ بن عباس ہیں کہ رمل سنت مقصود نہیں ہے یہ ان کا اپنا مذہب ہے اور اس میں انہوں نے تمام علماء کرام کی مخالفت کی ہے یعنی حضرات صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مخالفت کی ہے۔ ان سب حضرات نے کہا ہے کہ سات چکروں میں سے پہلے تین میں رمل کرنا سنت ہے اگر کسی نے اسے چھوڑ دیا تو وہ سنت کا تارک ہوگا اور اس کی فضیلت سے محروم ہو جائے گا۔

قلنا ما ذکره ابن عباس رضی الله عنهما هو سببه ولکنه صار سنته بذالک السبب وبقی بعد زواله روی جابر وابن عمر رضی الله عنهما ان النبی ﷺ طاف یوم النحر فی حجة الوداع فرمل فی الثلاثة الاول ولم یبق المشرکون بمکة

ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو بات بیان کی وہ رمل کا سبب تھا لیکن اس سبب کی وجہ سے وہ سنت ہو گیا اور اس کے بعد بھی اس کی سنیت باقی ہے۔ حضرت جابر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر قربانی کے دن طواف کرتے ہوئے پہلے تین

عام حجة الوداع۔ چکروں میں رمل فرمایا حالانکہ حجۃ الوداع کے سال مشرکین باقی نہ تھے۔

(العنایہ مع فتح القدیر ج ۲ ص ۱۵۲ باب الاحرام مطبوعہ مصر)

قارئین کرام! ''عنایہ'' کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ عمرہ کے قضا کرنے کے بعد جب حجۃ الوداع میں تشریف لائے اور اس وقت مکہ میں کمزوری کا طعنہ دینے والے باقی نہ تھے۔ اس کے باوجود آپ نے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا۔ جس سے اس کی سنیت بہرحال ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اب کسی کو طاقت کا مظاہرہ دکھانا مقصود نہ تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی یہ ادا پسند آ گئی اور ایسی محبوب ہوگئی کہ قیامت تک کے تمام حاجی صاحبان کے لیے اسے سنت قرار دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۷۷ - بَابُ الْمَكِّيِّ وَغَيْرِهٖ يَحُجُّ أَوْ يَعْتَمِرُ هَلْ يَجِبُ عَلَيْهِ الرَّمَلُ

مکی یا غیر مکی حج یا عمرہ کرتا ہے تو اس پر رمل واجب ہے

۴۴۹ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهٗ رَأَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ مِّنَ التَّنْعِيْمِ قَالَ ثُمَّ رَأَيْتُهٗ يَسْعٰى حَوْلَ الْبَيْتِ حَتّٰى طَافَ الْأَشْوَاطَ الثَّلٰثَةَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے خبر دی کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتے دیکھا پھر میں نے انہیں خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے دیکھا انہوں نے تین چکروں میں رمل کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ الرَّمَلُ وَاجِبٌ عَلٰى أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ فِي الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل ہے کہ رمل مکی اور غیر مکی سب کے لیے واجب ہے خواہ عمرہ کریں یا حج ادا کریں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

رمل کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کے طواف کے بعد سعی کرتا ہے اس کے لیے رمل واجب ہے۔ طواف اور اس کے بعد سعی کرنا حج کی تین اقسام میں سے ہر ایک میں موجود ہیں لہٰذا قارن، متمتع اور مفرد سب پر رمل واجب ہے لیکن ان تین اقسام کے حج میں سے مکی کے لیے صرف حج مفرد کرنے کی اجازت ہے۔ آفاقی اور باہر سے آنے والا تینوں میں سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی لیے مکی اور غیر مکی دونوں حج مفرد جب کر سکتے ہیں تو پھر دونوں کے لیے حج مفرد میں رمل کرنا واجب ہے۔ اسی بات کو امام محمد نے بیان فرمایا کہ مکی یا غیر مکی دونوں کے لیے حج (مفرد) کرتے وقت رمل واجب ہے اور جس طرح دونوں کے لیے حج مفرد کی اجازت ہے اسی طرح دونوں کو عمرہ کرنے کی بھی اجازت ہے اور عمرہ میں بھی طواف کے بعد سعی ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں بھی مکی اور غیر مکی دونوں کے لیے عمرہ کرتے وقت رمل واجب ہوگا۔ اس کا ذکر بھی امام محمد نے کیا کہ مکی اور غیر مکی دونوں عمرہ میں رمل لازماً کریں گے اور یہی مسلک امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

۱۷۸ - بَابُ الْمُعْتَمِرِ أَوِ الْمُعْتَمِرَةِ مَا تَجِبُ عَلَيْهِمَا مِنَ التَّقْصِيْرِ وَالْهَدْيِ

عمرہ کرنے والے مرد یا عورت پر بال منڈوانے اور ہدی میں سے کیا ضروری ہے؟

۴۵۰ - أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّ مَوْلَاةً لِعَمْرَةَ ابْنَةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُقَالُ لَهَا رُقَيَّةُ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ خَرَجَتْ مَعَ عَمْرَةَ ابْنَةِ عَبْدِ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن ابی بکر نے بتایا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی آزاد کردہ لونڈی رقیہ نامی نے مجھے بتایا کہ وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے ساتھ مکہ گئی۔ کہتی ہے کہ عمرہ یوم الترویہ

الرَّحْمٰنِ اِلٰی مَکَّةَ قَالَتْ فَدَخَلَتْ عَمْرَةُ مَکَّةَ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ وَاَنَا مَعَهَا قَالَتْ فَطَافَتْ بِالْبَیْتِ وَبَیْنَ الصَّفَاءِ وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ دَخَلَتْ صُفَّةَ الْمَسْجِدِ فَقَالَتْ اَمَعَکِ مِقَصَّانِ فَقُلْتُ لَا قَالَتْ فَالْتَمِسِیْهِ لِیْ قَالَتْ فَالْتَمَسْتُهُ حَتّٰی جِئْتُ بِهٖ فَاَخَذَتْ مِنْ قُرُوْنِ رَاْسِهَا قَالَتْ فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَتْ شَاةً.

(آٹھ ذوالحج) کو مکہ شہر میں جب داخل ہوئی تب بھی میں اس کے ساتھ تھی۔ اس نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پھر مسجد کے چبوترے پر آئی اور مجھے پوچھا کیا تمہارے پاس بال کاٹنے کے لیے (قینچی وغیرہ) ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگی کہ جاؤ کہیں سے تلاش کر کے لاؤ۔ میں ڈھونڈ کر اس کے پاس لائی تو اس نے اپنے سر کی مینڈھیاں کاٹیں۔ مزید بیان کرتی ہیں کہ جب قربانی کا دن آیا تو اس نے بکری ذبح کی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لِلْمُعْتَمِرِ وَالْمُعْتَمِرَةِ یَنْبَغِیْ اَنْ یُّقَصِّرَ مِنْ شَعْرِهٖ اِذَا طَافَ وَسَعٰی فَاِذَا کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَ مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے کہ عمرہ کرنے والے مرد اور عورت دونوں کو طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہونے پر اپنے اپنے بال کاٹنے چاہئیں اور جب قربانی کا دن آئے تو جو قربانی میسر ہو وہ ذبح کر دے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

۴۵۱- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ عَلِیًّا کَانَ یَقُوْلُ مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ شَاةٌ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے ہمیں خبر دی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ" سے مراد بکری ہے۔

۴۵۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یَقُوْلُ مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ بَعِیْرٌ اَوْ بَقَرَةٌ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ "مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ" سے مراد اونٹ یا گائے ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِقَوْلِ عَلِیٍّ نَاْخُذُ "مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ" شَاةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول پر ہے کہ "مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ" سے مراد بکری ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

اس باب میں دو مسئلے ذکر ہوئے ہیں۔ ہم ان کی ذرا تفصیل بیان کرتے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ

حج تمتع کرنے والے ہر مرد اور عورت کے لیے عمرہ کرنے کے بعد بال منڈوانا یا کتروانا لازم ہوتا ہے اور اس طرح وہ احرام سے نکل آئے گا پھر حج کے لیے دوبارہ احرام باندھ کر حج کرے گا اور عید کے دن قربانی بھی کرے گا لیکن صرف عمرہ کرنے والے مرد اور عورت کے لیے قصر یا حلق (بال کتروانا یا منڈوانا) ہی ہے' قربانی نہیں ہے۔ موطا امام محمد کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف عمرہ کرنے والے ہر مرد و عورت پر قصر و حلق اور قربانی دونوں لازم ہیں حالانکہ اس میں قربانی دینے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ رہا عمرہ بنت عبد الرحمٰن کا عمل تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے صرف عمرہ نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اسی سال حج بھی کیا تھا جس کی وجہ سے وہ حج تمتع کرنے والے افراد میں شامل ہیں۔ روایت کے الفاظ میں اگرچہ اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ انہوں نے عمرہ سے فارغ ہو کر بال کٹوانے کے بعد پھر حج کرنے کے لیے احرام باندھا لیکن ان کا دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنا اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ

انہوں نے حج کا احرام باندھ کر حج کیا اور یوم النحر کو قربانی دی اس لیے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(فاخذت) به (من قرون) ای ضفائر (راسها فی المسجد) ارادة للستر والمباردة بالتقصير والاحرام من المسجد بالحج (فلما كان) وجد (يوم النحر ذبحت شاة) ان تمتعها زاد فی رواية ابن القاسم للموطا قال مالک اراها كانت معتمرة ولولا ذالک لم ناخذ من شعر راسها بكة يعنی انها دخلتها بعمرة وحلت منها فی اشهر الحج فوجب تعضير شعرها للعمرة والهدی للتمتع لاحرامها بالحج قال ابو عمر ادخل هذاهنا شاهدا علی ان استير من الهدی شاة لان عمرة كانت متمتعة والمتمتع له تاخير الذبح الی يوم النحر.

(زرقانی شرح موطاامام مالک ج ۲ ص ۳۳۴ باب ۲۶۴ مطبوعہ بیروت)

پس عمرہ نے اپنے سر کی مینڈھیوں میں سے کچھ مسجد میں کاٹیں۔ یہ اس لیے تاکہ پردہ بھی رہے اور کاٹنے میں جلدی بھی ہو جائے اور پھر مسجد سے حج کے لیے احرام بھی باندھا جا سکے پھر جب عید کا دن آیا تو اس نے ایک بکری ذبح کی کیونکہ وہ متمتع تھی۔ موطا میں ابن قاسم کی روایت میں یہ لفظ زائد آئے ہیں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میں عمرہ کو معتمرہ سمجھتا ہوں۔ اگر وہ ایسی نہ ہوتی (بلکہ قارنہ یا مفردہ ہوتی) تو بال نہ کاٹتی یعنی وہ مکہ شریف میں عمرہ کی نیت سے داخل ہوئی اور حج کے مہینوں میں عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا تو اس لیے اس نے عمرہ کے لیے اپنے بال کاٹے اور قربانی اس کی کہ اس نے بعد میں حج کا احرام باندھ کر تمتع کیا۔ ابوعمر کہتے ہیں اس روایت میں یہ بھی استدلال ہے کہ ''استیسر من الھدی'' سے مراد بکری ہے کیونکہ عمرہ نے متمتع ہوتے ہوئے قربانی کو یوم النحر تک مؤخر کیا ہے۔

مسئلہ ثانیہ

قرآن کریم میں ''مااستیسر من الھدیٰ'' کے ارشاد باری سے کیا مراد ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد بکری ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس سے مراد اونٹ یا گائے لیتے ہیں تو اس مسئلہ کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اختلاف افضلیت میں ہے ورنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بکری کے ذبح کرنے کو ناجائز نہیں فرماتے اور نہ ہی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اونٹ یا گائے کے ذبح کرنے پر عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ ''موطا'' کے باب ۱۵۴ میں حضرت ابن عمر سے ہی روایت گزر چکی ہے فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کوئی چیز میسر نہ آئے تو میرے لیے بکری کا قربان کرنا روزے رکھنے سے زیادہ پسندیدہ امر ہے۔ بہرحال اختلاف جواز وعدم جواز میں نہیں بلکہ اولویت و افضلیت میں ہے اور ہم احناف کے نزدیک آیت مذکورہ سے مراد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بقول بکری لینا افضل ہے۔

۱۷۹ - بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ

مکہ شریف میں احرام کے بغیر داخل ہونے کا بیان

۴۵۳ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِعْتَمَرَ ثُمَّ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِقُدَيْدٍ جَاءَهُ خَبَرٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ فَرَجَعَ فَدَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ انہوں نے عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ جب مقام قدید پر پہنچے تو مدینہ منورہ سے کوئی خبر ملی۔ آپ پھر واپس پلٹے اور مکہ شریف میں احرام کے بغیر داخل ہوئے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ مَنْ كَانَ فِي الْمَوَاقِيْتِ

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر عمل ہے کہ جو شخص میقات سے

اَوْ دُوْنَهَا اِلٰى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَكَّةَ وَقْتٌ مِنَ الْمَوَاقِيْتِ الَّتِیْ وُقِّتَتْ فَلَا بَاْسَ اَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ وَاَمَّا مَنْ كَانَ خَلْفَ الْمَوَاقِيْتِ اَیُّ وَقْتٍ مِنَ الْمَوَاقِيْتِ الَّتِیْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَكَّةَ فَلَا يَدْخُلَنَّ مَكَّةَ اِلَّا بِاِحْرَامٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

اندر جانب مکہ میں مقیم ہوا ایسا کہ جہاں وہ ہے وہاں سے مکہ شریف کے درمیان راستہ میں کوئی میقات نہ پڑتی ہو۔ جن کو احرام باندھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو ایسے شخص کے مکہ میں احرام باندھے بغیر داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر میقات مقررہ سے خواہ کوئی سی بھی میقات ہو کوئی شخص باہر رہتا ہے جو اس کے اور مکہ شریف کے درمیان پڑتی ہو تو اسے احرام باندھے بغیر ہر گز مکہ شریف میں داخل نہیں ہونا چاہیے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب عمرہ سے فارغ ہو کر جانب مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو مقام قدید پر آپ کو جس واقعہ کی خبر ملی وہ یا تو واقعہ حرہ تھا جس میں یزید نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور وہاں کے لوگوں کو مارنے کا حکم دیا تھا یا کوئی اور خبر تھی۔ بہر حال آپ مقام قدید سے واپس جانب مکہ روانہ ہوئے اور احرام نہ باندھا کیونکہ یہ جگہ اہل مدینہ کی میقات سے اندر مکہ کی طرف واقع ہے۔ اس لیے میقات کے اندر رہنے والا اگر مکہ شریف جانا چاہتا ہے تو احرام نہ باندھنے کی وجہ سے اس پر کوئی دم (جانور ذبح کرنا) لازم نہیں آتا کیونکہ دم اس وجہ سے لازم آتا ہے کہ میقات سے گزرنے والا کعبۃ اللہ کی عظمت کا خیال نہ رکھتے ہوئے بغیر احرام باندھے وہاں سے اندر داخل ہو جائے لہٰذا معلوم ہوا کہ میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے مکہ شریف میں آجانے کے لیے احرام باندھنا لازم نہیں ہے چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میقات کے اندر سے واپس مڑے تھے اس لیے آپ نے احرام نہ باندھا اور یہی تمام احناف اور علماء کرام کا مذہب و مسلک ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٨٠ - بَابُ فَضْلِ الْحَلْقِ وَمَا يُجْزِئُ مِنَ التَّقْصِيْرِ

سر مونڈنے اور بال کٹوانے کا بیان

٤٥٤ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ ضَفَّرَ فَلْيَحْلِقْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالتَّلْبِيْدِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع نے ہمیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے اپنے بالوں کی مینڈھیاں بنائیں اسے بال مونڈنے چاہئیں اور تلبید کی مشابہت نہیں کرنا چاہیے۔

٤٥٥ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ حضور ﷺ نے دعا مانگی۔ اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کے ساتھ سر کے بال چھوٹے کرانے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ سے رحم کی دعا مانگیے آپ نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے عرض کیا اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ کرام نے بال چھوٹے کرانے والوں کے لیے پھر عرض کیا آپ نے تیسری مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ سے سر منڈوانے والوں کے لیے رحم

کی دعا مانگی۔ صحابہ کرام نے پھر بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے درخواست کی تو اس مرتبہ آپ نے بال چھوٹے کرانے والوں کو بھی دعائے رحمت میں شامل فرمالیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ مَنْ ضَفَّرَ فَلْيَحْلِقْ وَالْحَلْقُ اَفْضَلُ مِنَ التَّقْصِيْرِ وَالتَّقْصِيْرُ يُجْزِئُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل یہ ہے کہ جس نے بالوں کی مینڈھیاں گندھی ہوئی ہوں۔ اسے بال منڈوا دینے چاہئیں اور بال مونڈنا، چھوٹے کرنے سے افضل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

٤٥٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ اِذَا حَلَقَ فِيْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ اَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهٖ وَمِنْ شَارِبِهٖ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ آپ جب حج یا عمرہ میں بال مونڈتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں کے کچھ بال بھی کاٹتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَيْسَ هٰذَا بِوَاجِبٍ مَنْ شَاءَ فَعَلَهٗ وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَفْعَلْهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ایسا کرنا واجب نہیں ہے جو چاہے یہ کرے اور جو چاہے وہ نہ کرے۔

باب کی پہلی روایت کچھ وضاحت کی طالب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینڈھیاں بنانے والے کے لیے فرمایا کہ احرام کھولتے وقت جب سر منڈانے یا بال چھوٹے کرنے کا حکم ہے تو اس شخص کے لیے صرف بال منڈوانے کا حکم ہے بالوں کو چھوٹا کرانا دوسروں کے لیے ہے جو مینڈھیاں نہ رکھتے ہوں۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ مینڈھیوں والا سر کے بالوں کو تلبید کی مشابہت سے بچائے۔ تلبید کا مفہوم یہ ہے کہ بالوں کو کھلنے اور بکھرنے سے بچانے کے لیے کسی چیز مثلاً گوند سے لیپ دیا جائے۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ تلبید کی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بالوں کا منڈانا متعین کرتے ہیں اور بالوں کو چھوٹا کرنا جائز نہیں قرار دیتے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ مینڈھیوں والا حلق کرے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے تلبید فرمائی ہے اور پھر حلق کیا ہے لیکن بالوں کی مینڈھیاں بنانا جبکہ یہ بھی تلبید کا کام دے تو مینڈھیاں بنانے کو تلبید کے مشابہ نہ کرنا چاہیے بعض حضرات نے اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تلبید بالوں کو بکھرنے اور ان کے پراگندہ ہونے سے روکنے کا انتہائی مضبوط طریقہ ہے اور مینڈھیاں بنانے میں اس سے کم مضبوطی ہوتی ہے۔

لہٰذا حاجی کے بکھرے بال اور گرد آلود ہونا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے تلبید اس کی شان کے لائق نہیں۔ یہی مفہوم امام زرقانی نے بھی نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ان عمر ابن الخطاب رضی الله عنه قال من ضفر فليحلق وجوبا فان قصره لم يجزه وعليه الحلق (ولاتشبه) الضفر (بالتلبيد) لانه اشد منه فيجوز التقصير عنه عمر رضی الله عنه لمن ليددون من ضفر.

(زرقانی شرح موطا امام مالک ج ۲ ص ۳۵۲ باب ۲۷۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے مینڈھیاں بنائیں اسے منڈوانا واجب ہے۔ اگر اس نے قصر کیا تو نا جائز ہوگا اس پر حلق ہی ہے اور مینڈھیاں بنانا تلبید کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس سے زیادہ مضبوط طریقہ ہے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلبید والے کے لیے تقصیر جائز ہے لیکن مینڈھیوں والے کے لیے نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ سر کے بالوں کا گوند کر مینڈھیاں بنالینا اور چیز ہے اور بالوں کو کسی چکنی چیز سے چپکالینا دوسری بات ہے۔

تلبید (بالوں کو چپکا لینا) حضور ﷺ نے بھی کی لیکن مینڈھیاں نہیں بنوائیں اور حاجی کی حالت جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے وہ بظاہر میلا کچیلا اور بکھرے بال اور گرد آلود جسم ہے اور مینڈھیاں بنانے میں بالوں کا بکھرنا وغیرہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے یہ مقصد کے قریب نہیں اور جو طریقہ مقصد سے جتنا دور ہوگا اس کے لیے حکم بھی اتنا ہی سخت ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت موطا امام مالک میں ہے۔فرماتے ہیں:

"من عقص راسه او ضفرا ولبد فقد وجب علیه الحلق جس نے اپنے سر کے بالوں کا جوڑا بنایا یا مینڈھیاں بنائیں یا تلبید کی تو اس پر منڈونا واجب ہے"۔ بہرصورت زیر بحث روایت کی تشریح میں اختلاف ہے اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ اپنایا جائے تو حلق اور قصر دونوں جائز ہیں لیکن حلق افضل ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حلق کرانے والے کے لیے تین دفعہ دعائے رحم فرمائی اور قصر والے کے لیے صرف ایک مرتبہ۔ حدیث مذکور کے آخری حصہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو عمل ذکر کیا گیا کہ آپ احرام کھولنے کے وقت داڑھی کے کچھ بال اور مونچھوں کے کچھ بال کاٹتے تھے۔ یہ آپ کا عمل احرام کھولنے کا حصہ نہیں ہے۔ احرام کھولتے وقت حلق یا تقصیر ہی ضروری ہے۔ جسم کے دیگر زائد بال اتارنا اپنی مرضی پر منحصر ہے اگر کوئی ایسا کرتا ہے تب بھی جائز اور اگر نہیں کرتا تو بھی کوئی گناہ نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

١٨١ - بَابُ الْمَرْأَةِ تَقْدَمُ مَكَّةَ بِحَجٍّ اَوْ بِعُمْرَةٍ فَتَحِيْضُ قَبْلَ قُدُوْمِهَا اَوْبَعْدَ ذَالِكَ

مکہ شریف کی طرف حج یا عمرہ کرنے کے ارادہ سے آنے والی عورت کو مکہ پہنچنے سے قبل یا بعد حیض آجانے کا بیان

٤٥٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ الْمَرْأَةُ الْحَائِضُ الَّتِيْ تُهِلُّ بِحَجٍّ اَوْعُمْرَةٍ تُهِلُّ بِحَجَّتِهَا اَوْبِعُمْرَتِهَا اِذَا اَرَادَتْ وَلٰكِنْ لَاتَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى تَطْهُرَ وَتَشْهَدُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا مَعَ النَّاسِ غَيْرَ اَنَّهَا لَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلَا تَقْرَبُ الْمَسْجِدَ وَلَا تَحِلُّ حَتّٰى تَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ۔

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے وہ عورت جس کو حیض آ گیا ہو اور اس نے حج کا یا عمرہ کا احرام باندھنا ہو تو وہ اپنا ارادہ پورا کرتے ہوئے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے لیکن بیت اللہ کا طواف وہ نہیں کرے گی اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گی یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور حج کے بقیہ افعال میں موجود رہے گی۔ صرف وہ طواف کعبہ اور صفا و مروہ میں لوگوں سے الگ رہ کر ان افعال کو ادا نہیں کرے گی اور وہ مسجد کے قریب بھی نہ جائے گی اور وہ طواف کعبہ کیے بغیر اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کیے بغیر احرام نہ اتارے۔

٤٥٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمْتُ مَكَّةَ وَاَنَا حَائِضٌ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَشَكَوْتُ ذَالِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ افْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے عبد الرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے بتایا وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں بحالت حیض مکہ شریف آئی اور میں نے نہ طواف کعبہ کیا اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ پس میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں اس

الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ.

بات کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جو کام دوسرے حج کرنے والے کر رہے ہیں تو بھی وہی کچھ کر ہاں بیت اللہ کا طواف نہ کرنا جب تک کہ تو پاک نہ ہو جائے۔

٤٥٩ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَاَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا قَالَتْ فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَاَنَا حَائِضٌ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ انْقُضِيْ رَاْسَكِ وَامْتَشِطِيْ وَاَهِلِّيْ بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ قَالَتْ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ اَرْسَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ اِلَى التَّنْعِيْمِ فَاعْتَمَرْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذِهٖ مَكَانَ عُمْرَتِكِ وَطَافَ الَّذِيْنَ حَلُّوْا بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا اٰخَرَ بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَانُوْا جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عروہ بن زبیر سے ابن شہاب نے بیان کیا وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال مدینہ منورہ سے جانب مکہ روانہ ہوئے۔ ہم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس ہدی ہے وہ حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھے پھر وہ ان دونوں سے جب تک فارغ نہ ہوا احرام نہ کھولے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حالت حیض میں مکہ شریف آئی اور میں نے نہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پس میں نے اس معاملہ کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اپنے سر کے بال کھول لو اور انہیں کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو تو میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق یہ سب کچھ کیا پھر جب میں نے حج مکمل کر لیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرے عمرہ کی جگہ ہے اور جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے فارغ ہو گئے پھر منیٰ سے واپس آ کر دوسرا طواف کیا لیکن وہ لوگ جنہوں نے حج اور عمرہ دونوں کو احرام میں جمع کیا تھا انہوں نے صرف ایک ہی طواف کیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ الْحَائِضُ تَقْضِي الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفَ وَلَا تَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى تَطْهُرَ فَاِنْ كَانَتْ اَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ فَخَافَتْ فَوْتَ الْحَجِّ فَلْتُحْرِمْ بِالْحَجِّ وَتَقِفُ بِعَرَفَةَ وَتَرْفُضُ الْعُمْرَةَ فَاِذَا فَرَغَتْ مِنْ حَجِّهَا قَضَتِ الْعُمْرَةَ كَمَا قَضَتْهَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَذَبَحَتْ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَبَحَ عَنْهَا بَقَرَةً وَهٰذَا كُلُّهٗ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِلَّا مَنْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّهٗ يَطُوْفُ طَوَافَيْنِ وَيَسْعٰى

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل ہے کہ حیض والی عورت حج کے تمام افعال ادا کرے گی لیکن وہ طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرے گی یہاں تک کہ پاک ہو جائے۔ اگر اس عورت نے عمرہ کا احرام باندھا تھا پھر اسے حج کے فوت ہونے کا خوف ہوا تو اسے حج کا احرام باندھ لینا چاہیے اور وقوف عرفہ کرنا چاہیے اور عمرہ کو ترک کر دینا چاہیے پھر جب وہ اپنے حج کے افعال سے فارغ ہو جائے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرح عمرہ کی قضا بجا لائے اور جو میسر آئے قربانی کرے۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ

سعیین. رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح کی تھی۔ یہ تمام باتیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر بھی ہیں۔صرف ایک بات میں فرق ہے وہ یہ کہ جس نے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کیا وہ دو مرتبہ طواف اور دو مرتبہ سعی کرے گا۔

اس باب میں چند مسائل ذکر کیے گئے جن کی ہم بقدر ضرورت وضاحت کرتے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ

حیض والی عورت کے لیے حج اور عمرہ کا احرام باندھنا جائز ہے پھر حج اور عمرہ کے تمام افعال وہ دوسرے حاجیوں کی طرح بجا لائے گی صرف دو باتوں سے بچے گی۔ایک خانہ کعبہ کا طواف دوسرا صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے سے۔اول الذکر کی ادائیگی چونکہ مسجد بیت اللہ میں ہوتی ہے اور حیض والی عورت کو مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے لیکن صفاومروہ کے درمیان سعی سے اس لیے روکا گیا کہ اس کا دارومدار طواف کعبہ پر ہوتا ہے جب طواف نہیں کر سکتی تو سعی بھی نہ کرے گی اسی لیے اگر کسی عورت کو طواف کعبہ کے بعد اور سعی سے قبل حیض آ گیا تو وہ اب سعی ترک نہیں کرے گی۔اس کی تائید فتح الباری کے اس حوالہ سے ہوتی ہے جوانہوں نے سند صحیح کے ساتھ بروایت ابن ابی شیبہ نقل کی ہے۔

اذا طافت ثم حاضت قبل ان تسعی بین الصفا والمروۃ فلتسع. (فتح الباری ج ۳ ص ۳۹۷ باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت)

(حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے) کہ جب کسی عورت کو طواف کر لینے کے بعد اور سعی سے قبل حیض آ جائے تو اسے صفاومروہ کے درمیان سعی کرنی چاہیے۔

مقصد یہ کہ سعی کے لیے نہ تو طہارت شرط ہے اور نہ ہی یہ مسجد کے ساتھ متعلق ہے صرف طواف پر موقوف ہے اس لیے اگر طواف محقق ہو گیا تو سعی کرنا پڑے گی۔

مسئلہ ثانیہ

اگر کسی عورت کو احرام باندھنے سے قبل یا احرام باندھنے کے بعد لیکن طواف کعبہ کرنے سے قبل حیض آ گیا اور وہ حج کے دنوں سے قبل پاک بھی ہو گئی تو ایسی عورت کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نے حج قران کا احرام باندھا تھا تو وہ عمرہ ادا کرنے کے بعد حج کرے اور اگر حج تمتع کا احرام باندھا تھا تو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور پھر دوبارہ مسجد حرام سے حج کے لیے احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

مسئلہ ثالثہ

اگر عمرہ کا احرام باندھنے والی عورت کو حیض آ گیا اور وہ خطرہ محسوس کرتی ہو کہ حج کا وقت نکل جائے گا تو ایسی عورت عمرہ کا احرام توڑ دے اور اس کی جگہ حج کا احرام باندھ لے۔حج کرنے کے بعد عمرہ کی قضا کر لے جیسا کہ باب کی تیسری حدیث میں آیا ہے۔اس روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے احرام میں اختلاف ہے۔بعض کا قول ہے کہ سیدہ نے ابتدا میں ہی حج کا احرام باندھا تھا لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ آپ نے ابتداً عمرہ کا احرام باندھا تھا کیونکہ خود احادیث کے الفاظ اس کی صراحت کرتے ہیں۔فرماتی ہیں: ''فاھللنا بعمرۃ ہم نے عمرہ کا احرام باندھا''۔اور دوسری دلیل یہ کہ اس سے اگلی چوتھی حدیث کے الفاظ ھذہ مکان عمرتک ہیں۔یعنی حضور ﷺ نے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ مقام تنعیم پر روانہ فرمایا تو عمرہ کا

احرام باندھ کر عمرہ ادا کرنے کے لیے بھیجا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا عمرہ کی کرائی جارہی ہے تو جس کی قضا ہوگی وہی اصل میں ٹوٹا بھی ہوگا۔ اسی قضا کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے ان کی طرف سے گائے بھی ذبح کی۔ اس قربانی کے بارے میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ قربانی حضور ﷺ نے حج کے شکرانہ کے طور پر کی تھی یا کسی جنایت کا دم تھا۔ احناف اسے مؤخر الذکر قربانی قرار دیتے ہیں کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حج، حج مفرد بنتا ہے اور حج مفرد کرنے والے پر قربانی نہیں۔ شکرانہ کی قربانی یا تو قارن پر یا متمتع پر آتی ہے اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے نہ قران کیا نہ تمتع بجالائیں کیونکہ آپ نے جو عمرہ کیا وہ حج کے بعد کیا اور ایسا عمرہ جو حج کے بعد کیا جائے وہ حج کو قران اور تمتع نہیں بلکہ افراد میں ہی رہنے دیتا ہے اس لیے یہ قربانی شکرانہ کی قرار دینا صحیح نہیں بلکہ دم کے طور پر تھی۔ بعض احادیث میں اس کی صراحت بھی ہے۔

عن جابر قال ذبح رسول الله ﷺ عن عائشة بقرة يوم النحر.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۲۴ باب جوار الاشتراک فی الھدی)

حضرت جابر (بن عبد اللہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے عید کے دن ایک گائے ذبح فرمائی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو عمرہ فاسد ہو چکا تھا اس کے عوض میں نبی پاک ﷺ نے ان کی طرف سے گائے ذبح فرمائی اور یہی احناف کا مسلک ہے۔

اعتراض

اسی جگہ مسلم شریف میں اسی کے ساتھ ایک دوسری حدیث مروی ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

ابو الزبير انه سمع جابر بن عبد الله يقول نحر رسول الله ﷺ عن نسائه.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۲۴ باب جوار الاشتراک فی الھدی)

ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے قربانی کی۔

تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی۔ وہ صرف آپ کی طرف سے نہیں تھی بلکہ وہ سب امہات المؤمنین کی طرف سے مشترکہ گائے قربانی کی تھی نہ کہ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عمرہ کو توڑنے کی وجہ سے آپ نے قربانی کی تھی۔

جواب: عمرے کو توڑنے کی وجہ سے مائی صاحبہ کی طرف سے بطور دم ذبح کرنے پر ایک صحیح حدیث مسانید امام اعظم میں موجود ہے لہٰذا اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

ابو حنيفه (عن) عبد الملك بن عمير (عن) ربعي بن خراش (عن) عائشة رضي الله تعالى عنها النبي ﷺ امرله ففها العمرة دما.

(مسانید امام اعظم ج ۱ ص ۵۴۹ پہلی جلد ختم ہونے سے پہلے پانچ ورق مکتبہ اسلامیہ سمندری لائل پور (فیصل آباد))

امام ابو حنیفہ عبد الملک بن عمیر سے اور وہ ربعی بن خراش سے اور وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے دم دینے کا حکم فرمایا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ مشترکہ قربانی نہیں تھی بلکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرہ رہ جانے کا دم تھا۔ یہی احناف کا مسلک ہے کہ جس کے لیے یہ اثر صحیح اور حدیث صحیح کافی اور شافی ہے۔

قارئین کرام! صحیح مسلم خصوصاً مسانید امام کی روایت کی اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے یعنی حضرت امام ابو حنیفہ نے جس سند سے

روایت مذکورہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا ہے وہ بلا شک صحیح سند ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جو شخص احرام عمرہ باندھ کر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے کھول دیتا ہے اس پر دم واجب ہوتا ہے جبکہ وہ عمرہ ادا نہ کر سکے۔ موطا امام محمد کے باب کی آخری روایت میں جو یہ ذکر ہوا کہ حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھنے والے صرف ایک طواف اور ایک مرتبہ سعی کریں۔ یہ بات مسلک احناف کے موافق نہیں۔ ہمارے نزدیک ایسے شخص کو دو مرتبہ طواف اور دو ہی مرتبہ سعی کرنا ضروری ہے۔ ہم اس کی تفصیل موطا امام محمد کے ایک گزشتہ باب ۱۷۴ میں بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۱۸۲ - بَابُ الْمَرْأَةُ تَحِيْضُ فِىْ حَجِّهَا قَبْلَ اَنْ تَطُوْفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ

عورت کو دوران حج طواف زیارت سے قبل حیض آجانے کا بیان

۴۶۰ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنِىْ اَبُو الرِّجَالِ اَنَّ عَمْرَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَتْ اِذَا حَجَّتْ وَمَعَهَا نِسَاءٌ تَخَافُ اَنْ تَحِضْنَ قَدَّمَتْهُنَّ يَوْمَ النَّحْرِ فَاَفَضْنَ فَاِنْ حِضْنَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمْ تَنْتَظِرْ تَنْفِرُ بِهِنَّ وَهُنَّ حُيَّضٌ اِذَا كُنَّ قَدْ اَفَضْنَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے ابوالرجال نے بتایا کہ عمرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خبر دی کہ آپ جب حج کو تشریف لے جاتیں اور آپ کے ساتھ اور بھی بہت سی عورتیں حج کے لیے جاتیں۔ انہیں حائضہ ہونے کا خطرہ ہوتا تو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا انہیں قربانی کے دن طواف افاضہ (زیارت) کے لیے روانہ فرما دیتیں وہ جا کر طواف کرتیں پس اگر وہ اس کے بعد حالت حیض میں ہو جاتیں تو آپ ان کے حیض سے پاک ہونے کا انتظار نہ کرتیں (طواف الوداع کے لیے) بلکہ حالت حیض میں ہی انہیں ساتھ لے کر چلتیں جب وہ طواف زیارت کر چکی ہوتیں۔

۴۶۱ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ عَنْ عَمْرَةَ ابْنَةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَىٍّ قَدْ حَاضَتْ لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا قَالَ اَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ بِالْبَيْتِ قُلْنَ بَلٰى اِلَّا اِنَّهَا لَمْ تَطُفْ طَوَافَ الْوِدَاعِ قَالَ فَاخْرُجْنَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبد اللہ بن ابی بکر نے اپنے والد سے اور وہ عمرہ سے بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک صفیہ بنت حیی کو حیض شروع ہو گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں روک دے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا اس نے تمہارے ساتھ مل کر طواف کعبہ نہیں کیا؟ ہم نے عرض کیا ہاں اس نے کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: پھر حج کے بقیہ افعال ادا کرنے کے لیے چلو۔

۴۶۲ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَخْبَرَهُ عَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ ابْنَةِ مَلْحَانَ قَالَتْ اِسْتَفْتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَنْ حَاضَتْ اَوْ وَلَدَتْ بَعْدَ مَا اَفَاضَتْ يَوْمَ النَّحْرِ فَاَذِنَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَرَجَتْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں عبد اللہ بن ابی بکر نے اپنے والد سے بیان کیا کہ ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف نے انہیں ام سلیم بنت ملحان سے خبر دی کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے ایسی عورت کے بارے میں فتویٰ پوچھا جو طواف افاضہ کے بعد قربانی کے دن حیض والی ہوگئی یا اس نے بچہ کو جنم دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جا سکتی ہے لہٰذا وہ چلی گئی۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَيُّمَا امْرَاَةٍ حَاضَتْ قَبْلَ اَنْ تَطُوْفَ يَوْمَ النَّحْرِ طَوَافَ الزِّيَارَةِ اَوْ وَلَدَتْ قَبْلَ ذَالِكَ فَلَا تَنْفِرَنَّ حَتّٰى تَطُوْفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ وَاِنْ كَانَتْ طَافَتْ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثُمَّ حَاضَتْ اَوْ وَلَدَتْ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ تَنْفِرَ قَبْلَ اَنْ تَطُوْفَ طَوَافَ الصَّدْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل یہ ہے کہ کوئی بھی عورت جس کو قربانی کے دن طواف کرنے سے قبل حیض آجائے یا طواف زیارت ادا کرنے سے قبل اس کے ہاں ولادت ہو جائے تو اسے طواف زیارت کیے بغیر ہرگز نہیں جانا چاہیے اور اگر وہ طواف زیارت کر چکی تھی پھر حیض آگیا یا بچہ جنا تو اس کے چلے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صدر (طواف الوداع) نہ کر سکی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔

باب کا خلاصہ یہ ہے کہ طواف زیارت چونکہ حج کا رکن ہے اس لیے اس کی ادائیگی ہر ایک مرد عورت کے لیے لازمی ہے لہٰذا اگر کسی عورت نے ابھی یہ طواف نہیں کیا تھا کہ وہ حائضہ ہوگئی یا اس کے ہاں ولادت ہوگئی اور وہ نفاس والی ہوگئی تو اس عورت کو یہ طواف کیے بغیر واپس نہیں جانا چاہیے یعنی جب پاک ہو جائے تو طواف زیارت کر کے حج کے افعال سے فارغ ہو اور اگر یہی صورت کسی عورت کو طواف زیارت کر لینے کے بعد پیش آئی اور ابھی اس نے طواف الوداع نہ کیا تھا تو اب اسے جانے کی اجازت ہے اور طواف الوداع نہ کرے گی تو کوئی حرج نہیں۔

طواف کی اقسام

طواف کی تین اقسام ہیں۔ (۱) طواف قدوم (۲) طواف زیارت (افاضہ) (۳) طواف الوداع (صدر)

طواف قدوم: ہر وہ شخص جو حدود میقات سے باہر رہنے والا ہو وہ جب حج کے لیے آئے تو اسے دربار کی حاضری کا سب سے پہلا نذرانہ بصورت طواف ادا کرنا ہوتا ہے اسے طواف قدوم کہتے ہیں۔ میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ بھی میقات سے باہر چلے جائیں اور واپس مکہ آنا چاہیں تو بیت اللہ کا طواف یہ بھی کریں گے۔

طواف زیارت: وہ طواف ہے جو دس ذوالحجہ سے بارہ ذوالحجہ تک کیا جاتا ہے اس کے لیے یہ وقت معین ہے۔ میدان عرفات میں وقوف کے بعد حج کا یہ دوسرا رکن ہے۔ اگر کسی وجہ سے طواف زیارت بارہ ذوالحجہ کے بعد کیا گیا تو اس تاخیر کی وجہ سے حاجی کو دم (قربانی) دینا واجب ہو جاتا ہے۔

طواف الوداع: طواف زیارت کے بعد طواف الوداع کا وقت ہے لیکن اس کی انتہا نہیں یعنی حاجی حج کرنے کے بعد جب واپس آنا چاہے تو طواف کر کے لوٹے گا۔ یہ اس کا الوداعی فعل ہے اسی لیے اس کو طواف الوداع کہا جاتا ہے۔ کتب میں مذکور ہے کہ جب حاجی اس طواف کے ساتھ چکر مکمل کر کے دوگانہ ادا کر کے بیت اللہ سے نکلنے لگے تو الٹے پاؤں نکلے اور جی بھر کر کے آخری قدم تک کعبہ شریف کا دیدار کرتا رہے اور اگر اس طرح رخصت ہونا مشکل ہو تو چند قدم چل کر پھر پلٹ کر خدا کے گھر کو دیکھے اور حسرت سے آنسو بہاتا مسجد سے باہر آجائے۔ اگر کسی شخص نے یہ طواف بلاوجہ چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر واپس آگیا تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ یہ طواف واجب ہے اور واجب کے چھوڑنے پر دم دینا پڑتا ہے۔ ایسی عورت جو حائضہ ہوگئی اور حیض سے قبل طواف زیارت کر چکی تھی وہ اگر طواف الوداع کیے بغیر واپس آجاتی ہے تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہے۔

طواف خواہ کوئی بھی ہو۔ اس کے لیے نیت فرض ہے بغیر نیت طواف نہیں ہوگا لیکن نیت طواف کا معین ہونا کوئی شرط نہیں ہے بلکہ طواف کی مطلقاً نیت کر لی تو اس سے جو چاہے طواف ادا کرے وہ ہو جائے گا بلکہ وہ طواف کہ جس کو کسی وقت کے ساتھ معین کر دیا گیا

وہ بھی مطلق نیت سے ادا ہو جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے عمرہ کا احرام باندھا اور طواف کیا تو اگرچہ "عمرہ کا طواف" نہ بھی کہا پھر بھی عمرہ کا ہی ہوگا یونہی حج کا احرام باندھا اور کعبہ کا طواف کیا تو باہر سے آنے والے کا یہ طواف، طواف قدوم کہلائے گا یا کسی نے حج قران کی نیت کی اور آ کر دو طواف کیے تو پہلا عمرہ کا اور دوسرا حج کا طواف ہو جائے گا۔ دسویں' گیارہویں یا بارہویں کو طواف کیا تو طواف زیارت کہلائے گا۔

طریقۂ طواف: طواف کی ابتدا حجر اسود سے ہوتی ہے اس طرح کہ حجر اسود سے باب کعبہ کی طرف جو سیدھے ہاتھ پڑتا ہے۔ چلنا شروع کر دیا جائے پھر تھوڑا سا آگے بڑھے گا تو حطیم آ جائے گا۔ یہ وہ جگہ ہے جو صحن کعبہ میں خانہ کعبہ کے شمالی جانب دیوار اٹھا کر الگ کی گئی ہے۔ اس کے اوپر سے گزر جائے حتیٰ کہ جب پھر حجر اسود کے سامنے آئے تو حجر اسود کو چومے۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے چوم نہیں سکتا یا چومنے میں دوسروں کی اذیت کا خطرہ ہے تو پھر ہاتھ لگا کر اپنے ہاتھوں کو چوم لے اگر ہاتھ لگانا بھی مشکل ہو تو بغیر اذیت دیئے چھڑی وغیرہ حجر اسود کو لگا کر اسے چوم لے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دور سے اپنے ہاتھ حجر اسود کی طرف پھیلائے اور اس کی طرف اشارہ کر کے ہاتھوں کو چوم لے۔ یوں ایک چکر مکمل ہوا اور اسی طرح سات چکر پورے کر کے سات چکر مکمل ہونے پر مقام ابراہیم کے قریب کسی جگہ دو رکعت شکرانہ ادا کرے۔ اس طرح جب بھی طواف کا موقع ملے ضرور کرے۔

امت کے بزرگ اور صالح شخص کے ہاتھ پاؤں چومنا

حجر اسود کے چومنے سے محدثین کرام اور علماء عظام نے امت کے بزرگوں اور صالحین کے ہاتھ پاؤں چومنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ زین الدین فرماتے ہیں۔"**اما تقبیل الاماکن الشریفة علی قصد التبرک و کذالک تقبیل ایدی الصالحین و ارجلهم فهو حسن محمود باعتبار القصد و النیة** یعنی مقامات مقدسہ کا حصول برکت کی نیت سے چومنا اور اسی طرح صالحین کے ہاتھ پاؤں کا بوسہ لینا ایک اچھا اور قابل تعریف فعل ہے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مجھے اپنے جسم کا وہ حصہ دکھائیں جہاں حضور ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ناف تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی ناف کا بوسہ لیا تاکہ سرکار دو عالم ﷺ کی اولاد امجاد کے آثار سے برکت حاصل ہو۔

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک اسے چوم نہ لیتے اور فرمایا کرتے تھے۔ "**ید مست ید رسول الله** ﷺ یعنی یہ وہ ہاتھ ہے جو حضور ﷺ کے مبارک ہاتھ کے ساتھ مس ہوا تھا"۔

شیخ زین الدین نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ ابو سعید ابن علائی نے بیان کیا کہ میں نے ایک پرانی تحریر میں جناب ابن ناصر اور دیگر محدثین کرام کے ہاتھوں سے لکھا ہوا دیکھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی قبر انور اور آپ کا منبر شریف چومنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا:"**لا باس بذالک** اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔ ابن علائی کہتے ہیں کہ ہم نے ابن تیمیہ کو امام احمد بن حنبل کا یہ فتویٰ دکھایا تو وہ بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا تعجب ہے کہ امام احمد بن حنبل تو میرے نزدیک بہت جلیل القدر اور بڑے امام ہیں۔ ان کا یہ کلام ہے؟ (یعنی ان کا کلام ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا) ابن علائی نے کہا اس میں تعجب کی کون سی بات ہے ہم نے تو امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے۔"**انه غسل قمیصا للشافعی و شرب الماء الذی غسله به** انہوں (امام احمد بن حنبل) نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی قمیص دھوئی اور جس پانی سے اسے دھویا وہ انہوں نے نوش فرما لیا"۔"**و اذا کان**

هذا تعظیمه لاهل العلم فکیف بمقادیر الصحابة و کیف باثار الانبیاء علیهم الصلوة والسلام. جب امام احمد بن حنبل کے نزدیک اہل علم کی اس قدر تعظیم ہے تو حضرات صحابہ کرام کی قدر و منزلت ان کے نزدیک کیا ہوگی اور پھر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار و تبرکات کی تعظیم اور ان سے عقیدت کا کیا حال ہوگا''؟

امر علی الدیار دیار لیلی اقبل ذا الجدار و ذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

میرا گزر لیلیٰ کے شہروں میں ہوا۔ میں کبھی اس دیوار کو اور کبھی اس کو چومتا رہا اور ان شہروں کی محبت نے میرے دل کو نہ پھاڑا لیکن ان شہروں میں ٹھہرنے والے کی محبت نے میرا دل پھاڑا۔

محب طبری فرماتے ہیں کہ حجر اسود اور دیگر ارکان کا بوسہ لینے سے یہ جواز نکلتا ہے کہ ہر وہ چیز چومی جا سکتی ہے جس کے چومنے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو کیونکہ اس سلسلہ میں تعظیم کا حکم نہیں آیا لیکن کسی حدیث میں اس کی ممانعت، مخالفت یا کراہت بھی تو نہیں آئی اور میرے جد امجد جناب محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن ابی سیف نے مجھ سے بیان کیا کہ بعض حضرات قرآن کریم کو چومتے ہیں اور احادیث کے اوراق کو چومتے ہیں۔

و اذا رای قبور الصالحین قبلها ولا یعد هذا والله اعلم فی کل مافیه تعظیم لله تعالی.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۹ ص ۲۴۱ ذکر فی الحجر الاسود)

اور جب وہ صالحین کی قبر کو دیکھتے ہیں تو اسے چومتے ہیں اور ہر اس چیز کا چومنا کوئی بعید بات نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا امام شافعی کی قمیص کا غسالہ پی جانا۔ دراصل ابن تیمیہ کو بتلانا تھا کہ امام موصوف نے جو حضور ﷺ کی قبر انور اور منبر شریف کو بوسہ دینے پر تعجب کیا وہ درست نہیں۔ ابن تیمیہ اپنے آپ کو حنبلی کہلاتا تھا اور مسئلہ مذکور میں یہ سخت انتہا پسند تھا۔ جب امام کا قول و عمل پیش کیا گیا تو چاہیے یہ تھا کہ اپنی اصلاح کر لیتا لیکن اللہ نے چاہا کہ وہ اسی ڈگر پر قائم رہے چنانچہ اس کی پیروی میں اس کی ذریت آج بھی اپنے امام احمد بن حنبل کے خلاف نظریہ رکھتی ہے۔

حدثنی عبد الرحمن بن زرین قال مررنا بالربذة فقیل لنا ههنا سلمة بن اکوع فاتیناه فسلمنا علیه فاخرج یدیه فقال بایعت بهاتین نبی الله ﷺ فاخرج کفاله ضخمة کانها کف بعیر فقمنا الیه فقبلناها. عن ابن جدعان قال ثابت لانس امسست النبی ﷺ بیدک قال نعم فقبلها.

(الادب المفرد تصنیف امام بخاری ص ۱۴۳ باب تقبیل الید مطبوعہ بیروت)

عبد الرحمٰن بن زرین نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم مقام ربذہ سے گزرے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ ہم ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ انہیں سلام کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ نکال کر فرمایا کہ میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی پھر انہوں نے اونٹ کے پاؤں کی طرح موٹا سا ہاتھ دکھایا۔ ہم سب اٹھے اور اٹھ کر اسے چوم لیا۔ ابن جدعان بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہا کیا تم نے اپنے ہاتھ سے سرکار دوعالم ﷺ کو چھوا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں تو حضرت ثابت نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو چوم لیا۔

حدثنی امراة من سباح عبد القیس یقال لها ام ابان ابنة الوازع عن جدها ان جدها الوازع بن

وازع بن عامر سے روایت ہے کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ پس ہم نے

عامر قال فدنا فقبل ذالک رسول الله ﷺ فاخذنا بیدیه ورجلیه نقبلها.

آپ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے شروع کر دیئے۔

عن صهیب قال رایت علیا یقبل هذا العباس ورجلیه. (الادب المفرد ص۱۴۴ باب تقبیل الرجل)

صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں چومتے۔

''ادب المفرد'' حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ ایسے جلیل القدر محدث کی نقل کردہ تین عدد روایات ہم نے درج کیں۔ خود امام بخاری نے جو باب باندھا وہ بھی ''ہاتھ پاؤں چومنے'' کے متعلق ہے۔ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ امام بخاری کا یہ طریقہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے جائز ہیں بلکہ عمل صحابہ کرام کو اگر دیکھا جائے تو ان روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت صحابہ ہے لہٰذا اسے بدعت کہنے والے اپنے نظریہ پر غور کریں اور اس کی اصلاح کریں۔

وفی الروایات انه یمین الله فی الارض ووضع الیدین علیه یقوم مقام المصافحة فلا باس ان یکون اصلا للمصافحة بالیدین ثم ان تقبیله ثابت شرعا فالیکن اصلا لتقبیل تبرکات الصالحین وقبل عمرو ابن عبد العزیز المصحفة واباح احمد تقبیل الروضة المطهرة وتحیر منه الحافظ ابن تیمیه فانه لا یجوز عنده. (فیض الباری شرح البخاری لعلامہ انور شاہ کشمیری ص۹۶ باب الحجر الاسود مطبوعہ قاہرہ)

روایات میں آیا ہے کہ حجر اسود زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اور اس پر کسی کا دونوں ہاتھ رکھنا مصافحہ کے قائم مقام ہے لہٰذا اس کو اگر دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا اصل قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں پھر حجر اسود کو چومنا شرعاً ثابت ہے۔ لہٰذا بزرگان دین کے تبرکات کے چومنے کا اسے اگر اصل قرار دیا جائے تو درست ہو گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو چوما اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے روضۂ مطہرہ کو چومنا مباح فرمایا ہے اور حافظ ابن تیمیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ ارنی شیئا اذداد به یقینا فقال اذهب الی تلک الشجرة فادعها فذهب الیها فقال ان رسول الله ﷺ یدعوک فجاء ت حتی سلمت علی النبی ﷺ فقال لها ارجعی فرجعت قال اذن له فقبل راسه ورجلیه.

(ردالمحتار شامی ج۶ ص۳۸۳ باب الاستبراء مطبوعہ مصر)

حضور ﷺ کی بارگاۂ اقدس میں ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے کچھ (معجزہ) دکھائیں کہ جس کو دیکھ کر میرا یقین پختہ ہو جائے۔ آپ نے اسے فرمایا: اس درخت کے پاس جاؤ اور اسے جا کر بلاؤ۔ وہ گیا اور جا کر کہا تجھے رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔ وہ آ گیا اور حضور ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے اسے فرمایا: جاؤ اپنی جگہ لوٹ جاؤ۔ وہ واپس چلا گیا۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے اجازت دی تو اس نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چوم لیے۔

اسی مقام پر درمختار کی عبارت یہ ہے۔

ولا باس بتقبیل یدالرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک لا باس تقبیل یدالحاکم والمتدین السلطان العادل وقیل سنة مجتبی وبتقبیل راسه ای العالم اجود کمافی البزازیه.

کسی عالم دین اور پرہیزگار شخص کے ہاتھ چومنا بقصد تبرک اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یونہی حاکم اور دیندار عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنا بھی درست ہے اور کہا گیا کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے اور عالم دین کے سر ماتھے کو چومنا بہت اچھا ہے جیسا کہ بزازیہ

میں ہے۔

عن تمیم بن سلمی قال قدم عمر الشام استقبله ابو عبیده ابن الجراح فصافحه فقبل یده ثم خلوا یبکیان فکان تمیم یقول تقبیل الیدسنة.

(کنز العمال ج ۹ ص ۲۲۰ الصافحہ وتقبیل الید مطبوعہ مصر)

تمیم بن سلمٰی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لائے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے ان کا استقبال کیا۔ان سے مصافحہ کیا اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا پھر دونوں تنہائی میں رونے لگے حضرت تمیم راوی کہا کرتے تھے کہ ہاتھ کو چومنا سنت ہے۔

عن صفوان بن عسال ان قوما من الیهود قبلوا ید النبی ﷺ ورجلیه.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۲۲ باب الرجل یقبل ید الرجل مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

جناب صفوان بن عسال سے روایت ہے کہ کچھ یہودیوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے۔

عن یحیی بن الحارث الزماری قال لقیت واصلة بن عسقه فقلت بایعت بیدک هذه رسول الله ﷺ فقال نعم قلت عطنی یدک اقبلها فاعطانیها فقبلتها.

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۴۲ باب قبلۃ الید مطبوعہ بیروت)

جناب یحیٰی بن حارث زیدی کہتے ہیں کہ میں حضرت واصلہ بن عسقہ سے ملا تو میں نے پوچھا کیا آپ نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی؟ فرمانے لگے ہاں۔میں نے کہا مجھے اپنا ہاتھ دے دیجئے کہ میں اس کا بوسہ لوں۔انہوں نے مجھے دے دیا اور میں نے اسے چوم لیا۔

عن ابن عمر انه قبل ید النبی ﷺ.

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کا ہاتھ چوم لیا۔

قارئین کرام! دس عدد روایات ہم نے بطور نمونہ پیش کیں جو اس بات کے ثبوت اور جواز بلکہ سنت ہونے کے لیے کافی ہے کہ صلحاء امت اور بزرگان دین کے ہاتھ چوم لینا اور قدم بوسی ہوتی رہی۔علاوہ ازیں حضور ﷺ کا بعض صحابہ کرام کی پیشانی چومنا خاص کر خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اور حضرت خاتون جنت کا آپ ﷺ کے ہاتھ چوم لینا بہت سی احادیث میں یہ موجود ہیں۔ہم نے صرف ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔تفصیل کتب سے دیکھی جا سکتی ہے۔

اعتراض

گزشتہ سطور میں بحوالہ "فیض الباری" حجر اسود کے بوسہ لینے کو مصافحہ اور ہاتھ پاؤں چومنے کا اصل کہا گیا ہے۔لیکن کتب حدیث میں حجر اسود کے متعلق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے۔ولا تضر ولا تنفع تو نہ نقصان کر سکتا ہے اور نہ ہی نفع دے سکتا ہے" تو معلوم ہوا کہ جب اصل ہی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتا تو پھر ہاتھ پاؤں چومنے سے کیا حاصل اور کیا نفع ہو سکتا ہے؟

جواب: سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حجر اسود کو " لا تضر ولا تنفع "فرمانا بجا اور ثابت ہے لیکن معترض نے اس کا مفہوم سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے ورنہ اعتراض نہ کرتا۔آپ نے حجر اسود سے جس نفع و نقصان کی نفی فرمائی وہ ذاتی مراد ہے۔ثبوت ملاحظہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا: "ولا تضر ولا تنفع" اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت و اذن کے بغیر تو نفع و

نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حاکم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ جب آپ طواف کرنے لگے تو آپ نے حجر اسود کی طرف منہ کیا اور فرمایا: میں بخوبی جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ جو نہ نقصان کر سکے اور نہ نفع دے سکے اور اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے نہ چومتا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے چوم لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پتھر نفع ونقصان دیتا ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا دلیل ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اس وقت کو یاد کرو جب آپ کے پروردگار نے اولاد آدم سے ان کی پشتوں میں اور ان کے اولاد سے عہد لیا اور انہیں خود اپنی ذات پر گواہ بنایا۔ پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں'' اور یہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو اپنا دست قدرت ان کی پشت پر پھیرا تو انہوں نے اقرار کیا کہ وہ ان کا رب ہے اور خود وہ اس کے بندے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے عہد اور میثاق لیا پھر اسے ایک ورق میں لکھ رکھا۔ اس پتھر (حجر اسود) کی دو آنکھیں اور زبان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: منہ کھول اس نے کھول دیا پھر یہ پتھر وہ ورق نگل گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو قیامت کے دن گواہی دینا ہر اس شخص کے حق میں جس نے تجھ سے وفا کی ہو گی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن حجر اسود کو لایا جائے گا اور اس کی زبان ہو گی۔ یہ ہر ایسے شخص کی گواہی دے گا جس نے اسے مؤمن ہوتے ہوئے چوما ہو گا لہٰذا اے امیر المؤمنین! یہ نفع اور نقصان دیتا ہے اور دے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ میں ایسی قوم میں رہنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جس میں تم اے ابو الحسن نہ ہو۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری ج۹ ص۲۴۰ باب ذکر فی الاسود، زرقانی شرح موطا امام مالک ج۲ ص۳۰۶ باب ۲۴۹)

حجر اسود بالذات. — نفع ونقصان نہیں پہنچاتا۔

لا تضر ولا تنفع ای بذاتها. — یعنی حجر اسود بالذات نفع ونقصان نہیں دیتا۔

(ارشاد الساری شرح البخاری ج۳ ص۱۹۲ مطبوعہ)

لا تضر ولا تنفع ای فی حد الذات. — حجر اسود ذاتی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔

(مرقات لعلی قاری ج۵ ص۳۲۵)

انک لا تضر ولا تنفع ای بذاته. — اے حجر اسود تو بالذات نفع ونقصان پر قادر نہیں۔

(فتح الملہم شرح المسلم للعثمانی ج۳ ص۳۲۴)

حجر اسود بالذات. — حجر اسود بالذات نفع ونقصان سے خالی ہے۔

(بزل المہود شرح ابی داؤد ج۳ ص۱۴۰)

یہ جلیل القدر محدثین کرام اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حجر اسود کو خطاب فرماتے ہوئے نفع ونقصان سے خالی قرار دیا تھا۔ اس کا مطلب بالذات نفع ونقصان دیتا ہے اور یہ کسی کو بھی تسلیم نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب اصل میں بعطاء الٰہی نفع و نقصان ہے تو اس کی فرع یعنی بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا بھی نفع سے خالی نہیں اسی عمل کو بے فائدہ بلکہ بدعت تک کہہ دینا دراصل بالذات اور بالعطاء کے درمیان فرق معلوم نہ ہونا ہے۔

علاوہ ازیں جناب باجی مالکی رحمۃ اللہ عنہ اندلسی نے ''المنتقی'' ج۲ ص۲۰۱ مطبوعہ بیروت میں لکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حجر اسود کو یہ فرمانا اس وجہ سے تھا کہ ابھی دور جاہلیت کو گزرے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا اور لوگوں میں سے بت پرستی کو بالکل جڑ سے اکھیڑنا مقصود تھا تو آپ کے فرمانے کا مطلب دراصل یہ تھا کہ حجر اسود کو بھی لوگ بتوں کی طرح نفع ونقصان کا مختار و مالک نہ سمجھ بیٹھیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھانپ لیا کہ حضرت عمر کی نیت درست ہے لہٰذا انہوں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں

مسلمان حجر اسود کو بالعطاء نفع ونقصان سے خالی نہ سمجھنا شروع کر دیں۔فوراً اس بارے میں اپنے ارشادات سے نوازا اور حضور ﷺ کی حدیث مبارک سے استدلال فرمایا جس کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ مجھے اس قوم میں نہ رکھنا جس میں علی المرتضیٰ نہ ہوں۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا استدلال بہت پسند آیا۔

قارئین کرام! بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا ایسا مسئلہ ہے جس کے اثبات اور جس کی تائید میں بہت سے آثار اور کافی تعداد میں احادیث موجود ہیں لہٰذا جو لوگ اسے ناجائز اور بدعت قرار دے کر منع کرتے ہیں انہیں آثار واحادیث کی طرف رجوع لاکر اپنا مسلک درست کر لینا چاہیے۔حجر اسود کو چومنا دراصل اس کی تعظیم ہے اور ہر معظم عنداللہ کو بوسہ دینا امر مستحسن ہے۔خواہ ذوی العقول سے تعلق رکھے یا غیر ذوی العقول کے قبیلہ سے بلکہ ہر وہ فعل کہ جس سے کسی بزرگ کی تعظیم نظر آتی ہے وہ جائز ہے جیسا کہ بعض لوگ حضرات اولیاء کرام اور بزرگان دین کی قبور پر چادریں چڑھاتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے ان کی تعظیم کی جاتی ہے لہٰذا اس کے جواز واستحباب میں کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اولیاء کرام کی قبور پر چادریں ڈالنا اور چراغاں کرنا جائز ہے

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر قبر پر چادر ڈالنی چاہیے اور ہر قبر پر بلاضرورت روشنی کرنی چاہیے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ اگر کسی بزرگ کی قبر پر چادر ڈالنے سے اس کی تعظیم اور روشنی کرنے سے کوئی ضرورت پوری ہوتی ہو تو فعل جائز ہے۔ہاں اگر کوئی جاہل یہ کہتا ہے کہ اگر ہم نے اس قبر پر روشنی نہ کی تو قبر والا اندھیرے میں ہی رہے گا یا ہم نے اگر چادر نہ ڈالی تو وہ بے ستر رہے گا یا گرمی سردی سے متاثر ہوگا تو یہ بالکل باطل اور لغو ہے۔مقصد اگر یہ ہے کہ ایسا کرنے سے صاحب قبر کا لوگوں کو تعظیم ومرتبہ معلوم ہوگا اور لوگ اس کی تعظیم بجا لائیں گے تو اس مقصد کی خاطر چادریں ڈالنا اور چراغاں کرنا بہت سے اکابر صوفیاء کرام اور فقہاء عظام کی عبارات سے جائز ہونا ثابت ہے۔ہم چند عبارات درج کر رہے ہیں تا کہ صاحب انصاف دیکھ سکے کہ ان افعال کی کیا حیثیت ہے اور انہیں ہر صورت بدعت کہنے والے کہاں تک حق وصواب پر ہیں؟

وكان سيدى على واخى افضل الدين يكرهان بناء القبة على القبر ووضع التابوت الخشب والستر عليه ونحو ذالك لاحاد الناس ويقولون هذا لا يليق الا بالانبياء ومن دناهم من الاولياء الاكابر وامانحن فمقامنا الدفن تحت نعال الناس فى الشوارع.

(لواقح الانوار القدسیہ ص ۵۹۳ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر للامام شعرانی)

میرے آقا اور بھائی جناب افضل الدین دونوں ہر شخص کی قبر پر قبہ (گنبد نما عمارت) بنانے لکڑی کا صندوق رکھنے اور اس پر غلاف ڈالنے وغیرہ کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ کام صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان اولیاء عظام کے لیے زیب دیتا ہے جو حضرات انبیاء کرام کے قرب والے ہوں۔رہا ہم جیسے عام لوگ تو ہمارا مقام لوگوں کی جوتیوں میں دفن کرنے کا ہے اور وہ بھی عام راستے ہیں۔

قال الشيخ عبد الغنى النابلسى فى كشف النور عن اصحاب القبور ماخلاصته ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع سمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم امر جائز اذا كان

امام شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف مسمی کشف النور عن اصحاب القبور میں اس موضوع پر جو رقم فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔بدعت ایسی جو اچھی اور شریعت مطہرہ کے مقصود کے موافق ہو۔اسے سنت کا نام دیا گیا ہے لہٰذا علماء اور صالحین امت کی قبور پر قبہ بنانے، ان پر غلاف ڈالنے، پگڑیاں اور دیگر پارچہ

القصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا اصحاب هذا القبر وکذا ایقاد القناد یل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصود فیها مقصد حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبته فیهم جائز ایضا لا ینبغی النهی عنه۔

(تقریرات الرافعی ج ا ص ۱۲۳ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ تصنیف شیخ عبدالقادر رافعی مفتی الدیار المصریہ)

جات کا ان کی قبور پر رکھنا جائز فعل ہے۔ بشرطیکہ ان تمام امور سے ارادہ یہ ہو کہ ایسا کرنے سے عام لوگوں کے نزدیک اس صاحب قبر کی تعظیم ہوگی لہٰذا وہ اس کی تحقیر سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یونہی قندیل اور شمع وغیرہ کا اولیاء کرام اور صالحین امت کی قبور کے نزدیک روشن کرنا بھی ان کی تعظیم اور بزرگی کے اظہار کے لیے ہوتا ہے تو مقصد ان کا بھی اچھا ہی ہے اور اولیاء کرام کے لیے تیل کی نذر ماننا اور روشنی کرنے کی نذر ماننا جو کہ ان قبور کے نزدیک ان کی تعظیم کے پیش نظر جلائی جاتی ہیں یہ بھی جائز فعل ہے۔ اس سے روکنا نہیں چاہیے۔

اولیاء کرام کے لیے کسی چیز کی نذر ماننا جائز ہے

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ سطور بالا میں آخری قول آپ نے پڑھا جس میں اولیاء کرام کے لیے تیل اور روشنی وغیرہ کی نذر ماننے کو جائز کہا گیا۔ لفظ نذر پر بعض لوگ بہت ادھر ادھر کی باتیں کر کے غلط بحث کرتے ہیں۔ کبھی کوئی حوالہ دیا جاتا ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی ماننا شرک ہے کبھی کسی اور طریقہ سے اسے ناجائز قرار دیا جاتا ہے لہٰذا ہم نے ضروری سمجھا کہ کچھ گفتگو اس پر بھی ہو جائے۔

قارئین کرام! یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ نذر کی دو اقسام ہیں۔ ایک نذر شرعی اور دوسری نذر عرفی، نذر شرعی عبادات کی ایک قسم ہے اور غیر خدا کی عبادت ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ لہٰذا نذر شرعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی زیب ہے کوئی دوسرا اس کا استحقاق کسی طریقہ سے بھی نہیں رکھتا اور نذر عرفی بمعنی ایصال ثواب ہوتی ہے جس میں کسی اللہ کے بندے کی تعظیم اور اظہار عقیدت ومحبت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں ایک بکرا سرکار غوث پاک کی نذر کروں گا۔ یہ نذر شرعی نہیں کیونکہ جب اس قسم کی مانی ہوئی نذر کو پورا کیا جاتا ہے تو وہی غوث پاک کے نام کا بکرا" بسم اللہ اللہ اکبر "پڑھ کر ذبح کرتے ہیں پھر اس کا سالن تیار کیا جاتا ہے اور نذر ماننے والا اور موجود تمام لوگ یہی دعا کرتے ہیں کہ اس کا ثواب سرکار غوث پاک کی روح پر فتوح کو پہنچے پھر اسے ہر امیر وغریب کھاتا ہے۔ اگر یہ نذر شرعی ہوتی تو وہ صدقہ واجبہ کے حکم میں ہونے کی وجہ صرف غربا کے کھانے میں دینی جائز ہوتی۔ امیر اسے ہرگز نہ کھا سکتا اور نہ ہی کوئی سید اسے کھا سکتا ہے۔ اسی لیے ملا جیون استاد اورنگ زیب عالمگیر اپنی تفسیر مسمّیٰ "تفسیرات احمدیہ" میں لکھتے ہیں۔

وما اهل به لغیر الله معناه ذبح به لاسم غیر الله مثل لات وعزی واسماء الانبیاء وغیر ذالک۔ ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر الله علیها وقت الذبح وان کانوا ینذرو هناله۔

(تفسیرات احمدی ص ۴۴-۴۵ مطبوعہ کریمی بمبئی ہند)

وما اہل بہ لغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لے کر جس کو ذبح کیا گیا ہو۔ جیسا کہ لات وعزیٰ اور کسی پیغمبر کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اور اس سے معلوم ہوا کہ وہ گائے جو اولیاء کرام کی نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ایک طریقہ متعارفہ ہے وہ حلال اور طیب ہے کیونکہ اس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا۔ اگرچہ وہ نذر اولیاء کرام کی ہی ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ " ما اهل به لغیر الله "کا اپنا عموم واطلاق رکھیں تو معنی درست نہیں رہے گا کیونکہ جب کسی

حلال وطیب چیز پر غیر خدا کا نام لیا گیا اور وہ اس وجہ سے حرام ہوگئی تو پھر میری لونڈی، میرا غلام، میری بکری، میری بھینس، میری بیوی، میرا مکان، میرا کھانا، میری چائے کہنے سے یہ سب حرام ہو جائیں گے اس لیے غیر اللہ کا نام کسی چیز پر لینے سے اس چیز کے ذبح کرتے وقت غیر کا نام لے کر ذبح کرنا مراد لیا جائے گا۔ جیسا کہ کوئی باسم اللات، باسم العزی، باسم عبد القادر جیلانی، باسم محمد رسول اللہ ﷺ کہے اور چھری پھیر دے حلت وحرمت کے مابین اسی سے امتیاز ہوگا۔ اس لیے اگر ظاہری معنی جو مخالفین لیتے ہیں وہ مراد ہے تو فرض کیجئے کہ ایک بکری نام خدا کسی نے پالی ہے جس پر وہ غیر خدا کا قطعاً نام نہیں لیتا۔ اس سے جو بھی پوچھتا ہے کہ یہ بکری کس کی ہے وہ یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا "اھل لغیر اللہ بہ" نہیں بلکہ " اھل اللہ بہ" ہوئی۔ اب یہی بکری ذبح کیے بغیر مر جاتی ہے۔ کہیں اوپر سے گر گئی' گلے میں رسہ پھنس گیا اور دم گھٹنے سے مر گئی تو کیا اسے کھانا جائز ہوگا اور کیا یہ حلال وطیب ہوگی؟ اس لیے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشاد فرمایا وہ ہی اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے اور وہی اس سے مراد ہے لہٰذا فی زمانہ جو نذر عرفی مانی جاتی ہے۔ اس کو اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر لیا جائے تو اس کی حلت میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

ومنها حدیث ابن عباس اخرجہ تمام ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال انی نذرت ان فتح اللہ عزوجل علیک مکۃ ان اتی البیت فاقبل اسفل الاسکنۃ فقال قبل قدمی امک وقد وفیت نذرک.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۲۲ ص ۸۲ کتاب الادب باب البر مطبوعہ مصر)

ان احادیث میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جسے تمام کتب حدیث نے بیان کیا۔ وہ یہ کہ ایک شخص بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ پر فتح عطا فرما دے تو میں بیت اللہ جا کر اس کی نچلی دہلیز کو چوموں گا۔ آپ نے اسے فرمایا: اپنی والدہ کے قدموں کو چوم لے تیری نذر یقیناً پوری ہو جائے گی۔

ذرا غور فرمایئے کہ صحابی نے نذر مانی، حضور ﷺ نے اس کے پورا کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا: اگر نذر عرفی جائز نہ ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ اسے ایفائے نذر کا طریقہ نہیں بلکہ نذر ماننے کا درست طریقہ تعلیم فرماتے اور آئندہ کے لیے اسے تنبیہ فرماتے۔

مثلاً صحیحین میں جو حال ام سعد وغیرہ کا مذکور ہے۔ اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے اور ایسی نذر لازم ہو جاتی ہے تو حاصل اس نذر کا یہی ہے کہ یہ نیت کی جائے کہ مثلاً کھانا کھلایا جائے گا یا اس قدر خیرات دی جائے گی اور اس کا ثواب فلاں ولی کی روح کو پہنچایا جائے گا تو ذکر ولی کا صرف اس غرض سے ہوگا کہ یہ متعین ہو جائے کہ ثواب رسانی فلاں ولی کی روح کو کی جائے گی اور یہ نیت نہ ہو کہ خاص وہ چیز اس ولی کے مصرف میں آئے گی اور ایسا بھی لوگ کرتے ہیں کہ یہ نیت کر لیتے ہیں کہ وہ نذر اس ولی کے متوسلین کے مصرف میں آئے گی۔ مثلاً اس ولی کے قرابت مند اور اس کی قبر کے خادم اور اس کے مریدین وغیرہ کے مصرف میں وہ مال آئے گا اور بلاشبہ نذر ماننے والوں کا مقصود اکثر ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسی نذر کے بارے میں حکم ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اس واسطے کہ شرع میں یہ قربت معتبرہ ہے۔ البتہ اگر اس ولی کو یہ سمجھے کہ یہ ولی بالاستقلال حل کنندہ مشکلات ہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی سفارش سے نعوذ باللہ من ذالک ضرور اللہ تعالیٰ مجبور ہو کر حاجت روائی فرمائے گا تو ایسی نذر میں البتہ شرک وفساد لازم آتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ دوسری چیز ہے اور نذر دوسری چیز ہے۔ یعنی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً نذر منع ہو جائے بلکہ جائز نذر کی جو صورت اوپر مذکور ہوئی ہے اس طور کی نذر بلاشبہ صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ مترجم ص ۲۰۱ باب التصوف سے ذرا پہلے)

واما نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند

تیل اور دیئے یا شمع کی حضرات اولیاء کرام کے لیے نذر ماننا

قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم فهو جائز فی الجملة. وكذالک نذر الدراهم والدنانیر للاولیاء بان تصرف علی فقرائهم المجاورین عند قبورهم امر جائز فی نفسه لان النذر فیه مجاز عن العطیة. واما احتجاج بعض الناس علی تحریم هذه الا مور بغیر دلیل قطعیا فموجبه عدم الحیاء من الله تعالی وعدم الخوف منه فان الحرام فی النهی فی مقابلة الغرض فی الامر کل منهما یحتاج فی ثبوته الی دلیل قطعی اما ایة من کتاب الله اوسنة متواترة او اجماع معتدبه.

(کشف النورعن اصحاب القبورص ۱۶، ۱۷مطبوعہ نوریہ رضویہ لائل پور(فیصل آباد) پاکستان)

جوان کی قبور کے نزدیک جلائی جائیں۔ان کی تعظیم کے پیش نظراور ان کی محبت کی خاطرتو یہ فی الجملہ جائز ہے۔ یونہی روپے پیسے کی حضرات اولیاء کرام کے لیے نذر ماننا تاکہ وہ ان کی قبور پرموجود غریب وفقیر مجاورین پرخرچ ہوں ۔ یہ بھی فی نفسہ جائز کام ہے کیونکہ ان کو مجازاً نذر کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ عطیات ہوتے ہیں اور بعض لوگ جوان باتوں کے حرام ہونے کا قول کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس ان کی حرمت پرکوئی دلیل قطعی نہیں تو ان کا یہ قول کرنا دراصل اللہ تعالیٰ سے بے خوفی اور عدم حیاء کی وجہ سے ہے کیونکہ شریعت مطہرہ میں نہی ایسے ہی ہوتی ہے جس طرح کسی بارے میں فرض ہوتا ہے ۔ان میں سے ہرایک اپنے ثبوت میں دلیل قطعی کامحتاج ہوتا ہے۔دلیل قطعی آیت قرآنیہ ہوتی ہے یا سنت متواترہ یا پھر معتدبہ اجماع ہوتا ہے۔

قارئین کرام! یہ اس شخص کا کلام ہے جسے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں ۔انہوں نے بلا دلیل مذکورہ امور کی حرمت کے قائل کوخوف خدا سے عاری فرمایا ہے۔اگران مانعین کے ہاں من جملہ دلائل شرعیہ میں سے کوئی دلیل ہوتی تو کہیں پیش کی گئی ہوتی ۔پس ثابت ہوا کہ حضرات اولیاء کرام کے حضور جوتحفہ جات اور ہدایا بھیجے جاتے ہیں ۔عرف میں انہیں ہی نذرونیاز کہا جاتا ہے۔ایسے تحفہ جات پر "نذر" کا اطلاق کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک جہاد میں تشریف لے گئے ۔واپسی پر ایک کالے رنگ کی لونڈی نے حاضر ہوکرعرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اگرآپ کو صحیح وسلامت واپس لے آیا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔آپ نے اسے فرمایا اگرتو نے نذر مانی ہے تو دف بجالے وہ دف بجانے لگی اتنے میں حضرت ابوبکرصدیق تشریف لائے پھر بھی وہ دف بجانے میں مصروف رہی پھر حضرت علی اور پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہما تشرف لائے تو بھی وہ دف بجاتی جارہی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب آئے تو اس لونڈی نے دف بجانا فوراً بند کردیا اوراسے اپنے نیچے چھپالیا اوراوپر بیٹھ گئی۔حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! شیطان تم سے ڈرتا ہے ۔ میں بیٹھا ہوا تھا یہ دف بجاتی رہی ۔ابوبکرآئے عثمان آئے یہ بجاتی رہی ۔ تمہارے آنے پراس نے اسے پھینک دیا۔اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا اورفرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۸باب مناقب عمرفصل دوم)

دف بجانا دوطرح کا ہوتا ہے ایک محض کھیل تماشہ کے لیے کہ جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو۔اس صورت میں دف بجانا ممنوع ہے اور کسی غرض صحیح کے لیے ہوتو اس کا جواز ہے۔لونڈی کا دف بجانا غرض صحیح کے لیے تھا۔وہ تھی رسول کریم ﷺ کی بخیروعافیت واپسی۔چنانچہ غیرمقلد اوردیوبندی شارحین بھی اس کے جواز کے لیے یہی روایت بطوردلیل پیش کرتے ہے۔انورشاہ کشمیری نے لکھا ہے۔

لما عدت انصراف رسول الله ﷺ سالما نعمة من الله موجبا للسرور وهو كذالک فی نفس الامر امرها بوفاء نذرها وخرج من

جب اس لونڈی نے حضور ﷺ کا بخیروعافیت واپس لوٹنا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت شمار کیا اوراسے خوشی وسرور کا موجب سمجھا اور یہ واقعی ہے بھی اس طرح موجب سرورتو حضور

صفة اللهو الى صفة الحق ومن الكراهية الى الاستحباب.

(عرف الشذی شرح ترمذی ج۲ص۲۱۰ سعید کمپنی کراچی)

ﷺ نے اسے نذر پورا کرنے کا حکم دیا۔اس طرح یہ دف لہو ولعب سے نکل کر حق کی صنعت سے متصف ہو گیا اور کراہیت کی جگہ اس میں استحباب آ گیا۔

فیه دلالة ظاهرة علی ان ضرب الدف لا یجوز الا بالنذر ونحوه مما ورد فیه الاذن من الشارع کضربه فی اعلان النکاح.

(تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج۴ص۳۱۶ مطبوعہ بیروت)

اس کی بالکل ظاہر دلیل ہے کہ دف بجانا وغیرہ ان کاموں میں جائز ہے جن میں اسے بجانے کی شارع کی طرف سے اجازت ہے جیسا کہ اعلان نکاح کے لیے دف بجانا۔

قارئین کرام! اس حدیث اور ان کی شروحات میں غیر اللہ کے لیے نذر کو جائز قرار دیا گیا ہے۔اگر یہ نذر فقہی یا شرعی ہوتی تو بوجہ عبادت کے وہ کسی غیر اللہ کے لیے ہرگز ہرگز جائز نہ ہوتی۔یہ نذر عرفی ہے۔حدیث پاک میں لونڈی کا واقعہ ثابت کرتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے ایسی نذر جس میں قباحت نہ ہو بلکہ کوئی غرض صحیح ہو وہ جائز ہے۔حضرات اولیاء کرام کے ایصال ثواب کی غرض سے نذر ماننا اسی قبیلہ سے ہے جیسا کہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ہم نے پیش کیا۔ان کے علاوہ اکابرین امت کی اس پر بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں غیر اللہ کی نذر کے الفاظ موجود ہیں۔

وكان رضي الله عنه يقول رايت النبي ﷺ فقال اذا كان لك حاجة واردت قضاءها فانذر لنفيسه بالطاهره ولو فلسا فان حاجتك تقضى.

(طبقات کبریٰ ج۲ص۶۸ ذکر محمد ابوالمواہب الشاذلی مطبوعہ مصر)

(ابوالمواہب شاذلی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت کی تو آپ نے فرمایا: جب تجھے کوئی حاجت وضرورت آن پڑے اور تو اسے پورا ہوتے دیکھنا چاہتا ہو تو نفیسہ طاہرہ کے لیے نذر مان لیا کر اگرچہ وہ ایک پیسہ کی ہی کیوں نہ ہو۔تیری ضرورت وحاجت یقیناً پوری ہو جایا کرے گی۔

یہ وہ کتاب ہے جسے امام اجل سیدی ابوالحسن نور الملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی قدس سرہ نے تصنیف فرمایا۔ جنہیں فن رجال کے امام جناب شمس الدین ذہبی طبقات القراء اور علامہ جلال الدین السیوطی حسن الحاضرہ نے "الامام الاحد" کہا ہے۔ کتاب مذکور میں ان کا انداز محترمانہ ہے اور ہر روایت بسند صحیح معتبر نقل کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو العناف موسى شيخ العارف المعاتي عثمان بن موسى البقاعي بالقاهرة ۶۳۳ ھ قال اخبرنا ابى بد مشق ۶۱۴ ھ قال اخبرنا الشيخان ابو عمر وعثمان الصريفني وابو محمد عبد الحق الحريمي ببغداد ۵۶۹ ھ قال كنا بين يدى الشيخ محى الدين عبد القادر رضى الله عنه بمدرسة يوم الاحد وثلاثة صفر من سنة خمس وخمسيني وخمس مائة (۵۵۵ ھ).

ہمیں ابوالعناف موسیٰ بن الشیخ العارف ابی المعاتی عثمان بن موسیٰ البقاعی نے قاہرہ میں ۶۳۳ ھ میں بتایا کہ ہمیں میرے والد نے دمشق میں ۶۱۴ ھ میں خبر دی انہوں نے فرمایا کہ ہمیں شیخ ابوعمرو عثمان الصریفنی اور ابومحمد عبد الحق حریمی نے ۵۶۹ ھ میں بمقام بغداد شریف بتایا۔فرمایا کہ ہم ایک دفعہ شیخ محی الدین جناب عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حضور ایک مدرسہ میں بروز اتوار ماہ صفر کی ۳، ۵۵۵ ھ میں حاضر تھے۔

آپ نے وضو فرمایا اور کھڑاویں۔لکڑی کے تلے سے بنی ہوئی جوتی پہنیں پھر دو رکعت ادا کرنے کے بعد ایک زوردار نعرہ لگایا

اور ایک کھڑاؤں کو خلا میں پھینک دیا۔ وہ دیکھتے دیکھتے دونوں ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئیں پھر آپ بیٹھ گئے۔ آپ کے رعب و جلال اور ہیبت کی بنا پر ہم میں سے کسی کو اس بارے میں پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تیئس دن بعد بلاد عجم سے ایک قافلہ آیا اور حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگا ''ان معنا للیشخ نذر۔ ہم نے حضور غوث پاک کی نذر مانی تھی وہ موجود ہے''۔ فاستاذناہ فقال خذوہ منھم ہم نے سرکار غوث پاک سے اس نذر کے لینے میں اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: اسے لے لو۔ انہوں نے ایک من ریشم اور خز کے تھان، سونا اور آپ کی وہی دونوں کھڑاویں جو آپ نے ہوا میں پھینکی تھیں پیش کر دیں۔ ہم نے ان سے کھڑاؤں کے متعلق پوچھا کہ یہ تمہیں کہاں سے دستیاب ہوئیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم سفر میں تھے کہ بروز اتوار ماہ صفر میں کچھ ڈاکوؤں نے ہم پر ڈاکہ ڈالا۔ ان کے دو سردار تھے۔ انہوں نے ہمارا مال و اسباب لوٹ کر قریب ایک نالہ میں جا کر تقسیم کرنا شروع کیا۔ مال و اسباب کے ساتھ ہم میں سے کچھ ساتھیوں کو انہوں نے قتل بھی کر دیا تھا۔ ہم نالے کے اوپر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ''فقلنا لو ذکرنا الشیخ عبد القادر فی ھذالوقت و نذرنا لہ شیئا من اموالنا ان سلمنا. ہم نے کہا کہ ہم اس آڑے وقت میں سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کو دہائی دیں اور ان کے لیے اپنے مال و اسباب میں سے کچھ دینے کی نذر مان لیں۔ شاید ہم مزید نقصان سے بچ جائیں اور مال و اسباب ہمیں واپس مل جائے''۔ بس پھر کیا تھا۔ ادھر ہم نے حضور غوث پاک کو یاد کیا ادھر بلند آواز سے نعرے سنائی دیئے جن سے سارا جنگل گونج اٹھا اور ان ڈاکوؤں کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ ہم یہ سمجھے کہ شاید ان کو ان سے بڑے ڈاکوؤں نے آن لیا ہے۔ انہوں نے ہمیں کہا آؤ اور اپنا مال و اسباب لے جاؤ اور ہم پر پڑنے والی مصیبت بھی دیکھو۔ ہم گئے وہ ہمیں دونوں سرداروں کے پاس لے گئے دیکھا کہ وہ دونوں مرے پڑے ہیں اور ہر ایک کے قریب ایک ایک کھڑاؤں پڑی ہے جو پانی سے بھیگی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکوؤں نے ہمارا سب مال و اسباب واپس کر دیا اور کہا یہ عظیم الشان واقعہ ہے۔ (بہجۃ الاسرار ص ۶۷ تذکرہ عدی بن مسافر مطبوعہ مصر)

قارئین کرام! طبقات کبریٰ کی عبارت میں نفیسہ طاہرہ کے نام کی نذر ماننے کا حکم حضور ﷺ نے دیا۔ اس سے مراد ایصال ثواب ہی ہے ورنہ حضور ﷺ کسی ناجائز امر کا ارشاد نہیں فرماتے اور صاحب ''بہجۃ الاسرار'' نے جو واقعہ بیان فرمایا اس میں بھی صاف صاف ''نذر لغیر اللہ'' موجود ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتی تو نہ آپ اس کے ماننے والوں کی مدد کرتے اور نہ ہی اپنے قریب بیٹھے ساتھیوں کو اسے قبول کرنے کی ہدایت دیتے تو معلوم ہوا کہ یہ نذر شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ جو زندہ کے لیے تحفہ و نذرانہ کہلاتی ہے اور فوت ہونے والے کے لیے ایصال ثواب کا ایک طریقہ ہوتی ہے۔ صاحب بہجۃ الاسرار نے اسی قسم کے کثیر واقعات بالاسناد الصحیحہ ذکر کیے ہیں۔

عراق کے بہت بڑے شیخ، کرامات کا منبع اور افعال خارق عادت ظاہرہ میں یہ طولیٰ رکھنے والے والے جناب بقاء بن بطور رضی اللہ عنہ تھے۔ سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ ان کی اکثر تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمام مشائخ کرام کو اللہ تعالیٰ نے ایک اندازے کے مطابق بزرگی عطا فرمائی لیکن انہیں بے حساب عطا فرمائی۔ ان پر زہد، علم الاحوال، مشکلات کو دور کرنا' عقیدت صادقہ رکھنے والوں کی پریشان کن اور تباہ کن حالات میں مدد فرمانا ان کا مشہور تھا۔ ان کی صحبت سے بہت سے لوگوں کو فیض ملا اور بہت سے صاحبان حال ان کی طرف اپنی نسبت کرنے میں فخر کیا کرتے تھے۔ ان کی شاگردی میں بڑے بڑے صالحین نے زانوئے تلمذ طے کیا اور مشائخ و علماء کرام ان کی زیارت کرنے جایا کرتے تھے اور ہر طرف کے لوگ ان کی زیارت اور ان کے حضور نذر و نیاز لے کر حاضر ہوا کرتے تھے۔ (بہجۃ الاسرار ص ۱۵۹ مطبوعہ مصر تذکرہ بقاء بن بطور)

الشیخ منصور البطائحی رضی اللہ عنہ عراق کے اکابر شیوخ سے تھے اور جلیل جناب ابوالحسن احمد رفاعی رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے۔ ان کی طرف صوفیاء کرام کی کثیر تعداد اپنے آپ کو منسوب کرتی تھی۔ ان کی والدہ دوران حمل (جب شیخ مذکور اپنی والدہ کے ابھی پیٹ

میں تھے) شیخ ابومحمد الشنبکی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ ان دونوں کی باہم رشتہ داری تھی جب بھی یہ ان کے پاس حاضر ہوتیں۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال فرماتے۔ آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ آپ فلاں رشتہ دار عورت کے آنے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ فرمانے لگے۔ میں اس عورت کی تعظیم کے لیے نہیں بلکہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے لیے تعظیماً کھڑا ہوتا ہوں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ایک ہے' صاحب مقام ہے اور شان عظیم کا مالک ہے' امت کے علماء کرام اور مشائخ عظام اس کی بزرگی اور احترام کو متفقہ طور پر تسلیم کریں گے اور اس کی عظمت و مقام مرتبہ پر تمام کا اجماع ہوگا اور سبھی ان کی بات کو حرف آخر تسلیم کریں گے' ان کے حکم کو مانیں گے' ان کے آداب کی پیروی کریں گے اور ہر طرف سے لوگ ان کی زیارت کو آئیں گے اور نذر و نیاز ہر طرف ان کے لیے مانی جائے گی اور آپ کے حضور پیش کی جائے گی۔ (بہجۃ الاسرار ص ۱۴۰ مطبوعہ مصر)

احمد بن علی الحمید سامری نے ہمیں خبر دی کہ ہمارے والد نے اپنے والد کے ذریعہ سے ہمیں بتایا کہ ہمارے شیخ حضرت جاکیر رضی اللہ عنہ کا خرچہ غیب سے اٹھتا تھا۔ ان کا تصرف نافذ تھا۔ وہ صاحب کرامات کثیرہ تھے انہیں دولت کثرت حاصل تھی۔ مسلمان کثرت سے ان کی نذر مانتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں خود شیخ کی بارگاہ میں حاضر تھا کچھ گائیں لے کر گوالے وہاں سے گزرے۔ حضرت نے ان میں سے ایک گائے کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اس کے پیٹ میں سرخ رنگ کا بچہ ہے جس کے ماتھے پر سفیدی ہے اس کا پورا حلیہ بیان فرما دیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ فلاں دن یہ جنے گی اور یہ بچہ ہماری نذر ہوگا۔ فقیر اسے فلاں دن ذبح کر کے کھائیں گے اور کھانے والے فلاں فلاں ہوں گے پھر دوسری گائے کی طرف اشارہ کیا فرمایا: اس کے پیٹ میں مادہ بچہ ہے اس کا یہ حلیہ ہے' فلاں وقت پیدا ہوگی اور وہ بھی میری نذر ہوگی۔ فلاں دن ذبح ہوگی اور فلاں فلاں فقیر اس کو کھائیں گے۔ اس کے گوشت میں ایک سرخ رنگ کے کتے کا بھی حصہ ہے، ہمارے والد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! حرف بحرف ہمارے شیخ کی پیش گوئی درست ہوئی۔ ایک بال بھر بھی پس و پیش نہ ہوئی۔ (بہجۃ الاسرار ص ۱۲۹ تذکرہ حضرت شیخ جاکیر رضی اللہ عنہ)

روایت مذکورہ سے ہم بہت سے مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں۔ مثلاً

(۱) ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اس کی اطلاع عطا کر دے تو یہ درست ہے۔

(۲) کل کیا ہوگا؟ اگر اللہ کا کوئی مقبول اس بارے میں تفصیلی گفتگو کر کے کل کے واقعات اور حالات بالکل درست اور صحیح بتا دے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے ایسا ہوتا رہتا ہے۔

(۳) ماں کے پیٹ میں موجود جنین کے مذکر و مؤنث ہونے کی اطلاع اور پھر اس کی آئندہ زندگی کی مصروفیات اگر کوئی صاحب بصیرت اللہ تعالیٰ کی عطا سے بتا دیتا ہے تو یہ بھی کفر و شرک نہیں ہوگا۔

درج بالا امور کی تائید بکثرت احادیث اور روایات سے بھی ملتی ہے۔ مثلاً

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تمہاری والدہ کے شکم میں ایک اور بھی تمہاری بہن ہے اس کا حصہ بھی رکھنا۔ (بیہقی ج ۶ ص ۱۷۰ باب شرط القبض فی حبۃ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے مجھے فضل رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی۔ فضل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی والدہ ام فضل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزری آپ نے فرمایا تیرے پیٹ میں لڑکا ہے جب تو اسے جنے تو اس کو میرے پاس لانا ام فضل رضی اللہ عنہا نے کہا جب میں نے اسے جنا تو میں اس کو آپ کے پاس لائی نبی علیہ السلام نے بچے کے دائیں کان میں آذان اور بائیں میں تکبیر کہی اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا ابوالخلفاء کو لے جائیے میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی آپ ستر اللباس رکھنے والے تھے آپ نے لباس تبدیل فرمایا پھر نبی علیہ السلام کے پاس تشریف لائے

جب نبی علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضرت عباس نے نبی علیہ السلام سے عرض کی آپ نے ام فضل کو کس چیز کی خبر دی آپ نے فرمایا: جس کی آپ کو خبر دی ہے یہ لڑکا خلفاء کا باپ ہے یہاں تک کہ اس سے سفاح پیدا ہوگا اور امام مہدی بھی اس کی نسل سے پیدا ہوں گے یہاں تک کہ جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ نماز پڑھے گا وہ انہیں سے ہوگا۔

(دلائل النبوۃ مصنفہ حافظ ابونعیم ج ۲ ص ۷۰۶ حدیث ۴۸۷ مطبوعہ تاریخ الخلفاء مصنفہ امام سیوطی ص الفصل فی الاحادیث المبشر وبخلافت بنی عباس)

مختصر یہ کہ علوم خمسہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں سے اگر کسی کے بارے میں یا سب کے بارے میں کسی کو اللہ تعالیٰ مطلع فرما دیتا ہے تو یہ جائز ہے۔ علوم خمسہ کی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ تخصیص ''ذاتی علم'' کے اعتبار سے ہے اور اس کے نیک بندوں میں ان کا پایا جانا وہ عطائی ہے۔ جنگ بدر میں سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف جگہوں کی یوں نشاندہی فرمائی کہ یہ فلاں کافر کے مرنے کی جگہ ہے۔ ہذا مصرع فلاں ہذا مصرع فلاں۔ پھر جس جگہ کا پتہ جس کافر کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا: حرف بحرف ایسا ہی ہوا لہٰذا علوم خمسہ کی عطاء کا انکار محض مکابرہ اور ضد بازی ہے پھر ہم واپس لوٹتے ہیں کہ نذر دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک نذر عرفی لغوی اور دوسری شرعی یا فقہی۔ اول الذکر غیر اللہ کے لیے ماننا جائز ہے مستحب و مباح ہے جس سے مقصود کسی کے لیے نذرانہ یا ہدیہ یا تحفہ دینا ہوتا ہے یا پھر ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے اور مؤخر الذکر غیر اللہ کے لیے ماننا کفر ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نذر عرفی کے جواز پر علماء دیو بند و غیر مقلدین کی چند عبارات

شاع بين الناس في زمننا انهم يطبخون الطعام ويصنعون الحلاوة ويقولون هذا نياز فلان من الاولياء اوالانبياء فان كان معنى النياز التحفة الهداية ولا يقصدون النذر لغيرالله بل ايصال الثواب الى روحه مخسب الراجح حلته كما ذكرنا من قبل والا فالراجح حرمة اما علماء مكة فقالوا في رسالتهم الى محمد بن عبد الوهاب ان كان النذر لله وذكر النبي روالولي لبيان المصرف وبطريق التوسل بان يقول ياالله ان قضيت حاجتي اتصدق على خدام قبر فلان النبي اوالولي او اطعم الفقراء على بابه او يقول يا الله ان قضيت حاجتي ببركة فلان اتصدق كذا اى اهدى ثوابه له او يقول يا نبي الله يا ولي الله ادع في قضاء حاجتي من الله ان قضى الله حاجتي اهدى لك ثواب صدقة كذ فالنذر في هذه الصور كلها جائز واما مايقولون هذا نذر النبي وهذ نذر الولي فليس بنذر شرعي ولا

ہمارے زمانے میں یہ کام بکثرت ہوتا ہے کہ لوگ مختلف کھانے پکاتے ہیں اور مٹھائیاں بنواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں ولی یا فلاں پیغمبر کی نیاز ہے۔ اگر نیاز کا معنی تحفہ یا ہدیہ ہے اور لوگ ایسا کرتے میں غیر اللہ کی نذر ماننے کا قصد نہ کرتے ہوں بلکہ کسی ولی یا نبی کی روح کا صرف ایصال ثواب مقصود ہو تو اس نذر کے بارے میں راجح یہی ہے کہ یہ حلال ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور اگر یہ مقصد نہ ہو تو پھر ترجیح حرمت کی ہی ہو۔ علماء مکہ نے محمد بن عبد الوہاب کی طرف یہ بات لکھی اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لیے کی اور اس میں کسی پیغمبر یا ولی کا ذکر اس لیے کیا تا کہ اس نذر کے خرچ کرنے کی نشاندہی کریں اور وسیلہ کے طریقہ کو اپنائیں وہ اس طرح کہ کوئی کہتا ہے کہ اے اللہ! اگر تو نے میری فلاں حاجت اور ضرورت پوری فرما دی تو میں فلاں نبی یا فلاں ولی کی قبر کے خادموں پر یہ چیز صدقہ کروں گا یا جو فقراء ان کے آستانہ پر ہوں گے انہیں کھلا دوں گا یا کہتا ہے کہ اے اللہ اگر تو نے میری یہ ضرورت اور حاجت فلاں کی برکت سے پوری فرما دی تو میں یہ چیز صدقہ کروں گا یعنی اس کا ثواب بطور ہدیہ فلاں بزرگ کو دوں گا یا کہتا

داخل فی النھی ولیس فیه معنی النذر الشرعی وما یھدی الی الاکابر یقال له فی العرف النذر انتھی.
(ہدیۃ المہدی ص ۴۱-۴۲ مطبوعہ دہلی)

ہے کہ اے اللہ کے نبی! اے اللہ کے ولی! میری اس حاجت و ضرورت میں اللہ تعالیٰ سے میرے بارے میں دعا کریں کہ وہ میری اس مجبوری کو دور فرما دے تو دور ہونے پر میں آپ کی بارگاہ میں فلاں چیز کے صدقہ کا ثواب بھیجوں گا تو ان تمام صورتوں میں نذر جائز ہے اور جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ نذر فلاں نبی کی ہے۔ یہ فلاں ولی کی ہے تو یہ نذر، نذر شرعی نہیں اور نہ ہی نہی میں شامل ہے اور اس میں تو نذر شرعی کا معنی ہی نہیں پایا جاتا اور جو چیز اکابرین کو بطور ہدیہ بھیجی جاتی ہے اسے عرف میں ''نذر'' کہا جاتا ہے۔

فلو ذکر علی حیوان اسم غیر اللہ تعالی کما یقال بقرۃ السید احمد کبیر اوتیس الشیخ صدر الدین اودیک او شاۃ ثم ذبح علی اسم اللہ فھو الحلال. (ہدیۃ المہدی ص ۳۹)

اگر کسی حلال جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ گائے سید احمد کبیر کی ہے یا یہ بکرا صدر الدین کے نام کا ہے یا یہ مرغ یا بکری فلاں کی ہے پھر بوقت ذبح اس پر اللہ کا نام لیا گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

جب مثنوی شریف ختم ہوئی۔ بعد ختم حکم شربت بنانے کا دیا اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا روم کی نیاز بھی کی جائے گی۔ گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بٹنا شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ نیاز کے دو معنی ہیں۔ ایک عجز و بندگی اور وہ سوائے خدا دوسرے کے لیے نہیں ہے بلکہ ناجائز اور شرک ہے اور دوسرا خدا کی نذر اور ثواب خدا کے بندوں کو پہنچانا یہ جائز ہے لوگ انکار کرتے ہیں۔ اس میں کیا خرابی ہے؟ اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشرع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے نہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھتا ہے جیسے قیام مولود شریف اگر بوجہ آنے نام آنحضرت کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سردار دو عالم و عالمیاں روحی فداہ کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا۔ (امداد المشتاق ص ۸۷ حکایت ۸۷)

فرمایا کہ حنبلی کے نزدیک جمعرات کے دن کتاب احیاء تبرکاً ہوتی تھی۔ جب ختم ہوئی تبرکاً دودھ لایا گیا اور بعد دعا کے کچھ حالات مصنف بیان کیے گئے۔ طریقہ نذر و نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ اس زمانہ میں لوگ انکار کرتے ہیں۔

(امداد المشتاق ص ۹۲ حکایت ۱۸۲)

قارئین کرام! پہلے دو حوالہ جات غیر مقلد مشہور علامہ وحید الزمان کی کتاب سے اور دوسرے دو سلسلہ دیابنہ کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات سے پیش کیے گئے جن میں نذر عرفی یا لغوی کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں اور ان سب کو جائز کہا گیا ہے کیونکہ ان تمام میں غیر اللہ کی عبادت اور بندگی مقصود نہیں ہوتی بلکہ کسی نبی یا ولی کی روح کو ایصال ثواب یا اس کے دربار میں ہدیہ و تحفہ کا نذرانہ پیش کرنا ہے اور یہ طریقہ کوئی نیا نہیں بلکہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اس قسم کی باتوں کو بعض عارضی خرابیوں کی بنا پر سرے سے ناجائز قرار دینا دراصل حصول برکات سے محرومی کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس قسم کی نذر و نیاز کا انکار کرتے ہیں ان کا انکار درست نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ غیر مقلد اور دیو بندی عرفی نذر کے جواز کے قائل ہیں اور نذر کی تقسیم بھی انہیں تسلیم ہے۔

اعتراض

"مکروہ الستور علی القبور یعنی قبروں پر چادر چڑھانا مکروہ ہے"۔ (شامی ج۶ص۳۶۳)

جواب: معترض نے شامی کی مکمل عبارت درج نہیں کی ورنہ خود وہیں اس کا جواب بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ولکن نحن نقول الان اذا قصد به التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات وان کان بدعۃ فھو کقولھم بعد طواف الوداع یرجع القھقری حتی یخرج من المسجد اجلالا للبیت حتی قال فی منھاج السالکین انہ لیس فیہ سنۃ مرویۃ ولا اثر محکی وقد فعلہ اصحابنا کذا فی کشف النور عن اصحاب القبور للاستاذ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ. (ردالمحتار شامی ج۶ص۳۶۳ کتاب الحظر والاباحت فصل فی اللبس مطبوعہ مصر' کشف النور عن اصحاب القبور ص۱۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور' روح البیان ج۳ص۴ سورۃ التوبہ زیرآیت انما یعمر مساجد اللہ)

مگر ہم کہتے ہیں اگر چادر ڈالنے میں یہ مقصد ہو کہ عام لوگوں کی نظر میں صاحب قبر کی توقیر بڑھ جائے اور وہ اسے حقیر نہ جانیں اور زائرین کے خشوع وادب میں اضافہ ہو تو پھر یہ عمل جائز ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور اگر یہ عمل بدعت ہے تو بھی اس کی مثال طواف وداع کے بعد الٹے پاؤں لوٹنے کی سی ہے کہ منہاج السالکین میں ہے کہ یہ عمل سنت سے ثابت نہیں مگر پھر بھی یہ ہمارے اصحاب کا معمول ہے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی نے کشف النور میں بھی ایسا ہی کہا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی قبور پر غلاف ڈالنا، چادر چڑھانا اگرچہ کسی حدیث یا اثر سے ثابت نہیں لیکن اپنے فوائد کے اعتبار سے یہ کام سلف صالحین کے درمیان جاری و ساری رہا لہٰذا علامہ شامی نے بانگ دہل چادر چڑھانے کو جائز قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی مذکورہ عبارت سے ہمیں اور بھی بہت سے فوائد وقواعد معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) جس کام سے عوام میں اولیائے کرام کی تعظیم نظر آتی ہو وہ جائز ہے۔

(۲) جواز کا دارومدار صرف حدیث یا اثر پر ہی نہیں ہے یعنی ان میں اگر اس کا جواز مذکور تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ ممنوع ہو جائے۔

(۳) اعمال کا دارومدار (ثواب وعدم ثواب کے اعتبار سے) نیت پر ہے۔ یہ حدیث پاک ہے جو کہ متواتر ہے۔

بہرحال امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مزارات پر غلاف اور چادریں ڈالنے کے جواز کو سمجھانے کے لیے طواف الوداع کی مثال دی ہے جس کے لئے الٹے پاؤں بیت اللہ شریف سے نکلنا اگرچہ کسی حدیث یا اثر سے منقول نہیں۔ تاہم سلف صالحین سے یہ عمل چلا آرہا ہے۔ اسی طرح خانہ کعبہ پر چڑھائے گئے غلاف کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ غلاف اس گھر کی عظمت وشان کے اظہار کے لیے ہے ورنہ پتھروں سے بنا ہوا ایک مکان ہے اسے نہ تو سردی محسوس ہوتی ہے اور نہ گرمی ستاتی ہے۔ یعنی خود مسجد بیت اللہ کو اس غلاف کا کوئی فائدہ نہیں۔ صرف اس کی تعظیم کو اجاگر کرنے کے لئے صدیوں سے یہ کام چلا آرہا ہے۔ اسی طرح سرکار ابد قرار ﷺ کے روضۂ مبارکہ کی جالیوں کے سوراخ سے اگر دیکھا جائے تو آپ کے مرقد اقدس اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبور پر بھی غلاف چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرام کی قبور پر روشنی کرنا' چادریں ڈالنا اور ہر وہ کام کرنا کہ جس سے

ان کی عظمت جھلکتی ہو جائز و مشروع ہے لیکن ایسا ہر ایک قبر کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ امام شامی، اسمٰعیل حقی، شیخ عبدالقادر رافعی مفتی مصر اور امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہم ایسے بہت سے اکابر اس پر متفق ہیں کہ بغرض حسن حضرات اولیاء کرام کی قبور پر قبہ جات بنانا ان پر قندیلیں آویزاں کرنا، ان پر غلاف چڑھانا، چادریں ڈالنا اور عطریات چھڑکنا تمام امور مستحسن اور جائز ہیں اور ہر دور میں یہ امور امت کے درمیان معمول بہا رہے ہیں۔ "ما راه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن" کے ارشاد نبوی کے مطابق ان امور کے حسن عنداللہ ہونے کی بھی تائید موجود ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۸۳ - بَابُ الْمَرْأَةِ تُرِيْدُ الْحَجَّ اَوِ الْعُمْرَةَ فَتَلِدُ اَوْ تَحِيْضُ قَبْلَ اَنْ تُحْرِمَ

۴٦۳ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ وَلَدَتْ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ بِالْبَيْدَاءِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ﷺ مُرْهَا فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتُهِلَّ۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ فِي النُّفَسَاءِ وَالْحَائِضِ جَمِيْعًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا۔

احرام باندھنے سے قبل عورت کا حالت حیض میں ہو جانا یا زچگی کی حالت میں آنے کا بیان

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے بتایا کہ اسماء بنت عمیس نے مقام بیداء میں محمد بن ابی بکر کو جنم دیا۔ پس اس بات کا ذکر حضور ﷺ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ آپ نے فرمایا: اسے کہو کہ غسل کرے اور احرام باندھ لے۔

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عمل ہے کہ نفاس اور حیض والی تمام عورتیں اسی طرح کریں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا عمل ہے۔

حج یا عمرہ کی نیت کر لینے سے یہ دونوں لازم نہیں ہو جاتے جب تک اس نیت کے بعد احرام نہ باندھ لیا جائے اور یہ بھی روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ احرام کے لئے دو نوافل کی ادائیگی بھی لازم نہیں ہے۔ اگر یہ لازم ہوتے تو حضور ﷺ صدیق اکبر کو ان کی زوجہ کے متعلق نفلوں کا بھی حکم دیتے۔ بہر حال احرام باندھنے سے قبل اگر کسی عورت کو حیض آ جاتا ہے یا حالت نفاس آ جاتی ہے، وہ اگر چاہے تو احرام باندھ لے اور احرام کے لئے تلبیہ کہہ لے۔ اس پر تمام احناف کا عمل ہے۔

۱۸۴ - بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ فِي الْحَجِّ

۴٦۴ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ الْمَكِّيُّ اَنَّ اَبَا مَاعِزٍ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ سُفْيَانَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَجَاءَتْهُ امْرَاَةٌ تَسْتَفْتِيْهِ فَقَالَتْ اِنِّيْ اَقْبَلْتُ اُرِيْدُ اَنْ اَطُوْفَ بِالْبَيْتِ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ اَهْرَقْتُ فَرَجَعْتُ حَتّٰى ذَهَبَ ذٰلِكَ عَنِّيْ ثُمَّ اَقْبَلْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ اَهْرَقْتُ فَرَجَعْتُ حَتّٰى ذَهَبَ ذٰلِكَ عَنِّيْ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ اَيْضًا فَقَالَ لَهَا ابْنُ عُمَرَ اِنَّمَا ذٰلِكَ رَكْضَةٌ

دورانِ حج مستحاضہ کا حکم

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابو زبیر مکی نے بتایا کہ ابو ماعز عبداللہ بن سفیان نے بتایا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت کچھ دریافت کرنے آئی۔ اس نے پوچھا کہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کرنے چلی حتیٰ کہ میں جب کعبہ پاک کے دروازہ پر پہنچی تو مجھے خون آنے لگا۔ میں واپس آ گئی یہاں تک کہ وہ ختم ہو گیا میں پھر واپس آ گئی یہاں تک کہ مسجد کے دروازے تک پہنچی تو پھر خون آنے لگا میں واپس چلی گئی حتیٰ کہ خون آنا بند ہو گیا میں پھر مسجد کے دروازہ تک گئی (کیا

مِنَ الشَّيْطَانِ فَاغْتَسِلِيْ ثُمَّ اسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ ثُمَّ طُوْفِيْ.

میرے لئے ایسا کرنا درست ہے؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے فرمایا یہ ایک شیطان کی رگ ہے۔ لہٰذا اس صورت میں تو غسل کرلیا کر پھر شرمگاہ پر کوئی کپڑا باندھ لیا کرو پھر طواف کرلو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ هٰذِهِ الْمُسْتَحَاضَةُ فَلْتَتَوَضَّأْ وَتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ تَطُوْفُ وَتَصْنَعُ مَا تَصْنَعُ الطَّاهِرَةُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ عمل ہے کہ استحاضہ والی عورت کو وضو کرکے اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا باندھ لینا چاہیے پھر وہ طواف کرے اور جو کام پاک عورت کرتی ہے، یہ بھی کرے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

دم استحاضہ وہ خون ہے جو عورت کی شرمگاہ سے حیض اور نفاس کے علاوہ آئے۔ ایسی عورت کے لئے احکام شرعیہ جوں کے توں باقی رہتے ہیں۔ نماز بھی معاف نہیں روزہ بھی رکھنا پڑے گا اور مسجد میں بھی جا سکتی ہے۔ یہ جو" رکضہ من شیطان" کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے جسم میں ایک رگ ہوتی ہے جسے شیطان ٹھوکر لگا دیتا ہے اور اس سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کی رنگت وغیرہ حیض ونفاس سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے شیطان اس طرح عورت کو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں پریشان کرنا چاہتا ہے کہ وہ اسے حیض سمجھ کر نمازیں چھوڑ دے۔ اس حالت میں چونکہ احکام شرعیہ عورت پر لازم رہتے ہیں ایسی ہی ایک عورت فاطمہ بنت ابی جیش کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ غسل کر کے لنگوٹ باندھ اور وہ سب احکام ادا کر جو پاک عورت ادا کرتی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور ﷺ کے ارشاد پر ہی اپنی بیوی کو فتویٰ دیا۔ یہی تمام احناف کا مسلک ہے۔

۱۸۵ - بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْغُسْلِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ

مکہ شریف میں داخل ہونے اور داخلہ سے قبل غسل کرنے کے استحباب کا بیان

٤٦٥ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ بَاتَ بِذِيْ طُوًى بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ يُصَلِّي الصُّبْحَ ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِيْ بِاَعْلٰى مَكَّةَ وَلَا يَدْخُلُ مَكَّةَ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا حَتّٰى يَغْتَسِلَ قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ اِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ بِذِيْ طُوًى وَيَاْمُرُ مَنْ مَعَهٗ فَيَغْتَسِلُوْا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلُوْا.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ جب وہ مکہ شریف کے قریب پہنچ جاتے تو مقام ذی طویٰ میں دونوں ٹیلوں کے درمیان رات بسر فرماتے۔ جب صبح ہوتی تو نماز فجر ادا فرماتے پھر اس گھاٹی سے داخل مکہ ہوتے جو مکہ کی جانب بالا میں ہے اور آپ جب بھی حج یا عمرہ کے ارادہ سے آتے تو مکہ شریف میں داخل ہونے سے قبل غسل کرلیا کرتے۔ آپ مقام ذی طویٰ میں یہ کام سرانجام دیتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی فرماتے کہ غسل کرلو پھر مکہ شریف میں داخل ہونا ہے۔

٤٦٦ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ اَنَّ اَبَاهُ الْقَاسِمَ كَانَ يَدْخُلُ مَكَّةَ لَيْلًا وَهُوَ مُعْتَمِرٌ فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَيُؤَخِّرُ الْحِلَاقَ حَتّٰى يُصْبِحَ وَلٰكِنَّهٗ لَا يَعُوْدُ اِلَى الْبَيْتِ فَيَطُوْفُ بِهٖ حَتّٰى يَحْلِقَ وَرُبَّمَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَاَوْتَرَ فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَقْرَبِ الْبَيْتَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبد الرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد قاسم سے خبر دی کہ وہ مکہ شریف میں عمرہ کرنے کے لئے رات کے وقت داخل ہوا کرتے تھے۔ داخل ہونے کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے اور صفا ومروہ کے درمیان سعی بجا لاتے اور سر منڈوانے کو صبح تک مؤخر کر دیتے لیکن دوبارہ طواف سے پہلے سر ضرور منڈوا لیتے اور جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو اس میں نماز

ادا کرتے۔ (اور جب پچھلے پہر مسجد میں داخل ہوتے تو وتر پڑھتے) اور بیت اللہ کے قریب (طواف کرنے کے لئے) نہ جاتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَابَأْسَ بِاَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ اِنْ شَآءَ لَيْلًا وَاِنْ شَآءَ نَهَارًا فَيَطُوْفُ وَيَسْعٰى وَلٰكِنَّهٗ لَايُعْجِبُنَا لَهٗ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الطَّوَافِ حَتّٰى يَحْلِقَ اَوْ يُقَصِّرَ كَمَا فَعَلَ الْقَاسِمُ وَاَمَّا الْغُسْلُ حِيْنَ يَدْخُلُ فَهُوَ حَسَنٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ مکہ شریف میں اگر کوئی رات کے وقت داخل ہونا چاہے یا دن کے وقت تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ داخل ہونے کے بعد وہ طواف کرے اور سعی بجا لائے لیکن ہمیں یہ پسند نہیں کہ دوبارہ طواف کرنے سے قبل لازماً حلق یا قصر کرائے۔ جیسا کہ جناب قاسم نے کیا رہا مکہ شریف میں داخل ہونے سے قبل غسل کرنا تو یہ اچھی بات ہے واجب نہیں ہے۔

اس باب میں خاص کر تین باتیں اہم ہیں۔ ایک یہ کہ مقام ذی طویٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا رات بھر قیام فرما کر صبح مکہ شریف میں داخل ہونا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گرمی سردی کی پرواہ کئے بغیر یہاں رات بسر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں یہاں ٹھہرنے پر احباب نے نہ ٹھہرنے کا مشورہ دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں رسول کریم ﷺ نے رات بسر فرمائی تھی۔ اس لئے ابن عمر یہیں رات بسر کرے گا۔

دوسری بات یہ کہ مکہ شریف میں داخل ہونے سے قبل غسل کر لینا مستحب ہے اور واجب نہیں۔ مکہ شریف میں داخل ہو کر سب سے پہلے خانہ کعبہ کی زیارت کرنی چاہیے اور اس کی طرف روانگی میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ آنکھیں پرنم کئے اپنے گناہوں پر نادم ہوتے ہوئے جانب کعبہ روانہ ہو۔ جونہی اللہ کے گھر پر نظر پڑے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے کیونکہ روایات کے مطابق کعبہ پر اولین نگاہ پڑنے پر جو دعا مانگی جائے گی وہ شرف قبولیت پاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور بات ذہن نشین رہے کہ بعض احادیث میں دخول مکہ کے لئے جانب اعلیٰ سے داخل ہونا اور جانب اسفل سے باہر آنا آتا ہے۔ اس سے مراد جنت المعلیٰ کی طرف سے داخل ہونا اور باب شبیکہ سے باہر آنا مراد ہے۔ وقت دخول کی کوئی پابندی نہیں' رات دن کسی وقت بھی داخل ہونا جائز ہے لیکن دن کے وقت داخلہ رات کی نسبت اچھا ہے۔

تیسری اور آخری بات یہ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے قاسم بن محمد کا عمل بھی بیان کیا کہ وہ طواف کے بعد صفا ومروہ کے مابین سعی کرتے اور صبح تک حلق کو مؤخر کرتے اور اگر صبح دوبارہ کرنا چاہتے تو پہلے حلق ضرور کراتے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حلق یا قصر کرائے بغیر دوبارہ طواف کرنا اچھا نہیں ہے لیکن یاد رہنا چاہیے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب کسی نے احرام صرف عمرہ کا یا حج تمتع کا باندھا ہو تو ان دونوں صورتوں میں عمرہ کر لینے کے بعد حلق یا قصر کرائے اور اس کے بعد طواف کرنا چاہے تو کرے۔ حلق یا قصر کرائے بغیر اب طواف کرنا اچھا نہیں ہے لیکن متمتع اگر ہدی لے کر آیا ہو یا اس نے حج قران یا حج مفرد کا احرام باندھا ہو تو ان صورتوں میں وہ دس ذوالحجہ سے قبل احرام نہیں کھول سکتا۔ اس لئے اب عمرہ کا طواف اور سعی کرنے کے بعد یہ حلق یا قصر نہیں کرا سکتا۔ ایسی صورت میں احرام کے ہوتے ہوئے جس قدر ہو سکے طواف بجا لائے بلکہ باہر سے آنے والے کے لئے تو نوافل کی بجائے طواف کرنا افضل ہے اس لئے اس موقع سے خوب خوب فائدہ اٹھانا چاہیے اور بار بار طواف کی سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔

١٨٦ - بَابُ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا بیان

٤٦٧ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ اِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ بَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ حَتّٰى يَبْدُوَ لَهُ الْبَيْتُ وَكَانَ يُكَبِّرُ ثَلَاثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ يَفْعَلُ ذٰلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَذٰلِكَ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ تَكْبِيْرَةً وَسَبْعَ تَهْلِيْلَاتٍ وَيَدْعُوْ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَيَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى ثُمَّ يَهْبِطُ فَيَمْشِيْ حَتّٰى اِذَا جَاءَ بَطْنَ الْمَسِيْلِ سَعٰى حَتّٰى يَظْهَرَ مِنْهُ ثُمَّ يَمْشِيْ حَتّٰى يَاْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَرْقِيْ فَيَصْنَعُ عَلَيْهَا مِثْلَ مَا صَنَعَ عَلَى الصَّفَا يَصْنَعُ ذٰلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ سَعْيِهٖ وَسَمِعْتُهٗ يَدْعُوْ عَلَى الصَّفَا اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاِنِّيْ اَسْأَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَا تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ حَتّٰى تَوَفَّانِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ۔

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب صفا اور مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرتے تو اس کی ابتدا صفا سے کرتے' اس پر چڑھ جاتے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف دکھائی دینے لگتا' تین تکبیریں کہتے پھر اس کے بعد یہ پڑھتے: لا الٰہ الا اللہ الخ ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اس کا ملک اور اسی کے لئے تعریف ہے' وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے یہ سات مرتبہ پڑھتے تو اکیس تکبیریں اور سات مرتبہ تہلیل کہتے ۔ ان کے درمیان دعا بھی کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے بھی پھر صفا سے نیچے اترتے اور چلتے جاتے حتیٰ کہ جب آپ بطن مسیل (وادی) میں آتے تو سعی کرتے یہاں تک کہ آپ اس سے آگے نکل جاتے پھر اپنی عادت کے مطابق چلتے رہتے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ کر پھر اس پر چڑھ جاتے اور یہاں بھی وہی کچھ کرتے جو صفا پر کرتے ۔ سات مرتبہ اسی طرح چکر لگاتے پھر سعی سے فارغ ہو جاتے اور میں نے سنا کہ آپ صفا پر یہ کہہ رہے تھے ۔ اے اللہ! بے شک تو نے ہی فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام کا راستہ دکھایا، اب مجھے اس سے دور نہ کرنا یہاں تک کہ اسی پر میری موت آجائے اور میں بحالت اسلام دنیا سے جاؤں۔

٤٦٨ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ هَبَطَ مِنَ الصَّفَا مَشٰى حَتّٰى اِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْمَسِيْلِ سَعٰى حَتّٰى ظَهَرَ مِنْهُ قَالَ وَكَانَ يُكَبِّرُ عَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثَلَاثًا وَيُهَلِّلُ وَاحِدَةً يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے والد سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں ۔ فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ صفا سے نیچے اترتے تو اپنی عادت کریمہ کے مطابق چلتے پھر جب چلتے چلتے آپ کے قدم بطن مسیل پہنچتے تو سعی فرماتے حتیٰ کہ اس جگہ سے نکل جاتے ۔ جابر کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صفا اور مروہ پر تین تین مرتبہ تکبیر اور ایک ایک مرتبہ تہلیل کہا کرتے تھے آپ یہ تین مرتبہ کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ اِذَا صَعِدَ الرَّجُلُ الصَّفَا كَبَّرَ وَهَلَّلَ وَدَعَا ثُمَّ هَبَطَ مَاشِيًا حَتّٰى يَبْلُغَ بَطْنَ الْوَادِيْ فَيَسْعٰى فِيْهِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْهُ ثُمَّ يَمْشِيْ مَشْيًا عَلٰى هَيْئَتِهٖ حَتّٰى يَاْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَصْعَدَ عَلَيْهَا فَيُكَبِّرَ

امام محمد کہتے ہیں ہمارا ان باتوں پر عمل ہے جب کوئی شخص صفا پر چڑھے تو اسے تکبیر و تہلیل کہہ کر دعا کرنی چاہیے پھر اپنی رفتار کے مطابق چلتے ہوئے نیچے اتر آئے حتیٰ کہ جب وہ بطن مسیل میں آئے تو اس سے باہر نکلنے تک سعی کرے پھر اپنی رفتار پر چلتے ہوئے

وَيُهَلِّلُ وَيَدْعُوْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ بَيْنَهُمَا سَبْعًا يَسْعٰى فِي الْبَطْنِ الْوَادِيْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ مِنْهُمَا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

مروہ پر آ جائے اس پر چڑھ کر تکبیر و تہلیل کے بعد دعا کرے یہ فعل صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ بطن وادی میں سعی کرتا گزرے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ہمارے فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

صفا اور مروہ پر چڑھ کر تکبیرات اور تہلیلات کی اگرچہ روایت اولیٰ میں تعداد مذکور ہے اور روایت ثانیہ میں بھی ہے۔ یعنی کل سات چکروں میں اکیس مرتبہ تکبیر اور سات مرتبہ تہلیل بیان ہوئی ہے لیکن یہ واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہیں اور نہ ہی مذکورہ الفاظ کی پابندی ہے۔ بہرحال پڑھ لینا افضل ہے۔ ہاں صفا و مروہ پر چڑھ کر قبلہ رخ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے دعا ضرور کرے کہ یہ دعا مقبول ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان تھوڑی سی جگہ پر دوڑنا صرف مردوں کے لئے ہے۔ اس جگہ کو بطن مثیل یا بطن وادی کہا جاتا ہے۔ اب وہاں اس جگہ کو نمایاں کرنے کے لئے دونوں جانب سبز بتیوں کو روشن کیا گیا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے کہ بموجب بعض روایات حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں کبھی صفا اور کبھی مروہ پر جاتیں تو انہوں نے اسمٰعیل علیہ السلام کو دھوپ سے بچنے کے لئے ایک بڑے پتھر کے سایہ میں لٹایا ہوا تھا۔ جب آپ اس پتھر کے برابر سے گزرنے لگتیں تو اوجھل ہونے کی وجہ سے جلدی سے گزر جاتیں تاکہ بچہ نظر آتا رہے۔ اس طرح انہوں نے سات مرتبہ صفا و مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں چکر لگائے اور ہر مرتبہ پتھر کے پاس سے جلدی گزرتیں۔ اللہ رب العزت کو ان کی یہ ادا اور ان کا یہ فعل پسند آیا اور اسے ہر حاجی کے لئے قیامت تک باقی رکھا تاکہ اس کی ایک بندی کی یاد قائم رہے۔

سعی کا حکم

احناف کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان حج اور عمرہ دونوں میں واجب ہے رکن یا فرض نہیں ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ اسے رکن قرار دیتے ہیں۔ بعض اسے مباح اور جائز تک ہی کہتے ہیں۔ ان بعض کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کی سعی کو ان الفاظ سے ذکر فرمایا: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا. ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔ مطلب یہ کہ کرلو تب بھی گناہ نہیں اور نہ کرو تب بھی درست ہے۔ ہم اس استدلال کا جواب چند سطور بعد پیش کریں گے۔ بہرحال احناف کے نزدیک حج اور عمرہ دونوں میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر کوئی اسے بجا نہیں لاتا تو اسے دم دینا پڑے گا کیونکہ ترک واجب پر دم آتا ہے۔ آیت مذکورہ کے متعلق حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا تھا اور ان کے جواب میں آپ نے جو ارشاد فرمایا تھا ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابوبكر بن ابى شيبة حدثنا ابو اسامة حدثنا هشام بن عروة اخبرنى ابى قال قلت لعائشة رضى الله عنها ماارى على جناح ان لا اطوف بين الصفا ولا مروة فقالت لما قلت لان الله عزوجل يقول ان الصفاوالمروة من شعائر الله فقالت لو كان كما تقول لكان فلا جناح عليه ان لا يطوف بهما انما انزل هذا فى اناس من الانصار كانوا اذا اهلوا

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کروں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے پوچھا تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الصفا والمروة الاية" یہ سن کر آپ نے فرمایا: اگر آیت کریمہ کا مفہوم وہ ہوتا جو تم بیان کر رہے ہو تو قرآن کریم کے الفاظ یوں ہوتے: فلا جناح عليه ان لا يطوف بهما. یہ

لمنات فی الجاهلیة فلا یحل لهم ان یطوفوا بین الصفا والمروة فلما قدموا مع النبی ﷺ الحج ذکروا ذالک فانزل الله عزوجل هذه الایة فلعمری ماا تم الله حج من لم یطف بین الصفا و المروة. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱۴ باب بیان ان السعی بین الصفا والمروۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

آیت کریمہ ان انصاری لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو دورِ جاہلیت میں منات بت کے نام کا احرام باندھتے تھے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کو وہ حلال نہ سمجھتے تھے پھر جب وہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! اس شخص کا حج اللہ تعالیٰ مکمل نہیں فرمائے گا جس نے صفا و مروہ کا طواف چھوڑ دیا۔

قارئین کرام! حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا استدلال بعینہ ان لوگوں کا استدلال ہے جو صفا و مروہ کی سعی کو اب بھی مباح کا درجہ دیتے ہیں۔ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وسعت علمی، اجتہادی بصیرت اور قرآن فہمی کا اندازہ فرمائیں کہ کس انداز سے انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کے وجوب کو ثابت فرمایا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف کو لوگ ناپسند کیوں کرتے تھے؟ علامہ زرقانی نے موطا امام مالک کی شرح میں اس کو ذکر کیا۔فرماتے ہیں:

''تمام وجوہات میں قوی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ زید بن حارثہ سے مضبوط اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ صفا اور مروہ پر تانبے کے دو بت تھے۔ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نائلہ تھا۔لوگ منات بت کے قریب سے احرام باندھتے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر تھا۔ یہاں آ کر یہ لوگ اساف اور نائلہ کا طواف کرتے اور ان کا طواف کرنے کے بعد احرام کھولتے۔ حضرات صحابہ کرام کو یہ پسند نہ آیا کہ ہم بھی ان دونوں پہاڑیوں کا طواف کریں، جن کا مشرکین طواف کرتے ہیں پھر جب اساف اور نائلہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔اب طواف کرنے والے کے پیش نظر اساف اور نائلہ نہیں بلکہ خلیل اللہ علیہ السلام کی زوجہ حضرت ہاجرہ کا دوڑنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک باقی رکھ چھوڑا۔خلاصہ یہ کہ حج اور عمرہ ہر ایک کے لئے صفا اور مروہ کی سعی واجب ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۸۷- بَابُ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ رَاكِبًا اَوْ مَاشِيًا

بیت اللہ کا طواف سوار ہو کر یا پیدل چل کر کرنے کا بیان

۴۶۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ الْاَسَدِيُّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهَا قَالَتِ اشْتَكَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ قَالَتْ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ اِلٰى جَانِبِ الْبَيْتِ وَيَقْرَاُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل اسدی نے عروہ سے اور انہوں نے زینب بنت ابی سلمہ سے خبر دی اور وہ حضور ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں بیمار ہو گئی اور رسول کریم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: لوگوں سے ہٹ کر طواف کر لو درآں حالیکہ تم سواری پر رہو۔فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق طواف کیا اور رسول کریم ﷺ کعبہ شریف کی ایک جانب کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے اور آپ سورۃ الطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا بَاْسَ لِلْمَرِيْضِ وَذِي

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی مسلک ہے کہ بیمار اور کوئی بھی

الْعِلَّةِ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ مَحْمُوْلًا وَّلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَآئِنَا.

دکھ درد والا اگر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی کفارہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے دیگر فقہائے کرام کا بھی یہی قول ہے۔

٤٧٠ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِىْ بَكْرٍ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرَّ عَلٰى امْرَاَةٍ مَجْذُوْمَةٍ تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَقَالَ يَااَمَةَ اللّٰهِ اُقْعُدِىْ فِىْ بَيْتِكِ وَلَا تُؤْذِى النَّاسَ فَلَمَّا تُوُفِّىَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اَتَتْ مَكَّةَ فَقِيْلَ لَهَا هَلَكَ الَّذِىْ كَانَ يَنْهَاكِ عَنِ الْخُرُوْجِ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَا اُطِيْعُهُ حَيًّا وَاَعْصِيْهِ مَيِّتًا.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں عبد اللہ بن ابی بکر نے ابن ابی ملیکہ سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دوران طواف) جذام کی مرض میں گرفتار ایک عورت کے قریب سے گزرے جو بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ کی بندی! جا گھر جا کر بیٹھ جا لوگوں کو اذیت نہ پہنچا۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو یہی عورت پھر مکہ شریف آئی تو اسے کہا گیا کہ تجھے طواف سے روکنے والے کا انتقال ہو گیا ہے کہنے لگی۔ خدا کی قسم! میں وہ نہیں کہ اس کی زندگی میں تو اس کی بات مانوں اور اس کے انتقال پر نافرمان ہو جاؤں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے سوار ہو کر طواف کا حکم دیا کیونکہ آپ بیمار تھیں۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ ہر شخص کے لئے سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہے۔ یہ اجازت صرف معذور کے لئے ہے۔ تندرست اگر ایسا کرتا ہے تو مکروہ ہوگا۔ رہا حضور ﷺ کا طواف الوداع سوار ہو کر ادا فرمانا تو وہ تعلیم امت کے لئے تھا۔ اسی لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی عذر کی بنا پر سوار ہو کر طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی اس پر کفارہ ہے۔ یہ اجازت اس دور کی بات تھی جب بیت اللہ شریف میں طواف کی جگہ (مطاف) کا احاطہ نہیں کیا گیا تھا۔ ایک کھلا میدان تھا۔ اب مطاف اور اس سے بھی بہت پیچھے تک عمارات موجود ہیں۔ اب سواری کی حالت میں بیت اللہ شریف میں داخل ہونا مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا اب سواری کی جگہ پالکی وغیرہ میں بٹھا کر کندھوں پر اٹھا کر طواف کرایا جاتا ہے۔ سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے اس طواف کی "فتح الباری" نے یوں کیفیت بیان کی ہے:

والذى يترجع المنع لان طوافه ﷺ وكذا ام سلمى رضى الله عنها كان قبل ان يحوط المسجد ووقع فى حديث ام سلمى طوفى من وراء الناس وهذا يقتضى منع الطواف فى المطاف واذا حوط المسجد امتنع داخله ان لايؤمن من التلويث فلا يجوز بعد التحويط بخلاف ما قبله فانه كان الا يحرم التلويث كما فى السعى وعلى هذا فلا فرق فى الركوب اذا ساغ بن البعير والفرس والحمار واما الطواف النبى ﷺ راكبا فللحاجة لاخذ المناسك عنه ولذالك عده بعض من خصائصه فيها واحتمل ايضا ان تكون راحلته عصمت من

وہ بات جو سواری کی حالت میں طواف کرنے سے منع کو ترجیح دیتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اور سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں مذکور ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا: لوگوں سے ہٹ کر طواف کر لے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا تقاضا یہ ہے کہ مطاف میں طواف کرنا منع ہے اور اب جبکہ مسجد کی چار دیواری ہو گئی ہے تو سوار ہو کر اس میں جانا ممنوع ہو چکا ہے کیونکہ اس طرح مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا چار دیواری (تعمیر) ہو جانے کے بعد سوار ہو کر طواف کرنا اب جائز نہیں ہے۔ اس سے قبل کی بات اور ہے کیونکہ اس وقت مسجد کے آلودہ ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا جیسا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کیلئے اجازت تھی۔ اس تحقیق کے پیش نظر سواری خواہ گھوڑا ہو، اونٹ ہو یا گدھا سب کا ایک ہی حکم ہے۔ا

التلويث حينئذ كرامة له فلا يقاس غيره عليه.
(فتح الباری ج ۳ ص ۴۸۵ مطبوعہ مصر)

رہا سرکار دو عالم ﷺ کا سوار ہو کر طواف کرنا تو اس کی ضرورت تھی کیونکہ لوگوں نے آپ کے عمل شریف کو دیکھ کر طریقہ حج سیکھنا تھا اس لئے بعض حضرات نے اس کو بھی حضور ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کی سواری سے مسجد کی تلویث (آلودگی) کا بالکل خطرہ نہ ہو کیونکہ آپ کی عظمت و کرامت کے پیش نظر آپ کی سواری نے مسجد کو آلودہ کرنے سے اجتناب کر لیا ہو لہٰذا آپ ﷺ پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سبحان اللہ! امام حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی عقیدت و محبت کا اظہار فرمایا کہ سواری کو پتہ تھا کہ مجھ پر امام المعصومین سید المرسلین ﷺ سوار ہیں اور جہاں مجھے چلایا جا رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر ہے لہٰذا اس نے اپنا بول و براز بند کر لیا۔ جانور تو ادب و احترام کریں لیکن وہ نام نہاد امتی جو ہر وقت عیب و نقص کی جستجو میں رہیں ان کی بدبختی کا کیا کیا جا سکتا ہے؟ بہر حال حضور ﷺ کا طواف سوار ہو کر کرنا تعلیم امت کے لئے تھا یا آپ کے خصائص میں شامل تھا یا آپ کی سواری کا از روئے احترام بول و براز سے رک جانا کچھ بھی ہو اب سوار ہو کر طواف کرنا نہایت بے ادبی ہے اور کوئی اب اس کی اجازت بھی نہیں دے گا۔

دوسرا مسئلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جذامی عورت کو طواف سے روکنا ہے تو اس پر کوئی دشمنِ ابنِ خطاب یہ شور نہ کرے کہ آپ نے ایک غریب و مسکین و نادار عورت کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے روک دیا۔ آپ کا روکنا اسی طرح کا ہے جس طرح حضور ﷺ نے لہسن کھا کر آنے والے کو مسجد میں آنے سے روکا۔ اصل علت تو لوگوں کی اذیت ہے لہٰذا اگرچہ جذام کے مرض کا احادیث میں اس انداز سے ذکر نہیں، تاہم وہ باعث اذیت تو ہے پھر جب اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو من و عن تسلیم کر لیا اور زندگی اور وصال دونوں میں مطیع رہی تو پھر کسی ایرے غیرے کو اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

۱۸۸ - بَابُ اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ

رکن کو چومنے کا بیان

۴۷۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَاَيْتُكَ تَصْنَعُ اَرْبَعًا مَا رَاَيْتُ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ فَمَا هُنَّ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ رَاَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْاَرْكَانِ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَاَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَاَيْتُكَ اِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ اَهَلَّ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ اَنْتَ حَتّٰى يَكُوْنَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَمَّا الْاَرْكَانُ فَاِنِّيْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَلَمَ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَاَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّاُ فِيْهَا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں سعید مقبری نے عبید بن جریج سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں آپ کو ایسے چار کام کرتے دیکھتا ہوں کہ یہ کام تمہارے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابن جریج! وہ کون کون سے کام ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ارکان میں سے صرف دو کو چھوتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے سبتیہ جوتیاں پہن رکھی ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے زرد رنگ لگایا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ جب آپ مکہ شریف میں تھے، لوگوں نے چاند دیکھتے ہی احرام باندھ لئے تھے اور آپ نے یوم ترویہ سے پہلے احرام نہ باندھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلا کام کہ ارکان میں سے صرف دو یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کو چھونا تو میں نے حضور

وَاَمَّا الصُّفْرَةُ فَاِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَصْبُغُ بِھَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَصْبُغَ بِھَا وَاَمَّا الْاِھْلَالُ فَاِنِّیْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یُھِلُّ حَتّٰی تَنْبَعِثَ بِہٖ رَاحِلَتُہٗ.

ﷺ کو صرف یہی دو رکن چومتے دیکھا ہے۔ رہا سبتی جوتیاں استعمال کرنا تو میں نے رسول کریم ﷺ کو ایسی نعلین پہنتے دیکھا کہ جن پر بال نہ تھے۔ آپ انہیں پہن کر وضوفرماتے تھے تو مجھے بھی یہی پسند ہے کہ ایسی ہی جوتیاں پہنوں۔ زرد رنگ کا معاملہ تو میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ رنگ لگے دیکھا تو میں نے بھی اسے ہی پسند کیا۔ رہا آخری مسئلہ احرام باندھنے کا تو میں نے سرکار ابد قرار ﷺ کو اس وقت تک احرام باندھتے نہ دیکھا جب تک آپ اپنی سواری آٹھویں تاریخ کو تیار کر کے آپ اس پر تشریف فرما نہ ہوتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ ھٰذَا کُلُّہٗ حَسَنٌ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّسْتَلِمَ مِنَ الْاَرْکَانِ اِلَّا الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ وَالْحَجَرَ وَھُمَا اللَّذَانِ اِسْتَلَمَھُمَا ابْنُ عُمَرَ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَالْعَامَّۃِ مِنْ فُقَھَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں بہت اچھی ہیں اور ارکان میں سے صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو چومنا ہے۔ یہ وہ دونوں رکن ہیں جنہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چوما اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

٤٧٢- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِھَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَخْبَرَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَلَمْ تَرَیْ اَنَّ قَوْمَکِ حِیْنَ بَنَوُا الْکَعْبَۃَ اِقْتَصَرُوْا عَنْ قَوَاعِدِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَتْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَفَلَا تَرُدُّھَا عَلٰی قَوَاعِدِ اِبْرَاھِیْمَ قَالَتْ فَقَالَ لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِکِ بِالْکُفْرِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ لَئِنْ کَانَتْ عَائِشَۃُ سَمِعَتْ ھٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَا اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ تَرَکَ اسْتِلَامَ الرُّکْنَیْنِ الَّذَیْنِ یَلِیَانِ الْحَجَرَ اِلَّا اَنَّ الْبَیْتَ لَمْ یُتَمَّ عَلٰی قَوَاعِدِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں سالم سے ابن شہاب نے انہیں عبداللہ بن محمد بن ابی بکر صدیق نے خبر دی انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی۔ وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب تیری قوم نے کعبہ پاک کی تعمیر کی تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں میں کمی کر دی۔ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ دوبارہ انہی بنیادوں پر جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھیں نہیں لوٹائیں گے؟ فرماتی ہیں کہ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تیری قوم کفر چھوڑ کر اسلام میں نئی نئی داخل نہ ہوئی ہوتی (تو میں کعبہ کو انہی بنیادوں پر قائم کر دیتا) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے تو میں نے بھی رسول کریم ﷺ کو ان دو رکنوں کے بوسے لینے کو ترک کرتے نہیں دیکھا۔ جو حجر اسود سے متصل ہیں۔ مگر یہ کہ بیت اللہ شریف (کے دوسرے رکن) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر نہیں ہیں۔

اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چار مختلف فعلوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی کچھ تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) رکن یمانی اور حجر اسود کو چومنا۔ان کے علاوہ دیگر ارکان کو نہ چومنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان دونوں کو چوما کرتے تھے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر مختلف زمانوں میں ہوتی رہی۔سب سے پہلے اس کی تعمیر فرشتوں نے کی۔دوسری مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے تعمیر کیا۔طوفان نوح کے وقت کعبہ پاک کو اٹھالیا گیا۔پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلی بنیادوں پر ہی اس کی تعمیر فرمائی۔پھر بنی مالکہ اور پھر بنی جرہم نے اپنے اپنے دور میں اسے تعمیر کیا پھر قصی بن کلاب نے اور پھر قریش مکہ نے اس کی تعمیر کی جبکہ سرکار دو عالم ﷺ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی۔اس کے ٹھیک پانچ سال بعد آپ نے اعلان نبوت فرمایا تھا۔ قریش نے تعمیر کرتے وقت مالی حالت کمزور ہونے کی بنا پر نصف کعبہ تعمیر کیا اور نصف بغیر تعمیر کے باقی رہا۔جتنا حصہ بنایا تھا اس کی کیفیت یہی تھی جواب کعبہ پاک کی موجود ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ عائشہ کو فرمایا: اگر کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کے دروازہ کو زمین سے متصل نیچا کر دیتا اور کعبہ کے دو دروازے بناتا اور قریش روپے کی کمی کی وجہ سے جو تعمیر ادھوری چھوڑ گئے میں اسے مکمل کر دیتا۔تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے حضور ﷺ کی اس دیرینہ تمنا کا ذکر کیا تو عبداللہ بن زبیر نے کعبہ کا دروازہ جو اس وقت تقریباً سطح زمین سے ساٹھ فٹ اونچا تھا، بالکل زمین کے ساتھ ہموار کر دیا اور دو دروازے بنائے اور کعبہ کا وہ حصہ جو قریش نہ بنا سکے،اس کی تعمیر کی اسے ''حطیم'' کہا جاتا ہے لیکن حجاج بن یوسف نے ضد و عناد کی بنا پر عبداللہ بن زبیر کو شہید کر کے کعبہ کی پھر وہی نامکمل عمارت رہنے دی اور زیادتی کو گرا دیا۔اس کے بعد ہارون الرشید نے پھر اسی حدود اربعہ کے مطابق تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، جو حضرت عبداللہ بن زبیر نے تعمیر کیا تھا تو سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔فرمایا کہ اگر اسی طرح کعبہ کی تعمیر اور گرایا جانا چلتا رہا تو یہ کھیل بن جائے گا لہٰذا اب کعبہ اسی حدود اربعہ پر قائم ہے جو قریش کے وقت تھا اور جس کو حجاج بن یوسف نے گرا کر باقی رکھا تھا۔

''کعبہ'' پتھروں سے تعمیر شدہ مکان کا نام نہیں بلکہ درحقیقت وہ زمین کا ٹکڑا ہے جس پر تعمیر کھڑی کی گئی ہے۔وہ ٹکڑا زمین کا تحت الثریٰ سے عرش اعلیٰ تک اپنی عمودی جلالی حالت میں کعبہ ہی ہے۔اس لئے اگر کعبہ شریف کی عمارت کے تمام پتھر اٹھا کر کوئی الگ مکان تعمیر کر دیا جائے تو ان پتھروں کی وجہ سے یہ تیار شدہ مکان کعبہ نہیں بنے گا بلکہ کعبہ زمین کا وہی ٹکڑا کہلائے گا جو اپنی جگہ موجود ہے۔روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی عمارت گرا کر نئی عمارت بنانے کا ارادہ کیا تو آپ نے موجود زمین کے ٹکڑے پر چادریں تان دی تھیں تاکہ لوگ ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں پھر تعمیر مکمل ہونے تک لوگ چادریں تنے علاقہ زمین کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

بیت اللہ شریف کی جنوبی دیوار جس کے جنوب مشرقی کونہ میں حجر اسود ہے اور جنوب مغربی کونہ میں رکن یمانی ہے یہ وہ دیوار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر کھڑی ہے۔اسی لئے ان دونوں کو چوما جاتا ہے۔دوسرے دونوں کونے یعنی شمال مشرقی اور شمال مغربی چونکہ حطیم کے ساتھ ہیں اور بنیاد ابراہیم علیہ السلام پر نہیں ہیں اس لئے انہیں نہیں چوما جاتا۔حطیم کو اب کعبہ شریف کی چار دیواری سے الگ کعبہ کے شمال کی طرف تقریباً نصف دائرہ کی شکل میں دیوار اونچی کر کے ممتاز کیا گیا ہے۔اس جگہ کو یقیناً کعبہ میں شامل یا خارج قرار دینا بہت مشکل ہے۔اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ جب طواف کیا جائے تو حطیم کے اوپر سے چکر لگا کر طواف مکمل کیا جائے اور جہاں تک نماز کے لئے قبلہ کا سامنے ہونا شرط ہے تو اس سلسلہ میں محض حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کی جائے۔یہ دونوں احتیاطی طور پر ہیں۔طواف میں احتیاط حطیم کو داخل کر لینے میں اور نماز میں احتیاط اسے خارج سمجھنے میں ہی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رکن شامی اور رکن عراقی کا استلام کیوں نہیں کرتے تھے کیونکہ ان دونوں کونوں کی ان بنیادوں پر تعمیر ہونے میں یقین نہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمائی تھیں۔

(۲) بغیر بالوں کے جوتی پہننا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں ایسی جوتی اس لئے استعمال کرتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو ایسی جوتی استعمال کرتے دیکھا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جوتی کسی جانور کے چمڑے سے تیار ہوتی ہے اور ہر جانور کی کھال پر بال ہوتے ہیں۔ ان بالوں کو دور کرنا ''دباغت'' کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ ہر وہ چمڑا جو نجس عین نہ ہو، وہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ خنزیر چونکہ نجس عین ہے، اس لئے اس کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہ ہوگا۔ بقیہ تمام جانوروں کے چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ نجس عین نہیں ہیں خواہ ان کو ذبح کیا گیا ہو یا ویسے ہی مر گئے ہوں۔ صرف انسان کی کھال اس کے احترام وتکریم کی خاطر پاک قرار نہیں دی گئی۔ دباغت سے جب چمڑے کے سارے بال اتر جائیں تو اس چمڑے کی طہارت یقینی ہو جاتی ہے اس لئے حضور ﷺ بغیر بالوں کے جوتی استعمال فرماتے تھے اور عبداللہ بن عمر نے بھی یہی پسند کیا۔

(۳) زرد رنگ کا خضاب کرنا

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لیغیر الشیب بالحناء والکتم. سفید بالوں کو مہندی اور کتم سے رنگین کرو''۔ کتم ایک بوٹی ہے جس کے استعمال سے بال سیاہی مائل ہو جاتے ہیں۔ جب مہندی اور کتم دونوں کا خضاب لگایا جائے گا تو بال سرخی اور سیاہی دونوں کے درمیان رنگ والے ہو جاتے ہیں یعنی خالص سیاہ رنگ کا خضاب نہ بنا اور نہ ہی یہ استعمال کرنا چاہیے۔ ابوداؤد نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ذکر فرمائی کہ حضور ﷺ کے قریب سے ایک شخص گزرا جس نے اپنے بال مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ اس سے فرمایا: کتنا اچھا ہے پھر ایک اور آدمی جس نے عنابی خضاب لگا رکھا تھا وہ گزرا۔ تب بھی آپ نے فرمایا: یہ اس سے بھی اچھا ہے۔ تیسرا گزرا اور اس نے پیلے رنگ کا خضاب لگایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ سب سے اچھا ہے۔ بہرحال معلوم ہوا کہ سفید بالوں کو سیاہ خالص خضاب کے علاوہ کوئی سا بھی خضاب لگانا حضور ﷺ کا پسندیدہ ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس پر عمل کرتے تھے۔ رہا یہ کہ حضور ﷺ نے اپنے بالوں کو خضاب لگایا۔ کونسا لگایا، سر کے بالوں میں یا داڑھی شریف کے بالوں میں لگایا؟ اس کی تفصیل کتب حدیث اور ان کی شروحات سے پتہ کی جاسکتی ہیں۔

(٤) آٹھویں ذوالحجہ کو احرام باندھنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں آٹھ ذوالحجہ کو احرام اس لئے باندھتا ہوں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا تھا۔ اس میں حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ احرام باندھنے کے بعد چونکہ محرم پر بعض افعال کی پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہوتا ہے جس قدر احرام کا وقت قلیل ہوگا، اسی قدر پابندیوں سے جلد فراغت حاصل ہوگی اور اگر احرام طویل ہوگا تو طویل عرصہ تک پابندیوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔ بہرحال حضور ﷺ کی اقتداء کو ہی اولیت ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۸۹ - بَابُ الصَّلٰوةِ فِی الْکَعْبَةِ وَدُخُوْلِهَا

کعبہ کے اندر نماز اور اس میں داخل ہونے کا بیان

٤٧٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَبِلَالٌ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجُوْا مَاذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلٰثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ ثُمَّ صَلّٰى وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ جحبی بھی تھے۔ آپ نے دروازہ بند کرا دیا پھر اس میں کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے بلال سے پوچھا جب وہ باہر آئے کہ رسول کریم ﷺ نے اندر کیا کام کیا ہے؟ بلال کہنے لگے آپ نے کعبہ کا ایک ستون اپنی بائیں جانب دو ستون اپنی دائیں جانب اور تین ستون پشت پر رکھے۔ پھر آپ نے نماز ادا فرمائی۔ ان دنوں خانہ کعبہ کے چھ ستون ہوتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ اَلصَّلٰوةُ فِى الْكَعْبَةِ حَسَنَةٌ جَمِيْلَةٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی عمل ہے کہ کعبہ کے اندر نماز ادا کرنا بہت اچھا خوبصورت عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

رسول کریم ﷺ جب کعبہ معظمہ کے اندر داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے ساتھ تین صحابہ کرام تھے۔ حضرت بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اندر جا کر حضور ﷺ نے کیا کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک خاص جگہ نماز ادا فرمائی جس کا ذکر اوپر روایت میں ہے لیکن دوسرے ساتھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دعا کی تھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ حضرت بلال کی روایت کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت اسامہ کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے۔ بظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف روایت کر رہے ہیں لیکن علماء حدیث نے ان میں اتفاق و تطبیق کی صورتیں نکالی ہیں۔ مثلاً

(۱) حضور ﷺ نے کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کرا دیا تھا روشنی کا انتظام نہ تھا اس لئے ہر ایک اپنی اپنی دعا میں مصروف ہو گیا۔ حضرت اسامہ نے آپ کو بھی دعا کرتے پایا۔ حضرت اسامہ چونکہ ذرا فاصلہ پر تھے اور حضرت بلال آپ کے بہت نزدیک تھے، اس لئے دعا کے بعد جب آپ نے دوگانہ ادا فرمایا تو حضرت بلال نے قریب ہونے کی وجہ سے اسے معلوم کر لیا اور اسامہ رضی اللہ عنہ دعا میں مگن رہے اور اندھیرے میں آپ کی نماز دوگانہ پڑھنا نہ جان سکے لہٰذا ہر ایک نے اپنے اپنے علم کے مطابق روایت کی۔

(۲) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کعبہ میں لگی تصویروں کو مٹانے کے لئے پانی لانے پر مامور تھے وہ اپنا کام کر رہے تھے اور سرکار دو عالم ﷺ نے ہلکی سی نماز ادا کی ہے جسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔

(۳) حضرت اسامہ کعبہ کے اندر کسی اور کونے میں مصروف دعا ہوں اور دوسرے کونے میں حضور ﷺ نے جلدی سے دوگانہ ادا کر لیا ہو جسے اندھیرے کی وجہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نہ دیکھ سکے۔

(٤) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ الگ ہو اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ الگ ہو یعنی جب حضور ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو آپ نے دوگانہ ادا کیا ہو اور دوسرے کسی موقع پر حضرت اسامہ رضی

اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اندر تشریف لے گئے ہوں اور اس مرتبہ صرف دعا ہی کی ہو دوگانہ ادا نہ کیا ہو لہٰذا دونوں نے اپنا اپنا واقعہ اور اس کی کیفیت بیان کی ہو۔

بہر حال اصول فقہ کے قانون کے پیش نظر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت اثبات کو ترجیح ہے کیونکہ ایک ہی جز اور واقعہ کے بارے میں ایک راوی اثبات کرتا ہے اور دوسرا اس کی نفی بیان کرتا ہے تو اثبات کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے خانہ کعبہ کی چار دیواری کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور جمہور کے نزدیک کعبہ کے اندر ہر قسم کی نماز درست ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صرف نوافل ادا کرنے جائز ہیں۔ فرض، واجب اور صبح کی سنتیں ادا کرنا درست نہیں اور نہ ہی طواف کی دو رکعت ادا کرنا جائز ہے۔ بعض اہل الحدیث کہتے ہیں کہ مطلقاً کوئی نماز کعبہ کے اندر درست نہیں ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مذکورہ روایت جمہور کی دلیل ہے۔ جب نفل درست ہیں تو فرض بھی جائز ہیں۔ اسے ہم شہر سے باہر سواری پر قیاس نہیں کر سکتے کہ وہاں سواری پر نفل ادا کرنے جائز اور دیگر نمازیں ناجائز ہیں کیونکہ یہاں سواری پر نماز کا معاملہ ہے اور کعبہ کے اندر سطح زمین پر نماز ادا کرنا ہے۔ کعبہ کی چار دیواری والا زمین کا خطہ زمین کی بزرگ ترین جگہ ہے اس کا مقام و مرتبہ بڑا عظیم ہے۔

علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری'' شرح البخاری ج ۹ ص ۲۴۴ پر حدیث پر بحث کرتے ہوئے ایک روایت بحوالہ امام بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کعبہ کے اندر داخل ہوا وہ باہر نکلا تو گناہوں کو بخشوا کر نکلا اگر صرف داخل ہونے پر یہ بشارت ہے تو دوگانہ ادا کرنے کا اجر و ثواب اور پھر فرائض و واجبات کی ادائیگی کا ثواب، اس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس لئے ہمارے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کی چار دیواری کے اندر مطلقاً نماز ادا کرنا بہت اچھا اور خوبصورت عمل ہے۔

۱۹۰- بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْمَيِّتِ أَوْعَنِ الشَّيْخِ الْكَبِيْرِ

فوت شدہ اور عمر رسیدہ کی طرف سے حج بدل کا بیان

٤٧٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَاَتَتْ اِمْرَاَةٌ مِّنْ خَثْعَمَ تَسْتَفْتِيْهِ قَالَ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا وَتَنْظُرُ اِلَيْهِ قَالَ وَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَرِّفُ وَجْهَ الْفَضْلِ بِيَدِهٖ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِى الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِىْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے بتایا کہ سلیمان بن یسار نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے اور انہوں نے فضل بن عباس سے بیان کیا کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت قبیلہ خثعم سے تعلق رکھنے والی آئی۔ وہ آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ جناب فضل بن عباس نے اسے اور اس نے حضرت فضل کو دیکھنا شروع کر دیا اور رسول کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ بہر حال اس عورت نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے۔ میرے والد صاحب نہایت ہی عمر رسیدہ ہیں کہ وہ سواری پر بھی نہیں بیٹھ سکتے کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا: ہاں اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔

٤٧٥- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا أَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ رَجُلٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أُمِّيْ اِمْرَأَةٌ كَبِيْرَةٌ لَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نَحْمِلَهَا عَلٰى بَعِيْرٍ وَإِنْ رَبَطْنَاهَا خِفْنَا أَنْ تَمُوْتَ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ.

امام مالک نے ہمیں ایوب سختیانی سے وہ ابن سیرین سے بیان کرتے ہیں کہ انہیں ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کیا کہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا حضور! میری والدہ ضعیف العمر ہیں۔ ہم اسے اونٹ پر بٹھا بھی نہیں سکتے اور اگر بٹھا کر باندھ بھی دیں تو ہمیں اس کی موت کا خطرہ ہے کیا میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کر سکتے ہو۔

٤٧٦- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا أَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ أَنَّ رَجُلًا كَانَ جَعَلَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَبْلُغَ أَحَدٌ مِّنْ وَلَدِهِ الْحَلَبَ فَيَحْلِبَ فَيَشْرَبَ وَيَسْقِيَهُ إِلَّا حَجَّ وَحَجَّ بِهٖ. قَالَ فَبَلَغَ رَجُلٌ مِّنْ وَلَدِهِ الَّذِيْ قَالَ وَقَدْ كَبِرَ الشَّيْخُ فَجَاءَ ابْنُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ فَقَالَ إِنَّ أَبِيْ قَدْ كَبِرَ وَهُوَ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ أَفَأَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ.

ہمیں امام مالک نے ایوب سختیانی سے وہ ابن سیرین سے خبر دیتے ہیں کہ ایک شخص کی اولاد بچپن میں فوت ہوجاتی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ نذر مانی کہ اگر اس کا کوئی بچہ دودھ دوہنے تک کی عمر پائے اور وہ دودھ بھی دوہے اور وہ خود بھی پئے اور اپنے والد کو بھی پلائے تو اس کو ساتھ لے کر حج کروں گا۔ چنانچہ اس کا ایک بچہ اس عمر کو پہنچ گیا جب بچہ خوب جوان ہوا تو یہ نذر ماننے والا بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کا بیٹا حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگا کہ میرے والد بہت عمر رسیدہ ہو گئے ہیں اور حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتے کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِالْحَجِّ عَنِ الْمَيِّتِ وَعَنِ الْمَرْأَةِ وَالرَّجُلِ إِذَا بَلَغَا مِنَ الْكِبَرِ مَا لَا يَسْتَطِيْعَانِ أَنْ يَحُجَّانِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَقَالَ مَالِكُ ابْنُ أَنَسٍ لَا أَرٰى أَنْ يَحُجَّ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عمل ہے کہ کسی فوت شدہ کی طرف سے اور عمر رسیدہ عورت اور مرد کی طرف سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ اس قدر بوڑھے ہوں کہ خود حج کرنے کی طاقت نہ رکھیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ کوئی کسی دوسرے کی طرف سے حج نہیں کر سکتا۔

حج بدل اور اس کے چند ضروری مسائل

عبادات کی علماء نے تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ (۱) مالی (۲) بدنی (۳) مالی اور بدنی دونوں
مالی عبادت جیسا کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ۔ ان عبادات میں کسی کو نائب مقرر کر دینا بالاتفاق جائز ہے اور بدنی عبادات میں نیابت درست نہیں بلکہ انہیں خود مکلف کو ہی ادا کرنا ہے۔ مالی اور بدنی دونوں کا مجموعہ جس عبادت میں ہو۔ جیسا کہ حج ہے کہ اس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور خود مکلف کو بھی ارکان حج ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس قسم میں بھی نیابت جائز ہے یعنی کسی آدمی پر حج فرض ہو چکا لیکن بوجہ مجبوری یا معذوری وہ نہیں کرسکتا تو اس کی طرف سے اس کے خرچہ پر کوئی دوسرا آدمی حج کرے۔ اسے حج بدل

کہتے ہیں۔اس کے لئے چند شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) حج بدل کرانے والے پر حج فرض ہو۔اگر بھیجنے والے پر فرض ہی نہیں تھا تو جس کو بھیجا گیا، اس کے ادا کرنے سے اس کا فرض کیونکر ادا ہوگا؟

(۲) جس کی طرف سے حج کیا جارہا ہے وہ خود حج نہ کرسکتا ہو۔اگر خود کرسکتا ہے تو حج بدل درست نہیں ہوگا۔

(۳) حج بدل کرانے سے موت تک وہ عذر باقی رہے۔اگر مرنے سے قبل تندرست ہوگیا تو خود اب حج کرسکتا ہے جو حج بدل کرایا گیا ختم ہوجائے گا۔اسے فرض اب خود ادا کرنا پڑے گا۔

(٤) حج بدل جس نے کرایا ہو، وہ اس کا حکم بھی دے بغیر اس کے حکم دینے کے حج بدل نہیں ہوگا۔ہاں اگر اس کی اولاد اس کی طرف سے حج کرتی ہے تو ادا ہوجائے گا۔

(٥) حج کے جملہ اخراجات حج کرانے والا برداشت کرے۔

(٦) جس کو حج بدل کے لئے منتخب کیا وہی کرے گا تو حج بدل ہوگا اور اگر اس نے آگے کسی اور کو بھیج دیا تو پہلے کی طرف سے حج بدل نہ ہوگا۔

(۷) سواری پر حج بدل کرے۔اگر تمام راستہ حج بدل کرنے والا پیدل چل کر گیا تو بھی حج بدل نہ ہوا۔

(۸) جہاں معذور شخص رہتا ہے وہاں سے کسی کو حج بدل پر بھیجے یعنی اپنے وطن سے حج بدل کے لئے کسی کو بھیجنا۔

(۹) میقات سے احرام حج باندھے اگر بھیجنے والے نے اس کا پابند کیا ہو۔

(۱۰) حج بدل معذور کی طرف سے نیت کرکے کرے گا۔

بہتر یہ ہے کہ جو شخص اپنا فریضہ حج پہلے ادا کرچکا ہے اسے حج بدل پر بھیجا جائے۔اس صورت میں چونکہ وہ اپنا فریضہ حج پہلے ادا کرچکا ہے اس لئے یہ خالصۃً بھیجنے والے کی طرف سے ہونا یقینی ہے اور اگر کسی ایسے شخص کو حج بدل پر بھیجا گیا جس نے ابھی تک اپنا فرضی حج ادا نہیں کیا تھا، تو شرائط مذکورہ کی پابندی کرتے ہوئے جو حج بدل اس نے ادا کیا وہ بھیجنے والے کی طرف سے ہی فرض ادا ہوگا۔ ہاں اسے بھی ثواب ضرور حاصل ہوگا لیکن اس صورت کو مکروہ کہا گیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃ القاری'' ج ۱۰ ص ۲۱۵ **باب الحج عمن لا یستطیع الثبوت علی الراحلۃ** پر اسی حدیث کے ضمن میں جس میں قبیلہ خثعم کی عورت کا قصہ ہے۔درج ذیل چند مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔

(۱) عاجز کی طرف سے نیابت جائز ہے۔احناف کہتے ہیں کہ جو شخص اونٹ پر بیٹھ کر حج کرسکتا ہے اس کی طرف سے دوسرا شخص حج بدل نہیں کرسکتا۔ہاں اگر اس کو ایسا عذر لاحق ہو جو بدستور رہنے والا ہو۔مثلاً نابینائی وغیرہ تو پھر اس کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے اور اگر ایسا عذر ہو جو زائل ہوجائے لیکن ہوتا نہ ہو تب بھی نیابت جائز ہے جیسا کہ قید اور قرض جو موت تک نہ اٹھ سکے۔اگر ایسے شخص نے کسی دوسرے سے حج بدل کرالیا اور پھر وہ عذر زائل ہوگیا تو اس پر حج خود کرنا فرض ہوجائے گا۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے مصالح کا انتظام کرنا اولاد کے ذمہ ہے جیسا کہ قرضہ ادا کرنا، حج بدل اور خدمت وغیرہ۔

(۳) عورت، مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے۔کیونکہ حدیث پاک میں سائلہ عورت تھی اور اپنے والد کے بارے میں سوال کررہی تھی جس کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمادی۔

(٤) بوقت ضرورت عورت اگر عالم دین سے خود حاضر ہوکر مسئلہ دریافت کرنے تو یہ جائز ہے۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا استدلال اور اس کا جواب

حج بدل کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے آخر میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مسلک بیان فرمایا کہ وہ کسی کی طرف سے دوسرے کا حج کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مسلک کی دلیل قرآن کریم کی آیت "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" ہے۔ اس دلیل کو موطا امام مالک کی "شرح زرقانی" ج۲ص۲۹۲ باب ۲۴۳ الحج عمن یحج عنه پر شارح نے کچھ یوں لکھا ہے۔

حدیث پاک کا ظاہر مفہوم یہ بتاتا ہے کہ عورت مذکورہ نے یہ کہا کہ حج کی فرضیت استطاعت کے ساتھ نازل ہوئی ہے اور اس کا باپ صاحب استطاعت نہ تھا۔ اس نے پوچھا کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں اپنے باپ کی طرف سے حج کروں؟ اور اس کا ثواب باپ کو بخش دوں؟ لہٰذا یہ روایت اس روایت کے خلاف نہیں کہ جس میں آپ نے فرمایا: جا تو اس کی طرف سے حج کر۔ آپ کا یہ فرمانا کوئی وجوب کے لئے نہ تھا بلکہ استحباب اور ندب کیلئے ہے۔ یعنی اس عورت نے جو اپنے والد کے لئے ثواب واجر کی تمنا کی، آپ نے اسے پورا کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوعمرو نے کہا ہے کہ قبیلہ خثعم کی عورت کی حدیث اسی کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اسے متعدی کر کے دوسروں کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی فرما دیا ہے کہ حج اس پر لازم ہے جو صاحب استطاعت ہو اس عورت کا باپ صاحب استطاعت ہی نہ تھا اس لئے اس پر حج لازم ہی نہ تھا اس لئے وہ عورت ہی اس حکم کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ مذکورہ اس عورت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ اس کی والدہ نے نذر مانی تھی لیکن وہ نذر پوری نہ کر سکی اور انتقال کر گئی تو اب کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہاری والدہ نے کسی کا قرض دینا ہوتا تو پھر تو کیا ادا نہ کرتی؟ (یعنی ضرور ادا کرتی) آپ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو۔ وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کا حق پورا کیا جائے۔ حضور ﷺ کا جمع کے صیغہ سے ارشاد فرمانا عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے مراد خاص وہ عورت کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا واقعہ مذکورہ کو صرف اسی عورت کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہ ہوا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

۱۹۱ - بَابُ الصَّلٰوةِ بِمِنٰى يَوْمَ التَّرْوِيَةِ

آٹھویں ذوالحجہ کو منیٰ میں نماز پڑھنے کا بیان

۴۷۷ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى. ثُمَّ يَغْدُوْ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلٰى عَرَفَةَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح منیٰ میں ادا کرتے تھے پھر صبح سویرے سورج نکلنے پر عرفات کی جانب روانہ ہو جاتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰكَذَا السُّنَّةُ فَاِنْ عَجَّلَ اَوْ تَاَخَّرَ فَلَا بَاْسَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور اگر کوئی شخص اس میں جلدی یا تاخیر سے کام لیتا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں کوئی گناہ نہیں ہوگا اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

روایت بالا میں اگرچہ راوی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بیان کیا ہے کہ وہ آٹھویں ذوالحجہ کو ظہر تا فجر پانچ نمازیں

منیٰ میں ادا کرتے تھے لیکن یہ عمل ان کا اپنا وضع کردہ نہیں بلکہ حضور ﷺ کے اس بارے میں عمل پر انہوں نے اتباع کی۔ چنانچہ امام بیہقی نے اس عمل کو حضور ﷺ کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے:

جب یوم ترویہ آیا تو حضرات صحابہ کرام نے حج کا احرام باندھا اور منیٰ کی طرف روانہ ہوئے حضور ﷺ بھی سواری پر ان کے ہمراہ تھے۔ حضور ﷺ نے منیٰ میں پہنچ کر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی پانچ نمازیں ادا فرمائیں۔ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد آپ کچھ دیر مزید ٹھہرے یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور آپ نے خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے آپ کے ارشاد پر نمرہ میں خیمہ نصب کیا۔ (بیہقی شریف ج ۵ ص ۱۱۱۔۱۱۲؛ صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۴۔۴۰۰)

صحیح مسلم کے مذکورہ صفحات پر حجۃ الوداع کے واقعات کے ضمن میں اس مضمون کی طویل روایت ذکر کی گئی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آٹھویں ذوالحجہ کو لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور حضور ﷺ نے منیٰ میں ظہر سے صبح تک کی پانچ نمازیں ادا فرمائیں پھر کچھ دیر ٹھہرے حتیٰ کہ سورج طلوع ہوا اور آپ نے حکم دیا کہ نمرہ میں خیمہ نصب کیا جائے۔ آپ منیٰ سے جانب عرفات روانہ ہوئے۔ قریش کا خیال تھا کہ آپ راستہ میں مزدلفہ میں وقوف فرمائیں گے کیونکہ جاہلیت میں قریش ایسا ہی کرتے تھے لیکن حضور ﷺ مزدلفہ میں وقوف کئے بغیر عرفات تشریف لے گئے اور نمرہ میں نصب شدہ خیمہ میں قیام پذیر ہوئے یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا اور آپ کے لئے سواری تیار ہوگئی تو آپ اس پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت کہی۔ حضور ﷺ نے نماز ظہر ادا فرمائی پھر دوسری مرتبہ اقامت ہوئی اور آپ نے نماز عصر ادا فرمائی۔ دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کچھ نہ پڑھا پھر موقف میں تشریف لائے اور وقوف کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

ان روایات سے آٹھویں ذوالحجہ کو منیٰ میں سرانجام دینے والے افعال کی تفصیل اور نویں ذوالحجہ کے ارکان حج کی ادائیگی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ آٹھویں ذوالحجہ کو ہر حاجی منیٰ میں جائے گا اور پانچ نمازیں ظہر تا صبح ادا کرے گا پھر نویں تاریخ کو میدان عرفات میں ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں اکٹھی ادا کی جائیں گی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھنا اس شرط پر ہے کہ جماعت کرانے والا امام وقت یعنی حاکم ہو اگر امام وقت کے پیچھے نماز پڑھنے سے کوئی رہ گیا تو اب اسے ظہر اور عصر دونوں نمازیں اپنے اپنے اوقات میں ادا کرنا ضروری ہو جائیں گی خواہ چند آدمی مل کر جماعت ہی کیوں نہ کرلیں۔ بعض ائمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اس بارے میں یہ عمل ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے خیمہ میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو ایک وقت میں اکٹھا کیا لہٰذا ان کے عمل کے پیش نظر یہ حضرات امام وقت کی اقتدا کی شرط نہیں لگاتے بلکہ صاحبین بھی اس شرط کے خلاف ہیں اور ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی راوی اپنی ہی روایت کی مخالفت کرتا ہے تو ایسے وقت مخالف عمل کو ترجیح دی جاتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے "ہدایہ" ج ۱ ص ۱۷۱ پر جمع بین الصلوٰتین کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے مذکورہ عمل کو دیکھنے والے صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی نہ تھے بلکہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام نے اس عمل کو دیکھا اور آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی لہٰذا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کو ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ ترجیح وہاں ہوتی ہے جہاں راوی تنہا ہو اور پھر خود ہی اپنی روایت کی عملی صورت میں مخالفت کرے اس لئے صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت سے حضور ﷺ کے عمل میں کوئی قدح نہیں ہوتی۔ بعض حضرات نے حضرت عبداللہ ابن عمر کا خیمہ میں نماز ادا کرنے کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ نے ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کیا جو بظاہر ملی ہوئی اور اکٹھی پڑھی گئیں لیکن درحقیقت وہ اپنے اپنے اوقات

مقررہ میں ادا کی گئیں۔ اسے اجتماع صوری کا نام دیا جاتا ہے اور حضور ﷺ کا دونوں نمازوں کو نماز ظہر کے وقت میں اکٹھا ادا کرنا جمع حقیقی ہے اور یہ تواترات سے ثابت ہے اس لئے قاعدہ وقانون کے مطابق قطعی اور حقیقی کو محتمل پر بہرحال ترجیح ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل مختلف احتمال رکھنے کی وجہ سے محتمل ہوا اور حضور ﷺ کا عمل شریف حقیقی ہے۔

قارئین کرام! حجۃ الوداع کے واقعہ میں حضرات صحابہ کرام نے سرکار دوعالم ﷺ کی اقتدا میں ظہر وعصر وقت ظہر میں اور مغرب وعشاء وقت عشاء میں ادا کیں اس لئے ان نمازوں کو اس طرح اکٹھا ادا کرنے کے لئے امام وقت کا ہونا ضروری ہے۔ تنہا پڑھنے کی صورت میں ہر نماز اپنے مقررہ وقت پر ادا کرنا پڑے گی کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔ نماز مؤمنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض کی گئی ہے"۔ صرف یہی دو نمازیں حضور ﷺ نے اکٹھی ادا فرمائیں اس لئے ان کو قرآن کریم کے مذکورہ حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں نمازوں کو یکجا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ نماز سے فراغت پر زیادہ سے زیادہ ہم گنہگار امتیوں کے لئے آپ ﷺ استغفار ودعا کریں۔ مختصر یہ کہ حضور ﷺ نے امام وقت ہوتے ہوئے ان نمازوں کو مقدم ومؤخر جمع فرمایا۔ لہٰذا احناف نے اس جمع کے لئے امام وقت ہونے کی شرط لگائی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۹۲ - بَابُ الْغُسْلِ بِعَرَفَةَ یَوْمَ عَرَفَةَ

نویں ذوالحجہ کو عرفات میں غسل کرنے کا بیان

۴۷۸ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِعَرَفَةَ يَوْمَ عَرَفَةَ حِيْنَ يُرِيْدُ اَنْ يَّرُوْحَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب عرفات سے جبل رحمت کی طرف جانے کا ارادہ فرماتے تو غسل کیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا حَسَنٌ وَّلَيْسَ بِوَاجِبٍ.

امام محمد کہتے ہیں کہ یہ کام اچھا ہے اور واجب نہیں ہے۔

ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو جب عرفات میں اہم رکن وقوف ادا کرنے کا ارادہ ہو تو اس سے قبل غسل کر لینا افضل ہے اور اس دن پورے انہماک کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی جن رحمتوں کا نزول اس دن ہوتا ہے وہ سارا سال نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر حاجی کو دوپہر ڈھلتے اور ظہر وعصر دونوں اکٹھی ادا کرنے کے بعد ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہنا چاہیے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں یہ وقت گزارنا نہایت خسارہ میں پڑنا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ چند حاجی صاحبان بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف ہیں' کہیں حقہ پیا جا رہا ہے' کہیں ویسے ہی وقت ضائع کیا جا رہا ہے حالانکہ کتب حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ کا معمول یہ مذکور ہے کہ آپ جب ظہر وعصر اکٹھی ادا کرنے سے فارغ ہوئے تو دھوپ میں کھڑے ہو کر سورج غروب ہونے تک دعاؤں میں مصروف رہے اس لئے ہمیں بھی اس دن اسی طرح بقیہ وقت یاد خدا میں بسر کرنا چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ رحمتوں کی بارش نازل فرما رہا ہوتا ہے اور پھر کوئی اس سے محروم رہ جائے تو یہ کس قدر بدنصیبی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔

۱۹۳ - بَابُ الدَّفْعِ مِنْ عَرَفَةَ

عرفات سے واپسی کا بیان

۴۷۹ - اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهٗ سَمِعَ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ سَيْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ دَفَعَ مِنْ عَرَفَةَ فَقَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ حَتّٰى اِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور وہ حضرت اسامہ بن زید سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی میدان عرفات سے واپسی کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ آپ اونٹ کو ذرا تیز چلاتے ہوئے باہر تشریف لائے اور اگر چلتے چلتے راستہ

صاف ہو جاتا تو پہلے سے زیادہ تیز اونٹ کو چلاتے۔

قَالَ هِشَامٌ وَالنَّصُّ اَرْفَعُ مِنَ الْعُنُقِ.

راوی ہشام بیان کرتے ہیں کہ "نص" اونٹ کی ایسی تیز رفتاری کو کہتے ہیں جو "عنق" سے زیادہ رفتار والی ہو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ بَلَغَنَا اَنَّهُ قَالَ ﷺ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِاِيْضَاعِ الْاِبِلِ وَاِيْجَافِ الْخَيْلِ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے عرفات سے واپسی کے متعلق ارشاد فرمایا: لوگو! آرام سے چلو۔ اونٹوں کو تیز دوڑا کر تھکانے اور گھوڑوں کو تیز چلا کر پھنکارنے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ ہمارا یہی عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

روایت مذکورہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے عرفات سے واپسی کے وقت حضور ﷺ کی عادت کریمہ بیان فرمائی کہ آپ اونٹنی کو معمول سے ذرا تیز رفتاری کے ساتھ چلاتے اور جب خالی جگہ ہوتی تو تیزی میں اور اضافہ فرما لیتے۔ اس پر امام محمد نے کہا کہ حضور ﷺ سے ایسی ایک روایت پہنچی ہے جس میں آپ نے سب کو "آرام سے چلنے" کا حکم دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جس روایت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ اگرچہ انہوں نے یہاں موطا میں ذکر نہیں فرمائی لیکن امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے:

عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ افاض من عرفة واسامة ردفة قال اسامة فما زال يسير على هيئة حتى اتى جمعا.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱۷ باب الافاضۃ من العرفات)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ جب عرفات سے مزدلفہ کی جانب روانہ ہوئے تو جناب اسامہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ اسامہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی عادت کے مطابق آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مزدلفہ تشریف لائے۔

عن ابن عباس عن اسامة ان النبى ﷺ اردفه حين افاض من عرفة وقال يايها الناس عليكم بالسكينة فان البر ليس بالايجاف قال فما رايت ناقته رافعة يديه حتى اتى جمعا.

(زرقانی شرح الموطا ص ۳۴۳ ج ۲ باب ۲۷۰)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عرفات سے روانگی کے وقت انہیں اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا اور اعلان فرمایا لوگو! آرام آرام سے چلو، گھوڑوں یا اونٹوں کو تھکا دینے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے مزدلفہ تک پہنچتے ہوئے آپ کی اونٹنی کو تیزی والے قدم اٹھاتے نہیں دیکھا۔

بظاہر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت میں کچھ تضاد نظر آتا ہے جس کی وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کے آخر میں "عليكم بالسكينة" کو اپنا معمول قرار دیا لیکن اگر یوں تطبیق دی جائے تو بات بن جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب بھیڑ ہوتی ہوگی تو آپ کی سواری سست رفتاری سے اور جب خالی جگہ ہوتی ہوگی تو تیز رفتاری سے چلتی ہوگی۔ بہرحال تیز رفتاری ممنوع نہیں جبکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور آہستہ چلنے میں بہتری ہے کیونکہ جلدی مزدلفہ میں پہنچ کر کرنا کیا ہے وہاں مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں ادا کرنا ہے اور عشاء کا وقت کافی طویل ہوتا ہے اس لئے آرام سے چلنا ہی اچھا ہے۔

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء اکٹھاادا کرنے کی تفصیل

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں عشاء کے وقت میں پڑھنی واجب ہیں۔

(۲) امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے۔(بحوالہ النووی علی المسلم ج ۱)

(۳) اگر کسی نے مغرب کی نماز مزدلفہ پہنچنے سے قبل پڑھ لی تو نماز صحیح ہوگی لیکن سنت کے خلاف ہے۔

(ابن قدامہ حنبلی، امام شافعی بحوالہ المغنی بمع شرح کبیر ج ۳ ص ۲۱۴)

احناف کے نزدیک مزدلفہ کے راستہ میں نماز مغرب ادا کرنا درست نہیں۔صاحب فتح القدیر نے اس سلسلہ میں ''فتح القدیر'' ج ۲ ص ۱۷۰۔۱۷۱ مطبوعہ مصر پر لکھا ہے۔مزدلفہ کے راستہ میں نماز مغرب پڑھنے والے کی نماز امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابویوسف جواز کا قول کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی گنہگار بھی کہتے ہیں اسی طرح اگر مغرب کی نماز عرفات میں پڑھ لی، تو بھی یہی اختلاف ہے۔امام ابویوسف کا کہنا ہے کہ جب اس شخص نے نماز مغرب اپنے وقت میں ادا کی ہے تو اعادہ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ طلوع فجر کے بعد اس پر اعادہ نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام محمد کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو مزدلفہ کے راستہ میں جب نماز مغرب یاددلائی تو آپ نے فرمایا:''الصلوۃ امامک. یعنی نماز کا وقت آگے ہے''۔آپ کے اس ارشاد میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز مغرب کے وقت آج مؤخر کرنا واجب ہے اور وجوب اس لئے ہے کہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء دونوں اکٹھی ادا کرنی ہیں اور فجر کے بعد چونکہ جمع کرنا ناممکن ہے، اس لیے اعادہ ساقط ہوگیا۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے جواستدلال پیش کیا۔اس کی اصل وہ حدیث ہے جو امام مسلم نے ذکر کی۔ملاحظہ ہو۔

عن اسامة بن زيد قال انصرف رسول الله ﷺ بعد الدفعة من عرفات الى بعض تلك الشعاب لحاجته فصبيت عليه من الماء فقلت اتصلى فقال المصلى امامك.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱۶ باب الافاضہ من عرفات)

حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ عرفات سے نکلنے کے بعد ایک گھاٹی کی طرف قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔میں نے واپسی پر آپ کو وضو کرایا اور عرض کیا' کیا آپ مغرب کی نماز ادا کر چکے ہیں؟ فرمایا: نماز کا وقت آگے ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو چونکہ یہی معلوم تھا کہ غروب آفتاب کے بعد عام دنوں کی طرح آج بھی مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا ہے اس لئے عرض کیا کہ آپ نماز ادا کر چکے ہیں؟ لیکن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج مغرب کا وقت آگے ہے یعنی مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء دونوں کا اکٹھا وقت شروع ہوگا اور وہیں جا کر دونوں اکٹھی نمازیں ادا کریں گے۔چنانچہ آپ نے مزدلفہ پہنچ کر ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ دونوں نمازیں ادا فرمائیں۔عرفات میں دو تکبیریں اور مزدلفہ میں ایک تکبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عرفات میں چونکہ عصر اپنے وقت سے قبل ظہر میں ادا کی جارہی ہے اس لئے پہلی تکبیر تو ظہر کے لئے ہوئی اور دوسری عصر کے لئے کہی گئی لیکن مزدلفہ میں چونکہ مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں ادا کیا جارہا ہے، اس کے لئے تو تکبیر ہوئی لیکن عشاء کے لئے کہنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ وہ اپنے وقت میں ادا کی جارہی ہے۔یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح عرفات میں دونوں نمازوں کے درمیان سنت یا نفل ادا نہیں کئے جاتے اسی طرح مزدلفہ میں بھی دونوں نمازوں کے درمیان کوئی سنت یا نفل ادا نہیں کیا جائے گا ورنہ عشاء کے لئے الگ تکبیر کہنا پڑے گی۔

وقوف مزدلفہ

وقوف مزدلفہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے واجب فرماتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے اپنے مسلک کی تائید اور امام شافعی کے استدلال کا جو جواب دیا ہے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

''ہم احناف کے نزدیک وقوف مزدلفہ واجب ہے' فرض نہیں اور اگر کسی نے بغیر عذر کے اسے ترک کر دیا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام. مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو''۔ یہ امر ہے اور اس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اہل خانہ کو جو کمزور تھے انہیں رات کو ہی روانہ کر دیا تھا۔ اگر یہ فرض اور رکن ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے۔ رہا آیت کریمہ کا معاملہ تو اس میں ذکر کرنے کا حکم ہے جو بالاتفاق فرض نہیں تو پھر وقوف کیسے فرض ہو گیا؟ ہماری احناف کی یہ بھی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہمارے ساتھ اس موقف میں ٹھہرا اور اس سے قبل وہ عرفات میں وقوف کر چکا ہو تو اس کا حج مکمل ہو گیا۔ اس ارشاد میں آپ نے حج کی تکمیل کو وقوف مزدلفہ پر موقوف فرمایا اور یہ وجوب کی علامت ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے اسے کسی عذر کی بنا پر ترک کیا مثلاً بیمار تھا یا اس کے ساتھ مستورات تھیں کہ بھیڑ میں گھر جانے کا خطرہ تھا اور اس نے وقوف نہ کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں''۔ (ہدایہ ج ۱ص ۲۲۸)

قارئین کرام! جو لوگ عرفات سے مزدلفہ میں وقوف کئے بغیر سیدھے منیٰ میں آجاتے ہیں تاکہ لوگوں کے آنے سے قبل کنکریاں مار کر فارغ ہو جائیں اور پھر حلق یا قصر کر لیں اور طواف زیارت کر لیں تو یاد رکھیے' ایسا کرنا ایک واجب کو چھوڑنا ہے۔ جس کے ترک پر دم واجب آتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ حدود مزدلفہ سے باہر وقوف کرتے ہیں حالانکہ جگہ جگہ ایسے نشانات لگائے گئے ہیں جن سے حدود مزدلفہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں اس لئے وقوف مزدلفہ اور وہ بھی حدود مزدلفہ میں لازماً کرنا چاہیے۔ دونوں صورتوں کے ترک سے دم واجب ہو جاتا ہے۔

نوٹ: مزدلفہ میں وادیٔ محسر کے علاوہ تمام جگہ وقوف کرنا جائز ہے۔ وقوف کا وقت طلوع فجر سے خوب روشنی ہونے تک ہے۔ اس وقت کے دوران وقوف نہ کیا گیا تو وقوف نہ ہوا۔ وقت مقررہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی مزدلفہ میں کوئی ٹھہر گیا تو وجوب ادا ہو جائے گا۔ مناسک ملا علی قاری میں مزدلفہ کی کچھ شرائط تحریر ہیں۔ استفادہ کی خاطر ہم انہیں یہاں تحریر کئے دیتے ہیں۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء وہ شخص جمع کر سکتا ہے جس نے اسے قبل احرام باندھا ہوا ہو' عرفات کا وقوف کر چکا ہو اور مکان و وقت بھی شرط ہے۔ ان شرائط کی عدم موجودگی میں جمع بین الصلوٰتین مزدلفہ میں جائز نہیں۔ طلوع آفتاب سے پہلے تقریباً دو رکعت ادا کرنے کے اندازے کے مطابق مزدلفہ سے نکل جانا چاہیے۔

وقوف مزدلفہ نہایت بابرکت عمل ہے

بموجب حدیث پاک سرکار دو عالم ﷺ نے عرفات میں وقوف کے دوران تین دعائیں مانگیں۔ (۱) اے اللہ! میری امت قحط سے نہ مرے (۲) میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو (۳) آپس کی جنگ سے میری امت بچی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں منظور فرمائیں اور تیسری کے متعلق فرمایا کہ وہ میری تقدیر میں مقدر ہو چکی ہے۔ حضور ﷺ نے امت کے گناہوں کی معافی بھی مانگی تو جواب آیا کہ حقوق العباد کے سوا باقی معاف کر دیئے گئے پھر آپ جب مزدلفہ تشریف لے گئے تو صبح صادق کے بعد آپ نے یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! میری امت کے عیب معاف کر دے۔ جواب آیا میں نے مظالم کے سوا ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے۔ (مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں) میں ظالموں کو مظلوموں کی خاطر پکڑوں گا پھر آپ نے عرض کیا۔ اے اللہ! تو مظلوم کو جنت

عطا کرے گا تو ظالم کو بھی معاف کر دے۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ یہی دعا آپ نے اس سے قبل عرفات میں بھی مانگی تھی۔ وہاں (دعا کا) آخری حصہ قبول نہ ہوا تھا جس میں ظالم کا معافی کا سوال تھا۔ مزدلفہ میں قبولیت پر آپ مسکرا دیئے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا: جب میری دعا قبول ہوئی تو شیطان نے اپنے سر پر مٹی ڈالی اور پیٹنے لگا تو مجھے ہنسی آ گئی اس لئے وقوف مزدلفہ کو حتی الوسع بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۹۴ - بَابُ بَطْنِ مُحَسِّرٍ
وادیٔ محسّر میں چلنے کا بیان

۴۸۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَرِّكُ رَاحِلَتَهٗ فِيْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ كَقَدْرِ رَمْيَةٍ بِحَجَرٍ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت ابن عمر سے بتایا کہ وہ اپنی سواری کو بطن محسر سے پتھر پھینکنے کی دوری تک ذرا تیز چلاتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا كُلُّهٗ وَاسِعٌ اِنْ شِئْتَ حَرَّكْتَ وَاِنْ شِئْتَ سِرْتَ عَلٰى هَيْنَتِكَ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فِي السَّيْرَيْنِ جَمِيْعًا عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ حِيْنَ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ وَحِيْنَ اَفَاضَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ.

امام محمد کہتے ہیں۔ ان تمام باتوں میں وسعت ہے۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو تیزی سے نکل جاؤ اور اگر چاہو تو اپنی رفتار کے مطابق چل کر نکل جاؤ۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہدایت پہنچی ہے کہ آپ نے عرفات اور مزدلفہ دونوں سے لوٹنے میں فرمایا: تم پر سکون کے ساتھ چلنا لازم ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وادی محسر سے تیز رفتاری سے گزرے یہ وہ جگہ ہے جہاں ابرہہ نامی بادشاہ ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے آیا تھا۔ واقعہ مختصر یوں ہے کہ شاہ حبشہ نے اپنے علاقہ میں ایک کعبہ تعمیر کیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اب تمہیں مکہ شریف جا کر کعبہ کا طواف کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو ایک قریشی یہاں آ کر اس نئے بناوٹی کعبہ کا خادم بن گیا۔ جب لوگوں کو اس کی خدمت پر اعتماد آ گیا تو اس کی چابیاں اس کے سپرد کر دیں۔ اس قریشی نے موقع پا کر بہت سی گندگی رات کے وقت بناوٹی کعبہ میں مل دی اور راتوں رات مکہ شریف کی طرف بھاگ نکلا۔ صبح لوگ اٹھے اور اپنے کعبہ پر گندگی پڑی دیکھ کر سخت متنفر ہوئے۔ شاہ حبشہ نے غصہ میں آ کر ابرہہ کو ہاتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ جب یہ لشکر وادی محسر پہنچا تو سب سے بڑا ہاتھی ''محمود'' نامی رک گیا اور سختی کے باوجود آگے نہ بڑھا۔ زرقانی نے ''شرح مواہب'' میں لکھا ہے کہ یہی ابرہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی اونٹنیاں لے گیا۔ آپ ان کی واپسی کیلئے ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کی پیشانی سے نور کا خط نکلتا دیکھ کر ''محمود'' ہاتھی سجدہ میں گر گیا۔ چنانچہ وہ لشکر آپ کے سامنے مرعوب ہو گیا اور کھڑے ہو کر آپ کے دادا عبدالمطلب کا استقبال کیا۔ بوقت ملاقات انہوں نے اپنی اونٹنیاں واپس کرنے کو کہا۔ ابرہہ نے کہا۔ عجیب بات ہے تم اونٹنیاں واپس مانگ رہے ہو، ہم تو کعبہ گرانے آئے ہیں۔ اس کی تم نے کوئی بات نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: کعبہ جانے کعبہ والا جانے اور تم جانو۔ آپ اونٹنیاں لئے واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابابیل کا ایک جھنڈ بھیجا جس میں سے ہر ایک نے تین تین کنکریاں پکڑی ہوئی تھیں۔ دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں تھی۔ ہر کنکری سے ایک ایک آدمی مرا۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے سورۂ فیل میں بیان فرمایا ہے۔ بہر حال وادی محسر میں ابرہہ کے لشکر پر عذاب نازل ہوا۔ اس لئے وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانا چاہیے کیونکہ جس جگہ اور موضع پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہو، وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

آپ جب ثمود کی بستی سے گزرے تو فرمایا: اس وادی کے مکانات میں داخل نہ ہونا یہ وہ مکانات ہیں جن میں رہنے والوں نے

اپنے اوپر ظلم کیا تھا ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ روتے ہوئے اور سر کو جھکاتے ہوئے گزر جاؤ۔ ایک اور روایت کے مطابق لوگوں نے وہاں کے کنوؤں کا پانی نکال کر آٹا گوندھا تو آپ نے اس پر فرمایا: جو پانی برتنوں میں موجود ہے وہ بہا دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وادی سے تیزی سے نکل گئے چونکہ حضور ﷺ سے عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ جانے کے لئے آرام سے چلنا بھی مروی ہے۔ اس لئے وادی محسر میں تیز رفتاری واجب نہیں۔ ہاں اچھا ہے اسی لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے عدم وجوب یا استحباب کی خاطر کہا کہ ''آرام سے چلنا'' بھی حضور ﷺ کی روایت ہے۔ اس لئے مکمل سفر اگر آرام سے طے کیا جائے اور چند گز کا فاصلہ تیز تیز قدم اٹھا کر چلا جائے تو اس قلیل مقدار کی تیزی کو سفر سکون و آرام سے کرنے میں مخل نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے حدیث باب اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں کوئی منافات نہیں ہے۔

١٩٥ - بَابُ الصَّلٰوةِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ میں نماز پڑھنے کا بیان

٤٨١- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا.

امام مالک نے ہمیں حضرت نافع سے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مزدلفہ میں مغرب اور عشاء اکٹھی کیا کرتے تھے۔

٤٨٢- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا.

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی۔

٤٨٣- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيِّ الْخَطْمِيِّ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی ہمیں یحییٰ بن سعید نے عدی بن ثابت انصاری سے انہیں عبداللہ بن یزید انصاری خطمی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء اکٹھی ادا فرمائیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يُصَلِّى الرَّجُلُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَاْتِيَ الْمُزْدَلِفَةَ وَاِنْ ذَهَبَ نِصْفُ اللَّيْلِ فَاِذَا اَتَاهَا اَذَّنَ وَاَقَامَ فَيُصَلِّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل یہ ہے کہ کوئی شخص مزدلفہ پہنچے بغیر نماز مغرب ادا نہ کرے اگرچہ آدھی رات گزر چکی ہو۔ جب مزدلفہ آجائے تو ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء اکٹھی ادا کرے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی ہمارے امام فقہاء کرام کا قول ہے۔

باب ۱۹۳ میں اس مسئلہ کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ نویں ذوالحجہ کو مغرب کی نماز کا وقت رات پڑنے کے بعد مزدلفہ میں پہنچنے پر ہوتا ہے۔ آج اس نماز کا وقت یہی ہے۔ اس لئے آج بھی یہ (نماز مغرب) ہی ادا ہوتی ہے۔ اسی لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آدھی رات ہو جائے تب بھی مغرب کا وقت موجود ہوگا اور مغرب پڑھے گا تو ادا ہی کرے گا۔ اس تاریخ کے سوا سارا سال مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد شروع ہو کر شفق ختم ہونے تک ہے اس کے بعد قضا ہو جائے گی۔ مزدلفہ پہنچ کر ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء ادا کی جائیں گی۔

١٩٦- بَابُ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ بَعْدَ رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

قربانی کے دن جمرہ عقبیٰ کی رمی کے بعد جو کام ممنوع ہیں

٤٨٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِعَرَفَةَ فَعَلَّمَهُمْ اَمْرَ الْحَجِّ وَقَالَ لَهُمْ فِيْمَا قَالَ ثُمَّ جِئْتُمْ مِنًى فَمَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَيْهِ اِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ لَا يَمَسُّ اَحَدٌ نِسَاءً وَّلَا طِيْبًا حَتّٰى يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ.

امام مالک نے ہمیں جناب نافع اور عبداللہ بن دینار سے خبر دی وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں اور وہ حضرت عمر بن خطاب سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے میدان عرفات میں لوگوں سے خطاب فرمایا اور انہیں حج کی بقیہ باتیں سکھائیں اور فرمایا: پھر جب تم منیٰ جاؤ، تو جو وہاں جا کر جمرہ عقبیٰ کی رمی کرے گا تو اس پر عورتوں اور خوشبو کے سوا باقی تمام حرام شدہ باتیں حلال ہو جائیں گی۔ تم میں سے کوئی بھی عورتوں کو اور خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے جب تک بیت اللہ کا طواف (زیارت) نہ کرے۔

٤٨٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ ثُمَّ حَلَقَ اَوْ قَصَّرَ وَنَحَرَ هَدْيًا اِنْ كَانَ مَعَهُ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَيْهِ فِي الْحَجِّ اِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ حَتّٰى يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبداللہ بن دینار نے بتایا اور انہوں نے ابن عمر کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے جمرہ کی رمی کر لی، پھر حلق یا قصر کر لیا اور ہدی ذبح کر لی اگر پاس تھی تو عورتوں اور خوشبو کے سوا باقی سب کچھ حرام شدہ اشیاء اس کے لئے حلال ہو گئیں یہاں تک کہ طواف بیت اللہ کرے (تو عورت اور خوشبو بھی حلال ہو جائے گی)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا قَوْلُ عُمَرَ وَ ابْنِ عُمَرَ وَ قَدْ رَوَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا خِلَافَ ذٰلِكَ قَالَتْ طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيَّ هَاتَيْنِ بَعْدَ مَا حَلَقَ قَبْلَ اَنْ يَّزُوْرَ الْبَيْتَ فَاَخَذْنَا بِقَوْلِهَا وَعَلَيْهِ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةَ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں یہ حضرت عمر اور ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف روایت کی ہے فرماتی ہیں میں نے حضور ﷺ کے حلق کرانے کے بعد اپنے ان دونوں ہاتھوں سے آپ کو خوشبو لگائی۔ ابھی آپ نے بیت اللہ کا طواف (زیارت) نہ کیا تھا لہٰذا ہم ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت پر عمل پیرا ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اور ہمارے عام فقہاء کرام اسی مسلک پر ہیں۔

٤٨٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگاتی تھی اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل احرام کھولتے وقت۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ فِي الطِّيْبِ قَبْلَ زِيَارَةِ الْبَيْتِ وَنَدَعُ مَا رَوٰى عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں خوشبو کے بارے میں ہمارا عمل یہی ہے کہ طواف زیارت کرنے سے قبل اس کا استعمال جائز ہے ہم اس بارے میں حضرت عمر اور ان کے صاحبزادے کی روایت پر عمل نہیں کرتے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

جمرہ عقبٰی پر رمی کرنے کے بعد محرم کے لئے عورتوں کے سوا تمام اشیاء حلال ہو جاتیں ہیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہو چکی ہوتیں۔ ان میں سے خوشبو کے بارے میں اختلاف مذکور ہے۔ حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما طواف زیارت سے قبل بدستور اس کی حرمت کے قائل ہیں لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے طواف زیارت سے قبل حضور ﷺ کو خوشبو لگائی تھی لہٰذا جمہور اور احناف کا عمل اسی آخری روایت پر ہے یعنی صرف عورتوں والی بات باقی رہتی ہے۔ خوشبو کا استعمال کرنا جائز ہو گیا ہے۔

جمرہ عقبہ کی رمی سے مراد یہاں منٰی کے پورے افعال و احکام ہیں۔ جن میں رمی، حلق یا قصر اور قربانی دینا سبھی شامل ہیں۔ دسویں ذوالحجہ کو منٰی میں بقیہ افعال حج کے درمیان ترتیب ہمارے ہاں واجب ہے۔ پہلے رمی پھر حلق یا قصر پھر قربانی دینا۔ ان میں ترتیب ٹوٹنے سے دم واجب ہو گا۔ ان کے درمیان ترتیب پر جو دلائل کتب احناف میں مذکور ہیں وہ احادیث پر مبنی ہیں جو ہم ذکر کر رہے ہیں:

روی عن رسول الله ﷺ انه قال ان اول نسک في يومنا هذا ان نرمي ثم نذبح ثم نحلق.

(ہدایہ مع البنایہ ج ۳ ص ۵۵۸ باب الاحرام مطبوعہ دار الفکر)

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: آج دس ذوالحجہ کے دن سب سے پہلا کام جو ہم کریں گے وہ رمی ہے پھر ذبح کریں گے اور اس کے بعد حلق کرائیں گے۔

عن انس بن مالک رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ اتى منى واتى الجمرة ورماها ثم اتى منزله فنحر ثم قال للحلاق خذ واشار الى جانب الايمن ثم الايسر ثم جعل يعطيه الناس.

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۰۰ باب الحلق والتقصیر عند الاحلال)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ منٰی میں تشریف لائے اور جمرہ پر تشریف لا کر اسے رمی کی پھر اپنی قیام گاہ واپس آ گئے اور قربانی کی پھر بال مونڈنے والے کو فرمایا: بال کاٹو۔ پہلے سر انور کے دائیں جانب والے بالوں کی طرف پھر بائیں طرف کے بالوں کی طرف کاٹنے کا اشارہ فرمایا پھر آپ نے اپنے بال شریف لوگوں کو عطا فرما دیئے۔

ان روایات میں حضور ﷺ کا عمل شریف بتلا رہا ہے کہ رمی، ذبح اور حلق یا قصر میں ترتیب لازم ہے گویا آپ ﷺ کا قول و فعل دونوں ترتیب کی تائید کرتے ہیں لہٰذا منٰی میں مذکورہ افعال کو ترتیب وار کرنا واجب ہے۔ خلاف ترتیب کرنے پر دم واجب آئے گا۔ ان روایات کے علاوہ ترتیب مذکورہ مختلف اسناد کے ساتھ کثیر کتب حدیث میں موجود ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها عن النبى ﷺ قال اذا رمى وحلق وذبح فقد حل له كل شئ الا النساء.

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب کوئی رمی اور حلق اور ذبح سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے عورتوں کے سوا سب کچھ حلال ہو گیا۔

(دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۶ باب المواقیت احکام منٰی مطبوعہ مصر)

عن حجاج عن عطاء ان النبی ﷺ قال اذا رمی الجمرة وذبح وحلق حل له کل شئی الا النساء. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ حصہ اول ص ۲۵۴ فی الرجل اذا رمی الجمرۃ ما حل لہ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

جناب حجاج حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص جمرہ کی رمی کر لیتا ہے اور قربانی دے لیتا ہے اور حلق بھی کرا لیتا ہے تو اس کے لئے عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہو گئی۔

خوشبو کے بارے میں چونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر عمل کیا تھا اور مذکورہ بالا روایات میں اگرچہ خوشبو کا ذکر تو نہیں لیکن ''عورتوں کے سوا سب کچھ'' میں خوشبو بھی آ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم ایک دو روایات ایسی بھی درج کئے دیتے ہیں جن میں خوشبو کا بھی ذکر ہے۔

سمعت عروة بن الزبیر یقول سمعت عائشة تقول طیبت رسول الله ﷺ حین قضی حجه قبل ان یفیض. (دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۴ باب المواقیت حدیث ۱۷۶)

میں نے عروہ بن زبیر کو کہتے سنا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو طواف زیارت کرنے سے قبل اور حج کے بقیہ افعال کرنے کے بعد خوشبو لگائی۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت کنت اطیب رسول الله ﷺ بیدی بعد مایذبح ویحلق قبل ان یزور البیت. (دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۴)

مائی صاحبہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو بعد ذبح کرنے اور حلق کرانے کے اور طواف زیارت سے قبل اپنے ہاتھوں سے خوشبو لگائی تھی۔

عن عائشة بسطت یدیها وقالت طیبت بیدی هاتین محرمة حین احرم ومحله قبل ان یطوف بالبیت. عن قتادة ان ابن عباس کان لا یری باسا بالطیب عند احرامه ویوم النحر قبل ان یزور. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۰۵-۲۰۶ من رخص فی الطیب عند الاحرام)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ پھیلا کر فرمایا: کہ میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور ﷺ کو احرام باندھنے سے قبل اور احرام کھولتے وقت طواف زیارت کرنے سے قبل خوشبو لگائی تھی۔ حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی قربانی کے دن طواف زیارت کرنے سے قبل خوشبو لگانے میں مضائقہ تھا۔

ان مختلف الاسناد روایات سے صراحتاً ثابت ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے طواف زیارت سے قبل منیٰ میں اپنے ہاتھوں سے رسول کریم ﷺ کو خوشبو لگائی لہٰذا عورتوں کے حرام ہونے کے ساتھ خوشبو کو شمار کرنا درست نہیں۔ اگرچہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوشبو کو بھی عورتوں کے ساتھ ملاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خوشبو لگانا عورتوں کی طرف میلان کو ابھارتا ہے اور عورتیں چونکہ ابھی حلال نہیں ہوئیں لہٰذا ان کی طرف میلان کرنے والی چیز سے بھی بچنا ضروری ہے لیکن اس استدلال کے مقابلہ میں خود حضور ﷺ کا خوشبو استعمال فرمانا موجود ہے اس لئے اگر یہ ناجائز ہوتا اور عورتوں کی طرح ابھی اس کی حرمت قائم ہوتی تو آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو منع فرما دیتے۔ مختصر یہ کہ عید کے دن منیٰ میں سب سے پہلے کنکریاں ماری جائیں گی پھر ذبح کیا جائے گا اور پھر حلق یا قصر کی باری آئے گی۔ اس ترتیب سے یہ کام کرنے واجب ہیں۔ ترک ترتیب پر دم لازم آئے گا اور ان مرتب افعال کے کرنے والے پر اب عورتوں کے سوا ہر چیز کا استعمال حلال ہو گیا ہے، جو احرام کی وجہ سے حرام ہو گئی تھیں حتیٰ کہ خوشبو بھی لگانا جائز ہو گیا۔ چنانچہ دار قطنی وغیرہ میں صاف صاف مذکور ہے۔ '' الا النساء وحل لکم الثیاب والطیب عورتوں کو چھوڑ

کر ہر قسم کا سلا ہوا کپڑا اور خوشبو سب حلال ہو گئے ہیں''۔ (دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۶)

۱۹۷ - بَابُ مِنْ اَيِّ مَوْضِعٍ يَرْمِي الْجِمَارَ

کہاں سے کنکریاں مارے؟

۴۸۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ مِنْ اَيْنَ كَانَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الْعَقَبَةَ قَالَ مِنْ حَيْثُ تَيَسَّرَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ میں نے جناب عبدالرحمٰن بن قاسم سے پوچھا کہ جناب قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ جمرہ عقبٰی کو کہاں سے کنکریاں مارتے تھے؟ کہنے لگے۔ جہاں سے انہیں آسان ہوتا وہیں سے مار لیتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَفْضَلُ ذَالِكَ اَنْ تَرْمِيَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ وَمِنْ حَيْثُ مَارَمٰى فَهُوَ جَائِزٌ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کنکریاں مارنے میں افضل یہ ہے کہ بطن وادی سے ماری جائیں اور اگر کہیں سے بھی مار دیں تو جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عام کا قول بھی یہی ہے۔

جمرہ عقبٰی کی رمی کا افضل و بہتر طریقہ یہ ہے کہ جمرہ کی شمالی جانب کھڑے ہو کر اس طرح رمی کی جائے کہ رمی کرنے والے کا منہ جانب مغرب، اس کا دایاں کندھا قبلہ کی جانب اور بایاں کندھا مشرق کی جانب ہو اور بطن وادی سے رمی کی جائے تو بہتر ہے۔ یہ واجب یا سنت نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے جناب قاسم بن محمد کا عمل ذکر کر کے اسے اپنا مسلک قرار دیا اور اسے بہتر فرمایا: اس عمل کی تائید حدیث سے ثابت ہے۔

عن الاسود قال رايت عمر بن الخطاب يرمى جمرة العقبى من فوقها. عن عمر شيخ من اهل البصرة قال الحسن انه كان يرمى الجمرة من فوقها. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۴ حصہ اول من رخص فیھا ان یرمیھا من فوقھا)

جناب اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اوپر سے جمرہ عقبٰی کو کنکریاں مارتے دیکھا۔ بصرہ کے ایک شیخ بیان کرتے ہیں کہ جناب حسن بھی جمرہ عقبٰی کی رمی جانب بالا سے کیا کرتے تھے۔

(مالک انه سال عبد الرحمن بن القاسم من اين كان القاسم) (يرمى جمرة العقبى فقال من حيث تيسر) من بطن الودى بمعنى انه لم يتعين محلا منها لرمى وليس المراد من فوقها اوتحتها او بظهرها لما صح ان النبى ﷺ رماها من بطن الوادى وفى الصحيحين عن عبد الرحمن بن يزيد قال رمى عبد الله يعنى ابن المسعود جمرة العقبى من بطن الوادى فقلت يا ابا عبد الرحمن ان اناسا يرمونها من فوقها فقال والذى لااله غيره هذا المقام الذى انزلت عليه ﷺ سورة البقرة وعند ابى شيبة وغيره ان النبى ﷺ كان يعلوا اذا رمى

امام مالک نے عبداللہ بن قاسم سے پوچھا کہ تمہارے والد قاسم جمرہ عقبٰی کی رمی کہاں سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جہاں سے آسان لگے یعنی بطن وادی سے جہاں سے آسانی کے ساتھ رمی کر سکیں، کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے رمی کے لئے کوئی جگہ معین نہ کر رکھی تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ جمرہ عقبٰی کی بالائی جگہ یا نیچے والی یا اس کی لپیٹ والی جگہ کی طرف سے رمی کرتے تھے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے جمرہ عقبٰی کو بطن وادی سے کنکریاں ماریں اور بخاری و مسلم میں عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جمرہ عقبٰی کو بطن وادی سے کنکریاں ماریں تو میں نے کہا اے ابوعبد الرحمٰن! لوگ تو اوپر سے رمی کرتے ہیں؟ تو کہنے لگے۔ خدا کی قسم!

الجمر وجمع بان التي ترمي من بطن الوادي هي جمرة العقبى لانها عند الوادي بخلاف جمرة بين الخيرتين وتمتاز جمرة العقبى عنهما باربعة اشياء اختصاصها بيوم النحرو ان لا يوقف عندها وترمي ضحى ومن اسفلها ندبا.

(زرقانی ج۲ص۴۰۷ باب رمی الجمار مطبوعہ دارالفکر)

یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی۔ ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمی کرتے وقت بلندی پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یوں ہوگی کہ بطن وادی سے جسے رمی کرتے تھے وہ جمرہ عقبیٰ تھا کیونکہ وہ اس کے قریب ہے۔ بخلاف بقیہ دونوں جمروں کے اور جمرہ عقبیٰ چار باتوں سے بقیہ دو جمرات سے ممتاز ہے۔ اس کی رمی قربانی کے دن مخصوص ہے۔ اس کی رمی کے بعد ٹھہرنا نہیں اور چاشت کے وقت رمی کرنا اور بطن وادی سے رمی کرنا مستحب ہے۔

معلوم ہوا کہ جمرہ عقبیٰ کی رمی بطنِ وادی سے کرنا افضل و مستحب ہے۔ اگر کسی اور طرف سے رمی کر لی جائے تو ناجائز نہ ہوگی۔ بطن وادی سے افضلیت اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں سے رمی کی تھی۔ آپ کا ایسا کرنا احکام میں چونکہ داخل نہیں ہے بلکہ استحبابی عمل ہے اس لئے رمی کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں جہاں سے بھی کر لی جائے کوئی گناہ نہیں۔

کنکریاں مارنے کی وجہ سے اس کی فضیلت

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال لما اتى ابراهيم خليل الله عليه السلام المناسک عرض له الشيطان عند جمرة العقبى فرماه بسبع حصيات حتى ساخ في الارض ثم عرض له عند الجمرة الثانية فرماه بسبع حصيات حتى ساخ في الارض ثم عرض له عند الجمرة الثالثة فرماه بسبع حصيات حتى ساخ في الارض قال ابن عباس رضي الله عنهما الشيطان ترجمون وملة ابيكم تتبعون.

(بیہقی شریف ج۵ص۱۵۳ باب ماجاء فی بدا الرمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مناسک میں آئے تو جمرہ عقبیٰ کے نزدیک شیطان ان کے آڑے آیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر جمرہ ثانیہ کے پاس سامنے آیا۔ یہاں بھی آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں حتیٰ کہ پھر زمین میں دھنس گیا پھر تیسری مرتبہ تیسرے جمرہ کے قریب سامنے آیا اور اب کے بھی آپ نے سات کنکریاں ماریں اور وہ زمین میں دھنس گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شیطان کو تم کنکریاں مارتے ہو اور اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہو۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کنکریاں مارنا دراصل ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو انہوں نے شیطان کو ماری تھیں۔ واقعہ مذکورہ سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کو شیطان نظر آتا ہے اور ان کنکریوں سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کنکریاں مارنا پسند آیا۔ اب اگرچہ ہر حاجی کو شیطان نظر نہیں آتا پھر بھی کنکریاں مارنے کا حکم ہے۔ بلکہ بظاہر اب اس کی ضرورت نہیں رہی لیکن پھر بھی سنت ابراہیمی پر عمل کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں لاکھوں حجاج کرام ہر جمرہ پر سات کنکریاں ایک دن پھر دوسرے اور تیسرے دن مارتے ہیں۔ اس طرح تو وہاں کنکریوں کے اجتماع سے بہت بڑا ٹیلہ بن جاتا ہے لیکن ایسا ہوتا نہیں۔ اس کی حکمت حضور ﷺ کے ارشاد سے سنئے:

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اذا رميت الجمار كان لک نورا يوم القيامة عن ابي

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم شیطان کو کنکریاں مارتے

سعید قال قلنا یارسول الله ﷺ هذا الجمار التی ترمی کل سنة فنحسب انها تنقص فقال مایقبل منها رفع ولولا ذالک رایتموها مثل الجبال.

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۶۰ باب رمی الجمار نصب الرایہ، ج ۳ ص ۷۸)

ہوتو وہ کل قیامت کے دن تمہارے لئے نور ہوگا۔ حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا۔ یہ اتنی مقدور میں ماری جانے والی کنکریاں جو ہر سال ماری جاتی ہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ کم ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان میں سے جو اللہ قبول کر لیتا ہے وہ اٹھالی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم یہاں پہاڑ کی مثل ٹیلہ بنا ہوا دیکھتے۔

۱۹۸- بَابُ تَاخِيْرِ رَمْيِ الْجِمَارِ مِنْ عِلَّةٍ اَوْمِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذَالِكَ

کسی عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے رمی کا مؤخر کرنا اور اس کی کراہیت کا بیان

۴۸۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا الْبَدَّاحِ بْنَ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ اَخْبَرَهُ عَنْ اَبِيْهِ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْاِبِلِ فِي الْبَيْتُوْتَةِ يَرْمُوْنَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَرْمُوْنَ مِنَ الْغَدِ اَوْمِنْ بَعْدِ الْغَدِ لِيَوْمَيْنِ ثُمَّ يَرْمُوْنَ يَوْمَ النَّفْرِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ عبداللہ بن ابوبکر نے اپنے والد سے بتایا کہ ابوالبداح بن عاصم بن عدی نے انہیں اپنے والد عاصم بن عدی سے خبر دی وہ رسول کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اونٹ چرانے والوں کو (منیٰ کے سوا) رات بسر کرنے کی اجازت دے دی۔ (اور فرمایا) کہ یہ لوگ قربانی کے دن رمی کریں۔ پھر دوسرے یا پھر تیسرے دن بقیہ دو دن کی رمی کریں پھر کوچ کے دن کی رمی کریں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ مَنْ جَمَعَ رَمْيَ يَوْمَيْنِ فِيْ يَوْمٍ مِنْ عِلَّةٍ اَوْ غَيْرِ عِلَّةٍ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّهُ يُكْرَهُ لَهُ اَنْ يَّدَعَ ذَالِكَ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ حَتَّى الْغَدِ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِذَا تَرَكَ ذَالِكَ حَتَّى الْغَدِ فَعَلَيْهِ دَمٌ.

امام محمد کہتے ہیں کہ جس نے کسی عذر یا بغیر عذر کے دو دن کی رمی جمع کی (ایک ہی دن میں دو دن کی رمی کی) اس پر کوئی کفارہ نہیں لیکن اس کے لئے یہ مکروہ ہے کہ بغیر عذر کے کل تک رمی کو ترک کرے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کوئی شخص پہلے دن کی رمی دوسرے دن تک چھوڑ دیتا ہے تو اس پر دم واجب ہے۔

باب کی مذکورہ روایت میں دو مسئلے بیان ہوئے۔ ایک یہ کہ ضرورت مندرات کو بھی رمی کرسکتا ہے اور دوسرا یہ کہ گیارہ اور بارہ تاریخ کو ہی رمی کرنا جائز ہے۔ نیز دو دن کی رمی مطلقاً جمع کرنا جائز ہے۔ اس میں مجبوری یا غیر مجبوری کا کوئی امتیاز نہیں۔ اس جمع کرنے پر کوئی کفارہ بھی لازم نہیں آتا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ رمی کو موقت (ایک مخصوص وقت کا فعل) سمجھتے ہیں اور موقت بالزمان یا بالرکان کو وقت مخصوص اور مکان مخصوص میں ہی کرنا واجب ہوتا ہے۔ بصورت دیگر اس پر دم لازم آئے گا۔ امام صاحب کے مسلک کی وضاحت ملاحظہ ہو۔

اگر کسی نے تمام رمی کو دوسری صبح تک ترک کر دیا تو اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہے اور اگر کسی نے مکمل رمی نہ چھوڑی، بلکہ تھوڑی ترک کی اور زیادہ کر لی، تو اس پر صدقہ لازم آئے گا۔ مگر اس صورت میں کہ دم کو پہنچ جائے۔ جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے اور اگر کسی نے رمی کا اکثر حصہ چھوڑ دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے کیونکہ جمع رمی کے ترک پر آپ کے نزدیک دم

واجب ہے اور اکثر کا ترک جمیع کا ترک ہی ہے۔ صاحبین کے نزدیک مکمل رمی ترک کرنے سے بھی دم کا وجوب نہیں ہے لہٰذا اکثر پر بھی نہیں ہوگا۔ اگر کسی نے گیارہ بارہ ذوالحجہ کی رمی سے کسی ایک دن کی رمی ترک کی تو اس پر صدقہ واجب ہوگا کیونکہ اس دن کی مکمل رمی میں سے کم کو ترک کیا۔ (گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو تین جمرات کی رمی کرنا پڑتی ہے لہٰذا ایک کو ترک کرنے والا دراصل رمی کا اکثر ادا کر رہا ہے۔ لہٰذا دم واجب نہیں ہوگا۔ ہاں عید کے دن یعنی دسویں ذوالحجہ کو چونکہ صرف ایک جمرہ کی رمی کرنا تھی اور رمی سات کنکریوں سے مکمل ہوتی ہے اس لئے اگر کسی نے چار کنکریاں مارلیں، تو دم سے بچ گیا لیکن صدقہ لازم آئے گا اور اگر چار ترک کیں اور تین کنکریاں ماریں تو اس صورت میں دم لازم آئے گا۔ ہر دن کا وظیفہ الگ الگ ہے۔ یعنی گیارہ بارہ ذوالحجہ کو اگر دو جمرات کو سات سات کنکریاں ماریں اور ایک جمرہ کو کنکریاں مارنا ترک کر دیا تو صدقہ لازم آئے گا اور اگر ایک کو رمی کی اور دو کو چھوڑا تو دم لازم آئے گا) ہاں اگر اس نے تینوں دن کی رمی ترک کر دی تو ان سب کا ایک ہی دم لازم آئے گا جبکہ وہ تینوں دنوں کی رمی اکٹھی ترتیب وار کرنا چاہتا تھا لیکن صاحبین کے نزدیک اس صورت میں دم لازم نہیں آتا اگر وہ قضا کر لے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک رمی کا وقت مقرر ہے یعنی صبح صادق تک اور صاحبین کے نزدیک اس کا وقت مقرر نہیں ہے۔ (البدائع والصنائع ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ بیروت واما بیان حکمہ)

اسی طرح امام صاحب اور صاحبین کا تاخیر رمی میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ بعض نسک کو بعض پر مقدم کرنے میں ہے مثلاً رمی سے پہلے کسی نے حلق کرا لیا۔ قارن نے رمی سے قبل حلق کرا لیا یا ذبح سے پہلے حلق کرانا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ان افعال میں سے جو فعل رہ گیا۔ جب حاجی نے اسے قضا کر لیا تو فوت شدہ کا نقصان پورا ہو گیا لہٰذا قضا کے ساتھ اور کوئی چیز لازم نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: جس نے کسی حکم کو دوسرے پر مقدم کیا اس پر دم واجب ہے کیونکہ تاخیر مکان سے دم واجب آتا ہے جبکہ کوئی چیز کسی مکان کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ احرام ہے۔ اسی طرح جو چیز کسی وقت کے ساتھ مخصوص ہو جب اسے اس مخصوص وقت سے پیچھے کر دیا جائے تو دم لازم آتا ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۲ باب الجنایات)

ہدایہ کی مذکورہ عبارت کے نیچے ابن ہمام نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید اس سے ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ وہ یہ کہ کسی موقت حکم کو دوسرے موقت پر مقدم کرنے سے دم واجب ہوتا ہے۔ بعض نسخوں میں یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود کی بجائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام موجود ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا۔ روایت مذکورہ میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر اگرچہ ضعیف ہیں لیکن امام طحاوی نے اسے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا جس میں یہ راوی نہیں ہیں۔ اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں افعل و لا حرج یعنی جس نے منیٰ کے مختلف افعال میں پس و پیش کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہرحال یہ دلیل وہ حضرات پیش کرتے ہیں جو منیٰ کے افعال میں تقدیم و تاخیر پر دم یا کفارہ کا قول نہیں کرتے لیکن "لا حرج" کا واضح مفہوم یہ ہے کہ منیٰ کے افعال میں تقدیم و تاخیر سے دم دینے کے بعد مجموعی حج میں کوئی نقص نہیں رہتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ منیٰ کے احکام میں ترتیب لازم ہے اس کے ترک پر دم لازم آئے گا کیونکہ رمی کے موقت ہونے میں امام اعظم کے دلائل قوی ہیں۔ احرام کے موقت ہونے کی وجہ سے اگر کوئی شخص میقات سے احرام باندھے بغیر گزر جاتا ہے تو اس پر دم لازم آتا ہے۔ اسی طرح منیٰ کے احکام موقتہ میں تقدیم و تاخیر سے دم لازم آنا چاہیے۔ ان احکام کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں مروی ہے کہ:

من قدم شيئا من حجه او اخره فليحرق لذالك دما. سعيد بن جبير قال من قدم من حجه شيئا قبل شئ او حلق قبل ان يذبح فعليه دم يحرقه.

جس نے حج کے احکام میں سے کسی حکم کو مقدم یا مؤخر کیا تو اسے دم دینا پڑے گا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں جس نے اپنے حج کے افعال میں سے کسی فعل کو دوسرے سے پہلے ادا کیا یا ذبح سے پہلے

عن ابراھیم قال اذا حلق قبل ان یذبح اھراق لذالک دما ثم قرا ولا تحلقوا رؤسکم الخ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۳۹۔۴۴۰ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح دائرۃ القرآن کراچی)

کسی نے اگر ذبح سے قبل حلق کرایا تو وہ اس پر دم دے پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ ولا تحلقوا روسکم الایہ. اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ جب تک کہ ہدی اپنے مقام کو نہ پہنچ جائے۔

مختصر یہ کہ ان روایات نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف مضبوط کر دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۹۹ - بَابُ رَمْیِ الْجِمَارِ رَاکِبًا

جمرات کی رمی سواری کی حالت میں کرنے کا بیان

۴۸۹- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ النَّاسَ کَانُوْا اِذَا رَمَوا الْجِمَارَ مَشَوْا ذَاھِبِیْنَ رَاجِعِیْنَ وَاَوَّلُ مَنْ رَکِبَ مُعَاوِیَةُ ابْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں عبدالرحمن بن قاسم نے اپنے والد سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب لوگ جمرات کی رمی کے لئے آتے جاتے تو پیدل چلتے۔ سب سے پہلے جس نے یہ کام سوار ہو کر کیا وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَلْمَشْیُ اَفْضَلُ وَمَنْ رَکِبَ فَلَا بَاْسَ بِذَالِکَ.

امام محمد کہتے ہیں پیدل چل کر رمی کرنا بہتر ہے اور اگر کوئی سوار ہو کر ایسا کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

رمی تین دن کی ہوتی ہے۔ (دس۔ گیارہ اور بارہ ذوالحجہ) جس رمی کا روایت بالا میں ذکر ہوا۔ وہ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کی رمی تھی کیونکہ پہلے دن کی رمی خود حضور ﷺ نے سوار ہو کر ادا فرمائی تھی۔ پہلے دن کے سوا بقیہ رمی پیدل چل کر کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سواری کی حالت میں اسے ادا کرنا ایک ضرورت کی بنا پر تھا اور اگر کوئی بلاضرورت بھی سوار ہو کر کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ رہا اول دن کی رمی کہ حضور ﷺ نے بحالت سواری ادا فرمائی اور حضرات صحابہ کرام کا بھی بعد میں یہی معمول رہا تو اس کی صراحت بہت سی روایات میں آتی ہے کچھ ملاحظہ ہوں۔

عن قدامة بن عبد الله قال رایت النبی ﷺ رمی جمرة العقبی یوم النحر علی ناقة صهباء.

قدامہ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو عید کے دن جمرہ عقبیٰ کو اپنی اونٹنی صہباء نامی پر سوار ہو کر کنکریاں مارتے دیکھا۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی ﷺ رمی جمرة العقبی عن راحلته.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جمرہ عقبیٰ کی رمی اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے کی۔

عن ابی مالک الاشجعی قال رایت ابن الحنفیة یرمی الجمار علی برذون.

ابو مالک اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے ابن حنفیہ کو برذون گھوڑے پر بیٹھے رمی کرتے دیکھا۔

عن عطاء قال رایت ابن عمر رضی الله عنهما واقفا عند الجمرة علی حمار.

جناب عطاء سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جمرہ کے نزدیک گدھے پر بیٹھے (رمی کرنے کیلئے) دیکھا۔

عن ابن طاؤس عن ابیه انه کان یرمی الجمرة

ابن طاؤس اپنے والد کے متعلق بیان کہتے ہیں کہ وہ سوار ہو

وھو راکب.
کر جمرہ کی رمی کرتے تھے۔

عن عبایۃ قال رایت سالم یرمی الجمار وھو علی حمار.
عبایہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سالم کو رمی کرتے دیکھا وہ اس وقت گدھے پر تھے۔

عن القاسم قال کان یحیی فیرمی الجمرۃ یوم النحر وھو راکب.
الخ قاسم سے روایت ہے کہ وہ سوار ہو کر آتے اور جمرہ کی رمی یوم نحر کو کرتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۶ کتاب الحج من کان یرخص فی الرکوب الی الجمار)

ان روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ جمرہ عقبیٰ کی رمی خود حضور اکرم ﷺ نے سوار ہو کر کی۔ حضرات صحابہ کرام میں سے بھی بہت سے حضرات نے اسی طرح سوار ہو کر یہ رمی کی۔ اس کے علاوہ بقیہ دنوں کی رمی کے لئے حضور ﷺ سے سوار ہو کر کرنے کی روایت نہیں ملتی۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام ان دونوں کی رمی بلا ضرورت پیدل ہی کرتے تھے اور یہی افضل بھی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہ لایرکب الا من ضرورۃ . وہ بلا ضرورت سوار نہیں ہوتے تھے (فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۱ مصر)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحالت سواری رمی کی وہ بھی کسی ضرورت کے تحت ہو گی بلکہ بعض شارحین نے موطا پاس کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۰- بَابُ مَایَقُوْلُ عِنْدَ رَمْیِ الْجِمَارِ وَالْوُقُوْفِ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ

کنکریاں مارنے اور وقوف کے وقت کیا پڑھنا ہے؟

۴۹۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یُکَبِّرُ کُلَّمَا رَمَی الْجَمْرَۃَ بِحَصَاۃٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرہ کو ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔

۴۹۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّهٗ کَانَ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ یَقِفُ وُقُوْفًا طَوِیْلًا یُکَبِّرُ اللّٰہَ وَیُسَبِّحُهٗ وَیَدْعُوا اللّٰہَ وَلَا یَقِفُ عِنْدَ الْعَقَبَۃِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ وہ پہلے دو جمرات کو رمی کر کے کافی دیر کھڑے رہتے اور تکبیر و تسبیح کہتے رہتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے اور آخری جمرہ کی رمی کے بعد نہ ٹھہرتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

جمرات ثلاثہ کی رمی کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ جس رمی کے بعد رمی ہو اس سے فارغ ہو کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرے تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھے کیونکہ حدیث پاک کے موافق رمی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نور عطا کرتا ہے۔ اس لئے پہلی اور دوسری رمی کے بعد یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے بعد کچھ دیر ٹھہرنا چاہیے اور تیسری رمی کے بعد چونکہ رمی نہیں اس لیے اس کے بعد نہ ٹھہرا جائے۔ جب کچھ دیر ٹھہرے تو قبلہ رخ ٹھہرے۔ ہاتھ اٹھا کر خوب گڑگڑا کر دعا کرے۔ حدیث پاک میں بھی یہی وارد ہے:

عن الزھری ان رسول اللہ ﷺ کان اذا رمی الجمرۃ التی تلی مسجد منی یرمیھا بسبع حصیات یکبر کل مارمی بحصیات ثم تقدم امامھا

جناب زہری سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جب اس جمرہ کو رمی کرتے جو مسجد خیف سے متصل ہے تو وہاں سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتے پھر کچھ

فوقف مستقبل القبلة رافعا یدیه یدعو وکان یطیل الوقوف ثم یاتی الجمرة الثانیة فیرمیها بسبع حصیات یکبر کل مارمی بحصیات ثم ذات الیسار ممایلی الوادی فیقف مستقبل القبلة رافعا یدیه یدعوثم یاتی الجمرة التی عند العقبی فیرمیها بسبع حصیات یکبر عند کل حصیات ثم ینصرف ولا یقف عندها قال الزهری سمعت سالم بن عبد الله یحدث مثل هذا عن ابیه عن النبی ﷺ وکان ابن عمر یفعله.

(فتح الباری شرح البخاری ج ۳ ص ۴۶۰ باب الدعاعند الجمرۃ)

آگے بڑھ کر ٹھہر جاتے۔آپ کا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف ہوتا۔ ہاتھ اٹھے ہوئے ہوتے اور آپ دعا میں مصروف ہوتے۔آپ کا یہ ٹھہرنا بہت دیر تک جاری رہتا پھر دوسرے جمرہ کی طرف تشریف لے جاتے۔اسے بھی سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر پڑھتے پھر بائیں جانب نچلی طرف آجاتے جو وادی سے ملی ہوئی ہے۔وہاں قبلہ رخ کھڑے رہتے۔ہاتھ اٹھاتے ہوئے دعا کرتے رہتے پھر تیسرے جمرہ کی طرف جو عقبٰی کے مقام پر ہے، وہاں تشریف لاتے اور اسے بھی سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتے پھر واپس تشریف لے آتے اور یہاں نہ ٹھہرتے امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت اپنے والد سے کرتے سنا اور وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

روایت مذکورہ میں اجمالاً یہ بیان کیا گیا کہ پہلے دو جمرات کی رمی کے بعد حضور ﷺ طویل وقوف فرمایا کرتے تھے۔اس طویل وقوف کی مقدار ایک اور روایت میں بیان کی گئی ہے۔ملاحظہ ہو۔

وقع تفسیرہ فی مارواہ ابن ابی شیبة باسناد صحیح عن عطاء کان ابن عمر یقوم عند الجمرتین مقد ارما یقرا سورة البقرة.

(فتح الباری شرح البخاری ج ۳ ص ۴۶۱)

اس طویل قیام ووقوف کی تفسیر اس روایت میں ملتی ہے جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں جمرات کے پاس سورہ بقرہ پڑھے جانے کی مقدار قیام (وقوف) فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی ہر ادا کو معمول بنانے والی شخصیت تھے لہٰذا آپ کے قیام کی مقدار سے ہم حضور ﷺ کے وقوف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

۲۰۱- بَابُ رَمْیِ الْجِمَارِ قَبْلَ الزَّوَالِ وَبَعْدَهٗ

زوال سے پہلے اور زوال کے بعد کنکریاں مارنے کا بیان

۴۹۲- اَخْبَرَنَا مَالِکٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُرْمَی الْجِمَارُ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ فِی الْاَیَّامِ الثَّلٰثَةِ الَّتِیْ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے یوم نحر کے بعد والے تین دنوں میں رمی سورج ڈھل جانے کے بعد کرنی چاہیے۔امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہی مسلک ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جمرات کو کنکریاں مارنا رمی کہلاتا ہے اور یہ کام دس، گیارہ، بارہ اور بعض دفعہ تیرہ ذوالحجہ کو انجام دیا جاتا ہے۔ اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو طلوع شمس سے زوال تک کنکریاں مارنا مسنون ہے۔زوال سے غروب

آفتاب تک جائز اور غروب آفتاب کے بعد طلوع فجر تک جواز مع الکراہیت ہے لیکن عورتوں اور ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے اس میں کراہیت نہیں ہے۔ گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے کا وقت زوال شمس سے طلوع فجر تک مسنون وقت ہے اور یہی حکم تیرہ ذوالحجہ کا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اگر چہ یہ بھی آئی ہے کہ ان تین ایام میں زوال سے قبل رمی کر لی جائے تو جائز ہوگی لیکن یہ روایت چونکہ قول ظاہر کے خلاف ہے لہٰذا اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ لہٰذا صحیح یہ قول ہے کہ جس نے گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو زوال سے قبل رمی کی تو وہ نہ ہوئی۔ ہم نے جو امام صاحب کی غیر مشہور روایت کو روایت ظاہرہ کے خلاف کیا، اس کی تصریح ارشاد الساری الی مناسک ملا علی قاری میں موجود ہے، ملاحظہ ہو۔

قال العلامة ابن الهمام في فتح القدير وجه ظاهر الرواية ان الرمي تعبديا محض لايدرك بالعقل فيجب اتباع النقل وهو فعله عليه السلام الرمي في هذين اليوم بعد زوال ومال الى قول الامامين في اليوم الرابع بانه لا يجوز الرمي فيه ايضا قبل الزوال.

(ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری ص ۱۵۹ باب رمی الجمار و احکامہ)

فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام نے کہا ہے کہ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ رمی ایک خالص عبادت ہے جس کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا اس لئے اس بارے میں نقل کی اتباع واجب ہے اور نقل وہ حضور ﷺ کا فعل شریف ہے کہ آپ نے ان دو دنوں میں زوال کے بعد رمی کی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی صاحبین کے قول کی طرف میلان کیا کہ چوتھے دن کی رمی بھی زوال سے قبل جائز نہیں ہے۔

بہر صورت اگر کسی نے زوال سے قبل رمی کر لی اور پھر زوال کے بعد اس کا اعادہ کر لیا تو اس پر نہ گناہ اور نہ کفارہ کچھ بھی لازم نہیں آتا لیکن اساءت بہر حال لازم آئے گی۔ ارشاد الساری کے الفاظ ہیں: "**ولا يلزمه شيء من الكفارة ولكن يلزمه اساءة.** ایسے شخص پر کفارہ نہیں لیکن اساءت ہے"۔ رہا ان ایام میں حضور ﷺ کا عمل شریف تو اس بارے میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ چند ذکر کر رہے ہیں:

عن جابر قال كان النبي ﷺ يرمي يوم النحر ضحى واما بعد ذالك فبعد زوال الشمس قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند اكثر اهل العلم انه لايرمي بعد يوم النحر الا بعد الزوال.

(ترمذی ج ۱ ص ۱۰۹ مطبوعہ امین کمپنی دہلی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عید کے دن چاشت کے وقت کی رمی کی اور اس کے بعد والے دنوں میں زوال شمس کے بعد رمی کی۔ امام ترمذی ابو عیسیٰ نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ عید کے بعد والے دنوں میں زوال شمس سے قبل رمی نہیں کرتے۔

عن جابر قال رايت رسول الله ﷺ يرمي على راحلته يوم النحر ضحى فاما بعد ذالك فبعد زوال الشمس انتهى. قال المنذري في مختصره يريد جابر رضي الله عنه ان يوم النحر لارمي فيه غير جمرة العقبة واما التشريق فلا يجوز الرمي فيها الا بعد الزوال وعليه الجمهور.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو قربانی کے دن چاشت کے وقت اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے کنکریاں مارتے دیکھا لیکن اس کے بعد والے دنوں میں آپ نے زوال شمس کے بعد کنکریاں ماریں۔ منذری نے اپنی مختصر میں کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ قربانی کے دن جمرہ عقبیٰ کے سوا دوسرے جمرات کی رمی نہیں۔ رہا ایام تشریق

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۸۴ الحدیث التاسع والستون مطبوعہ مصر)

میں رمی کا معاملہ تو ان دنوں میں زوال کے بعد بھی رمی جائز ہے اور یہی مسلک جمہور کا ہے۔

عن ابن جریج اخبرنی ابو الزبیر انہ سمع جابرا یقول رایت النبی ﷺ یرمی علی راحلتہ یوم النحر ویقول لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعل لا احج بعد حجتی ھذہ.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱۹ باب استحباب رمی الجمرۃ العقبی یوم النحر)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو عید کے دن اپنی سواری پر بیٹھے رمی کرتے دیکھا اور آپ فرمار ہے تھے۔ لوگو! مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔ بے شک میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد پھر حج کروں۔

چونکہ جمرات کو کنکریاں مارنا ایک عبادت ہے اور بقول ابن الہمام اس کا ادراک عقل سے نہیں بلکہ نقل سے ہوتا ہے اور نقل دراصل ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا فعل شریف ہے اس لئے آپ نے جن اوقات میں رمی کی، ان میں ہی رمی کرنا سنت ہوگا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس بات کو کچھ یوں بیان فرمایا:

''یہ امور جو میں نے تمہیں ادا کر کے دکھائے ہیں اور خود عملی طور پر تمہارے ساتھ ادا کیا ہے اور جو اقوال مختلف اوقات میں میں نے پڑھے یا فرمائے ہیں اور حج کے افعال کی مختلف صورتیں اور ہیأت جو میں نے ادا کی ہیں۔ یہ تمہارے لئے طریقہ حج ہے لہٰذا مجھ سے یہ سیکھ لو اور ان پر مضبوطی سے کاربند ہو جاؤ۔ خود سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ۔ حضور ﷺ کی یہ حدیث پاک احکام وافعال حج کے لئے ایک بہت بڑی بنیاد ہے اور یہ یونہی سمجھ لیجئے کہ جس طرح نماز کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا: ''صلوا کما رایتمونی اصلی. نماز پڑھو جس طرح اور جیسے تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو''۔

اس لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ پہلے دن کی رمی زوال سے قبل اور بقیہ ایام کی رمی زوال کے بعد کی جائے ورنہ جائز نہ ہوگی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۲- بَابُ الْبَيْتُوْتَةِ وَرَاءَ عَقَبَةِ مِنًى وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذَالِكَ

عقبہ کے پیچھے منیٰ میں رات بسر کرنا اور اس کی کراہیت کا بیان

۴۹۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ قَالَ زَعَمُوْا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَبْعَثُ رِجَالًا يُدْخِلُوْنَ النَّاسَ مِنْ وَّرَاءِ الْعَقَبَةِ اِلٰى مِنًى قَالَ نَافِعٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَبِيْتَنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْحَاجِّ لَيَالِيَ مِنًى وَرَاءَ الْعَقَبَةِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ لوگوں کا یہ گمان تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کو یہ کہہ کر بھیج دیا کرتے تھے کہ جاؤ اور لوگوں کو عقبی کے پیچھے سے منیٰ میں داخل کریں۔ جناب نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: خبردار! ہرگز کوئی حاجی منیٰ میں بسر ہونے والی راتیں عقبی کے پیچھے نہ بسر کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْحَاجِّ اَنْ يَّبِيْتَ اِلَّا بِمِنًى لَيَالِيَ الْحَجِّ فَاِنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَهُوَ مَكْرُوْهٌ وَّلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا یہ عمل ہے کہ ہر حاجی کو منیٰ میں ہی حج کی راتیں بسر کرنی چاہئیں اور اگر کوئی ایسا نہ کرے گا تو یہ مکروہ ہوگا لیکن اس پر کفارہ نہیں ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

منیٰ میں بسر ہونے والی راتیں حدود منیٰ سے خارج میں بسر کرنا درست نہیں۔اس پر سختی سے عمل کرانے کے لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ آدمی صرف اس کام کے لئے مقرر کر رکھے تھے کہ وہ حاجیوں کو عقبہ میں رات نہ گزارنے دیں کیونکہ عقبی حدود منیٰ سے باہر ہے۔اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حدود منیٰ سے باہر یہ راتیں گزارتا ہے تو کراہت پائی جائے گی لیکن اس پر کفارہ لازم نہ آئے گا اور اس کی اصل وہی حدیث پاک ہے جس میں حضور ﷺ نے مناسک حج سیکھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ آپ نے بھی منیٰ کی راتیں منیٰ کی حدود میں ہی بسر فرمائی تھیں اس لئے ہر حاجی کے لئے یہی حکم ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۳- بَابُ مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا قَبْلَ نُسُكٍ

مناسک حج میں تقدیم وتاخیر ہونے کا بیان

۴۹۴- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عِيْسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَفَ لِلنَّاسِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَسْاَلُوْنَهٗ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ وَقَالَ اٰخَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ قَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ يَوْمَئِذٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ سے بیان کیا انہوں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے سال تشریف فرما ہوئے۔لوگ آپ سے مختلف مسائل حج دریافت کر رہے تھے۔ایک آدمی آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! مجھے علم نہ تھا میں نے رمی سے قبل جانور ذبح کر لیا۔فرمایا جا رمی کر لے کوئی حرج نہیں ایک اور آدمی آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! مجھے علم نہ تھا میں نے ذبح کرنے سے قبل سر مونڈ لیا۔فرمایا: جا ذبح کر کوئی حرج نہیں۔پس رسول اللہ ﷺ سے اس دن کسی بھی چیز کے مقدم یا مؤخر ادا کرنے کے بارے میں نہ پوچھا گیا مگر آپ نے ہر ایک کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا: ''جا کر'' کوئی حرج نہیں۔

۴۹۵- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهٖ شَيْئًا اَوْ تَرَكَ فَلْيُهْرِقْ دَمًا. قَالَ اَيُّوْبُ لَا اَدْرِيْ اَقَالَ تَرَكَ اَمْ نَسِيَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ایوب سختیانی نے سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس کہا کرتے تھے جو شخص اپنے حج کے مناسک میں سے کچھ بھول گیا یا اس نے کوئی ترک کر دیا تو اسے ایک خون (قربانی) دینا چاہیے۔ایوب راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ نے لفظ ''ترک'' فرمایا یا لفظ ''نسی'' فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِالْحَدِيْثِ الَّذِيْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَاْخُذُ اَنَّهٗ قَالَ لَا حَرَجَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَلَا حَرَجَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَرَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ كَفَّارَةً اِلَّا فِيْ خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ اَلْمُتَمَتِّعُ وَالْقَارِنُ اِذَا حَلَقَ قَبْلَ اَنْ يَذْبَحَ قَالَ عَلَيْهِ دَمٌ وَاَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرٰى عَلَيْهِ شَيْئًا.

امام محمد کہتے ہیں کہ جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہم اس پر عمل پیرا ہیں۔آپ نے فرمایا کہ ان میں سے کسی میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان میں کسی کے اندر کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے ان تمام افعال میں سے صرف ایک میں کفارہ کا قول ذکر کیا ہے۔وہ یہ کہ حج تمتع یا قران والا اگر ذبح سے قبل حلق کرا لے تو اس پر دم واجب ہے۔بہرحال ہم اس پر بھی کوئی کفارہ نہیں ڈالتے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے افعال منیٰ (رمی، حلق، ذبح) میں تقدیم وتاخیر کو بلا کفارہ جائز قرار دیا ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ وہ اس تقدم وتاخر میں دم کے وجوب کے قائل ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک ان احادیث پر مبنی ہے جن میں ان افعال کے مقدم ومؤخر کرنے والے پر دم کے وجوب کا قول ملتا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

و له حديث ابن مسعود رضى الله عنه انه قال من قدم نسكا على نسک فعليه دم.

(ھدایہ مع فتح القدیر ج۲ص۲۵۲ مطبوعہ مصر)

امام اعظم کی تائید میں وہ روایت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ جس نے حج کے کسی فعل کو دوسرے فعل پر مقدم کیا، تو اس پر دم (قربانی) ہے۔

عن مجاهد عن ابن عباس رضى الله عنهما قال من قدم شيئا من حجه او اخره فليحرق لذالک دما. (طحاوی ج۲ص۲۳۸ باب من قدم نسکا علی نسک)

جناب مجاہد، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے اپنے حج میں سے کسی کام کو مقدم یا مؤخر کیا تو اسے ایسا کرنے پر دم دینا چاہیے (قربانی دینی چاہیے)۔

حدثنا نصر بن مرزوق قال حدثنا الخصيب قال حدثنا وهيب عن ايوب عن سعيد بن جبير عن ابن عباس مثله فهذا ابن عباس يوجب عن من قدم شيئا من نسكه او اخره دما وهو احد من روى عن النبى ﷺ انه ما سئل يومئذ عن شىء قدم ولا اخر من امر الحج الا قال لا حرج فلم يكن معنى ذالک عنده معنى الاباحة فى تقديم ما تقدموا ولا فى تاخير ما اخروا مما ذكرنا اذا كان يوجب فى ذالک دما.

(طحاوی شریف ج۲ص۲۳۹ باب من قدم من حجہ نسکا قبل نسک)

جناب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی جیسی روایت کرتے ہیں۔ یہ ابن عباس کہ جنہوں نے افعال حج میں تقدم وتاخر پر قربانی کے وجوب کا قول ذکر کیا ہے۔ وہ وہی واحد راوی ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے وہ روایت بیان کی جس میں مذکور ہے کہ آپ سے حجۃ الوداع کے دن جو بھی تقدم وتاخر کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے سب کے جواب میں ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس حدیث پاک کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اباحت نہ تھا یعنی کسی فعل کو دوسرے سے مقدم یا مؤخر کرنا مباح ہے جب کہ وہ اس تقدیم وتاخیر پر قربانی کے وجوب کا قول کر رہے ہیں۔

عن جابر بن زيد فى رجل حلق قبل ان ينحر قال عليه الفدية. عن مجاهد ان ابن عباس قال من قدم شيئا من حجه او اخره فليحرق لذالک دما. عن سعيد بن جبير قال من قدم من حجه شيئا قبل شئى اوحلق قبل ان يذبح فعليه دم يهريقه.

(مصنف ابن ابی شیبہ حصہ اول ج۳ص۳۳۹۔۳۴۰ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا جس نے قربانی سے پہلے حلق کرا لیا تھا۔ جناب مجاہد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جس نے حج کی کوئی چیز آگے پیچھے ادا کی تو اس پر اسے دم بہانا چاہیے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے حج کی کسی چیز کو دوسری سے پہلے یا ذبح کرنے سے پہلے حلق کرا لیا تو اس پر دم بہانا (قربانی دینا) لازم ہے۔

عن ابراهيم قال اذا حلق قبل ان يذبح اهراق لذالک دما ثم قرا ولا تحلقوا رؤسكم حتى يبلغ

ابراہیم کہتے ہیں کہ جب کسی نے ذبح کرنے سے قبل حلق کرا لیا تو اس پر دم لازم ہے پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ولا

الھدی محلہ. تحلقوا الخ الایۃ اور اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ جب تک ہدی اپنے مقام کو نہ پہنچے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۴۰)

مذکورا حادیث وروایات سے ثابت ہوتا ہے کہ افعال منیٰ میں ترتیب واجب ہے یعنی پہلے قربانی اور اس کے بعد حلق یا قصر کرنا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وجوب ترتیب کے قائل ہیں۔آپ کے مسلک کی وضاحت فقہ حنفی کی معتبر کتاب ابن ہمام کی فتح القدیر سے ہم نقل کررہے ہیں۔صرف ترجمہ پیش خدمت ہے۔

بخاری اور مسلم دونوں میں مروی ہے کہ حضور ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر کھڑے ہوئے تھے۔ایک شخص نے عرض کیا حضور! میں نے لاعلمی کی وجہ سے قربانی کرنے سے پہلے سرمنڈا لیا ہے۔آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اب ذبح کرلو۔ پھر دوسرا شخص عرض کرنے لگا۔حضور! میں نے بھی کنکریاں مارنے سے قبل قربانی کرلی ہے۔اسے بھی آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اب کنکریاں مار لو۔(یہی حدیث پاک صاحبین کی دلیل ہے کہ مذکورہ افعال میں تقدیم وتاخیر سے دم واجب نہیں ہوتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ''حرج نہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ گناہ نہیں ہوا اور حج بھی فاسد نہیں ہوا۔یہ مطلب نہیں کہ ان افعال کی تقدیم وتاخیر پر کوئی جزا اور فدیہ نہیں ہے کیونکہ دونوں سائل اپنی اپنی لاعلمی کی بنا پر پوچھ رہے ہیں۔اس کا مغالطہ یہ ہے کہ لاعلمی میں ایسا کرنے کے بعد انہیں پتہ چلا کہ ایسا ممنوع ہے اس لئے انہوں نے سوال سے قبل اپنی لاعلمی کو پیش کیا تاکہ معقول عذر بن جائے۔امام محمد و امام ابو یوسف کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائل نے جب اپنے مناسک کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کے افعال کے خلاف دیکھی تو یہ سمجھا کہ آپ نے جس ترتیب سے مناسک ادا فرمائے ہیں وہی ترتیب معین ہے تو اس نے سوال کیا اور اپنا عذر بھی ساتھ ہی بیان کردیا تو رسول کریم ﷺ نے ''لاحرج'' فرماکر ظاہر فرمادیا کہ مناسک کی یہ ترتیب معین نہیں بلکہ مسنون ہے واجب یا فرض نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاں یہ احتمال بنتا ہے وہاں ترتیب کے وجوب کا بھی احتمال موجود ہے اور حضور اکرم ﷺ نے اسے جہالت کی بنا پر معذور قرار دیا ہو۔آپ نے صحابہ کرام کو افعال حج سیکھنے کا حکم دیا اور لاعلمی کی وجہ سے ان کو معذور قرار دیا کیونکہ یہ دور فرضیت حج کا ابتدائی بلکہ اول دور تھا جب مذکورہ ارشاد نبوی میں دونوں احتمال موجود ہیں تو احتیاطاً وجوب کے قول پر عمل کرنا چاہیے۔اس سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل مضبوط ہوتی ہے اور ان کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ جس نے افعال حج میں سے کسی فعل کو دوسرے پر مقدم کیا اس پر دم واجب ہے بلکہ یہ تو خود ایک مستقل دلیل ہے۔ہدایہ کے کچھ نسخوں میں ان کی بجائے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام بھی ملتا ہے اور یہ زیادہ معروف ہے۔یہ روایت امام ابن شیبہ نے ذکر کی ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے حج کے کسی فعل کو دوسرے سے مقدم یا مؤخر کیا وہ اس کے بدلہ میں خون بہائے (قربانی دے) اس روایت میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر ہیں جن کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن امام طحاوی نے یہی روایت جس سند سے ذکر کی ہے، اس میں یہ راوی موجود نہیں۔وہ سند یہ ہے: ''حدثنا ابن مرزوق حدثنا الخصیب حدثنا وھیب عن ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس مثلہ'' امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان صحابہ میں سے ہیں جو تنہا یہ روایت بیان کرنے والے ہیں'' کہ کوئی حرج نہیں اب کرلو'' اور یہ حدیث ان کے نزدیک اجازت واباحت پر محمول نہیں ہے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض عباداتِ حج کو بعض پر مقدم یا مؤخر کیا گیا جس کی وجہ لاعلمی تھی۔حضور ﷺ نے اس کے عذر کو درست قرار دیا اور پھر حج کی عبادات سیکھنے کا حکم دیا۔ابن ہمام لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر اس آیت کریمہ سے بھی استدلال ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو شخص بیماری کی وجہ سے وقت سے پہلے سرمنڈائے وہ فدیہ دے'' جب بیماری کی وجہ سے وقت

مقررہ سے پہلے سر منڈانے پر فدیہ واجب ہے تو وقت سے پہلے بلا عذر سر منڈانے پر بطریقہ اولیٰ فدیہ لازم آئے گا۔ (اسی طرح وقت سے پہلے رمی، ذبح اور حلق یا ان میں تاخیر وتقدیم پر بھی فدیہ لازم ہونا چاہیے)

(فتح القدیر مع ہدایہ ج ۲ ص ۲۵۲ ذکر من اخر الحلق حتی مضت ایام النحر الخ مطبوعہ مصر)

مختصر یہ کہ افعال منیٰ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور امام طحاوی وغیرہ اکابر احناف نے اس کی تائید میں احادیث اور قرآنی استنباط پیش کیا اس لئے حاجی کو چاہیے کہ وہ ان افعال میں ترتیب کا خاص خیال رکھے ورنہ دم لازم آئے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

٢٠٤- بَابُ جَزَاءِ الصَّيْدِ

حرم کا شکار کرنے کی جزا کا بیان

٤٩٦- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَضٰى فِي الضَّبُعِ بِكَبْشٍ وَّفِي الْغَزَالِ بِعَنْزٍ وَّفِي الْاَرْنَبِ بِعَنَاقٍ وَّفِي الْيَرْبُوْعِ بِجَفْرَةٍ.

ہمیں امام مالک نے جناب ابو الزبیر سے خبر دی اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے گوہ میں مینڈھا، ہرن میں بکرا، خرگوش میں بکری کا سال بھر کا بچہ اور جنگلی چوہے کے (شکار کرنے والے پر) بکری کا چار ماہ کا بچہ دینے کا فیصلہ فرمایا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَاْخُذُ اَنَّ هٰذَا اَمْثِلَةٌ مِّنَ النَّعَمِ.

امام محمد کہتے ہیں ان تمام پر ہمارا عمل ہے۔ بے شک یہ بدلہ میں دیے گئے حیوانات، شکار کیے گئے حیوانات سے ملتے جلتے ہیں۔

مکہ شریف کے گردونواح میں چاروں طرف حدود حرم ہیں جن میں کسی کو بھی شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے اس کے لئے محرم ہونا شرط نہیں۔ شکار کی ممانعت جو جزا کی صورت میں بیان ہوئی۔ اس کا اصل ماخذ قرآن کریم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ (المائدہ:۹۵) ترجمہ: اے مؤمنو! شکار کو مت مارو جب تم حالت احرام میں ہو اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے گا پس جزا اس کی مثل جو اس نے چار پایہ مارا۔ تم میں سے دو صاحب عدل اس کا فیصلہ کریں۔ وہ ہدی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا کفارہ کے طور پر مساکین کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے عوض روزہ رکھنا ہے تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا پائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو گزر گیا اس سے درگزر فرمایا اور جو پھر سے اسے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا اور اللہ غالب انتقام لینے والا ہے"۔

حدود حرم میں خشکی کے تمام جانوروں کا شکار ممنوع ہوا۔ ان میں سے صرف وہ استثناء میں ہیں جو حضور ﷺ نے مستثنیٰ فرما دیئے۔ احرام خواہ عمرہ کا ہو یا حج کا ہر حال میں یہی حکم ہے۔ عمداً (یعنی یہ یاد ہوتے ہوئے کہ یہاں مجھے شکار کرنے کی اجازت نہیں) اگر کوئی شکار کرتا ہے تو اس پر اس جانور کی مثل جانور بطور جزا دینا لازم ہے۔ شکار والی جگہ یا اس سے قریب ترین جگہ میں مارے جانے والے جانور کی قیمت جو دو صاحب عدل آدمی مقرر کریں اور وہ قیمت اگر اتنی ہو کہ اس سے قربانی کئے جانے والا کوئی جانور خریدا جاسکتا ہے تو ایسے شکاری پر تین باتوں میں سے کوئی ایک لازماً کرنا پڑے گی۔

(۱) اس قیمت سے قربانی کا جانور (ہدی) خرید کر حرم میں بھیجا جائے وہیں ذبح ہو اور حرم کے فقراء اسے کھالیں۔

(۲) اس قیمت کا غلہ خریدا جائے اور اسے وہیں یا حرم میں جا کر ہر مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار غلہ دیا جائے۔

(۳) اس قیمت سے جس قدر غلہ آتا ہو اور وہ صدقہ فطر کی مقدار جتنے مساکین پر تقسیم کیا جا سکتا ہو۔ اتنے روزے رکھے جہاں وہ چاہے۔

بہرحال یہ باتیں شکار کرنے والے پر بطور سزا مقرر کی گئی ہیں کیونکہ حرم کا احترام ہر طرح لازم تھا اور شکار کرنے والے نے حرم میں محفوظ اور مامون جانور کو ستایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے امن دے رکھا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بے یار و مددگار اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آ جاتا ہے تو وہ کل قیامت کو دوزخ کے عذاب سے امن میں رہے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۵- بَابُ كَفَّارَةِ الْاَذٰى

تکلیف (بیماری کی وجہ سے سر منڈوانا) کے کفارہ کا بیان

۴۹۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيْمِ الْجَزَرِيُّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمًا فَاٰذَاهُ الْقُمَّلُ فِيْ رَأْسِهٖ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تَحْلِقَ رَأْسَهٗ وَقَالَ صُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ مُدَّيْنِ مُدَّيْنِ اَوِ انْسُكْ شَاةً اَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ اَجْزَاَ عَنْكَ.

ہمیں امام مالک نے عبدالکریم جذری سے انہوں نے مجاہد سے وہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں تھے تو انہیں جوؤں نے سر میں اذیت دی۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں سر کے بال منڈانے کا حکم دیا اور فرمایا: تین روزے رکھنا یا چھ مسکینوں کو دو دو مد کھانا دینا یا بکری ذبح کر دینا۔ ان میں سے جو بھی تو کرے گا وہ تیری طرف سے اس کی جزا اور اس کا بدلہ بن جائے گا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا بھی اس پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عام فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکورہ واقعہ ''مقام حدیبیہ'' میں پیش آیا۔ آپ چولہے میں آگ جلا رہے تھے اور سر سے جوئیں نکل کر چہرہ پر پھر رہی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ اذیت دیتی ہیں؟ عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: سر کے بال منڈا دو اور اس کے بدلہ میں تین روزے یا چھ مساکین کو کھانا کھلانا یا بکری ذبح کرنا۔ ان میں سے کوئی ایک بات کر لو گے تو تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حج میں جو کام ممنوع ہیں، اگر بوجہ مجبوری انہیں کرنا پڑے تو رعایت صرف گناہ میں ہوگی یعنی گناہگار نہیں ہوگا لیکن جزا بصورت کفارہ لازماً دینا پڑے گی۔ اس کی رعایت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ:۱۹۶)'' تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی اذیت اور تکلیف ہو تو وہ روزے یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ ادا کرے''۔ اس آیت کے تحت تفسیر کرتے ہوئے۔ ابن جریر نے اسی مضمون کی بہت سی احادیث لکھی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن کعب بن عجرة قال مربی رسول الله ﷺ وانا اوقد تحت قدر والقمل یتناثر علی وجهی فقال اتوذیک هوام راسک قال قلت نعم قال احلقه وصم ثلاثة

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا میرے قریب سے گذر ہوا۔ میں اس وقت ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: کیا تیرے سر کی جوئیں

ایام او اطعام ستة مساکین او اذبح شاة.

(تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۱۳۵ مطبوعہ بیروت)

تجھے اذیت دیتی ہیں؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: جی حضور! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سر کے بال منڈوا دو اور تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا بکری ذبح کر دو۔

معلوم ہوا کہ محرم کے لئے عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے ممنوعات میں سے کسی کا ارتکاب کرنے پر حضور ﷺ نے جو تین باتوں میں سے ایک بطور جزا مقرر فرمائی، وہ قرآن کریم کے احکامات کے عین مطابق ہے، جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۶- بَابُ مَنْ قَدَّمَ الضَّعَفَةَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ

ضعیف لوگوں کو عام لوگوں سے قبل مزدلفہ بھیجنے کا بیان

۴۹۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ سَالِمٍ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنَيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُقَدِّمُ صِبْيَانَهُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى حَتّٰى يُصَلُّوا الصُّبْحَ بِمِنًى.

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی اور انہوں نے سالم اور عبید اللہ جو عبد اللہ بن عمر کے صاحبزادے ہیں ان سے روایت کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جلدی روانہ کر دیتے حتیٰ کہ وہ صبح کی نماز منیٰ میں جا کر ادا کرتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ بِاَنْ تَقَدَّمَ الضَّعَفَةُ وَيُوْعَزُ اِلَيْهِمْ اَنْ لَّا يَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا رَحِمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ضعیف لوگوں کو پہلے بھیج دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور روانگی کے وقت انہیں تاکید کی جائے کہ طلوع شمس سے قبل کنکریاں نہ ماریں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وقوف مزدلفہ واجب ہے اور اس کے ترک پر دم لازم آتا ہے لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے عورتوں اور ضعیف لوگوں کو اجازت دی کہ وہ عام لوگوں سے قبل مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جا سکتے ہیں۔ یہی بات امام محمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی صورت میں بیان کی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اگر دس ذوالحجہ کو صبح صادق کے بعد مزدلفہ میں وقوف واجب ہے لیکن کمزور اور نادار اشخاص کو اس سے قبل نکل جانا جائز ہے تاکہ بھیڑ کی وجہ سے انہیں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ لوگ صبح کی نماز منیٰ میں جا کر ادا کریں تو کوئی حرج نہیں۔ ان کے لئے کنکریاں مارنے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس طرح انہیں وقت سے پہلے مزدلفہ سے نکلنے کی اجازت ہے اسی طرح طلوع شمس سے قبل ان کو کنکریاں مارنے کی بھی اجازت ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ کنکریاں مارنے کے لئے انہیں تاکید کی جائے کہ سورج نکلنے سے قبل کنکریاں نہ ماریں۔ اسی بات کو بہت سی احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس قال اتی رسول الله ﷺ بليل فرحنا على جمرة اغيلمة بنی عبد المطلب وجعل يلطخ افخاذنا ويقول ابنی لا ترجموا الجمرة حتی تطلع الشمس وما احسب احدا يرميها حتی تطلع الشمس. عن مغيرة عن ابراهيم قال لا ترمی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت مزدلفہ تشریف لائے تو آپ نے بنی عبد المطلب کے لڑکوں کو روانہ کیا اور ہمارے رانوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا: بیٹو! جمرہ کو سورج طلوع ہونے سے قبل کنکریاں نہ مارنا اور میں (ابن عباس) کسی کو نہیں جانتا کہ جس نے طلوع شمس

الجمرة العقبى يوم النحر حتى تطلع الشمس.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۷۷ حصہ اول)

سے قبل کنکریاں ماری ہوں۔ مصنف ابن ابی شیبہ جناب مغیرہ جناب ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جمرہ عقبیٰ کو قربانی کے دن طلوع شمس سے قبل تم کنکریاں مت مارو۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ يقدم الضعفة اهله بغلس ويامرهم يعنى لا يرمون الجمرة حتى تطلع الشمس.
(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۰ ص ۱۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے خاندان کے ضعیف لوگوں کو صبح سویرے اندھیرے میں ہی منیٰ کی طرف روانہ فرما دیتے اور انہیں حکم دیتے کہ سورج طلوع ہونے سے قبل کنکریاں نہ مارنا۔

عن عطاء عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ للعباس ليلة المزدلفة اذهب بضعفائنا ونسائنا فليصلوا الصبح بمنى ويرموا جمرة العقبة قبل ان تصيبهم دفعة الناس قال فكان عطاء يفعله بعد ما كبر وضعف ولابى داؤد من طريق حبيب عن عطاء عن ابن عباس كان رسول الله ﷺ يقدم الضعفاء اهله بغلس ولابى عوانة فى صحيحه عن طريق ابى الزبير عن ابن عباس رضى الله عنهما كان رسول الله ﷺ يقدم العيال والضعفاء الى منى من المزدلفة.
(فتح الباری شرح البخاری ج ۳ ص ۴۱۵ مطبوعہ مصر من تقدم ضعفۃ اہلہ)

جناب عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جناب عباس کو مزدلفہ کی رات ارشاد فرمایا کہ اپنی مستورات اور قوم کے کمزور افراد کو لے چلو۔ وہ صبح کی نماز منیٰ میں جا کر ادا کریں اور جمرہ عقبیٰ کی رمی لوگوں کے پہنچنے سے قبل کر لیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء جب بہت ضعیف اور عمر رسیدہ ہو گئے تو اسی طرح کیا کرتے تھے۔ امام ابو داؤد نے بطریقہ حبیب عن عطاء حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضعیف اور عورتوں کو صبح اندھیرے اندھیرے مزدلفہ سے منیٰ روانہ کر دیا کرتے تھے۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں ابو زبیر کے طریقہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے گھر والوں اور ضعیف لوگوں کو مزدلفہ سے منیٰ پہلے ہی بھیج دیا کرتے تھے۔

قارئین کرام! مذکورہ روایات سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک بخوبی ثابت ہوتا ہے بہر حال یہ بات بلا شک جائز ہے کہ کمزور اور عورتیں، بچے بقیہ حاجیوں سے قبل مزدلفہ سے چل پڑیں اور صبح کی نماز منیٰ میں آ کر ادا کریں لیکن جمرہ عقبیٰ کی رمی طلوع شمس سے قبل جائز نہیں۔ فتح الباری کی عبارت سے کوئی شاید یہ سمجھے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابن عباس کو جو یہ فرمایا کہ لوگوں کے جمع ہونے سے قبل کنکریاں مار لینی چاہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنکریاں سورج طلوع ہونے سے پہلے اور نماز صبح ادا کرنے کے بعد جائز ہیں۔ یہ مفہوم درست نہیں کیونکہ حاجی صاحبان صبح کی نماز مزدلفہ میں ادا کر کے کچھ دیر وقوف کرنے کے بعد یہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور یہ راستہ اس دور میں جب کہ زیادہ لوگ پیدل ہوتے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ سے قبل طے نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا جب ایک گھنٹہ سورج طلوع ہونے کے بعد لوگ منیٰ میں پہنچنا شروع ہوں گے تو ضعیف اور عورتیں ان کے آنے سے قبل کنکریاں مارنے سے فارغ ہو چکے ہونگے اور لازماً یہ کنکریاں طلوع آفتاب کے بعد ہی ہوں گی۔ بہر حال ضعیف، عورتوں اور بچوں کو بھیڑ سے بچنے کی خاطر مزدلفہ سے قبل از وقت منیٰ کی طرف جانا جائز ہے لیکن کنکریاں طلوع آفتاب کے بعد ہی ماری جائیں گے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۷- بَابُ جِلَالِ الْبُدْنِ

بُدنہ پر جل ڈالنے کا بیان

۴۹۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَشُقُّ جِلَالَ بُدْنِهٖ وَكَانَ لَا يُجَلِّلُهَا حَتّٰى يَغْدُوَ بِهَا مِنْ مِّنًى اِلٰى عَرَفَةَ وَكَانَ يُجَلِّلُهَا بِالْحُلَلِ وَالْقُبَاطِيِّ وَالْاَنْمَاطِ ثُمَّ يَبْعَثُ بِجِلَالِهَا فَيَكْسُوْهَا الْكَعْبَةَ قَالَ فَلَمَّا كُسِيَتِ الْكَعْبَةُ هٰذِهِ الْكِسْوَةَ اَقْصَرَ مِنَ الْجِلَالِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی قربانی کے جانور کی جل نہیں کاٹا کرتے تھے اور نہ ہی انہیں جل ڈالتے۔ حتیٰ کہ منیٰ سے صبح کے وقت مقام عرفات میں پہنچ جاتے اور ان پر جل قباطی اور انماطی ڈالتے تھے پھر آپ وہ تمام جل (خدام) کعبہ کے پاس بھیج دیتے تاکہ وہ غلاف کعبہ کے طور پر کعبہ پر ڈال دی جائیں۔ جناب نافع کہتے ہیں کہ جب کعبہ کو ان کپڑوں کا ریشمی غلاف چڑھایا گیا تو جل کا غلاف چڑھانا بند ہو گیا۔

۵۰۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ مَا كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَصْنَعُ بِجِلَالِ بُدْنِهٖ حَتّٰى اَقْصَرَ عَنْ تِلْكَ الْكِسْوَةِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَتَصَدَّقُ بِهَا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ میں نے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی قربانی کے جانوروں کی جلوں کا کیا کرتے تھے۔ جب وہ کعبہ پر چڑھانے سے بچ جائیں؟ عبداللہ بن دینار نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو صدقہ میں دے دیا کرتے تھے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِجِلَالِ الْبُدْنِ وَبِخُطُمِهَا وَاَنْ لَّا يُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَا مِنْ لُّحُوْمِهَا بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَدْيٍ فَاَمَرَ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِجِلَالِهٖ وَبِخُطُمِهٖ وَاَنْ لَّا يُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْ خُطُمِهٖ وَجِلَالِهٖ شَيْئًا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا عمل یہ ہے کہ قربانی کے جانور کی جل اور اس کی لگام و مہار کا صدقہ کر دینا چاہیے اور قصائی کو عوضانہ کے طور پر ان میں سے کوئی چیز نہ دی جائے اور نہ ہی گوشت دیا جائے۔ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو ہدی دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ اس کی جل اور لگام کا صدقہ کر دیا جائے اور قصائی کو اس کی لگام مہار اور جل میں سے (بطور معاوضہ) کچھ بھی نہ دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جو عمل پچھلی روایات میں مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی قربانی کے جانوروں پر اعلیٰ قسم کے کپڑوں کی جل ڈالا کرتے تھے اور یہ بھی کہ آپ عرفات سے منیٰ تک جاتے وقت انہیں جل ڈالتے اور قربانی کرنے سے قبل وہ اتار لیا کرتے تھے۔ یہ صرف اس لئے تاکہ ان کپڑوں کا تعلق اللہ کے نام پر سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے ذبح ہونے والے جانوروں کے ساتھ ہو جائے۔ اگرچہ بعض روایات میں ان کپڑوں کو اونٹ کی کوہان کی جگہ سے کاٹنے کا ذکر آیا ہے لیکن ترجیح اسی کو دی جائے گی جن میں کاٹنے کا ذکر نہیں کیونکہ ان کپڑوں کو غلاف کعبہ بننا ہوتا ہے اور وہاں پر لٹکا ہوا غلاف صحیح و سالم ہی ہونا چاہیے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب غلاف کعبہ کے لئے الگ کپڑے نہیں لائے جاتے تھے کیونکہ غربت کا دور تھا اور جب حالات بدلے اور غلاف کعبہ تیار ہونے لگا اور قربانی کے جانوروں کی پشت پر رکھے کپڑے کی ضرورت نہ رہی تو پھر ان کپڑوں کو فقراء و مساکین پر بطور صدقہ بانٹ دیا جاتا لیکن یہ احتیاط بہت ضروری ہے کہ قربانی کے جانور کی کوئی چیز (گوشت، کلیجی، سری پائے اور اس کی رسی وغیرہ) بطور معاوضہ قصائی (ذبح کرنے اور کھال اتارنے والے) کو دینا قطعاً درست نہیں ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ان چیزوں کا صدقہ کر دیا جائے۔ اسی قسم کی احادیث امام بیہقی نے اپنی تصنیف میں ج ۵ ص ۲۴۳ پر بھی ذکر کی ہیں اس لئے روایت مذکورہ کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنا مسلک وعمل بیان کیا وہ حدیث کے عین موافق ومطابق ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۸- بَابُ الْمُحْصَرِ

خانہ کعبہ سے روک دیئے جانے والے شخص کا بیان

۵۰۱- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ مَنْ اُحْصِرَ دُوْنَ الْبَيْتِ بِمَرَضٍ فَاِنَّهُ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَهُوَ يَتَدَاوٰى بِمَا اضْطُرَّ اِلَيْهِ وَيَفْتَدِيْ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابن شہاب نے سالم بن عبد اللہ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس حاجی کو بیت اللہ شریف آنے سے کوئی بیماری روک دے وہ بیت اللہ شریف کا جب تک طواف نہ کرلے۔ احرام نہ کھولے اور جس بیماری کی وجہ سے وہ رکا اس کا علاج کرائے اور فدیہ ادا کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ بَلَغَنَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ جَعَلَ الْمُحْصَرَ بِالْوَجَعِ كَالْمُحْصَرِ بِالْعَدُوِّ فَسُئِلَ عَنْ رَجُلٍ اِعْتَمَرَ فَنَهَشَتْهُ حَيَّةٌ فَلَمْ يَسْتَطِعِ الْمُضِيَّ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِيَبْعَثْ بِهَدْيٍ وَيُوَاعِدُ اَصْحَابَهُ يَوْمَ اَمَارٍ فَاِذَا نُحِرَ عَنْهُ الْهَدْيُ حَلَّ وَكَانَتْ عَلَيْهِ عُمْرَةٌ مَكَانَ عُمْرَتِهٖ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کسی درد (مرض) کی وجہ سے رک جانے والے کو اس شخص کے برابر تصور فرمایا جس کو کوئی دشمن روک دیتا ہے۔ ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس نے عمرہ کا ارادہ کیا تھا لیکن سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔ (وہ کیا کرے؟) فرمایا: وہ ہدی بھیج دے اور ہدی لے جانے والے ساتھی سے اس کے ذبح کرنے کا وقت معین کرلے پھر جب (اس وقت معین پر) اس کی طرف سے ہدی کو ذبح کیا جائے تو اس کا احرام ختم ہو گیا اور اس پر اس نامکمل عمرہ کی جگہ آئندہ ایک مکمل عمرہ ادا کرنا لازم ہے۔ ہمارا عمل اس پر ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

وہ آدمی کہ جس کو حج یا عمرہ کرنے سے کوئی روک دے خواہ وہ روکنے والا کوئی دشمن انسان ہو یا درندہ یا کسی بیماری اور عارضہ نے اسے روک دیا ہو اور ایسا روکا ہو کہ رکاوٹ ختم ہونے سے قبل حج کے مناسک ہاتھ سے نکل چکے ہوں تو ایسے شخص کو "محصر" کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے جانے والے کے ہاتھ قربانی کا جانور بھیج دے اور اس سے ذبح کا وقت معین کرلے کہ اس دن ذبح کرو گے۔ جب وہ وقت مقررہ آن پہنچے تو یہ محصر حالت احرام سے نکل آئے گا اور اس کے لئے احرام والی پابندیاں ختم ہو جائیں گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بطور استدلال ذکر فرمایا جو بظاہر ایک شخص کے سوال کے بارے میں تھا جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور سانپ ڈسنے کی وجہ سے وہ عمرہ ادا کرنے سے قاصر ہو گیا لیکن یہ حکم تمام ایسے اشخاص کے لئے ہے، جنہیں کسی عارضہ نے عمرہ یا حج کرنے سے روک دیا ہو۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رضی اللہ

عنہ کا مسلک تھوڑا سا مختلف ہے وہ یہ کہ آپ قربانی بھیجنے سے احرام کا ختم ہونا صرف اس شخص کے لئے کہتے ہیں جسے دشمن نے حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا ہو۔ دشمن کے سوا دیگر رکاوٹیں مثلاً سخت بیمار ہو جانا وغیرہ۔ ان رکاوٹوں والے کو دوسرا حکم دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں جو قرآنی آیت نازل فرمائی وہ صلح حدیبیہ کے موقع اور واقعہ پر نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا: "فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" اگر تمہیں روک دیا گیا تو پھر جو آسانی سے قربانی دے سکتے ہو دے کر احرام کھول دو۔ اس کے مقابل دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ جب دشمن سے امن میں ہو جاؤ۔ پھر جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھائے۔ وہ جو میسر ہو قربانی دے دے"۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ محصر کا حکم صرف اسی شخص کے لئے ہے جسے دشمن نے روک لیا ہو۔ بیماری وغیرہ میں یہ حکم نہیں لیکن احناف اس دلیل کے جواب میں کہتے ہیں کہ "إِنْ أُحْصِرْتُمْ" میں احصار (روکا جانا) عام ہے اور واقعہ اگرچہ مخصوص تھا لیکن قاعدہ یہ ہے کہ خصوص واقعہ کی بجائے لفظوں کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا عام رکاوٹ میں مرض وغیرہ بھی داخل ہیں۔ علاوہ ازیں احصار والی آیت کریمہ میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ جو تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی اذیت ہو تو اسے روزوں کی صورت میں فدیہ یا صدقہ یا قربانی دینی چاہیے"۔ آیت کا یہ حصہ بالاتفاق بیمار کے لئے ہے۔ اب اگر آیت کا پہلا حصہ صرف دشمن کی رکاوٹ کے لئے خاص کریں اور یہ حصہ مریض کے لئے واضح ہے تو ابتدائی حصہ آیت میں مریض کی نفی اور آخری حصہ میں اس کا اثبات ہوگا اور یہ اعجاز قرآن کے خلاف ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اسی مسلک کی تائید کرتے ہیں، جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا، امام اعظم اور دیگر فقہاء کرام کا بیان فرمایا ہے۔ ہم اس کی تائید میں چند احادیث آخر میں ذکر کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

عن سعيد عن قتادة قوله فان احصرتم فما استيسر من الهدى قال هذا رجل اصابه خوف او مرض اوحابس حبسه عن البيت يبعث بهديه فاذا بلغ محله صار حلالا. حدثني مثنى قال حدثنا اسحاق قال حدثنا ابو معاوية عن هشام بن عروة عن ابيه قال كل شيء حبس المحرم فهو احصار. عن ابراهيم قال ابو جعفر احبسه عن شريک عن ابراهيم بن المهاجر عن ابراهيم فان احصرتم قال مرض او كسر او خوف. (تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۱۲۴ زیر آیت فان احصرتم الخ مطبوعہ بیروت)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "فان احصرتم فما استیسر من الهدی" سے مراد وہ شخص ہے جو کسی خوف یا بیماری کی وجہ سے روک دیا گیا ہو یا کسی شخص نے اسے بیت اللہ جانے سے روک دیا ہو۔ ایسا شخص قربانی کا ایک جانور بھیجے۔ جب وہ جانور اپنی جگہ پہنچ جائے (اور ذبح کر دیا جائے) تو پھر وہ رکا ہوا شخص احرام سے نکل آئے گا۔ جناب ہشام نے اپنے والد حضرت عروہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جو محرم کو مناسک حج و عمرہ ادا کرنے سے روک دے، وہ احصار ہے۔ جناب ابراہیم کہتے ہیں کہ "ان احصرتم" کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بیماری یا رکاوٹ والی چیز یا خوف بھی احصار میں شامل ہیں۔

ان روایات سے بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی بھرپور تائید ہو رہی ہے لہٰذا یہی مسلک قرآن و سنت کے مطابق ہے اور یہی قابل قبول ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۰۹- بَابُ تَكْفِينِ الْمُحْرِمِ

محرم کے کفن و دفن کا بیان

۵۰۲- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَفَّنَ ابْنَهُ وَاقِدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَدْ مَاتَ مُحْرِمًا بِالْجُحْفَةِ

ہمیں امام مالک نے جناب نافع سے خبر دی وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے واقد بن

وَغَطَّوْا رَأْسَهٗ.

عبداللہ کو کفن پہنایا وہ مقام جحفہ پر حالت احرام میں فوت ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کا سر ڈھانپ دیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِذَا مَاتَ فَقَدْ ذَهَبَ الْاِحْرَامُ عَنْهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ جب کوئی محرم انتقال کر جاتا ہے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے۔

حالت احرام میں انتقال کرنے والے کی تدفین وتکفین اور عام حالت میں مرنے والے کا معاملہ ایک سا ہے یا اس میں کچھ امتیاز ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ دونوں کے لئے ایک ہی طریقہ فرماتے ہیں۔ حالت احرام میں انتقال کرنے والے کیلئے بھی خوشبودار صابون اور بیری کے پتوں والا نیم گرم پانی غسل کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ اسے کفن پہناتے وقت عام مردوں کی طرح سر ڈھانپ دیا جائے گا کیونکہ انتقال کے ساتھ ہی احرام اور اس کے لوازمات ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا محرم اور غیر محرم کے مابین کوئی فرق نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے فرزند واقد کے انتقال پر انہیں عام آدمیوں کی طرح کفن دیا لیکن امام شافعی، احمد بن حنبل اور داؤد ابن علی کا مسلک کچھ مختلف ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ محرم کے انتقال کے بعد وہ بدستور احرام میں رہتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جسے تقریباً صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں سے ہر ایک نے نقل کیا۔ وہ یہ کہ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی گردن اس کی اونٹنی نے توڑ دی۔ وہ حضور ﷺ کے ساتھ حج میں تھا۔ اس کے انتقال کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیری کے پتوں والے نیم گرم پانی سے اسے غسل دو اور اس کا سر اور چہرہ کھلا رکھنا کیونکہ قیامت کے دن یہ لبیک لبیک کہتے اٹھے گا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما وغیرہما حضرات اس سے استدلال کرتے ہوئے حالت احرام میں مرنے والے کا احرام باقی رہنے کے قائل ہیں۔ روایت مذکورہ کا جواب علامہ بدرالدین عینی نے اسی حدیث کے تحت تفصیل سے ذکر فرمایا۔ ہم اس کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا یہ نظریہ ہے کہ روزے اور نماز کی طرح احرام بھی ایک عبادت ہے۔ جو موت سے منقطع ہو جاتی ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تین کاموں کے سوا موت ہر عمل کو منقطع کر دیتی ہے۔ ان تین کاموں میں آپ نے احرام کو شامل نہیں فرمایا اور احرام کا عمل ہونا واضح ہے اور اگر احرام میت باقی رہتا تو اس کی طرف سے طواف کیا جاتا اور بقیہ مناسک بھی ادا کئے جاتے۔ (یا میت کو اٹھا کر اسے طواف کرایا جاتا اور دیگر مناسک میں اسے اٹھائے ہوئے ساتھ لے کر چلنا پڑتا) اور جو حدیث امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما نے پیش فرمائی ہے وہ عام قاعدہ کے خلاف ہے اس لئے اپنے مورد پر بند رہے گی۔ یعنی یہ حکم صرف اس محرم کے ساتھ مخصوص رہے گا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کیونکہ حدیث مذکور میں تمام احرام والوں کے لئے کوئی عمومی انداز نہیں نہ کوئی عام لفظ ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے عام محرمین کی تجہیز وتکفین کا مسئلہ بیان فرمایا اور عام حکم دیا اور نہ ہی کوئی قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا۔ یہ صرف ایک معین شخص کا واقعہ ہے اور آپ نے یہ بھی نہیں ارشاد فرمایا کہ یہ شخص کل قیامت کے دن تلبیہ کہتے ہوئے اسی لئے اٹھے گا کیونکہ یہ محرم تھا لہٰذا اس سے دوسرے محرمین پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اسے بیری کے پتوں والے پانی کے ساتھ غسل دینے کا حکم بھی اس حدیث میں موجود ہے اور احرام والے کے لئے ایسے پانی سے غسل کرنا جائز نہیں۔ امام طرطوشی نے کتاب الحج میں ایک روایت نقل کی جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حالت احرام میں مرنے والے کا سر نہ ڈھانپو ہاں چہرہ ڈھانپ دو اور مصنف عبدالرزاق میں جناب عطاء سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے چہرہ کو ڈھانپ دو اور یہود سے ان کی مشابہت نہ کرو۔ دار قطنی میں حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کے چہرہ کو ڈھانپ دیا کرو۔ ابن قطان نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ موطا میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے واقد حالت احرام میں فوت ہوئے۔ انہوں نے اسے کفن دیا اور اس کا چہرہ اور سر ڈھانپ دیا اور کہا اے واقد! اگر ہم محرم نہ ہوتے تو تمہیں خوشبو بھی لگاتے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۸ ص ۵۱ باب الکفن فی ثوبین، مطبوعہ بیروت)

عن عبد الملک عن عطاء انه سئل عن المحرم يغطى راسه اذا مات واذا كفن قال قد غطى ابن عمر..... عن جرير عن ابى طاؤس عن ابيه قال يغطى راس المحرم اذا مات..... عن يونس عن الحسن قال اذا مات المحرم فقد ذهب احرام..... عن ابراهيم عن عائشة قالت اذا مات المحرم ذهب احرام صاحبكم ..... عن الاسود عن عائشة انها سئلت عن المحرم يموت فقالت اصنعوا كما تصنعون بموتا كم ..... عن عبد الرحمن بن يسار قال سمعت عكرمة سئل عن الرجل يموت وهو محرم قال قدذهب احرام يكفن بما يكفن به الحلال ..... عن عطاء قال قال رسول الله ﷺ خمروا وجوهكم ولا تشبهوا باليهود عن جابر عن ابى جعفر قال فى المحرم يغطى راسه ولا يكشف......

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ حصہ اول ص ۳۵۲۔۳۵۳ فی المحرم یغطی رأسہ)

عطاء سے عبدالملک روایت کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کیا محرم کے انتقال کے بعد اس کا سر ڈھانپا جائے گا اور کفن دیتے وقت کیا سر پر کفن ڈالا جائے گا؟ فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (اپنے بیٹے کا) سر ڈھانپا تھا..... جریر ابی طاؤس سے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: محرم جب انتقال کر جائے تو اس کا سر ڈھانپا جائے گا..... حسن سے یونس روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب محرم فوت ہو جاتا ہے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے..... سیدہ عائشہ سے ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب محرم فوت ہو جاتا ہے تو تمہارے اس محرم ساتھی کا احرام ختم ہو جاتا ہے..... سیدہ عائشہ سے ہی جناب اسود بیان کرتے ہیں کہ ان سے محرم کے بارے میں پوچھا گیا کہ جب فوت ہو جائے تو کیا کیا جائے؟ فرمانے لگیں اس کے ساتھ وہی کچھ کرو جو تم دوسرے (غیر محرم) لوگوں کے مرنے کے بعد کرتے ہو..... عبدالرحمٰن بن یسار سے کہ میں نے عکرمہ سے سنا: ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں انتقال کر جائے تو کیا کیا جائے؟ فرمایا: اس کا احرام ختم ہو گیا اور اسے غیر محرموں کی طرح کفن دیا جائے..... عطاء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردوں کے چہرے ڈھانپ دیا کرو اور یہود کی مشابہت نہ کرو..... ابوجعفر سے جناب جابر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے محرم کے بارے میں فرمایا کہ مرنے کے بعد کفن دیتے وقت اس کا سر ڈھانپ دیا جائے گا اور اسے کھلا نہیں چھوڑا جائے گا۔

قارئین کرام! ''مصنف ابن ابی شیبہ'' سے ذکر شدہ آٹھ عدد روایات واضح طور پر یہ بتلاتی ہیں کہ محرم کے انتقال کے ساتھ ہی اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے اور اجلہ صحابہ کرام نے اس بارے میں صاف صاف ارشاد فرمایا کہ محرم کے انتقال کے بعد اس کے ساتھ تجہیز و تکفین کے معاملہ میں وہی طریقہ اپناؤ جو غیر محرم مرنے والے کے ساتھ اپناتے ہو۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو کیونکہ یہود اپنے میں سے مرنے والے کا منہ کھلا رکھا کرتے تھے لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ محرم کے انتقال

کے بعد اس کا منہ بھی ڈھانپ دینا چاہیے۔ مزید یہ کہ رسول کریم ﷺ نے مرنے والے سے صرف تین اعمال کے عدم انقطاع کا ذکر فرمایا جن میں احرام شامل نہیں ہے اس لئے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کا مذکورہ روایت سے استدلال درست نہیں۔ واقعہ مذکورہ میں محرم کا منہ کھلا رکھنا صرف اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو قاعدہ کلیہ اور قانون کے خلاف ہونے کی وجہ سے اپنے مورد کے ساتھ خاص رہے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۱۰- بَابُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ کی رات (دس ذوالحجہ کی رات) میں وقوف عرفہ کرنے کا بیان

۵۰۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ اَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ وہ کہا کرتے تھے جس نے مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے قبل وقوف عرفہ کرلیا اس نے حج پالیا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا بھی یہی عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

پورے مناسک حج میں دو رکن فرض ہیں۔ ایک وقوف عرفات اور دوسرا طواف زیارت اور اس پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہے کہ جس نے عرفات کا وقوف پالیا اس نے حج پالیا۔ اس کے ترک پر دم دینے سے ہرگز ہرگز کام نہیں بنتا اور نہ ہی وقت مقررہ کے بعد ادا کرنے سے یہ ادا ہوتا ہے۔ بخلاف طواف زیارت کے کہ اس کا وقت یوم نحر کے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس کا آخر کوئی متعین نہیں۔ اگر بالفرض کسی نے طواف زیارت اس سال نہ کیا تو اگلے سال یا اس سے اگلے سال جب بھی کرے گا ہو جائے گا۔ تاخیر پر دم دینا پڑے گا کیونکہ دم کے بغیر اس کا وقت یوم نحر کی صبح سے بارہ ذوالحجہ کی شام تک مقرر ہے۔ وقوف عرفات کا وقت کب سے کب تک ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صاحب عمدۃ القاری نے اس اختلاف کو یوں بیان کیا ہے۔

ابن بطال کا قول ہے کہ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نویں ذوالحجہ کے غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے نکل جائے یعنی آنے والی رات کی کوئی جزء وہاں نہ ٹھہرا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وقوف عرفات کا دارومدار رات کے ساتھ مخصوص ہے اور نواں دن اس رات کے تابع ہے لہٰذا اگر رات کی کسی جزء میں وقوف پایا گیا تو حج درست ورنہ حج باطل ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور امام شافعی رضی اللہ عنہم نویں کے دن پر اعتماد کرتے ہیں اور زوال شمس سے رات تک اور رات سے صبح تک کا تمام وقت دن کے تابع ہے اس لئے اگر کسی نے دن میں ایک لمحہ کے لئے وقوف کرلیا تو حج ہو گیا۔ اسی طرح یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے رات کی کسی جزء میں وقوف کیا، حج پھر بھی ہو جائے گا اور اگر کسی نے زوال شمس کے بعد کسی جزء میں وقوف کیا اور رات وقوف سے خالی رہی تو حج ہو جائے گا، لیکن دم دینا پڑے گا لیکن اگر رات کی کسی جزء میں وقوف پایا گیا تو دم لازم نہیں آئے گا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مسلک و مشرب یہ ہے کہ وقوف عرفہ کا وقت نویں ذوالحجہ کی طلوع فجر سے دسویں کی صبح تک ہے۔ رات اور دن کے اجزاء اس میں برابر ہیں کوئی کسی کا تابع نہیں ہے۔ ابن قدامہ اور علی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ جو شخص نویں تاریخ غروب آفتاب سے قبل عرفات سے نکل گیا۔ اس پر اکثر اہل علم کے نزدیک دم واجب ہے۔ ان میں سے عطاء، ثوری، شافعی، ابوثور اور اصحاب رائے شامل ہیں۔ ابن جریر نے کہا کہ ایسے شخص پر بدنہ لازم ہے اور حسن بن ابی حسن کے نزدیک اس پر اونٹ کی قربانی واجب ہے اور اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے نکل گیا لیکن پھر واپس آگیا اور سورج غروب ہونے تک

وہیں رہا تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱۰ ص ۵ باب الوقوف بعرفۃ مطبوعہ بیروت)

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے اختلاف مذاہب واضح ہو گیا۔ امام ابوحنیفہ' ثوری اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ جس نے نویں تاریخ کے زوال شمس سے دسویں کی صبح صادق تک وقوف کر لیا، اس کا وقوف معتبر اور حج ہو گیا لیکن میدان عرفات میں غروب آفتاب تک رہنا واجب ہے اگر یہ وقت وہ عرفات میں نہ رہا تو دم لازم آئے گا۔ سورج غروب ہونے کے بعد حجاج کا عرفات سے نکل آنا واجب ہے اور اگر کسی نے دسویں رات میں وقوف کیا تو اس کا بھی حج ہو گیا چونکہ اس نے رات کی جزء پالی ہے لہٰذا دم سے بچ گیا اس لئے احناف کے نزدیک اگر کوئی آدمی قربانی کی رات (جو مزدلفہ میں بسر کرنا پڑتی ہے) سیدھا عرفات میں وقوف کے لئے چلا گیا اور وقوف کے بعد صبح صادق مزدلفہ پہنچ کر وقوف مزدلفہ کر لیا تو اس پر دم لازم نہیں آئے گا۔ اس کی تائید میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن عبد الرحمن بن يعمر الديلمي رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول الحج عرفات الحج عرفات فمن ادرک ليلة جمع قبل ان يطلع الفجر فقد ادرک.

(بیہقی شریف ج ۵ ص ۱۱۶ باب وقت الوقوف مطبوعہ حیدر آباد دکن)

حضرت عبد الرحمٰن بن یعمر دیلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: حج عرفات ہے۔ حج عرفات ہے۔ سو جس نے طلوع فجر سے قبل مزدلفہ کی رات میں وقوف عرفہ کر لیا اس نے یقیناً حج کر لیا۔

حدثني عروة بن مضرس ابن اوس بن حارثة بن لام انه حج على عهد رسول الله ﷺ فادرک الناس وهم بجمع فانطلق الى عرفات ليلا فافاض منها ثم رجع الى جمع فاتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله ﷺ اتعبت نفسي وانضبت راحلتي فهل لي من حج فقال رسول الله ﷺ من صلى معنا صلوة الغداوة ووقف معنا حتى نفيض وقداتى عرفات قبل ذالک ليلا اونهارا فقدتم حجه وقضى تفثه.

(بیہقی شریف ج ۵ ص ۱۱۶ باب وقت الوقوف مطبوعہ دکن)

حضرت عروہ بن مضرس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں حج کیا وہ اس طرح کہ جب میں مکہ پہنچا تو لوگوں کو مزدلفہ میں جمع ہوئے پایا۔ میں راتوں رات عرفات آ گیا وہاں وقوف کیا اور پھر رات کے بقیہ حصہ میں مزدلفہ لوٹ آیا پھر میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں نے صرف اپنے آپ کو مشقت میں ہی ڈالا ہے اور اپنی سواری کو خواہ مخواہ تھکایا ہے۔ آیا میرا حج ہو گیا؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے فجر کی نماز ہمارے ساتھ مزدلفہ پڑھی اور ہمارے ساتھ یہاں وقوف کیا حتیٰ کہ ہم یہاں سے چل پڑے اور وہ اس سے قبل عرفات میں رات کو یا دن کو وقوف کر چکا ہو تو اس کا حج مکمل ہو گیا اور اس نے اپنا میل دور کر لیا۔

عن عطاء ان النبي ﷺ قال من ادرک عرفة قبل ان يطلع فقد ادرک الحج ومن فاته عرفة فقد فاته الحج. عن ابن عباس وابن الزبير قالا من وطي عرفة بليل فقد ادرک الحج. عن سالم بن عبد الله بن عمر قال اذا وقف الرجل بعرفة بليل فقد تم حجه وان لم يدرک الناس بجمع.

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے طلوع فجر سے قبل وقوف عرفہ پالیا اس نے یقیناً حج پالیا اور جس کا وقوف عرفہ فوت ہو گیا اس کا حج فوت ہو گیا۔ حضرت ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے رات کے کسی حصہ میں وقوف عرفہ کر لیا۔ اس نے حج پا لیا۔ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں جب کسی نے

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص ۲۳۵۔۲۳۶ حصہ اول قال اذا من لم وقف بعرفۃ قبل ان طلع الفجر فقد ادرک) رات کو وقوف عرفہ کرلیا اس کا حج یقیناً مکمل ہو گیا۔ اگر چہ لوگوں کو وہ مزدلفہ میں نہ پائے۔

روایات مذکورہ میں صاف صاف بیان ہے کہ عرفات کے وقوف کا وقت دسویں رات کی صبح صادق تک ہے اور جس نے اس دوران وقوف کرلیا اس کا حج ہو گیا لہٰذا ان روایات واحادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے دیگر ہم نوا حضرات کا مسلک احادیث وروایات کے مطابق ہے۔وقوف عرفہ حج کا رکن اعظم ہے۔اس کی ادائیگی پر حج کے ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے لہٰذا دسویں کی صبح صادق تک اس کی ادائیگی ہو جانی چاہیے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۱۱- بَابُ مَنْ غَرَبَتْ لَهُ الشَّمْسُ فِي النَّفْرِ الْأَوَّلِ وَهُوَ بِمِنًى

منیٰ میں بارہ ذوالحجہ کا سورج غروب ہو جانے کا بیان

٥٠٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ غَرَبَتْ لَهُ الشَّمْسُ مِنْ اَوْسَطِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَهُوَ بِمِنًى لَا يَنْفِرَنَّ حَتّٰى يَرْمِيَ الْجِمَارَ مِنَ الْغَدِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی وہ کہا کرتے تھے کہ جس کو منیٰ میں بارہ ذوالحجہ کا سورج غروب ہو جائے۔وہ صبح کنکریاں مارنے کے بغیر ہرگز نہ جائے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ.

امام محمد کہتے ہیں یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عام فقہاء کرام کا ہے۔

منیٰ سے روانگی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى" جو شخص بارہ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد کوچ کرنا چاہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس کو تیرہ ذوالحجہ کی رات وہیں منیٰ میں آگئی اور صبح رمی کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کی کنکریاں مارنا واجب ہے۔تیرہ ذوالحجہ کی واجب نہیں ہے اور اگر منیٰ میں تیرھویں رات آگئی تو اب منیٰ سے جانا جائز نہیں بلکہ صبح تیرہ ذوالحجہ کو زوال کے بعد رمی کر کے پھر جائے یہ بھی یاد رہے کہ دس' گیارہ' بارہ ذوالحجہ کی رمی آخر طلوع فجر تک ہے لیکن تیرہ تاریخ کی رمی کا وقت سورج غروب ہونے تک ہے۔اگر تیرہ کو وہاں رہتے ہوئے کسی نے رمی نہ کی اور رات آگئی تو اس پر دم واجب ہے۔یہی مسلک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔اس کی تفصیل ارشاد الساری الی مناسک ملا علی قاری ص ۱۶۳ پر موجود ہے۔بہرحال افضل یہ ہے کہ تیرہ تاریخ کو ظہر کے بعد رمی کر کے منیٰ سے روانہ ہو جانا چاہیے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا یہی عمل ہے۔

۲۱۲- بَابُ مَنْ نَفَرَ وَلَمْ يَحْلِقْ

منیٰ سے حلق کرائے بغیر آنے کا بیان

٥٠٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِهِ يُقَالُ لَهُ الْمُجَبَّرُ وَقَدْ اَفَاضَ وَلَمْ يَحْلِقْ رَاْسَهُ وَلَمْ يُقَصِّرْ جَهِلَ ذَالِكَ فَاَمَرَهُ عَبْدُ اللّٰهِ اَنْ يَرْجِعَ فَيَحْلِقَ رَاْسَهُ اَوْ يُقَصِّرَ ثُمَّ يَرْجِعَ اِلَى الْبَيْتِ فَيُفِيْضَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک مرد کو ملے جس کو مجبر کہا جاتا تھا۔وہ حلق یا قصر کیے بغیر منیٰ سے چل پڑا تھا۔اس نے یہ بے خبری کی وجہ سے کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے حکم دیا کہ واپس چلو پھر حلق یا قصر کراؤ۔ پھر واپس بیت اللہ کی طرف لوٹنا اور طواف زیارت کرنا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُهُ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے۔

اس باب کی شرح ہم گزشتہ ایک باب نمبر ۲۰۲ میں کر چکے ہیں۔ مناسبت کی وجہ سے چند باتیں تحریر کر دی جاتی ہیں۔ ایام منیٰ میں مناسک کے دوران ترتیب لازم ہے۔ ان میں تقدم وتأخر سے دم لازم آتا ہے۔ تقدم وتأخر سے مراد زمانے کے اعتبار سے ہے۔ ان مناسک میں سے رمی یعنی کنکریاں مارنے کا وقت مقرر ہے اور قربانی کا وقت بھی مقرر ہے لیکن حلق یا قصر اور طواف زیارت (افاضہ) کے لئے وقت مقرر نہیں۔ طواف زیارت اگر سال کے بعد بھی کیا گیا تو ہو گیا۔ دم لازم آئے گا لیکن حج فاسد نہ ہوگا۔ اس لئے مذکورہ باب میں جو مجبر کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے طواف زیارت پہلے کر لیا تھا اور حلق یا قصر بعد میں کیا چونکہ ابھی ان کے لئے حلق وقصر منیٰ میں کرنے کے بعد طواف افاضہ کو ادا کرنا ممکن تھا، اس لئے حضرت ابن عمر نے انہیں فرمایا کہ واپس منیٰ میں جاؤ اور حلق یا قصر کے بعد طواف زیارت پھر کرو ہم نے اس سے قبل ایسی روایات ذکر کر دی ہیں جن میں مناسک کی تقدیم وتاخیر پر دم کے لزوم کا ذکر ہے۔ اب ایک روایت ایسی بھی ذکر کئے دیتے ہیں جس میں حلق یا قصر اور طواف افاضہ کے تقدیم وتاخیر کو بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن جابر بن عبد الله ان رجلا قال یا رسول الله ﷺ ذبحت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج قال اخر حلقت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج قال اخر یارسول الله طفت بالبیت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج.

(طحاوی شریف ج ۲ ص ۲۳۶ باب من تقدم من حجہ نسکا قبل نسک مطبوعہ بیروت)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کنکریاں مارنے سے پہلے ہی میں نے ذبح کر لیا ہے۔ (اب کیا کروں؟) فرمایا جاؤ کنکریاں مارو کوئی حرج نہیں ہوا۔ ایک اور آیا اور عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ! میں نے ذبح کرنے سے قبل سر منڈوا لیا ہے۔ فرمایا جاؤ اب ذبح کرو اور کوئی حرج نہیں۔ ایک اور آیا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ! میں نے ذبح سے قبل بیت اللہ کا طواف کر لیا ہے۔ فرمایا: اب ذبح کر لو اور کوئی حرج نہیں ہوا۔

قارئین کرام! معلوم ہوا کہ جس طرح رمی، قربانی اور حلق یا قصر میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے اسی طرح اس روایت سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت بھی حلق یا قصر کے بعد کرنا چاہیے اور یہ ترتیب لازم ہے۔ اس کے ترک سے دم لازم آئے گا اور ''لا حرج'' کا معنی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یعنی گناہ نہیں ہوا۔ یہ دم کے لزوم کے منافی نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۱۳- بَابُ الرَّجُلِ يُجَامِعُ امْرَاَتَهٗ بِعَرَفَةَ قَبْلَ اَنْ يُّفِيْضَ

کسی شخص کا طواف زیارت کرنے سے قبل اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے کا بیان

۵۰۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ الْمَكِّيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ وَقَعَ عَلٰى امْرَاَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّفِيْضَ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّنْحَرَ بَدَنَةً.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں ابوالزبیر مکی نے عطاء بن ابی رباح سے خبر دی۔ وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی سے طواف زیارت کرنے سے قبل ہم بستری کر لی (اس کے متعلق کیا حکم ہے؟) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ اونٹ ذبح کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ حَجَّهٗ فَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ مَا يَقِفُ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهٗ وَلٰكِنْ عَلَيْهِ

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے وقوف عرفہ کر لیا اس نے حج کو پا لیا لہٰذا جو شخص وقوف عرفہ کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستری کرتا ہے اس کا حج

بُدْنَةٌ لِجِمَاعِهٖ وَحَجُّهٗ تَامٌّ وَإِذَا جَامَعَ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ لَا يَفْسُدُ حَجُّهٗ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

فاسد نہیں ہوا لیکن ہم بستری کی وجہ سے اس پر اونٹ کی قربانی دینا واجب ہے اور اس کا حج مکمل ہے اور اگر کوئی شخص طواف زیارت سے قبل اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس کا بھی حج فاسد نہیں ہوتا۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

گزشتہ اوراق میں ہم تحریر کر چکے ہیں کہ حج کا اہم رکن وقوف عرفات ہے کہ اس پر حج کے ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے۔ دوسرا رکن طواف زیارت ہے۔ طواف زیارت سے قبل اور وقوف عرفات کے بعد اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس پر اونٹ کی قربانی دینا لازم ہے اور اگر وقوف عرفات سے قبل جماع کیا تو حج ہی باطل ہوگیا۔ اس مسئلہ سے ملتے جلتے دیگر مسائل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف احادیث کی صورت میں کتاب الآثار میں بیان فرمائے۔ جو درج ذیل ہیں۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن عبد العزيز بن رفيع عن مجاهد عن ابن عباس رضى الله عنهما ان رجلا اتاه قال انى قبلت امراتى وانا محرم فخذفت بشهوتى قال انک شبق احرق دما وتم حجک قال محمد وبهذا ناخذ ولا يفسد الحج حتى يلتقى الختانان وهو قول ابى حنيفة رحمة الله عليه وكذالک بلغنا عن عطاء بن ابى رباح. محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن عطاء بن ابى رباح عن ابن عباس رضى الله عنهما قال اذا جامع بعد مايفيض من عرفات فعليه بدنة ويقضى مابقى من حجه وتم حجه قال محمد وبهذاناخذ وهو قول ابى حنيفة رحمة الله عليه.

(کتاب الآثار ص ۷۱ باب من وقع اھلہ وھو محرم مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمیں امام ابو حنیفہ نے خبر دی انہیں عبدالعزیز بن رفیع نے جناب مجاہد سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے حالت احرام میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہے پھر اپنی شہوت کو گرا دیا۔ (اب کیا کروں؟) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تو نے اپنی منی کو ٹپکایا لہٰذا تجھ پر دم لازم ہے اور تیرا حج مکمل ہے۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے۔ حج اس وقت تک فاسد نہیں ہوتا جب تک ہم بستری نہ پائی جائے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ اسی طرح ہمیں حضرت عطاء بن ابی رباح سے بھی روایت پہنچی ہے۔ امام محمد بیان کرتے ہیں کہ جناب عطاء بن رباح سے امام ابوحنیفہ بیان کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس پر اونٹ کی قربانی دینا لازم ہے اور حج کے باقی ماندہ افعال وہ پورے کرے اور اس کا حج مکمل ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

روایت مذکورہ میں وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے والے پر اونٹ کی قربانی دینا لازم بتایا گیا اور وطی کے بغیر صرف بوسہ لینے والے کے متعلق جو دم دینے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد مطلقاً قربانی ہے۔ وہ بکری ذبح کرے تب بھی جائز ہے اس کی تائید ایک حدیث سے ملاحظہ فرمایئے:

عن عطاء قال سئل ابن عباس عن رجل قضى

جناب عطاء سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس

المناسک کلها غیرانه لم یزر البیت حتی وقع علی امراته قال علیه بدنة.

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۲۷ باب الجنایات حدیث ۴ مطبوعہ قاہرہ)

رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے حج کے تمام مناسک ادا کئے لیکن بیت اللہ شریف کا طواف کرنے سے قبل اس نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا۔ (اس کے لئے کیا حکم ہے؟) فرمایا: اس پر بدنہ ہے۔

نوٹ: علامہ ذہبی نے یہ جو حدیث نقل فرمائی۔ یہ صحیح ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ بدنہ کا وجوب دو باتوں پر ہوتا ہے۔ ایک اس شخص پر کہ جس نے وقوف عرفات کے بعد طواف زیارت سے قبل اپنی بیوی سے جماع کرلیا اور دوسرا اس شخص پر کہ جس نے طواف زیارت حالت جنابت میں کیا۔ اس کی مزید تفصیل عنایہ شرح ہدایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۱ مطبوعہ مصر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو "من طاف طواف القدوم محدثا فعلیه صدقة" کی فصل میں ذکر کی گئی ہے۔

۲۱۴- بَابُ تَعْجِيْلِ الْإِهْلَالِ

احرام باندھنے میں جلدی کرنے کا بیان

۵۰۷- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ مَاشَانُ النَّاسِ يَاْتُوْنَ شُعْثًا وَاَنْتُمْ مُدَّهِنُوْنَ اَهِلُّوْا اِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو ایک مرتبہ فرمایا: اے اہل مکہ! لوگوں کی کیا حالت ہے کہ وہ غبار آلودہ پراگندہ بال لئے آتے ہیں اور تم لوگ بالوں کو تیل لگائے ہوئے ہوتے ہو۔ جب تمہیں ذوالحجہ کا چاند نظر آجائے تو احرام باندھ لیا کرو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ تَعْجِيْلُ الْهِلَالِ اَفْضَلُ مِنْ تَاْخِيْرِهٖ اِذَا مَلَكْتَ نَفْسَكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ احرام باندھنے میں جلدی کرنا تاخیر سے افضل ہے لیکن یہ اس وقت کہ جب آدمی اپنے اوپر قابو پاتا ہو۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا بھی قول ہے۔

احرام کہاں سے باندھا جائے؟ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ کب سے باندھے تو اس کے لئے کوئی تاریخ مقرر نہیں لیکن احرام بہرحال ایک عبادت ہے اور اس میں جس قدر زیادہ وقت اور عرصہ صرف ہو اسی قدر ثواب واجر میں اضافہ ہوگا۔ اسی لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق احرام جلدی باندھنے کو افضل قرار دیا کیونکہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ کے رہنے والوں کو نہاتے اور تیل سرمہ لگا کر سنورتے دیکھا۔ ادھر دوسری طرف باہر سے آنے والے حضرات احرام باندھے ہوئے ہوتے، اور ان کی حالت بظاہر پراگندہ ہوتی جو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں زیادہ محبوب ہے، تو آپ نے اہل مکہ کو فرمایا کہ اگر زیادہ پہلے نہ سہی لیکن ذوالحجہ کا چاند نظر آنے پر تمہیں احرام باندھ لینا چاہیے لیکن یاد رہے کہ یہ افضلیت اس کے لئے ہے جو احرام کے تقاضوں کو پورا کرسکے اور اسے نفس پر قدرت ہو۔ بہرحال موقع سر پر آنے سے پہلے احرام باندھ لینا بہت اچھا ہے کیونکہ یہ موقع بار بار نہیں ملتا اور پھر جو کیفیت حالت احرام میں ہوتی ہے وہ بغیر احرام کے نہیں ہوتی اس لئے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ احرام جلدی باندھ لیا جائے۔

جلدی احرام باندھنے کی فضیلت میں چند احادیث مقدسہ اور صحابہ کرام کا عمل۔

عن ام سلمی رضی الله عنها زوج النبی ﷺ انها سمعت رسول الله ﷺ یقول من

سیدہ ام المؤمنین ام سلمٰی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جس شخص نے

اھل بحجة او عمرة من المسجد الاقصى الی المسجد الحرام غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر او وجبت له الجنة. شک عبد الله اینهما قال.

(ابو داؤد شریف ج۱ص ۲۴۳ کتاب المناسک باب المواقیت مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

حج یا عمرہ کا احرام مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک باندھا، اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ یا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ راوی عبد اللہ کو ان دونوں باتوں میں شک گزرا کہ ان میں سے کونسی آپ نے بات فرمائی؟

عن عبد الله بن سلمی المرادی قال قال رجل لعلی ابن ابی طالب رضی الله عنه ماقوله (واتموا الحج والعمرة لله) قال ان تحرم من دویر اھلک. عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ فی قوله عزوجل (واتموا الحج والعمرة لله) قال من تمام الحج ان تحرم من دویرة اھلک.

(بیہقی شریف ج۵ص۳۰ باب من استحب الاحرام من دویرۃ اھلہ)

عبد اللہ بن سلمیٰ مرادی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: واتموا الحج والعمرة لله. (حج اور عمرہ اللہ کے لئے مکمل کرو) تو انہوں نے فرمایا: اتمام یہ ہے کہ تو اپنے گھر سے احرام باندھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول واتموا الحج والعمرة لله کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حج کے اتمام اور کامل ہونے میں یہ بات ہے کہ تو اپنے گھر سے احرام باندھ کر آئے۔

عن قتادة عن الحسن ان عمر بن الحصین احرم بالبصرة..... النافع عن ابن عمرانه احرم بالبیت المقدس ..... عن ابراھیم قالوا یحبون للرجل اولی مایحرم ان یھل من بیته..... عن جمرة القرشی عن ابیه ان ابن عباس احرم من الشام فی برد شدید..... عن الحکم بن عطیة قال اخبرنی من رای قیس بن عباد احرم من مربد البصرة..... عن ابراھیم قال کان علقمة اذا خرج حاجا احرم من النجف وقصر وقال مسور یحرم من القادسیة..... عن ابی لیلی ان علیا احرم من المدینة ..... عن ابی الشعثاء قال رایت الحارث بن سوید التیمی وعمرو ابن میمون احرما من الکوفة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ص ۸۲۔۸۳ حصہ اول باب فی تعجیل الاحرام)

جناب حسن سے قتادہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن حصین نے بصرہ سے احرام باندھا..... جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیت المقدس سے احرام باندھا..... ابراہیم سے روایت ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین اس شخص سے بہت عقیدت و محبت رکھتے تھے جو گھر سے احرام باندھ کر آتا..... جمرہ قرشی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سخت سردی میں بھی شام سے احرام باندھا..... حکیم بن عطیہ کہتے ہیں کہ مجھے دیکھنے والے نے خبر دی کہ جس نے جناب قیس کو دیکھا کہ انہوں نے بصرہ سے احرام باندھا..... ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ جب حج کے لئے گھر سے نکلتے تو نجف سے احرام باندھ لیتے اور قصر نماز پڑھتے اور انہوں نے ہی فرمایا کہ جناب مسور رضی اللہ عنہ نے قادسیہ سے احرام باندھا..... ابو لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے احرام باندھا..... ابو الشعثاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب حارث بن سوید تیمی اور عمرو بن میمون کو دیکھا کہ ان دونوں نے کوفہ سے احرام باندھا۔

قارئین کرام! ان تمام آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ احرام جلدی باندھنا افضل ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ اگرچہ دیر سے

باندھنے میں کوئی گناہ نہیں مگر احرام جس قدر جلدی باندھا جائے گا اسی قدر زیادہ وقت عبادت میں گزرے گا اور احرام کی پابندیوں کی تکلیف برداشت کرنے پر اجر وثواب پائے گا لیکن شرط وہی ہے کہ ایسا کرنے میں قوت برداشت ہو اور احرام کے تقاضے پورے کیے جاسکیں کیونکہ حاجی کے پراگندہ بال اور غبار آلود جسم اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہوتا ہے کہ فرشتوں پر اسے پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو یہ برکات نصیب کرے۔ آمین

۲۱۵- بَابُ الْقُفُوْلِ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ

حج یا عمرہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹنے کا بیان

۵۰۸- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا قَفَلَ مِنْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ غَزْوَةٍ يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثَلٰثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ حضور ﷺ جب حج یا عمرہ یا کسی غزوہ سے واپس لوٹتے تو زمین کی ہر اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ تکبیر کہتے اور پھر یہ کلمات ادا فرماتے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ الخ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک اور اسی کے لیے حمد ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ ہم عاجزی کرنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اس نے اپنے خاص بندے کی نصرت فرمائی اور کفار کی جماعتوں کو تنہا شکست دی۔

حضور ﷺ کی عادت کریمہ جو روایت بالا میں ذکر کی گئی ہے یعنی کسی اونچی جگہ پر چڑھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔ یہی بات بہت سی احادیث میں مذکور ہے۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

عن مكحول قال التلبية شمار الحج فاكثروا من التلبية عند كل مشرف وفي كل حين واكثروا من التلبية واظهروها. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص)

جناب مکحول سے روایت ہے کہ فرمایا: تلبیہ کہنا حج کی علامات میں سے ہے لہٰذا تلبیہ بکثرت کہا کرو۔ خاص کر جب کسی بلند جگہ پر چڑھو اور ہر وقت تلبیہ کہو اور بکثرت کہو اور بلند آواز سے کہو۔

عن نافع عن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ اذا قفل من الجيوش او السرايا او الحج او العمرة اذا اوفى على ثنية او لقي وفدا كبر ثلاثا ثم قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير. ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۵ باب ما یقول اذا رجع من سفر الحج)

جناب نافع حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ یا حج یا عمرہ سے واپس لوٹتے تو جب کسی اونچی جگہ (ٹیلہ) پر چڑھتے یا کسی وفد سے ملاقات ہوتی تو تین مرتبہ تکبیر ادا فرماتے پھر یہ کلمات ادا فرماتے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک الخ. اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک اور اسی کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ ہم عاجزی کرنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے

والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اس نے اپنے خاص بندے کی نصرت فرمائی اور کفار کی جماعتوں کو تنہا شکست فاش دی۔

۲۱۶- بَابُ الصَّدْرِ

حج یا عمرہ سے واپسی کا بیان

۵۰۹- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا صَدَرَ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّذِيْ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَيُصَلِّيْ بِهَا وَيُهَلِّلُ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذَالِكَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ سے واپس مدینہ منورہ روانہ ہوتے تو آپ اپنی سواری بطحا میں بٹھاتے جو ذوالحلیفہ میں ہے پھر وہاں نماز ادا فرماتے اور تسبیح وتہلیل کہتے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یونہی کیا کرتے تھے۔

۵۱۰- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَا يَصْدُرَنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْحَاجِّ حَتّٰى يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَاِنَّ اٰخِرَ النُّسُكِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اور وہ اپنے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ہر حاجی کو حکم دیا کہ کوئی حاجی بیت اللہ کا طواف کئے بغیر واپس نہ پلٹے کیونکہ حج کے مناسک میں سے یہ آخری فعل ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ طَوَافُ الصَّدْرِ وَاجِبٌ عَلَى الْحَاجِّ وَمَنْ تَرَكَهٗ فَعَلَيْهِ دَمٌ اِلَّا الْحَائِضَ وَالنُّفَسَاءَ فَاِنَّهَا تَنْفِرُ وَلَا تَطُوْفُ اِنْ شَاءَتْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل ہے کہ طواف صدر حاجی کے لئے واجب ہے اور جو اس کو ترک کرے گا اس پر دم لازم ہے مگر حیض ونفاس والی عورتیں، وہ بلا طواف کئے جاسکتی ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور یہی ہمارے عام فقہاء کرام کا مسلک ہے۔

بطحاء دو مختلف جگہوں کے نام ہیں۔ ایک مکہ مکرمہ کے قریب اور دوسرا مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں جگہوں میں قیام فرمایا۔ مکہ شریف کے نزدیک مقام بطحاء کے اور بھی نام ہیں۔ محصب، خیف، بنی کنانہ بھی اسی مقام کو کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ مکہ شریف کے مشہور قبرستان جنت المعلیٰ سے منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں آتی ہے۔ وادی محصب میں قیام حضرات صحابہ کرام نے بھی کیا لیکن یہاں قیام سنت مؤکدہ نہیں کہ جس کے ترک پر کفارہ وغیرہ لازم آئے۔

طواف صدر جس کا موطا کی مذکورہ عبارت میں ذکر ہے یہ وہ طواف ہے جو حج کے تمام مناسک ادا کرنے کے آخر میں ادا کیا جاتا ہے چونکہ یہ طواف کر کے حاجی اللہ تعالیٰ کے گھر خانہ کعبہ کو اشکبار آنکھوں سے الوداع کہہ رہا ہوتا ہے اس لئے اسے طواف الوداع بھی کہتے ہیں۔ اس کا وقت طواف زیارت کے بعد ہے۔ یعنی اگر کسی نے دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کیا اور ساتھ ہی بعد میں طواف الوداع کیا تو یہ طواف ہو گیا بلکہ اس میں یہ گنجائش بھی ہے کہ طواف زیارت کے بعد کوئی سا بھی طواف کر لیا تو وہ طواف صدر کے قائم مقام ہو جائے گا چونکہ یہ واجب ہے اس لئے اگر کوئی حاجی اس طواف کے کیے بغیر روانہ ہو گیا تو جب تک وہ میقات کے اندر ہے اسے واپس آ کر یہ طواف کر لینا چاہیے۔ اس صورت میں طواف صدر کرنے والے پر کوئی کفارہ یا دم لازم نہیں آئے گا اور اگر وہ میقات سے گزر

گیا تو پھر دم لازم آئے گا۔

موطا کی اس روایت میں ایک تو طواف صدر کا ذکر ہوا۔ یہ واجب ہے اور اس کے ترک پر دم لازم ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ حیض و نفاس والی عورتیں اس طواف کو ترک کر دیں کیونکہ اس کی ادائیگی مسجد بیت اللہ میں ہوتی ہے اور اس حالت میں عورت کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ چونکہ عورتوں کا یہ عذر ان کا اپنا اختیار کردہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا ان کے ترک پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ تیسری بات وادئ محصب میں حضور ﷺ کا قیام فرمانا مذکور ہوئی۔ اس پر بعد میں صحابہ کرام نے بھی عمل کیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل باب ۲۱۸ میں انشاء اللہ بیان ہوگی۔

۲۱۷- بَابُ الْمَرْأَةِ يُكْرَهُ لَهَا إِذَا حَلَّتْ مِنْ إِحْرَامِهَا أَنْ تَمْتَشِطَ حَتّٰى تَأْخُذَ مِنْ شَعْرِهَا

عورت کے لئے احرام کھولتے وقت قصر سے قبل کنگھی کرنا مکروہ ہونے کا بیان

۵۱۱- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ إِذَا حَلَّتْ لَا تَمْتَشِطُ حَتّٰى تَأْخُذَ مِنْ شَعْرِ رَأْسِهَا وَإِنْ كَانَ لَهَا هَدْيٌ لَمْ تَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهَا شَيْئًا حَتّٰى تَنْحَرَ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ احرام باندھے ہوئے عورت جب احرام کھول دے تو اپنے بالوں میں کچھ کاٹنے (قصر کرنے) سے قبل کنگھی نہ کرے اور اگر اس کے پاس قربانی کا جانور ہو تو اسے ذبح کرنے سے قبل وہ قصر نہ کرے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کرام کا ہے۔

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ احرام کھولنے کا وقت دسویں ذوالحجہ کو جمرہ عقبٰی کی رمی کے بعد قربانی کر لی جائے تو اب احرام سے نکلنے کا وقت آ گیا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس غرض کے لئے مرد کو حلق کرانا افضل اور قصر جائز ہے۔ ان میں سے کسی ایک کام کے کرنے سے احرام کا اختتام ہو جائے گا اور عورت کے لئے چونکہ حلق کی بجائے قصر کا حکم ہے اس لئے وہ قصر کے ذریعہ احرام سے باہر آئے گی چونکہ حلق یا قصر سے قبل احرام باقی ہوتا ہے اس لیے اگر اس سے قبل کسی عورت یا مرد نے سر کے بالوں میں کنگھی کی تو اس سے بال گرنے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں ہر بال کے گرنے پر فدیہ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر کسی نے حلق یا قصر سے قبل خوشبو لگائی تو اسے دم دینا واجب ہوگا اور اگر قربانی بھی حاجی اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ خواہ وہ لازم ہو یا نفلی۔ اس کے ذبح کرنے سے قبل کوئی مرد یا عورت حلق یا قصر نہ کرائے۔ یہ مسائل ہمارے ائمہ احناف سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۱۸- بَابُ النُّزُوْلِ بِالْمُحَصَّبِ

محصب میں اترنے کا بیان

۵۱۲- أَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا کہ آپ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وادئ محصب میں ادا کیا کرتے تھے پھر رات کے وقت مکہ شریف میں داخل ہوتے اور بیت اللہ شریف کا طواف کرتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ هٰذَا حَسَنٌ وَمَنْ تَرَکَ النُّزُوْلَ بِالْمُحَصَّبِ فَلَاشَیْءَ عَلَیْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔

امام محمد ہیں کہ محصب میں ٹھہرنا بہت اچھا عمل ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے ترک کیا جائے۔ بہرحال اس کے ترک پر کوئی شے لازم نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ محصب، ابطح، بطحاء اور خیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے مختلف نام ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں کفار نے باہم عہد کیا تھا اور قسمیں اٹھائی تھیں کہ بنی ہاشم کے ساتھ نہ کاروبار کریں گے اور نہ رشتہ داری قائم کریں گے۔ جب سرکار دوعالم ﷺ حج سے فارغ ہو گئے اور مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ کر کے مکہ شریف سے باہر نکلے تو وادیٔ محصب میں قیام فرمایا۔ یہ جگہ جنت المعلیٰ کے قریب ہے جو مکہ شریف کا مشہور قبرستان ہے۔ آپ نے یہاں چار نمازیں (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) ادا فرمائیں۔ اس جگہ ٹھہرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

اس بارے میں مختلف اقوال ملاحظہ فرمائیں:

قول اوّل: یہ سنت نہیں ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نزول الابطح لیس بسنة انما نزله رسول الله ﷺ لانه کان اسمح لخروجه اذا خرج.
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۲۲)

مقام ابطح میں اترنا اور ٹھہرنا سنت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہاں اس لئے اترے تھے، تاکہ مدینہ منورہ کی طرف جانے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

مطلب یہ کہ آپ نے یہاں قیام اس لئے فرمایا تاکہ سب حاجی آ جائیں اور اکٹھے مل کر مدینہ منورہ روانہ ہوں۔ یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ امام صاحب اپنے مسلک کی تائید میں صحیح مسلم کی ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ منیٰ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے وادیٔ محصب میں اترنے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن میں از خود وہاں گیا اور ایک خیمہ نصب کیا جب آپ یہاں تشریف لائے تو آپ نے قیام فرمایا۔ اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ وادیٔ محصب میں اترنا سنت نہیں ورنہ سرکار دوعالم ﷺ یہاں ٹھہرنے کا ضرور حکم دیتے تو معلوم ہوا کہ آپ نے یہ عمل بطور عادت کیا تھا۔

قول ثانی: وادیٔ محصب میں ٹھہرنا اور چار نمازیں ادا کرنا مستحب ہے۔ اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کل ہم انشاء اللہ خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے، جہاں کفار نے باہم قسمیں اٹھائی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث اسی سلسلہ کی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کہ ہم منیٰ میں تھے کہ کل ہم خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے جہاں کفار نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں۔ قریش اور بنو کنانہ نے یہ قسمیں کھائی تھیں کہ ہم بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ اس وقت تک شادی بیاہ نہیں کریں گے اور نہ ہی اس وقت تک کوئی لین دین کریں گے جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے سپرد نہیں کر دیتے۔ باقی رہا امام شافعی رضی اللہ عنہ کے استدلال کا جواب تو پہلی روایت جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی انہوں نے پیش فرمائی تھی اس میں انہوں نے وادیٔ محصب میں اترنے کی سنیت کی نفی فرمائی جس سے مراد سنت مؤکدہ کی نفی ہے اور سنت مؤکدہ کی نفی سے استحباب کی نفی نہیں ہوتی بلکہ استحباب اس کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ رہا دوسری حدیث کا جواب کہ جس میں جناب ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے از خود محصب میں آ کر خیمہ لگایا۔ حضور ﷺ نے حکم نہیں دیا تھا یہ ہے کہ خیمہ نصب کرنے کے حکم نہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں قیام خیمہ کے بغیر نہیں ہونا تھا بلکہ اس سے تو یہ عندیہ ملتا ہے کہ جناب ابورافع کو پتہ تھا کہ حضور ﷺ نے محصب میں قیام کے لئے تشریف لانا ہے جیسا کہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایات سے ثابت ہے تو آپ کے آرام کی خاطر جناب ابورافع نے ازخود خیمہ لگا دیا ہو۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا پروگرام تھا کہ وادیٔ محصب میں ٹھہریں گے۔ یہ قیام اس لئے تھا کہ اسی جگہ جہاں کفار نے اپنے کفر اور بنی ہاشم و بنو مطلب سے مقاطعہ پر قسمیں اٹھائیں تھیں۔ ہم وہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کا غلغلہ بلند کریں اور اس کے حضور شکر بجا لائیں کہ اس نے ہمیں بے شمار انعامات سے نوازا ہے۔ اس کی تائید میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن ابراهيم قال اذا انتهى الى الابطح فليضع رحله ثم ليزر البيت ويضطجع فيه حينا ثم لينفر. عن عمرو ابن دينار ان النبی ﷺ وابی بكر وعمر كانوا يحصبون.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۸۲ حصہ اول مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

جناب ابراہیم کہتے ہیں کہ جب حاجی مقام ابطح پر پہنچے تو اپنی سواری کو بٹھا دے پھر بیت اللہ کی زیارت کرے اور کچھ دیر کیلئے وہاں لیٹ جائے پھر مدینہ منورہ کی طرف کوچ کرے۔ عمرو ابن دینار کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ، ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے وادیٔ محصب میں قیام فرمایا۔

عن انس ابن مالک ان رسول الله ﷺ الظهر والعصر والمغرب والعشاء ورقد رقدة بالمحصب ثم ركب الى البيت فطاف به.

(بیہقی شریف ج ۵ ص ۱۶۰ باب الصلوٰۃ بالمحصب مطبوعہ دکن)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں محصب میں ادا فرمائیں اور کچھ دیر وہاں آرام فرمایا پھر بیت اللہ کی جانب سوار ہوئے اور یہاں پہنچ کر طواف ادا فرمایا۔

عن نافع عن ابن عمر انه كان يرى التحصيب سنة وكان يصلى الظهر يوم النفر بالحصبة قال نافع قد حصب رسول الله ﷺ والخلفاء بعده.

(بیہقی شریف ج ۵ ص ۱۶۰ باب الصدر بالمحصب)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وادیٔ محصب میں ٹھہرنا سنت سمجھتے تھے اور کوچ کے دن نماز ظہر آپ محصب میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ جناب نافع کہتے ہیں کہ تحقیق حضور ﷺ نے خود اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے محصب میں قیام کیا۔

عن عمر ابن الخطاب قال من السنة النزول بالبطح عشية النفر رواه الطبرانی فی الاوسط واسناده حسن. (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲ باب المنزول بعد النفر)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابطح میں اترنا کوچ کی شام کو سنت ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا اور اس کی اسناد حسن ہیں۔

ان روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ محصب میں اترنا اور ٹھہرنا سنت (غیر مؤکدہ) ہے جو یقیناً استحباب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس کی سنیت کی نفی فرمانا دراصل "سنت مؤکدہ" کی نفی ہے ورنہ حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا اسے سنت قرار دینا درست نہ ہوگا۔ دونوں روایات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ نفی سے مراد "مؤکدہ" کی نفی اور اثبات سے مراد "غیر مؤکدہ" کا اثبات لیا جائے۔ ان دونوں کو استحباب لازم ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔

۲۱۹- بَابُ الرَّجُلِ يُحْرِمُ مِنْ مَكَّةَ هَلْ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ

جو شخص مکہ شریف سے احرام باندھے کیا وہ بیت اللہ کا طواف کرے گا؟ اس کا بیان

۵۱۳- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے بتایا کہ

كَانَ اِذَا اَحْرَمَ مِنْ مَّكَّةَ لَمْ يُطِفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى وَلَا يَسْعٰى اِلَّا اِذَا طَافَ حَوْلَ الْبَيْتِ.

جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ شریف سے احرام باندھتے تو بیت اللہ شریف کا طواف بھی نہ کرتے اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے۔ ہاں منٰی سے واپس آ کر یہ کام کرتے اور سعی اس وقت کرتے جب بیت اللہ شریف کے ارد گرد طواف کرتے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ فَعَلَ هٰذَا اَجْزَاهُ وَاِنْ طَافَ وَرَمَلَ وَسَعٰى قَبْلَ اَنْ يَّخْرُجَ اَجْزَاهُ ذٰلِكَ كُلُّ ذٰلِكَ حَسَنٌ اِلَّا اَنَّا نُحِبُّ لَهٗ اَنْ لَّا يَتْرُكَ الرَّمَلَ بِالْبَيْتِ فِى الْاَشْوَاطِ الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ اِنْ عَجَّلَ اَوْ اَخَّرَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں اگر کوئی شخص اس طرح کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور اگر مکہ شریف سے نکلنے سے قبل وہ رمل' طواف اور سعی کر لے تو یہ بھی درست ہے۔ یہ سب باتیں اچھی ہیں مگر ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت پہلے تین چکروں میں رمل کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ چاہے یہ طواف جلدی کرے یا تاخیر سے کرے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اس باب میں طواف زیارت اور اس کے متعلق کچھ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ طواف زیارت حج کا دوسرا عظیم رکن ہے۔ اس طواف کے ساتھ سعی بین الصفا والمروہ بھی کرنا ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج کا احرام جب مکہ شریف سے باندھتے تو طواف اور سعی کئے بغیر سیدھے منیٰ تشریف لے جاتے پھر جب منیٰ میں کنکریاں مارتے، قربانی دیتے اور حلق یا قصر سے فارغ ہو جاتے تو واپس تشریف لا کر طواف اور سعی ادا فرماتے۔ طواف زیارت کا وقت حج کے آخر میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ وقت سے قبل ادا نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جب سعی کی جائے تو اس سے پہلے طواف کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں رمل اور اضطباع دونوں امر پائے جائیں۔ ''اضطباع'' دائیں بغل کے نیچے سے چادر کو نکال کر بائیں کندھے پر چادر کی دونوں اطراف ڈال دینے کو کہتے ہیں اور ''رمل'' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے اس طرح کہ پاؤں کی انگلیوں پر بوجھ ڈالا ہوا ہو اور کندھوں کو پہلوانوں کی طرح حرکت دی جا رہی ہو۔ اس کو رمل کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے پہلے تین چکروں میں رمل کیا تھا اس لئے اب بھی یہی حکم باقی ہے تین چکروں کے بعد بقیہ چار چکر اپنی حالت اور عادت کے مطابق چل کر کئے جائیں گے۔ قانون یہ ہے کہ جب طواف کے بعد سعی کا ارادہ ہو تو اس طواف میں اضطباع اور رمل کئے جاتے ہیں اور اگر صرف خالی طواف مقصود ہو۔ (اس کے بعد سعی کی نیت نہ ہو) تو یہ طواف رمل اور اضطباع کے بغیر کیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کا وقت اگرچہ حج کے بعد ہے۔ اس لئے اگر کوئی حاجی نفلی طواف کرنے کے بعد سعی کر لیتا ہے تو اس کی یہ سعی طواف زیارت کے بعد کی جانے والی سعی کا بدل بن جائے گی کیونکہ طواف زیارت کے بعد لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے اور سعی کرنے میں دشواری کا سامنا ہو سکتا ہے اس لئے اگر سعی پہلے ہی کسی نفلی طواف کے ساتھ کر لی گئی تو اب طواف زیارت کے بعد سعی کی رخصت ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف دو صورتوں میں سے ایک صورت پر قائم ہے اس لئے امام محمد نے فرمایا: اگر کوئی شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح طواف زیارت کے بعد سعی کرتا ہے، تب بھی درست ہے اور اصل طریقہ یہی ہے اور اگر کوئی حاجی کسی نفلی طواف کے بعد سعی کر چکا ہے تو اب اسے طواف زیارت کے بعد سعی کرنی ضروری نہ رہی بلکہ یہی اس کے قائم مقام ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ ''ارشاد الساری الیٰ مناسک ملا علی قاری'' ص ۹۶ باب انواع الاطوفۃ میں مذکور ہے کہ سعی کے مقدم ہونے کی افضلیت میں اختلاف ہے لیکن اگر قارن ہے تو طواف زیارت کے بعد جو سعی ہے، اس کی

تقدیم کی افضلیت متفق علیہ ہےکیونکہ قارن کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ دو مرتبہ سعی اور دو مرتبہ طواف کرے گا۔ پہلی مرتبہ طواف اور سعی کرنے سے اس کا عمرہ ادا ہوگا اور پھر طواف اور سعی کرے۔ یہ دوسرا طواف، طواف قدوم ہوگا لہٰذا حج سے قبل اگر سعی پائی گئی تو اب سعی کا تکرار جائز نہیں لہٰذا قارن نے جو طواف قدوم میں سعی کر لی ہے، وہ طواف زیارت کے لئے بھی کفایت کر جائے گی لہٰذا اب طواف زیارت میں رمل اور اضطباع کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں ایسے طواف میں ادا کی جاتی ہیں جس کے بعد سعی کرتا ہو۔ قارن چونکہ پہلے ہی رمل اور اضطباع کر چکا ہے جس کے بعد سعی بھی ادا کر چکا ہے اس لئے اسے طواف زیارت میں یہ دونوں باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۲۰- بَابُ الْمُحْرِمِ يَحْتَجِمُ

محرم کے پچھنے لگوانے کا بیان

٥١٤- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ احْتَجَمَ فَوْقَ رَأْسِهٖ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمٌ بِمَكَانٍ مِنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ يُقَالُ لَهُ لَحْيُ جَمَلٍ.

ہمیں امام مالک نے خبر دی کہ یحییٰ بن سعید نے ہمیں سلیمان بن یسار سے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے سر انور میں پچھنے لگوائے اور آپ اس دن احرام باندھے ہوئے تھے جس جگہ آپ نے پچھنے لگوائے وہ مکہ شریف کے راستہ میں ایک جگہ ہے جسے ''لحی جمل'' کہا جاتا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِاَنْ يَحْتَجِمَ الرَّجُلُ وَهُوَ مُحْرِمٌ اُضْطُرَّ اِلَيْهِ اَوْلَمْ يُضْطَرَّ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَحْلُقُ شَعْرًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر عمل ہے کہ کوئی شخص حالت احرام میں اگر پچھنے لگواتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ اس کے لئے مجبور ہو یا نہ ہو۔ ہاں پچھنے لگوانے کیلئے بالوں کو نہ منڈوائے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

٥١٥- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ اِلَّا اَنْ يُضْطَرَّ اِلَيْهِ.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں جناب نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی فرمایا کہ محرم مجبوری کے بغیر پچھنے نہ لگوائے۔

احرام باندھنے کے بعد پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا ثبوت حضور ﷺ کے عمل شریف سے ملتا ہے لیکن ایک احتیاط کی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی وہ یہ کہ پچھنے لگوانے میں اکثر و بیشتر پچھنے والی جگہ سے بال اتار کر پچھنے لگوانے پڑتے ہیں اس لئے محرم شخص پچھنے لگواتے وقت بال نہ منڈوائے ورنہ ہر بال کے بدلہ میں فدیہ دینا پڑے گا۔ یہ پابندی یا شرط امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے از خود نہیں لگائی بلکہ اس کا ذکر احادیث میں ہے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

عن العلی ابن المسیب قال قال لعطاء یحتجم المحرم فقال نعم قد فعل ذالک رسول الله ﷺ ولکن لا یحلق شعرا.

جناب علی بن میتب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت عطاء سے پوچھا کیا محرم پچھنے لگوا سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ حضور ﷺ نے بھی یہ کام کیا تھا لیکن پچھنے لگوانے والا بال نہ منڈوائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۷۸ حصہ اول باب فی المحرم تحجم الخ)

اس کے ساتھ ساتھ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مسئلہ بھی بیان فرمایا وہ یہ کہ پچھنے لگوانے کا عمل خواہ بامر مجبوری ہو یا بغیر مجبوری کے، دونوں طرح جائز ہے۔ اس بارے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ بال منڈوانا بہرحال فدیہ سے خالی نہ ہوگا لیکن بامر مجبوری منڈوائے گئے تو صرف فدیہ اور بغیر مجبوری منڈوائے تو فدیہ کے علاوہ گناہ بھی لازم آئے گا۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ

کا واقعہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہیں جوؤں کی وجہ سے حضور ﷺ نے بال منڈوانے کی اجازت دے دی تھی لیکن فدیہ پھر بھی انہیں دینے کا حکم ملا تھا۔ اگر پچھنے لگوانے میں بال مونڈنے کی ضرورت نہیں پڑتی تو پھر ایسے پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۲۱- بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ بِسَلَاحٍ

مکہ شریف میں مسلح ہوکر داخل ہونے کا بیان

۵۱۶- اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ قَالَ اُقْتُلُوْا.

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ابن شہاب نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ شریف میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے سر انور پر خود تھی۔ پس جب آپ نے سر انور سے اسے اتارا تو ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا ہے (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔

قَالَ مُحَمَّدٌ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ حِيْنَ فَتَحَهَا غَيْرَ مُحْرِمٍ وَلِذٰلِكَ دَخَلَ وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ وَقَدْ بَلَغَنَا اَنَّهُ حِيْنَ اَحْرَمَ مِنْ حُنَيْنٍ قَالَ هٰذِهِ الْعُمْرَةُ لِدُخُوْلِ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ يَعْنِيْ يَوْمَ الْفَتْحِ فَكَذٰلِكَ الْاَمْرُ عِنْدَنَا مَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ فَلَابُدَّ لَهُ مِنْ اَنْ يَّخْرُجَ فَيُهِلَّ بِعُمْرَةٍ اَوْ بِحَجَّةٍ لِدُخُوْلِ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

امام محمد کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب فتح مکہ کے وقت مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ محرم نہ تھے اسی لئے آپ نے داخل ہوتے وقت سر انور پر خود پہن رکھی تھی ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے حنین سے احرام باندھا اور فرمایا کہ یہ احرام عمرہ کے لئے ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن احرام کے بغیر ہم مکہ شریف میں داخل تھے لہٰذا ہم احناف کے نزدیک یہی حکم ہے کہ جو شخص مکہ شریف میں احرام باندھے بغیر داخل ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وہاں سے باہر نکلے اور باہر جا کر عمرہ یا حج کا احرام باندھے کیونکہ وہ مکہ شریف میں بغیر احرام کے داخل ہوا تھا۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر عام فقہاء کرام کا قول ہے۔

باب کے مطابق ایک مسئلہ اور اس کے ضمن میں ایک واقعہ ذکر ہوا ہے واقعہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے دن مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے احرام باندھا ہوا نہیں تھا اور آپ اس وقت خود پہنے ہوئے تھے اور بعض روایات میں سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہوا بھی آیا ہے۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق دی گئی ہے، بہر حال یہ دونوں باتیں آپ کے احرام باندھے ہوئے نہ ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ احرام کی حالت میں مرد کے لئے سر ڈھانپنا ممنوع ہے اور آپ نے سر انور پر خود یا عمامہ پہن رکھا تھا۔ اسی طرح آپ کے غیر محرم ہونے کی دوسری دلیل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر فرمائی کہ حضور ﷺ جب حنین سے واپس لوٹے تو آپ نے احرام باندھا اور عمرہ کیا اور فرمایا کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت جو حالت احرام نہ تھی۔ یہ عمرہ اس کے بدلہ میں ہے۔ ان دونوں باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن غیر محرم حالت میں مکہ شریف میں داخل ہوئے تھے۔ اس صورت میں احناف نے جو مسلک اپنایا ہے۔ علامہ سرخسی نے ''المبسوط'' میں وہ یوں تحریر کیا۔

''جو شخص مکہ شریف میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔ اس کے لئے میقات سے احرام باندھے بغیر گزرنا جائز نہیں ہے وہ آنے

والا خواہ بہ نیت حج آنا چاہے یا تجارت و جنگ وغیرہ کے لئے مکہ شریف آنا چاہتا ہے کیونکہ حضرت ابن شریح خزاعی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین اور آسمان پیدا کئے اس دن سے مکہ شریف کو ''حرم'' بنایا ہے۔ مجھ سے پہلے اور بعد کسی کے لیے مکہ شریف میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے اور میرے لیے آج کے دن کے کچھ وقت کے لیے جنگ کرنے کی حرمت اٹھا کر اسے حلال کر دیا گیا تھا۔ اب تا قیامت مکہ شریف میں جنگ کرنا حرام رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو مکہ شریف میں معدود و محدود وقت تک کیلئے جنگ کی رخصت ملی تھی جس کا آپ نے خود ذکر فرمایا لہٰذا اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قتال کے لئے بغیر احرام کے مکہ شریف میں داخل ہونا صرف حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس خصوصیت کا اظہار اور فرق اس وقت ظاہر ہوگا جب کوئی دوسرا شخص احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل نہ ہو سکے۔

(المبسوط، ج ۴ ص ۱۶۷ باب المواقیت)

معلوم ہوا کہ مکہ شریف میں داخل ہونے کے لئے احرام ضروری ہے اور بغیر احرام باندھے داخلہ صرف اور صرف رسول کریم ﷺ کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اس کا قطعاً جواز نہیں لیکن امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ شریف میں احرام باندھے بغیر داخل ہونا مطلقاً جائز ہے۔ وہ اسی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں اور اسے حضور ﷺ کی خصوصیات میں شامل نہیں فرماتے۔ علامہ بدرالدین عینی نے احناف کا مسلک اور امام شافعی کے استدلال کا جواب یوں بیان کیا ہے:

اجیب عن ھذا بان دخوله ﷺ بمکة کان وھی حلال ساعة فکذالک دخلھا وھو غیر محرم وانه کان خاصا للنبی ﷺ ثم عادت احراما الی یوم القیامة فلا یجوز دخولھا لاحد بغیر احرام.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۹ ص ۲۴۴ باب فضل الحرم مطبوعہ بیروت)

(امام شافعی رضی اللہ عنہ کے استدلال کا) جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مکہ شریف میں بغیر احرام داخل ہونا آپ کے لئے کچھ وقت کے لئے حلال کر دیا گیا تھا اور اسی طرح قتال کے لئے مکہ شریف میں داخل ہونا یہ دونوں باتیں صرف آپ کے لئے حلال کی گئی تھیں' آپ کے بعد مکہ شریف کی حرمت قیامت تک کے لئے پھر بحال ہوگئی لہٰذا اب کسی کے لئے احرام باندھے بغیر مکہ شریف میں داخل ہونا (خواہ کسی غرض کے لئے ہو) جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا یعنی یہ کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے وقت بغیر احرام باندھے داخل ہونے کے بدلہ میں فتح حنین کے بعد احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا۔ مکہ یعنی مکہ شریف میں داخل ہوتے وقت غیر محرم حالت میں دخول کی قضاء ادا فرمائی۔ اس مسئلہ کے متعلق ایک قانون یا ضابطہ سمجھنے کے لائق ہے جسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ''المبسوط'' میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

''کوئی شخص کسی حاجت کے لئے جب مکہ شریف میں احرام کے بغیر داخل ہوا تو اس پر حج یا عمرہ کوئی ایک لازم ہو جاتا ہے۔ اب یہی شخص اگر وقت کے اندر یعنی اسی سال لوٹ آیا اور اسلامی فرضی حج کے لئے احرام باندھ کر داخل مکہ ہوا اور حج کر لیا تو یہی حج اس کا بدل ہو جائے گا اور اگر اس نے پہلی مرتبہ بغیر احرام باندھے داخل ہو کر مکہ شریف میں ہی قیام کیا یہاں تک کہ سال گزر گیا۔ اب دوسرے سال اسلامی حج کے لئے احرام باندھتا ہے اور حج کرتا ہے تو یہ اس پہلے سال کا بدل نہ بنے گا بلکہ اب اس پر اس پہلی مرتبہ احرام کے بغیر داخل ہونے کے بدلہ میں حج یا عمرہ کرنا لازم ہو جائے گا اور اگر کسی شخص نے میقات کو احرام باندھے بغیر عبور کر لیا پھر حج کا احرام باندھ لیا تو اس سے وہ دم ساقط ہو جائے گا جو میقات سے احرام باندھے بغیر گزرنے کی وجہ سے لازم ہوا تھا۔ اسی طرح ایک

شخص میقات سے احرام باندھے بغیر گزر گیا پھر دوسرے میقات پر آ کر احرام باندھا تو یہ کفایت کر جائے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ جس میقات سے احرام باندھے بغیر گزرا تھا اسی سے آ کر احرام باندھے۔ (المبسوط ج ۴ ص ۱۷۱ باب المواقیت)

بہر حال میقات سے احرام باندھے بغیر گزرنا ایک جرم ہے۔ اس کی تلافی کی مختلف صورتیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بغیر احرام باندھے مکہ شریف میں دخول فرمایا۔ آپ کا مکہ شریف میں آنا ۸ ھ رمضان شریف کی بیس تاریخ کو ہوا اور اسی سال یعنی ۸ ھ میں آپ نے پانچ شوال کو احرام باندھ کر پہلا عمرہ قضاء فرمایا۔ اس لئے ائمہ مجتہدین فرماتے ہیں کہ بغیر احرام داخل ہوئے اگر وہ سال گزر جائے تو دوسرے سال قضا کی جگہ دم ہی دینا پڑے گا۔

فاعتبروا یا اولی الا بصار

فضائل مدینہ منورہ

موطا میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل مدینہ منورہ اور زیارت قبر انور کا باب ذکر نہیں فرمایا حالانکہ دیگر تمام محدثین کرام نے حج کے بعد اس مسئلہ کو بھی بیان فرمایا۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ فضائل مدینہ منورہ ضرور ذکر ہوں لہٰذا ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں دو فصلیں لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ فصل اول میں مدینہ منورہ کے فضائل اور دوسری فصل میں روضۂ مبارکہ سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت اور اس کے متعلقات ذکر ہوں گے۔ وباللہ التوفیق

فصل اول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کی دو پتھریلی جگہوں کے درمیانی علاقہ کو "حرم" قرار دیا۔ اگر ان دونوں پتھریلی جگہوں کے درمیان ہرنیاں دیکھوں تو ان کو پریشان نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کے اردگرد چاروں اطراف میں بارہ میل تک "حرم" کی حدود مقرر فرمائیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۲ مطبوعہ اصح المطابع کراچی باب فضل المدینہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب لوگ کسی پھل دار درخت کا تازہ اور نیا پھل حاصل کرتے تو اسے سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر کر دیتے۔ آپ اسے قبول فرماتے اور ان لفظوں سے دعا کرتے۔ اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرمایا۔ ہمارے مدینہ میں برکت نازل فرما! ہمارے صاع میں برکت ڈال اور ہمارے مد میں برکت ڈال دے! اے اللہ! جناب ابراہیم علیہ السلام تیرے خلیل، تیرے بندے اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ شریف کے لئے دعا کی تھی میں ان کی دعا کے برابر بلکہ اس سے ایک گنا زائد دعا مدینہ کے لئے کرتا ہوں۔ (یعنی مکہ شریف کی بہ نسبت مدینہ منورہ میں برکتوں کا نزول دوگنا ہو جائے) پھر حضور ﷺ کسی چھوٹے بچے کو بلا کر نیا اور تازہ پھل اسے عطا فرما دیتے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۲)

جناب ابوسعید مولیٰ مہری بیان کرتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوسعید خدری کے پاس آئے اور مدینہ منورہ سے چلے جانے کے بارے میں مشورہ کیا اور یہاں کی مہنگائی اور اہل وعیال کی کثرت کی شکایت کی اور کہا کہ مدینہ منورہ کی مشکلات برداشت کرنے کی مزید ہمت نہیں رہی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں مدینہ منورہ چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ سے سن رکھا ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ کی تکالیف کو برداشت کرتے کرتے مر جائے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۳ باب فضل المدینہ)

سیدہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ منورہ آئے تو یہاں ایک وبائی بخار پھیلا ہوا تھا۔ابوبکر صدیق اور بلال رضی اللہ عنہما بیمار پڑ گئے۔جب حضور سرور کونین ﷺ نے صحابہ کرام کی بیماری دیکھی تو آپ نے دعا فرمائی۔اے اللہ! تو نے جس طرح ہمارے لئے مکہ شریف کو محبوب بنایا ہے۔اسی طرح مدینہ کو بھی محبوب بنادے یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے اور مدینہ کو صحت بخش مقام بنادے اور اس میں پھیلے ہوئے وبائی بخار کو مقام جحفہ کی طرف منتقل فرمادے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۳ باب فضل المدینہ)

خلاصۃ الوفاء میں امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچواں باب مدینہ منورہ کی مٹی اور پھلوں کے بارے میں ذکر کیا ہے۔اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ابن جوزی اور ابن نجار سے ''وفاء'' میں مذکور ہے کہ مدینہ کی گرد وغبار کوڑھ کے لئے شفاء ہے۔''جامع الاصول'' مصنفہ ابن اثیر میں ہے کہ جب سرکار دوعالم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ سے ان مؤمنین نے ملاقات کی جو پیچھے رہ گئے تھے۔انہوں نے راستہ میں اڑنے والے گرد وغبار کی وجہ سے اپنے اپنے چہرے کپڑوں میں ڈھانپ رکھے تھے۔بعض حضرات حضور ﷺ کے ساتھ بھی ایسے تھے،جنہوں نے اپنے اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے لیکن سرکار دوعالم ﷺ نے پورا راستہ اپنا چہرہ نہ ڈھانپا بلکہ کھلا ہوا رکھا۔ارشاد فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔مدینہ منورہ کی گرد وغبار میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔ابن زبالہ صیفی ابن ابی عامر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔مدینہ منورہ کی مٹی مؤمنوں کو مرض کوڑھ سے شفا بخشتی ہے۔

امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے اس شخص کو آنکھوں سے دیکھا کہ جس نے غبار مدینہ سے شفاء مانگی۔(اور پھر وہ شفا یاب ہو گیا) ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کے ہاں حاضر ہوا اس کے پاؤں میں پھوڑا تھا حضور ﷺ نے اپنی نشست گاہ کی چٹائی کے ایک کونہ کو اٹھایا اور اپنی شہادت کی انگلی پر اپنا لعاب دہن لگا کر مٹی پر لگایا پھر یہ کلمات ادا فرمائے:''بسم اللہ ریق بعضنا بتربت ارضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا. اللہ کا نام لے کر ہم میں سے کسی کا لعاب ہماری زمین کی مٹی سے مل کر ہمارے بیماروں کو شفاء بخشتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا ہے''۔اس کے بعد آپ نے اپنی انگلی مبارک پھوڑے پر رکھی۔یوں ہوا کہ جیسے وہ پھوڑا پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔اسی طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ دم کرنا موجود ہے۔نیز صحیح مسلم میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے درمیان جس جگہ کی بھی سات کھجوریں کھالیں تو صبح سے شام تک اسے کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی۔امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت بیان فرمائی کہ جس شخص نے مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے درمیان سے ''اجواء'' نامی ساتھ کھجوریں خالی پیٹ کھائیں تو شام تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی اور یہی روایت صحیحین میں اس اضافے کے ساتھ مروی ہے کہ اس پر نہ زہر اثر کرے گا اور نہ ہی کسی قسم کا جادو اس پر چل سکے گا۔

(جواہر البحار ج ۴ ص ۱۹۔۱۲۰ الفصل الخامس فی ترابہا وثمرھا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کی خاک اور غبار بھی شفاء بخش ہے اور بیماریوں کا تیر بہدف علاج ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مکہ شریف یا مدینہ شریف میں سے افضل کون ہے؟

علماء کرام کے درمیان یہ بات مختلف فیہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں سے افضل کون ہے؟ لیکن جس جگہ سرکار ابد قرار ﷺ آرام فرما ہیں۔خصوصاً جس قطعہ زمین سے آپ کا جسم اقدس ملا ہوا ہے۔وہ بالا تفاق ہر چیز سے افضل ہے۔اس کا مقابلہ نہ مکۃ المکرمہ کر سکتا ہے اور نہ ہی عرش اعظم اس کی ہمسری کا دم بھر سکتا ہے۔امام قسطلانی نے اس کی خوبصورت تفصیل بیان فرمائی۔ہم اسے

ناظرین کرام کی معلومات اور عقیدت کی مضبوطی کی خاطر پیش کر رہے ہیں۔

''مسند ابو یعلیٰ'' میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی گئی ہے۔ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہر پیغمبر کا آخری وقت اس جگہ آتا ہے جو جگہ اس کے نزدیک تمام مقامات سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوتی ہے اور اسی قانون کے مطابق جو جگہ حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ترین تھی، ایک تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب ترین ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے اور دوسرا آپ اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر اسے ہی پسند فرمائیں گے لہٰذا جو جگہ اللہ اور اس کے رسول (جل وعلا و ﷺ) کو محبوب تر ہوئی وہ ہی تمام مقامات سے افضل بھی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ شریف بشمول مکہ شریف تمام شہروں سے افضل ہے۔ مدینہ منورہ کیونکر افضل نہ ہو حالانکہ حضور ﷺ نے دعا کی تھی۔ اے اللہ! تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے مکہ شریف کے لئے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اور جن چیزوں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی میں بھی اتنی بلکہ اس سے زیادہ کی دعا کرتا ہوں اور یہ بات بالکل شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ حضور ﷺ کی دعا بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے افضل ہے۔ کیونکہ دعا کا مقام ومرتبہ دعا کرنے والے کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یوں دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ منورہ کو مکہ شریف کے برابر محبوب بنادے بلکہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت مکہ سے بھی زیادہ ڈال دے۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی کیونکہ حاکم نے ایک روایت بیان کی کہ جب حضور ﷺ کہیں سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ دکھائی دیتا تو اس کی محبت کی خاطر اپنی سواری کو تیز کر دیتے۔ نیز امام حاکم نے یہ روایت بیان کی کہ جب رسول کریم ﷺ مکہ شریف سے ہجرت فرمانے لگے تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ اے اللہ! تو نے مجھے اس شہر سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اب مجھے اس شہر میں بسانا، جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ کی اس دعا سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ وہ شہر ہے جو اللہ تعالیٰ کو تمام شہروں سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اس استدلال پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں یوں آیا ہے: ''ان مكة خير بلاد الله . مکہ شریف بیشک اللہ کے تمام شہروں سے بہتر ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''ان مكة احب ارض الله الى الله. بے شک سرزمین مکہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین زمین ہے''۔ ان روایات اور ان جیسی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ شریف ہی سب شہروں سے افضل ہے۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث وروایات کے جواب میں رقمطراز ہیں:

مکہ شریف کی افضلیّت پر دلالت کرنے والی احادیث ہجرت سے قبل کے زمانہ پر محمول ہیں کیونکہ ہجرت سے قبل مکہ شریف ہی حضور ﷺ کو محبوب ترین تھا لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ محبوب ترین ہو گیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر مدینہ منورہ میں ہی اقامت پذیر ہونا لازم کر دیا اور حضور ﷺ نے پھر اپنے امتیوں کو مدینہ منورہ میں رہنے اور وہیں موت آنے کی ترغیب دی لہٰذا مدینہ منورہ کیوں نہ افضل ہو؟

مدینہ منورہ کی افضلیّت پر ایک اور اعتراض بھی کیا جاتا ہے وہ یہ کہ سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا اجر پچاس ہزار اور بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوگا۔ جب مکہ شریف میں عبادت کا ثواب بہ نسبت مدینہ منورہ کے دوگنا ملتا ہے تو لازماً افضلیّت مکہ شریف کو ہونی چاہیے۔

اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا وہ یہ کہ اجر وثواب میں زیادتی اس امر کو لازم نہیں کہ زیادتی ثواب والا عمل کم ثواب والے عمل سے کم درجہ نہیں ہوتا دیکھئے تا کہ جو شخص حج کی ادائیگی کے لئے آٹھویں ذوالحجہ کو منیٰ میں پانچ نمازیں ادا کرتا ہے اس کا منیٰ میں ان پانچ نمازوں کو ادا کرنا اپنی پانچ نمازوں کے کعبہ میں ادا کرنے سے افضل ہے۔ اگر چہ مسجد حرام میں نماز

کا ثواب یقیناً زیادہ ملتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ ان پانچوں نمازوں کو منیٰ میں ادا کیا جائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں نماز کی ادائیگی پر زیادتی ثواب کے قائل تھے۔ اس کے باوجود آپ مدینہ منورہ کو افضل قرار دیتے تھے۔

دوسرا جواب وہ ہے جو علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری'' ج ۷ ص ۲۵۶ پر ذکر کیا ہے وہ یہ کہ ابن ماجہ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی میں دوسری مساجد کی نسبت ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب ہے اور مسجد حرام میں دوسری مساجد کی نسبت ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب ہے لہٰذا دونوں کا اجر مساوی ہو گیا۔

تیسرا جواب یہ کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! تو نے جس قدر برکتیں مکہ شریف میں نازل فرمائیں اس سے دوگنا برکتیں مدینہ منورہ میں نازل فرما۔ آپ کی یہ دعا دینی اور دنیوی ہر قسم کی برکتوں کو شامل ہے۔ اس دعا کا اثر یہ نکلتا ہے کہ اگر مکہ شریف میں بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے تو مدینہ منورہ میں اس سے دو گنا یعنی دو لاکھ کا ثواب ہوتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ روایت کے مطابق یہ تسلیم کہ مکہ شریف میں ایک لاکھ کا ثواب اور مدینہ منورہ میں پچاس ہزار کا ثواب ہی ملتا ہے لیکن تعداد میں کمی کے باوجود یہ پچاس ہزار گنا ثواب قدر و منزلت کے اعتبار سے ایک لاکھ سے زائد قدر و منزلت رکھتا ہو جیسا کہ ایک طرف سے سو روپے کا نوٹ ایک ہی ہو اور دوسری طرف ایک ایک روپے کے پچاس نوٹ ہوں تو وہ ایک نوٹ ان پچاس نوٹوں کے مقابلہ میں تعداد میں اگرچہ بہت کم ہے لیکن قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت آگے ہے۔

پانچواں جواب یہ کہ بیت اللہ شریف میں نمازوں کے اجر کی زیادتی مدینہ منورہ کی افضلیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ مدینہ منورہ بحیثیت مجموعی مکہ شریف میں مسجد حرام کو چھوڑ کر مکہ شریف سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عیاش مخزومی کو فرمایا تھا کہ تم یہ کہتے ہو کہ مکہ شریف، مدینہ منورہ سے افضل ہے؟ عبد اللہ نے کہا کہ یہ (مکہ شریف) اللہ تعالیٰ کا حرم اور امن کی جگہ ہے اور اس میں بیت اللہ شریف بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں نہیں کہہ رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ عبد اللہ نے پھر وہی پہلے والا جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں نہیں کہہ رہا پھر عبد اللہ کو اشارہ کیا گیا اور وہ چلے گئے۔

علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ مکہ شریف میں فضیلت حج ہے۔ اس کے مقابلہ میں مدینہ منورہ کے اندر حضور ﷺ کی زیارت کی فضیلت ہے اور مکہ شریف میں مسجد بیت الحرام کی فضیلت ہے تو ادھر مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی فضیلت ہے۔ مکہ شریف میں عمرہ ادا کرنے کی فضیلت ہے تو مدینہ منورہ میں مدینہ میں مسجد قبا کی فضیلت ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اگرچہ مدینہ منورہ میں بہ نسبت مکہ شریف کے کم عرصہ قیام فرمایا لیکن دین اسلام کے اظہار و اعزاز کا سبب مدینہ منورہ ہی ہے۔ اکثر فرائض و ارکان اسلام کا نزول مدینہ منورہ میں ہی ہوا ہے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام مدینہ منورہ میں زیادہ مرتبہ آئے اور حضور ﷺ نے قیامت تک کے لئے مدینہ منورہ کو اپنا مستقل مقام منتخب فرمایا۔ کسی نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کہاں رہنا پسند کریں گے؟ امام مالک نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ کو ترجیح کیوں نہ دوں حالانکہ اس کی ہر گلی کوچہ میں حضور ﷺ کے قدموں کے آثار و برکات ہیں اور جبرئیل امین بھی یہاں بکثرت حاضر ہوتے رہے۔ طبرانی میں ہے: ''المدينة خير من مكة. مدینہ منورہ مکہ شریف سے بہتر ہے''۔ جزری کی روایت ہے: ''المدينة افضل من مكة. مدینہ منورہ مکہ شریف سے افضل ہے''۔ بخاری و مسلم میں سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے ایسی بستی میں جانے کا حکم دیا گیا جو تمام بستیوں کو اپنے اندر سمو لے گی۔ تم اسے یثرب کہتے ہو حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ وہ بستی لوگوں کا میل کچیل اس طرح دور

کرتی ہے، جس طرح بھٹی لوہے کا زنگ اور میل دور کرتی ہے۔ قاضی عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں اس امر کی تصریح ہے کہ مدینہ منورہ میں تمام بلاد اور بستیوں کے فضائل مجتمع ہیں۔ ابن منیر کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی فضیلتیں تمام بستیوں کی فضلیتوں پر غالب ہیں۔ یہاں تک علامہ سمہودی کا کلام ہے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ کو مکہ شریف سے افضل قرار دینے میں طویل بحث کی ہے۔ حالانکہ ہمارے امام حضرت محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ شریف افضل ہے لیکن بات یہ ہے کہ ہر شخص کی پسند اپنی اپنی ہے۔ جہاں کسی کا محبوب قیام پذیر ہوا سے وہی جگہ افضل نظر آتی ہے۔ علامہ قسطلانی مزید فرماتے ہیں کہ امام ترمذی، ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں سے اپنی موت تک مدینہ منورہ رہ سکتا ہو وہ اس وقت تک مدینہ ہی میں رہے کیونکہ جسے مدینہ منورہ میں موت آگئی، میں اس کی شفاعت کروں گا۔ مدینہ پاک کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی دھول اور گرد وغبار برص، جذام بلکہ ہر مرض کا علاج ہے اور یہ خاک شفاء ہے۔ امام زرین عبدری نے اپنی جامع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کی فرمایا کہ مدینہ منورہ کی کھجور زہر کے لئے تریاق ہے۔ ابن نجار نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً روایت کی ہے کہ ہر شہر تلوار سے فتح ہوا لیکن مدینہ منورہ قرآن سے فتح ہوا اور طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی کہ مدینہ منورہ اسلام کا گنبد اور ایمان کا گھر ہے۔ یہ ہجرت کی زمین ہے اور حلال وحرام کا مرکز ہے۔ مدینہ منورہ کے گرد وغبار، اس کی جگہوں اور ہر راستہ ومکان کو بلکہ اس کے ماحول تک ہر ایک کو رسول کریم ﷺ کی برکات حاصل ہیں۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۳۹۶۔۴۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

روضۂ رسول کریم ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور اس کے ثواب کا بیان

عن علقمة والاسود وعمرو بن ميمون بدوا بالمدينة وعن العبدى من المالكية المشى الى المدينة الزيارة قبر النبى ﷺ افضل من الكعبة وسياتى ان من نذر زيارة قبر النبى ﷺ لزمه الوفاء. (جواہر البحار ج ۴ ص ۲۶ مطبوعہ مصر من جواہر الامام سمہودی)

علقمہ، اسود اور عمرو بن میمون سے منقول ہے کہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے ابتدا کرتے اور امام مالک کے پیروؤں میں سے جناب عبدی سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونا تا کہ وہاں پہنچ کر حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی جائے۔ یہ کعبہ سے افضل ہے اور عنقریب آرہا ہے کہ جس شخص نے نذر مانی کہ میں حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کروں گا تو اسے اپنی نذر لازماً پوری کرنا پڑے گی۔

سرکار دوعالم ﷺ کی قبر انور یعنی آپ کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا بہت ہی بابرکت اور افضل عمل ہے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ اس سفر کو مذکورہ نیت کے ساتھ طے کرنے کی ممانعت کرتے ہیں اور صرف مسجد نبوی کی خاطر نیت کر کے سفر کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور اس اصلی مقصود کی نیت کرنے والا اگر مسجد نبوی کی زیارت کے تحت حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دے لیتا ہے تو اسے جائز کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے پیش نظر ایک حدیث پاک ہے جس میں تین مساجد کی طرف بہ نیت زیارت سفر کرنے کی اجازت ہے۔ ان کے سوا کی ممانعت ہے۔ وہ تین مساجد مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور مسجد نبوی ہیں۔ اس بارے میں سلف وخلف نے بہت طویل بحثیں کیں۔ جوابات لکھے۔ مقصد ومراد حدیث واضح کیا۔ ان تمام مباحث کا یہاں ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا۔ ان کا خلاصہ پیش کریں گے جس سے بات واضح ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

حدیث پاک کا مدعا یہ ہے کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سے اس نیت سے سفر زیارت کرنا کہ اس مسجد کی

عظمت وشان بھی ان تین مساجد جیسی ہے۔ اس نیت سے سفر کرنا نا جائز وحرام ہے۔ ورنہ سفر کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ سلف وصالحین جن کا معمول ابھی ہم نے جواہر البحار کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ان کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کرنے والا اگر جانب مدینہ سے آئے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری سے اس سفر مبارک کی ابتدا کرے تو یہ افضل طریقہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی غرض سے حاضر بارگاہ نبوی ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں خود رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''من زار قبری وجبت لہ شفاعتی. جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میں ضرور شفاعت کروں گا'' اور بزار نے عبدالرحمن بن زید اور ان کے والد کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوعاً روایت ذکر کی ہے: ''من زار قبری حلت لہ شفاعتی. جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی''۔ (بحوالہ جواہر البحار ج ۴ ص ۲۹)

طبرانی اور دار قطنی وغیرہ میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے: ''من جاء نی زائرا لا یعلمہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ۔ جو شخص میرے حضور زیارت ہی کی غرض سے آیا اس کی اور کوئی حاجت نہ تھی تو مجھ پر یہ فرض ہوگیا کہ میں کل قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا ہوں''۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مرفوعاً یہ روایت بھی ہے:

من جاء نی زائرا کان حقا علی اللہ ان اکون لہ شفیعا یوم القیمۃ وصححہ الحافظ ابن السکن۔

جو شخص میری زیارت کی خاطر حاضر ہوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا یہ حق ہوگیا کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اس روایت کی ابن سکن نے تصحیح فرمائی ہے۔

ایک اور روایت ہے:

ولابی جعفر العقیلی عن رجل من آل الخطا مرفوعا من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیمۃ ومن سکن المدینۃ وصبر علی بلائھا کنت لہ شھیدا وشفیعا یوم القیامۃ. عن حاطب مرفوعا من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن مات باحدی الحرمین بعث من الامنین یوم القیامۃ.

(جواہر البحار ج ۴ ص ۲۹ من جواہر الامام السمہوری)

جناب ابو جعفر عقیلی آل خطا کے ایک مرد سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے قصداً اور ارادۃً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جس نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور اس کی سختیوں پر صبر کیا۔ میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور اس کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ جناب حاطب سے مرفوعاً روایت ہے فرمایا: جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری ظاہری زندگی میں میری زیارت کی اور جو شخص مدینہ منورہ یا مکہ شریف میں کسی ایک کے حرم میں مرے گا وہ قیامت میں امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔

وقالت الحنفیۃ زیارۃ ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجات الواجبات. (جواہر البحار ج ۴ ص ۳۱)

احناف کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت مستحبات ومندوبات میں سے افضل عمل ہے بلکہ یہ تو واجبات کے درجہ کے قریب ہے۔

عن انس مرفوعا من زارنی میتا فکانما زارنی

حضرت انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ

حیا من زار قبری وجبت له شفاعتی یوم القیامة. وما من احد من امتی له سعة ثم لم یزرنی فلیس له عذر.

(جواہرالبحار ج۴ ص۴۹)

نے فرمایا: جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت لازم ہوگئی اور میری امت کے ہر اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت و گنجائش عطا فرمائی پھر اس نے میری زیارت نہ کی تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں۔

مطلب یہ کہ حج کرنے آیا اور فراغت کے بعد یا حج پر آنے سے قبل قبر انور کی جو شخص زیارت نہیں کرتا حالانکہ مالی طور پر اس کے پاس اخراجات کے لئے رقم موجود تھی۔ اگر اس سے کل قیامت کو پوچھا گیا کہ تو نے ہمارے محبوب ﷺ کی قبر انور کی حاضری کیوں نہ دی؟ تو اس کے جواب میں وہ جو عذر بھی پیش کرے گا وہ نہیں سنا جائے گا۔

عن جعفر بن محمد عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ من ذکرت عنده فنسی الصلوة علی خطی طریق الجنة.

(جلاء الافہام لابن القیم ص ۵۸)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے پھر وہ مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا بھول جاتا ہے اس نے جنت کا راستہ گنوا دیا۔

مذکورہ روایات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت اعلیٰ وافضل عمل ہے۔ ایسی روایات کو موضوع قرار دینا اور جس طرح بن پڑے اس عمل سے روکنا ازلی بدبختی ہے اور بغض رسول کی واضح علامت ہے۔ مانعین زیارت روضہ رسول ﷺ کے ہاں لے دے کر اگر کوئی آڑ ہے تو ایک روایت " لا تشدوا الرحال الا مساجد الثلاثة " ہے لیکن اس روایت کا مفہوم بالکل وہ نہیں ہے جو ان لوگوں نے بنا رکھا ہے یعنی روضہ رسول ﷺ کی زیارت کرنا اور اس کے لئے نیت کر کے اس طرف روانہ ہونا منع ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما○ (النساء:۶۴)

اور اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔ وہ آپ کے پاس حاضر ہوں پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی چاہیں اور رسول کریم ﷺ بھی ان کی معافی طلب فرمائیں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

آیت مذکورہ میں گنہگاروں کے لئے قبولیت توبہ کا ایک حتمی اور یقینی طریقہ سکھایا گیا۔ وہ ہے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر طلب مغفرت کرنا اور مغفرت کے طالب کے لئے سرکار دوعالم ﷺ کی سفارش کرنا۔ بارگاہ رسالت میں حاضری اس وقت تک بنفس نفیس حضور ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی صورت میں تھی۔ جب آپ ﷺ بنفس نفیس زمین پر رونق افروز تھے اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو پھر حاضر ہونے کا مطلب آپ کے روضہ اطہر پہ حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قیامت تک گنہگاروں کو اپنے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول پر حاضری دینے کی خوشخبری دی ہے اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حاضری دینے والے کے لئے قبولیت توبہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس پر سرکار دوعالم ﷺ بھی راضی ہوں۔ اگر آپ ناراض ہیں تو اس کے لئے آپ سفارش نہیں فرمائیں گے۔ لہٰذا حسن عقیدت اور محبت مصطفیٰ ﷺ قبولیت توبہ کے لئے لازمی شرط ہے اور یہ

بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر زائر کو جانتے پہچانتے ہیں اور اس کے عقیدہ ونیت پر باذن اللہ مطلع ہیں۔ **ذالک فضل الله یؤتیه من یشاء من عباده۔**

آیت مذکورہ سے ان حضرات نے استدلال کیا اور اسے حجت پکڑا۔ جو روضہ رسول اللہ ﷺ پر حاضری دینا اور اس کی نیت سے روانہ ہونا مباح بلکہ مستحباب میں سے اعلیٰ درجہ کا مستحب کہتے ہیں۔ دیابنہ (جو اکثر اس فعل کے مانعین ہیں) میں سے ایک مشہور دیوبندی محدث ظفر احمد عثمانی نے ''اعلاء السنن'' میں زیارت روضہ رسول کے قائلین کی دلیل یوں بیان کی ہے۔ (یاد رہے اعلاء السنن وہ کتاب ہے جسے عثمانی صاحب نے مولوی اشرفعلی تھانوی کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق مرتب کیا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے اس قول'' **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الاية** سے قبر انور کی زیارت کو جائز قرار دینے والوں نے اس کے استحباب کا استدلال کیا ہے۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ وصال شریف کے بعد اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں صراحتاً موجود ہے۔''**الا نبیاء احیاء فی قبورهم.** تمام پیغمبران عظام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں''۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح کہا اور اس کے متعلق پوری ایک جلد تحریر فرمائی۔ استاد ابو منصور بغدادی نے کہا کہ ہمارے اصحاب میں سے جو حضرات محققین و متکلمین ہیں، ان سب کا یہی کہنا ہے کہ حضور ﷺ انتقال کے بعد بالکل زندہ ہیں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے۔ انہوں نے جب سرکار دو عالم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہو کر اپنا چہرہ حضور ﷺ کی قبر انور پر رکھا۔ مروان نے جب یہ دیکھا تو انہیں اٹھایا اور پوچھنے لگا یہ کیا کر رہے ہو؟ جب جناب ابو ایوب انصاری نے اپنا چہرہ اٹھایا تو مروان نے پہچان لیا۔ مروان کو آپ نے جواب دیا: ''**جئت رسول الله ﷺ ولم ار الحجر.** میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ کسی پتھر یا اینٹ کے پاس نہیں'' (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲) جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کا حکم اب بھی باقی ہے اور آپ کے وصال شریف کے ساتھ حکم ختم نہیں ہو گیا۔ اس لئے ہر آدمی کو چاہیے کہ جس نے اپنے اوپر گناہوں کا بوجھ لا دلیا ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرے اور وہاں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ بھی استغفار کریں گے۔

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۹۳ ابواب الزیارات النبویہ مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

وقد اختلف فیها اقوال اهل العلم فذهب الجمهور الی انها مندوبة وذهب بعض المالکیة وبعض الظاهریة الی انها واجبة. وقالت حنفیة انها قریبة من الواجبات. (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۷۸ مطبوعہ دائرۃ الطباع المنیر یہ مصر اقوال العلماء فی حکم زیارۃ قبر النبی)

حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرنے کے مسئلہ میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ جمہور کا یہ مذہب ہے کہ یہ مندوب ہے۔ ظاہریہ اور بعض مالکیہ اس کو واجب کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ واجبات کے قریب قریب ہے۔

حضور ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور اس پر بہت سی صحیح احادیث شاہد ہیں اور جس گھر یا جگہ میں کوئی زندہ شخص قیام رکھتا ہو۔ اس کی زیارت کے لئے جانے میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ اس ممانعت پر قرآن و حدیث میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو اس بات کے پیش نظر جب قرآن کریم کی ایک آیت کو ہم دیکھتے ہیں تو مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله الایة والهجرة الیه فی حیاته الوصول الی حضرته کذالک الوصول الی حضرته کذالک الوصول

اور جو بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر گیا الآیہ۔ حضور ﷺ کی طرف ہجرت آپ کی حیات ظاہرہ میں آپ کی ذات مقدسہ کی طرف اور بعد از وصال

بعد موته. (نیل الاوطارج۵ص۱۷۸) آپ کے روضہ مقدسہ کی طرف جانے کا نام ہے۔

قارئین کرام! یہ سب جانتے ہیں کہ ہجرت ''اپنا گھر بار چھوڑ کر کہیں جانا'' ہے اور اس کے لئے سفر لازمی ہے لہٰذا حضور ﷺ کی حیات ظاہرہ میں کوئی مکہ شریف سے کوئی حبشہ سے اور کوئی مختلف جگہوں سے آپ کی طرف سفر کر کے آتا تھا اور اس کا ارادہ حضور ﷺ کی بارگاہ کی حاضری ہوتا تھا۔ جب اس ارادہ سے سفر ہجرت اجر عظیم کا حامل ہے تو پھر آیت مذکورہ کے مفہوم کے مطابق اب بھی جو شخص کسی علاقہ سے مدینہ منورہ میں روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی نیت سے سفر کرتا ہے، وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا لہٰذا اب زیارت قبر انور کے لئے سفر کرنا کم از کم مندوب ٹھہرے گا بعض مالکیہ اور ظاہر یہ جو وجوب زیارت کے معتقد ہیں۔ظفر احمد عثمانی دیوبندی نے ان کا استدلال ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

واستدل القائلون بالوجوب بحديث من حج ولم يزرني فقد جفاني . قالوا والجفاء للنبى محرم فتجب الزيارة.

(اعلاء السنن ج۱۰ص۴۹۴ دائرۃ القران کراچی)

جو حضرات حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے واجب ہونے کے قائل ہیں انہوں نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے۔''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے یقیناً مجھ سے زیادتی کی'' اور حضور ﷺ کو دکھ دینا حرام ہے لہٰذا زیارت قبر انور واجب ہوئی۔

روضہ مقدسہ کی زیارت کے جواز پر چند اعتراضات اوران کے جوابات

اعتراض ۱

عن علی عن النبی ﷺ قال لا تشدوا الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی هذا ومسجد الحرام والمسجد الاقصى ولا تسافر المراة فوق يومين الا ومعها زوجها او ذومحرم. رواه الطبرانی فی الصغير والاوسط. (مجمع الزوائد ج۴ص۳ مطبوعہ بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قصداً سفر صرف تین مساجد کی طرف کیا جائے۔ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور فرمایا کہ کوئی عورت دو دن سے زائد کا سفر بغیر خاوند یا محرم کے نہ کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روضہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی نیت سے قصداً سفر کرنے کی اجازت نہیں۔ ہاں بالقصد مسجد نبوی کی زیارت اس میں نماز ادا کرنے کے لئے کرے اور وہاں جا کر روضہ رسول کی بھی حاضری دے لے لیکن یہ بالتبع اور غیر مقصود ہو تو یہ صورت جائز ہے۔یہی استدلال ابن تیمیہ اور اس کے مقلدین کا ہے۔ جو بالقصد زیارت قبر انور کے لئے سفر کو ناجائز کہتے ہیں ہم اس استدلال کے چند جوابات تحریر کرتے ہیں۔جن سے اس حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔

جواب اول: صاحب مجمع الزوائد جناب امام علی بن ابی بکر الہیثمی روایت مذکورہ کے آخر میں لکھتے ہیں:''**وفیہ ابراهيم بن اسماعيل بن يحيى الكهيلي وهو ضعيف.** اس روایت میں راویوں میں سے ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل بن یحییٰ کہیلی ہے اور یہ ضعیف ہے''۔لہٰذا یہ روایت قرآن کریم کی آیت **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الاية** کے مقابل پیش نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی **ومن يخرج من بيته مهاجرا الاية** کے سامنے اس کا کوئی وزن ہے۔خاص کر ان حضرات کے لئے جو زیارت قبر انور کو واجب کا درجہ دیتے ہیں۔ان کے سامنے اس کی کوئی معتد بہ حیثیت نہیں ہے۔

جواب دوم: مشہور غیر مقلد علامہ شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں اس روایت کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا ہے:

جمہور نے اس حدیث "لا تشدوا الرحال" کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں قصر اضافی ہے حقیقی نہیں ہے یعنی دیگر مساجد کی نسبت سے ان تین مساجد کی طرف قصداً سفر کرنے کی اجازت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں اسناد صحیحہ کے ساتھ یہ مذکور ہے۔ "کسی سفر کرنے والے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مسجد کی طرف سفر کرے کہ اس میں نماز کا فائدہ زیادہ ہوگا۔ ماسوا مسجد اقصیٰ، میری مسجد اور مسجد حرام کے۔" لہٰذا زیارت وغیرہ اس نہی سے خارج ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰)

جواب کی وضاحت یوں ہے کہ حضور ﷺ نے تین مساجد کے سوا قصداً سفر کی جو ممانعت فرمائی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ان تین مساجد کے برابر کسی اور مسجد کو سمجھ کر وہاں نماز پڑھنے کے لئے سفر نہ کرے کیونکہ ان تینوں مساجد سے بڑھ کر کوئی دوسری مسجد افضل نہیں۔ گویا ان تین مساجد کی تخصیص بقیہ مساجد کے مقابلہ میں ذکر کی گئی۔ اسی کو قصرِ اضافی کہتے ہیں۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ یا کسی اور مقصد کی خاطر سفر کرنا ممنوع ہے۔ یہ قصرِ حقیقی بنے گا۔ اسی "مجمع الزوائد" میں ج ۴ ص ۳ پر ایک روایت مذکور ہے۔ "ابو بصرہ غفاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی وہ طور سے واپس ہوئے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ کہنے لگے طور سے آرہا ہوں میں وہاں نماز پڑھنے گیا تھا یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میری ملاقات تیرے ساتھ تیرے اس سفر سے پہلے ہو جاتی تو پھر تو یہ سفر نہ کرتا کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تین مساجد کے سوا کسی اور کا سفر نہ کیا جائے مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ۔" معلوم ہوا کہ فضیلت و مرتبہ جو ان تین مساجد کو حاصل ہے ایسا مرتبہ اور فضیلت کسی دوسری مسجد کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ان میں نماز پڑھنے کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوہ طور پر نماز پڑھنے کو افضل سمجھ کر اس طرف کا سفر کرنا درست نہ تھا۔ "مجمع الزوائد" میں ایک اور روایت مذکور ہے۔ "کہ شہر نامی آدمی بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ ان کے سامنے کوہِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر چھڑا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کسی سفر کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسجد کی طرف سفر کرے تاکہ اس میں نماز کی فضیلت کو تلاش کرے مگر تین مساجد کی طرف سفر کرے۔ مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ۔

ان تمام روایات سے "لا تشدوا الرحال" کا مفہوم واضح ہوا کہ اس سے مراد مذکورہ تین مساجد میں ادا کی جانے والی نماز کی فضیلت کسی اور مسجد میں تلاش کرنے یا سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ اس میں کسی مزار یا روضہ مقدسہ کی زیارت یا مسجد میں مطلقاً نماز ادا کرنے کے لئے سفر کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ اس سے حدیث مذکورہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

جواب سوم: صاحب نیل الاوطار علامہ شوکانی غیر مقلد نے حدیث مذکورہ کا مفہوم بتاتے ہوئے لکھا ہے جو دراصل اعتراض کا جواب بھی ہے۔

تجارت کی خاطر اور دنیوی اغراض و مقاصد کے حصول کی خاطر سفر کرنا بالاجماع جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ وقوف عرفات کے لئے، مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے، منیٰ اور مزدلفہ میں جانے کے لئے، جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا واجب ہے۔ یونہی دارِ کفر سے دار اسلام کی طرف سفر کرنا واجب ہے۔ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا لازم ہے۔

(نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۱)

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب کچھ سفر ایسے ہیں جن کو وجوب کا درجہ حاصل ہے حالانکہ ان میں سے کسی میں بھی ان تین مساجد کی طرف سفر کرنے کی پابندی نہیں تو پھر کیا مذکورہ حدیث کی آڑ لے کر صرف اور صرف رسول کریم ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا ہی منع رہ گیا تھا؟ دراصل لوگوں کو ایک بہت بڑی نعمت سے محروم رکھنے کی احمقانہ کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مانعین کو عقل و

خردعطافرمائے۔

جواب چہارم:

واحتج ایضا من قال بالمشروعیة بانه لم یزل داب المسلمین القاصدین للحج فی جمیع الازمان علی تبائن الدیار واختلاف المذاهب لوصول الی المدینة المشرفة لقصد زیارته ویعدون ذالک من افضل الاعمال ولم ینقل ان احدا انکر ذالک علیهم فکان اجماعا.

(نیل الاوطار ج۵ ص۱۸۱)

جن حضرات نے زیارت روضۂ مقدسہ کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس کے جواز پر یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب وہ حج پہ آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو باوجود مختلف مذاہب اور مختلف مقامات کے وہ مدینہ منورہ میں زیارت قبر انور کا ضرور ارادہ کرتے ہیں اور پھر اسے روبکار بھی لاتے ہیں اور اس کو وہ افضل الاعمال شمار کرتے چلے آرہے ہیں اور ان حضرات کے اس فعل وقصد پر کسی ایک کا بھی اعتراض و انکار منقول نہیں لہٰذا یہ اجماعاً ثابت ہو گیا۔

اعتراض ۲

حدیث پاک میں وارد ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا تتخذوا قبری عیدا** میری قبر کو عید نہ ٹھہراؤ"۔ یعنی جس طرح عوام عید کے لئے ہجوم در ہجوم آتے ہیں تم اس طرح میری قبر کی طرف نہ آؤ۔

جواب: مذکورہ الفاظ کے ارشاد نبوی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس کا جو مفہوم ذکر کیا گیا وہ الفاظ کے مطابق نہیں ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو! دیکھو! عید کا سال بھر میں دن مقرر ہے۔ وقت مقرر ہے عید ہر روز نہیں ہوتی۔ تم میری قبر پر حاضری اور اس کی زیارت کے لئے ایسا نہ کرنا کہ سال میں صرف ایک دو مرتبہ آجاؤ اور کوئی ایک وقت مقرر کر لو بلکہ تمہیں جب بھی فرصت ملے اور اشتیاق زیارت ہو تو اپنا شوق حاضری دے کر پورا کر لینا۔ حدیث مذکور کا یہ مفہوم صاحب نیل الاوطار نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

لا تتخذوا قبری عیدا لانه یدل علی الحث علی کثرة الزیارة لا علی منعها وانه لا یهمل حتی لا یزار الا فی بعض الاوقات کالعیدین ویؤیده قوله علیه السلام لا تجعلوا بیوتکم قبورا ای لا تترکوا الصلوة فیها کذا قال الحافظ المنذری وقال السبکی معناه انه لاتتخذوا لها وقتا مخصوصا لا تکون الزیارة الا فیه اولا تتخذوه کالعیدفی العکوف علیه واظهار الزینة والاجتماع للهوو غیره کما یفعل فی الاعیاد بل لا یوتی الا للزیارة والدعاء والسلام والصلوة ثم ینصرف عنه.

(نیل الاوطار ج۵ ص۱۸۱)

"**لا تتخذوا قبری عیدا**" یہ حدیث پاک اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کثرت سے کرنی چاہیے نہ اس پر کہ زیارت قبر انور ممنوع ہے اور اس کا یہ مفہوم ہے کہ قبر انور کو مہمل نہ چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح کہ صرف چند مخصوص اوقات میں اس کی زیارت کی جائے جس طرح کہ عیدین ہیں۔ اس مفہوم کی تائید حضور ﷺ کا یہ قول شریف فرماتا ہے۔ "اپنے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ"۔ یعنی ان میں نماز ادا کرنا ترک نہ کرو۔ یہ مفہوم حافظ منذری نے بیان فرمایا اور امام سبکی فرماتے ہیں کہ حدیث مذکورہ کا معنی یہ ہے کہ زیارت قبر انور کے لئے کوئی وقت مخصوص نہ کر لو۔ اس طرح کہ اس وقت مخصوص میں ہی زیارت کے لئے آؤ (اور آگے پیچھے زیارت نہ کرو) یا اس کا یہ معنی ہے کہ جس طرح عید کو تم زیب وزینت کرتے ہو اور اکٹھے ہوتے ہو اور لہو ولعب میں مشغول ہو جاتے ہو۔ یہ باتیں میری قبر

کی زیارت کے ساتھ نہ کرنا بلکہ یہاں آنا تمہارا اس لئے ہونا چاہیے کہ زیارت کرو، دعا کرو، صلوٰۃ وسلام پڑھو اور پھر لوٹ جاؤ۔

مذکورہ حدیث پاک کے معانی اور مفاہیم جو علماء کرام اور محدثین ومحققین نے ذکر فرمائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک عجیب فصاحت وبلاغت بھرے انداز میں زیارتِ قبرِ انور پر مسلمانوں کو ابھارا ہے اور اس کے آداب ملحوظ رکھنے کا اشارہ فرمایا ہے۔ اس حدیث پاک کو زیارت قبر انور سے منع پر پیش کرنا سیاق کلام سے نا آشنائی ہے اور بدنصیبی کی علامت ہے۔

اعتراض ۳

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کی جاتی ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کو مکروہ بتایا ہے۔ جب اتنے بڑے امام کا یہ فتویٰ ہے تو پھر اس کا جواز کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: دراصل جو بات امام مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ معترض اسے سمجھا ہی نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ منسوب ہے، ان کا تحقیقی قول ثابت نہیں اور دوسری بات یہ کہ آپ نے حضور ﷺ کی قبر انور پر حاضری دینے کو ''زیارت کرنا'' کے الفاظ استعمال کرنے کو مکروہ بتایا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

قیل انما کرہ اطلاق لفظ الزیارۃ لان الزیارۃ من شاء فعلھا ومن شاء ترکھا وزیارۃ قبرہ ﷺ من السنن الواجبۃ کذا قال عبد الحق.

(نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۱)

بیان کیا گیا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے لفظ ''زیارت'' کے بولے جانے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ زیارت کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی مرضی وہ کرے اور جو چاہے نہ کرے حالانکہ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت ایسی نہیں بلکہ وہ تو سنن واجبہ میں سے ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق نے کہا۔

اعتراض ٤

جن احادیث میں حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرنے کا ذکر ملتا ہے وہ تمام کی تمام احادیث قابل حجت نہیں۔

عن ھارون ابی قزعۃ عن رجل من ال حاطب عن حاطب قال قال رسول اللہ ﷺ من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن مات باحد الحرمین بعث من الامنین یوم القیامۃ.

(دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸ مطبوعہ قاہرہ حدیث ۱۹۳)

ہارون ابی قزعہ ایک شخص سے بیان کرتے ہیں جن کا تعلق آل حاطب سے ہے وہ حاطب سے بیان کرتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری زیارت میرے وصال کے بعد کی اس نے گویا میری زیارت میری زندگی میں کی اور جس کا انتقال حرمین میں سے کسی ایک میں بھی ہوا وہ قیامت کے دن امن والوں میں اٹھے گا۔

اس روایت میں ہارون ابی قزعہ کا شیخ مجہول ہے۔ اسی وجہ سے امام بیہقی نے اس روایت کو مجہول الاسناد کہا ہے۔ ملاحظہ ہو ''بیہقی شریف'' ج ۵ ص ۲۴۵۔ لہٰذا ایسی روایت جو اسناد کے اعتبار سے مجہول ہے۔ ایسی روایت سے یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت جائز ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب ''اعلاء السنن'' میں یوں دیا گیا ہے کہ ہارون ابی قزعہ کا شیخ اور استاد بہرحال تابعین کرام میں سے کوئی تابعی ہے اور تابعی کا مجہول الحال ہونا کیا مقام رکھتا ہے؟ **المجھول فی القرون الفاضلۃ حجۃ عندنا فالحدیث حجۃ وفی الباب عن عبد اللہ بن مسعود وابو ھریرۃ وعن انس بن مالک وابن عباس وعلی ابن ابی طالب وغیر ھم اذا**

ضمت صادت حجة قوية وقد ذكر صاحب الوفاء الوفاء ج۲ص۳۰۳باسانيد ها فلير اجع۔

(اعلاء السنن ج۱۰ص۴۹۸مطبوعہ دائرۃ القرآن کراچی)

حضرات تابعین کرام کے بابرکت زمانہ کے کسی راوی کا مجہول الحال ہونا ہمارے ہاں حجت ہے لہٰذا حدیث مذکور حجت ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، انس بن مالک، ابن عباس اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات سے بہت سی روایات ہیں۔ ان کو جمع کیا جائے تو مضبوط حجت ہوئیں۔ صاحب وفاء الوفاء نے اپنی کتاب کی ج۲ص۳۰۳ پر ان روایات کی اسناد ذکر کی ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اول تو خود حدیث مذکور قابل حجت ہے کیونکہ اس کا صرف ایک راوی مجہول ہے اور وہ چونکہ تابعی ہے اس لئے تابعی کی جہالت، حجت کے مانع نہیں۔ دوسرا اس مضمون کی تائید اور توثیق میں اجلہ صحابہ کرام سے روایات موجود ہیں تو اس طرح یہ مضمون ومسئلہ مختلف طرق واسانید کی وجہ سے انتہائی مضبوط و مستحکم ہوگیا۔

اعتراض ۵

"**من زار قبری وجبت له شفاعتی** جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی"۔ اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن ہلال عبدی ایک راوی ایسا ہے جس پر محدثین کرام نے جرح کی ہے جس کی وجہ سے یہ مجروح ہوئی اور مجروح روایت سے استدلال درست نہیں ہوتا۔ صاحب نیل الاوطار نے بھی روایت مذکورہ کے بعد لکھا ہے۔ **مجهول ای مجهول العدالة.** یعنی موسیٰ بن ہلال عبدی کی عدالت کا علم نہیں لہٰذا ایسی روایت سے قبر انور کی زیارت کا جواز ثابت کرنا درست نہ ہوا۔

جواب: معترض نے "نیل الاوطار" سے روایت مذکورہ کے ایک راوی کے بارے میں جرح کا ذکر کیا، کیا اچھا ہوتا کہ "نیل الاوطار" کی بقیہ عبارت بھی نقل کر دی جاتی۔ بقیہ عبارت ملاحظہ ہو:

قال احمد لا باس به وايضا قد تابعه عليه مسلمة بن سالم كما رواه الطبرانى من طريقه وموسى بن هلال الذكور رواه عن عبيد الله بن عمر عن نافع وهو ثقة من رجال صحيح وجزم ايضا المقدسى والبيهقى وابن عدى وابن عساكر بان موسى رواه عن عبد الله بن عمر المكبر وهو ضعيف ولكنه قد وثقه ابن عدى وقال ابن معين لاباس به وروى له المسلم مقرونا باخر وقد صحح هذا الحديث ابن السكن عبد الحق وتقى الدين السبكى.

(نیل الاوطار ج۵ص۱۷۹مطبوعہ مصر)

امام احمد نے کہا کہ موسیٰ بن ہلال کی روایت کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس مسئلہ پر اس کی اتباع مسلمہ بن سالم نے بھی کی ہے جیسا کہ طبرانی نے اپنی اسناد سے اسے ذکر کیا اور موسیٰ بن ہلال مذکور راوی عبید اللہ بن عمر سے وہ نافع سے روایت کرتے ہیں اور وہ ثقہ ہے اور صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور مقدسی، بیہقی، ابن عدی اور ابن عساکر نے اس پر جزم کیا ہے کہ موسیٰ مذکور عبید اللہ بن عمر المکبر سے روایت کرتا ہے۔ وہ ضعیف ہے لیکن اس کی ابن عدی نے توثیق کی ہے اور ابن معین نے کہا ہے کہ اس کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مسلم نے ایک اور راوی کو اس کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے۔ اس حدیث کو ابن السکن، عبدالحق اور تقی الدین سبکی نے صحیح کہا ہے۔

قارئین کرام! تمام محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔ حدیث مذکور بھی رسول کریم ﷺ کی فضیلت میں ہی ہے اور اس کا ضعف بھی بالاتفاق نہیں بلکہ جلیل القدر حضرات مثلاً امام احمد بن حنبل، طبرانی، ابن عدی، ابن معین اور تقی الدین السبکی نے اسے صحیح حدیث کہا ہے۔ جو جرح کی گئی ہے وہ بھی مجہول ہے لہٰذا ایسی جرح سے اس حدیث کو

ضعیف قرار دینا درست نہیں ہوسکتا۔ اس کے رجال میں سے عبداللہ بن عمر المکبر کو ضعیف کہا گیا ہے۔ خود اس نام کے راوی میں اختلاف ہے کہ یہ راوی عبداللہ بن عمر المکبر ہے یا عبداللہ بن عمر المصغر ہے۔ ''اعلاء السنن'' میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حدثنا عبید بن محمد بن قاسم بن ابی مریم الوراق حدثنا موسی بن هلال العبدی عن عبید الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما الحدیث. فثبت عن عبید بن محمد وهو ثقة ورواية على التصغير والرواة الى موسى بن هلال ثقات وموسى قال بن عدى ارجوانه لا باس به وقد روى عنه ستة منهم الامام احمد ولم يكن يروى الاعن ثقة فلا يضره قول ابى حاتم الرازى انه مجهول كذافى وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۹۴ فالحديث حسن صحيح قد صحح هذا الحديث ابن السكن وعبد الحق وتقى الدين السبكى.

حدیث کا سلسلہ اسناد یہ ہے کہ عبید بن محمد بن قاسم ابن ابی مریم الوراق، موسیٰ بن ہلال العبدی، عبیداللہ بن عمر، نافع، ابن عمر، یہ حدیث عبید بن محمد سے ثابت ہے اور وہ ثقہ ہے اور لفظ عبید مصغر ہے۔ ان سے موسیٰ بن ہلال تک تمام راوی ثقہ ہیں اور موسیٰ کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان سے صحاح ستہ میں روایت موجود ہے۔ ان میں سے امام احمد بھی ہیں جو صرف ثقہ لوگوں سے ہی روایت کرتے ہیں لہٰذا ابو حاتم رازی کے اس قول سے مذکورہ روایت کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچتی کہ موسیٰ بن ہلال مجہول ہے جیسا کہ وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۹۴ میں مذکور ہے لہٰذا حدیث حسن صحیح ہے اور ابن السکن، عبدالحق اور تقی الدین السبکی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۹۲۔۴۹۳ ابواب الزیارۃ النبویہ)

مذکورہ حدیث کی جو سند پیش کی گئی یہی سند دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸ میں مرقوم ہے گویا امام بیہقی اور دار قطنی ایک سند پر متفق ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ جس آدمی نے رسول کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے آپ کی شفاعت لازم ہوگئی۔ اب منع کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ زائرین کو حضور ﷺ کی شفاعت سے محروم رکھنے کے لئے جو حیلے بہانے وہ تراشتے ہیں۔ کیا وہ امت کے خیر خواہ ہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض ٦

''جواہر البحار'' سے نقل کردہ حدیث شریف بھی ضعیف ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری قبر کی زیارت نیت نیک سے کی۔ میں اس کے لئے قیامت کے روز گواہ اور شفیع ہوں گا''۔ اس کے رجال میں سلیمان بن یزید الکعبی راوی ہے۔ جسے ابن حبان اور دار قطنی نے ضعیف کہا۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۷۹ پر یہ بات درج ہے۔

جواب: ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ضعیف حدیث فضائل میں بالاتفاق معتبر ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ روایت مذکورہ کو ضعیف ہی کہا گیا ہے' موضوع تو نہیں کہا گیا بلکہ نیل الاوطار کے مذکورہ صفحہ پر یہ بھی منقول ہے۔ ذکره ابن حبان فی الثقات. سلیمان بن یزید کعبی کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت کئی اور اسناد سے بھی مروی ہے لہٰذا جب کوئی ضعیف روایت مختلف طرق سے مروی ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ ان تمام طرق میں کسی ایک راوی کے کذب یا ضعف پر اتفاق نہیں کیا گیا۔ اس لئے اسے درجہ حسن میں شمار کرنا جائز ہے۔

اعتراض ۷

''جو آدمی مدینہ شریف میں میری زیارت کے لئے آیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے''۔ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن وہب کی اسناد مجہول ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

جواب: صاحب وفاء الوفاء نے اعتراض وجواب سمیت اس روایت کوذکر فرمایا۔ ہم اسے من وعن نقل کرتے ہیں۔

محمد بن يعقوب حدثنا عبد الله بن وهب عن رجل عن بكربن عبد الله عن النبی ﷺ قال من اتی المدينة زائرا لی وجبت له شفاعتی يوم القيامة. ومن مات فی احد الحرمين بعث امنا ورواه يحيی بن الحسن بن جعفر الحسينی فی اخبار المدينة ولم يتكلم عليه السبكی ومحمد بن يعقوب هو ابو عمر الزبيری المدنی صدوق وعبد الله بن وهب ثقة ففيه الرجل المبهم وبكر بن عبد الله ان كان المزنی فهو تابعی جليل فيكون مرسلا وان كان بكر بن عبد الله ابن الربيع الانصاری فهو صحابی.

(وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۴۸ الباب الثامن الحدیث السابع عشر)

محمد بن یعقوب کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن وہب نے ایک شخص سے حدیث سنائی۔ وہ شخص بکر بن عبداللہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لئے آیا۔ قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی اور جس کا انتقال حرمین میں سے کسی حرم کے اندر ہوا وہ امن میں رہے گا۔ اس کو یحیٰی بن حسن بن جعفر حسینی نے اخبار مدینہ میں روایت کیا ہے۔ علامہ السبکی نے اس پر کوئی جرح نہیں کی اور محمد بن یعقوب وہی ہے جسے ابوعمر زبیری مدنی کہتے ہیں۔ وہ صدوق ہے اور عبداللہ بن وہب (دوسرا راوی) ثقہ ہے۔ آگے تیسرے درجہ میں ایک مبہم راوی ہے اور چوتھا راوی جس کا نام بکر بن عبداللہ ہے یہ اگر بکر بن عبداللہ المزنی ہے تو پھر جلیل القدر تابعی ہے لہٰذا روایات مذکورہ مرسل ہوگی اور اگر بکر بن عبداللہ ابن ربیع ہے تو یہ صحابی ہے۔

مجہول راوی اگر تابعی ہیں تو پھر حدیث مرسل ہوگی اور اگر صحابی ہیں تو پھر اس کی صحت میں کونسا اعتراض ہوسکتا ہے لہٰذا کسی طرح بھی اسے مجہول راوی کے اعتبار سے مجہول نہیں کہا جاسکتا۔ ایسے حیلوں بہانوں سے لوگوں کو سرکار دوعالم ﷺ کی قبرانور کی زیارت سے روکنا اور انہیں شفاعت سے محروم رکھنے کی کوشش کرنا کسی طرح بھی ایک دین دار کو زیب نہیں دیتا۔ آیئے وفاء الوفاء سے اسی امر کی ایک اور روایت دیکھ لیں۔

عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه لما صالح اهل بيت المقدس وقدم عليه كعب الاحبار واسلم وفرح باسلامه قال هل لک ان تسير معی الی المدينة وتزور قبر النبی ﷺ وتتمتع بزيارته فقال نعم يا امير المؤمنين انا افعل ذالک ولما قدم عمر المدينة كان اول ما بدا بالمسجد علی النبی ﷺ ذكره فی فتوح الشام.

(وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۷ الفصل الثانی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے بیت المقدس کے رہنے والوں سے صلح کی اور کعب احبار ان کے پاس آئے اور اسلام لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے سے بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے کعب احبار کو پوچھا کیا تم ہمارے ساتھ مدینہ منورہ چلو گے اور نبی کریم ﷺ کی قبرانور کی زیارت کرو گے اور اس کی زیارت سے بہرہ ور ہو گے؟ جناب کعب نے کہا اے امیر المؤمنین! ہاں یہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو سب سے پہلے جو آپ نے کام کیا وہ مسجد نبوی میں آکر حضور ﷺ کو سلام عرض کیا۔ اسے فتوح الشام میں ذکر کیا ہے۔

روایت مذکورہ اس بات کی صراحت کررہی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت نے قبرانور کی زیارت کا قصد کر کے جانب مدینہ منورہ سفر کیا اور ان کے ساتھ ایک بہت عظیم عالم بھی تھے۔ صاحب وفاء الوفاء نے یہ واقعہ اسی لئے بیان کیا تاکہ

چل جائے کہ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا بہترین عمل ہے اور حضرات صحابہ کرام اس پر کاربند رہے۔

فقہائے احناف نے بھی اس کی تصریح فرمائی۔ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں: ''**والاولی فیما یقع عند العبد الضعیف تجدید النیة لزیارة قبر النبی** ﷺ . اس عبدضعیف کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ حضور سرکار کائنات ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے لئے مخصوص نیت کر کے سفر کیا جائے (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ مصر) صاحب ردالمحتار شامی علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: ''**انها قریبة من الوجوب لمن له سعة.** حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت ہر اس شخص کے لئے جو گنجائش رکھتا ہو، واجب کے قریب ہے''۔ یہی نہیں بلکہ مزید فرماتے ہیں:

فان مر بالمدینة کاهل الشام بدأ بالزیارة لامحالة لان ترکها مع قربها یعد من القساوة والشقاوة وتکون الزیارة حینئذ بمنزلة الوسیلة وفی مرتبة السنة القبلیة للصلوة.

(ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۷ مطبوعہ مصر مطلب فی تفضیل قبرہ المکرم)

اگر کسی کا مدینہ منورہ کے قریب سے گزر ہو جیسا کہ اہل شام کا معاملہ ہے تو اسے رسول کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت لازماً پہلے کر لینی چاہیے کیونکہ قریب ہوتے ہوئے۔ اس سے محروم رہنا بہت بڑی سنگدلی اور بدبختی میں شمار ہوگا۔ ان حالات میں آپ کی قبر انور کی پہلے زیارت کرنا گویا ایک ذریعہ اور وسیلہ کے ہے جو نماز ادا کرنے کے لئے پہلے پورا کیا جاتا ہے اور یہ نماز کی ان سنتوں کی مانند ہے جو نماز سے قبل ادا کی جاتی ہیں۔

مدینہ منورہ اور آپ کی قبر انور کے چند آداب

حضور ختمی مرتبت ﷺ کا شہر مدینہ منورہ آپ کے چاہنے والوں کے لئے بڑے ادب و احترام والا شہر ہے۔ بہت سے عشاق ایسے دیکھے جاتے ہیں جو اس بابرکت شہر میں از راہ ادب جوتے نہیں استعمال کرتے۔ بہرحال ہر شخص کو اس کے ادب کے اعتبار سے نوازا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے بہت بڑے محقق علامہ ابن ہمام آداب شہر نبی کے بارے میں لکھتے ہیں:

واذا وصل الی المدینة اغتسل بظاهرها قبل ان یدخلها او توضا الغسل افضل ولبس نظیف ثیابه والجدید افضل وما یفعله بعض الناس من النزول بالقرب من المدینة والمشی علی اقدامه الی ان یدخلها حسن وکل ماکان ادخل فی الادب والجلال کان حسنا واذا دخلها قال بسم الله رب ادخلنی مدخل صدق الایة اللهم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من زیارة رسولک ﷺ مارزقت اولیاءک واهل طاعتک واغفرلی وارحمنی یاخیر مسئول لیکن متواضعا متخشعا معظما لحرمتها.

(فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۶ مع عنایہ شرح الہدایہ کتاب الحج مطبوعہ مصر)

جب خوش قسمت شخص مدینہ منورہ کے قریب پہنچ جائے تو مدینہ منورہ سے باہر ہی غسل کر کے پھر داخل ہو یا وضو کر لے لیکن غسل کر لینا افضل ہے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے اور نئے کپڑے پہننے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اور کچھ خوش عقیدہ لوگ جو یوں کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے باہر قریب ہی سواری سے اتر کر پیدل چلتے ہیں اور اسی طرح پیدل ہی چل کر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ فعل بہت اچھا ہے اور یہی نہیں بلکہ ہر وہ کام جو ادب وجلال کا آئینہ دار ہو وہ اچھا ہی ہے پھر جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں داخل ہونے لگے تو پڑھے: **بسم الله رب ادخلنی مدخل صدق الی اخر الایة . اللهم افتح لی ابواب رحمتک.** اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے اور مجھے اپنے رسول ﷺ کی زیارت نصیب فرما جو تو نے اپنے اولیاء اور بندگی گزاروں کو نصیب فرمائی' مجھے معاف فرما

دے، مجھ پر رحم فرما۔ اے اللہ! تو ہی بہتر ہے کہ جس سے مانگا جاتا ہے اور (اے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے) تو نہایت تواضع کرنے والا، ڈرنے والا، تعظیم بجالانے والا اور اس جگہ کی حرمت کو مدنظر رکھنے والا بن جا۔

اس موضوع پر ہمارے فقہاء کرام نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ سب کچھ لکھنا ایک ضخیم کتاب کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم صرف ایک دوحوالہ جات پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلا حوالہ ارشاد الساری الیٰ مناسک ملا علی قاری کا ملاحظہ فرمائیے:

ناظرا الی الارض او الی اسفل مایستقبله من الحجرة الشریفة ای من جدرانها محترزا عن اشوال النظر بما نهاک من الزینة متمثلا صورته الکریمة فی خیالک مستشعرا بانه علیه السلام عالم بحضورک وقیامک وسلامک ای بل بجمیع افعالک واحوالک وارتحالک ومقامک وکانه حاضر جالس بازاءک مستحضرا عظمته وجلالته ای هیبته وشرفه وقدره ای رفعته مرتبته ﷺ.

(ارشاد الساری الی مناسک ملا علی قاری ص ۳۳۸ باب زیارۃ سیدالمرسلین مطبوعہ بیروت)

روضۂ شریف کے زائر کو اس حال میں وہاں جانا چاہیے کہ وہ نگاہیں جھکائے، زمین کو دیکھتا جا رہا ہو یا پھر حضور ﷺ کے حجرہ شریفہ کی دیواروں کی ان جگہوں کو دیکھتا ہو جو سطح زمین سے بالکل متصل ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے اپنی نگاہ کو مسجد اور روضۂ مقدسہ کی زیب وزینت میں کھو جانے سے روکے اور کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ حضور ﷺ کی صورت مقدسہ کو اے زائر تو اپنے خیال میں سامنے رکھے ہوئے ہو اور اس شعور وادراک کے ساتھ وہاں رہے کہ حضور ﷺ تیری موجودگی، کھڑے ہونے، سلام عرض کرنے بلکہ تمام افعال واحوال سے باخبر ہیں اور آمد و رفت پر مطلع ہیں۔ گویا آپ ﷺ تیرے سامنے جلوہ فرما ہیں اور تو آپ کے حضور موجود ہے۔ آپ کی عظمت وجلالت کو تو پیش نظر رکھے اور آپ کی ہیبت و بزرگی قدر ومنزلت اور رفعت مرتبہ بھی پیش نظر رہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے اس روحانی اور وجدانی کیفیت میں حاضر ہونے کی تعلیم کے بعد فرمایا کہ ہر زائر کو پھر بڑے مؤدب طریقہ سے بارگاہ رسالت میں یوں عرض گزارنی چاہیے: **السلام علیک یا رسول الله . السلام علیک یا خلیل الله. السلام علیک یا خیر خلق الله .** علامہ ابن ہمام نے حاضری کی کیفیت یوں بیان فرمائی:

فیستقبل جداره ویستدبر القبلة علی نحو اربعة اذرع من السارية التی عند راس القبر فی زاوية جداره وما عن ابی اللیث انه یقف مستقبل القبلة مردود بما روی ابو حنیفة رضی الله عنه فی مسنده عن ابن عمر رضی الله عنهما قال من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة الله

حضور ﷺ کے روضۂ مقدسہ کی دیوار کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پشت ہو اور تقریباً چار ہاتھ دور اس ستون سے کھڑا ہو جو آپ کی قبر انور کے سرہانے کی طرف ہے اور کونہ میں کھڑا ہو اور وہ طریقہ جو لیث سے منقول ہے کہ زائر قبلہ کی طرف منہ (اور آپ کی قبر انور کی طرف پیٹھ کر کے) کھڑا ہو۔ یہ مردود ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ تو حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے لئے جانب قبلہ سے آئے اور

وبرکاته. تیری پیٹھ قبلہ کی طرف اور تیرا چہرہ قبر انور کی طرف ہو پھر تو کہے
السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته۔ (فتح القدیر مع عنایہ شرح الہدایہ ج۲ص۳۳۶باب الہدیٰ)

قارئین کرام! بارگاہ نبوی کی حاضری اور ادب کی کچھ باتیں آپ نے پڑھیں۔ آخر ادب واحترام کی یہ کیفیت کیوں نہ ہو کیونکہ آپ کی قبر انور کائنات کی ہر چیز اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق سے افضل واعلیٰ ہے۔ نہ کعبہ اس کی ہم سری کر سکے اور نہ عرش معلیٰ اس کی برابری کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے جو کیفیت ادب کتب میں منقول ہے اس کی ایک جھلک ''فتح القدیر'' نے یوں دکھائی ہے۔

ولذا کان مالک رضی الله عنه لایرکب فی طرق المدینة وکان یقول استحیی من الله تعالی ان اطأ تربة فیها رسول الله ﷺ بحافر دابة.
(فتح القدیر ج۲ص۳۳۶باب الہدیٰ)

اسی لئے امام مالک رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں سوار ہو کر نہیں چلا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے شرماتا ہوں کہ اس مٹی کو کسی سواری کے کھروں سے روندوں جس میں رسول کریم ﷺ آرام فرما ہیں۔

یہ ادب واحترام ان حضرات سے منقول ہے جو قرآن وحدیث کے علوم پر وہ عبور رکھتے تھے کہ قیامت تک کوئی ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ ان لوگوں کا ادب بھرا عمل اور اظہار عقیدت ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے اور ایسے لوگوں کے راستہ اور طریقہ کو صراط مستقیم فرمایا گیا۔ ان کے خلاف وہی لوگ ہیں جو مغضوب علیھم اور ضالین کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بارگاہِ نبوی کی حاضری نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ نبی الکریم۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

✿✿✿✿✿